تفسیر مظہری

جلد یازدہم

سورۃ الحجرات سے سورۃ التحریم تک
پارہ ۲۶ رکوع ۱۳ تا پارہ ۲۸

تالیف

حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی

تشریحی ترجمہ مع ضروری اضافات

مولانا سید عبدالدائم الجلالی
رفیق ندوۃ المصنفین

ناشر

دارالاشاعت

اردو بازار کراچی ۱ ——— فون ۲۱۳۷۶۸

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی

طباعت : ۱۹۹۹ء شکیل پریس کراچی۔

ضخامت : صفحات در ۶ جلد

ملنے کے پتے

بیت القرآن اردو بازار کراچی

بیت العلوم 26-نابھ روڈ لاہور

کشمیر بک ڈپو۔ چنیوٹ بازار فیصل آباد

کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی

ادارۂ اسلامیات ۱۹۰۔ انار کلی لاہور

مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور

مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان

مکتبہ رحمانیہ ۱۸۔ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

عرض ناشر

اللہ تعالیٰ کا انعام ہے کہ کئی ماہ کی کوشش کے بعد دارالاشاعت کراچی کی جانب سے تفسیر مظہری اردو کا ایڈیشن زیور طبع سے آراستہ ہو کر قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔

میرے والد ماجد جناب الحاج محمد رضی عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں اشاعت دین کے پیش نظر قرآن و حدیث، فقہ و تصوف، سیرت و تاریخ کی متعدد گرانقدر کتب کی طباعت کی خدمات انجام دی وہاں ان کی یہ بھی خواہش تھی کہ تفسیر مظہری کی طباعت واشاعت کا شرف بھی حاصل کریں کیونکہ حضرت قاضی ثناء اللہ عثمانی پانی پتی" نے اس تفسیر میں ایک خاص طرز یہ بھی اختیار فرمایا کہ مسلک کے اعتبار سے احناف اور شافعی مسلک کے نظریاتی اختلافات بھی واضح فرمائے ہیں اور یہ بھی بتایا کہ احناف کا اس سلسلے میں کیا مقام ہے۔ اس وجہ سے اس کی افادیت اور بھی بہت بڑھ گئی ہے، نیز مصنف رحمۃ اللہ علیہ ایک طرف قرآن و حدیث اور فقہ میں اپنے وقت کے نامور علماء میں شامل تھے تو دوسری طرف باطنی علوم اور تزکیۂ سلوک میں بھی شیخ وقت سمجھے جاتے تھے، شاید اسی وجہ سے یہ تفسیر تمام دینی حلقوں میں مستند سمجھی جاتی ہے۔

اس تفسیر کا اردو ترجمہ مولانا سید عبدالدائم جلالی رحمۃ اللہ علیہ نے ندوۃ المصنفین دہلی کے زیر اہتمام فرمایا تھا، لیکن یہ تفسیر اب تک عوام کو بسہولت دستیاب نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم نے (حسب اجازت حکومت سندھ پاکستان DPR (NO /2/PB/91.213.24.3.1991) سے شائع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

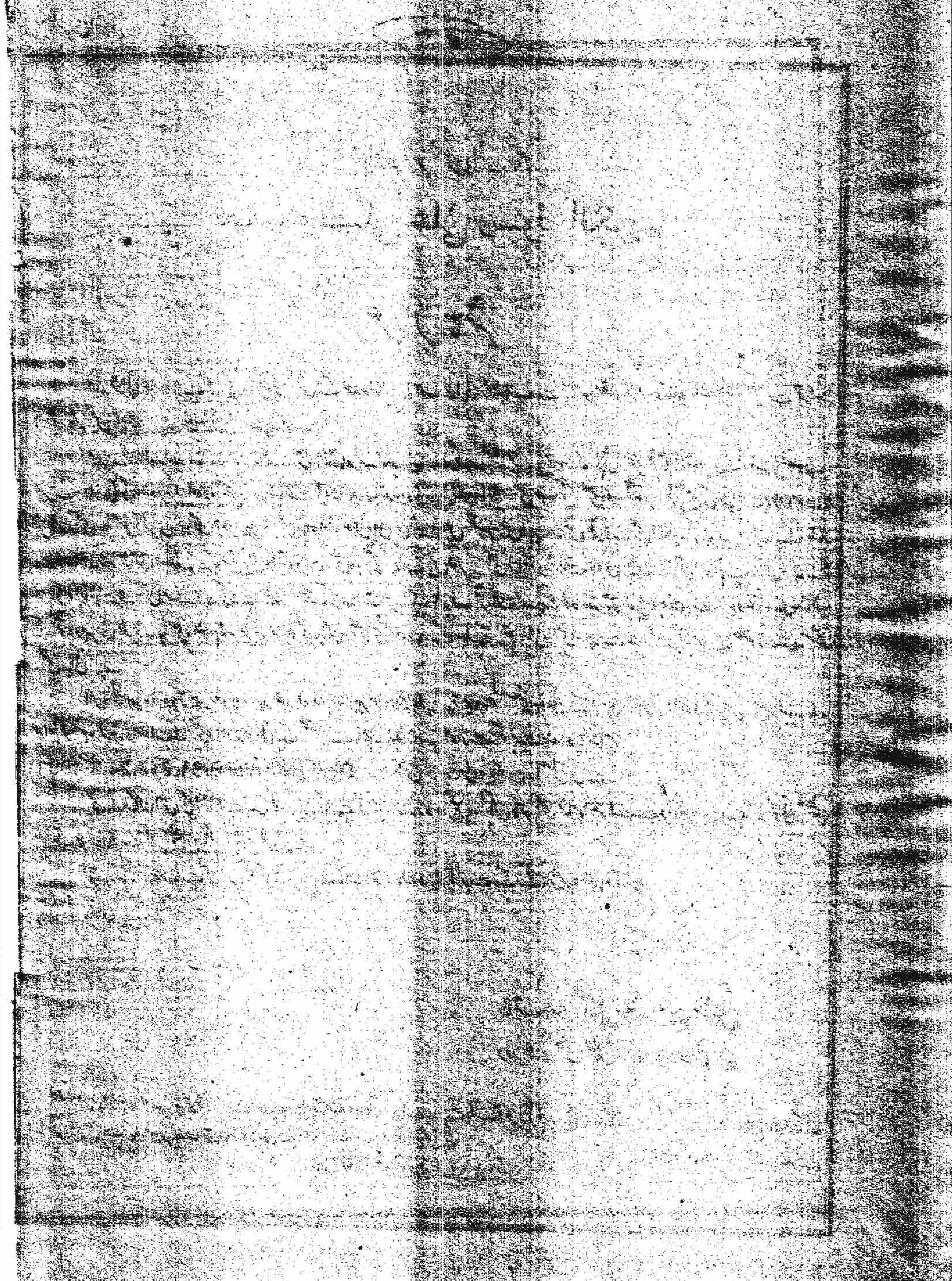
حتی الامکان اس کی اشاعت میں کوشش کی ہے کہ اغلاط نہ رہ جائیں، لیکن پھر بھی تمام حضرات سے درخواست ہے کہ کوئی غلطی نظر آئے تو ادارے کو مطلع فرما کر مشکور فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کو شرف قبولیت سے نوازیں اور دنیا و آخرت کے لئے نافع بنائیں، آمین

طالب دعا **خلیل اشرف عثمانی**

ولد محمد رضی عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

نوٹ:- پہلے یہ تفسیر ہاتھ کی کتابت اور لیتھو طریقہ طباعت پر دستیاب تھی اب الحمدللہ کمپیوٹر کی عمدہ کتابت اور آفسٹ طریقہ طباعت کے ساتھ اور آیات کے نمبر کے ساتھ اور عنوان کے مقامات کو انڈر لائن کرکے پیش خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری کوششوں کو قبول فرمائے۔ آمین



فہرست مضامین تفسیر مظہری اُردو جلد یازدہم

ہم تیری ثنا کرتے ہیں۔

اے وہ ذات کہ تیرے سوا کوئی قابلِ عبادت نہیں۔ ہم تیرے پاک ہونے کا دل اور زبان سے اعتراف کرتے ہیں اور تجھ سے مدد چاہتے ہیں اور تجھ سے مغفرت کے طلب گار ہیں اور تیرے شکر گزار ہیں اور دنیا و آخرت میں تجھ سے حصولِ خیر کی درخواست کرتے ہیں ہم کو اپنے نیک بندوں میں شامل کر دے جن کو قیامت کے دن نہ عذاب کا کوئی خوف ہوگا نہ ثواب فوت ہونے کا کوئی رنج۔ ہم شہادت دیتے ہیں کہ تو ہمارا رب ہے اور تمام اندرونی و بیرونی کائنات سماوی و ارضی کا مالک ہے ہر چیز تیرے قابو میں ہے۔ ہم دعاء رحمت و سلامتی کرتے ہیں۔ تیرے رسول و حبیبؐ کے لئے جو ساری مخلوق کے سردار تھے۔ ہمارے آقا اور سردار محمد ﷺ کے لئے تجھ سے رحمت و سلامتی کی درخواست کرتے ہیں اور ان کی آل و اصحاب اور قیامت تک ان کی پیروی کرنے والوں کے لئے بھی۔ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

سورۃ الحجرات

یہ سورۃ مدنی ہے اس میں اٹھارہ آیات اور دو رکوع ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخاری وغیرہ نے بطریق ابن جریج ابوملیکہ کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا بنی تمیم کا ایک قافلہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا، قعقاع بن معبدؓ کو ان کا امیر بنا دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا نہیں بلکہ اقرع بن حابسؓ کو سردار مقرر کر دیجئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ آپ تو میرے خلاف ہی چلنا چاہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، میرا مقصد آپ کی مخالفت کرنا نہیں ہے۔ دونوں کی گفتگو بڑھی۔ یہاں تک کہ آوازیں اونچی ہو گئیں۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ①

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اجازت سے پہلے تم سبقت مت کیا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تمہارے اقوال کو سننے والا اور تمہارے اعمال کو جاننے والا ہے۔

لَا تُقَدِّمُوْا بعض اہل علم نے کہا لَا تُقَدِّمُوْا فعل متعدی ہے اور مفعول محذوف ہے۔ مفعول اگر ذکر کیا جاتا تو محدود ہو جاتا اور مقصود تھا عموم۔ مفعول یعنی اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش دستی نہ کرو نہ قول میں نہ فعل میں۔ یا مفعول بالکل متروک ہے اور فعل متعدی کو بجائے لازم کے ذکر کیا یعنی تمہاری جانب سے پیش قدمی نہ ہو۔

بَیْنَ یَدَیْ (دونوں ہاتھوں کے درمیان) بطور استعارہ اس مسافت کو کہتے ہیں جو دو متقابل جہتوں یعنی دائیں بائیں جہتوں کے درمیان قریب ہی ہو۔ آیت میں تقدم زمانی کو تقدم مکانی سے تشبیہ دی گئی ہے (اور تقدم مکانی کا لفظ بول کر تقدم زمانی مراد لیا ہے) یعنی اللہ اور اللہ کے رسول کے فرمان سے پہلے اپنا فیصلہ نہ کرو نہ قولی نہ فعلی۔

ضحاک نے کہا یعنی جہاد اور قوانینِ دین کے معاملے میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے پہلے فیصلہ نہ کرو۔

ابو عبیدہ نے کہا، عرب کہتے ہیں لَا تُقَدِّمْ بَيْنَ يَدَيِ الْإِمَامِ ..... لَا تُقَدِّمْ بَيْنَ يَدَيِ الْأَبِ یعنی حکم دینے ممانعت کرنے اور جھڑکنے میں حاکم اور باپ سے عجلت نہ کرو۔

بعض اہل علم نے کہا کہ اصل مقصد ہے اللہ کے رسول کے سامنے پیش دستی کرنے کی ممانعت اللہ کا ذکر رسول اللہ ﷺ کی عظمت کے اظہار کے لئے کیا گیا ہے اور اس بات کی طرف ایماء کرنا مقصود ہے کہ اللہ کے رسول پر تقدیم گویا اللہ پر تقدیم ہے۔ کیونکہ اللہ کے نزدیک آپ ﷺ کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ آپ کی تعظیم اللہ کی تعظیم اور آپ سے بے ادبی کرنی اللہ سے بے ادبی کرنی ہے۔ اسی مضمون کو آیت "إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ" میں بیان کیا گیا۔

ابن المنذر نے حسن کا بیان نقل کیا ہے کہ قربانی کے دن کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے پہلے قربانی کر دی، رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ دوبارہ قربانی کریں۔ اس پر آیت نازل ہوئی۔ ابن ابی الدنیا نے کتاب الاضاحی میں یہ روایت نقل کی ہے۔ اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ نماز سے پہلے انہوں نے قربانی کی تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت براء بن عازب کا بیان ہے کہ قربانی کے دن رسول اللہ ﷺ نے ہم کو خطاب کیا اور فرمایا آج سب سے پہلے ہم نماز ادا کریں پھر واپس آکر قربانی کریں۔ جس نے ایسا کیا اس نے ہمارے طریقہ کو پالیا اور جس نے نماز پڑھنے سے پہلے قربانی کی تو یہ (قربانی نہیں بلکہ) معمولی گوشت ہے جو گھر والوں کے لئے اس نے پہلے سے تیار کر لیا ہے۔ قربانی سے اس کا کوئی تعلق نہیں (متفق علیہ) حضرت جندب بن عبداللہ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ قربانی کے دن رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی پھر خطبہ دیا پھر قربانی کی، پھر فرمایا جس نے نماز پڑھنے سے پہلے قربانی کی وہ اس کی جگہ اور قربانی کرے (متفق علیہ)

احادیث مذکورہ کی روشنی میں امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ امام کی نماز سے پہلے قربانی کرنی جائز نہیں۔ امام شافعیؒ کا قول اس سے مختلف ہے آپؒ نے فرمایا، قربانی کے دن طلوع آفتاب کے بعد جب اتنا وقت گزر جائے کہ امام نماز اور دونوں خطبوں سے فارغ ہو سکے تو قربانی کرنی جائز ہے خواہ امام نے نماز اس وقت تک پڑھی یا نہ پڑھی ہو۔ عطاء نے کہا، طلوع آفتاب کے بعد ہی فوراً قربانی جائز ہو جاتی ہے۔ امام شافعی اور عطاء کے قول کے خلاف احادیث مذکورہ صراحت کر رہی ہیں۔

امام مالکؒ نے جو فرمایا کہ نماز اور امام کی قربانی سے پہلے قربانی کرنی جائز نہیں۔ مذکورہ بالا دونوں حدیثوں سے اس قول پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ شاید امام مالکؒ نے اپنے اس قول کا ماخذ آیت لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ کو قرار دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قربانی کرنے سے پہلے قربانی نہ کرو اور امام رسول اللہ ﷺ کا نائب ہے۔ (لہذا امام کی قربانی سے پہلے قربانی کرنی جائز نہیں)۔

ہم کہتے ہیں حدیث آیت کا بیان ہے لہذا حدیث سے جو شرط مستفاد نہیں وہ نہیں لگائی جا سکتی۔

مسئلہ

امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا دیہات میں چونکہ عید کی نماز نہیں پڑھی جاتی اس لئے فجر صادق کے طلوع کے بعد قربانی کرنی جائز ہے باقی تینوں اماموں کا قول اس کے خلاف ہے۔ امام احمدؒ نے فرمایا جب تک امام کے نماز پڑھ چکنے کا یقین نہ ہو جائے۔ دیہات میں قربانی ناجائز ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک جب تک امام کی قربانی اور نماز ہو چکنے کا یقین نہ ہو جائے۔ اس وقت تک دیہات میں قربانی نہیں ہو سکتی۔ امام شافعیؒ نے فرمایا جب تک طلوع آفتاب کے بعد نماز ادا کرنے اور دونوں خطبوں سے فارغ ہو جانے کے بقدر وقت نہ گزر جائے دیہات میں قربانی جائز نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ نماز سے قربانی کو مؤخر کرنے کے حکم کی وجہ یہ ہے کہ اگر نماز سے پہلے قربانی کی جائے گی تو ممکن ہے کہ قربانی میں مشغول ہونے کی وجہ سے نماز سے کچھ غفلت ہو جائے لیکن دیہات میں چونکہ عید کی نماز ہی نہیں ہے۔ اس لئے قربانی کی تاخیر کی کوئی مصلحت ہی نہیں۔

طبرانی نے الاوسط میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ کچھ لوگ ماہ رمضان شروع ہونے سے پہلے رسول

اللہ ﷺ کے روزے رکھنے سے بھی اول روزے رکھ لیا کرتے تھے۔ اس پر اللہ نے آیت لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ نازل فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا رمضان شروع ہونے سے دو ایک روز پہلے روزے رکھنے نہ شروع کر دیا کرو۔ ہاں وہ شخص رمضان سے دو ایک روز پہلے روزہ رکھ سکتا ہے جو برابر روزے رکھتا چلا آیا ہو۔ رواہ اصحاب الصحاح و السنن الستۃ۔ اصحاب السنن الاربعہ نے حضرت عمارؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور بخاری نے تعلیقاً نقل کیا ہے کہ جس نے شک کے دن روزہ رکھا اس نے ابو القاسم ﷺ کی مخالفت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر روزہ رکھنا ترک کرو اگر (ابر وغیرہ کی وجہ سے) چاند تم کو دکھائی نہ دے تو تیس دن کی گنتی پوری کر لو۔ (صحیحین) ابو داؤد اور ترمذی کی روایت جس کو ترمذی نے حسن کہا ہے۔ اس طرح ہے اگر تمہارے اور چاند کے درمیان بادل حائل ہو جائے تو تیس کی گنتی پوری کر لو اور مہینہ شروع ہونے سے پہلے روزہ نہ رکھو۔

ابن جریر نے لکھا ہے کہ قتادہ نے فرمایا، ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ کچھ لوگ کہتے تھے کاش فلاں فلاں معاملہ میں کچھ حکم نازل کر دیا جاتا۔ اس پر آیت لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ نازل ہوئی۔

وَاتَّقُوا اللّٰہَ۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے سے ڈرو۔ اللہ اور اس کے رسول کی حق تلفی نہ کرو۔

اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۔ اللہ تمہارے اقوال کو سنتا اور تمہاری نیتوں کو جانتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۲ اے ایمان والو، تم اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بولا کرتے ہو، کبھی تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ مزید دعوتِ بصیرت دینے کے لئے الفاظ کو زور دار بنانے کے لئے اور حکم کی زیادہ اہمیت ظاہر کرنے کے لئے مکرر صیغۂ نداء استعمال کیا گیا۔

لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ الخ یعنی اللہ کے نبی سے جب بات کرو تو ان کے سامنے اونچی آوازوں سے بات نہ کرو اور ان کو اس طرح نہ پکارو جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے مثلاً ان کا نام یا کنیت کہہ کر خطاب نہ کرو بلکہ تعظیم و تکریم کرو، ادب کا لحاظ رکھو، نیچی آواز سے خطاب کرو اور رسول اللہ یا نبی اللہ کہہ کر کلام کرو۔

اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ۔ اس ڈر سے کہ کہیں تمہارے سارے اعمال برباد نہ ہو جائیں۔ یہ ممانعت کی علت ہے رسول اللہ ﷺ کے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ کی آواز سے اپنی آواز کو اونچا کرنا توہین نبی پر دلالت کرتا ہے۔ اور توہین نبی کفر ہے اور کفر حبطِ اعمال کا موجب ہے پس نبی کی آواز سے اپنی آواز اونچی کرنی اگر اہانتِ نبی کے ارادہ سے ہو تو کفر ہے اور اگر لاپروائی اور نگہداشت ادب کے فقدان کے زیر اثر ہو تو برکاتِ صحبت سے محرومی کی موجب ہے۔ صحابیت کے فائدہ سے محرومی ہو جائے تو ایسی صحابیت بے کار ہے۔

بغوی نے حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت ابو بکرؓ رسول اللہ ﷺ سے بہت چپکے سے بات کرتے تھے۔ حضرت ابن زبیرؓ نے نزولِ آیت کا جو سبب بیان کیا ہے جس کو بخاری نے نقل کیا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ اس کے بعد حضرت عمرؓ رسول اللہ ﷺ سے اتنی پست آواز سے بات کرتے تھے کہ حضور ﷺ سن بھی نہ پاتے تھے اور دوبارہ دریافت فرماتے تھے۔

مسلم نے صحیح میں حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ الخ کی نزول کے بعد حضرت ثابت بن قیسؓ اپنے گھر میں بیٹھ رہے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری سے رُک گئے اور کہنے لگے میں دوزخی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذؓ سے دریافت کیا۔ ابو عمر ثابتؓ کا کیا حال ہے کیا وہ بیمار

ہو گئے۔ حضرت سعدؓ نے عرض کیا (یا رسول اللہ ﷺ) وہ میرے ہمسائے ہیں مجھے تو ان کے بیمار ہونے کا علم نہیں، کوئی اور وجہ ہو گی)۔ حضرت سعدؓ حضرت ثابتؓ کے پاس آئے اور رسول اللہ ﷺ کا قول ان سے بیان کیا حضرت ثابتؓ نے کہا یہ آیت نازل ہو گئی ہے اور آپ لوگ جانتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے تم سب سے زیادہ اونچی آواز سے کلام کرتا ہوں اس لئے میں دوزخی ہو گیا۔ سعدؓ نے ثابتؓ کی یہ بات رسول اللہ ﷺ سے جا کر عرض کر دی۔ فرمایا (وہ دوزخی نہیں) بلکہ اہل جنت میں سے ہے۔

ابن جریر نے محمد بن ثابت بن قیس بن شماس کی روایت سے بیان کیا ہے اور بغوی نے اس کا ذکر کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ثابتؓ راستہ ہی میں بیٹھ کر رونے لگے۔ حضرت عاصمؓ بن عدی ادھر سے گزرے اور رونے کا سبب دریافت کیا۔ حضرت ثابتؓ نے کہا۔ یہ آیت نازل ہو گئی ہے اور مجھے خوف ہے کہ کہیں میرے ہی متعلق نازل ہوئی ہو۔ کیونکہ میری آواز اونچی ہے مجھے اپنے اعمال کے برباد ہو جانے اور دوزخی ہو جانے کا ڈر ہے۔ حضرت عاصمؓ نے خدمتِ گرامی میں حاضر ہو کر یہ بات عرض کر دی اور ادھر ثابتؓ پر گریہ کا ایسا غلبہ ہوا کہ انہوں نے گھر جا کر اپنی بی بی جمیلہ بنت عبداللہ بن اُبی بن سلول سے کہا جب میں اپنے گھوڑے کے بندھنے کی جگہ جاؤں تو گھوڑے کا دھنگنا مضبوط طور پر میرے پاؤں میں کس کر کھونٹے سے باندھ دینا۔ بیوی نے ایسا ہی کیا۔ حضرت ثابتؓ نے کہا۔ اب میں باہر نہیں نکلوں گا۔ یہاں تک کہ مجھے موت آ جائے یا رسول اللہ ﷺ مجھ سے راضی ہو جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عاصمؓ کو حکم دیا۔ جا کر ثابتؓ کو بلا لاؤ۔ حسب الحکم حضرت عاصمؓ اول اسی جگہ گئے جہاں ثابتؓ کو دیکھا تھا۔ جب وہاں نے ملے تو ان کے گھر گئے جا کر دیکھا کہ ثابتؓ گھوڑے کی کوٹھری میں بند ہیں۔ عاصم نے کہا۔ رسول اللہ ﷺ تم کو طلب فرما رہے ہیں ثابتؓ نے کہا دھنگنا توڑ دو۔ اس کے بعد دونوں...... رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ثابتؓ تمہارے رونے کی کیا وجہ ہے۔ حضرت ثابتؓ نے کہا حضور ﷺ میری آواز اونچی ہے مجھے خوف ہے کہ یہ آیت میرے ہی متعلق نازل ہوئی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ قابلِ ستائش زندگی گزارو گے اور شہادت کی موت مارے جاؤ گے اور جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ ثابتؓ نے کہا میں اللہ کی اور اس کے رسول کی خوش خبری پر راضی ہوں۔ میں اللہ کے رسول کے سامنے کبھی آواز اونچی نہیں کروں گا۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٣﴾ بے شک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پست رکھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے خالص کر دیا ہے۔ ان لوگوں کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے۔

يَغُضُّونَ۔ یعنی اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں۔

عِندَ رَسُولِ اللَّهِ۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس آپ ﷺ کی تعظیم کی وجہ سے۔

امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ۔ صاحبِ قاموس نے لکھا ہے۔ یعنی ان کے دلوں کو تقویٰ کے لئے کشادہ کر دیا اور کھول دیا۔ یہ بھی صاحبِ قاموس نے لکھا ہے کہ مَحَنَهُ فَتَحَ اور ضَرَبَ سے اِمْتَحَنَهُ بمعنی اِخْتَبَرَهُ کے بھی آتا ہے۔ (اس نے اس کی جانچ کی)

بیضاوی نے لکھا ہے۔ اللہ نے ان کے دلوں کا تجربہ کر لیا، تقویٰ کے لئے ان کے اندر لچک پیدا کر دی۔ تقویٰ کا مشاق بنا دیا۔

ہر ممتحن اس غرض سے امتحان لیتا ہے کہ امتحان دینے والے کی قابلیت اس کو معلوم ہو جائے لیکن اللہ کو تو لوگوں کے دلوں کے احوال پہلے سے معلوم ہیں۔ اس لئے وہ ممتحن کیسے ہو سکتا ہے۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لئے حضرت مفسرؒ نے فرمایا یعنی اللہ نے ممتحن کا جیسا معاملہ ان سے کیا اور ان کے دلوں کو مخلص پایا یعنی صورتِ امتحان مراد ہے حقیقی ممتحن ہونا مراد نہیں ہے یا یہ مطلب ہے کہ اللہ نے جان لیا کہ ان کے دل تقویٰ کے لئے بنے ہی ہیں۔ تقویٰ ہی کے لئے مخصوص ہیں (اس صورت میں امتحان سے مراد ہو گا امتحان کا نتیجہ یعنی علم، امتحان حصولِ علم کا ذریعہ ہے۔

یا یہ مطلب ہے کہ طرح طرح کی مصائب و شدائد میں ان کے دلوں کو مبتلا کر دیا تاکہ تقویٰ کا ظہور ہو جائے۔ مصائب و شدائد پر صابر رہنے سے تقویٰ ظاہر ہوتا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لئے خالص کر لیا۔ عرب کہتے ہیں، اِمْتَحَنَ الذَّھَبَ سونے کی جانچ کر لی یعنی پگھلا کر میل صاف کر دیا اور صاف کندن بنا دیا۔

وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ۔ اجر کی اور مغفرۃ کی تنوین اظہارِ عظمت کے لئے ہے۔ (بڑی مغفرت اور بہت بڑا اجر) رسول اللہ ﷺ کے سامنے با ادب رہ کر پست آواز سے بات کرنے کے عوض نیز دوسری طاعات و عبادات کے بدلہ میں ان کے لئے بڑی مغفرت اور عظیم الشان اجر ہے۔

اُولٰٓئِكَ: اسم اشارہ مبتدا ہے۔ اس کے بعد اَلَّذِيْنَ مع صلہ خبر ہے۔ یہ جملہ دلالت کر رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کی وجہ سے پست آواز سے کلام کرنا اللہ کو بہت ہی پسند ہے اور ایسے لوگ کمال کے انتہائی درجہ پر فائز ہیں۔ ان کے بر خلاف رسول اللہ ﷺ کے سامنے اونچی آواز سے کلام کرنا (اور شور و غل مچانا) اللہ کے نزدیک بہت ہی بُرا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا، ہم اپنے سامنے جنتی یعنی ثابت بن قیسؓ کو جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی چلتے پھرتے دیکھتے تھے (اور جانتے تھے کہ یہ زندہ جنتی ہیں) اور ان ہی سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ تم قابلِ ستائش زندگی گزارو گے اور شہادت کی موت مارے جاؤ گے اور جنت میں چلے جاؤ گے۔

جب جنگِ یمامہ میں مسیلمۂ کذاب سے مقابلہ ہوا تو ثابتؓ کو شروع میں مسلمانوں میں کچھ شکست کی حالت نظر آئی بلکہ ایک جماعت تو شکست کھا کر بھاگ بھی پڑی۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت ثابتؓ نے کہا۔ ان لوگوں پر افسوس ہے۔ پھر حضرت سالمؓ سے فرمایا اللہ کے رسول ﷺ کی ہمرکابی میں تو ہم اللہ کے دشمنوں سے اس طرح نہیں لڑتے تھے اس قول کے بعد دونوں حضرات نے توبہ کی۔ پھر اتنا سخت قتال کیا کہ حضرت ثابتؓ شہید ہو گئے۔ اس وقت آپ زرہ پہنے ہوئے تھے مرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے صحابیوں میں سے کسی نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ خواب میں آپ نے اس صحابی کو بتایا کہ میری زرہ ایک مسلمان اتار کر لشکر کے کنارہ پر ایک جگہ لے گیا۔ وہاں گھوڑا رسی سے بندھا ہوا ہے اور زرہ پر پتھر کی ایک ہانڈی رکھ دی ہے۔ تم خالد بن ولیدؓ سے جا کر کہہ دو کہ وہ میری زرہ اس شخص سے واپس لے لیں اور رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ حضرت ابو بکرؓ سے جا کر یہ بات کہہ دو کہ مجھ پر کچھ قرض ہے وہ ادا کر دیا جائے۔ اور میرا فلاں غلام آزاد ہے یعنی میں آزاد کرتا ہوں اس صحابی نے حضرت خالدؓ سے جا کر یہ بات کہہ دی۔ حضرت خالدؓ نے جا کر دیکھا تو زرہ اور گھوڑا ویسے ہی پایا جیسا بیان کیا تھا آپ نے زرہ واپس لے لی۔ حضرت خالدؓ نے یہ خواب حضرت ابو بکرؓ سے جا کر بیان کر دیا تو آپ نے حضرت ثابتؓ کی وصیت پوری کر دی۔ حضرت مالکؒ بن انس نے فرمایا اس وصیت کے علاوہ مجھے کوئی ایسی منامی وصیت معلوم نہیں۔ جس کو پورا کیا گیا ہو۔

طبرانی اور ابو یعلی نے حسن سند کے ساتھ بیان کیا کہ حضرت زید بن ارقمؓ نے فرمایا۔ کچھ دیہاتی رسول اللہ ﷺ کے حجروں کی طرف آئے اور پکارنے لگے۔ یا محمد ﷺ یا محمد ﷺ باہر آؤ۔ اس پر آیتِ ذیل نازل ہوئی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُھُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ④

جو لوگ حجروں کے باہر سے آپ ﷺ کو پکارتے ہیں بلاشبہ ان میں سے اکثر کو عقل نہیں۔

حُجُرٰت اور حُجَرَات حجرۃ کی جمع ہے۔ بغوی نے لکھا ہے۔ حجرات حُجَر کی اور حُجَر حجرۃ کی جمع ہے۔ حجرۃ زمین کے اس ٹکڑے کو کہتے ہیں، جس کا دیواروں سے گھیراؤ کر دیا گیا ہو چھت ہو یا نہ ہو یہ لفظ حَجْر سے ماخوذ ہے اور حَجْر کا معنی ہے روک۔ الحجرات سے امہات المؤمنین کے حجرے مراد ہیں - من ابتدائیہ ہے۔ یعنی حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اندر تھے۔

اگر واقعات متعدد مانے جائیں تو یہ مطلب ہوگا کہ کبھی ایک حجرہ کے باہر سے اور کبھی دوسرے حجرہ کے باہر سے پکارتے ہیں۔ اور اگر واقعہ ایک ہی مانا جائے تو حجروں کے باہر سے پکارنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر حجرہ پر جا کر باہر سے پکارتے ہیں یا کچھ

لوگ ایک حجرہ کے باہر سے اور کچھ لوگ دوسرے حجرہ کے باہر سے اور کچھ تیسرے حجرہ کے باہر سے پکارتے ہیں۔
أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ اکثر بے سمجھ ہیں۔ کیونکہ وہ لوگ خانہ بدوش بدوی تھے یا مفعول محذوف ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان میں سے اکثر آپ ﷺ کی عظمت اور ادب و تہذیب کو نہیں سمجھتے آیت یعنی لفظ اَکْثَرُھُمْ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ان میں بعض لوگ دانش مند تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے فوراً باہر نکل آنے کی درخواست کو پسند نہیں کرتے تھے۔ بعض کے فعل کی سب کی طرف نسبت مجازی ہے یا نفی سے مراد قلت ہے۔ نفی عمومی کے مقام پر قلت کا اطلاق ہو جاتا ہے۔
ثعلبی نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حجروں کے باہر سے رسول اللہ ﷺ کو عیینہ بن حصینؓ اور اقرع بن حابس نے پکارا تھا۔ یہی دونوں ستر آدمیوں کو ساتھ لے کر دوپہر کے وقت مدینہ میں پہنچے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کسی بی بی کے حجرہ میں سو رہے تھے۔ انہیں دونوں نے پکار کر کہا تھا۔ محمد! باہر آؤ۔ ابن جریر نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اقرع بن حابس نے کہا تھا۔ محمد ہمارے پاس باہر آؤ۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔
عبدالرزاق نے بوساطتِ معمر، قتادہ کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ محمد میں جس کی تعریف کر دوں تو اس کے لئے میری تعریف جمالِ آفریں ہو جاتی ہے اور کسی کو برا کہہ دوں تو میرا برا کہنا اس کے لئے موجبِ عیب ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ایسا تو صرف اللہ ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ روایت اگرچہ مرسل ہے، کسی صحابی کا نام اس روایت میں نہیں ہے۔ لیکن اس کی شاہد وہ حدیث ہے جو نزولِ آیت کے متعلق حضرت براء بن عازبؓ کی روایت سے مرفوعاً آئی ہے ابن جریج نے حسن کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔
بغوی نے قتادہ اور جابرؓ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے کہ یہ آیت (یعنی یہ آیت اور اس کے بعد کی عبارت) بنی تمیم کے کچھ خانہ بدوش بدویوں کے متعلق نازل ہوئی۔ جنہوں نے دروازہ پر پہنچ کر رسول اللہ ﷺ کو آوازیں دی تھیں۔ حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے کہ دروازہ پر پہنچ کر انہوں نے پکار مچائی۔ محمد! باہر نکل کر آؤ۔ ہماری طرف سے کسی کی تعریف اس کے لئے باعثِ زینت ہے اور ہماری طرف سے کسی کی مذمت موجبِ عیب ہے۔ آواز سن کر حضور یہ کہتے ہوئے باہر تشریف لائے کہ ایسا تو بس اللہ ہے۔ جس کی طرف سے کسی کی ستائش موجبِ زینت اور مذمت موجبِ عیب ہے۔ دیہاتی بولے ہم اپنے شاعر اور خطیب کو ساتھ لے کر آئے ہیں۔ حضور ﷺ نے ثابتؓ بن قیس سے فرمایا، اٹھو ان کو جواب دو۔ حضرت ثابتؓ رسول اللہ ﷺ کے خطیب تھے۔ حسبُ الحکم آپ نے بنی تمیم کے خطیب کو جواب دیا۔ پھر ان کا شاعر کھڑا ہوا اور اس نے کچھ اشعار پڑھے۔ حضور ﷺ نے حضرت حسان بن ثابتؓ کو حکم دیا۔ اٹھو، ان کو جواب دو۔ حضرت حسانؓ نے اٹھ کر جواب دیا۔ یہ بات دیکھ کر اقرع بن حابسؓ تمیمی نے کہا۔ محمد ﷺ کے پاس تو ہر خیر جمع ہے۔ ہمارا خطیب بولا تو ان کا خطیب بھی بولا اور ہمارے خطیب پر غالب آیا۔ پھر ہمارے شاعر نے کچھ اشعار پڑھے تو ان کے شاعر نے جواب دیا پس ہمارے شاعر سے تمہارا شاعر بہتر اور احسن ثابت ہوا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچا اور بول پڑا۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ واشھد انک رسولہ۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ اس سے پہلے تجھ سے جو جرائم ہو گئے ہیں وہ سب معاف ہو گئے ان کا کوئی ضرر تجھے نہیں پہنچے گا۔ یعنی کوئی مؤاخذہ نہیں کیا جائے گا اس کے بعد ان سب کو رسول اللہ ﷺ نے کچھ نقد اور لباس عطا فرمایا۔ قافلہ میں ایک بچہ کم سنی کی وجہ سے رہ گیا تھا۔ جس کا نام عمرو بن اصم تھا۔ قافلہ کے مال اور جانوروں کی نگرانی کے لئے یہ لوگ اس کو چھوڑ آئے تھے۔ حضور ﷺ نے اس کو بھی اتنا ہی حصہ دیا۔ جتنا ان لوگوں میں سے ایک ایک کو دیا تھا۔ بعض لوگوں نے اس لڑکے کو اپنے مقابلہ میں حقیر قرار دیا اور پورا حصہ دینے پر اعتراض کیا اس پر ان کے آپس میں حضور ﷺ کے سامنے شور و غل ہونے لگا۔ اس وقت آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا سے غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ تک نازل ہوئیں۔

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ بنی العنبر کی طرف ایک جہادی دستہ عیینہ بن حصین فزاریؓ کے زیر کمانڈ روانہ کیا۔ جب ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ عیینہ کا رخ ہماری طرف ہے تو وہ اپنے اہل و عیال کو

چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ عیینہ نے ان کے اہل و عیال کو قید کر لیا اور لا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ کچھ وقفہ کے بعد ان کے مرد اپنے بچوں کو زر فدیہ ادا کر کے رہا کرانے کے لئے آ گئے۔ جس وقت وہ آئے تھے دوپہر کا وقت تھا رسول اللہ ﷺ کسی بی بی کے حجرہ میں قیلولہ کر رہے تھے۔ ان کے بچوں نے جب اپنے باپوں کو دیکھا تو بیتاب ہو کر رونے لگے۔ رسول اللہ ﷺ کی ہر بی بی کا ایک مخصوص حجرہ تھا۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے بر آمد ہونے سے پہلے ہی جلدی میں پکارنے لگے۔ محمد ﷺ! باہر آیئے۔ غرض شور مچا کر حضور ﷺ کو بیدار کر دیا۔ آپ ﷺ باہر تشریف لے آئے۔ ان لوگوں نے کہا۔ محمد ﷺ فدیہ لے کر ہمارے اہل و عیال کو رہا کر دو۔ اس وقت جبرئیلؑ نازل ہوئے اور کہا۔ اللہ آپ ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ اپنے اور ان لوگوں کے درمیان کسی تیسرے شخص (کو بطور پنچ) مقرر کر دو۔ رسول اللہ ﷺ نے وحی پانے کے بعد فرمایا۔ سبرہ بن عمرو تمہارا ہم مذہب ہے۔ کیا تم لوگ اس کو میرے اور اپنے درمیان ثالث بنانا پسند کرو گے۔ ان لوگوں نے جواب دیا جی ہاں سبرہ نے کہا۔ جب تک میرا چچا اعور بن بشامہ یہاں موجود نہ ہوگا۔ میں کوئی فیصلہ نہیں کروں گا یعنی اعور سے فیصلہ کراؤں گا۔ خود کوئی فیصلہ نہیں کروں گا لوگ راضی ہو گئے۔ اعور نے فیصلہ ان کے آدھے اہل و عیال کو بغیر معاوضہ کے آزاد کیا جائے اور باقی نصف کو فدیہ لے کر رہا کیا جائے۔ حضورؐ نے فرمایا، میں اس پر راضی ہوں۔ چنانچہ نصف کو بلا معاوضہ اور نصف کو فدیہ لے کر رہا کر دیا۔ اور اللہ نے آیت اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَکَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ نازل فرمادی۔

وَلَوۡ اَنَّہُمۡ صَبَرُوۡا حَتّٰی تَخۡرُجَ اِلَیۡہِمۡ لَکَانَ خَیۡرًا لَّہُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۵﴾

اور اگر یہ لوگ ذرا صبر اور انتظار کرتے کہ آپ خود باہر ان کے پاس آجاتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا اور اللہ غفور رحیم ہے۔

وَلَوۡ اَنَّہُمۡ صَبَرُوۡا۔ رسول اللہ ﷺ سے ان کو ملنے کی ضرورت اور آپ ﷺ سے اپنا مقصد حاصل کرنے کی حاجت تھی۔ اس لئے عقل کا تقاضا تھا کہ ایسی شخصیت جس کی عظمتِ مرتبہ اللہ کی طرف سے بے مثال تھی۔ اس کی وہ لوگ تعظیم کرتے اور نفسانی اغراض کے زیر اثر جو کار براری میں عجلت پسندی کی تھی اس سے اپنے آپ کو روکے رکھتے اور اس وقت تک اپنے مقصد کو پیش کرنے سے رکے رہتے کہ حضور مقررہ وقت پر قیلولہ کے بعد اُٹھ کر باہر تشریف لے آتے اور خود ہی کلام کا آغاز فرماتے، تو یہ فعل ان کے لئے بہتر ہوتا۔ بے ادبی نہ ہوتی اور اللہ کے رسول کی تعظیم بھی ہوتی۔ اور پھر اس کا ثواب بھی ملتا اور ان کے عمل کو قابلِ ستائش قرار دیا جاتا اور کام بھی پورا ہو جاتا۔ مقاتل نے بہتر ہونے کا یہ مطلب بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ سب کو بلا معاوضہ رہا کر دیتے۔

وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ یعنی اللہ بڑا مہربان ہے۔ اسی لئے اس نے تم کو سزا نہیں دی بلکہ صرف نصیحت کر دی اور رسول اللہ ﷺ کی تعظیم نہ کرنے والوں اور بے ادبی کرنے والوں کو تنبیہ کر دی کیونکہ یہ بے ادب لوگ جاہل اور بے عقل ہیں۔

محمد بن یوسف صالحی کا بیان ہے کہ بنی تمیم نے زکوٰۃ دینے سے جب انکار کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے ماہ محرم ۹ ھ میں ایک فوجی دستہ عیینہ بن حصین کی زیر قیادت ان کی طرف بھیجا۔ محمد بن عمر کی روایت کے بموجب بنی تمیم کے جو قیدی گرفتار کئے گئے۔ وہ گیارہ عورتیں اور تیس بچے تھے۔

احمد وغیرہ نے عمدہ سند کے ساتھ بیان کیا کہ حارثؓ بن ضرار خزاعی نے فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور ﷺ نے مجھے اسلام کی دعوت دی میں نے اقرار کر لیا اور اسلام میں داخل ہو گیا۔ حضور ﷺ نے مجھے زکوٰۃ ادا کرنے کی دعوت دی میں نے اس کا بھی اقرار کر لیا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اپنی قوم کے پاس واپس جاؤں گا اور ان کو اسلام اور ادائے زکوٰۃ کی دعوت دوں گا جو شخص میری دعوت قبول کر لے گا میں اس کی زکوٰۃ جمع کر لوں گا، آپ میرے پاس فلاں فلاں اوقات میں کسی کو بھیج دیں کہ وہ زکوٰۃ کا مال لا کر آپ کی خدمت میں پیش کر دے۔ یہ کہہ کر حارث چلے گئے اور زکوٰۃ جمع کر لی۔ جب مقرر وقت آ گیا اور رسول اللہ ﷺ کا قاصد نہیں پہنچ پایا تو حارث نے خیال کیا کہ میرے معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کی کچھ ناراضگی

ہو گئی۔ اس لئے انہوں نے سرداران قوم کو طلب کیا اور ان سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ کے مال پر قبضہ کرنے کے لئے قاصد بھیجنے کا ایک وقت مقرر فرما دیا تھا اور رسول اللہ ﷺ وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے معلوم ہوتا ہے کہ قاصد کو روک لینے میں رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی کو کچھ دخل ہے (حضور ﷺ نے ناراضگی کی وجہ سے ہی قاصد کو نہیں بھیجا ہے) اس لئے تم سب چلو۔ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں خود مال لے کر حاضر ہو جائیں ادھر رسول اللہ ﷺ ولید بن عقبہؓ کو حارثؓ کے پاس بھیج چکے تھے۔ تاکہ زکوٰۃ کا جو مال حارثؓ نے جمع کیا ہو، اس کو وصول کر لیں۔ ولیدؓ روانہ تو ہو گئے لیکن ڈر کر راستہ ہی سے لوٹ آئے۔ اور آکر رسول اللہ ﷺ سے عرض کر دیا کہ حارثؓ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور مجھے قتل کر دینا چاہا اس لئے میں بھاگ آیا رسول اللہ ﷺ نے کچھ لوگوں کا ایک دستہ حارثؓ کے پاس بھیجا۔ حارثؓ اپنے ساتھیوں کو لے کر سامنے آتے ہوئے مل گئے۔ اس دستہ کے استقبال کے لئے وہ پہلے سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ حارثؓ نے دریافت کیا تم لوگوں کو کس طرف بھیجا گیا ہے۔ ان لوگوں نے جواب دیا۔ تمہارے پاس۔ حارثؓ نے کہا کیوں۔ ان لوگوں نے کہا۔ رسول اللہ ﷺ نے تمہارے پاس ولید بن عقبہؓ کو بھیجا تھا۔ انہوں نے جاکر کہا کہ حارثؓ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور ولیدؓ کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا۔ حارثؓ نے کہا۔ نہیں قسم ہے اس کی جس نے محمد ﷺ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے میں نے تو ولیدؓ کو دیکھا بھی نہیں نہ وہ میرے پاس آیا۔ غرض حارثؓ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ تم نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا اور میرے قاصد کو قتل کر دینا چاہا تھا۔ حارثؓ نے کہا۔ قسم ہے اس کی جس نے آپ کو نبی ﷺ برحق بنایا ہے ایسا تو بالکل نہیں ہوا۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ﴿٦﴾ اے ایمان والو اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو۔ کہیں کسی قوم کو انجانے میں ضرر نہ پہنچا دو پھر اپنے کئے پر پچھتانا پڑے۔

طبرانی نے بھی ایسی ہی حدیث حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی روایت سے اور علقمہ بن ناجیہ اور حضرت ام سلمہؓ کے حوالہ سے نقل کی ہے ابن جریر نے بھی بوساطت عوفی حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے۔ طبرانی نے حضرت ام سلمہؓ کی روایت سے نیز بغوی نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے حق میں نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے ولید کو بنی مصطلق کے پاس زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ جاہلیت کے زمانہ میں بنی مصطلق اور ولید کے درمیان عداوت تھی۔ بنی مصطلق کے لوگوں نے جب ولید کے آنے کی خبر سنی تو رسول اللہ ﷺ کے حکم کے احترام میں ولید کے استقبال میں نکل آئے۔ ولید کے دل میں شیطان نے یہ وسوسہ پیدا کر دیا کہ وہ لوگ ولید کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے راستہ سے ہی لوٹ آیا اور آکر رسول اللہ ﷺ سے کہہ دیا کہ ان لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور مجھے قتل کرنے کے درپے ہو گئے۔ یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ کو غصہ آگیا اور ان سے لڑنے کا ارادہ کر لیا۔ بنی مصطلق کو جب ولید کے لوٹ جانے کی اطلاع ملی تو وہ خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ جب ہم نے آپ کے قاصد کے روانہ ہو جانے کی خبر سنی تو ہم اس کے استقبال و احترام کے لئے اور اللہ کا جو حق ہم نے قبول کیا تھا اس کو ادا کرنے کے واسطے نکل آئے۔ لیکن واپس لوٹ پڑنا ہی اس کو مناسب معلوم ہوا۔ اس سے ہم کو اندیشہ ہوا کہ شاید راستہ سے لوٹ پڑنے کی یہ وجہ ہو کہ حضور ﷺ کی ناراضگی کا کوئی خط راستہ میں اس کو پہنچ گیا۔ جس میں حضور ﷺ نے ہم سے ناراضگی کا اظہار کیا ہو۔ ہم اللہ کے اور اس کے رسول کے غضب سے اللہ کی پناہ کے خواستگار ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بنی المصطلق کی صداقت کا یقین نہیں آیا اور آپ ﷺ نے خالد بن ولیدؓ کو کچھ فوج کی معیت میں پوشیدہ طور پر تحقیق کے لئے بھیج دیا اور یہ حکم دے دیا کہ تم جاکر دیکھنا اگر تم کو ان کے مسلمان ہونے کی کوئی علامت معلوم ہو تو ان کے مال کی زکوٰۃ لے لینا۔ ورنہ ان کے ساتھ وہی معاملہ کرنا جو کافروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ حضرت خالدؓ نے حکم کی تعمیل کی۔ جب وہاں پہنچے تو مغرب و عشاء کی اذان کی آواز سنی اور حسب الحکم ان سے زکوٰۃ

وصول کرلی اور سوائے اطاعت اور بھلائی کے ان کی طرف سے کوئی بات بھی نہیں دیکھی۔ پھر واپس آکر رسول اللہ ﷺ کو اصل خبر بتادی اس وقت آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ الخ نازل ہوئی۔

فاسق یعنی ولید بن عقبہ۔

نباء یعنی بنی مصطلق کے مرتد ہوجانے کی اطلاع۔ اور چونکہ حکم عام تھا کوئی فاسق کوئی خبر لائے۔ اس لئے فاسق اور نباء کو بصورتِ نکرہ ذکر کیا۔

فَتَبَیَّنُوْۤا یعنی تحقیق حال کرلو۔ فاسق کی خبر کی تحقیق کرنے کا حکم دیا۔ یہ حکم چاہتا ہے کہ اگر ایک عادل صالح شخص کوئی خبر دے تو اس کی اطلاع کو قبول کرلیا جائے کیونکہ قبول خبر سے کوئی مانع نہیں ہے۔

لغت میں فسق کے معنی ہے نکلنا۔ عرب کہتے ہیں۔ فسقت الرطبة عن قشرها کھجور اپنے چھلکے سے نکل آئی۔ اصطلاح شرع میں کبھی کافر پر اطلاق ہوتا ہے کیونکہ وہ ایمان سے خارج ہوتا ہے۔ قرآنی استعمال میں فاسق بمعنی کافر ہی زیادہ مستعمل ہے کبھی فاسق کبیرہ گناہ کے مرتکب کو کہتے ہیں، کبھی فاسق اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو صغیرہ گناہوں پر جمار ہے اور توبہ نہ کی ہو۔ آیت میں باجماع اہلِ تفسیر مرتکبِ کبیرہ ہی مراد ہے۔

میں کہتا ہوں ولید بن عقبہؓ صحابی تھے اور اس دروغ گوئی سے پہلے ان کا فسق ظاہر بھی نہیں ہوا تھا اور اس دروغ بیانی کا سبب بھی ان کی بدگمانی اور ان لوگوں کے متعلق غلط خیال بندی تھی جو اسلام سے پہلے ان کے دشمن تھے۔ اس لئے آیت میں فاسق سے مراد شاید ایسا شخص ہو جس کی سچائی اور عدالت ظاہر نہ ہوئی ہو۔ اس تفسیر پر وہ شخص جس کی حالت ظاہر نہ ہو مستور الحال ہو۔ اس میں داخل ہو جائے گا۔ یا فَاسِقٌ سے مراد ایسا شخص ہے جس نے کوئی ایسی خبر دی ہو۔ جس کے غلط ہونے پر قرینہ دلالت کررہا ہو۔ خواہ مخبر بظاہر صالح ہو۔ بنی مصطلق اپنی خوشی سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لائے اور اسلام کے احکام قبول کئے تھے۔ ان کا مرتد ہوجانا بہت زیادہ بعید از عقل تھا۔ ولید کا قصداً یا سُوءِ ظن کی بنا پر دروغ بیانی کرنا اتنا بعید از قیاس نہیں تھا۔

اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ کہیں ایسا نہ ہوجائے کہ بے قصور لوگوں کو حقیقت حال معلوم نہ ہونے کی وجہ سے تم ان کو دکھ پہنچادو۔ یعنی ان کو قتل کردو یا ان سے جنگ کرنے لگو۔

فَتُصْبِحُوْا الخ پھر (آخر میں) تم اپنے کئے پر پشیمان ہو۔ ندامت کا یہ معنی ہے کہ آدمی سے کوئی بات ایسی صادر ہوجائے جس پر اس کو اندرونی رنج ہو اور اس کو تمنا ہوجائے کہ کاش یہ حرکت مجھ سے صادر نہ ہوتی۔

آیت کی رفتار بتارہی ہے کہ کچھ مسلمانوں نے ولید کو سچا جان کر رسول اللہ ﷺ کو بنی مصطلق پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کا مشورہ نہیں مانا اور خالد بن ولیدؓ کو تحقیق واقعہ کے لئے بھیجا۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے انہیں لوگوں کو خطاب کرکے تحقیق حال کرنے کا حکم دیا ہے۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے کیا۔ اس لئے حکم دیا کہ آخر میں ندامت اٹھانی نہ پڑے۔ اللہ نے یہ بھی بیان فرمادیا کہ ان کے لئے اپنی خواہشاتِ نفس اور میلاناتِ خاطر کی طرف رسول اللہ ﷺ کو ترغیب دینی جائز نہیں۔ بلکہ ان پر فرمانِ رسول کی اطاعت واجب ہے۔ خواہ ان کے دلوں کو پسند ہو یا ناگوار۔ اس مضمون پر آئندہ جملہ دلالت کررہا ہے۔

وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ یُطِیْعُكُمْ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ

اور جان رکھو کہ تم میں رسول اللہ ﷺ ہیں۔ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر وہ اس میں تمہارا کہنا مانا کریں تو تم کو بڑی مضرت پہنچ جائے۔

لَعَنِتُّمْ یعنی تم گناہ اور ہلاکت میں پڑجاتے۔

صحابہؓ نے چوں کہ ولید بن عقبہ سے بنی مصطلق کے مرتد ہوجانے کی خبر سنی تھی اور ان کو یقین آگیا تھا اس لئے بنی

مصطلق پر ان کو غصہ تھا اور یہ غصہ صرف اللہ کے دین کی حمایت کے لئے تھا۔ لیکن سابق کلام کی رفتار سے یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ بنی مصطلق پر غصہ کرنے والے صحابی گناہ گار قرار پائے۔ اس خیال اور وہم کو دور کرنے کے لئے فرمایا۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ﴿۷﴾ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۸﴾ لیکن اللہ نے تم کو ایمان کی محبت دی ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں مرغوب بنادیا ہے اور کفر اور فسق اور عصیان سے تم کو نفرت دے دی ہے۔ ایسے لوگ اللہ کے فضل و احسان سے راہ راست پر ہیں اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

بظاہر رفتار کلام سے معلوم ہو رہا ہے کہ فسوق کا درجہ عصیان سے اونچا اور کفر سے نیچا ہے۔ کفر بہت ہی قبیح ہے۔ اس سے کم بُرا فسق ہے اور فسق سے کم عصیان ہے۔ اس صورت میں فسوق سے مراد ہو گا، جماعت سے نکل جانا اور بدعتی عقیدہ اختیار کرنا لیکن اعتقادی بدعت کے باوجود کفر کی حد تک نہ پہنچ جانا اور عصیان سے مراد ہے، عملی گناہ اور اعضاء جسم کی نافرمانی جب کہ عقیدہ جمہور اہل سنّت کے موافق ہو، عقیدہ میں بدعت نہ ہو، اس تشریح کی روشنی میں آیت کا معنی یہ ہو گا کہ تم نے جو تامّل اور تحقیق خبر سے کام نہیں لیا۔ یہ قابل ملامت نہیں۔ کیوں کہ تم کو کفر سے نفرت اور ایمان سے محبت ہے۔ اللہ نے تمہارے دلوں میں ایمان کا پیار اور کفر سے بغض پیدا کر دیا ہے۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ یہ جملہ معترضہ ہے یعنی ایسے لوگ جن کی حالت تمہاری طرح ہو ہدایت یافتہ ہیں۔

فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً اللہ کے فضل اور انعام کی وجہ سے۔

ایمان کو محبوبِ خاطر اور کفر کو مبغوض بنانے کی یہ علّت ہے۔ اس مطلب پر فضل و نعمت کا تعلق حَبَّبَ اور كَرَّهَ سے ہو گا۔ رَاشِدُوْنَ (اگرچہ ترجمہ میں اس کا تعلق الرّاشدون سے قرار دیا گیا ہے) کی یہ علّت نہیں ہو گی۔ کیونکہ فضل و انعام تو اللہ کا فعل ہے اور الرّاشدون اس کے فعل کا نتیجہ ہے۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ اِنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ کا یہ مطلب ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے تم جھوٹ نہ بولو۔ اللہ ان کو صحیح اطلاع دے دے گا پھر جھوٹ کا پردہ فاش ہو جائے گا اور لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ..... الگ کلام ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر لوگوں کی دی ہوئی جھوٹی خبروں کو مان لیں تو تم لوگ سخت مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔ یہ تفسیر چاہتی ہے کہ آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا الخ۔ کے مخاطب ولید اور ولید جیسے لوگ ہوں حالانکہ ان کو مخاطب نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ تحقیقِ خبر کا حکم کاذب کو نہیں دیا جا سکتا ہے۔ بلکہ اس خبر کو سننے والا حکمِ تحقیق کا مخاطب ہے۔

بعض اہل علم کا قول ہے کہ آیت اِنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ کا مطلب ہے کہ اللہ کے رسول سے جھوٹ نہ بولو۔ اس سے آگے۔ لَوْ يُطِيْعُكُمْ الگ کلام ہے اور اس میں خطاب ان مسلمانوں کو ہے جنہوں نے بنی مصطلق پر حملہ کرنے کی ترغیب رسول اللہ ﷺ کو دی تھی۔ اس کے بعد وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ کے مخاطب دوسرے مسلمان ہیں جو تحقیقِ واقعہ کے خواست گار تھے اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ سے یہی تحقیق طلب مسلمان مراد ہیں۔

یہ تشریح اگرچہ بڑی افادیت کی حامل ہے لیکن بغیر قرینہ کے اور بلا سبب ضمیروں کا انتشار پیدا ہو رہا ہے۔ اس لئے سب سے اچھی بیضاوی کی تشریح ہے۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ اللہ مسلمانوں کے احوال کو خوب جانتا ہے۔ حَكِيْمٌ مسلمانوں پر فضل و انعام (کا مصلحت شناس ہے) بتوفیق اسباب کرتا ہے۔

شیخین نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ گدھے پر سوار ہو کر عبداللہ بن اُبَی کی طرف تشریف لے گئے۔ عبداللہ نے کہا۔ اپنے گدھے کو ادھر ہی رکھو مجھے آپ کے گدھے کی بدبو سے اذیت ہوتی ہے اس پر ایک انصاری نے کہا۔ خدا کی قسم! رسول اللہ ﷺ کا گدھا تجھ سے زیادہ خوشبودار ہے۔ یہ بات سن کر عبداللہ کا ایک طرف دار

بھڑک اٹھا۔ دونوں باہم سخت سست بکنے لگے۔ ہر ایک کے ساتھی بھی اپنے آدمی کی طرف داری میں غضب آلود ہوگئے۔ یہاں تک کہ قمچیاں چل گئیں۔ ہاتھاپائی ہوئی اور جوتوں سے لڑائی ہونے لگی۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَإِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ۖ فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ ۚ

اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان اصلاح کردو۔ پھر اگر ان میں کا ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے۔ اس حد تک کہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔

اِقْتَتَلُوا باہم لڑ پڑیں۔

فَأَصْلِحُوا اصلاح کا یہ مطلب ہے کہ ظالم کو ظلم سے روکا جائے۔ اور اس کی غلط فہمیوں کو دور کیا جائے اور دونوں گروہوں کو آپس کی عداوت اور بغض چھوڑ دینے کی ہدایت اور اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کو قبول کرنے کی دعوت دی جائے۔

فَإِنْ بَغَتْ۔ یعنی ایک گروہ اگر دوسرے گروہ پر زیادتی کرے۔ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کردے اور اس کے پاس ایسی طاقت ہو کہ اس کو ظلم سے روکا نہ جاسکے اور قید کرنا ممکن نہ ہو۔ تو اس سے مقاتلہ کیا جائے۔

حَتَّىٰ تَفِيءَ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اپنے بھائی کی مدد کرو، ظالم ہو یا مظلوم۔ ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ مظلوم کی مدد تو میں کرسکتا ہوں (یہ بات ٹھیک ہے) لیکن اگر بھائی ظالم ہو تو اس کی مدد کس طرح کروں۔ یہ تو ظلم کی حمایت ہو جائے گی) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اس کو ظلم کرنے سے روک دو۔ رواہ البخاری و مسلم فی صحیحما۔

فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ⑨

پس اگر وہ گروہ لوٹ آئے، تو دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ اصلاح کردو اور انصاف کرو۔ اللہ انصاف والوں کو پسند کرتا ہے۔

فَإِنْ فَاءَتْ باغی گروہ اگر اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے یعنی لڑائی کے بعد مغلوب ہو کر اللہ کے حکم کو قبول کرلے۔

بِالْعَدْلِ تو دونوں گروہوں میں انصاف کے ساتھ صلح کرادو۔ بِالْعَدْلِ کے لفظ سے اس بات پر تنبیہ ہے کہ گزشتہ بغاوت عدمِ انصاف پر تم کو آمادہ نہ کرے۔

وَأَقْسِطُوا اور تمام امور میں انصاف سے کام لو۔

يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ انصاف کے مطابق منصف کو جزا عطا فرمائے گا۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ⑩

مسلمان تو سب بھائی ہیں سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرادیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ یعنی تمام مؤمنوں کی اصل ایک ہے یعنی سب کی مشترک اصل ایمان ہے اور ایمان ہی حیاتِ ابدی کا موجب ہے۔ اس لئے تمام اہل ایمان بھائی بھائی ہیں۔ اور چونکہ اس اصل کی پیدائش گاہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔ اس لئے آپ ﷺ تمام مؤمنوں کے باپ اور آپ کی بیبیاں تمام مسلمانوں کی مائیں قرار پائیں۔

بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ تثنیہ کا صیغہ (دو بھائی) خصوصیت کے ساتھ اس لئے ذکر کیا کہ اختلاف کم سے کم دو آدمیوں میں ہوتا ہے (اس سے زائد کی نفی نہیں ہوتی)۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ اور اللہ سے ڈرتے رہو یعنی اس کے حکم کے خلاف نہ کرو۔

الثلثہ ۱۴ ع

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ یعنی اس امید پر تقویٰ پر قائم رہو کہ تم پر رحم کیا جائے گا کیونکہ باہم، اتحاد، الفت، محبت اور آپس میں رحم کرنے کا سبب تقویٰ ہے اور آپس کی محبت و تراحم اللہ کی رحمت کا موجب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ اپنے رحم کرنے والے بندوں پر ہی رحم کرتا ہے (رواہ المجدد) صحیحین میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا، اللہ اس پر رحم نہیں کرتا۔ یہ روایت حضرت جریر بن عبد اللہؓ کی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے جب یہ آیت نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے پڑھ کر سنائی تو سب مسلمانوں نے باہم صلح کر لی اور ہر شخص دوسرے کے ساتھ لڑنے سے رُک گیا۔

سعید بن منصور اور ابن جریر نے حضرت ابو مالک کی روایت سے بیان کیا ہے کہ دو مسلمانوں میں باہم گالی گلوچ ہو گئی۔ جس کی وجہ سے ہر ایک کا قبیلہ دوسرے پر بھڑک اٹھا اور ہاتھوں اور جوتوں سے مار پیٹ شروع ہو گئی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ شاید یہ قصہ بعینہ اسی واقعہ کا بیان ہے جو اوپر ذکر کیا چکا ہے۔

ابن جریر ابن ابی حاتم نیز بغوی نے سدی کا بیان نقل کیا ہے۔ ایک انصاری تھے۔ جن کو عمرانی کہا جاتا تھا ان کی بیوی ام زید نے اپنے میکے جانے کا ارادہ کیا۔ شوہر نے روک دیا اور ایک بالاخانہ پر عورت کو رکھ دیا۔ عورت نے اپنے میکے کو خبر کر دی وہاں سے اس کے قبیلہ والے آگئے اور عورت کو بالاخانہ سے نیچے اتار کر لے جانے لگے۔ شوہر باہر گیا ہوا تھا اس نے اپنے کنبے والوں سے مدد طلب کی۔ اس کے چچا کے بیٹے آگئے اور عورت کو لے جانے میں مزاحمت کی آخر دونوں فریقوں میں دھکم دھکا ہونے لگی اور جوتوں سے لڑائی شروع ہو گئی۔ انہیں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ اور رسول اللہ ﷺ نے کسی کو بھیج کر ان میں صلح کرا دی اور سب اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔

ابن جریر اور بغوی نے ذکر کیا کہ قتادہ نے فرمایا، ہم سے بیان کیا گیا تھا کہ اس آیت کا نزول دو انصاریوں کے حق میں ہوا۔ دونوں میں کسی حق کی بابت اختلاف تھا۔ آخر نوبت دھکم دھکا ہاتھا پائی اور جوتہ بازی تک پہنچ گئی۔ لیکن تلوار کی لڑائی نہیں ہوئی۔ ابن جریر نے حسن کا بیان نقل کیا ہے کہ دو قبیلوں میں کچھ جھگڑا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو شرعی حکم کی طرف بلایا۔ لیکن وہ قبول کرنے سے انکار کرتے رہے۔ آخر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حسن کی یہ روایت شاید اسی واقعہ کا بیان ہے جو قتادہؒ نے بیان کیا ہے۔

بغوی وغیرہ نے بوساطت سالم بیان کیا کہ سالم کے والد یعنی حضرت عبد اللہؓ نے بیان کیا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ اس کی حق تلفی نہ کرے نہ گالی دے جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہتا ہے اللہ اس کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی سختی دور کرتا ہے۔ اللہ روز قیامت کی سختیوں میں سے کوئی سختی دور کر دے گا۔ جو شخص مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا۔ اللہ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔

مسلمؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ اس پر ظلم نہ کرے اس کو بے مدد نہ چھوڑے اور اس کی تحقیر نہ کرے، سینہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا۔ تقویٰ یہاں ہوتا ہے۔ آدمی کا یہ شر کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔ مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے۔ اس کا خون بھی اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی۔ دونوں آیتیں دلالت کر رہی ہیں کہ باغی گروہ دائرۂ ایمان سے خارج نہیں ہوتا اس پر مؤمن کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے اسی پر دلالت کرتا ہے وہ اثر جو حارث اعور نے بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ سے دریافت کیا گیا کہ جنگِ جمل اور صفین میں جو لوگ آپ کے مقابل تھے۔ کیا وہ مشرک تھے۔ فرمایا نہیں۔ شرک سے تو وہ بھاگ کر اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ سوال کیا گیا۔ تو کیا وہ منافق تھے۔ فرمایا نہیں۔ منافق تو اللہ کی یاد نہیں کرتے۔ عرض کیا گیا تو پھر وہ کون تھے فرمایا وہ ہمارے بھائی تھے۔ جنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی تھی۔

مسئلہ

اگر مسلمانوں کا کوئی گروہ امام (خلیفہ) کے خلاف جمع ہو جائے اور اس کے پاس اجتماعی قوت اور لڑنے والی طاقت بھی ہو تو خلیفہ کو چاہئے کہ اول اس کو اطاعت کی دعوت دے اور اس کے اعتراضات کو دور کر دے پھر اگر وہ گروہ کوئی ایسی وجہ ظاہر کریں جس کی وجہ سے انہوں نے امام کے خلاف صف آرائی کی ہے۔ مثلاً امام نے ان پر یا ان کے علاوہ دوسروں پر کچھ ظلم کیا ہو تو ایسے لوگوں سے جنگ کرنی امام کے لئے جائز نہیں۔ بلکہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان علم برداران بغاوت کی مدد کریں۔ تا کہ امام ان کے ساتھ انصاف کرے اور ظلم سے باز آجائے (کذا قال ابن الہمام) لیکن بغاوت کو جائز قرار دینے والی کوئی معقول وجہ وہ ظاہر نہ کر سکیں اور لڑنے کے لئے جتھے بند ہو جائیں تو امام کے لئے ان کو قتل کرنا اور ان سے لڑنا جائز ہے۔ (ہذا قول ابی حنیفہؒ)

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ جب تک وہ خود جنگ شروع نہ کریں، ان کو قتل کرنا جائز نہیں۔ مسلمانوں کو قتل کرنا صرف دفاعی صورت میں جائز ہے اور وہ مسلمان ہیں اللہ نے فرمایا ہے فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا امام احمد، امام مالک اور اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ لغت میں بَغْی کا معنی ہے طلب کرنا۔ اللہ نے فرمایا ہے ذَٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ یعنی وہ ہے جس کے ہم طلب گار تھے اس جگہ بغی سے مراد ہے ان چیزوں کی طلب جو انتظام اور امن وانصاف میں مخل ہو۔ جیسے جور، ظلم، احکام شرع کو قبول کرنے سے انکار۔ اس طرح دوسری آیات میں آیا ہے فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا اگر وہ عورتیں تمہاری اطاعت کریں تو پھر ان کے خلاف کسی طرح کی راہ ظلم تلاش نہ کرو۔

اس لئے مذکورہ بالا باغیوں سے قتل کرنے کے لئے یہ شرط ضروری نہیں کہ ابتداء قتال باغیوں کی طرف سے ہو۔ رہی یہ بات کہ باغیوں کے پاس فوج اور قوتِ جنگ ہونا ضروری ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ان کے پاس عسکری طاقت نہ ہو تو پھر ان سے جنگ کرنا غیر ضروری ہے ہم ان کو قید کر سکتے ہیں اور ان کو مار سکتے ہیں۔ اگر ہم جوازِ قتال کے لئے یہ شرط لازم قرار دیں کہ ابتداء جنگ باغیوں کی طرف سے ہو تو ممکن ہے کہ آئندہ ان کی قوت اتنی بڑھ جائے کہ ہم ان کا دفاع بھی نہ کر سکیں۔

مسئلہ

اگر باغیوں کا ایک گروہ ہو تو زخمی باغی پر حملہ کیا جائے کہ وہ مر جائے اور جو باغی منہ پھیر کر بھاگ رہا ہو۔ اس کا پیچھا کیا جائے تا کہ وہ اپنی جماعت سے جا کر مل نہ جائے۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا قول ہے کہ زخمی باغی پر حملہ نہ کیا جائے، نہ بھاگتے ہوئے کا تعاقب کیا جائے۔ کیونکہ جب ان دونوں نے مسلمانوں سے لڑنا چھوڑ دیا تو اب ان کا قتل دفاعی نہیں رہا اور دفاع شر کے لئے ہی ان کے قتل کا جواز تھا۔ ابن ابی شیبہ نے عبد خیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے جنگ جمل کے دن فرمایا پشت پھیر کر بھاگتے ہوئے کا تعاقب نہ کرنا اور جو ہتھیار ڈال دے، اس پر حملہ نہ کرنا وہ امن یافتہ ہے۔ یہ جملہ بھی روایت میں آیا ہے کہ قیدی کو قتل نہ کیا جائے۔

ہم کہتے ہیں یہ زخمی باغی اور پشت پھیر کر بھاگنے والے جب اپنے گروہ سے جا کر مل جائیں گے تو شر کا اندیشہ بہر حال باقی رہے گا۔ رہا اہلِ جمل کے متعلق حضرت علیؓ کا حکم تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جمل والوں کا کوئی مرکزی گروہ کہیں جمع نہیں تھا۔

حاکم نے مستدرک میں اور بزار نے مسند میں بتوسط کوثر بن حکیم بروایتِ نافع از ابن عمرؓ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابن ام عبد! کیا تم کو معلوم ہے کہ اس امت میں سے اگر کوئی بغاوت کرے تو اللہ نے اس کے متعلق کیا حکم دیا ہے۔ ابن عمرؓ نے جواب دیا۔ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتا ہے۔ فرمایا۔ زخمی پر حملہ نہ کرو۔ قیدی کو قتل نہ کیا جائے۔ اس کے مال کو غنیمت سمجھ کر تقسیم نہ کیا جائے۔ کوثر بن حکیم کی وجہ سے اس روایت کو بزار نے معلل قرار دیا ہے اور ذہبی نے حاکم پر اس روایت کی وجہ سے گرفت کی ہے۔ (شاید سہو مفسر یا کسی راوی کی چوک کی وجہ سے بجائے ابن مسعود کے ابن عمرؓ کے حوالہ سے یہ

حدیث بیان کی گئی ہے واللہ اعلم بالحقیقۃ۔ مترجم)

مسئلہ

علماء کا بالاجماع فیصلہ ہے کہ باغی کے بیوی، بچوں کو باندی غلام نہ بنایا جائے۔ نہ اس کے مال و متاع کو تقسیم کیا جائے بلکہ مال کو قُرق کر لیا جائے اور جب تک وہ توبہ نہ کرے مال کو روکے رکھا جائے۔ ابن ابی شیبہ کا بیان ہے کہ جب حضرت علیؓ نے حضرت طلحہؓ اور ان کے ساتھیوں کو شکست دے دی تو ایک ندا دینے والے کو حکم دیا۔ اس نے ندا کر دی کہ اب نہ سامنے سے آنے والے کو قتل کیا جائے نہ پشت پھیرنے والے کو۔ یعنی شکست دینے کے بعد یہ منادی کرا دی۔ کسی کا دروازہ نہ کھلوایا جائے اور کسی کی شرم گاہ کو حلال نہ سمجھا جائے نہ کسی کے مال کو مال غنیمت سمجھ کر حلال سمجھا جائے۔ عبدالرزاق نے اس روایت میں اتنا زائد بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ مقتول باغی کا مال نہیں لیتے تھے اور فرماتے تھے جو شخص مقتول کے مال میں سے کوئی چیز اپنی شناخت کر لے وہ لے لے۔

تاریخ واسط میں آیا ہے کہ حضرت علیؓ نے جنگ جمل کے دن فرمایا، پشت پھیرنے والے کا پیچھا نہ کرو اور کسی زخمی پر (اس کو قتل کر دینے کے ارادہ سے) سخت حملہ نہ کرو اور کسی قیدی کو قتل نہ کرو اور باغیوں کی عورتوں سے الگ رہو خواہ وہ تم کو سخت سست کہیں اور تمہارے حاکموں کو گالیاں ہی دیں۔

مسئلہ

اگر باغیوں سے چھینے ہوئے ہتھیاروں کے ذریعہ سے باغیوں سے لڑنے کی ضرورت ہو تو امام کے طرف داروں کو ان ہتھیاروں سے کام لینا جائز ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح باغیوں کی سواریوں پر سوار ہو کر بھی باغیوں سے جنگ کی جا سکتی ہے۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا مسلک اس کے خلاف ہے ان بزرگوں کے نزدیک باغیوں کے ہتھیاروں اور سواریوں کا استعمال ناجائز ہے۔ ہمارے قول کی دلیل وہ روایت ہے جو ابن ابی شیبہ نے مصنّف کے آخر میں بیان کی ہے کہ جمل میں جن اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر باغی آئے تھے اور جو ہتھیار انہوں نے استعمال کئے۔ حضرت علیؓ نے (باغیوں کی شکست کے بعد) وہ اپنے لشکر کو تقسیم کر دیئے۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے یہ تقسیم استعمال کرنے کے لئے تھی، مالک بنانے کے لئے نہیں تھی کیونکہ باتفاقِ علماء باغیوں کے مال کا (فاتح لشکر یا خلیفہ) مالک نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ

باغیوں نے دورانِ جنگ وفادارانِ امام کا جو جانی مالی نقصان کر دیا ہو اور اس کی کوئی وجہ شرعی (باغیوں کے خیال میں) ہو اور ان کے پاس (فوجی وانتظامی) طاقت بھی ہو تو امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا آخری راجح قول نیز امام احمدؒ کا ایک قول یہ ہے کہ اس کا کوئی معاوضہ نہیں ہوگا۔ شافعیؒ اور احمدؒ کا دوسرا قول اس کے خلاف ہے۔

ابن شہاب زہریؒ نے لکھا ہے کہ اس فتنہ میں بڑی خون ریزی ہوئی جس میں بعض موقعوں پر قاتل اور مقتول کی شناخت بھی ہو گئی اور بکثرت مال بھی ضائع ہوا لیکن جب لڑائی ختم ہو گئی اور فتنہ ٹھنڈا پڑ گیا اور باغیوں پر خلیفہ کا اقتدار ہو گیا تو میں نہیں جانتا کہ کسی سے قصاص لیا گیا ہو یا کسی سے تلف شدہ مال کا تاوان وصول کیا گیا ہو۔

مسئلہ

اگر کسی باغی نے امام کے کسی وفادار کو قتل کر دیا اور وہ مدعی ہے کہ میں نے یہ قتل ٹھیک کیا اور میرا یہ فعل برحق ہے تو قاتل مقتول کا وارث ہوگا اور اگر وہ اپنی غلطی کا اقرار کر رہا ہو تو وارث نہ ہوگا اور اگر امام کا کوئی وفادار کسی باغی کو قتل کر دے تو باجماعِ علماء قاتل مقتول کا وارث ہو سکتا ہے۔

مسئلہ

اطاعتِ امام سے خارج ہونے والوں کے پاس (ان کے خیال میں بھی) لوگوں کو قتل کرنے، رہزنی کرنے اور مال لوٹنے کی کوئی شرعی وجہ نہ ہو توان کے پاس خواہ فوجی طاقت ہو، مگر رہزن اور ڈاکو قرار دیا جائے گا۔ ان کا حکم سورۃ مائدہ میں ذکر کیا جاچکا ہے کہ ان کو قتل کیا جائے۔

اور صلیب پر لٹکایا جائے یا ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں اور بستی سے نکال دیا جائے۔

مسئلہ

اطاعتِ امام سے سرکشی کرنے والے کے پاس اگر فوجی اور انتظامی طاقت نہ ہو تو مطابق حکمِ خدا اس کو قید کر دیا جائے۔ جسمانی مار لگائی جائے اور اس طرح کی دوسری سزا دی جائے مگر قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے سنا کوئی شخص مسجد کے گوشہ میں کہہ رہا تھا لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ (اللہ کے سوا کسی کا حکم جائز نہیں۔ فرمایا بات تو سچی ہے لیکن اس کا مطلب غلط نکالا گیا ہے۔

تمہارے ہم پر تین حق ہیں۔ مسجدوں میں اللہ کا ذکر کرنے یعنی نماز پڑھنے سے ہم تم کو نہیں روکیں گے۔ جب تک تمہارے ہاتھ ہمارے ہاتھوں کے ساتھ ہوں گے۔ (یعنی جب تک تم ہمارے وفادار رہو گے) ہم مال غنیمت میں حصہ دار ہونے سے تم کو نہیں روکیں گے ہم تم سے لڑنے اور تم کو قتل کرنے کی ابتدا نہیں کریں گے۔ محمدؒ نے کہا ہم کو بھی حضرت علیؓ کا یہ اثر اسی طرح پہنچا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ حضرت ثابت بن قیسؓ کے کانوں میں کچھ گرانی تھی (یعنی گراں گوش اور بہرے تھے) جب رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتے اور پہلے سے لوگ وہاں بیٹھے ہوئے ہوتے اور جگہ تنگ ہوتی تو لوگ آپ کو آگے جگہ دے دیتے تھے تاکہ آپ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سن سکیں۔ ایک روز آپ فجر کی نماز میں اس وقت آئے۔ جب ایک رکعت ہو چکی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز ختم کی تو صحابہ کرامؓ جگہ کی تنگی کی وجہ سے اپنے اپنے مقام پر جم کر بیٹھے رہے۔ مجلس اتنی تنگ تھی کہ کوئی خود سمٹ کر دوسرے کے لئے گنجائش نکال نہیں سکتا تھا۔ آنے والے کو جب بیٹھنے کی جگہ نہیں ملتی تھی تو وہ کھڑا رہتا تھا۔ حضرت ثابتؓ جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی طرف کو بڑھے اور لوگوں سے فرمایا جگہ دو، گنجائش کرو۔ لوگ آپ کو دیکھ کر سمٹنے اور گنجائش دینے لگے۔ اس طرح آپ رسول اللہ ﷺ کے قریب تک پہنچ گئے۔ آپ کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان صرف ایک آدمی رہ گیا۔ حضرت ثابتؓ نے اس سے بھی فرمایا مجھے جگہ دے اس شخص نے کہا آپ کو جگہ تو مل گئی۔ یہیں بیٹھ جایئے۔ حضرت ثابتؓ اس آدمی کے پیچھے غصہ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ یہ بات آپ کو کھلی بہت، جب تاریکی چھٹ گئی اور روشنی ہو گئی تو ثابتؓ نے اس شخص کو دبایا اور پوچھا۔ یہ کون شخص ہے۔ اس نے کہا، میں فلاں شخص ہوں۔ ثابتؓ نے کہا فلاں عورت کا بیٹا۔ حضرت ثابتؓ نے اس شخص کے وہ مادری عیوب بیان کئے جو جاہلیت کے زمانہ میں طنزیہ طور پر اس کے لئے کہے جاتے تھے۔ اس شخص نے شرمندہ ہو کر سر جھکالیا۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ اے ایمان والو! مردوں کو مردوں پر ہنسنا نہیں چاہئے۔

قاموس میں ہے "قوم" مردوں اور عورتوں کی مخلوط جماعت یا صرف مردوں کی جماعت پر قوم کا اطلاق ہوتا ہے اور عورتیں ضمنی طور پر مردوں کے ساتھ شامل ہوتی ہیں۔

صاحبِ صحاح نے لکھا قوم اصل میں صرف مردوں کی جماعت کو کہا جاتا ہے۔ عورتوں کی جماعت کو نہیں کہا جاتا۔ جوہری نے اسی آیت کو دلیل میں پیش کیا ہے۔ کیونکہ کہ نِسَآء کا قَوْم پر عطف کیا گیا ہے۔ (اور عطف مغایرت کو چاہتا

ہے) ایک شاعر کا شعر ہے۔

وَمَا اَدْرِیْ وَلَسْتُ اَخَالُ اَدْرِیْ اَقَوْمٌ آلُ حِصْنٍ اَمْ نِسَاءٌ

(میں نہیں جانتا کہ قبیلہ حصن والے مرد ہیں یا عورتیں)

آیاتِ قرآنی میں لفظ قوم کا اطلاق مردوں اور عورتوں کے مجموعہ پر ہوا ہے اور حقیقی اطلاق بقول صاحبِ مدارک مردوں پر ہی ہوتا ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے۔ "قوم" مصدر ہے بطور صفت جمع میں اس کا استعمال عام ہے۔ یا قائم کی جمع ہے جیسے زائر کی جمع زَوْر آتی ہے اور بڑے بڑے کاموں کی سر انجام دہی چونکہ مردوں کا فریضہ ہے اس لئے مردوں کی جماعت کی صفت کے طور پر اس کا استعمال ہوتا ہے اور قوم لوط، قوم نوح، قوم ہود اور بعض دوسرے مقامات پر جو قوم کے لفظ کی تفسیر جماعتِ مردان وزنان کے مجموعہ سے کی گئی ہے تو اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ (قوم کا لفظ اگرچہ صرف مردوں کے لئے آتا ہے۔

لیکن) تغلیباً یہ لفظ عورتوں کو بھی شامل قرار دیا گیا ہے یا یہ ہے کہ مردوں کا ذکر کافی سمجھا گیا۔ ذیلی طور پر عورتیں تو ان کے ساتھ آہی گئیں، رہ گئی جماعت کو دوسری جماعت کے ساتھ استہزاء کی ممانعت کی وجہ تو ظاہر ہے کہ مجالس میں ہی اکثر ایسا کیا جاتا ہے۔

عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ ہو سکتا ہے کہ جن کا مذاق بنایا گیا ہو وہ مذاق بنانے والوں سے بہتر ہوں۔

وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ اور نہ عورتوں کو عورتوں پر۔

عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ ہو سکتا ہے کہ مذاق کرنے والیوں سے وہ عورتیں بہتر ہوں جن کا مذاق اڑایا جا رہا ہو۔

نِسَآءٌ کا عطف قَوْمٌ پر ہے جب کہ قوم سے مراد ہوں مرد اگر "قوم" سے مراد مردوں اور عورتوں کی مخلوط جماعت ہو تو عورتوں کے عورتوں سے مذاق کرنے کی ممانعت پہلے ضمناً آگئی تھی لیکن قوت کے ساتھ ممانعت کو ظاہر کرنے کے لئے دوبارہ ممانعت کی صراحت کر دی۔ عورتوں کو صراحت کے ساتھ ممانعت کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عورتیں ہی اپنی جہالت اور دانش وفہم کی کمزوری کی وجہ سے اکثر اس مرض میں مبتلا ہوتی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ اس فقرہ کا نزول اُن امہاتِ مؤمنین کے حق میں ہوا جو حضرت امّ سلمہؓ پر پستِ قامت ہونے کا طنز کرتی تھیں۔

عکرمہؒ راوی ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس آیت کا نزول حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطبؓ کے حق میں ہوا۔ امہاتُ المؤمنینؓ نے حضرت صفیہؓ کو یہودن' یہودی ماں باپ کی بیٹی کہا تھا۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ جب حضرت صفیہؓ نے اس کی شکایت رسول اللہ ﷺ سے کی تو حضور ﷺ نے فرمایا تم نے کیوں نہیں کہہ دیا کہ میرے باپ ہارونؑ اور میرے چچا موسیٰؑ اور میرے شوہر محمد ﷺ ہیں۔

وَلَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے لقب سے پکارو۔

لَمْز زبان سے طعن کرنا یعنی کوئی کسی پر عیب نہ لگائے (عار نہ دلائے)

تنابز (باب تفاعل) نبز کا معنی ہے لقب۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ نبز صرف بُرے لقب کو کہتے ہیں۔ صاحبِ قاموس نے لکھا ہے۔ تنابز باہم عار دلانا اور بُرے لقب سے ایک کا دوسرے کو پکارنا۔ یعنی کوئی کسی کو برے لقب سے نہ پکارے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ عکرمہؒ نے کہا تنابز بالالقاب یہ ہے کہ کوئی کسی سے کہے اے فاسق، اے منافق، اے کافر۔ حسن نے کہا یہودی اور عیسائی مسلمان ہو جاتے تھے تب بھی کچھ لوگ ان سے کہتے تھے اے یہودی، اے عیسائی۔

اس کو ممانعت کر دی گئی۔ عطاء نے کہا کسی کو اے گدھے، اے سور کہنا تنابز لقب ہے۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ تنابز کا یہ مطلب ہے کہ کسی شخص نے کوئی برا عمل کیا ہو پھر توبہ کرلی ہو لیکن لوگ گزشتہ برے عمل کی اس کو عار دلائیں اس کی ممانعت اس جملہ میں کر دی گئی۔

چاروں اصحاب السنن نے حضرت ابو جبیرہ بن ضحاک کا قول نقل کیا ہے کہ بعض آدمیوں کے دو یا تین نام ہوتے تھے کوئی برا کوئی اچھا بعض لوگ اس کو برے نام سے پکارتے تھے۔ اس پر آیت وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ نازل ہوئی۔ ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔ امام احمدؒ کی روایت میں ابو جبیرہ کا قول اس طرح آیا ہے آیت وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ خصوصیت کے ساتھ ہم بنی سلمہ کے متعلق نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ میں تشریف لائے تو مدینہ والوں میں سے ہر شخص کے دو دو یا تین تین نام ہوتے تھے جب کوئی شخص دوسرے کو ان ناموں میں سے کوئی نام لے کر پکارتا تھا اور وہ ناراض ہوتا تھا تو لوگ کہتے تھے یا رسول اللہ ﷺ یہ اس نام سے چڑتا ہے۔ اس پر آیت مذکورہ کا نزول ہوا۔

بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾

ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا ہی برا ہے اور جو ان حرکتوں سے باز نہیں آئیں گے تو وہ بلاشبہ ظلم کرنے والے ہیں۔ یعنی توبہ کرنے کے بعد کسی کو یہودی یا فاسق یا شرابی کہنا برا ہے۔

حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی کسی کو فسق یا کفر کی طرف منسوب کرے گا (یعنی فاسق یا کافر کہے گا) اگر وہ ایسا نہ ہوا تو وہ قول کہنے والے پر لوٹ پڑے گا (یعنی کہنے والا فاسق یا کافر ہو جائے گا) رواہ البخاری۔ حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اپنے بھائی کو کافر کہا تو دونوں میں سے ایک پر یہ کلمہ لوٹے گا۔ یعنی یا کہنے والا کافر ہو جائے گا یا جس کو کافر کہا ہے وہ واقع میں کافر ہو گا۔ متفق علیہ

حضرت ابوذرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس نے کسی کو کفر کی طرف منسوب کیا یا دشمن خدا کہا اور واقع میں وہ ایسا نہ ہوا تو وہ قول کہنے والے پر پڑ جائے گا۔ متفق علیہ

بعض اہل تفسیر نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے۔ کسی کا مذاق اڑانا، طعن کرنا، برے نام سے پکارنا فسق ہے اور ایمان کے بعد فاسق ہونا برا نام ہے۔ اس لئے تم ایسا کام نہ کرو کہ تم کو اس کی وجہ سے فسق کے نام سے موسوم کیا جائے۔

حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان کو گالی دینا فسق (گناہ کبیرہ) ہے اور مسلمان کو قتل کرنا کفر ہے۔ متفق علیہ۔ یہ حدیث ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت سعدؓ کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت عبداللہ بن مغفلؓ اور حضرت عمر بن نعمان بن مقرنؓ کی روایت سے اور دار قطنی نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔ طبرانی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے اتنا زائد نقل کیا ہے اور مسلمان کے مال کی حرمت اس کے خون کی حرمت کی طرح ہے۔

وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ اور جس نے مذاق بنانے، طنز کرنے اور برے لقب سے کسی کو یاد کرنے سے توبہ نہ کی تو وہ ظالم ہے (ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس کے اصل مقام سے ہٹا کر بے محل رکھ دینا (مترجم) اطاعت کی جگہ معصیت کو رکھتا ہے اور نفس کو (نجات کے بجائے) عذاب کے لئے پیش کرتا ہے۔

مسائل

کسی محصن پاک دامن آزاد مسلمان کو زنا کی طرف منسوب کرنا (اور پھر ثابت نہ کر سکنا) حدِ قذف اسّی کوڑے کا موجب ہے اور اگر غیر محصن مثلاً غلام یا کافر ہو اور اس کو متہم بالزنا کیا جائے تو حدِ قذف جاری نہ ہو گی۔ تعزیر کی جائے گی۔ کیونکہ غیر محصن کا درجہ محصن سے کم ہے اور تہمت زنا سے آبروریزی ہوتی ہے اور بری بات پھیلتی ہے۔

اگر محصن کو زنا کے علاوہ کسی اور حرام فعل کی طرف منسوب کیا جائے تو تعزیر واجب ہے۔ حدِ قذف جاری نہیں ہو گی اور تعزیر بھی اس وقت واجب ہو گی۔ جب تہمت تراشی کسی ایسے فعل کے ارتکاب کی ہو جو باختیار کیا گیا ہو اور شرعاً حرام ہو اور

عرف (عمومی رسم ورواج) میں اس کو عار سمجھا جاتا ہو ورنہ تعزیر بھی جاری نہ ہو گی۔ ہاں اگر اس تہمت سے کسی شریف آدمی کی آبروریزی ہو تو بہر حال تعزیر جاری ہو گی۔ مثلاً کسی نے مسلمان صالح کو فاسق، یا کافر، یا خبیث، یا چور، یا فاجر، یا مخنث، یا خائن، یا بے دین، یا لٹیرا، یا گرہ کٹ، یا دیوث، یا شرابی، یا سود خور کہا تو تعزیر کا مستحق قرار پائے گا۔

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ ایک شخص نے کسی کو یا مخنث کہا تو رسول اللہ ﷺ نے اس پر تعزیر جاری کی۔ ہکذا روی۔

اگر کسی کو اے گدھے، یا سور، یا کتا، یا مینڈھا، یا پیچھے لگانے والا کہا تو تعزیر جاری ہو گی۔

بعض اہل علم کی رائے ہے کہ صورت مذکورہ میں تعزیر نہ ہو گی۔ ہاں اگر کسی عالم، یا علوی یا نیک صالح آدمی کو ایسا کہا تو تعزیر ہو گی۔ اگر کسی کو گوٹے باز (شطرنج باز، چوسر باز وغیرہ) یا محصل ٹیکس کہا تو تعزیر نہ ہو گی۔ اگرچہ یہ فعل شرعاً ممنوع ہیں لیکن عرف عام میں ان کو عیب نہیں شمار کیا جاتا۔

مسئلہ

تعزیری سزا کتنی ہونی چاہئے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ نے کہا۔ تعزیری سزا ادنیٰ حد سے بھی کم ہو گی۔ امام صاحبؒ کے نزدیک شراب پینے کی ادنیٰ حد غلام کے لئے چالیس تازیانہ ہے (اس سے تعزیری سزا کم ہونی چاہئے) امام ابو یوسفؒ کے نزدیک شراب کی حد آزاد مسلمان کے لئے اسی (۸۰) تازیانے ہے (لہٰذا اسی (۸۰) تازیانوں سے تعزیر کم ہونی چاہئے) امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ادنیٰ حد بیس (۲۰) تازیانے ہے (تعزیر اس سے کم ہونا چاہئے) امام مالکؒ نے فرمایا حاکم وقت کو اختیار ہے۔ تعزیر میں جتنے تازیانے مناسب سمجھے لگوائے کوئی تعداد مقرر نہیں۔

اگر شرم گاہ کے علاوہ جماع کیا تو امام احمدؒ کے نزدیک اعلیٰ حد اور ادنیٰ حد کے درمیان تعزیری سزا دی جائے۔ ادنیٰ حد سے زائد اور اعلیٰ سے کم۔

اجنبی عورت کا بوسہ لینے، کسی کو گالی دینے یا نصاب سرقہ سے کم چوری کرنے پر تعزیر کی جائے گی لیکن اتنی کہ ادنیٰ حد تک نہ پہنچے۔ واللہ اعلم۔

بغوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی جہاد یا سفر میں تشریف لے جاتے تو ایک ایک غریب آدمی کو دو دو مال دار آدمیوں کی خدمت کرنے کے لئے مقرر فرما دیتے اور دو مال داروں کے ساتھ تیسرے غریب کو ملا دیتے تھے۔ غریب خادم آگے جا کر دونوں مال داروں کے اترنے کا مقام درست کر دیتا تھا اور کھانے پینے کی چیزیں بھی فراہم کر دیتا تھا۔ ایک بار حضرت سلمان فارسیؓ کو دو آدمیوں کے کام پر مامور کیا حضرت سلمانؓ آگے بڑھ کر کسی فرود گاہ پر پہنچے اور وہاں جا کر سو رہے اپنے دونوں ساتھیوں کے لئے کھانے پینے کا سامان فراہم نہ کر پائے۔ جب آپ سے ان دونوں آدمیوں نے پوچھا کہ تم نے کوئی چیز فراہم نہیں کی تو حضرت سلمانؓ نے کہا۔ مجھے ایسی نیند آگئی کہ میں کچھ نہ کر سکا ان دونوں نے کہا تو اب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جاؤ اور ہمارے لئے حضور ﷺ سے کھانا عطا فرمانے کی درخواست کرو۔ ساتھیوں کے کہنے کے مطابق

حضرت سلمانؓ نے جا کر حضور ﷺ سے عطاء طعام کی درخواست کی۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اسامہ بن زیدؓ (رسول اللہ ﷺ کے متبنّیٰ) سے جا کر کہو اگر کچھ طعام ادام (سالن) بچا ہوا ہو گا تو وہ دے دیں گے۔ حضرت اسامہؓ رسول اللہ ﷺ کے خازن بھی تھے اور پڑاؤ کے مہتمم بھی۔ حضرت سلمانؓ نے حضرت اسامہؓ سے جا کر درخواست کی۔ حضرت اسامہؓ نے کہا۔ میرے پاس تو کچھ نہیں ہے۔ حضرت سلمانؓ نے واپس آکر ساتھیوں کو اسامہؓ کے قول کی اطلاع دے دی۔ ساتھیوں نے کہا۔ اسامہؓ کے پاس کھانا تو تھا، لیکن انہوں نے بخل سے کام لیا۔ اس کے بعد حضرت سلمانؓ کو صحابہؓ کی ایک جماعت کے پاس بھیجا گیا۔ لیکن وہاں بھی کچھ نہیں ملا۔ سلمانؓ ناکام لوٹ آئے۔ حضرت سلمانؓ کے ساتھیوں نے کہا اگر ہم تم کو کسی جاری کنویں کی طرف پانی لینے کے لئے بھیجیں گے تو وہ بھی سوکھ جائے گا۔ پھر یہ لوگ اسامہؓ کے پاس جستجو میں

آئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسامہؓ کو جو طعام ادام دینے کا حکم دیا تھا کیا واقعی وہ اسامہؓ کے پاس موجود نہیں تھا۔ (یا تھا اور انہوں نے بخل سے کام لیا) جب حضور ﷺ اقدس کی خدمت میں یہ لوگ حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ کیا وجہ کہ گوشت کی خوشبو تمہارے منہ سے آتی مجھے محسوس ہو رہی ہے۔ دونوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! خدا کی قسم ہم نے تو آج دن بھر گوشت نہیں کھایا۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ تم غلط کہہ رہے ہو۔ تم سلمانؓ اور اسامہؓ کا گوشت کھاتے رہے ہو۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۖ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ

اے ایمان والوں! بہت سے گمانوں سے بچو۔ کیوں کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور کسی کی ٹوہ میں نہ لگے رہا کرو اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے اس کو تم ناگوار سمجھتے ہو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سیوطی نے لکھا ہے کہ قصۂ مذکورہ ثعلبی نے بغیر سند کے ذکر کیا ہے اور اصبہانی نے ترغیب میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی روایت سے اس کے ہم معنی قصہ بیان کیا ہے۔ ابن المنذر نے ابن جریج کی روایت سے بیان کیا ہے۔ اہل روایت کا خیال ہے کہ آیت وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا حضرت سلمان فارسیؓ کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت سلمان فارسیؓ کھانا کھا کر سو رہے تھے۔ اس قدر کہ خراٹے لینے لگے تھے۔ دونوں ساتھیوں نے آپ ہی کے کھانے اور سونے کا ذکر کیا تھا۔

اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ اِثم وہ گناہ جس کا مرتکب مستحقِ سزا ہو۔ اِثْمٌ اصل میں وِثْمٌ تھا۔ اس کا مضارع یَثِمُ آتا ہے۔ گناہ بھی اعمالِ صالحہ کو شکستہ کر دیتا ہے۔ ظن سے مراد اس جگہ عدم یقین ہے۔ خواہ جانبِ وجود راجح ہو یا نہ ہو (گویا ظن کے اندر گمانِ غالب اور شک اور وہم سب داخل ہیں) تحقیق مقام یہ ہے کہ ظن کی چند قسمیں ہیں۔

(۱) وہ ظن جس کا اتباع واجب ہے۔ جیسے اللہ پر اور مسلمان عورتوں مردوں کے متعلق اچھا ظن رکھنا یا ایسی دلیل شرعی کا اتباع کرنا جو قطعی نہ ہو۔ اس کی قطعیت میں شبہ ہو (اس کا اتباع بھی واجب ہے) اتباع کا یہ حکم تو عملی مسائل میں ہے۔ رہے علمی (اور اعتقادی) مسائل جن کا تعلق دنیا اور آخرت کے احوال سے ہے تو ایسے علمی مسائل کے خلاف اگر کوئی دلیلِ قطعی موجود نہ ہو تو ان کو ماننا اور ان پر چلنا بھی واجب ہے۔

(۲) وہ ظن جس کا اتباع حرام ہے۔ جیسے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کے متعلق بدگمانی رکھنا۔ خصوصاً صالحین (نیک لوگوں) پر بدگمانی کرنا۔ یا الٰہیات اور نبوت کے مسائل پر یقین نہ کرنا، ظن کرنا یا ان مسائل کا اتباع کرنا جن کے خلاف قطعی دلائل موجود ہوں۔

(۳) دونوں مذکورہ بالا کے علاوہ بعض امور کے متعلق ظن کرنا۔ بعض گناہ ظن کی قسم دوئم میں شمار کئے جاتے ہیں۔ کثیر ظنیات سے پرہیز رکھنے کا حکم احتیاطی ہے اور اکثر گمانوں سے اجتناب رکھنے پر زور دینا مقصود ہے۔ اس لئے جس بات میں گناہ ہونے کا شبہ بھی ہو اس کو ترک کرنا ضروری ہے۔ حدیث مبارک میں آیا ہے حلال کھلا ہوا ہے، حرام کھلا ہوا ہے اور دونوں کے درمیان کچھ امور مشتبہ ہیں (جن سے پرہیز رکھنا احتیاط کا تقاضا ہے) الیٰ آخر الحدیث۔

وَلَا تَجَسَّسُوْا۔ جَسّ ہاتھ سے چھونا۔ تجسّس خبروں کی ٹوہ میں رہنا جیسے لَمْس چھونا تلمّس ٹٹولنا۔ مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے عیوب کی کرید مت کرو اور ان کی چھپی ہوئی باتیں معلوم کرنے کے پیچھے نہ پڑ جاؤ۔ اللہ نے ان کے عیوب پر جب پردہ ڈال دیا ہے، تو تم بھی ان کی پردہ کشائی نہ کرو۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بدگمانی سے پرہیز رکھو بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ کسی کے عیوب کی ٹوہ میں نہ لگو، باہم نفرت نہ کرو، آپس میں بغض و حسد مت کرو، ایک دوسرے کی طرف پشت نہ موڑ لو (یعنی عداوت

اور نفرت کی وجہ سے دوسرے کی طرف سے روگردانی نہ کرو) اور سب اللہ کے بندے بھائی بھائی ہو جاؤ۔ کوئی شخص اپنے بھائی کے پیام نکاح پر اپنا پیام نکاح نہ دے۔ یہاں تک کہ اس کا نکاح مکمل ہو جائے یا لڑکی والوں کی طرف سے انکار ہو جائے۔ رواہ مالکؒ واحمدؒ وابن ماجہ وابوداؤد والترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ان منافقوں کے گروہ جو زبانوں سے تو ایمان لے آئے، لیکن ان کے دلوں میں ایمان ابھی نہیں پہنچا۔ مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور ان کی چھپی باتیں معلوم کرنے کے درپے نہ ہو۔ جو مسلمانوں کی پوشیدہ باتیں جاننے کے درپے ہوگا اللہ اس کی پوشیدہ باتوں کو کھولنے کے درپے ہو جائے گا، پھر اس کو رسوا کر دے گا۔ خواہ اس کی کی ہوئی پوشیدہ باتیں کجاوے کے جوف کے اندر کی گئی ہو۔ رواہ الترمذیؒ وابن حبانؒ۔ ترمذیؒ نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

زید بن وہب کا بیان ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ سے کہا گیا۔ کیا آپ کو ولید بن عقبہ کی حالت کا علم ہے جب کہ اس کی ڈاڑھی سے شراب ٹپک رہی تھی۔ فرمایا ہم کو تجسسِ احوال سے منع کر دیا گیا ہے۔ اگر کوئی بات ہم پر ظاہر ہو جائے گی تو ہم اس کی گرفت کریں گے۔

وَلَا يَغْتَبْ الخ یعنی کوئی کسی کو اس کی غیر موجودگی میں بُرا نہ کہے۔ حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے جواب دیا اللہ اور اس کا رسول ہی بخوبی واقف ہیں! فرمایا اگر تم اپنے بھائی کا غائبانہ اس طرح ذکر کرو جو اس کو ناگوار ہو تو یہ غیبت ہے عرض کیا گیا حضور ﷺ دیکھیے اگر میرے بھائی میں وہ عیب ہو جو میں کہہ رہا ہوں تو کیا یہ بھی غیبت ہوگی فرمایا اگر اس کے اندر وہ بری باتیں ہیں جو تم کہہ رہے ہو تو یہ غیبت ہوئی اور اگر جو باتیں تم کہہ رہے ہو، اس میں نہیں ہیں تو تم نے اس پر تہمت لگائی یہ تہمت ہے۔ متفق علیہ۔

حضرت عمرو بن شعیبؒ کے دادا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے لوگوں نے ایک شخص کا ذکر کیا اور کہا جب تک اس کو کھلایا نہ جائے وہ کھاتا نہیں اور جب تک اس کو سوار نہ کیا جائے وہ سوار نہیں ہوتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم نے اس کی غیبت کی۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ ہم نے وہی بات کہی جو اس میں ہے۔ فرمایا غیبت ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ تم ان باتوں کا ذکر کرو جو اس کے اندر ہیں۔ رواہ البغوی۔

اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا یہ غیبت کرنے کی قباحت کی پُرزور تصویر کھینچی گئی ہے اور غیبت کرنے والا جو دوسرے کی آبرو اور عزت برباد کرتا ہے اس کو قبیح ترین شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ استفہام انکاری ہے جو نفی کو پختہ کر رہا ہے۔ فعل محبت کی نسبت فاعل احد کی طرف تعلیق کے ساتھ کی گئی اور تعلیق محبت ایسی چیز سے کی ہے جو انتہائی مکروہ اور خبیث ہے یعنی انسان کا گوشت اور انسان بھی وہ جو بھائی ہو اور بھائی بھی مردہ۔

فَكَرِهْتُمُوْهُ یعنی اگر مردہ بھائی کا گوشت تمہارے سامنے لایا جائے اور تم سے کھانے کو کہا جائے تو تم اس کو مکروہ اور قابلِ نفرت سمجھو گے اور اس کراہت کا انکار تمہارے لئے ممکن نہیں۔

مجاہد نے کہا جب اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ الخ کہا گیا تو گویا ان کی طرف سے جواب ملا کہ ہم تو اس کو گوارا اور پسند نہیں کر سکتے۔ تو اس پر کہا گیا۔ جب تم اس کو برا سمجھتے ہو تو اپنے بھائی کی پیٹھ پیچھے برائی کے ساتھ اس کا ذکر بھی نہ کرو۔ مطلب اوپر کی تشریح کا بھی یہی ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب معراج میں مجھے لے جایا گیا تو میرا گزر کچھ ایسے لوگوں کی طرف سے ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ ان ناخنوں سے اپنے چہروں کو اور گوشت کو کھروچ رہے تھے۔ میں نے کہا یہ کون لوگ ہیں جبرئیلؑ نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے۔ ان کی پسِ پشت برائی کر کے ان کی آبروریزی کرتے تھے۔ رواہ البغوی۔

میمون کا بیان ہے (ایک روز) میں سو رہا تھا۔ خواب میں ایک حبشی کی سڑی ہوئی لاش میرے سامنے لائی گئی اور کسی نے مجھ سے کہا، اس کو کھا۔ میں نے کہا، کیوں کھاؤں۔ کہنے والے نے کہا، تو نے فلاں شخص کے غلام کی غیبت کیوں کی تھی۔ میں نے کہا، خدا کی قسم میں نے تو نہ اس کی اچھائی کا ذکر کیا نہ برائی کا۔ کہنے والے نے کہا، مگر تو نے اس کی برائی کا ذکر سنا تو تھا اور دل سے اس کو پسند کیا تھا۔ اس کے بعد میمون کسی کی غیبت نہ خود کرتے تھے نہ کسی کو کسی کی غیبت اپنے سامنے کرنے دیتے تھے۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں نے عرض کیا، صفیہ ایسی ایسی ہے یعنی پست قامت ہے۔ یہی اس کا عیب کافی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو نے ایسی بات کہی کہ اگر سمندر میں اس کو مخلوط کر دیا جائے تو سمندر کو کڑوا کر دے۔ رواہ احمد و ابوداؤد و الترمذی۔

حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت بہت بری ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ غیبت زنا سے زیادہ سخت کیسے ہو سکتی ہے۔ فرمایا آدمی زنا کرتا ہے پھر توبہ کر لیتا ہے اللہ اس کو معاف کر دیتا ہے۔ لیکن غیبت کرنے والے کو تو اللہ اس وقت تک معافی نہیں دے گا۔ جب تک وہ شخص معاف نہ کر دے جس کی غیبت کی گئی ہو۔

غیبت کا کفارہ

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غیبت کا اُتارا یہ ہے کہ جس کی غیبت کی ہو۔ اس کے لئے دعاء مغفرت کرے اور یوں کہے "اے اللہ! تو مجھے بخش دے اور اس کو بھی" رواہ البیہقی۔

خالد بن معدان نے حضرت معاذؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اپنے بھائی کے کسی گناہ کا یعنی اس گناہ کا جس سے اس نے توبہ کر لی ہو ذکر کر کے اس کو عار دلائی وہ اپنے مرنے سے پہلے خود اس گناہ کا مرتکب ہوگا۔ رواہ الترمذی۔ خالدؒ نے معاذؓ کو نہیں پایا۔ (اس لئے خالدؒ اور معاذؓ کے درمیان کا راوی معلوم نہیں)۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ⑫ اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ یعنی جس کام کی تم کو ممانعت کر دی گئی ہے اس سے بچو۔ اور جو کچھ تم سے فعل ممنوع ہو گیا ہو، اس پر نادم ہو۔ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔ تمہاری توبہ ضرور قبول فرمائے گا۔ وہ گناہ سے توبہ کرنے والے کو بے گناہ کی طرح کر دیتا ہے۔

رَّحِيْمٌ بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ وہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی بندہ کسی کی آبروریزی کے درپے ہو جائے۔

بغویؒ نے مقاتل کا بیان نقل کیا ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ کے حکم سے حضرت بلالؓ نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی۔ عباد بن اُسید نے اذان سن کر کہا اللہ کا شکر ہے کہ یہ دن دیکھنے سے پہلے میرا باپ مر گیا۔ حارث بن ہشام نے کہا کیا محمد ﷺ کو اس کالے کوے کے سوا کوئی اور مؤذن نہیں ملا۔ سہیل بن عمرو نے کہا اگر خدا چاہے گا تو حالت کو بدل دے گا۔ ابوسفیان نے کہا۔ میں اپنی زبان سے کچھ نہیں کہوں گا۔ مجھے ڈر ہے کہ میری زبان سے جو لفظ نکلے گا، اس کی اطلاع آسمان کا رب محمد ﷺ کو پہنچا دے گا۔ اس پر جبرئیلؑ نازل ہوئے اور ان لوگوں نے جو کچھ کہا اس کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو دے دی۔ حضور ﷺ نے ان لوگوں کو طلب فرمایا اور جو کچھ انہوں نے کہا تھا، اس کی بازپرس کی۔ انہوں نے اپنی باتوں کا اقرار کیا اور اللہ نے آیت ذیل نازل فرمائی اور نسبی تفاخر اور کثرت مال پر اترائے اور غریبوں کو حقیر سمجھنے سے بازداشت کی اور فرمایا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ (اے لوگو) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو نہیں فرمایا کیونکہ اس وقت تک وہ لوگ مسلمان

نہیں ہوئے تھے۔ ابن ابی حاتم نے ابوملیکہ کے حوالہ سے مختصراً نقل کیا ہے۔ ابن عساکر نے مبہمات میں لکھا ہے کہ میں نے ابن بشکوال کی تحریر میں پایا کہ ابوبکر بن ابوداؤد نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی بیاضہ کو حکم دیا تھا تم اپنے قبیلہ کی کسی عورت سے اس کا نکاح کردو۔ انہوں نے جواب دیا یارسول اللہ ﷺ! آپ ہماری لڑکیوں کا نکاح ہمارے آزاد کردہ غلاموں سے کررہے ہیں۔ آپ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہ آیت حضرت ثابت بن قیس اور ان کی قوم والوں کے متعلق نازل ہوئی۔ حضرت ثابت بن قیسؓ کو آگے بڑھنے کا موقع ایک شخص نے نہیں دیا تو حضرت ثابتؓ نے اس سے فرمایا تو فلاں عورت کا بیٹا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ فلاں عورت کا نام کس نے لیا اور کس نے اس شخص کو اس کی ماں کا نام لے کر عار دلائی۔ ثابت بن قیسؓ نے کہا۔ یارسول اللہ ﷺ! میں نے عورت کا ذکر کیا تھا۔ فرمایا قوم کے چہروں کو غور سے دیکھو۔ ثابتؓ نے حکم کی تعمیل کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم نے کیا دیکھا۔ ثابتؓ نے عرض کیا۔ کسی کو گورا دیکھا، کسی کو لال، کسی کو کالا۔ فرمایا تم صرف دین اور تقویٰ کی وجہ سے ان پر فضیلت رکھتے ہو۔ نسبی برتری ہیچ ہے۔ یہ معیارِ فضیلت نہیں اس پر ثابتؓ کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور جس شخص نے حضرت ثابتؓ کو جگہ نہیں دی تھی اس کے حق میں آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا نازل ہوئی۔

إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ یعنی نوعِ بشری کو آدم و حواء سے پیدا کیا یہ مطلب کہ ہر شخص کو سوائے حضرت عیسیٰ، حضرت آدم اور حضرت حواء کے ماں باپ سے پیدا کیا۔ کسی کو کسی پر نسبی برتری حاصل نہیں۔ نسلی اور قومی تفاخر بے بنیاد ہے یا اس جملہ سے تمام انسانوں کے ایک رشتۂ اخوت میں منسلک ہونے کو مستحکم کیا گیا ہے۔ اخوت ہی غیبت سے روکنے والا رشتہ ہے۔

شُعُوبًا وَقَبَائِلَ نسب کے لحاظ سے عرب کے چھوٹے بڑے چھ دائرے تھے۔ سب سے بڑے دائرہ کو شعب کہتے تھے۔ یہ گویا اپنی تمام شاخوں کی جڑ ہوتی تھی۔ اس کے اندر تمام قبائل شامل ہوتے تھے۔ اس سے چھوٹا دائرہ قبیلہ کا مانا جاتا تھا۔ قبیلہ سے چھوٹا دائرہ جو قبیلہ کے اندر ہوتا تھا، عمارہ کہلاتا تھا۔ عمارہ کے اندر بطون ہوتے تھے اور ہر بطن کے اندر مختلف افخاذ اور ہر فخذ کے اندر متعدد فصائل اور ہر فصیلہ کے دائرے میں مختلف عشائر ہوتے تھے۔ عشیرہ سے چھوٹے دائرہ کا کوئی نام نہیں تھا عشیرہ گویا سب سے چھوٹے خاندانی حلقہ کو کہتے تھے۔

بعض اہل علم نے کہا ہے کہ شعوب کا اطلاق عجمی خاندانوں پر اور قبائل کا اطلاق عرب کنبوں پر اور اسباط کا اطلاق بنی اسرائیل پر ہوتا تھا۔ ابورواق نے کہا شعوب کا لفظ ان لوگوں کے لئے بولا جاتا تھا جو کسی شخص کی طرف منسوب نہیں ہوتے تھے، بلکہ کسی شہر یا گاؤں کی طرف ان کی نسبت کی جاتی تھی جیسے دہلوی، لکھنوی اور قبائل کا لفظ ان خاندانوں کے لئے بولا جاتا تھا جو کسی خاص مورث اعلیٰ کی طرف منسوب ہوتے تھے جیسے بنی تمیم، کنانہ وغیرہ۔

لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿١٣﴾ تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو، تم سب میں اللہ کے نزدیک بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو، اللہ خوب جاننے والا پورا خبردار ہے۔

لِتَعَارَفُوا۔ تاکہ تم میں بعض بعض کو پہچانیں کہ کون قریبی رشتہ دار ہے اور کون دور کا تعلق نسبی رکھنے والا ہے، آپس میں تفاخر کے لئے تمہارے قبیلہ کنبے نہیں بنائے۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ قتادہ نے کہا کرم سے زیادہ کرم والا (عزت والا) تقویٰ ہے اور ہر بدی سے زیادہ بُرا فجور (فسق) ہے (یعنی تقویٰ سب سے بڑی عزت ہے اور گناہ سب سے بڑھ کر ذلت فجور ہے)۔

حضرت سمرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (دنیا والوں کے نزدیک) حسب (یعنی موجب برتری اور وجہ عزت) مال ہے اور (اللہ کے نزدیک عزت) تقویٰ ہے، رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ والحاکم۔ ترمذی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا دنیا کی عزت دولت مندی ہے اور آخرت کی عزت تقویٰ ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن اونٹنی پر سوار ہو کر طواف کیا اور اپنی نوک دار چھڑی سے ارکان کا استلام کیا (یعنی ہجوم کی کثرت کی وجہ سے ارکان کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے کا موقع نہیں تھا۔ اس لئے ہاتھ کی نوک دار چھڑی ارکان کو لگا دیتے تھے) جب باہر تشریف لائے تو اونٹنی کو بٹھا کر اترنے کی جگہ نہیں ملی۔ اس لئے لوگوں کے ہاتھوں پر اترے، پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا شکر ہے اللہ کا جس نے تم سے جاہلیت کی نخوت و غرور کو دور کر دیا۔ آدمی دو طرح کے ہیں۔

(۱) نیک پرہیز گار اللہ کے نزدیک باعزت۔

(۲) بدکار بدبخت اللہ کے نزدیک ذلیل۔

پھر آپ نے آیت یَآ اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى (الٰی آخرھا) تلاوت فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا، میں اپنی یہ بات کہے دے رہا ہوں اور اپنے لئے اور تمہارے لئے اللہ سے معافی کا طلب گار ہوں۔ رواہ الترمذی والبغوی۔

طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کا دن ہوگا تو اللہ کے حکم سے ایک ندا دینے والا ندا دے گا خوب سن لو میں نے ایک نسب مقرر کیا تھا اور تم نے بھی ایک نسب مقرر کیا تھا۔ میں نے تو سب سے بڑے متقی کو سب سے زیادہ عزت والا قرار دیا تھا، پر تم نے اس کو نہیں مانا۔ بلکہ تم کہتے رہے، فلاں بن فلاں، فلاں بن فلاں سے بہتر ہے۔ سو آج میں اپنے قائم کئے ہوئے نسب کو سر بلند کرتا ہوں اور تمہارے قائم کردہ نسب کو نیچے گراتا ہوں کہاں ہیں اہلِ تقویٰ۔

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا۔ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا کون ہے۔ فرمایا جو سب سے بڑا متقی ہے، اللہ کے نزدیک وہ سب سے زیادہ عزت والا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ ہمارا یہ سوال نہیں تھا۔ فرمایا تو ذاتی اور نسبی عزت کے لحاظ سے سب سے زیادہ عزت والے (یوسفؑ) نبی اللہ بن (یعقوبؑ) نبی اللہ بن (اسحاقؑ) نبی اللہ بن (ابراہیمؑ) نبی اللہ تھے۔ ابراہیمؑ خلیل اللہ بھی تھے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ ہم یہ بھی نہیں پوچھ رہے ہیں بلکہ عرب قبائل و اشخاص کے متعلق دریافت کر رہے ہیں) فرمایا تو عرب معادِن کے متعلق دریافت کر رہے ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ جی ہاں! فرمایا تو جاہلیت کے زمانہ میں تم میں جو لوگ بہتر اعلیٰ نسب والے تھے وہ اسلامی دور میں بھی بہتر ہیں بشرطیکہ سمجھ میں فوقیت رکھتے ہوں۔ رواہ البخاری وغیرہ۔

مسلمؒ اور ابن ماجہؒ کا بیان ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا۔ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا، بلکہ تمہارے دلوں کو اور اعمال کو دیکھتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ یعنی اللہ تمہارے باطنی حالات اور فضائل کو بخوبی جانتا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ بنی اسد کے چند آدمی قحط کے سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بظاہر مسلمان ہو گئے لیکن باطن میں وہ مؤمن نہیں تھے۔ ان لوگوں نے مدینہ کے راستے (قضائے حاجت کی) گندگیوں سے بھر دیئے اور مدینہ میں چیزوں کے نرخ گراں کر دیئے۔ صبح شام رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے اور کہتے تھے۔ دوسرے عرب آپ کے پاس اونٹنیوں پر سوار ہو کر تنہا آئے ہیں اور ہم سارا سامان اور اہل و عیال کو لے کر آئے ہیں۔ فلاں فلاں قبائل نے آپ سے جنگ کی پھر مسلمان ہوئے لیکن ہم آپ سے کبھی نہیں لڑے اس کلام سے وہ رسول اللہ ﷺ پر اپنے اسلام کا احسان رکھنا چاہتے تھے اور مال صدقات کے طلب گار تھے۔ اس پر آیتِ ذیل نازل ہوئی۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾

یہ گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ آپ ان سے کہہ دیجئے۔ تم ایمان ابھی نہیں لائے، لیکن یوں کہو کہ ہم مخالفت چھوڑ کر مطیع ہو گئے اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مان لو تو اللہ تمہارے اعمال میں سے ذرا بھی کمی نہیں کرے گا، بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔

سدی نے کہا یہ آیت ان بدویوں کے حق میں نازل ہوئی جن کا ذکر اللہ نے سورت الفتح میں کیا ہے۔ یہ دیہاتی قبائل جہینہ، مزینہ، اسلم، اشجع اور غفار کے تھے جو اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ رکھنے کے لئے زبانوں سے اٰمَنَّا ہم ایمان لے آئے کہتے تھے لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو حدیبیہ کو لے جانا چاہا تو بچھڑ گئے (حضور ﷺ کے ساتھ نہیں گئے)۔

قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوْا اے محمد ﷺ! آپ کہہ دیجئے کہ تم لوگ ابھی ایمان نہیں لائے۔ ایمان تو دل کی ایک خاص کیفیت ہوتی ہے، جس کو تصدیقِ قلبی کہا جاتا ہے۔ زبان سے اقرار تو ایمان کا ایک رکن زائد ہے جو اسلامی احکام جاری کرنے کے لئے ضروری ہے اور اقرار کی ضرورت بھی اس وقت ہے جب ایمان لانے والا انکار پر مجبور نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ایمان یہ ہے کہ تم اللہ کو اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں کو اور روز قیامت کو مانو اور اچھی بری تقدیر کی تصدیق کرو یعنی اس بات کی دل سے تصدیق کرو کہ دنیا میں ہر خیر و شر اللہ کے مقرر و انداز ے کے مطابق ہوتی ہے۔ ہر اچھی بری چیز کا اللہ نے پہلی ہی اندازہ مقرر کر دیا ہے۔ سوال جبرئیلؑ کے جواب میں حضور ﷺ نے یہی فرمایا تھا۔ کذا فی الصحیحین من حدیث عمرؓ بن الخطاب مرفوعاً۔

وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا ہم تابعدار ہو گئے۔ اسلام سے مراد ہے ظاہری طور پر فرماں بردار ہو جانا۔

وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ اس کا عطف لَمْ تُؤْمِنُوْا پر ہے۔ ماضی میں ایمان نہ ہونے اور مستقبل میں ایمان دار ہو جانے کی امید کا اظہار اس جملہ سے ہو رہا ہے۔ لَمْ تُؤْمِنُوْا میں آئندہ ایمان دار ہو جانے کی کسی توقع کا اظہار نہیں تھا۔ صرف ماضی میں ایمان دار ہونے کی نفی تھی۔ اس لئے اس جملہ کے مفہوم کو مکرر نہیں کہا جا سکتا۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ⑮ پورے مؤمن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک نہیں کیا اور اپنے مال و جان سے اللہ کے راستہ میں محنت اٹھائی۔ یہی لوگ ہیں سچے (مؤمن)

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الخ یعنی خلوص قلب سے ایمان لائے اور احکام کی تعمیل کی۔

ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا پھر رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین میں ان کو کبھی شک واقع نہیں ہوا۔ لفظ ثمّ دلالت کر رہا ہے کہ شروع ایمان کے وقت جس طرح شرک نہ کرنا لازم تھا۔ اسی طرح آئندہ پوری زندگی مرتے دم تک کبھی شک میں نہ پڑنا ضروری ہے۔ آیت ثُمَّ اسْتَقَامُوْا سے بھی یہی مراد ہے۔

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی اللہ کی اطاعت میں جَاهَدُوْا کا مفعول محذوف ہے۔ یعنی جنگجو دشمن سے یا شیطان سے یا ناجائز خواہشاتِ نفس سے انہوں نے جہاد کیا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مفعول محذوف نہ ہو اور فعل لازم کا مبالغہ مقصود ہو۔ یعنی انہوں نے خوب کوشش کی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ مجاہدہ سے مراد ہو قلبی اور بدنی اور مالی عبادتیں۔

اگر مجاہدہ سے مراد مطلق مجاہدہ ہو تو صراحۃً تمام اوامر کی ادائیگی اور سارے ممنوعات سے اجتناب مراد ہو گا اور اگر جہاد سے مراد کافروں سے جہاد کرنا ہو تو اوامر و نواہی کی پوری پابندی بطورِ دلالتُ النّص معلوم ہو گی۔ کیونکہ جو شخص اصلاحِ عالم کے لئے اور تباہی و بربادی کو دور کرنے کے لئے اور اللہ کا بول بالا کرنے اور دین کو پھیلانے کے لئے اپنی جان و مال کی قربانی دیتا ہے وہ بدرجۂ اولیٰ اپنے نفس کی قربانی کرے گا اور تمام احکامِ شریعت کا پابند ہو گا۔

هُمُ الصّٰدِقُوْنَ یعنی ایمان کے دعویٰ میں یہی لوگ سچے ہیں۔

مذکورہ بالا دونوں آیتیں جب نازل ہوئیں تو کچھ بدوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ ہم سچے مؤمن ہیں لیکن اللہ جانتا تھا کہ وہ ایسے نہیں ہیں۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾

آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اپنے ایمان کی خدا تعالیٰ کو خبر دیتے ہو، حالانکہ اللہ کو سب آسمانوں کی اور زمین کی ساری چیزوں کی خبر ہے اور اللہ سب چیزوں کو جانتا ہے۔ یہ اپنے مسلمان ہونے کا آپ ﷺ پر احسان رکھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے۔ اپنے اسلام لانے کا مجھ پر احسان نہ دھرو بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی ہدایت دی۔ بشرطیکہ تم سچے ہو۔

تُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ یعنی اٰمَنَّا کہہ کر اپنے جس دین کا تم نے اظہار کیا ہے۔ کیا وہ دین تم مجھے بتا رہے ہو۔ حالانکہ اللہ کو زمین و آسمان کی ساری چیزوں کا علم ہے۔ وہ ہر چیز سے واقف ہے وہ تمہاری چھپی ہوئی حقیقت کلام کو جانتا ہے اس کو تمہارے اظہار کی ضرورت نہیں تم اپنی اندرونی حالت کو درست کرلو۔

طبرانی نے عمدہ سند سے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ کی روایت سے اور بزار نے بطریق سعید بن جبیر، حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور ابن ابی حاتم نے حسن کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔ کہ کچھ بدویوں نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم خود مسلمان ہوگئے اور آپ سے کبھی نہیں لڑے لیکن فلاں قبیلہ والوں نے آپ سے جنگ کی اور پھر مسلمان ہوئے بقول حسن یہ بات فتح مکہ ہو جانے کے بعد کی ہے۔

اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ یعنی تمہارے دلوں میں اللہ نے ایمان پیدا کر دیا یہ تم پر اللہ کا احسان ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ یعنی اگر تم ایمان کے دعوے میں سچے ہو اور تمہارے قول کے مطابق تمہارا ایمان اخلاص کے ساتھ ہے تو یہ تم پر اللہ کا احسان ہے۔ یہ جملہ شرطیہ اشارہ کر رہا ہے اس بات کی طرف کہ وہ سب کے سب اپنے ایمان کے دعویٰ میں سچے نہیں تھے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی مخفی باتوں کو جانتا ہے اور تمہارے سب اعمال کو خوب دیکھتا ہے۔

ابن سعد نے بروایت محمد بن کعب قرظی اور سعید بن منصور نے بروایت سعید بن جبیرؒ بیان کیا کہ ۹ھ میں قبیلہ بنی اسد کے دس آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں طلحہؓ بن خویلد بھی تھے حضور ﷺ اس وقت صحابہؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے ان لوگوں نے آکر سلام کیا پھر ان میں سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں یا رسول اللہ ﷺ ہم خود حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں، آپ نے اپنا کوئی نمائندہ ہمارے پاس نہیں بھیجا تھا ہم اپنے ان لوگوں کے لئے جو ہمارے پیچھے رہ گئے ہیں پیام مصالحت لے کر آئے ہیں اس پر اللہ نے آیت مذکورہ نازل فرمائی۔

(الحمد للہ سورۃ الحجرات کی تفسیر ختم ہوئی)

نَحْمَدُکَ یَا مَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ وَ نُسَبِّحُکَ وَ نَسْتَعِیْنُکَ وَ نَسْتَغْفِرُکَ وَ نَشْکُرُکَ
وَ نَسْئَلُکَ الْخَیْرَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اَلْحِقْنَا بِعِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ الَّذِیْنَ
لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ وَ نَشْھَدُ اَنَّکَ اَنْتَ رَبُّنَا وَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرَضِیْنَ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَمَنْ عَلَیْھِنَّ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَ نُصَلِّیْ وَ نُسَلِّمُ عَلٰی
رَسُوْلِکَ وَ حَبِیْبِکَ سَیِّدِ الْخَلَائِقِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ
اَجْمَعِیْنَ وَ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَھُمْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔

سُورۂ قٓ

یہ سورت مکّی ہے اس میں تین رکوع اور ۴۵ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔

قٓ ﴿۱﴾ یہ حرف حروف مقطعات (تہجی) میں سے ہے صحیح بات یہی ہے۔ بعض کے نزدیک سورت کا اور بعض کے نزدیک قرآن کا نام ہے۔

قرطبی نے کہا، قدیر، قادر، قاہر، قریب، قابض اللہ کے وصفی نام ہیں قٓ ان اسماء کی کنجی ہے (یعنی ابتدائی حرف ہے اس سے انہی اسماء کی طرف اشارہ ہے)

بعض نے کہا، قٓ سے اشارہ ہے جملہ قُضِیَ الْاَمْرُ یا قُضِیَ مَاھُوَ کَائِنٌ کی طرف۔ حق بات یہ ہے کہ دوسرے مقطعات و متشابہات کی طرح اس کی اصلی مراد سوائے اللہ اور اس کے رسول اور رُسوخ علمی رکھنے والوں کے اور کوئی نہیں جانتا۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کے درمیان ایک رمز ہے۔ سورۂ بقرہ کے شروع میں اس کی مکمل تفصیل گزر چکی ہے۔

فرمایا عکرمہؒ نے قاف زمردِ سبز کا ایک پہاڑ ہے جو زمین کو محیط ہے اور اس پر آسمان قبّہ کی طرح ڈھانکا ہوا ہے۔

وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ ﴿۱﴾ قسم ہے قرآن مجید کی۔

واؤ قسمیہ ہے (قسم ہے قرآن کی) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، قٓ کا لفظ قسم ہے یعنی فعل قسم یہاں محذوف یا مضمر ہے اور وَالْقُرْاٰنِ کا واؤ عاطفہ ہے ترجمہ یوں ہوا، قسم ہے قٓ کی اور قرآن کی)۔

اَلْمَجِیْد بزرگی والا، تمام کتابوں پر برتری رکھنے والا اس وجہ سے کہ بزرگی والے اللہ کا کلام ہے یا اس سبب سے کہ جو شخص اس کو سیکھتا ہے اس کا مطلب جان لیتا ہے پھر تعمیلِ احکام کرتا ہے وہ بزرگی والا ہوتا ہے۔

قسم کا جواب محذوف ہے، یعنی قسم قرآن مجید کی کہ رسول جو قیامت سے تم کو ڈرا رہے ہیں بلاشبہ وہ سچے ہیں بعض کے نزدیک قسم کا جواب مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ہے اور بعض کے نزدیک قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ جوابِ قسم ہے اہلِ کوفہ کے نزدیک اگلی متصل آیت جوابِ قسم ہے۔

بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَھُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْھُمْ فَقَالَ الْکٰفِرُوْنَ ھٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ ﴿۲﴾

بلکہ ان کو اس بات پر تعجب ہوا کہ ان کے پاس انہیں کی جنسِ بشری میں سے ایک ڈرانے والا پیغمبر آگیا سو

کافر لوگ کہنے لگے کہ یہ ایک عجیب ہے۔

بَلْ عَجِبُوْٓا بَلْ بمعنی قَدْ کے ہے یعنی کفارِ مکہ نے بلاشبہ تعجب کیا اس بات پر کہ انہیں میں سے ایک ڈرانے والا ان کے پاس ایسی بات لے کر آیا جو تعجب انگیز نہیں تھی یہ امر تعجب آفریں نہ ہونا چاہئے کہ انہیں میں کا ایک شخص جس کو وہ سچا جانتے تھے اور اس کی سچائی کا اقرار کرتے تھے ان کی خیر خواہی کرتا ہے اس کو اندیشہ ہے کہ کہیں ان لوگوں کو دکھ پہنچ جائے، ایسے ہی خواہ قوم، سچے مخلص آدمی کو تو کسی خوفناک امر سے قوم کو ڈرانا ہی چاہئے۔

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ قبائل قریش جب رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہوگئے تو آپ نے فرمایا دیکھو اگر میں تم کو اطلاع دوں کہ کچھ سوار گھاٹی سے نکل کر وادی میں آکر تم پر حملہ کرنا اور تم کو لوٹنا چاہتے ہیں تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے۔ قریش نے کہا ہاں، ہم کو تجربہ کے بعد ہمیشہ آپ کی سچائی ہی ثابت ہوئی ہے کبھی آپ کو دروغ گو نہیں پایا۔ حضور ﷺ نے فرمایا تو میں سامنے آنے والے عذاب سے پہلے ہی تم کو ڈرا رہا ہوں۔ الحدیث متفق علیہ۔

فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا تفسیر کیلئے ہے یہ کافروں کے تعجب کا بیان ہے اور ہٰذا سے اشارہ ہے رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے لئے منتخب کرنے کی طرف۔ اور اَلْکٰفِرُوْنَ صراحت کے ساتھ کہنے سے ان منکرین کے کفر پر مہر لگادی گئی ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "ف" تعقیب کے لئے ہو اور ہٰذا سے بعث بعد الموت کی طرف اشارہ ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہٰذا کا مشارٌ الیہ مبہم ہو جس کی تفسیر آئندہ آیت میں کردی گئی ہے۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۝۳ کیا جب ہم مرگئے اور مٹی ہوگئے تو دوبارہ زندہ ہوں گے یہ دوبارہ زندہ ہونا ناممکن ہے۔

اِذَا مِتْنَا الخ اس کا تعلق محذوف فعل سے ہے، یعنی کیا ہم کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا جب ہم مرکر خاک ہوچکے ہوں گے بہت ہی بعید از امکان ہے۔

ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ یہ دوبارہ زندگی کی طرف لوٹنا تو عقل و عادت اور امکان سے بعید ہے۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۝۴

ہم ان کے ان اجزاء کو جانتے ہیں جن کو مٹی کھاتی اور کم کرتی ہے اور ہمارے پاس وہ کتاب یعنی لوح محفوظ ہے۔

اس آیت میں انکارِ قیامت کی تردید ہے یعنی زمین مرنے کے بعد جو ان کے جسموں کو کھالیتی ہے وہ ہم کو معلوم ہے ہم جانتے ہیں کہ وہ خاک کے ذرّے کہاں کہاں ہیں ہمارے علم سے کوئی چیز غائب نہیں ہے ان تمام ذرات کو جمع کرنا اور پھر زندہ کرکے اٹھانا ہمارے لئے دُشوار نہیں ہے۔

كِتٰبٌ حَفِيْظٌ یعنی ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو شیطانوں کے دستِ تصرّف سے باہر ہے اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہوسکتا۔ حَفِيْظٌ کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہمارے پاس ایک کتاب ہے جس میں تمام اشیاء کی پوری تفصیل موجود ہے جس سے واقف وہی ملائکہ ہیں جو ہمارے پاس ہیں۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ۝۵ بلکہ سچی بات جب ان کو پہنچی تو اس کو انہوں نے جھٹلایا غرض یہ کہ وہ ایک متزلزل حالت میں ہیں۔ بَلْ كَذَّبُوْا الخ یہ انکارِ نبوت کرنے والوں کی تردید ہے۔

نبوّت جو معجزات سے ثابت شدہ ہے اس کی تکذیب سابق انکار سے بڑھ کر ہے جو چیز قطعی دلائل سے ثابت ہو اس کا انکار بہت ہی بعید از عقل ہے۔

مَّرِيْجٍ امر مشتبہ، مضطرب، بے یقینی۔ ان کے قول میں اضطراب اور بے یقینی تکذیبِ نبوّت کی وجہ سے ہی تھی۔ قتادہ اور حسن نے کہا جو حق کو چھوڑ دیتا ہے اس کو اپنے معاملہ میں اور دین میں اشتباہ پیدا ہوجاتا ہے، زجاج نے کہا ایک قول پر ان کو قرار

نہیں، رسول اللہ ﷺ کو کبھی شاعر کہتے ہیں کبھی جادوگر، کبھی دوسروں کا سکھایا پڑھایا ہوا، کبھی دیوانہ کبھی دروغ تراشی کرنے والا اور یہ سارے اقوال باہم مختلف اور متضاد ہیں۔

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝۶

کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا ہم نے اس کو کیسا اونچا اور بڑا بنایا اور ستاروں سے اس کو سجایا اور اس میں کوئی رخنہ تک نہیں ہے۔

اللہ قیامت کے دن مُردوں کو زندہ کر کے اٹھانے پر قادر ہے اس آیت میں اس کی دلیل بیان کی گئی ہے۔ ہمزۂ استفہام انکاریہ توبیخیہ ہے، فَ کا عطف فعل محذوف پر ہے پورا کلام اس طرح ہے، کیا انہوں نے دوبارہ زندہ کئے جانے کی تکذیب کی، پھر تکذیب کے بعد آسمان زمین وغیرہ (یعنی نشانہائے قدرت) کو نہیں دیکھا۔

بَنَيْنٰهَا ہم نے اس کو بنایا اور بغیر کسی ستون کے بلند رکھا، اور ستاروں سے اس کو سجایا۔

وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ اور اس میں کہیں شگاف اور رخنہ نہیں ہے۔

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝۷ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝۸

اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑوں کو جمایا اور اس میں ہر قسم کی خوش نما چیزیں اگائیں جو ذریعہ ہے بینائی اور دانائی کا ہر رجوع کرنے والے بندے کے لئے۔

اس کلام میں کچھ حذف و اضمار ہے، اصل کلام اس طرح تھا کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا، ہم نے آسمان کیسا بنایا اور کیا انہوں نے اپنے نیچے زمین کی طرف نہیں دیکھا ہم نے زمین کو کیسے پھیلایا اور بچھایا۔

رَوَاسِيَ گڑھے ہوئے پہاڑ۔

مِنْ كُلِّ زَوْجٍ ہر قسم کا سبزہ۔

بَهِيْجٍ۔ حسن اور فرحت و بہجت والا۔

تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى یہ دونوں لفظ تخلیق سماء و ارض کی علت غائی اور مقصود اصلی ہیں۔ تخلیق اشیاء کی اصل غایت ہی یہ ہے کہ ان کو دیکھ کر ایک واجب الوجود خالق قدیم علیم کی ہستی اور اس کی صفات پر استدلال کیا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ وہ ہر خرابی اور فنا سے پاک ہے۔

لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ مخلوق پر غور کر کے اپنے رب کی طرف لوٹنے والے بندے کے لئے چونکہ "عبد منیب" کے لئے ہی یہ تخلیق نشیب و فراز بصیرت آفریں ہے، اس لئے مُنِیب کا لفظ خاص طور پر ذکر کیا۔

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۝۹ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۝۱۰ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۭ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۝۱۱

اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی برسایا پھر اس سے بہت سے باغ اگائے اور کھیتی کا غلہ اور لمبے لمبے کھجور کے درخت جن کے گچھے خوب گوندھے ہوئے ہوتے ہیں، بندوں کے رزق دینے کے لئے اور ہم نے اس پانی کے ذریعہ سے مردہ زمین کو زندہ کیا پس اسی طرح زمین سے نکلنا ہوگا۔

مُبٰرکا بہت مفید، کثیر النفع۔

فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ پھر اس پانی سے ہم نے زمین میں اگائے۔

جَنّٰتٍ باغ۔

حَبَّ الْحَصِيْدِ حب کی اضافت اَلْحَصِید کی طرف۔ اضافت عام الی الخاص ہے جیسے حَقُّ الْیَقِین، کلّ الدراھم اور عین الشیئ میں ہے، یعنی وہ غلہ جو کاٹا جاتا ہے، جیسے گیہوں جو وغیرہ۔ مراد یہ ہے کہ جو غلہ بویا جاتا ہے، پھر کاٹ کر غذائی کام

میں لایا جاتا ہے، چونکہ غلّہ کا اصل مقصد اور کامل نفع یہی ہے کہ اس کو کاٹ کر غذائی کام میں لایا جائے۔ اس لئے حَبَّ الْحَصِيد کی جانب خاص طور پر اضافت کردی گئی ہے۔ یا مضاف الیہ کا موصوف محذوف ہے۔ جیسے مَسْجِدُ الْجَامِع یعنی مَسْجِدُ الصَّلٰوةِ الْجَامِع اور صلٰوةُ الْاُوْلٰی یعنی صلٰوة السَّاعَة الْاُوْلٰی میں، اس تاویل پر حبّ الحصید کا مطلب ہوگا حَبُّ الزَّرْعِ الْحَصِيد یعنی قابلِ حصاد کھیتی کا غلہ۔

بٰسِقٰتٍ لمبے لمبے کھجور کے درخت یا باسقات کا معنی بوجھ اٹھانے۔ بکری گابھن ہو جائے تو کہتے ہیں، بَسَقَت الشَّاة۔ کھجور کا درخت بہت اونچا بھی ہوتا ہے اور اس کے منافع بھی بہت ہیں، اس لئے خصوصیت کے ساتھ اس کا ذکر کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، درختوں میں ایک درخت ایسا ہے کہ اس کے پتے نہیں گرتے اس کی مثال ایسی ہے جیسے مسلمان، بتاؤ وہ کونسا درخت ہے۔ لوگوں کا خیال صحرائی درختوں کی طرف گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا، وہ کھجور کا درخت ہے۔ رواہ البخاری من حدیث ابن عمرؓ۔

یہ بھی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اپنی پھوپھی، یعنی کھجور کے درخت کی عزّت کرو۔ تمہارے باپ آدم کی جسمانی ساخت سے جو مٹی بچ رہی تھی اس سے اس درخت کو بنایا گیا اور جس درخت کے نیچے مریم بنت عمرانؑ کے بطن سے عیسیٰؑ کی پیدائش ہوئی اس سے زیادہ معزز اللہ کے نزدیک اور کوئی درخت نہیں، پس تم اپنے اہل و عیال کو کھجوریں کھلاؤ اور اگر کھجوریں نہ ہوں تو چھوارے کھلاؤ۔ رواہ ابن ابی حاتم و ابویعلٰی فی المسند و ابن عدی فی الکامل و ابن انس و ابو نعیم فی الطب و ابن مردویہ عن علیؓ۔

لَّهَا طَلْعٌ طلع پھل اور وہ جگہ جہاں سے پھل نمودار ہوتا ہے۔

نَّضِيدٌ تہ برتہ۔ چناہوا اس سے مراد ہے شگوفوں کی یا پھلوں کی کثرت۔

رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ رزقاً، انبتنا کا مفعول لہ ہے یعنی پیدا کرنے کی اصل غرض یا مفعول مطلق ہے اگرچہ انبات اور رزق کے الفاظ الگ الگ ہیں لیکن دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔

وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا یعنی پانی سے ہم نے خشک زمین کو جس میں کوئی روئیدگی اور سبزی نہیں تھی زندہ کر دیا۔

كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ یعنی جس طرح ہم زمین سے سبزہ اگاتے ہیں۔ اسی طرح ہم قبروں سے مُردوں کو زندہ کر کے نکالیں گے۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، دونوں صور پھونکنے کے درمیان فاصلہ چالیس کا ہوگا۔ حاضرین نے پوچھا، ابوہریرہؓ! کیا چالیس دن (کا فاصلہ ہوگا)۔ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا، مجھے اس لفظ کے کہنے سے انکار ہے۔ لوگوں نے کہا تو کیا پھر چالیس مہینوں کی مدّت ہوگی حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا، میں یہ بھی نہیں کہتا لوگوں نے کہا تو کیا چالیس سال کی مدّت آپ کہنا چاہتے ہیں فرمایا، مجھے یہ کہنے سے بھی انکار ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پھر اللہ آسمان سے پانی نازل فرمائے گا، جس سے لوگ ایسے اُگیں گے جیسے سبزہ اُگتا ہے۔ آدمی کے بدن کا ہر حصہ سوائے ایک ہڈی کے یعنی سوائے دم گزے کی ہڈی کے فنا ہو جاتا ہے قیامت کے دن اسی دم گزے (عَجْعَص) کی ہڈی سے جوڑ کر انسانی جسم بنایا جائے گا۔ ابن ابی داؤد سے بھی اسی طرح کی حدیث بروایت حضرت ابوہریرہؓ آئی ہے۔ اس روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ دونوں مرتبہ صور پھونکنے کے درمیان چالیس سال کا فصل ہوگا۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ عرش کے نیچے سے پانی کا ایک نالہ دونوں مرتبہ صور پھونکنے کی درمیانی مدّت میں بہکر آئے گا اور یہ درمیانی مدّت چالیس سال کی ہوگی۔ اس پانی سے وہ تمام انسان چوپائے اور پرندے جو بوسیدہ فرسودہ ہو کر گل گئے ہوں گے دوبارہ سبزہ کی طرح اُگیں گے جو شخص ان کو پہلے دنیا میں پہچانتا ہوگا جب دوبارہ پیدا ہونے کے بعد ان کی طرف سے گزرے گا تو پہچان نہ سکے گا۔ اس کے بعد روحوں کو بھیجا جائے گا اور جسموں کے ساتھ ان کا جوڑا لگا دیا جائے گا۔ یہی مطلب ہے آیت اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ کا۔

امام احمد، ابو یعلی اور بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، قیامت کے دن لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا اور آسمان سے پانی کا ایک جھالا ان پر پڑے گا۔ آئندہ آیت میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دینے اور کافروں کو عذاب کی دھمکی دینے کے لئے گزشتہ انبیاء اور ان کی امتوں کا بطورِ مثال ذکر فرمایا ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُودُ ﴿١٢﴾ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ﴿١٣﴾
وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۚ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدِ ﴿١٤﴾

ان سے پہلے قوم نوح اور رَس والے اور ثمود اور عاد اور فرعون اور قوم لوط اور بَن والے اور تبعؑ کی قوم پیغمبروں کی تکذیب کر چکے ہیں سب پیغمبروں کو جھٹلایا سو میری وعید عذاب ان پر واقع ہو گئی۔

قَبْلَهُمْ یعنی کفارِ مکہ سے پہلے۔

قَوْمُ نُوحٍ حضرت نوحؑ نے نوسو پچاس ۹۵۰ برس اپنی قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا یعنی تبلیغ کی مگر انہوں نے آپ کو جھوٹا سمجھا، آخر طوفان نے ان کو آپکڑا اور سوائے ان لوگوں کے جو آپ پر ایمان لے آئے تھے سب کو غرق کر دیا، حضرت نوحؑ اور آپ کے مؤمن ساتھی محفوظ رہے۔

أَصْحَابُ الرَّسِّ: صاحبِ قاموس نے لکھا ہے، رَس کسی چیز کی ابتداء، وہ کنواں جس کی مَن (گھیرا) پتھروں سے بنائی گئی ہو، وہ کنواں جو بقیہ نسلِ ثمود نے بنایا تھا ان لوگوں نے اپنے زمانے کے پیغمبروں کی تکذیب کی اور پیغمبر کو اس کنویں میں پاٹ دیا، کھودنا، میت کو دفن کرنا، رَس کے یہ تمام معانی آئے ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے رَس کنویں کو اور اس باؤلی کو کہتے ہیں جس کی چوطرفہ مَن پتھروں سے اور پختہ اینٹوں سے نہ بنائی گئی ہو۔ بعض نے کہا رَس کا معنی ہے معدن۔ اس کی جمع رساس آتی ہے۔

اصحابُ الرس کون تھے، بعض علماء کے نزدیک تو یہ وہی لوگ تھے جن کا ذکر صاحب قاموس نے کیا ہے یعنی نسل ثمود کے بقیہ لوگ۔ بغوی نے بروایت ابوروق، ضحاک کا قول بیان کیا ہے کہ حضر موت کے ایک شہر میں جس کو حاصورا کہا جاتا تھا ایک کنواں تھا، حضرت صالحؑ پر جو لوگ ایمان لے آئے تھے وہ چار ہزار تھے جو عذاب سے محفوظ رہے تھے۔ یہ لوگ حضرت صالحؑ کے ساتھ مقام حضر موت میں آکر آباد ہو گئے۔ یہاں پہنچنے کے بعد حضرت صالحؑ کی وفات ہو گئی اسی لئے اس مقام کا نام حضر موت ہو گیا، یعنی حضرت صالحؑ کی اس جگہ حاضر ہو گئی۔ لوگوں نے اس مقام پر ایک حصار بنا دیا اور کنویں کے آس پاس مقیم ہو گئے اور اپنے ساتھیوں میں سے ایک شخص کو اپنا سردار بنا لیا۔ ایک طویل مدت اسی طرح گزر گئی، نسلوں کی تعداد بھی بہت بڑھ گئی۔ رفتہ رفتہ یہ لوگ بتوں کی پوجا کرنے لگے اللہ نے ان کی ہدایت کے لئے ایک پیغمبر کو مبعوث فرمایا، جن کا نام حنظلہ بن صفوان تھا۔ نبوت سے پہلے یہ نبی بوجھ اٹھانے والے ایک قلی تھے۔ بت پرستوں نے بازار میں حضرت حنظلہ کو شہید کر دیا جس کے نتیجے میں اللہ نے پوری قوم کو ہلاک کر دیا، کنواں بھی بے کار ہو گیا اور محلات بھی ویرانے میں تبدیل ہو گئے۔ انہیں کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيدٍ۔

سعید بن جبیر نے کہا، اصحابُ الرّس میں ایک پیغمبر تھا جس کو حنظلہ بن صفوان کہا جاتا تھا، اصحابُ الرس نے پیغمبر کو قتل کر دیا، اس کے نتیجہ میں اللہ نے ان کو ہلاک کر دیا۔

وہب بن منبہ نے کہا اصحابُ الرس ایک کنویں کے مالک تھے، مویشی بھی ان کے پاس تھے یعنی مویشی پالتے تھے بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ اللہ نے ان کی ہدایت کے لئے شعیبؑ پیغمبر کو بھیجا۔ شعیبؑ نے ان کو اسلام کی دعوت دی لیکن ان کی سرکشی بڑھتی ہی گئی۔ ایک روز جب کہ کنویں کے آس پاس لوگ اپنے اپنے گھروں میں تھے۔ کنواں ڈھے گیا اور اللہ نے سب کو مع مکانوں کے زمین میں دھنسا دیا۔

قتادہ اور کلبی نے کہا رس یمامہ میں ایک کنواں تھا، ان لوگوں نے اپنے نبی کو قتل کر دیا اللہ نے ان سب کو ہلاک کر دیا۔

کعب ، مقاتل اور سدی نے کہا انطاکیہ میں ایک کنواں تھا جس میں حبیب نجار کو لوگوں نے پھینک کر شہید کر دیا تھا انہیں لوگوں کا ذکر سورۂ یٰسین میں آیا ہے۔

بعض علماء نے کہا ، اصحابُ الاخدود ہی اصحابُ الرس تھے ، انہوں نے ہی وہ کنواں کھودا تھا۔ عکرمہ نے کہا ، ان لوگوں نے کنویں میں اپنے نبی کو پاٹ دیا تھا۔

وَثَمُوْدُ اس قوم نے پیغمبروں کی تکذیب کی ان کے بھائی صالح پیغمبر نے ان سے کہا تم اللہ سے کیوں نہیں ڈرتے۔ میں تمہاری ہدایت کے لئے امانتدار پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میرا کہا مانو اللہ سے ڈرو۔ کہنے لگے تیرے اوپر تو جادو کر دیا گیا ہے تو ہم جیسا آدمی ہے پیغمبر نہیں ہے اگر تو سچا ہے تو کوئی نشانی پیش کر۔ حضرت صالحؑ کی دعا سے ایک ماہہ گابھن اونٹنی ایک پتھر سے بر آمد ہو گئی اور اس کا بچہ بھی اسی جیسا پیدا ہو گیا۔

یہ اونٹنی ایک دن سارا پانی پی جاتی تھی اور دوسرے دن دوسرے جانوروں کے لئے چھوڑ دیتی تھی اس طرح ایک دن کا پانی اونٹنی کا اور ایک دن کا پانی قوم کے جانوروں کا مقرر کر دیا گیا تھا حضرت صالحؑ نے کہہ دیا پانی کا ایک مقرر حصہ یعنی ایک دن کا پانی اونٹنی کا ہے اور ایک دن کا تم لوگوں کا۔ اس کو تکلیف دینے کے لئے ہاتھ بھی نہ لگانا ، ورنہ سخت عذاب تم کو آپکڑے گا ، لیکن ان لوگوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں پھر پشیمان بھی ہوئے مگر بے کار۔ حضرت صالحؑ نے کہہ دیا تین روز تک اپنے گھروں میں مزے اڑا ؤ اس کے بعد عذاب نازل ہو جائے گا یہ دھمکی جھوٹی نہیں ہے۔ غرض عذاب آ گیا صالحؑ اور ان کے ساتھ وہ لوگ جو ایمان لے آئے تھے عذاب سے محفوظ رہے اور ظالموں کو ایک چیخ نے پکڑ لیا اور سب کے سب گھروں میں زمین سے چمٹے ہوئے مردہ ہو گئے۔

وَعَادٌ اور قوم عاد نے پیغمبروں کو جھٹلایا ان کے بھائی ہودؑ پیغمبر نے کہا کیا تم اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے میں رسولِ امین ہوں ، تمہاری ہدایت کے لئے آیا ہوں ، اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو غرض اللہ نے ایک تیز طوفان بھیج کر ان کو ہلاک کر دیا طوفان ان پر سات رات اور آٹھ دن مسلط رہا جس نے ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ لمبے لمبے زمین پر ایسے پڑے تھے جیسے درخت کھجور کے کھوکھلے تنے۔

وَفِرْعَوْنُ اور فرعون اور اس کی قوم عمالقہ نے تکذیب کی اللہ نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو اس کے پاس بھیجا اور فرمایا ، فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو گیا ہے اس سے کہو کیا تو پاک ہونے کا خواہشمند ہے اور کیا تو چاہتا ہے کہ میں تجھے تیرے رب تک پہنچنے کا راستہ بتاؤں اور تیرے اندر خشیت پیدا ہو جائے موسیٰؑ نے اس کو بڑا معجزہ دکھایا زمین پر اپنی لاٹھی کو پھینک دیا وہ فوراً سانپ بن کر دوڑنے لگی اور ایک اور نشانِ نبوت بھی دکھایا اپنے گریبان میں اپنا ہاتھ ڈال کر باہر نکالا تو بغیر کسی بیماری وہ گورا (آفتاب کی طرح چمکیلا ہو کر برآمد ہوا۔ لیکن فرعون نے موسیٰؑ کی تکذیب کی اور منہ پھیر کر اپنے درباریوں سے کہنے لگا میں تم سب کا رب اعلیٰ ہوں اللہ نے موسیٰؑ کے پاس وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو رات کو باہر نکال کر مصر سے لے جاؤ موسیٰؑ نے حکم کی تعمیل کی ، جب دریا پر پہنچے تو متحیر ہو گئے کہ دریا کو عبور کیسے کریںؑ اللہ نے فرمایا اپنی لاٹھی دریا پر مارو۔ موسیٰؑ نے پانی میں لاٹھی ماری پانی پھٹ کر ادھر ادھر بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا اور راستہ پایاب نکل آیا ، موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لے کر دریا میں گھس پڑے ، اس طرح اللہ نے موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجہ سے نجات دے دی۔

فرعون اور اس کے لشکر نے بنی اسرائیل کا پیچھا کیا اور موسیٰؑ کے پیچھے وہ بھی دریا میں گھس گئے۔ فوراً دریا کی ایک عظیم الشان موج آئی اور ان پر چھا گئی۔ جب فرعون ڈوبنے لگا تو بول اٹھا ، میں نے مان لیا کہ سوائے اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان رکھتے ہیں اور کوئی معبود نہیں اور میں اس کے فرماں برداروں میں سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اب ایمان لایا اور اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا اور تباہی پھیلانے والوں میں سے تھا ، آج تیرا رب تیری لاش کو بچا لے گا تاکہ آنے والے لوگوں کے لئے تو

عبرت بن جائے الخ

وَاِخْوَانُ لُوْطٍ اور لوطؑ کے بھائی بندوں ، یعنی قوم والوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا ، ان کے بھائی لوطؑ نے کہا ، کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے، میں امانت دار قاصد ہوں ، تمہارے پاس مجھے بھیجا گیا ہے ، اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو ، سارے جہان میں کیا تم ہی ایسے بے حیا ہو کہ مردوں پر چڑھ بیٹھتے ہو اور تمہارے رب نے جو عورتیں تمہارے لئے پیدا کی ہیں ان سے ترکِ تعلق کرتے ہو ، بلاشبہ تم حد سے آگے بڑھ جانے والے لوگ ہو۔ کہنے لگے ، لوط! اگر تو اپنی اس نصیحت سے باز نہیں آیا تو بستی سے نکال دیا جائے گا لوطؑ نے کہا ، مجھے تمہارے عمل سے سخت نفرت ہے آخر اللہ نے لوطؑ اور سوائے بیوی کے باقی اہل و عیال کو عذاب سے محفوظ رکھا۔ بیوی پیچھے رہنے والوں یعنی کافروں میں سے تھی اس لئے ہلاک کر دی گئی اللہ نے ان پر کنکر یلے پتھر جو ہر ایک کے لئے الگ الگ نشان زدہ تھے ، برسائے۔

وَاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ اور بن والوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی ، حضرت شعیبؑ نے ان سے کہا کیا تم اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے۔ میں امانتدار قاصد ہوں مجھے تمہارے لئے بھیجا گیا ہے اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو ، ناپ پورا پورا دیا کرو۔ ناپ کر دینے میں کمی نہ کیا کرو اور سیدھی صحیح ترازو سے تول کر دیا کرو۔ تول کر دینے میں کمی نہ کیا کرو یعنی تولنے میں ڈنڈی نہ مارا کرو اور زمین پر تباہی مت پھیلاؤ ، قوم والوں نے کہا اس بکواس کی اور کوئی وجہ نہیں بس تیرے اوپر تو کسی نے جادو کر دیا ہے۔ تو خدا کا پیغمبر نہیں ہے بس ہم جیسا آدمی ہے ہم بلاشبہ تجھے جھوٹا سمجھتے ہیں اگر تو سچا ہے تو ہم پر آسمان سے عذاب کا کوئی ٹکڑا گرا دے غرض شعیبؑ کو قوم والوں نے جھٹلایا نتیجہ میں (آتشیں) سایہ کے عذاب نے ان کو آپکڑا۔ سخت گرمی کی وجہ سے سرنگوں اور تہ خانوں میں گھسنے لگے وہاں اور بھی شدت کی گرمی محسوس ہوئی تو باہر نکلے اللہ نے ان کے اوپر ایک آتشیں بادل کا ٹکڑا سایہ فگن کر دیا اسی کو آیت میں ظُلّہ کہا گیا ہے۔ سب لوگ اس بادل کے نیچے جمع ہو گئے۔ سب اکٹھے ہو گئے تو بادل سے ایک آگ برسی اور سب جل گئے۔

وَقَوْمُ تُبَّعٍ بغوی نے لکھا ہے کہ قتادہ نے بیان کیا تبع یمن کے بادشاہوں میں سے ایک حمیری بادشاہ تھا ، یہ اپنی فوجیں لے کر حیرہ اور سمرقند تک گیا تھا ، اس کے تابع بہت زیادہ لوگ تھے ، اسی لئے اس کو تبع کہا جاتا تھا تبع بھی بہت تھے اور چونکہ ایک دوسرے کے پیچھے بغیر فصل کے بادشاہ ہوتا تھا۔ اس لئے ان میں سے ہر ایک کو تبع کہا جاتا ہے۔ تبع پہلے آتش پرست تھا پھر اسلام لے آیا اور اپنی قوم کو بھی اسلام کی دعوت دی۔

محمد بن اسحاق وغیرہ نے بوساطتِ عکرمہ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کا بیان نقل کیا ہے کہ آخری تبع اسعد بن ابوکرب بن ملیک بن یکرب تھا اسعد مشرق سے آتے ہوئے مدینہ پر سے گزرا اور مدینے میں اپنے ایک بیٹے کو اپنا قائم مقام بنا کر خود چلا گیا بیٹے کو کسی نے قتل کر دیا یہ خبر پا کر اسعد مدینہ کو اس بات کا پختہ ارادہ کر کے آیا کہ مدینہ کو بیخ و بن سے اکھاڑ دے گا۔ انصار کے اس قبیلہ یعنی اوس اور خزرج کو جب اسعد کے اس ارادے کی اطلاع ملی تو اسعد سے لڑنے اور مقابلہ کرنے کے لئے مدینہ کے باہر جمع ہو گئے۔

قبائل انصار اسعد کے لشکر سے دن میں تو لڑتے تھے اور رات کو ان کی مہمانی کرتے یعنی کھانا کھلاتے تھے۔ اسعد کو اس پر بڑا تعجب ہوا کہنے لگا یہ بڑے شریف لوگ ہیں۔

انہی ایام میں بنی قریظہ کے دو یہودی عالم کعب اور اسد ، اسعد کے پاس آئے اور عرض کیا بادشاہ سلامت! آپ کو اپنے ارادے سے باز آجانا چاہئے اگر آپ اپنی ضد پر قائم رہے تب بھی آپ کی مراد حاصل نہ ہو گی۔ کوئی غیبی رکاوٹ پڑ جائے گی۔ اس صورت میں آپ کسی غیبی فوری مصیبت سے مامون نہیں رہیں گے۔ یہ ایک نبی کی ہجرت گاہ ہے ، جو اس قبیلۂ قریش میں پیدا ہو گا ، اس کا نام محمد ﷺ ہو گا ، مکہ اس کی جائے پیدائش اور مدینہ مقامِ ہجرت ہے۔ یہاں جس جگہ آپ اترے ہیں اسی جگہ اس نبی کے ساتھیوں کی اور اس کے دشمنوں کی لڑائی ہو گی ، جس میں کچھ لوگ مجروح و مقتول ہوں گے ، اسعد نے کہا ، جب وہ نبی ہو گا

تو اس سے لڑے گا کون ۔ کعب اور اسد نے کہا اس کی قوم والے یہاں آ کر اس سے لڑیں گے۔
یہودیوں کی یہ باتیں سن کر اسعد اپنے خیال سے باز آ گیا۔ دونوں عالموں نے اس کو اپنے دین یعنی اصل یہودی مذہب کی طرف بلایا تو اس نے یہ دعوت قبول کر لی اور یہودی دین اختیار کر لیا۔ اور دونوں عالموں کی بڑی عزت کی اور مدینہ سے واپس چلا گیا۔ واپسی میں ان دونوں کو اور کچھ اور یہودیوں کو ساتھ لے کر یمن جانے کے ارادے سے روانہ ہو گیا۔ راستہ میں قبیلۂ ہُذَیل کے کچھ آدمی اس سے ملے اور کہنے لگے ہم آپ کو ایک ایسا گھر بتاتے ہیں جس کے اندر موتیوں اور زبرجد اور چاندی کا خزانہ مدفون ہے...... اسعد نے کہا مکہ میں ایسا کونسا گھر ہو سکتا ہے...... حقیقت میں بنی ہذیل نے اسعد کو ہلاک کرنا چاہا تھا۔ کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ بیت اللہ کے متعلق بُرا ارادہ رکھنے والا ہلاکت سے بچ نہیں سکتا۔
یہودی علماء سے جب اس کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے کہا اس کعبہ کے علاوہ کوئی اور ایسا گھر ہمارے علم میں نہیں ہے جس کے متعلق برا ارادہ کرنے والا ہلاک نہ کر دیا گیا ہو آپ اسی گھر کو عبادت خانہ بنالیں۔ اس کا حج کریں ، قربانی کریں اور اس کے پاس سر منڈوائیں۔
یہودی عالموں سے جب اسعد نے یہ بات سنی تو ہذیل کے ان آدمیوں کو جنہوں نے اسعد کو اغوا کرنا چاہا تھا ، پکڑ کر ہاتھ پاؤں کٹوا کر ، آنکھوں میں سلائی پھیر کر صلیب پر لٹکوا دیا ، پھر مکہ میں جا کر شعب مصالح میں اترا اور کعبہ کو غلاف پہنایا۔ اسعد ہی پہلا شخص تھا جس نے کعبہ کو غلاف پوش کیا۔ شعب میں چھ ہزار اونٹوں کی قربانی کی چھ دن یہاں قیام کیا ، طواف کیا اور سر منڈوایا ، پھر واپس چلا گیا۔ جب یمن کے قریب پہنچا اور حدودِ یمن میں داخل ہونا چاہا تو قبیلۂ حِمیر والوں نے یمن میں داخلہ سے روکا اور کہا ، تم نے ہمارا مذہب چھوڑ دیا ، اس لئے یمن کے اندر تم داخل نہیں ہو سکتے ، اسعد نے حمیر والوں کو مذہب یہودیت کی دعوت دی اور کہا یہ دین تمہارے دین سے بہتر ہے۔ حمیر والوں نے کہا ، چلو آگ کے پاس یہ معاملہ رکھو ، آگ سے فیصلہ کراؤ۔
یمن کے اندر ایک پہاڑ کے نشیب میں ایک آگ تھی لوگ نزاعی معاملات اس کے پاس لے جاتے تھے۔ آگ غار کے اندر سے نکل کر ظالم کو کھا جاتی تھی اور مظلوم کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچاتی تھی۔ تبع نے کہا تم نے یہ بات انصاف کی کہی۔ چنانچہ حمیر والے اپنے بتوں کو اور ان کے دین پر جو بھینٹ کی چیزیں ہوتی تھیں ان سب کو لے کر نکلے اور دونوں یہودی عالم اپنی مذہبی کتابیں گلے میں ڈال کر برآمد ہوئے اور یہ سب لوگ اس جگہ جا کر بیٹھ گئے ، جہاں سے آگ نکلتی تھی کچھ دیر کے بعد آگ نکلی اور سب کو ڈھانک لیا۔ بتوں کو اور بھینٹ کے سامان کو تو کھا لیا اور یہودی عالم جن کی گردنوں میں مذہبی صحیفے آویزاں تھے برابر ان کو پڑھتے رہے ، پیشانی سے پسینہ تو بہنے لگا اور کوئی ضرر نہیں پہنچا آگ جہاں سے نکلی تھی وہیں واپس چلی گئی اس کے بعد حمیر والوں نے بھی بالاتفاق اصل دین یہودیت اختیار کر لیا۔

ابو حاتم نے رقاشی کا قول نقل کیا ہے کہ ابو کرب اسعد حمیری تبابعہ میں سے تھا رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے سات سو برس پہلے ہی آپ پر ایمان لے آیا تھا۔
ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ کعب نے کہا اللہ نے تبع کی قوم کی تو مذمّت کی تبع کی مذمّت نہیں کی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں تبع کو برا مت کہو وہ اسلام لے آیا تھا ، حضرت ابو ہریرہؓ راوی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ، مجھے نہیں معلوم کہ تبع نبی تھے یا نہ تھے۔

کُلٌّ یعنی ہر ایک شخص نے یا ہر امت نے یا سب نے پیغمبروں کی تکذیب کی چونکہ ایک پیغمبر کی تکذیب تمام پیغمبروں کی تکذیب ہے اس لئے کَذَّبَ الرُّسُلَ بصیغہ جمع فرمایا ، یا یوں کہا جائے کہ ان میں سے کوئی بھی اللہ کی توحید پر ایمان نہیں رکھتا تھا ، سب کے سب توحید ہی کے منکر تھے اس لئے پیغمبروں کے آنے کے منکر بدرجۂ اَولیٰ تھے۔
فَحَقَّ پس واجب ہو گیا ، مُحقق ہو گیا۔
وَعِیْدِ میرا عذاب جس میں ان تکذیبِ انبیاء کرنے والے کافروں کو مبتلا کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا۔

ع ۱ ۱۵ ۱۵ أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ ۚ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٥﴾ کیا ہم پہلی بار پیدا کرنے میں تھک گئے بلکہ یہ لوگ از سر نو پیدا کرنے کی طرف سے (بلا دلیل) شبہ میں ہیں۔

قاموس میں ہے عَيَّ بالامر اس نے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کا راستہ نہیں پایا یا حصولِ مقصد سے عاجز ہو گیا اور طاقت نہیں رہی۔

اَفَعَيِينَا میں ہمزہ انکاری ہے اور ف عاطفہ تعقیبیہ ہے، آیت اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ الخ پر اس کا عطف ہے اور كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ سے آخر تک معترضہ جملے ہیں، خلاصۂ مطلب اس طرح ہوگا، ہم نے آسمان کو بغیر کسی شگاف اور رخنہ کے بنایا، زمین کو پھیلایا، پہاڑوں کو جمایا، آسمان سے پانی برسایا، پانی سے کھیتیوں کو اگایا اور تمہارا مشاہدہ اور اعتراف ہے کہ ہم پہلی مرتبہ ان سب چیزوں کو پیدا کرنے سے عاجز نہیں ہوئے تو دوبارہ تخلیق سے کس طرح عاجز ہو سکتے ہیں۔ تخلیقِ اول، تخلیق دوئم سے آسان نہیں تھی، پھر کیا وجہ کہ تخلیقِ اول کا اعتراف کرنے والے تخلیقِ ثانی کے منکر ہیں۔

فِيْ لَبْسٍ لَبْس کا معنی ہے مخلوط ہو جانا، مشتبہ ہو جانا، اس جگہ مراد ہے شک۔ لبس کا لغوی ترجمہ ہے چھپانا، شک کی حالت میں بھی باطل حق کے ساتھ مخلوط ہو جاتا ہے اور حق کو چھپا لیتا ہے۔

خَلْقٍ جَدِيْدٍ یعنی دوبارہ تخلیق۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ فرماتا ہے، آدم کے بیٹے نے میری تکذیب کی، اور یہ تکذیب اس کو سزاوار نہ تھی۔ اس نے مجھے گالی دی اور یہ اس کے لئے جائز نہیں تھا، تکذیب تو یہ کی کہ اس نے کہا، خدا نے پہلی مرتبہ جو مجھے پیدا کر دیا اب دوبارہ مجھے پیدا نہیں کر سکے گا۔ حالانکہ تخلیقِ اول میرے لئے تخلیقِ ثانی سے آسان نہیں تھی اور مجھے گالی اس نے اس طرح دی کہ اس نے میرے لئے اولاد قرار دی اور اس نے کہا کہ اللہ نے اپنے لئے صاحبِ اولاد ہونا اختیار کیا، حالانکہ میں اکیلا ہوں، بے نیاز ہوں، نہ کسی کا والد ہوں نہ مولود نہ کوئی میرا ہمسر ہے۔ رواہ البخاری عن ابی ہریرہؓ و ابن عباسؓ۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ۖ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ﴿١٦﴾

اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے جی میں جو خیالات آتے ہیں ہم ان کو جانتے ہیں اور اس کے اتنے قریب ہیں کہ اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ۔

مَا تُوَسْوِسُ وسوسہ کا لغوی معنی ہے پوشیدہ چپکے کی آواز۔ اس جگہ مراد ہے دل میں پیدا ہونے والا خیال۔ یعنی ہم نے انسان کو اور ہر چیز کو خواہ جوہر ہو یا عرض اپنے ارادہ اور اختیار سے پیدا کیا اور تخلیق بالارادہ اسی وقت ہو سکتی ہے، جب اس سے پہلے اس کا علم ہو (علم کے بغیر ارادے کا کوئی معنی نہیں)۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ حَبْل رسّی یعنی رگ۔ وَرید حَبل کا بیان ہے جیسے شجرۃ الاراک، اور یوم الجمعۃ میں اضافت بیانیہ ہے۔ گلے کے دائیں بائیں دو رگیں ہیں جن کا تعلق اور اتصال دل کی رگ سے ہے، ان دونوں کو ورید کہا جاتا ہے۔ ورید کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ دونوں سر سے اتر کر گردن کی طرف آتی ہیں۔ بعض نے کہا روح اس رگ کی طرف اترتی ہے (معلوم نہیں، روح سے کونسی روح مراد ہے، طبعی یا نفسانی یا حیوانی یا شرعی روح)۔

قریب ہونے سے کیا مراد ہے۔ بعض علماء کے نزدیک قربِ علمی مراد ہے (کیونکہ ذاتِ خداوندی تو ہر مکان سے بالا اور منزہ ہے، وہ نہ جسم ہے نہ جسمانی، ہر قرب و بعد مکانی سے پاک ہے)۔

بیضاوی نے اسی قول کو پسند کیا ہے، مطلب یہ ہے کہ حبلُ الورید سے قریب ترین شخص سے بھی زیادہ قریب ہمارا علم ہے، ہم انسان کو اس شخص سے بھی زیادہ جانتے ہیں جو انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہو۔ قربِ ذات سے مراد مجازاً قربِ علمی ہے کیونکہ قربِ شخصیت سے قربِ علمی حاصل ہوتا ہے (سبب بول کر مسبّب مراد لینا مجاز کی ایک قسم ہے) حبلُ الورید، کو قربِ کامل ظاہر کرنے کے لئے بطورِ مثال بیان کیا جاتا ہے۔ عرب کہتے ہیں، موت ورید سے بھی زیادہ میرے قریب

ہے۔

بغوی نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ہم انسان کو اتنا زیادہ جانتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو بھی اتنا نہیں جانتا ، کیونکہ انسان کے بعض اجزاء دوسرے اجزاء کے علم کے لئے حاجب اور مانع ہو جاتے ہیں ، لیکن اللہ کے علم کے لئے کوئی چیز حاجب نہیں ہو سکتی۔ اس مطلب پر یہ کہنا صحیح ہوگا کہ طبیب حبل الورید سے بھی زیادہ مریض کے قریب ہوتا ہے۔ کیونکہ طبیب مریض کی صحت و بیماری کی جو حالت جانتا ہے۔ وہ مریض خود اپنی نہیں جانتا اگرچہ طبیب کا علم استدلالی ہوتا ہے اور مریض کا علم وجدانی، خصوصاً اگر کوئی چیز بالکل معدوم العلم اور مفقود العقل ہو تو وہ اپنے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا دوسرا شخص اس کے کچھ حالات جانتا ہے ، مثلاً آسمان مفقود العلم محروم الفہم ہے اپنے آپ کو کچھ نہیں جانتا تو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ میں آسمان سے اتنا قریب ہوں کہ آسمان خود اپنے آپ سے اتنا قریب نہیں ہے۔ پس اگر اللہ کے اقرب ہونے کے یہی معنی ہیں کہ مخلوق اپنے نفس کو اتنا نہیں جانتی جتنا اس کو اللہ جانتا ہے تو یہ خدا کے علم پر محدود نہیں (ہر علم والا معدوم العلم کے احوال اتنے جانتا ہے جتنا وہ خود نہیں جانتا اس لئے کہنا پڑے گا کہ ہر علم رکھنے والا مفقود العلم سے اتنا قریب ہے کہ وہ اپنے آپ سے اتنا قریب نہیں ہے) اللہ کی اقربیت بایں معنی میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

صوفیہ کہتے ہیں مخلوق سے اللہ کی اقربیت ذاتی ہے نہ زمانی ہے نہ مکانی نہ کیفی نہ مقداری اللہ کی اس اقربیت کا ادراک نورِ فراست سے حاصل ہوتا ہے ، حواس یا عقلی استدلال سے حاصل نہیں ہوتا۔

زیادہ سے زیادہ اقربیتِ خداوندی کو قابلِ فہم بنانے کے لئے یوں کہا جا سکتا ہے کہ سارا جہان اپنے وجود اور بقائے وجود کے لئے واجب کا ایسا ہی محتاج ہے جیسے سایہ ، اصل کا محتاج ہوتا ہے۔ بغیر اصل کے سایہ کا نہ وجود ہوتا ہے نہ بقائے وجود اصل ظل سے اتنا قریب ہوتا ہے کہ ظل اپنی ذات سے بھی اتنا قریب نہیں ہوتا ، اسی طرح "ممکن" اپنے نفس سے اتنا قریب نہیں ہے جتنا واجب سے قریب ہے کیونکہ واجب کی جانب ممکن کی نسبت اگر نہ ہو تو ممکن واجب بالغیر نہیں ہوگا ممکن کے وجود کی ترجیح عدم پر نہ ہوگی۔ مترجم) اور جب تک ممکن واجب بالغیر نہ ہوگا یعنی جہتِ وجود عدم پر راجح نہ ہوگی اس وقت تک ممکن کا وجود نہ ہوگا اور جب تک موجود نہ ہوگا تو خود ممکن کا اپنی ذات پر حملِ اوّلی بھی صحیح نہ ہوگا زید کو زید اسی وقت کہا جائے گا جب زید موجود ہو اگر موجود نہ ہو تو اپنی ذات سے زید کی نفی صحیح ہوگی۔ کیونکہ وجودِ موضوع کے بغیر حملِ ایجابی صحیح نہیں ہوتا پس زید کو زید کہنا اسی وقت درست ہوگا جب زید موجود ہو اگر زید کا وجود ہی نہ ہو تو اس کو زید کیسے کہہ سکتے ہیں۔ زَیْدٌ زَیْدٌ (زید زید ہے)، کا معنی ہے کہ وجود زید زید ہے۔ وجود زید ہی نہ ہو تو پھر کیا چیز زید ہوگی۔

(حضرت مفسرؒ کا یہ کلام عام منطقیوں کے مسلّمہ کلیہ پر مبنی ہے۔ ثبوت شیئ لشیئ فرعُ وجودِ المثبت لہ اہل منطق کا تسلیم شدہ ضابطہ ہے لیکن اہل تحقیق کے نزدیک یہ کلیہ غلط ہے۔ ثبوتِ محمول وجودِ موضوع پر ہر جگہ موقوف نہیں ہے اگر وجود کا ثبوت ماہیت کے لئے ہو اور ذاتُ زید موجودٌ کہا جائے تو کیا موجودٌ کے ثبوت سے پہلے ماہیتِ زید کا وجود ضروری ہوگا اور یہ بداہۃً غلط ہے کہ موجود ہونے سے پہلے کسی شئے کا وجود ہو اسی لئے میر باقر نے افق المبین میں صراحت کر دی ہے کہ ثبوت وجود للماہیۃ تقررِ ماہیت کی فرع ہے وجود ماہیت کی فرع نہیں ہے ثبوت وجود سے پہلے ماہیت کا تقرر ہونا ضروری ہے۔ مترجم)

پس ذاتِ ممکن سے وجودِ ممکن اتنا قریب ہے کہ ممکن اپنی ذات سے بھی اتنا قریب نہیں ہے ، کیونکہ (اگر وجود ذات ملحوظ نہ ہو تو) ذات ممکن کی نفی ذات ممکن سے جائز ہے۔ سلب شئیٔ عن نفسہ اس وقت محال ہے جب وہ شئے موجود ہو اور اگر موجود نہ ہو تو نفی شئی عن نفسہ محال نہیں ہے۔ پس ذاتِ خداوندی ممکن سے اتنی قریب ہے کہ ممکن اپنی ذات سے بھی اتنا قریب نہیں ہے۔ وجدان میں اگرچہ بُعد نظر آتا ہے لیکن بالذات قریب تر ہے۔

یاد رکھو کہ وجود سے مراد مصدری معنی نہیں بلکہ وہ صفت مراد ہے جس سے کسی چیز کی موجودیت ہوتی ہے۔

صوفیہ تمام عالم کی نسبت دائرۂ ظلال کی جانب اور ظلال کی نسبت صفات کی جانب اور صفات کی نسبت ذات کی جانب

کرتے ہیں۔ اور ظلال کے مدارج بہت ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ان للہ سبعین الف الخ اللہ کے لئے نور و ظلمت کے ستر ہزار حجاب ہیں اگر وہ کھول دے تو اس کے چہرے کے چمکارے (جلوے) حدِ نظر تک ساری مخلوق کو جلا ڈالیں۔ اسی طرح صفات کے مدارج غیر متناہی ہیں۔ اللہ نے خود فرمایا ہے، اگر زمین میں جتنے درخت ہیں وہ سب قلم بن جائیں اور سمندر روشنائی ہو جائیں اور سات سمندر اور روشنائی بننے میں ان کی مدد کریں اور صفاتِ الٰہیہ کو لکھیں تو کلمات اللہ یعنی صفات خداوندی ختم نہیں ہوں گی ایک اور آیت میں فرمایا ہے ،جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہونے والا ہے اور اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ باقی رہنے والا ہے یعنی غیر فانی اور غیر مختتم ہے۔

حضرت مجدد قدس سرہٗ نے فرمایا ،اللہ سبحانہ ،وراء الوراء ہے ،پھر وراء الوراء ہے ،پھر وراء الوراء ہے ،اس کی جہت میں قرب ہے دوری نہیں ہے۔ یعنی ظلال صفات کا ممکن سے قرب اتنا زیادہ ہے کہ ممکن کا اپنی ذات سے بھی اتنا قرب نہیں ہے اور صفات خداوندی کا ممکن سے قرب اتنا زائد ہے کہ نہ اتنا قرب ممکن کا اپنی ذات سے ہے نہ ظلال کا ممکن کی ذات سے اور اللہ کا قرب ممکن سے اتنا زیادہ ہے کہ اتنا قرب نہ ممکن کا اپنی ذات سے ہے ،نہ ظلال صفات کا نہ صفات کا۔

فائدہ

آیت میں انسان سے خدا کا قرب جو مستفاد ہو رہا ہے اس میں کوئی خصوصیت نہیں نہ کافر کی نہ مؤمن کی نہ کسی اور مخلوق کی۔ ساری کائنات سے اللہ قریب تر ہے ،یہاں تک کہ کافروں سے بھی۔ اس قربِ عام کے علاوہ اللہ کا ایک اور قربِ خاص بھی ہے ،مذکورہ قربِ عمومی اور اس قربِ خصوصی میں صرف نام کا اشتراک ہے دونوں کو قرب ہی کہا جاتا ہے لیکن حقیقت دونوں ...... کی جدا جدا ہے۔ اس قرب کا ادراک بھی نورِ فراست اور کتاب و سنت سے ہوتا ہے ،اللہ نے فرمایا ہے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ دوسری جگہ فرمایا اَللّٰہُ مَعَنَا تیسری آیت میں فرمایا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ ایک اور آیت میں آیا ہے عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ اور ،اور جگہ آیا ہے عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ ایک دوسرے مقام پر فرمایا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ قول نقل فرمایا ہے، نوافل کے ذریعہ سے بندہ برابر میرے قریب ہوتا جاتا ہے اسی مقام قرب کو ولایت کہتے ہیں اس کے مدارج و مراتب بے شمار ہیں اس کے برعکس وہ بُعد (دوری) ہے جو کافروں کے لئے مخصوص ہے ،اللہ نے فرمایا ہے اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ ھُوْدٍ ...... اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ..... اَلَا بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔

اِذْ یَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ ﴿۱۷﴾ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ﴿۱۸﴾

اور جب آدمی کے قول و عمل کو پالینے والے دونوں فرشتے اس کے قول و عمل کو لے لیتے ہیں جو کہ دائیں اور بائیں دونوں طرف بیٹھے رہتے ہیں۔ آدمی ..... کوئی بات منہ سے نکالنے بھی نہیں پاتا کہ ایک تاک لگائے رکھنے والا فرشتہ اس کو لینے کو تیار بیٹھا ہوتا ہے۔

اِذْ یَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّیٰنِ جب دو لینے والے دو فرشتے جو انسان پر مقرر ہیں آدمی کے عمل و قول کو لے لیتے ہیں۔ یَتَلَقَّى کا مفعول محذوف ہے یعنی آدمی کے قول و عمل کو لے لیتے ہیں اور حفاظت کے ساتھ اس کو لکھ لیتے ہیں۔

عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ جار مجرور کا تعلق قَعِیْدٌ سے ہے اور قَعِیْدُ الْمُتَلَقِّیَانِ سے بدل ہے اور عَنِ الْیَمِیْنِ کے بعد قَعِیْدٌ محذوف ہے یعنی دائیں طرف ایک بیٹھا رہتا ہے اور بائیں طرف ایک بیٹھا رہتا ہے۔ (بعض کے نزدیک قَعِیْدٌ محذوف نہیں ہے) بلکہ قَعِیْدٌ جو مذکور ہے اسی سے عَنِ الْیَمِیْنِ کا بھی تعلق ہے اور عَنِ الشِّمَالِ کا بھی)اور وزن فَعِیْلٌ پر جو الفاظ آتے ہیں ان کا اطلاق واحد پر بھی ہوتا ہے ،اور کثیر پر بھی جیسے آیت اَلْمَلٰٓئِکَةُ بَعْدَ ذٰلِکَ ظَهِیْرٌ میں ظَهِیْرٌ باوجود مفرد ہونے کے اَلْمَلٰٓئِکَةُ کی خبر ہے کیونکہ بروزن فَعِیْلٌ ہے)۔

قائم کی ضد قاعد آتا ہے ،بیٹھنے والا۔ اور قعید کا معنی ہے جم کر بیٹھا رہنے والا۔ مجاہد نے کہا قعید کا معنی ہے گھات میں

لگا ہوا۔ اِذْ يَتَلَقّٰى کا تعلق اُذْکُرْ محذوف سے ہے یا اَقْرَبُ سے ہے۔ آخری صورت میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ ہم تو حَبْلُ الْوَرِیْدِ سے بھی زیادہ قریب ہے ہم کو فرشتوں کے لکھنے اور محفوظ رکھنے کی ضرورت نہیں ہم تو ان چیزوں کو بھی جانتے ہیں جو فرشتوں سے بھی زیادہ پوشیدہ ہیں، لیکن تقاضائے حکمت ہے اور قیامت کے دن فرشتوں کی شہادت پیش کر کے کافروں پر حجت قائم کرنی ہے، اس لئے اعمال نامے لکھنے پر فرشتوں کو مامور کیا ہے۔

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ انسان اپنے منہ سے کوئی لفظ نکالتا بھی نہیں ہے کہ۔

رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ رقیب سے مراد نگران فرشتہ جو آدمی کے عمل کی چوکسائی کرتا رہتا ہے۔

عَتِيْدٌ حاضر (موجود)۔

حسن نے کہا فرشتے دو حالتوں میں انسان سے الگ ہو جاتے ہیں رفع حاجت کے وقت اور جماع کے وقت۔

مجاہد نے کہا، دونوں فرشتے آدمی کے عمل لکھتے ہیں یہاں تک کہ بیماری کی حالت میں بھی۔ عکرمہ نے کہا صرف وہی اقوال واعمال لکھتے ہیں جو ثواب یا عذاب کا باعث ہوتے ہیں۔ بغوی نے اپنی مسند سے حضرت ابوامامہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نیکیاں لکھنے والا آدمی کے دائیں جانب اور بدیاں لکھنے والا بائیں طرف ہوتا ہے اور نیکیاں لکھنے والا برائیاں لکھنے والے کا حاکم ہوتا ہے، اگر آدمی کوئی ایک نیکی کرتا ہے تو دائیں طرف والا دس نیکیاں لکھ لیتا ہے اور اگر ایک گناہ کرتا ہے تو دائیں طرف والا بائیں طرف والے سے کہتا ہے ابھی سات گھنٹے تک رُکے رہو ابھی نہ لکھو شاید یہ توبہ استغفار کر لے۔

ابن راہویہ نے مسند میں اور بیہقی نے شعب ایمان میں بھی یہ حدیث نقل کی ہے۔

کافروں کو دوبارہ جی اٹھنا بعید از عقل معلوم ہوتا ہے، اللہ نے ان کے اس خیال کا ازالہ اس طور پر کر دیا کہ اپنی قدرت اور علم کی ہمہ گیری کو اول بیان کیا تخلیقِ عالم اور انسان کی ہستی و معاش کی تخلیق کا ذکر کیا اس کے بعد آئندہ آیت میں تہدید و تخویف کے لئے موت کے قریب ہونے اور قیامت برپا ہونے کا بیان کیا اور فرمایا۔

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۖ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿١٩﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ۖ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿٢٠﴾

اور موت کی سختی قریب آپہنچی یہ موت وہی ہے جس سے تو بدکتا تھا اور قیامت کے دن دوبارہ صور پھونکا جائے گا یہی دن ہوگا وعید کا۔

سَكْرَةُ الْمَوْتِ موت کی بے ہوشی اور سختی جو آدمی پر چھا جاتی ہے اور اس کی عقل کو زائل کر دیتی ہے۔ ان آیات میں جاءت اور نُفِخ اور کشفنا تمام صیغے ماضی کے ذکر کئے گئے حالانکہ یہ واقعات مستقبل میں پیش آئیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ واقعات یقینی ہیں ضرور پیش آئیں گے اور ایسے موقع پر ماضی کا صیغہ استعمال کرنے سے اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ یہ واقعات اتنے یقینی الوقوع ہیں کہ گویا ان کا وقوع ہو ہی گیا۔

بِالْحَقِّ ب تعدیہ کے لئے ہے بِالْحَقِّ جَاءَتْ کا مفعول بہ ہے، دنیا اور دنیا کی ہر چیز ایک سراب ہے بے اصل اور مرنے کے بعد جو احوال اور واقعات پیش آئیں گے وہ مبنی بر حقیقت اور محقق ثابت ہیں، پس تلخی موت ایسے امور کو لے کر آتی ہے جو حق ہیں، حقیقی ہیں بے اصل نہیں ہیں۔ یا حق سے مراد ہے وعدۂ حق جس کے خلاف ہونا ممکن نہ ہو موت وعدۂ حق کو لے کر آتی ہے جس کے خلاف ہونا ممکن نہیں۔ یا حق سے مراد ہے سزا جزا...... سزا جزا امر حق ہے انسان کو اسی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ بِالْحَقِّ میں ب استصحاب کے لئے ہو یعنی موت کی تلخی موت کو ساتھ لے کر آئی۔ اس صورت میں اَلْحَقّ سے مراد ہوگی، موت اور موت کے بعد کی حالت۔

ذٰلِكَ یہ موت یا سزا جزا۔

تَحِيْدُ تو اس سے مڑتا تھا، تو اس سے بھاگتا تھا۔ یعنی موت سے تجھے نفرت تھی اور اعمال کے بدلے کا منکر تھا۔ اس فقرے سے پہلے لفظ يُقَالُ محذوف ہے، یعنی منکر قیامت انسان سے کہا جائے گا کہ یہ وہی ہے جس کا تو منکر تھا۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ اور صور پھونکی جائے گی ، یعنی قبروں سے زندہ کر کے اٹھانے کے لئے صور پھونکی جائے گی۔
ذٰلِکَ یعنی اس صورت پھونکنے کا دن وعید کا دن ہوگا۔
ابو نعیم نے حلیہ میں لکھا ہے کہ عکرمہ نے کہا جو لوگ سمندر میں ڈوب جاتے ہیں۔ لاشوں کا گوشت مچھلیاں بانٹ لیتی ہیں ، صرف ہڈیاں رہ جاتی ہیں ، سمندر کی لہریں ہڈیوں کو خشکی پر لا ڈالتی ہیں۔ پھر ہڈیاں خشک ہو کر اتنی بوسیدہ ہو جاتی ہیں کہ ان کو اونٹ چبا جاتے ہیں اور اونٹ کے پیٹ کے اندر پہنچ کر ان کی مینگنیاں بن جاتی ہیں۔ اونٹ مینگنیاں کر دیتا ہے مینگنیوں کے مقام پر کوئی مسافر آکر اترتا ہے وہ مسافر مینگنیاں لے کر ان کو بطور ایندھن استعمال کرتا ہے۔ مینگنیاں دہکنے لگتی ہیں ، پھر آگ بجھ جاتی ہے اور مینگنیاں راکھ بن جاتی ہیں۔ پھر اس خاک کو ہوا زمین پر پھیلا دیتی ہے اور منتشر کر دیتی ہے ، جب صور پھونکی جائے گا تو وہ لوگ جو اتنے مراحل طے کرنے کے بعد منتشر خاک بن گئے ہوں گے پھر زندہ ہو کر نکل کھڑے ہوں گے۔
وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيدٌ ﴿٢١﴾ اور ہر شخص اس طرح میدانِ قیامت میں آئے گا کہ ایک فرشتہ اس کو ہنکا کر لانے والا ہوگا اور ایک اس کے اعمال پر گواہی دینے والا ہوگا۔
وَجَآءَتْ ۔ اور اس روز ہر شخص مؤمن ہو یا کافر آئے گا۔
سعید بن منصور ، عبد الرزاق ، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیروں میں اس آیت کی تشریح کے سلسلے میں حضرت عثمانؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ایک ہنکانے والا ہر شخص کو اللہ کے حکم کی طرف ہنکا کر لے جائے گا اور ایک شاہد اس کے اعمال کی شہادت دے گا۔ ابن ابی حاتم اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہؓ کا قول بیان کیا ہے کہ ہنکانے والا فرشتہ ہوگا اور شہید آدمی کا عمل۔
سیوطی نے کتاب البرزخ میں حضرت جابرؓ کی مرفوع روایت بیان کی ہے ، جب قیامت برپا ہوگی کہ نیکیاں لکھنے والا فرشتہ اور گناہ لکھنے والا فرشتہ آدمی پر ٹوٹ پڑیں گے اور چستی کے ساتھ اس تحریر پر قبضہ کر لیں گے جو آدمی کے گلے میں بندھی ہوگی ، پھر دونوں اس کے ساتھ میدانِ حساب میں آئیں گے ، ایک ہنکانے والا ہوگا اور دوسرا گواہ۔
ابو نعیم اور ابن ابی حاتم اور ابی الدنیا نے یہ حدیث بیان کی ہے۔ بغوی نے ضحاک کا قول بیان کیا ہے کہ ہنکانے والا فرشتہ ہوگا اور گواہ آدمی کے ہاتھ پاؤں۔ عوفی کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول آیا ہے۔
لَقَدْ كُنْتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ﴿٢٢﴾
تو اس دن سے بے خبر تھا اب ہم نے تجھ پر سے تیرا پردۂ غفلت کا ہٹا دیا ، سو آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے۔
لَقَدْ كُنْتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا۔ یعنی اس سے کہا جائے گا کہ آج جو حالات تیرے سامنے آئے ان سے دنیا میں تو غافل تھا۔
غِطَآءَكَ ۔ یعنی امورِ معاد کو مخفی رکھنے والا پردہ ، اس سے مراد ہے غفلت محسوسات میں ڈوب جانا اور ان سے محبت کرنا اور غور کرنے سے نظر کو کوتاہ رکھنا اور دل کی سیاہی اور زنگ۔ اللہ نے اسی غطاء کو غشاوۃ اور رین (زنگ) فرمایا ہے۔ ایک آیت میں آیا ہے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ دوسری آیت ہے كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ۔
حَدِيدٌ آج تیری نظر خوب تیز ہے کہ دنیا میں جس چیز کا تجھے انکار تھا اور دکھتی نہ تھی آج اس کو دیکھ رہا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ مجاہد نے کہا نظر تیز ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جب تیری نیکیاں اور بدیاں تولی جا رہی ہیں تو ترازو کی زبان جس کو ہاتھ میں پکڑ کر تولا جاتا ہے کو تیزی سے دیکھ رہا ہے۔
وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ﴿٢٣﴾ اور اس کا ساتھی فرشتہ کہے گا یہ وہ روزنامچہ ہے جو میرے پاس تیار ہے۔
قَرِيْنُهٗ قرین سے مراد ہے وہ فرشتہ جو انسان کے اعمال پر مقرر ہے۔

ھٰذا کا اشارہ یا شخص کی طرف ہے یا اس کے اعمال نامے کی طرف، یعنی یہ اعمال نامہ جو میرے پاس ہے حاضر ہے، یا میرے پاس جو شخص ہے حاضر ہے۔ اللہ فرمائے گا۔

اَلْقِيَا فِي جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٢٤﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيبٍ ﴿٢٥﴾ الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَأَلْقِيَاهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيدِ ﴿٢٦﴾

ہر ایسے شخص کو جہنم میں ڈال دو جو کفر کرنے والا ہو، حق سے ضد رکھتا ہو اور نیک کام سے روکتا ہو اور حدِّ عبدیت سے باہر جانے والا ہو اور دین میں شبہ کرنے والا ہو جس نے خدا کے ساتھ دوسرا معبود تجویز کیا ہو، سو ایسے شخص کو سخت عذاب میں ڈال دو۔

اَلْقِيَا تم دونوں ڈال دو۔ دونوں سے مراد ہیں سائق اور شہید، یا دوزخ پر مأمور فرشتوں میں سے دو فرشتے یا مخاطب حقیقت میں کوئی ایک ہے، لیکن بصیغۂ تثنیہ ذکر کرنے سے تثنیۂ فعل مراد ہے، اور تکرارِ فعل برائے تاکید ہوتی ہے لہٰذا تکرارِ واحد یعنی مخاطب واحد کو بصیغۂ تثنیہ ذکر کرنے سے بھی تاکیدِ فعل ہو گئی یا یہ صیغہ واحد ہی کا ہے اور الف تثنیہ کا نہیں ہے، بلکہ نون تاکید خفیفہ کو الف سے بدل دیا گیا ہے۔ اصل میں اَلْقِيَنْ تھا۔ بعض قرائتوں میں اَلْقِيَنْ آیا بھی ہے۔

عَنِيدٍ حق سے عناد رکھنے والا۔

لِلْخَيْرِ خیر سے مراد ہے فرض زکوٰۃ اور ہر وہ مالی حق جس کا ادا کرنا واجب ہے۔

مُعْتَدٍ ظالم جو اللہ کی توحید کا اقرار نہیں کرتا۔

مُّرِيبٍ اللہ کی ذات، صفات اور اس کے دین میں شک کرنے والا۔

الْعَذَابِ الشَّدِيدِ یعنی آگ (دوزخ)

قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطْغَيْتُهُ وَلَٰكِن كَانَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ﴿٢٧﴾ وہ شیطان جو اس کا ساتھی تھا کہے گا، اے ہمارے رب! میں نے اس کو زبردستی گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود پرلے درجہ کی گمراہی میں تھا۔

قَالَ قَرِينُهُ حضرت ابن عباسؓ مقاتل اور سعید بن جبیرؒ کے نزدیک اس جگہ قرین سے مراد ہے وہ فرشتہ جو انسان پر مقرر ہے، سعید بن جبیرؒ نے کہا فرشتہ یہ بات اس وقت کہے گا، جب کافر کہے گا، فرشتہ نے لکھنے میں مجھ پر زیادتی کردی ہے۔

مَا أَطْغَيْتُهُ یعنی اپنی طرف سے میں نے اس کی طرف کفر اور طغیان کی نسبت نہیں کی یعنی اپنی طرف سے غلط طور پر اس کو کافر اور طاغی نہیں لکھا اور نہ لکھنے میں اس پر کوئی زیادتی کی ہے۔ بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ قرین سے اس جگہ وہ شیطان مراد ہے جو اس کافر پر مسلط کیا گیا تھا، یعنی کافر کہے گا، میرے شیطان نے مجھے کج راہ بنا دیا تھا، شیطان کہے گا، میں نے اس کو نہ گمراہ کیا نہ کج راہ بنایا بلکہ یہ خود پرلے درجہ کی گمراہی میں پڑا ہوا تھا، تو میں نے اس کی مدد کر دی (یعنی گمراہی میں اس کو اور بڑھا دیا)

حقیقت بھی یہی ہے کہ شیطانی اغواء اسی وقت آدمی پر اثر انداز ہوتا ہے، جب آدمی کا عقیدہ خود ہی غلط ہو اور گناہ کی طرف اس کا طبعی میلان ہو۔ یہی وجہ ہے کہ شیطان کہے گا کہ میری تیرے اوپر کوئی زبردستی نہیں تھی۔ میں نے تو گناہ کی طرف تم لوگوں کو بلایا تھا تم نے میری دعوت کو قبول کر لیا، اس لئے مجھے بُرا مت کہو اپنی جانوں کو ملامت کرو۔

یہی وجہ ہے کہ اونچے درجہ والے صوفیہ اپنے نفسوں سے جہاد کرنے کے لئے کمربستہ رہتے ہیں اور اپنی پوری طاقت نفسوں کا مقابلہ کرنے کے لئے صَرف کر دیتے ہیں تاکہ شیطان کا راستہ بند ہو جائے۔ (شیطان نفس کے راستہ سے ہی آتا ہے)

لیکن علماء عربی نے صراحت کی ہے کہ اگر معرفہ کو دوبارہ بصورتِ معرفہ کسی کلام میں ذکر کیا جائے تو دوسرے معرفہ سے بھی وہی مراد ہوتا ہے جو پہلے معرفہ سے مراد ہوتا ہے اور یہ بھی علماء نے بیان کیا ہے کہ اضافت میں اصل عہد خارجی ہے۔ علماء کی یہ صراحتیں چاہتی ہیں کہ دوسرے قرین سے..... بھی وہی قرین مراد ہو جو پہلے قرین سے مراد ہے، یعنی مقرر فرشتہ۔

جیسا کہ سعید بن جبیرؓ کا قول ہے۔ اسی لئے علماء بلاغت نے بیان کیا ہے کہ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا میں ثانی الْعُسْر سے بھی پہلا الْعُسْر مراد ہے اور ایک عُسر کے لئے دو یسر ہیں۔

بعض متاخرین کے نزدیک دونوں جگہ قرین سے مراد شیطان ہے جو کافر پر مسلط ہوتا ہے شیطان کافر کا ساتھی ہوتا ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ شیطان کہے گا یہ شخص جو میرے پاس ہے اور میرے زیر تسلط رہا ہے دوزخ کے لئے حاضر ہے۔ میں نے اغواء کر کے دوزخ کے لئے تیار کیا ہے، لیکن میں نے اس کو زبردستی طاغی نہیں بنایا یہ خود ہی پرلے درجے کی گمراہی میں تھا اپنے اختیار سے میری پیروی کی اور میری دعوت کو قبول کیا اور فرشتے کی دعوت کو قبول نہیں کیا۔

قَالَ لَا تَخْتَصِمُوا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴿۲۸﴾ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۲۹﴾ ع ۱۴ ۱۶ ارشاد ہوگا میرے سامنے جھگڑے کی باتیں نہ کرو، میں پہلے ہی تمہارے پاس وعید بھیج چکا تھا۔ میرے ہاں وہ وعید کی بات نہیں بدلی جائے گی اور میں اس تجویز میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں۔

لَا تَخْتَصِمُوا لَدَيَّ یعنی اب مقامِ حساب میں جھگڑا نہ کرو، اب اس سے کوئی فائدہ نہیں۔

وَقَدْ قَدَّمْتُ الخ یعنی پہلے ہی میں نے اپنی کتابوں میں اور پیغمبروں کی زبانی نافرمانوں کو وعیدِ عذاب دے دی تھی، اب تمہارے پاس کوئی عذر و حجت باقی نہیں۔ یہ جھگڑا کرنے کی ممانعت کی علت ہے۔

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ یعنی میرے قول کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ میں کہہ چکا ہوں اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ وَ يَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ اس لئے اب میری طرف سے مغفرت کی امید نہ رکھو۔

کلبی نے کہا اور فراء نے اس کو پسند کیا کہ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ کا یہ مطلب ہے کہ میرے سامنے جھوٹ نہیں بولا جا سکتا، کلام کو بدلا نہیں جا سکتا۔ میں غیب کو جانتا ہوں مجھ سے کوئی بات پوشیدہ نہیں۔

وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ الخ ظلام اگرچہ مبالغہ کا صیغہ ہے لیکن اس سے مبالغۂ ظلم کی نفی مقصود نہیں بلکہ نفسِ ظلم کی نفی مراد ہے، مبالغہ کا صیغہ ذکر کرنے سے کافروں کے قول کی بطور تعریض نفی کرنا مقصود ہے، کافر کہتے ہیں کہ ہم پر یہ ظلم ہے۔ دوسری آیت بھی تقریباً اسی مضمون کی آئی ہے فرمایا ہے اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ رَسُوْلُهٗ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿۳۰﴾ جس روز ہم دوزخ سے کہیں گے تو بھر بھی گئی اور وہ کہے گی کیا کچھ اور بھی ہے۔

عطاء، مجاہد اور مقاتل بن سلیمان کے نزدیک هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ میں سوال انکاری ہے، مطلب یہ کہ میں بھر گئی، میرے اندر کوئی جگہ ایسی نہیں رہی جو بھری ہوئی نہ ہو۔ اب زیادتی ممکن نہیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ یہ استفہام زیادتی کی طلب کو ظاہر کر رہا ہے، کیونکہ شیخین نے صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جہنم کے اندر برابر مسلسل مخلوق ڈالی جاتی رہے گی اور وہ کہتی رہے گی هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ آخر رب العزت اپنا قدم اس میں رکھ دے گا۔ رب العزت کے قدم رکھتے ہی، دوزخ سمٹنے لگے گی۔ اس کے اجزا باہم سکڑنے لگیں گے اور وہ کہے گی بس بس تیری عزت اور کرم کی قسم میں بھر گئی اور جنت کے اندر ایک حصہ برابر خالی رہے گا اس کے اندر کوئی رہنے والا نہ ہوگا۔ آخر اللہ ایک اور مخلوق کو پیدا کرے گا جس کو اس خالی حصہ میں آباد کرے گا۔

ابن ابی عاصم نے حضرت اُبی بن کعبؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جہنم برابر اور مزید خوراک مانگتی رہے گی۔ یہاں تک کہ جبار اپنا قدم اس میں رکھ دے گا، قدم رکھتے ہی دوزخ کے اجزا باہم سمٹنے لگیں گے اور دوزخ بول اٹھے گی، بس بس۔

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے، اللہ کا فیصلہ پہلے ہو چکا ہے کہ میں دوزخ کو جنات اور انسان سے سب سے بھر دوں گا۔ جب قیامت کے دن اللہ کے دشمنوں کو دوزخ کی طرف ہنکا کر لے جایا جائے گا اور گروہ در گروہ ان کو دوزخ میں ڈالا جائے گا تو سب اندر چلے جائیں گے اور دوزخ کسی چیز سے پُر نہ ہو گی۔ دوزخ عرض کرے گی کیا مجھے بھر دینے کی تو نے قسم نہیں کھائی تھی۔ اللہ اپنا قدم دوزخ پر رکھ دے گا اور فرمائے گا، اب کیا تو بھر گئی۔ دوزخ کہے گی، بس بس اب زیادتی کی گنجائش نہیں۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ اللہ اور دوزخ کے درمیان سوال جواب کو حقیقی نہیں بطورِ تخییل و تصویر بیان کیا ہے، دوزخ باوجود اپنی وسعت کے جنات اور انسانوں کے گروہ در گروہ پڑنے کی وجہ سے بھر جائے گی۔ یہ توجیہ اس صورت میں ہو گی جب استفہام کو انکاری مانا جائے لیکن اگر استفہام کو طلب زیادت کے لئے قرار دیا جائے تو مطلب اس طرح ہو گا کہ دوزخ اتنی وسیع ہو گی کہ سب کے داخل ہونے کے بعد بھی اس میں جگہ خالی رہے گی۔ دوزخ پُر نہ ہو گی، یا یہ مطلب ہو گا کہ دوزخ کی بھڑک، حدت، شدت اور کافروں کی پکڑ اتنی زیادہ ہو گی کہ ایسا معلوم ہو گا کہ دوزخ مزید بالائے مزید کی خواستگار ہے اور موجود سے زیادہ کافروں کو پکڑنے کی طالب ہے۔

اس تأویل کی ضرورت نہیں، حقیقی سوال جواب اگر کلامِ مذکور میں مراد ہو تو کوئی مانع نہیں، انسانی اعضاء کو جس طرح اللہ ناطق بنا دے گا۔ اسی طرح دوزخ کو ناطق بنا دینا بھی بعید از امکان نہیں۔

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿۳۱﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿۳۲﴾

اور جنت متقیوں کے قریب لائی جائے گی کچھ بھی دور نہ ہو گی۔ یہ ہے وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہر اس شخص کے لئے جو رجوع کرنے والا پابندی کرنے والا ہو۔

لِلْمُتَّقِيْنَ یعنی شرک سے بچنے والوں کے لئے۔

غَيْرَ بَعِيْدٍ موصوف محذوف ہے، یعنی غیرَ مَکَانٍ بعید یا غیر زمانٍ بعید یہ لفظ قرب کی مزید تاکید کے لئے ذکر کیا گیا ہے اگرچہ اُزْلِفَتْ کا لفظ بھی قرب پر ہی دلالت کر رہا ہے، جیسے محاورہ میں بولا جاتا ہے فلاں مکان قریب ہے دور نہیں۔ زید عزت والا ہے ذلیل نہیں۔

اَوَّابٍ اللہ کے سوا ہر چیز سے اللہ کی طرف لوٹنے والا، ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی یا گناہوں سے اطاعت کی طرف لوٹنے والا۔

سعید بن مسیب نے کہا اوّاب وہ شخص ہے جو گناہ کرے پھر توبہ کر لے۔ شعبی اور مجاہد نے کہا اوّاب وہ شخص ہے جو خلوت میں اپنے گناہوں کو یاد کر کے معافی کا طلب گار ہو۔ ضحاک نے اوّاب کا معنی توّاب (بکثرت توبہ کرنے والا) ہی بیان کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور عطاء نے اوّاب کا ترجمہ کیا، پاکی بیان کرنے والا، جیسے آیت یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ کا ترجمہ ہے تسبیح کر یعنی اللہ کی پاکی بیان کرے ہے۔

قتادہ نے کہا اوّاب سے مراد ہے نماز پڑھنے والا۔ حضرت زید بن ارقمؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اوّابین کی نماز اس وقت ہوتی ہے جب اونٹوں کے بچے اونٹ سے الگ کر دیئے جائیں۔ (رواہ مسلم)

حَفِيْظٍ ہر وقت حضورِ قلب رکھنے والا کسی لمحہ اللہ سے غافل نہ ہونے والا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ کے احکام کو نگاہ میں رکھنے والا۔ حضرت ابن عباسؓ کا دوسرا قول آیا ہے اپنے گناہوں کو پیش نظر رکھنے والا، یہاں تک کہ توبہ و استغفار کر لے۔ یعنی اپنے گناہوں کو حقیر نہ سمجھے۔

قتادہ نے کہا، اللہ نے اپنے جن حقوق کا اس کو امین بنایا ہے، ان کی حفاظت رکھنے والا ضحاک نے کہا اپنے نفس کا نگران اور ذمہ دار۔ شعبی نے حفیظ کا ترجمہ کیا ہے مراقب۔ اور سہیل بن عبد اللہ نے کہا اطاعت کا پابند محافظ۔

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ ﴿۳۳﴾ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ؕ
جو شخص بے دیکھے رحمان سے ڈرتا ہو اور رجوع ہونے والا دل لے کر آیا ہو۔ سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔

مُنِيْبٍ مخلص دل سے اللہ کی طرف متوجّہ۔

اُدْخُلُوْهَا یعنی ان سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ بِالْغَيْبِ یعنی اللہ کے عذاب سے ڈرتا تھا جب کہ وہ اللہ سے غائب تھا۔ یعنی دنیا میں تھا یا وہ خود غائب تھا۔ کسی کی نظر کے سامنے نہیں تھا۔

ضحاک، سدی اور حسن نے کہا، یعنی وہ تنہائی میں اللہ سے ڈرتا تھا، جب کہ کوئی بھی اس کو نہیں دیکھتا تھا (القہار یا المنتقم کی جگہ) الرحمٰن کا لفظ ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ جہاں وہ اللہ سے ڈرتے ہیں اس کی رحمت کے امیدوار بھی ہیں یا اس طرف اشارہ ہے کہ وہ اللہ کی رحمت کو وسیع دیکھتے ہوئے بھی عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں، نہ اللہ کی رحمت کو دیکھ کر فریب خوردہ ہوتے ہیں اور نہ گناہوں پر جرأت کرتے ہیں (کہ بلا خوف وخطر گناہ کرتے رہیں)۔

بِسَلٰمٍ یعنی عذاب، افکار اور زوالِ نعمت سے مامون رہ کر، یا یہ مطلب ہے کہ اللہ اور ملائکہ کی طرف سے ان کو پیامِ سلامتی ملے گا۔

ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿۳۴﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿۳۵﴾ یہ دن ہے ہمیشہ رہنے کا ان کو جنت میں سب کچھ ملے گا جو کچھ چاہیں گے اور ہمارے پاس اور بھی زیادہ نعمت ہے۔

ذٰلِكَ یہ جنت میں داخلہ کا دن وہ دن ہوگا، جب جنت کے اندر ہمیشہ رہنے کا حکم ہوگا۔ دوسری آیت میں یہی مضمون آیا ہے۔ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ جنت میں داخل ہو جاؤ ایسی حالت میں کہ تمہارے لئے جنت میں ہمیشہ رہنا مقدر کر دیا گیا ہے۔

شیخین نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے اور دوزخی دوزخ میں، پھر دونوں کے درمیان ایک اعلانچی اعلان کرے گا۔ اے دوزخ والو آئندہ موت نہیں اور اے اہلِ جنت آئندہ موت نہیں ہر شخص اسی میں ہمیشہ رہے گا جس میں وہ ہے۔

بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع روایت سے بیان کیا ہے کہ کہا جائے گا، اے اہلِ جنت یہاں ہمیشہ رہنا ہے۔ موت نہیں آئے گی اور اے دوزخ والو یہاں ہمیشہ رہنا ہے موت آئندہ نہیں آئے گی۔

وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ یعنی ایسی نعمتیں ہیں جن کا تصور نہ کسی کے دل میں آیا نہ کسی آنکھ نے ان کو دیکھا نہ کسی کان سے ان کا بیان سنا، حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جنت کے اندر تمہارا کم سے کم یہ مرتبہ ہوگا کہ اللہ کی طرف سے حکم ہوگا اپنی اپنی تمنا کرو، مخاطب اپنی تمنا اپنے دل میں کرے گا ارشاد ہوگا کیا تم نے اپنی تمنا کر لی بندہ کہے گا جی ہاں! اللہ فرمائے گا تمہارے لئے وہ سب کچھ دیا جاتا ہے جس کی تم نے تمنا کی اور اتنا ہی اور بھی تم کو دیا جاتا ہے۔ رواہ مسلم۔ حضرت ابو سعیدؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک طویل حدیث بیان فرمائی، جس میں یہ بھی بتایا کہ اللہ فرمائے گا، میں نے اپنے بندوں سے یہ وعدہ کر لیا ہے کہ جس آدمی کو میں جنت میں داخل کر دوں گا اس کے لئے وہ تمام چیزیں مہیا کر دوں گا جن کو اس کا دل چاہے گا اور اتنی ہی اور بھی۔

حضرت جابرؓ اور حضرت انسؓ نے فرمایا "مزید" سے مراد ہے اللہ کا دیدار۔ مسلم اور ابن ماجہ نے حضرت صہیبؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب جنت والے جنت میں چلے جائیں گے تو اللہ ان سے فرمائے گا کیا تم چاہتے ہو کہ میں تم کو اور کچھ عطا کروں، اہلِ جنت عرض کریں گے پروردگار! کیا تو نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کر دیا کیا تو نے ہم کو جنت میں داخل نہیں کر دیا، کیا تو نے دوزخ سے ہم کو محفوظ نہیں رکھا۔ اس سے زیادہ اور کونسی نعمت ہو سکتی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، پھر اللہ حجاب کھول دے گا اور چودھویں کے چاند کی طرح جلوۂ بے حجاب سامنے آجائے گا تو دیدارِ رب سے بڑھ کر کوئی

نعمت اہلِ جنت کو محبوب نہیں ہو گی اس کے بعد حضور ﷺ نے آیتِ ذیل تلاوت فرمائی لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ
ابن خزیمہ اور ابن مردویہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت کعب بن عجرہ اور حضرت اُبی بن کعبؓ کی روایت سے اور ابن مردویہ اور ابو الشیخ نے حضرت انسؓ کی روایت سے اور ابو الشیخ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا اور یہ حدیث حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت حذیفہؓ اور حضرت ابن مسعودؓ وغیرہ سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن اللہ ایک ندا کرنے والے کو یہ ندا کرنے کا حکم دے گا اس کی ندا کو اول سے آخر تک سب لوگ سنیں گے اے اہلِ جنت! اللہ نے تم سے اچھے جزاء اور زیادتی کا وعدہ کیا تھا تو اچھی جزا جنت ہے اور رحمٰن کا دیدار مزید نعمت ہے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِى الْبِلَادِؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۶﴾

اور ہم ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جو قوت میں ان سے بہت زیادہ تھے اور تمام شہروں کو چھانتے پھرتے تھے کہیں بھاگنے کی جگہ بھی نہیں ملی۔

قَبْلَهُمْ یعنی آپ کی قوم سے پہلے۔

بَطْشًا یعنی قوم میں جیسے قوم عاد، فرعون وغیرہ۔

فَنَقَّبُوْا فِى الْبِلَادِ صاحبِ قاموس نے لکھا ہے نقب فی الارض زمین پر گیا گھوما پھرا۔ اَنْقَبَ اور نَقَّبَ کا بھی یہی معنی ہے۔

میں کہتا ہوں اس جگہ باب تفعیل کا استعمال کثرتِ فعل کو ظاہر کر رہا ہے یعنی وہ ملکوں ملکوں ہر قسم کا تصرف کرنے اور فائدہ اندوزی کے لئے خوب گھومے پھرے۔ اس تفسیر پر فَنَقَّبُوْا میں ف سببیت کے لئے ہو گی قوت کی زیادتی اور شدت؛ کثرت سے گھومنے پھرنے کا سبب تھی۔ یا یہ مطلب ہے کہ موت کے ڈر سے وہ ہر جگہ مارے مارے پھرے۔ اس مطلب پر ف صرف تعقیب کے لئے ہو گی۔

هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ۔ استفہام انکاری ہے۔ مِنْ زائد ہے کیا ان کے لئے کوئی بچاؤ کی جگہ ہوئی۔ کیا انہوں نے کوئی رہائی کا مقام پایا جب ان کو بچاؤ کی جگہ نہیں ملی تو اہل مکہ اتنے غافل کیوں ہیں اور امیدیں ان کو کیوں بے خبر بنائے ہوئے ہیں۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نقبوا کی ضمیر فاعلی اہل مکہ کی طرف راجع ہو، یعنی اہل مکہ ملکوں ملکوں گھومے پھرے گزشتہ امتوں کی بستیوں کی سیر کی، آثار قدیمہ دیکھ چکے اور ان کی خبروں کی تفتیش بھی کر چکے تو کیا اقوام پارینہ کے بچاؤ کا کوئی مقام انہوں نے پایا کہ ان کو بھی اپنے بچاؤ کی توقع ہو سکے۔

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿۳۷﴾

بلاشبہ اس میں اس شخص کیلئے بڑی عبرت ہے جو (سمجھ دار) دل رکھتا ہو یا (کم سے کم) متوجہ ہو کر بات کی طرف کان ہی لگائے۔

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ یعنی اس سورۃ میں یا اُمم ہالکہ کے کھنڈروں کی سیر میں۔

لَذِكْرٰى بلاشبہ عبرت اور نصیحت ہے۔

لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ یعنی اس شخص کے لئے جس کا دل تمام کثافتوں سے پاک صاف ہو، تجلیاتِ صفات کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اللہ کی یاد میں ڈوبا رہتا ہو اور غیر اللہ کی طرف متوجہ نہ ہو۔ اس مضمون کی تائید ایک حدیث قدسی سے ہوتی ہے، اللہ نے فرمایا نہ میری زمین مجھے سما سکتی ہے نہ میرا آسمان مجھے سما سکتا ہے، ہاں مؤمن بندے کے دل کے اندر میری سمائی ہو سکتی ہے۔

صوفیہ کی اصطلاح میں ایسا دل فنا کے بعد ہی ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، قلب سے مراد عقل ہے۔ بعض اہل علم کے نزدیک یاد رکھنے والا عبرت پذیر دل مراد ہے جو حقائق پر غور کرتا ہے، سطحی نظر سے نہیں دیکھتا۔

وَهُوَ شَهِيدٌ یعنی یہ سورۃ اس شخص کے لئے عبرت و موعظت ہے جس کا قلب سلیم ہو یا قران کو بحضورِ قلب سنے خواہ حضورِ قلب بناوٹی ہو یعنی صورت حضورِ قلب والے کی ایسی بنالے غافل نہ ہو۔

یا شہید بمعنی شاہد ہے یعنی کانوں سے سن کر دل اس کی گواہی دے اور تصدیق کرے۔ ظاہرِ قرآن سے نصیحت اندوز ہوا اور تنبیہاتِ فرقانیہ سے اثر پذیر ہو۔

میں کہتا ہوں اول (قلب سلیم ہونا کاملوں کا بیان اور دوسرا کانوں کو متوجہ ہونا) مخلص مریدوں کا درجہ ہے۔ اسی مضمون کی طرح دوسری حدیث کا مضمون ہے۔ حضورؐ نے فرمایا عبادت کی خوبی یہ ہے کہ تم اپنے رب کی اس طرح عبادت کرو گویا عبادت کے وقت تم اس کو دیکھ رہے ہو اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو تو اتنا خیال رکھو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔ یعنی اللہ کے سامنے حاضر ہونے کا تصور رکھا جائے خواہ خود آورد ہی ہو۔

حاکم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا اور اس کو صحیح کہا ہے کہ کچھ یہودیوں نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر آسمان و زمین کی تخلیق کے متعلق سوال کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ نے زمین کو اتوار کے دن اور سمندروں کو سوموار کے دن اور پہاڑوں کو اور جو کچھ ان کے اندر فائدہ بخش چیزیں ہیں سب کو منگل کے دن اور آسمان کو جمعرات کے دن اور ستاروں کو اور چاند سورج کو اور ملائکہ کو جمعہ کے دن اس وقت تک پیدا کیا جبکہ یوم جمعہ کی تین ساعتیں باقی تھیں (بقیہ) پہلی ساعت میں اوقاتِ موت کو پیدا کیا جن میں مرنے والے مرتے ہیں اور دوسری ساعت میں ان مصائب کو پیدا کیا جن کا نزول انسان کو فائدہ پہنچانے والی ہر چیز پر ہوتا ہے اور تیسری ساعت میں آدمی کو پیدا کیا اور ان کو جنت کا ساکن بنایا اور ابلیس کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرے اور تیسری ساعت کے آخر میں آدم کو یا ابلیس کو جنت سے نکال دیا۔

یہودیوں نے دریافت کیا محمد ﷺ پھر کیا ہوا..... حضور ﷺ نے فرمایا، پھر اللہ عرش پر مستوی ہو گیا.... یہودیوں نے کہا آپ نے پورا بیان نہیں کیا، بیان میں نقص ہے اگر آپ بیان مکمل کر دیتے تو صحیح ہو جاتا۔ اس کے بعد اللہ نے آرام لیا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کو سخت غصہ آگیا اور آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ اور ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اس سب کو چھ دن کی برابر وقت میں پیدا کیا اور، ہم کو تھکان نے چھوا تک نہیں۔ سو آپ ﷺ ان کی باتوں پر صبر کیجئے۔

مِنْ لُّغُوْبٍ یعنی تکان۔ لُغُوب بمعنی تعب تھکن۔

عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ یعنی یہودیوں کے اس قول پر کہ اللہ تھک گیا، پھر اس نے آرام لیا۔ صبر کیجئے۔ یا مشرک جو انکارِ قیامت کرتے ہیں اس پر صبر کیجئے۔ کیونکہ جو خدا ابتدائی تخلیقِ عالم پر قادر ہے، وہ ان کو دوبارہ زندہ کرنے اور ان سے انتقام لینے پر قدرت رکھتا ہے۔

مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے جو حدیث بیان کی ہے اس میں نہ یہودیوں کے سوال کا ذکر ہے نہ سببِ نزول کا۔ حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا، اللہ نے خاک کو سنیچر کے دن پیدا کیا اور پہاڑوں کو اتوار کے دن پیدا کیا اور درختوں کو سوموار کے دن پیدا کیا اور مصیبتوں کو منگل کے دن پیدا کیا اور نور کو بدھ کے دن پیدا کیا اور جمعرات کے دن زمین پر چوپایوں کو پھیلایا اور آخر میں جمعہ کے دن عصر کے بعد دن کی آخری ساعت میں آدمؑ کو پیدا کیا۔

میں کہتا ہوں سنیچر کے دن خاک کے پیدا کرنے کا ذکر راوی کی غلطی ہے، صحیح یہ ہے کہ تخلیقِ عالم کا آغاز اتوار کے دن ہوا اور آخری تخلیق جمعہ کے دن ہوئی۔ آیتِ مذکورہ میں لفظ فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ مجموعی تخلیق کا چھ دن میں ہونا ظاہر کر رہی ہے، سنیچر کا تو ساتواں دن ہوتا ہے۔

ایک شبہ

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ زمین و آسمان اور ملائکہ و جن کی تخلیق کے بہت بعد آدمؑ کو پیدا کیا گیا، آدمؑ سے پہلے جنات کی حکومت تھی اور ابلیس ملائکہ میں شامل تھا۔ زمین اور دُنیوی آسمان اور جنت کا ملک اس کی سیر گاہ تھی۔ کبھی زمین میں کبھی آسمان میں اور کبھی جنت میں وہ اللہ کی عبادت کرتا تھا اور آیت هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْـًٔا مَّذْكُوْرًا کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ آدمؑ کا مٹی کا پُتلا چالیس برس تک مکہ اور طائف کے درمیان نفخ روح سے پہلے پڑا رہا نہ کوئی اس کا ذکر کرتا تھا نہ کوئی اس کو پہچانتا تھا نہ کوئی اس کا نام جانتا تھا نہ کوئی اس کو بنانے کے مقصد سے واقف تھا۔ کذا قال البغوی وغیرہ۔ لیکن مذکورہ بالا حدیث بتا رہی ہے کہ جمعہ کی آخری ساعت میں ملائکہ اور فلکیات کو پیدا کیا گیا۔ اس تضاد کو کیسے دور کیا جا سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں شاید تخلیقِ آدم سے مراد ہے لوح محفوظ میں تخلیقِ آدم کے ایک خاص اندازے کا اندارج و موجودگی، اسی پر دلالت کر رہے ہیں حدیثِ مذکور کے یہ الفاظ کہ پہلی ساعت میں موت کے مقررہ اوقات کو پیدا کیا گیا جن میں مرنے والے مرتے ہیں اور دوسری ساعت میں آفات کو پیدا کیا گیا جو انسانوں کے منافع پر نازل ہوئی ہیں۔ اگر تخلیق کا معنی اندازۂ مقررہ نہ لیا جائے تو یہ مذکورہ تفصیل ممکن نہیں۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾ وَمِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿۴۰﴾ اور اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہیے سورج نکلنے سے پہلے اور چھپنے سے پہلے۔ اور رات کے کچھ حصہ میں بھی اس کی تسبیح کیا کیجئے اور فرض نمازوں کے بعد بھی۔

وَسَبِّحْ یعنی نماز پڑھو۔

قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ یعنی فجر کی نماز۔

وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ یعنی عصر کی نماز۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، قبلَ الغروب، ظہر اور عصر۔ شاید حضرت ابن عباسؓ کی یہ تفسیر اس قول پر مبنی ہے کہ دونوں نمازوں کا ضروری وقت ایک ہی ہے۔ امام مالک وغیرہ کا یہی قول ہے۔

وَمِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ یعنی مغرب و عشاء کی نماز پڑھو۔ مجاہد کے نزدیک اس سے مراد نمازِ شب ہے۔ یعنی رات میں نوافل پڑھو۔ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حسن، شعبی، نخعی اور اوزاعی کے نزدیک اَدْبَارَ السُّجُوْدِ سے مراد ہیں نمازِ مغرب سے پہلے کی دو رکعتیں اور اَدْبَارَ النُّجُوْمِ سے مراد ہیں نماز فجر سے پہلے کی دو رکعتیں۔ بروایتِ عوفی حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول آیا ہے۔

ترمذی نے حضرت ابن عباسؓ سے یہ حدیث مرفوعاً نقل کی ہے۔ اکثر اہلِ تفسیر نے بھی یہی تفسیر کی ہے، میرے نزدیک اَدْبَارَ السُّجُوْدِ سے صلوٰۃ مغرب سے پہلے کی دو رکعتیں مراد لینے کی کوئی وجہ نہیں ہے، کیونکہ ٹھیک غروب کے وقت اور غروب سے قدرے پہلے سجدہ جائز ہی نہیں ہے سجدہ کا وقت ہی نہیں ہے۔ میرے خیال میں اَدْبَارَ السُّجُوْدِ سے مراد ہیں وہ نوافل جو ہر فرض کے بعد مقرر ہیں۔

یہ بھی جائز ہے کہ اس جگہ بھی سَبِّحْهُ سے مراد سبحان اللہ پڑھنا ہو، جیسے آیت سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ میں مع حمد کے سبحان اللہ پڑھنا مراد ہے۔

شیخین نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، صبح شام جو شخص سَو بار سبحان اللہ پڑھتا ہے قیامت کے دن کوئی شخص اس سے بہتر عمل لے کر نہیں آئے گا، ہاں اس شخص کا عمل اس سے بہتر ہو گا جو دوسرے نیک اعمال کے ساتھ یہ عمل بھی کرتا ہے۔

شیخین نے حضرت ابوہریرہؓ کی ایک مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ جو شخص ایک دن میں سو بار سبحان اللہ وبحمدہ پڑھتا ہے اس کے گناہ ساقط ہو جاتے ہیں، خواہ کف سمندر کے برابر ہوں۔

یہ حدیث بھی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے شیخین نے بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو جملے ہیں جو زبان پر تو ہلکے ہیں قیامت کے دن میزان کے پلڑے میں بڑے وزنی ہوں گے اور رحمٰن کو بڑے پیارے ہیں سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

مجاہد کے نزدیک فَسَبِّحْهُ وَ اَدْبَارَ السُّجُوْدِ سے مراد ہے فرض نمازوں کے بعد زبان سے سبحان اللہ پڑھنا۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو شخص ہر فرض نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ پڑھتا ہے اور ۳۳ بار اللہ کی حمد کرتا ہے اور ۳۳ بار تکبیر کہتا ہے یعنی اللہ اکبر کہتا ہے یہ کل ننانوے کلمے ہو گئے، پھر ان کی تکمیل کے لئے ایک بار پڑھتا ہے لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیئ قدیر تو اس کے سارے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، خواہ سمندر کے جھاگوں کے برابر ہوں۔ رواہ المسلم والبخاری ومثلہ اخرج مالک وابن خزیمۃ۔

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿٤١﴾ يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿٤٢﴾ اور سن رکھو کہ جس روز ایک پکارنے والا پاس (کے مقام سے) ہی پکارے گا۔ جس روز اس چیخنے کو یقین کے ساتھ سب سن لیں گے یہ دن ہوگا قبروں سے نکلنے کا۔

وَاسْتَمِعْ یہ خطاب کر کے روزِ قیامت کی ہولناکی اور عظمت کا اظہار کرنا اور متنبہ کرنا مقصود ہے۔

مقاتل نے بیان کیا کہ قیامت کے دن اسرافیلؑ پکار کر کہیں گے، اے بوسیدہ ہڈیو! اے الگ الگ کئے ہوئے جوڑو (اوصال) اے پارہ پارہ گوشت اور اے پراگندہ بالو! اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ فیصلۂ الٰہی کے لئے باہم اکٹھے ہو جاؤ۔

ابن عساکر نے بروایتِ زید بن جابر شافعی اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن اسرافیل صخرہ بیت المقدس پر کھڑے ہو کر کہیں گے، اے بوسیدہ ہڈیو! اے پارہ پارہ کھالو، اے ٹوٹے ہوئے بالو! اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ فیصلۂ خطاب کے لئے جمع ہو جاؤ۔

مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ یعنی صخرۂ بیت المقدس سے۔ صخرہ قبروں کے قریب ہوگا۔ دونوں وسطِ زمین میں ہوں گے۔

کلبی نے کہا، زمین کے دوسرے حصے آسمان سے جتنے فاصلہ پر ہیں ان سب سے اٹھارہ میل زائد صخرہ آسمان کے قریب ہے۔

يَوْمَ يَسْمَعُوْنَ یعنی اس روز بحکمِ خدا مُردے سنیں گے، مُردے ہوں یا جمادات، پتھر وغیرہ بحکم خدا سننے کے معاملے میں زندوں کی طرح ہیں، تمام موجودات کو خواہ بے حس، بے شعور اور غیر نامی ہوں یا نامی، باحس یا باشعور کسی نہ کسی طرح کی زندگی تو حاصل ہی ہے۔ تفسیر سورۂ ملک کی آیت خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَيٰوةَ کی تشریح میں ہم نے اس کی تحقیق کر دی ہے۔

علمائے اہلِ سنّت کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ عذابِ قبر روح اور جسم دونوں پر ہوتا ہے۔ شیخین نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مقتولینِ بدر کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا، جو وعدہ (یعنی وعدۂ عذاب) تم سے تمہارے رب نے کیا تھا، کیا تم نے اس کو صحیح پالیا، ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ (یعنی فتح و نصرت کا وعدہ) کیا تھا ہم نے تو اس کو صحیح پالیا حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ بے جان جسموں کو کس طرح خطاب کر رہے ہیں۔ فرمایا میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تم اس کو ان سے زیادہ نہیں سنتے لیکن وہ مجھے جواب نہیں دے سکتے۔

قرطبی نے کہا، صور کی آواز جس سے مُردے زندہ ہو جائیں گے، پھیلتی اور بڑھتی جائے گی اور ابتدائی آواز تو زندہ کرنے کے لئے ہوگی، اور اس کے بعد کی آواز قبروں سے باہر نکالنے کے لئے زندہ کرنے والی آواز، تو وہ مُردے نہیں سنیں گے۔ لیکن قبروں سے نکالنے کی آواز کو سنیں گے۔ سیوطی نے کہا، احتمال ہے کہ جو روحیں صورِ اسرافیل میں ہوں وہ شروع سے ہی سن لیں۔ میں کہتا ہوں اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ اسرافیل ہڈیوں اور کھالوں کو خطاب کریں گے، روحوں کو خطاب نہیں کریں

گے۔ ارواح کو سننے کا کوئی فائدہ نہیں۔

اَلصَّیۡحَۃَ یعنی اسرافیل کی آواز۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ دوبارہ زندہ کرنے کے لئے خطاب شاید ایسا ہی ہو جیسا ابتدائی تخلیق کے لئے لفظ کُنۡ فرمایا تھا یعنی امر سے امر تکوینی مراد ہو جس میں مخاطب کا سننا ضروری نہیں۔

میں کہتا ہوں یَوۡمَ یَسۡمَعُوۡنَ میں سننے کی صراحت ہے، اس لئے امرِ تکوینی مراد نہیں ہو سکتا۔ بِالۡحَقِّ اس لفظ کا تعلق اَلصَّیۡحَۃَ سے ہے اور حق سے مراد جزاو سزا کے لئے قبروں سے اٹھایا جانا۔

اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیٖ وَ نُمِیۡتُ وَ اِلَیۡنَا الۡمَصِیۡرُ ﴿۴۳﴾ ہم ہی اب بھی جِلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہمارے ہی طرف پھر لوٹ کر آنا ہے۔ یعنی آخرت میں ہماری ہی طرف منتقل ہونا ہے۔

یَوۡمَ تَشَقَّقُ الۡاَرۡضُ عَنۡہُمۡ سِرَاعًا ؕ ذٰلِکَ حَشۡرٌ عَلَیۡنَا یَسِیۡرٌ ﴿۴۴﴾ نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَا یَقُوۡلُوۡنَ وَ مَاۤ اَنۡتَ عَلَیۡہِمۡ بِجَبَّارٍ ۟ فَذَکِّرۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مَنۡ یَّخَافُ وَعِیۡدِ ﴿۴۵﴾ ۳ ع ۱۶ ۱۷

جس روز زمین ان مردوں پر کھل جائے گی جب کہ وہ دوڑتے ہوں گے یہ ہمارے نزدیک ایک آسان جمع کر لینا ہے، جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں ہم خوب جانتے ہیں اور آپ ﷺ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں آپ ﷺ قرآن کے ذریعہ ایسے شخص کو نصیحت کرتے رہیئے جو میرے عذاب کی دھمکی سے ڈرتا ہو۔

یَوۡمَ تَشَقَّقُ یعنی مُردوں کو زندہ کر کے اس روز اٹھایا جائے گا، جب حساب فہمی کے لئے ان کو پکارا جائے گا اور زمین پھٹ کر وہ تیزی کے ساتھ باہر نکل آئیں گے۔

ذٰلِکَ یہ یک دم سب کا نکل آنا۔ ہمارے لئے آسان ہے۔ یَسِیۡرٌ سے پہلے عَلَیۡنَا کا ذکر اظہارِ خصوصیت کے لئے ہے، حشرِ اموات اسی کے لئے آسان ہو سکتا ہے جو بذاتِ خود عالم اور قادر ہو۔ اور کسی کام میں مشغولیت دوسرے کاموں سے اس کو غافل نہ بنا سکے۔ اور ایسی ذات صرف اللہ ہی کی ہے، اس لئے حشرِ اموات اس کے لئے دشوار نہیں۔ اللہ نے ایک اور آیت میں فرمایا ہے مَا خَلۡقُکُمۡ وَ لَا بَعۡثُکُمۡ اِلَّا کَنَفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ۔

بِمَا یَقُوۡلُوۡنَ یعنی کفارِ مکہ جو کچھ کہتے ہیں اور آپ کی تکذیب کرتے ہیں ہم اس سے بخوبی واقف ہیں۔ اس جملے میں رسول اللہ ﷺ کے لئے پیامِ تسلی اور کافروں کے لئے تہدیدِ عذاب ہے۔

وَ مَاۤ اَنۡتَ الخ یعنی آپ کو صرف نصیحت کرنے اور اسلام کی دعوت دینے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ زبردستی مسلمان بنانے کے لئے نہیں بھیجا گیا ہے۔

فَذَکِّرۡ بِالۡقُرۡاٰنِ الخ عمرو بن قیس ملائی کی وساطت سے ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ اگر آپ ہم کو عذاب سے ڈراتے رہیں تو بہتر ہوگا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت عمرؓ سے مرسل روایت بھی اسی طرح آئی ہے، مطلب یہ ہے کہ قرآن کے ذریعہ سے لوگوں کو یاد دہانی کرنا انہیں لوگوں کے لئے سود مند اور نتیجہ خیز ہو سکتی ہے جو میری وعید عذاب سے ڈرتے ہیں، یعنی مسلمانوں ہی کے لئے یہ تذکیر نفع بخش ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

سُورَۃُ الذّٰرِیٰت

یہ سورت مکّی ہے اس میں تین رکوع اور ساٹھ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ۔

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۙ﴿۱﴾ قسم ہے ان ہواؤں کی جو خاک وغیرہ اُڑاتی ہیں۔

ذَرْوًا مصدر ہے۔ الذاریات سے مراد ہیں خاک اڑانے والی ہوائیں یا اولاد کو پھیلانے والی عورتیں یا ملائکہ اور دوسرے سماوی وارضی اسباب۔ جو روئے زمین پر مخلوق کو پھیلاتے ہیں۔

فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۙ﴿۲﴾ پھر ان بادلوں کی جو بارش کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔

بوجھ یعنی وہ ہوائیں جو بادلوں کا بار اٹھاتی ہیں یا وہ عورتیں جو نطفے اور حمل کا بوجھ اٹھاتی ہیں یا وہ بادل جو بارش کے پانی کو اٹھاتے ہیں یا ان کے سماوی اور ارضی اسباب۔

فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۙ﴿۳﴾ پھر ان کشتیوں کی جو نرمی سے چلتی ہیں۔ یعنی وہ ہوائیں جو آہستہ آہستہ چلتی ہیں یا وہ عورتیں جو حاملہ ہونے کی وجہ سے اپنے شوہروں کی خدمت سست رفتار سے کرتی ہیں یا وہ کشتیاں جو سمندر میں آہستہ آہستہ رواں ہوتی ہیں یا وہ ستارے جو اپنی اپنی منزلوں میں آہستہ چلتے ہیں۔

فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۙ﴿۴﴾ پھر ان فرشتوں کی جو حکم کے موافق تقسیم کرتے ہیں یعنی وہ ہوائیں جو بادلوں کو پھیلا کر بارش کو تقسیم کرتی ہیں یا وہ ملائکہ جو بارش اور رزق وغیرہ کو تقسیم کرتے ہیں یا وہ تمام فطری اسباب جو اشیاء کی تقسیم کرتے ہیں۔

اگر مذکورہ بالا جملوں میں مختلف چیزیں علیحدہ علیحدہ مراد ہوں تو ہر جملہ میں فَ ترتیبِ اقسام کو ظاہر کر رہی ہے کیونکہ کمالِ قدرت کو ظاہر کرنے میں سب کی حالت ایک جیسی نہیں ہے بلکہ باہمی بڑا تفاوت ہے اور اگر تمام فقروں میں متعدد مختلف چیزیں نہیں بلکہ ایک ہی چیز مراد ہو تو فَ ترتیبِ افعال کے لئے ہو گی۔

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۙ﴿۵﴾ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ؕ﴿۶﴾ تم سے جو (قیامت کا) وعدہ کیا جا رہا ہے وعدہ بالکل سچ ہے اور اعمال کا بدلہ ضرور ملنے والا ہے۔

جس چیز کا تم کو وعدہ سنایا جا رہا ہے یعنی وعدۂ قیامت سچا وعدہ ہے اور اعمال کی سزا جزا ضرور ہو گی۔ متعدد مختلف حیران کُن تعجب آفریں چیزوں کی جو صانع مختار کے اقتدارِ کامل اور صنعتِ جمیل محکم پر دلالت کر رہی ہیں قسم کھا کر اللہ نے قیامت کے واقع ہونے کی صراحت کی گویا ان چیزوں کی تخلیق و صنعت کو پیش کر کے قیامت پر قادر ہونے کو بدلیل ثابت کیا۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۙ﴿۷﴾ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۙ﴿۸﴾ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ؕ﴿۹﴾ قسم ہے آسمان کی جس میں فرشتوں کے چلنے کے راستے ہیں کہ تم سب لوگ قیامت کے بارے میں مختلف گفتگو میں ہو اس سے وہی پھرتا ہے جس کو پھرنا ہوتا ہے۔

ذَاتِ الْحُبُكِ حُبُک، حَبِیکَۃ کی جمع ہے جیسے طُرُق طَرِیقَۃ کی جمع ہے یا حِبَاک کی جمع ہے جیسے مِثال کی جمع مُثُل آتی ہے صاحب قاموس نے لکھا ہے حَبَک مضبوط بناوٹ والے حُبُک الثوب کپڑے کی ساخت میں خوبصورت آثار صنعت، حُبُک الرّمل ریت کی دھاریاں حُبُک کا واحد حِباک ہے جیسے کُتُب کا واحد کتاب۔ حُبُک الماء پانی کی شکستہ لہریں، حُبُک الشَّعر گھونگریالے بال،

حبک السماء ستاروں کی گزرگاہیں۔
بغوی نے کہا حضرت ابن عباسؓ ، قتادہ اور عکرمہ کے نزدیک ذات الحبک کا ترجمہ ہے خوبصورت ہموار بناوٹ والے کپڑے کی بناوٹ میں اگر حسن وجُودت ہو تو عرب کہتے ہیں ما احسن حبکہ۔سعید بن جبیر نے ترجمہ کیا سجاوٹ والا حسن نے کہا آسمان کی سجاوٹ ستاروں سے کی گئی ہے مجاہد نے کہا مضبوط ساخت والا مقاتل ، کلبی اور ضحاک نے کہا جس طرح ہوا لگنے سے پانی میں لہریں اور ریت میں دھاریاں پڑجاتی ہیں اور جس طرح بالوں میں گھونگریالا پن ہو جاتا ہے اسی طرح آسمان میں راستے یعنی لہریں اور دھاریاں ہیں لیکن دور ہونے کی وجہ سے دکھائی نہیں دیتے۔بیضاوی نے ترجمہ کیا راہوں والا راہوں سے مراد ہیں محسوس راستے یعنی ستاروں کی گزرگاہیں یا عقلی راستے مراد ہیں جن پر اہل بصیرت چل کر معرفت کے مقام پر پہنچتے ہیں یا ستارے مراد ہیں جن کے راستے آسمان میں مقرر ہیں اور جن کی وجہ سے آسمان کی زینت ہے جس طرح کپڑے پر چھپی ہوئی دھاریوں سے کپڑے کی سجاوٹ ہوتی ہے۔
اِنَّکُمۡ کفارِ مکہ کو خطاب ہے۔
لَفِیۡ قَوۡلٍ مُّخۡتَلِفٍ یعنی رسول اللہ کے بارے میں تمہارے قول مختلف ہیں کبھی شاعر کہتے ہو کبھی جادوگر کبھی دیوانہ پاگل ، یا قرآن کے متعلق تمہارے اقوال میں اختلاف ہے کوئی اس کو جادو کہتا ہے کوئی کہانت ، کوئی داستانِ پارینہ اور کوئی خود ساختہ شعر ، یا قیامت کے بارے میں تمہارے کلام جُدا جُدا ہیں کوئی قیامت کے واقع ہونے میں شک کرتا ہے کوئی اس کو محال سمجھتا اور انکار کرتا ہے۔بیضاوی نے لکھا ہے اس جملۂ قسمیہ میں لوگوں کے قولی اختلاف اور مقاصد کی منافات کو طُرقِ سماوی سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ سماوی راستوں میں بھی باہم بڑی دُوری ہے اور غایات کا اختلاف ہے۔
یہ بھی ممکن ہے کہ مخاطب اہلِ مکہ ہوں خواہ مؤمن ہوں یا کافر یعنی اے اہلِ مکہ میں سے کچھ لوگ تصدیق کرتے ہیں اور کچھ تکذیب۔
یُّؤۡفَکُ عَنۡہُ مَنۡ اُفِکَ یعنی رسول یا قرآن کی طرف سے اسی کو پھیر دیا جاتا ہے جس کا پھیرا جانا پہلے سے اللہ کے علمِ ازلی میں ہوتا ہے مطلب یہ کہ اللہ نے جس کو قرآن اور رسول پر ایمان لانے سے محروم کر دیا وہی محروم رہتا ہے۔یہ بھی جائز ہے کہ عَنۡہُ میں عَنۡ بمعنی مِنۡ ہو اور ضمیر قَوۡلٍ مُّخۡتَلِفٍ کی طرف راجع ہو یعنی ایمان سے وہ موڑ اور پھیرا جاتا ہے۔بات یہ تھی کہ جب کوئی شخص مسلمان ہونا چاہتا تھا تو مکہ کے کافر راستہ میں اس کو روک کر کہتے تھے تم کہاں جا رہے ہو وہ تو جھوٹا جادوگر ہے کاہن ہے پاگل ہے اس طرح ایمان لانے سے اس کو پھیر دیتے تھے۔مجاہد کا قول یہی ہے۔

قُتِلَ الۡخَرّٰصُوۡنَ ۝١٠ الَّذِیۡنَ ہُمۡ فِیۡ غَمۡرَۃٍ سَاہُوۡنَ ۝١١ یَسۡـَٔلُوۡنَ اَیَّانَ یَوۡمُ الدِّیۡنِ ۝١٢ یَوۡمَ ہُمۡ عَلَی النَّارِ یُفۡتَنُوۡنَ ۝١٣

غارت ہو جائیں بے سند باتیں کرنے والے جو جہالت میں بھولے ہوئے ہیں پوچھتے ہیں بدلے کا دن کب ہوگا جس روز وہ آگ پر رکھے جائیں گے۔
اَلۡخَرّٰصُوۡنَ بڑے جھوٹے۔اس سے مراد ہیں وہ کافر جو رسول اللہ ﷺ اور قرآن کے متعلق مختلف اقوال کے قائل تھے۔ خَرۡص کا معنی ہے بغیر کسی یقین بخش دلیل کے کسی بات کا گمان کرنا اور آنکڑا بنا لینا جو بات کسی یقینی صحیح دلیل پر مبنی ہو اس میں اختلاف کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔
قُتِلَ الۡخَرّٰصُوۡنَ بظاہر بددعا ہے لیکن نیک دعا ہو یا بددعا دونوں دعا کرنے والے کے عاجز ہونے پر دلالت کرتی ہیں اس لئے اس جگہ بددعا سے مراد ہے لعنت اپنے قرب یا اپنی رحمت سے دور کر دینا۔
غَمۡرَۃٍ یعنی ایسی غفلت وجہالت جو ان پر چھائی ہوئی ہے ان کو ڈھانکے ہوئے ہے۔
سَاہُوۡنَ یعنی احکام خداوندی سے غافل۔
یَسۡـَٔلُوۡنَ یعنی بطورِ انکار یا بصورتِ استہزاء رسول اللہ ﷺ سے جلد وقوعِ قیامت کی درخواست کرتے ہیں۔

یَوْمُ الدِّیْنِ اعمال کے بدلے کا دن۔
یَوْمَ هُمْ عَلَی النَّارِ یُفْتَنُوْنَ۔ علیٰ بمعنی ب ہے یعنی جس روز کہ ان کو آگ سے جلایا جائے گا وہ دن کب آئے گا۔
ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ۭ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۴﴾ ان سے کہا جائے گا اپنی سزا کا مزہ چکھو یہی ہے جس کی تم جلدی مچایا کرتے تھے۔
فِتْنَتَكُمْ اپنے عذاب کو یا اپنے کفر کی سزا کو۔
تَسْتَعْجِلُوْنَ یعنی دنیا میں جس عذاب کی تم تکذیب کرتے اور اس کے آنے کی جلدی مچاتے تھے یہ وہی عذاب ہے۔
کافروں کی سزا کو بیان کرنے کے بعد اللہ نے مؤمنوں کی جزا کا آئندہ آیت میں ذکر فرمایا۔
اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۱۵﴾ اٰخِذِیْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِیْنَ ﴿۱۶﴾ بے شک متقی لوگ بہشتوں میں اور چشموں میں ہوں گے، اور ان کے رب نے جو ثواب عطا کیا ہوگا وہ اس کو خوشی خوشی لے رہے ہوں گے۔ وہ لوگ اس سے پہلے دنیا میں نیکوکار تھے۔
عُیُوْنٍ یعنی بہتر نہریں۔
مَآ اٰتٰىهُمْ یعنی جو ثواب اور خیر و عزت ان کا رب ان کو عطا فرمائے گا وہ اس کو خوشی کے ساتھ قبول کریں گے۔ مقصد یہ کہ اللہ جو کچھ ان کو عطا فرمائے گا وہ اعلیٰ اور پسندیدہ ہوگا۔
قَبْلَ ذٰلِكَ یعنی جنت میں داخل ہونے سے پہلے دنیا میں۔
مُحْسِنِیْنَ یعنی حضورِ خاطر اور خلوصِ قلب کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے تھے اور اسکی خوشنودی کے طلب گار تھے۔
كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے۔
مَا یَهْجَعُوْنَ میں مازائد ہے۔ ہجوع کا معنی ہے رات کو سونا۔
قَلِیْلًا مفعول فیہ ہے یا مفعول مطلق یعنی رات کے تھوڑے وقت وہ سوتے ہیں یا رات کے کچھ حصہ میں وہ تھوڑی سی نیند لے لیتے ہیں یعنی رات کے زیادہ حصہ میں نماز پڑھتے رہتے ہیں۔

سعید بن جبیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے آیت کی تشریح اس طرح کی ہے کمتر رات ایسی گزرتی ہے کہ وہ اس کے کسی حصہ میں نماز نہ پڑھتے ہوں شروع رات میں پڑھتے ہیں یا درمیانِ شب میں پڑھتے ہیں یا آخر رات میں یعنی پوری رات کم ہی سوتے ہیں۔ مراد یہ کہ پوری رات نہیں سوتے۔
وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ اور اخیر شب میں استغفار کیا کرتے تھے۔
سحر رات کا آخری چھٹا حصہ۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے صبح سے کچھ پہلے کا وقت اور ہر شئی کا کنارہ۔ مطلب یہ ہے کہ رات کو کم سونے اور بیشتر وقت میں نماز پڑھتے رہنے کے باوجود وہ اپنے اس عمل کو اداء حق سے کم سمجھتے ہیں اور سحر کو معافی کے طلب گار ہوتے ہیں، گویا وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم سے کوئی بڑا جرم سرزد ہو گیا اور اللہ کی اطاعت میں قصور ہو گیا جس کی تلافی توبہ سے کرنا ضروری ہے۔
حسن نے کہا جملے کا معنی یہ ہے کہ وہ رات کو کم ہی سوتے ہیں اکثر چستی کے ساتھ سحر تک عبادت میں مشغول رہتے ہیں پھر استغفار کرتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر رات کو جب رات کا ایک تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے اللہ آسمان دنیا کی طرف نزولِ اجلال فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے میں ہی بادشاہ ہوں کون ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا قبول کروں، کون ہے جو مجھ سے مانگے اور میں اس کو عطا کروں، کون ہے جو مجھ سے گناہوں کی معافی کا طلب گار ہو اور میں اس کے گناہ معاف کر دوں۔ متفق علیہ۔

مسلم کی روایت میں ہے پھر اللہ اپنے دونوں ہاتھ پھیلاتا ہے اور فرماتا ہے "کون ہے جو روک سکتا ہو ایسی ذات کو جو نہ نادار ہے نہ ظالم" یہاں تک کہ فجر نکل آتی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی صحیح روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات سے اٹھ کر تہجد پڑھتے استغفار کرتے اور کہتے تھے اے اللہ! تیرے ہی لئے ستائش زیبا ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور ان کی کائنات کا تو ہی مدبر ہے، تیرے ہی لئے حمد ہے، آسمانوں کا زمین کا اور ان کی موجودات کا تو ہی حاکم ہے، تیری ہی تعریف زیبا ہے، تو ہی حق ہے، تیرا ہی وعدہ حق ہے، تیرا ہمیشہ باقی رہنا حق ہے، تیرا کلام حق ہے، دوزخ حق ہے، انبیاء حق ہیں، محمد حق ہیں، قیامت حق ہے، اے اللہ میں تیرا ہی فرماں بردار ہوں تجھی پر ایمان رکھتا ہوں تجھی پر میرا بھروسہ ہے، تیری ہی طرف میں رجوع کرتا ہوں، تیری مدد سے میں دشمنوں کا مقابلہ کرتا ہوں، تیری ہی جانب میں اپنا معاملہ فیصلہ کے لئے لے جاتا ہوں، تو ہمارا رب ہے تیری ہی طرف منتقل ہونا ہے۔ میرے اگلے پچھلے اور پوشیدہ ظاہر گناہ اور وہ تصور جن کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے معاف فرمادے تو ہی آگے بڑھانے والا اور پیچھے ہٹانے والا ہے یا سب سے پہلے اور سب کے بعد تو ہی ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور تیرے علاوہ کوئی قابلِ پرستش نہیں، متفق علیہ۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص رات سے اٹھ کر کہے لا اله الا الله وحدهٗ، لاشريك له له الملك وله الحمد وهو علىٰ كلّ شيئ قدير وسبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله و الله اكبر ولا حول ولا قوّة الا بالله العلىّ العظيم۔ اس کے بعد کہے رَبِّ اغْفِرْلِیْ یا فرمایا پھر دعا کرے تو اس کی دعا قبول ہو گی اس کے بعد وضو کر کے نماز پڑھے گا تو نماز قبول کی جائے گی (رواہ البخاری) ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی حکومت ہے اسی کے لئے ہر تعریف زیبا ہے اور وہ ہر شئے پر قابو رکھتا ہے۔ اللہ پاک ہے اللہ کے لئے ہر تعریف زیبا ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ سب سے بڑا ہے سوائے اللہ کی مدد کے جو بزرگ اور عظمت والا ہے نہ طاقت ہے نہ قوت، پھر کہے اے میرے رب مجھے معاف کردے یا فرمایا پھر دعا کرے الخ۔

حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رات سے بیدار ہوتے تو کہتے لا اله الا انت سبحنك، اللّٰهم وبحمدك استغفرك لذنبي و اسئلك رحمتك، اللّٰهم زدني علما ولا تزغ قلبي بعد اذ هديتني وهب لي من لدنك رحمة انك انت الوهاب (رواہ ابوداؤد)

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾ اور ان کے مال میں سوالی اور غیر سوالی کا حق تھا۔

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ یعنی وہ سائلوں کو بھی دیتے ہیں اور سوال سے بچنے والے کو بھی جن کو سوال نہ کرنے کی وجہ سے ناواقف لوگ مالدار سمجھتے ہیں نیکوکار ان کی چہرے دیکھ کر پہچان لیتے ہیں اور اندرونی احوال سے واقف ہونے کے بعد ان کو بھی دیتے ہیں۔ قتادہ اور زہری وغیرہ نے محروم کا یہی معنی بیان کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور سعید بن مسیّب نے کہا محروم سے وہ شخص مراد ہے جس کو نہ مالِ غنیمت سے کوئی حصہ ملا ہو نہ مالِ فئے میں سے۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم کا بیان ہے کہ حسنؒ بن محمد بن حنفیہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجاہدین کا ایک دستہ روانہ کیا۔ ان مجاہدوں کے ہاتھ کافروں کی کچھ بکریاں لگ گئیں جب یہ لوگ بکریوں کے حصے بخرے کر کے فارغ ہو گئے تو کچھ غریب لوگ آپہنچے ان مجاہدوں نے ان کو بھی کچھ حصہ دے دیا اس پر آیتِ مذکورہ نازل ہوئی۔ زید ابن اسلم نے کہا محروم سے وہ شخص مراد ہے جس کے باغ کے پھلوں پر یا کھیتی پر یا مویشیوں کے بچوں پر کوئی آسمانی زمینی آفت آگئی ہو اور باغ کھیت اور جانور تباہ ہو گئے ہوں محمد بن کعب قرظی نے بھی یہی کہا اور اس معنی کے ثبوت میں آیت اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ پڑھی۔

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ﴿۲۰﴾ اور یقین لانے والوں کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں۔

اکثر اہلِ تفسیر نے لکھا ہے کہ اس جملہ کا اور اسکے بعد آنے والے سارے معطوفات کا تعلق اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ سے ہے اور دونوں کے درمیان کے تمام جملے معترضہ ہیں میرے نزدیک اس کا عطف ان مدحیہ جملوں پر ہے جو سابق کلام میں

محسنین کے لئے اللہ کی قدرتِ تامہ، علم محیط اور ربوبیت و الوہیت کی نشانیاں ہیں وہ ان نشانہائے قدرت کو اندھوں بہروں کی طرح دیکھ کر گزر نہیں جاتے بلکہ بینا آنکھوں سے دیکھ کر غور کرتے اور سوچتے ہیں کہ زمین کیسے پیدا ہوئی کیسے بچھائی گئی آدمیوں کے رہنے کے لئے اس کا کچھ خشک حصہ کیسے ابھار دیا گیا ہے۔ زمین کے مختلف اجزاء کی مختلف کیفیات، حالات اور متضاد خاصیات کیسے اور کیوں ہیں چشمے پھوٹ کر، نہریں بن کر دریا کس طرح اور کس حکمت کے زیر اثر بہتے ہیں۔ زمین کے اندر قیمتی جواہر کی کانیں کیسے بن جاتی ہیں۔ زمین کے اوپر غیر محدود ان گنت نباتات اور حیوانات کا پھیلاؤ کتنا نا قابلِ فہم ہے یہ سب انواع، اجناس، کیفیات، خاصیات، اشکال اور الوان کا تعدد دلالت کر رہا ہے کہ ان کا کوئی بنانے والا واجبُ الوجود، خلاقِ کل، ہمہ گیر علم اور قدرتِ کاملہ کا مالک ہے۔ اسی نے اپنی رحمت اور حکمت سے ان چیزوں کو بنایا ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ زمین پر اور زمین کی موجودات پر اللہ کی رحمت کی کیسی بارش ہو رہی ہے۔ وجود اور بقائے وجود کی اللہ کی طرف سے کس قدر برکتیں نازل ہو رہی ہیں اور موجوداتِ ارضی کی ہر چیز اپنی ساری ضرورتوں اور حاجتوں کے لئے اللہ کی رحمت کے سامنے دستِ سوال پھیلا رہی ہے۔ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ۔

وَفِي أَنفُسِكُمْ　　اور خود تمہاری ذات میں بھی اللہ کی نشانیاں ہیں۔

وَفِي أَنفُسِكُمْ یعنی اے انسانو! خود تمہارے اندر اللہ کی بہت سی نشانیاں ہیں۔

انسان عالمِ صغیر (چھوٹی دنیا) ہے اللہ کی قدرت، حکمت، صنعت اور ربوبیت کی جو نشانیاں عالم کبیر میں ہیں ابتداء تخلیق سے لے کر آخری انجام تک وہ ساری آیات انسان کے اندر ہیں۔ آغاز میں تخلیقِ انسانی بصورتِ نطفہ تھی، پھر نطفہ بستہ خون بنا، پھر ایک گوشت کا لوتھڑا ہوا، پھر ہڈیاں بنائی گئیں، پھر ہڈیوں کے ڈھانچے کو گوشت کا لباس پہنایا گیا، پھر اس میں روح ڈالی گئی پھر بسہولت باہر آنے کا راستہ بنایا گیا۔ باہر آنے کے بعد فراہمی غذا کا انتظام کیا گیا پستانِ مادر سے دودھ پینا سکھایا گیا اور رفتہ رفتہ دوسری غذاؤں کی طرف آنے اور کھانے کی رہنمائی کی گئی بول و براز اور دوسرے فضلے کو اس کے راستوں سے باہر پھینکا گیا۔

یہ تمام تدبیریں بقاء جسمانی کے لئے کی گئیں۔ اس سے آگے بقاء نسل بھی ضروری تھی تو قوتِ تولید کو پیدا کیا گیا اور ایک جوڑے کے اختلاط سے سابق کی طرح تیسرے انسان کو بنایا اور پیدا کیا گیا۔ پھر پیغمبروں کو بھیج کر اور آسمان سے کتابیں اتار کر معاد کی طرف جانے کا صحیح راستہ دکھایا گیا۔

انسانوں کی زبانوں یا صورتوں کا، رنگوں کا، طبیعتوں اور مزاجوں کا، عقل و دانشت کا، قبولِ حق کی صلاحیتوں کا، راہِ حق پر چلنے کی استعدادوں کا، پھر درجاتِ قرب اور مراتبِ معرفت پر فائز ہونے کا عظیمُ الشان تفاوت اور تعدد۔ صانع کی نادر صنعت اور بدیع نقوش ہیں جو اہلِ بصیرت اور معرفت کوش قلوب نظارہ کرتے اور بے ساختہ پکار اٹھتے ہیں تبارک اللہ احسن الخالقین۔

پھر ان اہلِ عرفان کے سامنے سے تجلیاتِ ذاتیہ و صفاتیہ اور انوارِ ظلالیہ کے چہروں سے اسرار کے پردے ہٹ جاتے ہیں۔ اسی کی تعبیر حدیثِ قدسی میں اس طرح فرمائی ہے بندہ نوافل کے ذریعہ سے میرا قرب حاصل کرتا ہے آخر میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔ الحدیث۔

اس مرتبہ پر پہنچ کر عارف کہتا ہے شکر ہے اللہ کا جس نے ہم کو اس کی راہ بتائی اگر اللہ ہماری رہنمائی نہ کرتا تو ہم ہدایت یاب نہ ہوتے۔ ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے تھے۔

أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿۲۱﴾　　پھر کیا تم کو دکھائی نہیں دیتا۔

یعنی اے بے سند باتیں کرنے والو کیا تم کو وہ نشانیاں دکھائی نہیں دیتیں جو نیکو کار اہل یقین کو نظر آتی ہیں۔ اس جملہ کا عطف محذوف جملے پر ہے۔ یعنی کیا تم لوگ قیامت برپا کرنے پر اللہ کی قدرت کا انکار کرتے ہو اور تم کو اللہ کی قدرت کی مذکورہ نشانیاں دکھائی نہیں دیتیں۔

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴿۲۲﴾　　اور تمہارا رزق اور جو تم سے قیامت کے متعلق وعدہ کیا جاتا ہے

ان سب کا معین وقت آسمان میں ہے۔
وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اور مقاتل کا بھی یہی قول ہے کہ "رزق" سے مراد ہے رزق کے پیدا ہونے کا سبب یعنی بارش۔ اس تفسیر کی بنا اس مسلمہ پر ہے جو (ظاہر) شریعت میں آیا ہے کہ بارش آسمان سے نازل ہوتی ہے۔
بیضاوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ السّماء سے مراد ہے بادل اور رزق سے مراد ہے بارش یہ تشریح فلاسفہ کے خیال پر مبنی ہے کہ بارش بادل سے ہوتی ہے بیضاوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اسبابِ رزق مراد ہیں۔
یا رزق سے مراد ہے حصہ اور نصیب لُغت میں رزق کا یہی معنی ہے)
آیت مبارکہ میں آیا ہے وَیَجْعَلُوْنَ رِزْقَکُمْ اَنَّکُمْ تُکَذِّبُوْنَ یعنی تکذیب کرنے کو تم اپنا نصیب اور حصہ بنا رہے ہو۔ رزق کا اگر یہ معنی لیا جائے تو آیت وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ میں یا تو اللہ کی قدرت کی آفاقی اور انفسی نشانیاں مراد ہوں گی جیسے چاند، سورج، ستارے اور ان کی رفتارِ طلوع و غروب اور پھر ان سے پیدا ہونے والے مفید و مضر آثار اور موسموں کے اختلافات وغیرہ ، ان ارضی و سماوی آیات میں غور کرنا اور ان سے اللہ کی قدرت پر استدلال کرنا در حقیقت نیکو کار اہل ایمان ہی کا حصہ ہے۔ پھر اس استدلال اور فہم و دانش پر جس رحمت اور برکات کا اللہ کی طرف سے فیضان ہوتا ہے اور اہل عرفان پر جو تجلّیات کی بارش ہوتی ہے وہ بھی انہی محسنین موقنین کا نصیب ہے اور جن کے دلوں پر اور گوش ہوش پر اللہ نے مہر کردی ہے اور جن کی آنکھوں پر غفلت و جہالت کے پردے پڑے ہیں وہ بے نصیب ہیں اور فیضان و عرفان سے محروم ہیں۔ عارف رومی نے کہا ہے۔

گر نخواہد بے بدن جانِ تو زیست　　فی السّماء رزقکم روزی کیست

یا رزق سے مراد ہے روزی غذا جس سے جسم کی پرورش ہوتی ہے اس صورت میں آیت کے اندر اس امر پر تنبیہ ہوگی کہ تمہارا رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ آسمان پر لکھا ہوا ہے اس لئے اللہ ہی سے طلب کرو اور اسی کی اطاعت اور عبادت کرو اور خلوص کے ساتھ کرو۔ دکھاوٹ اور شہرت طلبی کی آمیزش تمہاری عبادت میں نہ ہونا چاہئے۔ اس تفسیر پر بھی آیت میں نیکو کار اہلِ ایمان کے خصوصی اوصاف کا اظہار اور ان کی مدح ہوگی کہ وہ رزق کے معاملہ میں بھی اللہ پر ہی بھروسہ رکھتے ہیں۔
وَمَا تُوْعَدُوْنَ بغوی نے لکھا ہے کہ عطاء کے نزدیک مَا تُوْعَدُوْنَ سے مراد ہے عذاب، ثواب۔ مجاہد کے نزدیک خیر و شر اور ضحاک کے نزدیک جنت، دوزخ۔
میں کہتا ہوں ان علماء کے یہ تینوں اقوال اس امر پر مبنی ہیں کہ خطاب کا رخ مؤمنوں کی طرف بھی ہو اور کافروں کی طرف بھی اور دونوں گروہوں کو مخاطب مانا جائے اس صورت میں آیت کا مطلب اس طرح ہوگا کہ تمہارا رزق اور وعدۂ ثواب و عذاب یا وعدۂ خیر و شر یا وعدۂ جنت و دوزخ آسمان میں لکھا موجود ہے ، یہ مطلب نہ ہوگا کہ خیر و شر اور ثواب و عذاب اور جنت و دوزخ آسمان میں ہیں کیونکہ یہ غلط ہے جنت آسمان پر ہے اور دوزخ زمین کے نیچے اس کی صراحت احادیث میں آچکی ہے لیکن اگر مخاطب صرف محسنین کو قرار دیا جائے تو اس تاویل کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ نیکو کاروں سے جنت اور ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے اور جنت آسمان میں ہے۔

فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿٢٣﴾ ع ١ پس قسم ہے آسمان ٢٣
و زمین کے رب کی بلاشبہ یہ بات (جو ذکر کی گئی یعنی قیامت، عذاب، ثواب، رزق، وعدہ، وعید وغیرہ) ایسے ہی حق ہیں جیسے تمہارا بولنا۔ ١٨
بغوی نے لکھا ہے یہ بات حق ہے جیسے تم بولتے ہو اور لا الٰہ الا اللہ کہتے ہو گویا نطق سے مراد بغوی کے نزدیک منطوق (بولا ہوا کلام) مراد ہے اس صورت میں اگر مخاطب صرف اہل ایمان کو قرار دیا جائے تو اہل ایمان عام طور پر اکثر لا الٰہ الا اللہ پڑھا ہی کرتے ہیں اور اگر خطاب کو عام مانا جائے تو جس طرح آدمی کا بات کرنا اور بولنا بدیہی ہے اسی طرح اسی کی طرف سے جو کچھ کہا گیا ہے وہ حق اور ناقابلِ شک ہے۔ جیسے عام طور پر کہا جاتا ہے یہ بات اتنی ہی سچی ہے جیسے اس وقت تمہارا میرے سامنے موجود ہونا یا تمہارا بولنا۔

اصمعی کا بیان ہے میں بصرہ کی جامع مسجد سے آرہا تھا سامنے سے ایک اعرابی آیا اور مجھ سے پوچھا تم کس قبیلے سے ہو میں نے کہا بنی اصمع سے بولا کہاں سے آرہے ہو میں نے کہا وہاں سے جہاں اللہ کا کلام پڑھا جاتا ہے۔ کہنے لگا مجھے بھی کچھ سناؤ میں نے سورت والذّٰریٰت تلاوت کی جب آیت وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ پر پہنچا تو اعرابی نے کہا بس کرو پھر خود اٹھ کر اپنی اونٹنی کے پاس گیا اس کو نحر کیا اور گوشت آنے جانے والوں کو بانٹ دیا اور پھر اپنی کمان اور تلوار توڑ دی اور منہ موڑ کر چلا گیا۔

اس کے بعد جب میں ہارون رشید کے ساتھ حج کو گیا اور مکہ مکرمہ میں گھومنے نکلا تو اچانک ایک آواز سنی کہ کوئی کمزور آواز سے مجھے پکار رہا تھا۔ میں نے منہ موڑ کر دیکھا تو وہی اعرابی تھا۔ میں قریب گیا تو اس نے سلام کیا اور وہی سورت (الذّٰریٰت) سنانے کی فرمائش کی جب میں نے پڑھ کر سنائی اور اسی آیت پر پہنچا تو اس نے ایک چیخ ماری اور بولا ہمارے رب نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا ہم نے اس کو حق پایا پھر کہنے لگا کیا اور کچھ آپ پڑھیں گے۔

میں نے اس سے آگے پڑھا فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ اعرابی نے یہ سنتے ہی ایک چیخ ماری اور کہا سبحان اللہ ربِّ جلیل کو کس نے غضب ناک کر دیا کہ اس نے قسم کھائی لوگوں نے اس کی بات کو سچ نہ جانا اور اس کو قسم کھانے پر مجبور کر دیا یہ الفاظ اس نے تین بار کہے اور یہی کہتے کہتے اس کی جان نکل گئی۔ مدارک

بلاغت کا تقاضا ہے کہ مخاطب کا انکار جس درجہ کا ہوتا ہے خبر دینے والا کلام کو اسی قدر تاکید کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ اللہ نے اس جگہ کلام کو انتہائی تاکید کے ساتھ بیان کیا، قسم کھائی، اِنَّ (تحقیقیہ) کا استعمال کیا، لام تاکید بھی ذکر کیا اور یہ بھی فرمایا کہ یہ بات حق ہے اور آخر میں حقانیتِ کلام کو نطقِ انسانی سے تشبیہ دی جو کھلی ہوئی محسوس حقیقت ہے۔ گویا اللہ کی طرف سے رزق کا جو وعدہ کیا گیا ہے انسان اس کا شدید منکر ہے اور روزی کمانے کے لئے انتہائی مشقتیں جھیلتا ہے حالانکہ اللہ نے فرما دیا ہے۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا اللہ نے انسان کو جس چیز کا مکلف کیا ہے اور ابدی ثواب و عذاب کو جس سے وابستہ کیا ہے آدمی اس کی طرف سے غافل ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿٢٤﴾ کیا ابراہیمؑ کے معزز مہمانوں کی حکایت آپ تک پہنچی ہے۔

وقف لازم

هَلْ اَتٰىكَ استفہام تقریری ہے یعنی ابراہیمؑ کے معزز مہمانوں کے واقعہ کی اطلاع آپ کے پاس پہنچ چکی ہے۔ اس جملہ میں عظمتِ واقعہ کی طرف اشارہ بھی ہے اور اس امر پر تنبیہ بھی ہے کہ وحی کے ذریعہ سے اس واقعہ کی اطلاع پہلے دی جا چکی ہے۔

حَدِيْثُ ضَيْفِ ضیف اصل میں مصدر ہے اس لئے اس کا اطلاق ایک پر بھی ہوتا ہے اور زیادہ پر بھی۔

بغوی نے لکھا ہے ان مہمانوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور عطاء نے فرمایا تین فرشتے تھے جبرئیلؑ، میکائیلؑ، اسرافیلؑ۔

محمد بن کعب نے کہا جبرئیلؑ اور ان کے ساتھ سات اور تھے کل آٹھ۔ ضحاک نو ہونے کے قائل ہیں مقاتل نے کہا بارہ فرشتے تھے سدی نے کہا گیارہ ملائکہ تھے امرد لڑکوں کی شکل میں جن کے چہرے چمکیلے (نورانی) تھے۔

الْمُكْرَمِيْنَ معزز یعنی پہچاننے سے پہلے حضرت ابراہیمؑ نے ان کی عزت کی تھی حضرت نے خود بنفسِ نفیس اور آپ کی بی بی نے ان کی خدمت کی تھی اور طعام مہمانی پیش کیا تھا پیغمبروں کا طریقہ ہی یہی ہے اور ہدایت یافتہ لوگوں کا یہی معمول ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ اپنے ہمسائے سے اچھا سلوک کرے (عربی میں جار کا اطلاق مہمان پر بھی ہوتا ہے اس لئے جار سے مراد ہمسایہ اور مہمان دونوں ہو سکتے ہیں۔ مترجم)

دوسری روایت میں آیا ہے اس کو چاہئے کہ اپنے ہمسایہ کو دُکھ نہ دے اور جو شخص اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو اپنے مہمان کی خاطر کرنی چاہئے اور جو شخص اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیئے کہ بھلائی کی بات کرے یا خاموش

رہے۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین ، واحمد والترمذی وابن ماجہ عن ابی ہریرۃؓ۔

حضرت ابو شریح کعبی کی روایت سے صحیحین میں حدیث مذکور اس طرح آئی ہے جو شخص اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ اپنے مہمان کی خاطر تواضع کرے۔ ایک دن رات کی میزبانی کرے اور انتہائی مہمانی تین روز تک ہے۔ اس کے بعد خیرات ہے اور مہمان کے لئے جائز نہیں کہ میزبان کے پاس اتنا ٹھیرے کہ وہ آخر نکال باہر کردے۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت سے آیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کون سا اسلام بہتر ہے (یعنی اسلام میں کون سا معاشرتی اور اخلاقی عمل بہتر ہے۔ مترجم) فرمایا کھانا کھلانا اور شناسائی ہو یا نہ ہو سب کو سلام کرنا۔

مُکرمین کہنے کی یہ وجہ بھی بیان کی گئی کہ اللہ کے نزدیک وہ مہمان معزز تھے کیونکہ وہ ملائکہ تھے اور ملائکہ کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے۔ بَلْ ھُمْ عِبَادٌ مُّکْرَمُوْنَ۔

اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ اور یہ قصہ اس وقت کا تھا جب وہ مہمان ابراہیمؑ کے پاس آئے اور سلام کیا ابراہیمؑ نے بھی جواب میں کہا سلام اور کہا تم لوگ انجان ہو۔

اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْهِ جب مہمان ابراہیمؑ کے پاس آئے۔

فَقَالُوْا سَلٰمًا پھر انہوں نے کہا ہم آپ کو سلام کرتے ہیں۔ ابراہیمؑ نے کہا تم پر بھی سلام ہو۔

حضرت ابراہیمؑ نے سلام یعنی بجائے جملہ فعلیہ کے جملہ اسمیہ بولا تاکہ دعاء سلامتی کسی خاص زمانہ کے ساتھ مخصوص نہ ہو بلکہ دوامی ہو اور فرشتوں نے جو سلام کیا تھا اس سے ابراہیمؑ کا جواب بہتر اور احسن ہو جائے اللہ نے فرمایا ہے۔

وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا ۝

جب تم کو سلام کیا جائے تو جواب میں تم اس سے بہتر سلام کرو یا ویسا جواب لوٹا دو۔

قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ یعنی تم اجنبی لوگ ہو ہم تم کو نہیں پہچانتے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا حضرت ابراہیمؑ نے اپنے دل میں کہا تھا، یہ اجنبی لوگ ہیں ہم ان کو نہیں پہچانتے۔

ابو العالیہ نے کہا اس شہر میں سلام کا دستور نہ تھا اس لئے حضرت ابراہیمؑ نے سلام میں غیریت محسوس کی۔ سلام تو اسلام کی علامت ہے۔

فَرَاغَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِیْنٍ ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَهٗۤ اِلَیْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾ پھر اپنے گھر کی طرف چلے اور ایک فربہ بچھڑا تلا ہوا لائے اور ان کے پاس رکھ کر کہنے لگے آپ کھاتے کیوں نہیں۔

فَرَاغَ یعنی فوری مہمانی کے لئے حضرت ابراہیمؑ گھر والی کے پاس گئے اور ایک بچھڑا بھون کر لائے حضرت ابراہیمؑ کا بڑا مال یہی مویشی گائے بیل تھے بچھڑا مہمانوں کے سامنے لا کر رکھا اور فرمایا کھاؤ لیکن انہوں نے کھانے کے لئے ہاتھ نہیں بڑھائے تو ابراہیمؑ نے کہا تم کھاتے کیوں نہیں۔

فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ ﴿۲۸﴾ جب انہوں نے نہ کھایا تو دل میں ان سے خوف زدہ ہوئے۔ مہمانوں نے کہا آپ اندیشہ نہ کریں اور ان کو ایک فرزند کی بشارت دی جو بڑا عالم ہوگا۔

فَاَوْجَسَ دل میں محسوس کیا......

خِیْفَةً خوف۔ جب حضرت ابراہیمؑ نے دیکھا کہ مہمان کھانے کی طرف مائل نہیں ہیں اور اعراض کر رہے ہیں تو دل میں اندیشہ پیدا ہوا کہ شاید یہ لوگ دشمن ہیں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا حضرت ابراہیمؑ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ ملائکہ ہیں ان کو عذاب کے لئے بھیجا گیا ہے۔

قَالُوْا لَا تَخَفْ مہمانوں نے کہا آپ کچھ اندیشہ نہ کریں ہم اللہ کے فرستادہ یعنی ملائکہ ہیں اللہ نے ہم کو بھیجا ہے۔

بِغُلٰمٍ غلام سے مراد ہیں حضرت اسحاقؑ۔

عَلِيْمٍ یعنی بالغ ہونے کے بعد اس لڑکے کو کمالِ علمی حاصل ہوگا۔

فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِیْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۰﴾ اتنے میں ان کی بی بی بولتی آئیں پھر ماتھے پر ہاتھ مارا اور کہنے لگیں اوّل تو بوڑھیا پھر بانجھ۔ فرشتے کہنے لگے تمہارے پروردگار نے ایسا ہی فرمایا ہے بلاشبہ وہ بڑی حکمت اور بڑے علم والا ہے۔

فَاَقْبَلَتْ اس کی بیوی آئی۔

فِیْ صَرَّةٍ چیختی ہوئی۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ آنے سے مراد انتقالِ مکانی یعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ آنا مراد نہیں ہے بلکہ (اَقْبَلَتْ کی حیثیت معاونِ فعل کی ہے) اس کا ترجمہ ہے لگی چیخنے، چیخنا شروع کیا۔ جیسے کہا جاتا ہے، اقبل یشتمنی وہ مجھے گالیاں دینے لگا۔ بہر حال فی صرہ محل نصب میں ہے۔ خواہ حال ہونے کی وجہ سے یا مفعولیت کی بناء پر۔

فَصَكَّتْ حضرت ابن عباسؓ نے ترجمہ کیا، اس نے اپنے ہاتھ سے اپنا منہ لپیٹ لیا۔ عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ کوئی غیر معمولی عجیب بات سن کر یا دیکھ کر منہ لپیٹ لیتی ہیں۔ بعض اہلِ روایت نے لکھا ہے، اس نے حیض کے خون کی حرارت محسوس کی اور شرم سے منہ لپیٹ لیا۔

وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ اور کہا کیا بوڑھی بانجھ عورت کے بچہ ہوگا۔ حضرت سارہ کی عمر اس وقت نوّے سال تھی اور کبھی بچہ نہیں ہوا تھا (بانجھ تھیں)۔

قَالُوْا كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ یعنی جو بات ہم نے کہی تیرے رب نے ایسا ہی فرمایا۔ ہم اللہ کی جانب سے تجھے خبر دے رہے ہیں۔

اَلْحَكِیْمُ یعنی صنعت میں حکیم ہے (اس کی صنعت پُر حکمت ہے)

اَلْعَلِیْمُ یعنی وہ ماضی کو بھی جانتا ہے اور مستقبل سے بھی واقف ہے اس لئے اس کا قول سچا اور فعل محکم ناقابلِ شکست ہے اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

"الحمد للہ" چھبیسواں ۲۶ پارہ ختم ہوا

ستائیسواں پارہ شروع

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿۳۳﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۴﴾ ابراہیمؑ کہنے لگے اے فرشتو یہ تو بتاؤ کہ تمہاری کیا بڑی مہم درپیش ہے فرشتوں نے کہا ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ہم ان پر کنکر پتھر برسائیں جن پر آپ کے رب کے پاس یعنی عالم غیب میں خاص نشانیاں ہیں حد سے گزرنے والوں کے لئے۔

فَمَا خَطْبُكُمْ یعنی تمہارے آنے کی کیا وجہ ہے کس کام سے تم کو بھیجا ہے۔

قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ یعنی قوم لوطؑ جو ایسے گندے افعال میں مبتلا تھی کہ اس سے پہلے کسی نے بھی ویسے گندے عمل نہیں کئے تھے۔ یہ لوگ لواطت کے بانی تھے، رہزن تھے، لٹیرے تھے اور عام جلسوں میں سب کے سامنے بے حیائی کے کام کرتے تھے۔ اللہ نے ان کی ہدایت کے لئے ان ہی کے ایک برادر وطن حضرت لوطؑ کو بھیجا لیکن قوم نے لوطؑ کی نبوت ماننے سے انکار کر دیا اور بولے اگر تو سچا ہے تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آ لوطؑ نے دعا کی اے میرے رب مجھے اس ظالم قوم سے محفوظ رکھ اور ان مفسدوں کے مقابلہ میں میری مدد کر اور فتح عنایت فرما۔ اللہ نے دعا قبول فرمائی اور ملائکہ کو ان بدکاروں کی ہلاکت کے لئے بھیج دیا۔

حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ یعنی کنکر۔ وہ مٹی جو منجمد ہو کر پتھر بن جاتی ہے۔

مُّسَوَّمَةً نشان دار، جس پتھر سے جس شخص کو ہلاک کرنے کا حکم تھا اس شخص کا نام اس پتھر پر مقرر تھا۔

لِلْمُسْرِفِيْنَ بدکاری میں حد سے بڑھے ہوئے لوگوں کے لئے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یعنی مشرکوں کے لئے کیونکہ شرک سب سے بڑا اور حد سے زیادہ گناہ ہے۔

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾ اور جتنے وہاں ایماندار تھے ہم نے ان کو وہاں سے علیحدہ کر دیا، سو بجز مسلمانوں کے ایک گھر کے اور کوئی گھر (مسلمانوں کا) ہم نے نہیں پایا۔

فِيْهَا قوم لوطؑ کی بستیاں ہیں۔ بستیوں کا ذکر اگرچہ پہلے نہیں کیا گیا لیکن رفتار کلام سے معلوم ہوتا ہے۔

الْمُؤْمِنِيْنَ یعنی لوطؑ پر ایمان لانے والوں میں سے۔ یعنی ملائکہ نے کہا، لوطؑ ہم تمہارے رب کے بھیجے ہوئے ہیں ان کی دست رس تم تک نہ ہو سکے گی تم کچھ رات رہے اپنے گھر والوں کو لے کر بستی سے نکل جاؤ تم میں سے کوئی منہ پھیر کر نہ دیکھے ہاں تمہاری بیوی منہ پھیر کر دیکھے گی اس لئے جو پتھر اوروں پر گریں گے اس پر بھی ویسا ہی پتھر آپڑے گا۔

غَيْرَ بَيْتٍ یعنی ایک گھر والوں کے سوا۔ اس سے مراد ہیں حضرت لوطؑ اور آپ کی بیٹیاں اللہ نے پہلے ان کو مؤمن فرمایا پھر مسلم کیونکہ ہر مؤمن مسلم ہوتا ہے۔

وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۳۷﴾ اور ہم نے اس واقعہ میں ہمیشہ کے لئے ایسے لوگوں کے لئے ایک عبرت رہنے دی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں۔ اٰيَةً یعنی وہ پتھر جو ان بستیوں پر گرائے گئے تھے یا وہاں جو پتھر تہ برتہ ہو کر ڈھیر ہو گئے تھے، یا بدبودار سڑا ہوا پانی۔

الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ سے مراد ہیں عبرت حاصل کرنے والے۔

وَفِيْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ اور موسیٰؑ کے واقعہ میں بھی عبرت ہے جب کہ ہم نے ان کو فرعون کے پاس ایک کھلی ہوئی دلیل یعنی معجزہ دے کر بھیجا۔

وَفِيْ مُوْسٰى اس کا عطف تَرَكْنَا پر ہے یعنی موسیٰؑ کو بھیجنے میں بھی ہم نے ایک نشانِ عبرت قائم کیا تھا جیسے محاورہ میں

کہا جاتا ہے وعلفتها تبناً وماء آبارداً یعنی بھوسہ میں نے اس جانور کو کھلایا اور ٹھنڈا پانی پلایا۔ بعض نے کہا اس کا عطف فِی الْاَرْضِ پر ہے مگر یہ غیر مناسب ہے۔ اول تو فِی الْاَرْضِ فِیْ مُوْسٰٓی سے دور ہے دوسرے اس سے اس کی کوئی مناسبت نہیں ہے۔

بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ کھلی ہوئی دلیل۔ یعنی معجزات جیسے عصا، ید بیضاء، قحط، سمندر میں راستے بنادینا وغیرہ۔

فَتَوَلّٰی بِرُکْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾ سو اس نے مع اپنی ارکانِ سلطنت کے سرتابی کی اور کہنے لگا کہ موسیٰ ساحر ہے یا مجنون ہے۔

فَتَوَلّٰی یعنی فرعون نے ایمان لانے سے اعراض کیا۔

بِرُکْنِهٖ یعنی اپنے جتھے اور لشکر کے ساتھ۔

وَقَالَ اور فرعون نے کہا کہ موسیٰ۔

سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ جادوگر ہے یا پاگل۔ ابو عبیدہ نے کہا اس جگہ اَوْ بمعنی وَاو ہے یعنی موسیٰ جادوگر اور پاگل ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ سے معجزات صادر ہوتے ہوئے دیکھ کر آپ کو جادوگر کہا اور چونکہ اس کی بیمار، کورِ بصیرت والی عقل میں موسیٰؑ کی دعوتِ توحید نہیں آتی تھی، اس لئے آپ کو پاگل کہنے لگا۔ حالانکہ محرومُ العقل خود تھا مترجم) اس کے دونوں کلاموں میں باہم تضاد تھا اگر موسیٰ مجنون تھے تو ساحر کیسے ہوگئے۔ ساحر تو دانشمند ہوتا ہے اور دانشمند تھے تو مجنون کیسے ہوئے۔ دانشمند کو تو مجنون نہیں کہا جاسکتا۔ (مترجم)

بیضاوی نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے معجزات کو دیکھ کر فرعون نے آپ کو آسیب زدہ سمجھا پھر سوچنے لگا کہ ان افعال کے اظہار میں موسیٰؑ کے اپنے اختیار اور کوشش کو دخل ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو یہ جادوگر ہے اور بے اختیار ہے تو پاگل ہے وہ فیصلہ نہ کرسکا کہ اظہارِ معجزات میں موسیٰؑ کے ارادے اور اختیار کو دخل ہے یا نہیں۔

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ وَهُوَ مُلِیْمٌ ﴿۴۰﴾ تو ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا اور اس نے کام ہی ملامت کا کیا تھا۔

فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ یعنی ہم نے ان کو دریا میں غرق کردیا۔

وَهُوَ مُلِیْمٌ یعنی کفر، تکبر اور حق سے عداوت جیسے قابلِ ملامت افعال کا مرتکب تھا اور مستحق ملامت تھا۔

وَفِیْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ ﴿۴۱﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ کَالرَّمِیْمِ ﴿۴۲﴾ اور عاد کے قصہ میں بھی عبرت ہے جب کہ ہم نے ان پر نامبارک آندھی بھیجی، وہ جس چیز پر سے گزرتی تھی اور اس چیز کو تباہ کرنے کا حکم ہوتا تھا اس کو ریزہ ریزہ خاک کی طرح کر کے چھوڑتی تھی۔

وَفِیْ عَادٍ یعنی قوم عاد کو ہلاک کردینے میں بھی ہم نے اپنی قدرت کی ایک نشانی چھوڑدی۔

الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ ایسی ہوا جس میں کوئی خیر و برکت نہ ہو، نہ بارش کو لے کر آئے نہ درختوں کو فائدہ پہنچائے۔

یہ ہوا پچھوا تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا پروا ہوا بھیج کر میری مدد کی گئی اور پچھوا ہوا سے قوم عاد کو ہلاک کیا گیا۔

کَالرَّمِیْمِ رمیم کا لفظ رَم سے مشتق ہے رَم کے معنی بوسیدہ فرسودہ اور ریزہ ریزہ ہوجانا۔ یعنی پچھوا ہوا جس چیز پر لگی اس کو راکھ بنادیا۔ سب کو جلاڈالا تباہ کردیا۔

وَفِیْ ثَمُوْدَ اِذْ قِیْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰی حِیْنٍ ﴿۴۳﴾ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ یَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾ اور ثمود کے قصہ میں بھی عبرت ہے جب کہ ان سے کہا گیا اور تھوڑے دن چین کرلو سو اس ڈرانے پر بھی ان لوگوں نے اپنی رب کے حکم سے سرتابی کی سو ان کو عذاب نے آپکڑا اور وہ اس عذاب کو دیکھ رہے تھے۔

وَفِیْ ثَمُوْدَ یعنی قوم ثمود کو ہلاک کرنے میں بھی ہم نے اپنی قدرت کی نشانی چھوڑی۔

اِذْ قِيلَ لَهُمْ یعنی جب انہوں نے اونٹنی کو قتل کر دیا تو حضرت صالحؑ نے ان سے کہا۔
تَمَتَّعُوا حَتّٰى حِيْنٍ یعنی اپنے گھروں میں صرف تین روز تک مزے اڑاتے رہو۔
فَعَتَوْا یعنی انہوں نے اپنے رب کے حکم کی تعمیل سے سر تابی کی اور صالحؑ پر ایمان لانے اور ان کے کہے پر چلنے سے غرور کے ساتھ گریز کیا۔
فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ یعنی تین دن گزرنے کے بعد صاعقہ نے ان کو آپکڑا۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے صاعقہ موت، ہر مہلک عذاب اور عذاب کی چیخ، اور صعق کا معنی ہے آواز کی کڑک۔
وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ یعنی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ اپنے گھروں کے اندر زمین سے چمٹ کر بیٹھ گئے۔
فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ﴿۴۵﴾ سو نہ تو کھڑے ہی ہو سکے اور نہ ہم سے بدلہ لے سکے۔
فَمَا اسْتَطَاعُوْا یعنی نزولِ عذاب کے بعد بھاگنے کے لئے کھڑے بھی نہ ہو سکے۔ قتادہؒ نے کہا زمین سے اٹھ بھی نہ سکے۔
وَمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ یعنی عذاب سے محفوظ نہ رہ سکے یا مُنْتَصِرِيْنَ کا معنی ہے انتقام لینے والے۔
وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۴۶﴾ اور اس سے پہلے قوم نوح کو ہم ہلاک کر چکے تھے۔ بلاشبہ وہ بڑے نافرمان لوگ تھے۔
مِنْ قَبْلُ یعنی قول لوط فرعون عاد اور ثمود سے پہلے۔
فٰسِقِيْنَ یعنی کفر و معاصی کے مرتکب ہونے کی وجہ سے وہ راہِ راست سے باہر نکل گئے تھے۔
وَالسَّمَاۗءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾
اور ہم نے آسمانوں کو اپنی قدرت سے بنایا اور ہم وسیعُ القدرت ہیں اور ہم نے زمین کو فرش کے طور پر بنایا سو ہم کیسے اچھے بچھانے والے ہیں۔
بِاَيْىدٍ قوت سے، قدرت سے۔
وَاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہم قدرت اور طاقت والے ہیں یہ لفظ "وسع" سے ماخوذ ہے اور وسع کے معنی ہے طاقت۔ اللہ نے فرمایا ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ ضحاک نے ترجمہ کیا ہم غنی ہیں، بے احتیاج ہیں۔ اللہ نے فرمایا ہے عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہم اپنی مخلوق کے لئے رزق کو وسیع کرنے والے ہیں۔ بعض علماء نے اس طرح ترجمہ کیا ہم آسمان و زمین کے درمیان وسعت کرنے والے ہیں۔
فَرَشْنٰهَا ہم نے زمین کو بچھایا تاکہ لوگ اس پر سکون سے رہ سکیں۔
وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾ اور ہم نے ہر چیز کو دو دو قسم بنایا تاکہ تم ان مصنوعات سے توحید کو سمجھو۔
زَوْجَيْنِ یعنی دو صنفین (نر و مادہ..... اچھا و برا..... اونچا و نیچا..... روشن و تاریک..... رات و دن..... متحرک و ساکن..... جامد و نامی..... عقلمند و بے وقوف..... عالم و جاہل وغیرہ مترجم)
میں کہتا ہوں دو صنفوں سے مراد ہیں متعدد (دو عدد مراد نہیں ہیں) اللہ نے ہر مخلوق کی ایک سے زیادہ قسمیں پیدا کی ہیں بلکہ ہر اکائی میں بھی دو زخ رکھے ہیں۔ اچھا برا معدوم بالذات واجب بالغیر، عاجز بالذات، قادر بالغیر (ہر ممکن اپنی ذات کے اعتبار سے معدوم ہے لیکن واجب بالغیر بھی ہے " الشیئ متیٰ لم یجب لم یوجد" مسلمہ مسئلہ ہے۔
اسی طرح ہر ممکن اپنی ذات کے لحاظ سے عاجز ہے ایسا کہ اپنے وجود میں بھی موجد کا محتاج ہے لیکن قادر بالغیر ہے، اس

کی قدرت عارضی اور عطا کردہ ہے اور عجز ذاتی۔ مترجم۔

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ تاکہ تم سمجھو اور جان لو کہ تعدد (اور دوئی مترجم) ممکنات کی خصوصیت ہے، واجب بالذات ہر تعدد اور انقسام سے پاک ہے، اس کا وجود بے ناقابلِ عدم اور اس کی قدرت ہے ہر کمزوری اور عجز سے پاک۔

فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ سو تم اللہ کی توحید کی ہی طرف دوڑو میں تمہارے سمجھانے کے لئے اللہ کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہو کر آیا ہوں۔ یعنی ممکنات کے احوال اور واجب کی خصوصیت کو سمجھنے اور جاننے کا تقاضا ہے کہ تم ہر چیز سے منہ موڑ لو اور بھاگو اور اللہ ہی کی طرف اپنا رخ کر لو۔ اسی کی محبت میں ڈوب جاؤ، اسی کے احکام کی تعمیل میں غرق ہو جاؤ تاکہ ہر نقص اور شر سے آزاد ہو جاؤ اور ہر خیر و سعادت کے حامل بن کر قرب و کمال کے زینہ پر چڑھتے چلے جاؤ۔

اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ یعنی میں اللہ کے عذاب سے تم کو ڈرا رہا ہوں، اللہ کی نافرمانی اور اس کے حکم سے سرکشی سے اللہ سے دوری ہوتی ہے اور اس کا غضب آتا ہے اور اس کے غضب کا نتیجہ عذاب کی شکل میں نازل ہوتا ہے۔

مُّبِيْنٌ یعنی اللہ کی طرف سے معجزات کی روشنی میں واضح طور پر ڈرانے والا ہوں یا مُبین کا معنی ہی کھول کر ڈرانے والا۔

وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اور خدا کے ساتھ کوئی اور معبود مت قرار دو، میں تمہارے واسطے اللہ کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔

یعنی واجبُ الوجود ہونے میں یا استحقاقِ معبودیت میں مقصودِ اصلی اور محبوبِ ذاتی ہونے میں کسی کو اس کا شریک مت بناؤ۔

اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ اس جملہ کا تکرار تاکید کے لئے ہے یا پہلے جملہ میں خواص کو حکم دیا گیا تھا کہ اللہ کے سوا نہ کسی دوسرے سے محبت کریں نہ اپنا رخ کسی اور کی طرف کریں اور اس جملہ میں عوام کو حکم دیا کہ شرک اور گناہوں سے اجتناب رکھیں۔ کلام کی رفتار بھی اسی مفہوم پر دلالت کر رہی ہے یعنی ہر چیز سے اگر تم فرار نہیں کر سکتے تو کم سے کم عبادت اور تعمیلِ احکامِ خداوندی میں تو کسی کو شریک نہ قرار دو۔

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝ اسی طرح جو کافر لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں ان کے پاس کوئی پیغمبر ایسا نہیں آیا جس کو انہوں نے جادوگر یا مجنون نہ کہا ہو۔ کیا اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے چلے آتے ہیں نہیں بلکہ یہ سب کے سب سرکش لوگ ہیں۔

كَذٰلِكَ یعنی آپ ﷺ کی امت کے کافروں کی جو حالت اور جو قول آپ ﷺ کے ساتھ ہے ایسا ہی گزشتہ پیغمبروں کے ساتھ ان کی کافر امتوں کا حال اور قول رہا ہے۔

اَتَوَاصَوْا بِهٖ یعنی کیا اگلے پچھلے کافر باہم اس بات کی وصیت کرتے چلے آئے ہیں۔

ہمزہ سوالیہ انکار اور تنبیہ کے لئے ہے۔

بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ باہم وصیت کرنے سے یہ اِضراب ہے۔ یعنی ان لوگوں نے ایک دوسرے کو نصیحت نہیں کی تھی۔ ہر امت کا زمانہ الگ الگ تھا۔ باہم فاصلہ بہت تھا بلکہ خود ہی یہ سب لوگ سرکش تھے ذاتی طغیان نے ہی ان سب کو سرکشی پر آمادہ کیا تھا۔ اس کلام میں رسول اللہ ﷺ کے لئے پیام تسلی ہے۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ۝ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ سو آپ ان کی طرف التفات نہ کیجئے آپ پر کسی طرح کا الزام نہیں اور سمجھاتے رہئے کیونکہ سمجھانا ایمان والوں کو بھی نفع دے گا۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ یعنی جب آپ بار بار ان کو دعوتِ اسلام دے چکے اور انہوں نے بغض و عناد کی وجہ سے اس کو قبول نہیں کیا تو اب ان سے جھگڑا نہ کیجئے ان کی طرف توجہ نہیں کیجئے۔

فَمَا اَنْتَ بِمَلُوْمٍ۔ جب آپ ﷺ ان کو بقدرِ امکان دعوت دے چکے اور اپنی طاقت کے موافق کوشش کر چکے تو اب ان کی طرف سے رخ گردانی اور اعراض سے آپ قابلِ ملامت نہیں قرار دیئے جاسکتے۔ ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن منیع، ابن راہویہ، ابن ہیثم بن کلیب نے بروایتِ مجاہد حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب آیت فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَا اَنْتَ بِمَلُوْمٍ نازل ہوئی تو ہم میں سے ہر شخص کو ہلاک ہونے کا یقین ہو گیا کیونکہ اللہ نے اپنے پیغمبر کو لوگوں کی طرف سے بے رخی اختیار کرنے کا حکم دے دیا اس کے بعد جب وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ نازل ہوئی تو ہم سب خوش اور مطمئن ہو گئے۔

ابن جریر نے لکھا ہے کہ قتادہ نے کہا ہم سے ذکر کیا گیا کہ جب آیت فَتَوَلَّ عَنْهُمْ نازل ہوئی تو صحابہؓ کو اس کا نزول بڑا شاق ہوا اور انہوں نے کہا اب وحی منقطع ہو گئی اور عذاب کا آنا یقینی ہو گیا اس پر اللہ نے وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى الخ نازل فرمائی۔ کذا ذکرا لبغوی قول المفسّرین۔

فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ یعنی اللہ نے جس کے لئے ایمان مقدّر کر دیا ہے اس کو آپ کی نصیحت سے ضرور فائدہ پہنچے گا خواہ کافروں کے لئے مفید نہ ہو اس لئے آپ نصیحت ضرور کریں۔ یا مطلب ہے کہ آپ نصیحت کرتے رہیں آپ کی نصیحت سے مؤمنوں کو ضرور فائدہ پہنچے گا ان کی بصیرت میں اضافہ ہوگا۔ (دل کی روشنی بڑھے گی)

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ اور میں نے جن اور انسان کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں ......

ایک شبہ :۔

ظاہر آیت کا اقتضا ہے کہ اللہ کی مراد یہی ہے کہ جن وانس اس کی اطاعت کریں اور فرماں بردار ہوں اور مرادِ خداوندی کے خلاف کچھ ہو نہیں سکتا پھر بہت سے جن وانس کیوں کفر و شرک کرتے ہیں اور کیسے نافرمان ہو سکتے ہیں۔

اس شبہ کو دور کرنے کے لئے حضرت علیؓ نے آیت کا تفسیری ترجمہ اس طرح کیا، میں نے جن وانس کو نہیں پیدا کیا مگر صرف اس لئے کہ ان کو اپنی عبادت کا حکم دوں یعنی اپنے احکام کا مکلّف بناؤں اسی مفہوم کو دوسری آیت میں بیان کیا اور فرمایا ہے وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اِلٰهًا وَّاحِدًا یعنی ان کو صرف ایک معبود کی عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کذ ذکرا لبغوی قول علیؓ

مجاہد نے لِيَعْبُدُوْنِ کا ترجمہ کیا لِيَعْرِفُوْنِ مجھے پہچانیں اور کافر بھی اللہ کے وجود کو تو پہچانتے ہی ہیں اللہ نے فرمایا وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ اگر آپ ان مشرکوں سے دریافت کریں کہ تم کو کس نے پیدا کیا تو کہیں گے اللہ نے۔

بعض علماء نے لِيَعْبُدُوْنِ کا ترجمہ کیا میرے سامنے عاجزی کریں، منقاد و مطیع بن جائیں۔ عبادت کا لغوی معنی ہے عاجز ہونا اور خضوع کرنا یہی معنی یہاں مراد ہے کافر ہو یا مؤمن ہر مخلوق فیصلۂ خداوندی کے سامنے عاجز ہے جس مقصد کے لئے جس کو پیدا کیا گیا ہے کوئی بھی اس سے سرتابی نہیں کر سکتا یہاں تک کہ خود بھی اپنی تخلیق کے مقصد سے خارج نہیں ہو سکتا۔

بعض اہل تفسیر نے کہا عبادت سے مراد ہے اقرارِ توحید یعنی اپنی توحید کے لئے تمام جن وانس کو پیدا کیا۔ مؤمن تو ہر دکھ سکھ اور تکلیف وراحت میں تنہا اللہ کو پکارتا ہی ہے۔ لیکن کافر پر بھی جب ناقابل تدبیر دکھ آتا ہے تو وہ خدا ہی کو پکارتا ہے اللہ نے فرمایا ہے وَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ۔ صاحب مدارک نے کہا ہے سارے کافر بھی آخرت میں توحید کا اقرار کر لیں گے۔ اللہ نے فرمایا ہے ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّا اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ اگر کفار دنیا میں توحید کے منکر ہوں تب بھی یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ توحید کے لئے ان کو پیدا کیا گیا ہے کیونکہ قیامت کے دن تو توحید کا اقرار سب ہی کر لیں گے۔

میں کہتا ہوں صحیح قول حضرت علیؓ کا ہے باقی دوسرے اقوال کمزور ہیں۔ معترضین نے اپنے شبہ کو قوت پہنچانے کے لئے ایک آیت اور ایک حدیث بھی نقل کی ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ہم نے جہنم

کے لئے بہت سے جن وانس کو پیدا کیا ہے۔
حدیث مبارک ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کُلٌّ مُیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَہٗ ہر ایک کے لئے وہ کام آسان کر دیا جاتا ہے یعنی اسی کام کی توفیق دی جاتی ہے جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔
کلبی ضحاک اور سفیان ثوریؒ نے اعتراض مذکور سے بچنے کے لئے کہا کہ آیتِ مذکورہ میں خاص افراد یعنی کامل اطاعت والے جن وانس مراد ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کی قرأت سے اس تفسیر کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی قرأت اس طرح ہے۔ مَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ ط
میرے نزدیک آیت کا تفسیری صحیح مطلب اس طرح ہے۔ میں نے جن وانس کو یعنی تمام جن وانس کو عبادت کرنے کے قابل پیدا کیا یعنی ہر شخص میں اداء عبادت کی صلاحیت اور استعداد پیدا کر دی۔ اس تفسیر کی تائید صحیحین کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا لیتے ہیں جیسے جانور کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے کیا تم کسی چوپائے کو ناک کان کٹا پیدا ہوتا دیکھتے ہو پھر حضور ﷺ نے آیت فِطْرَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ تلاوت فرمائی۔ رواہ ابوہریرہؓ۔ یہ تاویل حضرت علیؓ کی تفسیر کے مناسب ہے۔ اس آیت کا مقتضیٰ کافروں کی مذمت ہے کہ ان کو فطرتِ سلیمہ عطا کی گئی مگر انہوں نے اصل فطرت کو ضائع کر دیا۔

مَآ اُرِیْدُ مِنْھُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِیْدُ اَنْ یُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ ﴿۵۸﴾

میں ان سے مخلوق کو رزق رسانی کی درخواست نہیں کرتا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کچھ کھلایا کریں اللہ خود ہی سب کو رزق دینے والا، مضبوط، قوت والا ہے۔
مَا اُرِیْدُ مِنْھُمْ مِّنْ رِّزْقٍ الخ مقصد یہ ہے کہ اللہ کا اپنے بندوں سے تعلق ایسا نہیں ہے جیسے دوسرے آقاؤں کا اپنے غلاموں کے ساتھ ہوتا ہے۔ آقا چاہتے ہیں کہ ان کے غلام ان کو کما کر کھلائیں۔ ان کے مالک ہونے کی یہی غرض ہوتی ہے کہ ان کے ذریعہ سے کمائی کرائیں اور خود لے لیں۔ اللہ کی شان اس سے بہت بلند ہے۔
بعض اہل تفسیر نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ میں بندوں سے یہ نہیں چاہتا کہ وہ دوسروں کو یا خود اپنے آپ کو رزق پہنچائیں یا میری مخلوق میں سے کسی کو کھانا کھلائیں۔ اس مطلب پر ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ نے طعام کی نسبت اپنی طرف کی ہے اور فرمایا ہے میں نہیں چاہتا کہ وہ مجھے کھانا کھلائیں اور یہ نہیں فرمایا کہ میں نہیں چاہتا وہ میری مخلوق میں سے کسی کو کھانا کھلائیں۔
اس شبہ کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ مخلوق اللہ کی عیال ہے جو اللہ کی عیال کو کھانا دیتا ہے وہ گویا خدا کو دیتا ہے۔ ایک حدیث مبارک میں آیا ہے، اللہ فرمائے گا اے آدم کے بیٹے میں نے تجھ سے کھانا مانگا پر تو نے مجھے کھانا نہیں دیا۔ بندہ کہے گا اے میرے رب میں تجھے کھانا کیسے دیتا تو تو رب العالمین ہے۔ اللہ فرمائے گا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا پر تو نے اس کو نہیں کھلایا اگر تو اس کو کھانا دے دیتا تو مجھے اس کے پاس موجود پاتا۔ رواہ مسلم من حدیث ابی ہریرۃؓ۔
اس حدیث کی دوسری روایت میں اتنا اور بھی آیا ہے میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہیں کی میں نے تجھ سے پانی مانگا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔
میں کہتا ہوں اس قول میں خدا کی طرف رزق کی نسبت مجازی ہے اور مخلوق کو رزق دینا مبنی بر حقیقت ہے اور اس صورت میں آیت کا معنی صحیح نہ ہوگا۔ اس پر یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ اللہ نے سب لوگوں کو غریبوں کے لئے اداءِ زکوٰۃ کا حکم دیا ہے اور یہ بھی حکم دیا ہے کہ خود بھی کھاؤ اور اہل و عیال کو بھی کھلاؤ۔ اور جن لوگوں کا خرچ تم پر واجب ہو ان کو بھی دو۔ جب یہ بات ہے تو پھر یہ قول کیسے صحیح ہوگا کہ میں نہیں چاہتا کہ لوگ میری مخلوق کو کھلائیں۔ اس اعتراض کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ زکوٰۃ کو

واجب کرنے کا اصل مقصد تعمیلِ حکم اور فعلِ ادا ہے رزق پہنچانا اصل مقصد نہیں ہے اس لئے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نابالغ بچے اور دیوانے کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ادا کے اہل نہیں ہیں لیکن یہ جواب درست نہیں ہے عشر، خراج، باپ اولاد اور بیوی کے تمام مصارف کا اصل مقصد ہی ہے بندگانِ خدا کو رزق پہنچاتا ہے اس لئے ان مصارف میں نیابت جاری ہوتی ہے اور بچہ کے ولی کے ادا کرنے سے یہ واجبات ادا ہو جاتے ہیں۔

ھُوَ الرَّزَّاقُ یعنی ساری مخلوق کو اللہ ہی رزق پہنچانے والا ہے اور خود رزق سے بے نیاز ہے۔

ذُو الْقُوَّۃِ رزق پہنچانے پر بلکہ اپنی ہر مراد پر بڑی قدرت رکھنے والا ہے۔

الْمَتِیْنُ بڑی قدرت والا۔

بعض علماء نے آیت مذکورہ میں لفظ "قُلْ" کو محذوف قرار دیا ہے اور مطلب اس طرح بیان کیا ہے۔ اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ میں لوگوں سے رزق کا طلب گار نہیں ہوں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ لوگ مجھے کھانا کھلائیں آیت لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اسی مضمون کی تائید کر رہی ہے۔

٭ ایک شبہ ٭

مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ رسول اللہ ﷺ کا کلام نہیں ہو سکتا اس لئے "قُلْ" صیغۂ خطاب محذوف نہیں ہو سکتا۔

٭ازالہ٭

عام محاورہ ہے کہ بادشاہ اپنے قاصد سے کہتا ہے تم جا کر کہہ دو کہ میں تم کو فلاں کام کا حکم دیتا ہوں۔ سفیر جا کر یہی کہہ دیتا ہے کہ میں تم کو فلاں کام کا حکم دیتا ہوں یہ حقیقت میں بادشاہ کے قول کی نقل ہوتی۔ سفیر اپنی طرف حکم دینے کی نسبت نہیں کرتا۔

فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿٥٩﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿٦٠﴾ سو ان ظالموں کی (سزا کی) بھی باری (علمِ الٰہی میں) مقرر ہے جیسے ان کے گذشتہ ہم مشربوں کی (سزا کی) باری مقرر تھی سو مجھ سے (عذاب) جلدی طلب نہ کریں۔ ع ۳

ظَلَمُوْا یعنی شرک و معاصی کا ارتکاب کر کے اور فطرتِ سلیمہ کو ضائع کر کے اور بجائے عبادت کے جس کا ان کو مکلف کیا گیا تھا اور جس کی تخلیقی صلاحیت ان کو دی گئی تھی کفرانِ نعمت کر کے انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔

ذَنُوْبًا عذاب کا ایک حصہ ذنوب کا لغوی معنی ہے بڑا ڈول مجازاً مراد ہوتا ہے پانی کا وہ حصہ جو ڈولوں سے پانی پلانے والے باہم تقسیم کر کے لے لیتے ہیں۔ زجاج نے کہا ہے ذنوب کا لغوی (حقیقی) معنی ہے حصہ۔

مِثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ اصحابہم سے مراد ہیں گذشتہ کافر قومیں جیسے عاد، ثمود، قوم فرعون، قوم لوط، قوم نوح وغیرہ۔

فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ یعنی جب کافروں کے متعلق آپ نے میری وعید سن لی تو وہ آپ کی تسلی کے لئے کافی ہے اس لئے کافروں کو عذاب جلد دینے کی مجھ سے مسلمان درخواست نہ کریں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کافروں نے جو کہا تھا مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اللہ نے اس کا یہ جواب دے دیا۔ اس صورت میں یہ خطاب کافروں کو ہوگا۔

يَّوْمِهِمُ سے مراد ہے روزِ قیامت، بعض کے نزدیک یوم بدر مراد ہے۔

الحمد للہ۔

٭ سورۃ الذاریات کی تفسیر کا ترجمہ ختم ہوا۔ فشکر اللہ من قبل و من بعد٭

سورۃ الطور

یہ سورۃ مکی ہے اس میں ۴۹ آیات اور دو رکوع ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

وَالطُّوْرِ ۝١ طور کی قسم۔ سریانی زبان میں طور پہاڑ کو کہتے ہیں اس جگہ طور سینا مراد ہے یہ مدین کا ایک پہاڑ ہے جہاں حضرت موسیٰؑ نے اللہ کا کلام سنا تھا۔

وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝٢ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝٣ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۝٤ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۝٥ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝٦ اور اس کتاب کی قسم جو کھلے ہوئے کاغذ پر لکھی ہوئی ہے اور بیت المعمور کی قسم اور سمندر کی قسم جو (پانی سے) پر ہے۔

سطر لکھے ہوئے حروف کی ترتیب یہاں سطر سے مراد مکتوب ہے۔

رَقٍّ (ہرن وغیرہ کی) کھال جس پر لکھا جاتا ہے مجازاً ہر وہ چیز جس پر کچھ تحریر کیا جائے (جو لکھنے کے کام میں آئے مثلاً کاغذ وغیرہ)

مَنْشُوْرٍ پڑھنے کے لئے پھیلائی ہوئی کھولی ہوئی اس سے لوح محفوظ مراد نہیں ہے کیونکہ رق منشور میں مکتوب ہونا اس کتاب کی صفت بیان کی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ لوح محفوظ ایسی نہیں ہے اس لئے بعض اہل تفسیر کے نزدیک قرآن مجید مراد ہے یا ہر وہ کتاب مراد ہے جس میں احکام شرعی مرقوم ہوں۔ کلبی نے کہا وہ توریت مراد ہے جو اللہ نے اپنے دست قدرت سے حضرت موسیٰؑ کے لئے لکھی تھی اور موسیٰؑ نے قلم الٰہی کے چلنے کی آواز بھی سنی تھی۔ توریت مراد لینا لفظ طور سے مناسبت رکھتا ہے (طور پر ہی حضرت موسیٰ کو توریت دی گئی تھی) بعض کے نزدیک کراماً کاتبین کے لکھے ہوئے اعمالنامے مراد ہیں جو کھلی ہوئی تحریر کی شکل میں ہر شخص کے سامنے لائے جائیں گے۔

اَلْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ کعبہ کی بالکل سیدھ میں ساتویں آسمان پر ایک عبادت خانہ ہے جس کو صراح کہا جاتا ہے آسمان پر اس کی ایسی ہی تعظیم کی جاتی ہے جیسی زمین پر کعبہ کی۔

مسلم نے حضرت انسؓ کی روایت سے حدیث معراج میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ساتویں آسمان پر میں نے ابراہیمؑ کو دیکھا جو بیت معمور سے اپنی پشت لگائے ہوئے تھے بیت معمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے (عبادت کے لئے) داخل ہوتے ہیں جو دوبارہ (کبھی) نہیں آتے۔ بغوی کی روایت ہے وہ بیت معمور کا طواف کرتے ہیں اور اس کے اندر نماز پڑھتے ہیں پھر لوٹ کر دوبارہ کبھی نہیں آتے (ہر وقت) ملائکہ اس پر چھائے رہتے ہیں (یعنی نئے نئے ملائکہ آتے رہتے ہیں) بیضاوی نے لکھا ہے بیت معمور سے کعبہ مراد ہے حج و اعتکاف کرنے والوں سے کعبہ معمور (آباد) ہے یا مؤمن کا دل مراد ہے جس کی آبادی معرفت اور اخلاص سے ہوتی ہے۔ السَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ اس سے مراد آسمان ہے اللہ نے فرمایا ہے وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّرْفُوْعًا۔

اَلْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ قاموس میں ہے سجرا التنور تنور کو گرم کر دیا۔ سجرا النھر نہر کو بھر دیا۔ محمد بن کعب اور

ضحاک نے کہا البحر المسجور وہ سمندر جس کو آگ کی طرح بھڑکایا اور گرم کیا جائے گا جیسے گرم کیا ہوا تنور۔ حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تمام سمندروں کو آگ بنا دے گا جس سے دوزخ کی آگ میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔

بیہقی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سوائے مجاہد اور حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے کے اور کوئی شخص سمندر میں سفر نہ کرے کیونکہ سمندر کے نیچے آگ ہے یا (فرمایا) آگ کے نیچے سمندر ہے۔

حضرت یعلی بن امیہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سمندر جہنم ہے۔

ابوالشیخ نے العظمۃ میں اور بیہقی نے بطریق سعید بن میتب بیان کیا کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب نے فرمایا میں نے فلاں شخص سے زیادہ سچا کسی یہودی کو نہیں دیکھا اس نے (مجھ سے) کہا تھا کہ اللہ کی عظیم ترین آگ سمندر ہے (یعنی سمندر عظیم ترین آگ بن جائے گا) جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ اس میں سورج اور چاند اور ستاروں کو جمع کر دے گا (یعنی سب کو سمندر میں پھینک دے گا) پھر پچھوا ہوا بھیج کر اس کو بھڑکائے گا اس طرح سارا سمندر جہنم کی آگ بن جائے گا۔

کلبی نے کہا مسجور کا معنی ہے بھرا ہوا، عرب کہتے ہیں شجرتُ الْاِنَاء میں نے برتن بھر دیا۔ حسنؒ قتادہ اور ابوالعالیہ نے مسجور کا ترجمہ کیا خشک جس کا پانی سوکھ جائے گا۔

ربیع بن انس نے کہا شیریں اور شور کا مخلوط (یعنی میٹھا اور نمکین سمندر سب مخلوط ہو جائیں گے اسی مجموعے کو بحر مسجور کہا گیا ہے) ضحاک نے بحوالہ نزال بن سبرہ بیان کیا کہ حضرت علیؓ نے فرمایا بحر مسجور عرش کے نیچے ایک سمندر ہے اس کی گہرائی اتنی ہے جتنا سات آسمانوں کا سات زمینوں سے فاصلہ، اس میں گاڑھا پانی بھرا ہوا ہے اس سمندر کو بحر حیوان (بحر حیات) کہا جاتا ہے۔ پہلا صور پھونکا جانے کے بعد چالیس صبح اس سے مخلوق پر بارش ہوگی جس سے لوگ اپنی اپنی قبروں میں (غلہ کے دانوں کی طرح) اگیں گے مقاتل کا بھی یہی قول ہے۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ﴿٧﴾ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ﴿٨﴾ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ﴿٩﴾ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ﴿١٠﴾ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١١﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ﴿١٢﴾

کہ بلاشبہ آپ کے رب کا عذاب ضرور ہو کر رہے گا کوئی اس کو ٹال نہیں سکتا (یہ اس روز ہوگا) جس روز آسمان تھر تھرانے لگے گا اور پہاڑ (اپنی جگہ سے) ہٹ جائیں گے سو اس روز تباہی ہوگی ان لوگوں کو جو جھٹلانے والے ہیں اور جو اس (تکذیب کے) مشغلہ میں بیہودگی کے ساتھ لگ رہے ہیں۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ یعنی کافروں پر اللہ کا عذاب ضرور آئے گا۔ حضرت جبیر بن مطعمؓ کا بیان ہے میں بدر کے قیدیوں کے متعلق بات چیت کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدینہ میں آیا مجھے جس وقت آپ کے پاس لے جایا گیا اس وقت آپ مغرب کی نماز پڑھ رہے تھے اور آواز مسجد سے باہر آ رہی تھی میں نے سنا آپ نے سورۂ طور مَا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ تک پڑھی تھی جونہی آپ نے مَا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ پڑھا میرا دل (خوف سے) پھٹنے لگا اس وقت تک میں مسلمان نہیں ہوا تھا۔ آیت سنتے ہی نزولِ عذاب کے خوف سے فوراً مسلمان ہو گیا۔ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اس جگہ سے اٹھنے سے پہلے (مجھ پر) عذاب آ جائے گا۔

يَوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ یعنی آسمان چکی کی طرح گھومے گا۔ قتادہ نے ترجمہ کیا جس روز آسمان حرکت کرے گا۔ عطاء خراسانی نے کہا آسمان کے بعض اجزاء بعض میں درآمد برآمد کریں گے بعض اہل تفسیر نے ترجمہ کیا آسمان تھر تھرائے گا۔ لغت میں مَوْر کے یہ سب معانی آئے ہیں آنا، جانا، گھومنا، لرزنا، تھر تھرانا، کذافی القاموس۔

آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ زمین اور پہاڑوں کی طرح آسمان ساکن ہے متحرک نہیں ہے فلاسفہ آسمان کو متحرک کہتے ہیں۔

تَسِيْرُ الْجِبَالُ یعنی پہاڑ چل کر خاک کی طرح ہوا میں اڑیں گے۔
فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ یعنی جس روز عذاب واقع ہو گا اور اس کو دفع کرنے والا کوئی نہ ہو گا اس روز ان لوگوں کی کم بختی اور خرابی ہو گی جو عذاب قیامت کو جھٹلاتے تھے اور غفلت میں پڑے ہوئے بیہودگیوں میں مشغول تھے۔
يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ۱۳ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۱۴
اَفَسِحْرٌ هٰذَآ جس روز جہنم کی آگ کی طرف ان کو دھکے دے کر لے جایا جائے گا (اور ان سے کہا جائے گا) یہ وہ آگ ہے جس کی تم تکذیب کرتے تھے تو کیا یہ جادو ہے۔
يَوْمَ يُدَعُّوْنَ دَعٌّ سختی کے ساتھ دھکے دینا۔ جہنم کے کارندے کافروں کے ہاتھ گردن سے باندھ کر پیشانیوں کو (جھکا کر) قدموں سے ملا کر منہ کے بل دھکے دے کر دوزخ کی طرف لے جائیں گے۔ جب دوزخ کے پاس پہنچ جائیں گے تو کہیں گے یہ وہی آگ ہے جس کا تم انکار کرتے تھے تو کیا یہ جادو ہے۔ اَفَسِحْرٌ میں استفہام انکاری توبیخی ہے اور ف تعقیبی ہے یعنی دنیا میں تم وحی اور معجزات کو سحر کہتے تھے اب حقیقت سامنے آگئی تو کیا تمہارے خیال میں یہ بھی جادو ہے۔
اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۱۵ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ
سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۱۶ یا یہ کہ (اب بھی) تم کو نظر نہیں آتا اس میں داخل ہو جاؤ پھر اس کی سہار کرو یا نہ کرو تمہارے حق میں دونوں برابر ہیں جیسا تم کرتے تھے ویسا ہی تم کو بدلہ دیا جائے گا۔
اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ یعنی کیا تم کو یہ آگ دکھائی نہیں دیتی جس طرح تم کو دنیا میں معجزات دکھائی نہیں دیتے تھے اور تم کہتے تھے ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے۔
سَوَآءٌ مصدر بمعنی اسم فاعل ہے یعنی دونوں چیزیں تمہارے لئے برابر ہیں تمہارے اعمال کی سزا تو ضرور ملنی ہے کفر کی سزا کی وعید اللہ کی طرف سے تم کو مل چکی تھی اور کفر کی سزا بھی اللہ کی واجب کردہ ہے (اس لئے نہ وعید کی خلاف ورزی ہو سکتی ہے نہ اللہ کی مقرر کردہ سزا بدل سکتی ہے)
اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ۱۷ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ
الْجَحِيْمِ ۱۸ متقی لوگ بلاشبہ بہشت کے باغوں اور سامانِ عیش میں ہوں گے اور جو چیزیں ان کے رب نے ان کو دی ہوں گی ان سے وہ خوش دل ہوں گے اور ان کا رب دوزخ کے عذاب سے ان کو محفوظ رکھے گا۔
جَنّٰتٍ اور نَعِيْمٍ میں تنوین تعظیم ہے یعنی عظیم الشان جنتیں اور عالی قدر بڑی راحتیں۔
فٰكِهِيْنَ راحت کے مزے اڑانے والے لذّت یاب۔
بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ مَآ اٰتٰى میں ابہام ہے عطاء کی تفصیل نہیں ہے۔ یہ ابہام بجائے خود عظمتِ عطاء پر دلالت کر رہا ہے پھر دینے کی نسبت رب کی طرف کی گئی ہے جس سے نعمت کی عظمت اور بڑھ گئی۔ جیسا عظیم الشان دینے والا اسی کے مناسب عظیم الشان نعمت۔
كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔۢا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۱۹ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ۲۰
خوب کھاؤ پیو مزہ کے ساتھ اپنے اعمال کے بدلہ میں وہ تکیہ لگائے ہوئے برابر برابر بچھائے ہوئے تختوں پر ہوں گے اور ہم کشادہ چشم گوریوں (یعنی حوروں سے ان کا جوڑ لگا دیں گے)۔
كُلُوْا وَاشْرَبُوْا یعنی ان سے کہا جائے گا کہ کھاؤ اور پیو۔
هَنِيْٓـًٔا خوشگواری کے ساتھ کھاؤ پیو یا خوشگوار کھانا کھاؤ اور خوشگوار مشروب پیو (اول صورت میں هَنِيْٓـًٔا مفعول مطلق ہو گا اور دوسری صورت میں محذوف مفعول بہ کی صفت)

ہَنِیْئًا اس چیز کو کہتے ہیں جس کے کھانے پینے میں کوئی دشواری نہ ہو اور کھانے کے بعد معدے میں ناگواری نہ ہو۔

بِمَا کُنْتُمْ الخ اپنے اعمال کے سبب یا اپنے اعمال کے بدلے میں۔

زَوَّجْنٰھُمْ ماضی بمعنی مستقبل ہے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْھُمْ ذُرِّیَّتُھُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ وَمَآ اَلَتْنٰھُمْ مِّنْ عَمَلِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ ط اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کا ساتھ دیا ہم ان کی اولاد کو بھی (درجہ میں) ان کے ساتھ شامل کر دیں گے اور ان کے عمل میں سے بھی کچھ کم نہیں کریں گے۔

ذُرِّیَّتُھُمْ ذرّیّت کا اطلاق واحد پر بھی ہوتا ہے اور زیادہ پر بھی۔

بِاِیْمَانٍ تنوین تنکیر یہ بتا رہی ہے کہ (درجہ میں) شامل کرنے کے لئے صرف ایمان کافی ہوگا بلکہ ایمانِ حکمی بھی الحاق کے لئے کافی ہے جیسے بچہ کا ایمان اور جنون کی حالت حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ مؤمنوں کی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کے لئے ان کی اولاد کا درجہ اونچا کر دے گا۔ خواہ ان کی اولاد درجہ میں ان سے کم ہو۔ پھر آپ نے یہی آیت پڑھی۔ رواہ الحاکم والبیہقی فی السنن والبزار وابو نعیم فی الحلیۃ وابن المنذر وابن جریر وابن ابی حاتم۔

حضرت علیؓ راوی ہیں کہ ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے ان دو بچوں کے متعلق دریافت کیا جو جاہلیت (اسلام سے پہلے) کے زمانے میں مر چکے تھے۔ فرمایا وہ دونوں دوزخ میں ہوں گے جب اس بات سے حضرت خدیجہؓ کے چہرے پر ناگواری کے آثار حضور ﷺ نے ملاحظہ فرمائے تو ارشاد فرمایا اگر تم بھی ان کی جگہ (یا حالت) کو دیکھ لوگی تو ان سے نفرت کرو گی۔ حضرت خدیجہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میری جو اولاد آپ سے تھی اس کا کیا ہوگا۔ فرمایا وہ جنت میں ہوگی۔ پھر فرمایا مؤمن مرد اور ان کی اولاد جنت میں ہوگی اور مشرک مرد اور ان کی اولاد دوزخ میں۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے آیت وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْھُمْ ذُرِّیَّتُھُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ تلاوت فرمائی رواہ عبداللہ بن احمد فی الزوائد اس روایت میں بعض راوی مجہول ہیں اور سلسلۂ سند بھی متصل نہیں ہے۔

فصل

حدیث مذکور سے ثابت ہوتا ہے کہ مشرکوں کے بچے دوزخ میں ہوں گے مگر صحیح یہ ہے کہ مشرکوں کے بچے جنت میں ہوں گے۔ رہی حدیث مذکور تو اس کی روایت میں انقطاع ہے اور بعض راوی مجہول بھی ہیں۔

امام احمد نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے مشرکوں کے بچوں کے بارے میں دریافت کیا۔ فرمایا اگر تم چاہو تو میں دوزخ کے اندر ان کی چڑھائی (کی آواز) تم کو سنوا دوں۔ اس حدیث کی سند میں بہت ہی ضعف ہے۔ بعض نے کہا مشرکوں کے بچوں کے متعلق یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ عبدالبر نے ضعیف سند سے حضرت عائشہؓ ہی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے مشرکوں کی اولاد کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا فرمایا وہ اپنے آباء سے ہیں (یعنی باپوں کے حکم میں ہیں) کچھ مدت کے بعد حضرت خدیجہؓ نے پھر دریافت کیا تو فرمایا اللہ ہی کو بخوبی معلوم ہے کہ وہ (زندہ رہتے تو) کیا کرتے۔ کچھ مدت کے بعد پھر یہی سوال کیا تو آیت وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی نازل ہوئی تو حضور نے فرمایا وہ فطرتِ اسلام پر ہوں گے یا فرمایا جنت میں ہوں گے۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے نسلِ انسانی کے ان (بچوں) کے متعلق مانگ کی جو کھیلنے والے ہوں اللہ نے مجھے وہ عطا فرما دیئے (یعنی ان کو جنتی بنا دیا) ابن عبدالبر نے کہا کھیلنے والوں سے مراد ہیں بچے کیونکہ ان کے کام بے عقلی کے کھیل کود کی طرح ہوتے ہیں عزم کے ساتھ نہیں ہوتے۔ ابن جریر نے لکھا ہے کہ حضرت سمرہؓ نے فرمایا ہم نے رسول اللہ ﷺ سے مشرکوں کے بچوں کے متعلق دریافت کیا فرمایا وہ جنت والوں

کے خادم ہوں گے۔ ابن جریر نے ایسی ہی حدیث حضرت ابن مسعودؓ سے موقوفاً بھی بیان کی ہے طیالسی نے حضرت انسؓ کی روایت سے اسی کی ہم معنی حدیث نقل کی ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ مشرکوں کے بچوں کی جانچ کی جائے گی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا اللہ ہی کو علم ہے کہ وہ (جوان ہو کر کیا کرنے والے ہوتے) متفق علیہ من حدیث ابی ہریرہؓ۔

مَآ اَلَتْنٰهُمْ یعنی ان کے باپوں کے اعمال کے ثواب میں ہم کوئی کمی نہیں کریں گے۔ مطلب یہ کہ مؤمن اولاد کو ان کے باپوں کے ساتھ شامل کر دینے اور درجہ میں ان کے ساتھ ملا دینے سے ان کے آباء کے اعمال کے ثواب میں کمی نہیں ہوگی۔

مؤمن اور اس کی مؤمن اولاد کا حکم تو آیتِ مذکورہ سے معلوم ہو گیا۔ رہے بدکار لوگ تو ان کی حالت اگلی آیت میں بیان فرمائی گئی ہے۔

كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ ﴿۲۱﴾ ہر شخص اپنے (کفریہ) اعمال میں محبوس ہوگا۔

مقاتل نے کہا ہر شخص سے مراد ہے ہر کافر یعنی ہر کافر اپنے عمل شرک کی پاداش میں دوزخ کے اندر محبوس ہوگا۔ اس کی یہ سزا دوسرے کو نہیں پہنچے گی۔ لہٰذا کافر اور فاسق کے ساتھ اس کی اولاد کو بغیر عمل کے شامل نہیں کیا جائے گا۔

وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۲﴾ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿۲۳﴾

اور ہم ان کو میوہ اور گوشت جس قسم کا ان کو مرغوب ہو روز افزوں دیتے رہیں گے اور وہ آپس میں (خوش طبعی کے طور پر) شراب بھرے پیالوں کی چھینا جھپٹی بھی کریں گے اس میں نہ بک بک لگے گی اور نہ کوئی بیہودہ بات ہوگی۔

اَمْدَدْنٰهُمْ یعنی وقتاً فوقتاً ہم متقیوں کی نعمتوں میں اضافہ کرتے رہیں گے۔

مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ یعنی طرح طرح کی نعمتیں۔

يَتَنَازَعُوْنَ یہ لفظ نزعٌ سے ماخوذ ہے نزع کے معنی ہے کسی کے ہاتھ سے کھینچ لینا (چھین لینا) اس جگہ باب تفاعل ثلاثی مجرد کے معنی میں ہے یعنی يَتَنَازَعُوْنَ کا معنی ہے ینزعون من ید الساقی ساقی کے ہاتھ سے لے لیں گے۔

كَاْسًا مشروب سے بھرے ہوئے پیالے۔ برتن میں بھرے ہوئے مشروب کو بھی کاس کہا جاتا ہے اور برتن کو بھی۔

لَا لَغْوٌ قتادہ نے لغو کا ترجمہ کیا باطل۔ مقاتل بن حبان نے کہا بیہودہ بکواس۔ سعید بن مسیب نے کہا بیہودہ کلام۔ ابن زید نے کہا گالی گلوچ، جھگڑے۔ شعبی نے کہا جنت کی شراب سے ہوش و حواس میں خرابی نہیں آئے گی کہ بیہودہ بکواس کرنے لگیں۔

وَلَا تَاْثِيْمٌ زجاج نے کہا دنیا میں شراب پینے کے بعد شرابیوں میں جو بکواس ہوتی ہے اہل جنت میں شراب طہور پینے کے بعد ایسی کوئی بکواس اور موجب گناہ حرکت نہیں ہوگی۔ بعض اہل تفسیر نے کہا لَا تَاْثِيْمٌ کا یہ مطلب ہے کہ جنت کی شراب پینے سے اہل جنت گناہ گار نہ ہوں گے۔

وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۲۴﴾ اور انکے پاس ایسے لڑکے آتے جاتے رہیں گے جو خاص انہیں کے لئے ہوں گے گویا وہ حفاظت سے رکھے ہوئے موتی ہیں۔ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ یعنی ان کی خدمت کے لئے گردش کرتے رہیں گے۔

غِلْمَانٌ لَّهُمْ ان کے مخصوص غلام یعنی جو انہیں کے مملوک ہوں گے۔ (مشرک خادم نہیں ہوں گے) ابن ابی الدنیا نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام جنتیوں میں سب سے نچلا درجہ اس شخص کا ہوگا جس کے پیچھے دس ہزار خادم (کمربستہ) خدمت کے لئے کھڑے ہوں گے۔

ابن ابی الدنیا نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ اہل جنت میں کم ترین درجہ کا وہ شخص ہوگا جس کی خدمت کے لئے صبح شام پانچ ہزار خادم ایسے کمربستہ ہوں گے جن میں سے کسی ایک کے پاس بھی (کھانے پینے کا) وہ برتن نہ ہوگا جو کسی

دوسرے کے پاس ہوگا (یعنی ہزاروں قسم کے کھانے کے برتن جدا جدا ہوں گے)
مَکْنُوْنٌ سیپ کے اندر پوشیدہ صفائی، سفیدی اور خوبصورتی میں وہ دُرِّ مکنون کی طرح ہوں گے۔ بغوی نے حسن کی روایت سے لکھا ہے کہ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ جب خادم (حسن وچمک میں) موتی کی طرح ہوں گے تو ان کے مخدوم کی کیا حالت ہوگی۔
قتادہ نے کہا ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا نبی اللہ جب خادم ایسے ہوں گے تو مخدوم کیسا ہوگا۔ فرمایا مخدوم کی خادم پر (آب تاب چمک اور خوبصورتی میں) برتری ایسی ہوگی جیسی چودھویں رات کے چاند کی باقی ستاروں پر۔ عبدالرزاق اور ابن جریر نے اپنی اپنی تفسیروں میں قتادہ کی مُرسَل روایت بھی اسی طرح نقل کی ہے۔
وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجّہ ہوکر بات چیت کریں گے کہیں گے ہم اس سے پہلے اپنے گھر یعنی دنیا میں بہت ڈرا کرتے تھے سو اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھا۔
يَتَسَآءَلُوْنَ یعنی باہم ایک دوسرے سے گذشتہ دُنیوی احوال اور واقعات پوچھے گا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا دنیا میں جو خوف اور دکھ تھا باہم اس کا تذکرہ کریں گے۔
اَقْبَلَ ماضی کا صیغہ ہے لیکن مراد مستقبل ہے۔
قَالُوْا کہیں گے۔
اِنَّا كُنَّا قَبْلُ اس سے پہلے دنیا میں
مُشْفِقِيْنَ اللہ کے عذاب سے ڈرتے تھے۔
فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا یعنی اللہ نے ہم کو توفیق دی ہماری مغفرت کردی اور رحم فرمایا۔
عَذَابَ السَّمُوْمِ لُو کی طرح مسامات کے اندر گھسنے والی آگ کے عذاب سے۔ حسن نے کہا سموم جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔
اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿۲۸﴾ ع ۲۸ ۲ ہم اس سے پہلے (دنیا میں) اس سے دعائیں مانگا کرتے تھے واقعی وہ بڑا محسن مہربان ہے۔
نَدْعُوْهُ اللہ کی عبادت کرتے تھے جہنم سے محفوظ رکھنے کی دعا کرتے تھے۔
الْبَرُّ احسان کرنے والا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مہربانی کرنے والا الضحاک نے کہا وعدہ کا سچا وعدہ پورا کرنے والا۔
الرَّحِيْمُ بڑی رحمت والا۔
فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿۲۹﴾ تو آپ سمجھاتے رہیے کیونکہ آپ اللہ کے فضل سے نہ کاہن ہیں اور نہ مجنون ہیں۔
فَذَكِّرْ اس میں فَ سببیہ ہے (پہلا کلام تذکیر کی علّت ہے) اللہ کی طرف سے وعدہ اور وعید کو پورا کرنا وعظ نصیحت کے حکم کا سبب ہے۔
فَمَآ اَنْتَ فَ تعلیلیہ ہے یعنی لوگوں کو نصیحت کیجئے کیونکہ آپ اللہ کے نبی ہیں اپنے رب کی نعمت یعنی نبوّت اور عقلِ سلیم کے حامل ہیں کاہن اور مجنون نہیں، نبوّت اور دین کہانت کے منافی ہے۔ اس لئے آپ کاہن نہیں ہیں اور عقلِ سلیم جنون کے منافی ہے اس لئے آپ مجنون نہیں ہیں۔ آیت کا نزول ان لوگوں کے حق میں ہوا جو مکہ کے پہاڑیوں کی گھاٹیوں میں الگ الگ بٹ کر بیٹھ گئے تھے اور رسول اللہ ﷺ کو کاہن اور ساحر اور شاعر کہتے تھے۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے

لکھا ہے کہ رسول اللہ صلعم کے معاملہ میں مشورہ کرنے کے لئے قریش دارُ النَّدوہ (چوپال) میں جمع ہوئے بعض لوگوں نے کہا یہ بھی زہیر اور نابغہ کی طرح ایک شاعر ہے اس کو قید کر دو یہاں تک کہ خود اپنے وقت پر مر جائے جیسے دوسرے شاعر مر گئے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمَنُونِ ﴿٣٠﴾ قُلْ تَرَبَّصُوا فَإِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُتَرَبِّصِينَ ﴿٣١﴾

کیا یہ لوگ (یوں بھی) کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں اور ہم ان پر حادثۂ موت آنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے تم لوگ انتظار کرتے رہو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔

رَيْبَ الْمَنُونِ حوادثِ زمانہ یا حوادثِ موت یعنی مہلک حوادث کافروں نے کہا تھا جیسے اور شاعر مر گئے محمد بھی مر جائیں گے یہ بھی ایک شاعر ہیں ان کے مرنے کے بعد ان کے ساتھی منتشر ہو جائیں گے۔ ان کا باپ جوان مر گیا ہم کو امید ہے کہ یہ بھی باپ کی طرح جوان مر جائے گا۔

یا مَنُونٌ مَنَّۃ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے مَنَّہٗ اس کو کاٹ دیا۔ اس سے زمانہ مراد ہے یا موت، زمانہ اور موت زندگی کو کاٹ دیتے ہیں۔

قُلْ اے محمد آپ کہہ دیجئے۔

تَرَبَّصُوا تم میرے مرنے کے منتظر رہو میں بھی منتظر ہوں کہ تمہارے بارے میں اللہ کا کیا حکم ہوتا ہے آخر بدر کے دن اللہ کا عذاب کافروں پر بصورتِ قتل آ گیا۔

أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَامُهُم بِهَٰذَا ۚ أَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ﴿٣٢﴾ کیا ان کی عقلیں ان کو اس بات کی تعلیم دے رہی ہیں یا یہ شریر لوگ ہی ہیں۔

أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَامُهُمْ کیا ان کی عقلیں ان متضاد اقوال کا حکم دے رہی ہیں۔ کاہن تو بڑا زیرک اور دقیقُ النظر ہوتا ہے اور مجنون بے عقل خبطُ الحواس اور شاعر وہ ہوتا ہے جس کا کلام بلیغ، موزوں اور تخیل کا حامی ہوتا ہے اور مجنون کے کلام میں نہ وزن ہوتا ہے نہ بلاغت نہ خیال کی پرواز۔ قریش کے بڑے لوگ بہت دانش مند مانے جاتے تھے اللہ نے فرمایا ان کو تو زیرک دانا اور پاگل میں بھی امتیاز نہیں ہے، حق و باطل میں بھی تمیز نہیں کر سکتے پھر کیسے عقلمند ہیں کیا اس تضاد بیانی کا حکم ان کی عقلیں دے رہی ہیں۔ ایسا نہیں ہے۔

أَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ بلکہ یہ لوگ عناد و عداوت میں حد سے بڑھے ہوئے ہیں قرآن اور نبی کی صداقت کی دلیل روشن ہے اور برہان واضح ہے اس لئے انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے سوائے اس کے کہ متضاد باتیں بنائیں۔

أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ ۚ بَل لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٣﴾ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا صَادِقِينَ ﴿٣٤﴾ یہ بھی کہتے ہیں کہ انہوں نے اس (قرآن) کو خود گھڑ لیا ہے بلکہ یہ لوگ تصدیق نہیں کرتے تو یہ بھی اس طرح کا کلام بنا کر لے آئیں اگر یہ سچے ہیں۔

أَمْ يَقُولُونَ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ محمد نے قرآن خود بنا لیا ہے اللہ کی طرف سے نہیں آیا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ دشمنی اور فرطِ عناد کی وجہ سے یہ لوگ مانتے نہیں ہیں اور اس قسم کی باتیں بناتے ہیں۔

مِّثْلِهِ کوئی کلام جو بلاغت اور غیب کی اطلاع دینے میں قرآن کی طرح ہو پیش کریں۔

كَانُوا صَادِقِينَ اگر یہ لوگ اس بات میں سچے ہیں کہ رسول کاہن ہیں یا مجنون ہیں یا شاعر ہیں کیونکہ ان میں بھی بہت سے کاہن ہیں کچھ مجنون بھی ہیں بکثرت شاعر بھی ہیں اس تفسیر پر کافروں کی تینوں تہمت تراشیوں کی تردید ہو جائے گی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دعوتِ مقابلہ دینے سے صرف آخری قول کی تردید مقصود ہو کیونکہ باقی اقوال کا غلط ہونا تو ظاہری ہے ان کو باطل کرنے کے لئے دعوتِ مقابلہ کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ﴿۳۶﴾

کیا یہ لوگ بغیر کسی خالق کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود اپنے خالق ہیں یا انہوں نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے بلکہ یہ لوگ (بوجہ جہالت کے توحید پر) یقین نہیں لاتے۔

مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مراد یہ ہے کہ کیا بغیر رب خالق کے یہ پیدا ہو گئے۔ ایسا ناممکن ہے کیونکہ حادث جو پہلے معدوم تھا اس کا وجود بغیر موجد کے ہو نہیں سکتا۔

بعض اہل علم نے مِنْ شَيْءٍ کا ترجمہ کیا بے وجہ یعنی عبادت پر مامور کرنے کے بغیر اور بلا سزا جزا کے مقصد کے یونہی بیکار پیدا کر دیا گیا ہے کہ نہ ان پر احکامِ تشریعی جاری ہوں گے نہ اعمال کا اچھا بُرا بدلہ آخرت میں دیا جائے گا۔ ابن کیسان اور زجاج نے یہی مطلب بیان کیا ہے۔

اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ یعنی یا یہ بات ہے کہ یہ خود اپنے خالق ہیں۔ اس قول کی غلطی محتاجِ دلیل نہیں۔ اس جملہ سے حضرت ابن عباسؓ کے تفسیری قول کی تائید ہوتی ہے اسی لئے اس کے بعد فرمایا۔

اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ الخ یعنی واضح اور قطعی برہان موجود ہے کہ یہ خود آسمان و زمین کے خالق نہیں ہیں بلکہ اللہ نے ان کو بھی پیدا کیا اور آسمان و زمین کو بھی۔ پس لازم تھا کہ یہ ایمان لے آتے لیکن ان کو یقین ہی نہیں ہے اگر یقین ہوتا تو اللہ کی عبادت سے اعراض نہ کرتے۔

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ کیا ان کے پاس آپ کے رب کے خزانے ہیں یا یہ لوگ (اس محکمۂ نبوت کے) حاکم ہیں۔

اَمْ عِنْدَهُمْ یعنی کیا رزقِ رب کے ان کے پاس خزانے ہیں کہ جس کو چاہیں نبوت دیدیں۔ یا خزائن سے مراد ہیں خزائنِ علمِ رب یعنی کیا ان کے پاس رب کے علم اور حکمت کے خزانے ہیں کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ کون نبوت کا مستحق ہے اور حکمت کا تقاضا کیا ہے۔

اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ یا ان کا تسلط تمام چیزوں پر اور ان کے اقتدار (کے نیچے تمام اشیاء داخل ہیں کہ جیسا چاہیں کریں کسی کا حکم ان پر نہ چلے۔

اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾

کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر (یہ آسمان کی) باتیں سن لیا کرتے ہیں اگر ایسا ہے تو ان میں جو آسمانی باتیں سننے کا مدعی ہے وہ کوئی صاف دلیل پیش کرے۔

اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ یعنی ان کے پاس آسمان تک پہنچانے (والی کوئی سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر وہ ملائکہ کا کلام سن سکیں اور علم غیب کی وحی ان تک پہنچ جائے اور ان کو معلوم ہو جائے کہ کیا ہونے والا ہے۔ یا یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کی طرف سے حق کیا ہے تاکہ خود حق پرست بن جائیں اور محمد کا اتباع نہ کریں۔ اگر ان کو اس بات کا دعویٰ ہے تو ان میں سے جو شخص کلامِ ملائکہ اور حکمِ وحی کو سننے کا مدعی ہو تو وہ واضح دلیل پیش کرے۔

اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۳۹﴾ کیا خدا کے لئے بیٹیاں اور تمہارے لئے بیٹے ہیں۔

کافر کہتے ہیں کہ ملائکہ خدا کی بیٹیاں ہیں اللہ ان کی تحمیق کرتا ہے اور فرماتا ہے کیا انہوں نے اللہ کی بیٹیاں فرض کر رکھی ہیں اور انسانوں کے لئے بیٹے (پسند کرتے ہیں) کیسے سفیہ العقل اور سبک سر ہیں ایسے شخص کو تو ہوشمند کہا نہیں جا سکتا چہ جائیکہ وہ شخص جو عالم ملکوت تک روحانی ارتقاء رکھتا ہو اور غیب کی باتوں کی اس کو اطلاع ہو۔

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ یا (تبلیغِ احکام کا) کوئی معاوضہ آپ ان سے مانگتے ہیں کہ وہ تاوان ان کو گراں معلوم ہوتا ہے۔

اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا یعنی کیا تبلیغ رسالت کی کوئی اُجرت آپ ان سے طلب کر رہے ہیں جس کا تاوان ان پر پڑ رہا ہے اور وہ بوجھ تلے دبے جا رہے ہیں۔ اور اسی لئے آپ کا اتباع نہیں کرتے باوجودیکہ موجب اتباع موجود ہے۔

اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۱﴾ کیا ان کے پاس غیب (کا علم) ہے کہ یہ لکھ لیا کرتے ہیں۔

اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اَلْغَیب سے مراد لوح محفوظ ہے جس کے اندر تمام مغیبات کا اندراج ہے۔

فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ کہ اس سے یعنی لوح محفوظ سے وہ لکھ لیا کرتے ہیں۔

بعض علماء نے کہا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جو حشر، قیامت اور اخروی عذاب ثواب کا عقیدہ لے کر آئے ہیں اور ان غیبی امور کا ذکر کر رہے ہیں جن کا وقوع ممکن بلکہ برہان و دلیل کی روشنی میں واجب و ضروری ہے تو کیا ان منکروں کو علم غیب ہے کہ غائب امور کا ذکر جو رسول اللہ ﷺ کر رہے ہیں ان کو اس کا غلط ہونا معلوم ہے اسی لئے یہ ان امور کا انکار کر رہے ہیں۔

قتادہ نے کہا یہ جواب ہے کافروں کے قول کا کافروں نے کہا تھا نَتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ اللہ نے اس کا جواب دیا کیا ان کو علم غیب ہے کہ محمد ان سے پہلے مر جائیں گے اور ان کا کوئی نشان بھی باقی نہیں رہے گا۔ اس تفسیر پر فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ کا ترجمہ ہوگا کہ وہ حکم لگا رہے ہیں۔ کتاب بمعنی حکم آتا ہے۔ کذا قال القعنبی۔

اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ۭ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ﴿۴۲﴾ کیا یہ لوگ کچھ برائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں سو یہ کافر خود ہی اس برائی میں گرفتار ہوں گے۔

یعنی کیا یہ لوگ کوئی سازش کر رہے ہیں کہ آپ کو ہلاک کر دیں۔ دار الندوہ میں بیٹھ کر کافروں نے رسول اللہ ﷺ کو شہید کر دینے کی سازش کی تھی۔ اسی سازش کے متعلق اللہ نے خبر دی تھی وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝

فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ یعنی سازش کرنے والوں کی سازش انہیں پر لوٹ پڑے گی اور سازش کی سزا انہیں کو بھگتنی ہوگی چنانچہ بدر کے دن وہ سازشی لوگ مارے گئے اور مرنے کے بعد عذاب میں مبتلا ہونا تو یقینی ہی ہے۔

یا اَلْمَكِيْدُوْنَ کا مطلب یہ ہے کہ انہیں کو سازش گھیر لے گی اور ہلاک کر دے گی۔

اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۳﴾ کیا ان کا سواء اللہ کے کوئی اور معبود ہے اللہ ان کے شرک سے پاک ہے۔

اَمْ لَهُمْ اله الخ کیا اللہ کے سواء کوئی اور ان کا معبود ہے جو ان کی مدد کر سکے رزق دے سکے اور اللہ کے عذاب سے بچا سکے۔

سُبْحٰنَ اللّٰهِ الخ یعنی اللہ ان کی شرک آفرینیوں سے پاک ہے یا جس چیز کو یہ اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں اس کی شرکت سے اللہ پاک ہے۔ خلیل نے کہا اس سورۃ میں جہاں لفظ اَمْ آیا ہے وہ عاطفہ نہیں ہے بلکہ استفہام انکاری کے معنی میں ہے۔

وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاۗءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾

اور اگر وہ آسمان کے ٹکڑے کو دیکھ لیں کہ گرتا ہوا آ رہا ہے تو کہیں گے یہ تو تہ بر تہ جما ہوا بادل ہے۔

کِسْفًا ایک ٹکڑا۔ مشرکوں نے کہا تھا فَاَسْقِطْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَاۗءِ ہم پر آسمان سے عذاب کا ایک ٹکڑا گرا دو اگر سچے ہو اس کے جواب میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اگر ان پر اوپر سے عذاب کا کوئی ٹکڑا آ بھی جائے تو اس کو تہ بر تہ بادل قرار دیں گے جیسے قوم عاد نے جب سامنے سے بادل آتا دیکھا تھا تو کہا تھا یہ ابر باراں ہے اس سے ہم پر بارش ہوگی۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ اگر اوپر سے ہم عذاب کا کوئی ٹکڑا بشکل ابر گرا بھی دیں تب بھی یہ کفر سے باز نہیں آئیں گے آخر ہلاک کر دیئے جائیں

گے لیکن مصلحتِ الٰہیہ نہیں چاہتی کہ ان کا استیصال کردیا جائے اس لئے آسمان سے عذاب نازل نہیں کیا گیا۔
سَحَابٌ مَّرْكُومٌ تہ برتہ بادل۔

فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾

تو آپ ان کو رہنے دیجئے یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ ہو جس میں ان کے ہوش اڑ جائیں گے جس روز کہ ان کی تدبیریں ان کے کچھ بھی کام نہیں آئیں گی اور نہ انکی مدد کی جائے گی۔

فَذَرْهُمْ ان کو چھوڑ دیئے یعنی ان پر عذاب نازل ہونے کی درخواست نہ کیجئے۔

يَوْمَهُمْ یعنی یوم عذاب یعنی جس روز کہ اللہ ان کو ہلاک کردے گا۔

بیضاوی نے لکھا ہے اس سے مراد ہے پہلی بار صور پھونکنے کا دن۔ میں کہتا ہوں یہ تشریح غلط ہے کیونکہ ان مشرکوں کو نفخۂ اول تک چھوڑے رکھنے کا کوئی معنی نہیں ہیں بلکہ یوم موت مراد ہے یعنی موت کے دن تک ان کو چھوڑ دیجئے۔

شَيْـًٔا یہ مفعول مطلق ہے یعنی کسی قسم کا فائدہ (مفعول بہ نہیں ہے)

وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ یعنی اللہ کے عذاب سے ان کو بچایا نہیں جائے گا۔ (کوئی ان کا مددگار نہ ہوگا)

يَوْمَ لَا يُغْنِيْ يَوْمَهُمْ سے بدل ہے۔

وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾

اور ان ظالموں کے لئے قبل اس (عذاب) کے اور عذاب بھی ہونے والا ہے لیکن ان میں سے اکثر کو معلوم نہیں۔

لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عام ظالم مراد ہیں یا مخصوص افراد دونوں قول صحیح ہیں۔

عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ یعنی مرنے سے پہلے دنیا ہی میں ان پر عذاب آجائے گا۔

حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ سے مراد ہے بدر کے دن کافروں کا مارا جانا۔ مجاہد کے نزدیک بھوک اور ہفت سالہ قحط مراد ہے۔ حضرت براءؓ ابن عازب نے کہا عذاب قبر مراد ہے۔ میں کہتا ہوں یہ مطلب اس وقت صحیح ہوگا جب یومھم سے مراد نفخۂ اولیٰ کا دن مانا جائے (کیونکہ عذاب قبر نفخۂ اولیٰ سے پہلے ہوگا یوم موت سے پہلے نہیں ہوسکتا)

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۴۸﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾

اور آپ اپنے رب کی اس تجویز پر صبر سے بیٹھے رہیے کہ آپ ہماری حفاظت میں ہیں اور (مجلس سے یا بستر خواب سے) اٹھتے وقت اپنے رب کی تسبیح و تحمید کیا کیجئے۔ اور رات میں بھی اس کی تسبیح کیا کیجئے (مثلاً عشاء) اور ستاروں سے پیچھے بھی۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ حکم رب پر صبر رکھنے کے یہ معنی ہیں کہ ان کو مہلت دو اللہ نے ان کو ڈھیل دی ہے تم بھی اس پر صبر کرو۔ بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہم نے ان کے عذاب کا حکم دے دیا ہے آپ وقوعِ عذاب تک صبر کریں۔

فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا زجاج نے کہا یعنی آپ ایسے مقام پر ہیں کہ ہم آپ کو دیکھ رہے ہیں اور آپ کی حفاظت کر رہے ہیں یہ لوگ آپ کو کوئی دُکھ نہیں پہنچا سکیں گے۔ خلاصہ یہ کہ آپ ہماری حفاظت میں ہیں۔ اَعْيُنٌ عَيْنٌ کی جمع ہے نا جمع متکلم کی ضمیر اظہارِ عظمت کے لئے استعمال کی اور جمع متکلم کے لحاظ سے اعین کو بھی بصیغۂ جمع ذکر کیا یا یوں کہا جائے کہ اعین کو بصورتِ جمع مبالغہ کے لئے ذکر کیا اور یہ بتایا کہ ہمارے پاس آپ کی حفاظت کے بہت سے اسباب ہیں۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ سعید بن جبیر اور عطاء نے کہا مجلس سے اٹھنے کا وقت مراد ہے (یعنی) جب اپنی مجلس سے تم اٹھا کرو تو اس وقت پڑھا کرو سبحانک اللّٰھم و بحمدک پس اگر وہ مجلس خیر کی مجلس تھی تو اس کی خیر میں اضافہ ہو جائے گا اور اگر اس مجلس میں کوئی بری بات ہوگی تو یہ تسبیح و تحمید اس کا کفارہ ہو جائے گی۔ حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی شور و شر کی جگہ بیٹھا ہو پھر اٹھنے سے پہلے کہے۔ سبحانک اللھم و بحمدک اشھدان لا

اله الا انت استغفرک واتوب الیک (اے اللہ میں تیری پاکی کا اقرار کرتا ہوں اور تیری ثناء کرتا ہوں میں شہادت دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں تجھ سے گناہ کی معافی چاہتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں) تو جو کچھ مجلس میں ہوا ہو گا یہ دعا اس کا کفّارہ ہو جائے گی۔ رواہ البغوی بیہقی نے دعواتِ کبیر میں اور ترمذی نے کان کفّارۃ کی بجائے غفرله ماکان فی مجلِسه کے الفاظ نقل کیے ہیں۔

حضرت رافعؓ بن خدیج راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی عمر کے آخر دور میں جب صحابہؓ حضور کے پاس جمع ہوتے اور آپ مجلس سے اٹھنے کا ارادہ کرتے تو کہتے تھے سبحان الله و بحمدک اشهد ان لا اله الا انت استغفرک واتوب الیک عملتُ سوء اً (یا فرماتے) ظلمتُ نفسی فاغفرلی انه لایغفر الذنوب الاانت ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ الفاظ تو آپ نئے فرماتے ہیں پہلے تو مجلس سے اٹھتے وقت یہ الفاظ نہیں کہتے تھے) فرمایا ہاں، میرے پاس جبرئیلؑ آئے تھے اور کہا تھا محمد یہ (الفاظ) مجلس (کی بری باتوں) کا کفّارہ ہیں۔ روہ النسائی۔ حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔ طبرانی نے تینوں معاجم میں اس کو مختصر نقل کا ہے۔ (بعض اہل تفسیر کے نزدیک مجلسِ خیر کے آخر میں پڑھنا مراد ہے) حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص نے فرمایا چند الفاظ ہیں جو کوئی مجلس خیر اور مجلس ذکر (کے آخر) میں ان کو پڑھے گا اس کے لئے یہ (مجلس کی) مہر بن جائیں گے جیسے کسی تحریر پر مہر لگادی جاتی ہے۔ الفاظ یہ ہیں سبحانک اللهم وبحمدک لا اله الا انت استغفرک واتوب الیک رواہ ابوداؤد وابن حبان فی صحیحہ۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو لوگ کسی ایسی مجلس میں بیٹھیں جس میں نہ اللہ کا ذکر کریں نہ نبی پر درود پڑھیں تو یہ بیٹھنا ان کے لئے گناہ ہوگا۔ اللہ چاہے گا عذاب دے گا اور چاہے گا معاف کردے گا۔ رواہ ابوداؤد والترمذی حسنہ وابن ابی الدنیا والبیہقی۔

ابوداؤد کی روایت میں آیا ہے جو شخص کسی جگہ بیٹھے اور اس میں اللہ کا ذکر نہ کرے تو اللہ کی طرف سے یہ بیٹھک موجب انتقام ہو گی۔ اور جو کسی جگہ لیٹے اور اللہ کی یاد نہ کرے تو یہ لیٹنا اللہ کی طرف سے باعثِ انتقام ہوگا اور جو شخص ایسے راستہ میں چلے جس میں اللہ کی یاد نہ کرے تو یہ چلنا اللہ کی طرف سے موجبِ انتقام ہو گا۔ یعنی اللہ ایسے بیٹھنے اور لیٹنے اور چلنے سے نفرت کرتا ہے اور پسند نہیں کرتا)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا آیت میں سو کر اٹھنے کے بعد نماز پڑھنا مراد ہے۔ ضحاک اور ربیع نے کہا مطلب یہ ہے کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو کہو سبحانک اللهم و بحمدک وتبارک اسمک وتعالٰی جدّک ولا اله غیرک رواہ ابوداؤد والترمذی ورواہ ابن ماجہ عن ابی سعید۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث ہم کو صرف حارثہ کی روایت سے معلوم ہوئی اور حارثہ کی قوّت حافظہ میں کلام کیا گیا ہے۔

کلبی نے کہا بستر سے اٹھ کر نماز شروع کرنے کے وقت تک زبان سے ذکر خدا کرنا مراد ہے۔ حامد بن حمید کا بیان ہے میں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا رسول اللہ ﷺ جب رات کو (بستر سے) اٹھتے تھے تو سب سے پہلے کیا کام کرتے تھے۔ فرمایا جب حضور اٹھتے تھے تو دس مرتبہ اللہ اکبر، دس بار الحمدللہ اور دس بار استغفر اللہ کہتے تھے اور کہتے تھے اللهم اغفرلی واهدنی وارزقنی وعافنی اور قیامت کے دن جائے قیام کی تنگی سے (اللہ کی) پناہ چاہتے تھے ابوداؤد نے شریق ہوزنی کی وساطت سے حضرت عائشہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ حضور رات سے اٹھتے تو دس بار تکبیر کہتے اور دس بار اللہ کی حمد کرتے اور دس بار سبحان اللہ وبحمدہ کہتے اور دس بار سبحان الملک القدوس کہتے اور دس بار استغفار کرتے اور دس بار تہلیل کرتے (یعنی لا اله الا الله کہتے) پھر دس بار کہتے اللهم انی اعوذبک من ضیق الدنیا وضیق یوم القیامة (اے اللہ میں تیری پناہ پکڑتا ہوں دنیا کی تنگی سے اور روز قیامت کی تنگی سے)

وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ یعنی نماز پڑھو۔ مقاتل نے کہا مغرب اور عشاء کی نماز مراد ہے۔ میں کہتا ہوں بظاہر یہی مراد لینا

زیادہ اچھا ہے۔ آیت میں نمازِ شب کا خصوصی ذکر اس لئے کیا کہ رات کی عبادت نفس پر بڑی شاق ہوتی ہے اور دکھاوٹ کا شبہ نہیں ہوتا۔

وَاِدۡبَارَ النُّجُوۡمِ یعنی جب ستارے غائب ہو جائیں اور صبح نکل آئے۔ ضحاک نے کہا اس سے مراد فجر کی نماز ہے۔ اکثر اہل تفسیر کے نزدیک صلوٰۃ فجر سے پہلے کی دو رکعتیں مراد ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فجر کی دو رکعتیں (یعنی دو سنتیں) دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔ رواہ مسلم۔

یہ بھی حضرت عائشہؓ ہی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جتنی پابندی فجر کی دو رکعتوں کی کرتے تھے اور کسی (سنت) نماز کی نہیں کرتے تھے۔ متفق علیہ۔

حضرت جبیر بن مطعمؓ کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے مغرب کی نماز میں والطور پڑھی تھی۔ رواہ البغوی۔

(الحمد للہ سورۂ والطّور کی تفسیر کا ترجمہ ختم ہوا)

سورۃ النجم

یہ سورۃ مکّی ہے اس میں ۶۲ آیات اور تین رُکوع ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالنَّجْمِ اِذَا ھَوٰی ۝۱ قسم ہے (مطلق) ستارے کی جب وہ غروب ہونے لگے۔

والبی اور عوفی کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب ثریّا گر جائے (غائب ہو جائے) ھَوٰی کا معنی ہے غائب ہو جانا۔ عرب ثریّا کو النجم کہتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع روایت ہے (کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا) زمین پر جو آفت ارضی (کیڑے مکوڑے وغیرہ) ہوتی ہے۔ نجم یعنی ثریا کے نکلتے ہی وہ جاتی رہتی ہے۔ رواہ البغوی۔

امام احمدؒ کی روایت میں ہے ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ کوئی (ارضی) آفت برپا ہو اور (نجم صبح کو نکلے اور وہ آفت دور نہ کر دی گئی ہو یا ہلکی نہ کر دی گئی ہو۔ اس کی سند ضعیف ہے۔

مجاہد نے کہا آسمان کے سب ستارے مراد ہیں۔ النجم میں الف لام جنسی ہے (نجم کا معنی ہے برآمد ہونا) برآمد ہونے کی وجہ سے ہی ستاروں کو نجم کہا جاتا ہے۔ ہر برآمد ہونے والی چیز نجم ہے۔ کہا جاتا ہے نجم السن دانت برآمد ہوا۔ قرآن اور سنت کے بھی نجوم ہوتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا رُجُوْمُ الشیاطین یعنی شیطان جو عالم بالا کی باتیں سننے کے لئے اوپر جاتے ہیں ان پر (انگاروں کی طرح پڑنے والے) تارے ہی ہوتے ہیں۔

ابوحمزہؓ نے کہا آیت میں وہ ستارے مراد ہیں جو قیامت کے دن جھڑ جائیں گے۔ بکھر جائیں گے۔

عطاء کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ النجم سے قرآن مراد ہے کیونکہ ۲۳ برس میں قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا گیا۔ تَنْجِیْم کا معنی ہے تفریق۔

کلبی نے کہا ھَوٰی کا معنی ہے اوپر سے نیچے اترنا۔

اخفش نے کہا نجم اس پودے کو کہتے ہیں جس میں تنہ نہ ہو یعنی بیل۔

اللہ نے فرمایا ہے وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ یَسْجُدٰنِ اور ھَوٰی کا معنی ہے زمین پر گرنا۔

امام جعفر صادق نے فرمایا آیت میں رسول اللہ ﷺ مراد ہیں جب شبِ معراج میں آسمان سے نیچے اترے تھے ھوٰی کا معنی ہے اترنا۔

بعض علماء نے کہا النجم سے مراد ہے مسلمان اور ھَوٰی سے مراد ہے اس کا قبر میں دفن ہونا۔

نجم کے وقتِ ھوٰی کو قسم کے لئے اس وجہ سے مخصوص کیا کہ یہ وقت نجم کے اوقات میں سب سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

(۱) اگر نجم سے مراد ثریّا یا عام ستارے ہوں اور ھوٰی سے مراد ہو ستاروں سے شعلہ نکلنا اور شیطانوں پر انگارے پڑنا تو ظاہر ہے کہ نجوم کی پیدائش کی اصل غرض رجم الشیطان ہی ہوگی اور اگر ھوٰی سے مراد قیامت کے دن ستاروں کا بکھرنا اور جھڑنا مراد ہو تو تکمیلِ مقصد یعنی ستاروں کے گرنے کا وہی وقت ہوگا۔ اور اگر ھوٰی سے غروبِ نجم مراد ہو تو ظاہر ہے کہ ستاروں کا

چھپنا اور غروب ہونا وجودِ صانع کا واضح ثبوت ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ نے ستاروں کے ڈوبنے اور چاند سورج کے غروب ہونے سے صانع برتر کی ہستی پر استدلال کیا تھا اور کہا تھا لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ

(۲) اور اگر نجم سے نجمُ القرآن اور ہوٰی سے نزول مراد ہو تو یقینی امر ہے کہ نزول قرآن لوگوں کی ہدایت کے لئے ہوا۔ اور اگر نجم سے رسول اللہ ﷺ کی مبارک شخصیت اور ہوٰی سے مراد شبِ معراج میں آپ کا آسمان سے نیچے اترنا ہو تو نا قابلِ شک ہے یہ حقیقت کہ عروج کے بعد آپ کا ہدایتِ خلق کے لئے نیچے اترنا اللہ کا اتنا بڑا احسان اور انعام ہے جس کی کوئی مثال نہیں۔

(۳) اور اگر نجم سے مسلمان اور ہوٰی سے مراد قبر میں دفن کیا جانا ہو تو بلاشبہ ایمان اور اعمالِ صالحہ کے ساتھ شیطانی اغواء اور نفسانی وسوسہ سے محفوظ رہ کر مسلمان کا مرنا اور دفن ہونا عظیمُ الشّان نعمتِ خداوندی ہے۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ﴿۲﴾ یہ تمہارے ساتھ رہنے والے نہ راہ سے بھٹکے نہ غلط رو ہوئے۔

"صاحب" سے رسول اللہ ﷺ مراد ہیں یعنی ہدایت کے راستے سے نہ بھٹکے اور نہ باطل کے راستہ پر چل کر کج راہ ہوئے۔ بعض علماء نے کہا ضلالت (گمراہی) ہدایت کے مقابل اور غَیّ (کج راہی) رُشد کے مقابل ہوتی ہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ ہدایت یافتہ ہیں (گمراہ نہیں) اور صاحبِ رشد ہیں (کج راہ نہیں) اے اہلِ قریش تمہارا خیال غلط ہے جو ان کو گمراہ اور کج رو سمجھتے ہو۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴿۳﴾ اور نہ یہ اپنی نفسانی خواہش سے باتیں بناتے ہیں۔

وَمَا يَنْطِقُ یعنی قرآن ہو یا دوسرا ارشاد وہ اپنے میلان نفس سے کچھ نہیں کہتے مطلب یہ کہ شاعروں کے شعروں کی طرح قرآن انہوں نے خود نہیں بنایا۔ اسی طرح وہ جو کلام کرتے ہیں اپنے میلانِ نفسانی کے ماتحت نہیں کرتے وحی جلی (قرآن) ہو یا خفی (احادیث) سب اللہ کی طرف سے ہوتی ہے بلکہ وہ اجتہادِ فکری بھی بامرِ خدا ہوتا ہے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴿۴﴾ ان کا ارشاد خالص وحی ہے جو ان کو بھیجی جاتی ہے۔

اِنْ هُوَ یعنی قرآن اس جملہ میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو یہ ثابت کرتا ہو کہ رسول اللہ ﷺ خود اپنے اجتہاد سے کوئی کلام نہیں کرتے تھے بلکہ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى کی تائید اس جملہ سے ہو رہی ہے۔

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ﴿۵﴾ ان کو ایک بڑے طاقت ور (فرشتے) نے تعلیم دی۔

شَدِيْدُ الْقُوٰى یعنی اللہ جو بڑی قوتوں والا ہے۔ قُوٰى قُوَّتٌ کی جمع ہے۔

ذُوْ مِرَّةٍ ؕ جو پیدائشی طاقتور ہے۔

مِرَّةٌ قوت، شدت، پختگی، مضبوط کرنا (قاموس) اللہ کی گرفت بہت سخت ہے وہی ہر چیز کی اصل کو مضبوط کرتا ہے۔

فَاسْتَوٰى ﴿۶﴾ پھر وہ (فرشتہ اپنی) اصلی صورت میں نمودار ہوا۔

لفظ اِسْتَوٰى متشابہات میں سے ہے جس کی مراد سوا اللہ کے کوئی نہیں جانتا سلف نے آیت اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى کی تشریح میں صراحت کی ہے کہ اِسْتِوَاء کا معنی معلوم ہے (لیکن اِستواءِ رحمٰن بے کیفیت ہے یعنی استواء کا معنی معلوم ہے لیکن کیفیت مجہول) سہیل بن عبداللہ تستری نے فرمایا کسی مؤمن کے لئے جائز نہیں کہ وہ یہ سوال کرے کہ جس نے استواء کو پیدا کیا اس کا استواء کیسا ہے۔ ہم پر رضا اور تسلیم لازم ہے۔ امام مالک بن انسؒ نے فرمایا کیفیت نا معلوم ہے اور استواء (کا ترجمہ) نا معلوم نہیں ہے اور استواء (کی کیفیت) کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اپنے رسول کو جو قرآن سکھایا تو رسول سے اللہ کی نسبت ایسی ہی نا معلوم ہے جیسے عرش مجید یا کعبہ شریف سے اللہ کی نسبت مجہول ہے۔

وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ﴿۷﴾ اس وقت وہ (آسمان کے) بلند ترین کنارے پر تھا۔

وَهُوَ یعنی رسول اللہ ﷺ مطلب یہ کہ وحی کے وقت رسول اللہ ﷺ استعداد کی نہایت بلندی پر تھے۔ اس وقت آپ کا مرتبہ بہت اونچا تھا۔

اُفق کا معنی ہے کنارا یعنی دائرۂ امکان کی آخری حد پر تھے کہ اس سے آگے دائرۂ وجوب تھا جس کے اندر کوئی سالک قدم نہیں رکھ سکتا۔

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ﴿۹﴾ پھر وہ (فرشتہ رسول اللہ کے) قریب آیا۔ پھر اور قریب آیا سو دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم۔

دونوں جگہ مضاف محذوف ہے یعنی مقدار قرب دو قوسوں کے قرب کے برابر بلکہ اس سے بھی قریب تھی۔ بغوی نے لکھا ہے قصۂ معراج میں شریک بن عبداللہ بن انسؓ کی روایت سے ہم سے بیان کیا گیا کہ رب العزت قریب ہوا۔ پھر نیچے آیا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ سے اتنا قریب ہو گیا جیسے دو کمانوں کا فاصلہ بلکہ اس سے بھی قریب۔

شیخ محمد حیات سندی نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے یہ حدیث غریب ہے اسی طرح حضرت ابن عباسؓ نے بھی بیان کیا جس کو ابو سلمہ نے نقل کیا۔

اس جگہ اَوْ کا ترجمہ یا (شکیہ) نہیں ہے بلکہ اَوْ بمعنی بَلْ ہے جیسے آیت فَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ میں اَوْ کا معنی ہے (بلکہ) صوفیہ نے کہا کہ دو کمانوں سے مراد ہے قوسِ امکان اور قوسِ وجوب۔ صوفی مرتبۂ قرب میں قاب قوسین کے مقام پر پہنچتا ہے تو اس کی نظر دونوں قوسوں (دائرۂ امکان اور دائرۂ وجوب) کی طرف ہوتی ہے لیکن مرتبۂ ادنیٰ (اقرب) پر پہنچتا ہے تو اس کی نظر سے قوسِ امکان پوشیدہ ہو جاتی ہے۔ اس کو اپنی ہستی کا نام و نشان نظر نہیں آتا۔

قَابَ، قِيْبَةٌ قَادٌ اور قِيْدُ سب کے معنی ہیں مقدار، اس جگہ انتہائی قرب سے کنایہ ہے۔

عرب کا رواج تھا کہ جب دو شخص آپس میں دوستی کا معاہدہ کرتے تھے اور خلوص و مودت کا اظہار کرنا چاہتے تھے تو ہر ایک اپنی کمان لاتا اور دوسرے کی کمان سے چمٹا کر رکھ دیتا تھا اس سے اس امر کا اظہار مقصود ہوتا تھا کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کے حمایتی اور ہر طرح کے مددگار ہیں اور اتنے ہی قریب ہیں جیسے یہ دونوں کمانیں۔ یہاں قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى سے مراد باری تعالیٰ کے قرب کا مرتبہ ہے جس کا ادراک ایک عارف ہی کر سکتا ہے جس نے مرتبۂ قرب کا مزہ نہ چکھا ہو وہ کیا جانے۔ کتبِ تصوف میں ان درجات کا ذکر اِنْ گُنْت الفاظ میں کیا گیا ہے۔

ضحاک نے کہا (دَنٰى فَتَدَلّٰى کی ضمیریں رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع ہیں) آیت کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے رب سے قریب ہوئے۔ پھر (سجدہ کے لئے) جھکے اس قول پر ضمیروں کا انتشار لازم آئے گا۔ (اس لئے یہ قول درست نہیں ہے)

فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى ﴿۱۰﴾ پھر اللہ نے اپنے بندہ پر وحی نازل فرمائی جو کچھ نازل فرمائی۔

اَوْحٰى اور عَبْدِهٖ کی ضمیریں شَدِيْدُ الْقُوٰى کی طرف راجع ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت انسؓ سے یہی قول مروی ہے اور عربی قواعد کے لحاظ سے اس میں کوئی سقم بھی نہیں ہے۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا اور اکثر اہل تفسیر نے اسی کو اختیار بھی کیا ہے کہ شَدِيْدُ الْقُوٰى سے مراد حضرت جبرئیلؑ ہیں اور فَاسْتَوٰى کی ضمیر بھی حضرت جبرئیلؑ کی طرف راجع ہے۔ ایک روایت میں ذُوْ مِرَّةٍ کا ترجمہ ”خوبصورت“ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے لیکن قتادہ نے اس کا ترجمہ کیا خوبصورت طویل القامتہ۔ اور هُوَ کی ضمیر راجع ہے رسول اللہ ﷺ کی طرف۔

بغوی نے لکھا ہے جبرئیلؑ اور محمد ﷺ شب معراج میں مستوی ہو گئے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ هُوَ ضمیر حضرت جبرئیلؑ کی طرف راجع ہے۔ جبرئیلؑ آدمی کی شکل میں دوسرے انبیاء کے پاس آتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس بھی اسی طرح بشکل انسان آتے تھے۔ ایک بار حضور نے حضرت جبرئیلؑ سے فرمایا آپ مجھے اپنی اصلی شکل دکھا دیجئے۔ حضرت جبرئیلؑ نے آپ کو

اپنی اصل شکل دو مرتبہ دکھائی۔ ایک بار زمین پر اور ایک بار آسمان پر زمین پر تو مشرق کی طرف سے نمودار ہوئے۔ اس وقت حضور حراء میں تھے۔ اُفقِ اعلیٰ سے مشرقی کنارہ مراد ہے۔ جس وقت جبرئیلؑ مشرقی اُفق سے برآمد ہوئے تو مشرق سے مغرب تک پورے اُفق پر چھا گئے۔ حضور اقدس یہ منظر دیکھتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جبرئیلؑ فوراً آدمی کی شکل میں اتر کر آگئے اور رسول اللہ صلعم کو چمٹا لیا اور چہرہ مبارک سے غبار صاف کرنے لگے۔ دوسری بار آسمان میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس شب معراج میں آپ نے جبرئیلؑ کی اصل شکل دیکھی۔ سوائے رسول اللہ صلعم کے اور کسی نبی نے حضرت جبرئیلؑ کو اس شکل میں نہیں دیکھا۔

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی یعنی جبرئیلؑ جب زمین کے مشرقی اُفق پر نمودار ہوئے اور رسول اللہ صلعم بے ہوش ہو کر گر پڑے تو جبرئیلؑ اتر کر آپ ﷺ کے پاس آئے اور بمقدارِ قوسین بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب آگئے۔ قوس سے مراد یہی کمان ہے جس سے تیر پھینکے جاتے ہیں۔ مجاہد، عکرمہ اور عطاء کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا یہی قول آیا ہے چلہ سے کمان کا جتنا فاصلہ ہوتا ہے اتنا فاصلہ ایک قوس سے مراد ہے (دو قوسوں کا فاصلہ اس سے دوگنا ہو گیا) حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا قَابَ قَوْسَیْنِ یعنی دو ہاتھ (شرعی دو گز) کی مقدار سعید بن جبیرؒ اور شفیق بن سلمہؒ کا بھی یہی قول ہے قوس ایک ذراع ہوتی ہے جس سے ہر چیز ناپی جاتی ہے۔ بخاری نے اس آیت کی تشریح میں حضرت عائشہؓ کا یہی قول نقل کیا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے اسی کے قائل ہیں حضرت ابن عباسؓ، حسنؒ اور قتادہ۔

بعض اہل علم نے کہا: کلام میں کچھ تقدیم و تاخیر ہے اصل کلام تَدَلّٰی فَدَنٰی تھا کیونکہ نیچے کو اترنا ہی موجبِ قرب تھا۔ لیکن ظاہرِ کلام اس قول کے خلاف ہے کیونکہ قرب کا مفہوم عام ہے اوپر سے نیچے اترنے سے بھی قرب ہو سکتا ہے اور بغیر نزول کے کسی مسافت کو طے کر کے منتہیٰ کے پاس پہنچنے کو بھی دُنُوّ (قرب) کہتے ہیں جس مسافت کو طے کرنے کا ارادہ ہو اس مسافت کو طے کرنے کے بعد مقصد کے قریب پہنچ جانے کو دُنو کہتے ہیں۔ خواہ قریب آنے والی چیز اوپر سے نیچے کو نہ اتری ہو اور تدلّی کا معنی خاص لٹکنا اوپر سے نیچے کی طرف آنا۔ تدلّی دَلْو سے ماخوذ ہے۔ ڈول کا قعرِ چاہ کی طرف لٹکنا تدلّی کہلاتا ہے۔ اس کے علاوہ تدلّی کا یہ مفہوم بھی ہے کہ منتہیٰ کی جانب پہنچنے کے ساتھ اس چیز کا تعلق مبدأ سے قائم رہے۔ جیسے ڈول کی رسی ہاتھ میں رہتی ہے اور ڈول لٹک کر قعرِ چاہ کی طرف جاتا ہے۔ عرب کہتے ہیں اَدْلٰی رِجلَہٗ اس نے اپنے پاؤں تخت سے نیچے لٹکا دیئے، اور کہتے ہیں ادلٰی دلوہ اس نے اپنا ڈول لٹکا دیا۔ حاصلِ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جو وحی جبرئیلؑ کو کی۔ جبرئیلؑ نے وہی وحی اللہ کے بندے کو پہنچا دی۔ یہ تفسیر قانونِ نحو کے بھی خلاف ہے اور عقل و درایت کے بھی۔

(۱) یُوْحٰی یعنی سارا قرآن وحی کے ذریعہ نازل کیا گیا۔ اس کا کوئی حصہ رسول اللہ کا خود ساختہ نہیں ہے۔ یُوحٰی کی ضمیر ذوالحال ہے اور اس کے بعد سارے حال ہیں شَدِیْدُ الْقُوٰی اور فَاسْتَوٰی اور وَھُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی اور ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی یہ سب جملے حال ہیں اور عربی نحو کا ضروری قاعدہ ہے کہ حال اور ذوالحال کا زمانہ ایک ہی ہونا چاہئے۔ لہٰذا ان تمام جملوں کا وقوع مضمونِ وحیِ قرآن کے وقت ضرور ہونا چاہئے۔ یعنی قرآن مجید کی ہر آیت جس وقت نازل ہوئی اس وقت جبرئیلؑ کا استواء اور افقِ اعلیٰ میں موجود ہونا اور قریب آنا اور اتنا قریب آجانا جتنا دو کمانوں کا فاصلہ ہوتا ہے لازماً ہونا چاہئے ورنہ اگر کسی آیت کے نزول کے وقت یہ حالات نہ ہوں تو حال و ذوالحال کے زمانہ کی تفریق لازم آئے گی یا کچھ آیات کا نزول (اور ساخت) بغیر وحی کے ہونا جائز قرار پائے گا اور جس مضمون کو اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی میں بیان کیا گیا ہے اس کی تکذیب لازم آئے گی۔

(۲) دوسرے اَوْحٰی کی فاعلی ضمیر اور عَبْدِہٖ کی مجرور ضمیر دونوں سے مراد اللہ ہے اس لئے اول اَوْحٰی کا فاعل بھی اللہ ہی ہوگا۔ جبرئیلؑ نہ ہوگا ورنہ انتشارِ ضمائر لازم آئے گا۔

(۳) جبرئیلؑ کا رسول اللہ صلعم کے قریب آنا اور نازل ہونا اور اتنا پاس آجانا جتنا قوسین کا فاصلہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلعم کے لئے باعثِ کمال نہیں ہے۔ رسول اللہ صلعم کا مرتبہ تو حضرت جبرئیلؑ سے افضل تھا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا تھا

آسمان میں میرے دو وزیر ہیں جبرئیلؑ اور میکائیلؑ۔

تفسیر دوم کی طرف رجوع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قُرب اور نزول اور استواء کو اللہ کی طرف منسوب کرنا بعید از فہم ہے سمجھنے والی بات نہیں ہے لیکن قرآن میں تو کچھ آیات متشابہات بھی ہیں۔ جن کی مراد سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا پھر اس آیت کو بھی اگر متشابہات میں سے قرار دیا جائے تو کیا حرج ہے اللہ کا استواء قُرب نزول سب کے معانی تو معلوم ہیں لیکن کیفیت معلوم نہیں۔ صرف اربابُ القلوب ان صفات کا اس طرح مشاہدہ کرتے ہیں جس طرح چودھویں کے چاند کو دیکھا جاتا ہے اس لئے زیادہ مناسب قول اول ہی ہے۔

سعید بن جبیرؓ نے آیت فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی کی تشریح میں فرمایا اللہ نے اپنے بندے کے پاس آیت اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا سے وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ وحی بھیجی۔ بعض علماء نے کہا اللہ نے یہ وحی بھیجی کہ جب تک آپ جنت میں داخل نہ ہوں گے (دوسرے) انبیاء کے لئے جنت حرام ہے اور جب تک آپ کی امت داخل نہ ہو جائے گی اور امتوں کا داخلہ ممنوع ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ وحی عام ہے تخصیص کی کوئی دلیل نہیں۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ⑪ قلب نے دیکھی ہوئی چیز میں کوئی غلطی نہیں کی۔

اَلْفُؤَادُ یعنی رسول اللہ صلعم کا دل۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا۔ رسول اللہ صلعم نے جبرئیلؑ کو دیکھا کہ ان کے چھ سو پنکھ تھے۔ حضرت عائشہؓ کا قول بھی اسی طرح آیا ہے۔ حضرت عائشہؓ (معراج میں) اللہ کو دیکھنے کی منکر تھیں۔ مسروقؒ کا بیان ہے میں نے عرض کیا اماں کیا رسول اللہ صلعم نے اپنے رب کو دیکھا تھا۔ فرمایا تمہارے اس قول سے تو (خوف کی وجہ سے) میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ کیا تم کو وہ تین باتیں معلوم نہیں کہ جو ان کا قائل ہے وہ جھوٹا ہے جو شخص کہتا ہے کہ محمد نے اپنے رب کو دیکھا تھا وہ جھوٹا ہے۔ یہ کہہ کر ام المؤمنین نے آیت لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ تلاوت فرمائی اور یہ آیت بھی پڑھی وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ (اس کے بعد فرمایا) اور جو شخص تم سے کہے کہ رسول اللہ صلعم آنے والے کل کی بات جانتے تھے تو وہ بھی جھوٹا ہے۔ پھر آپ نے آیت مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا تلاوت فرمائی (پھر فرمایا) اور جو شخص تم سے کہے کہ رسول اللہ صلعم نے وحی کا کوئی حصہ پوشیدہ کر لیا تھا وہ بھی جھوٹا ہے۔ پھر آپ نے آیت یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ تلاوت فرمائی۔ ہاں جبرئیلؑ کو ان کی (اصل) شکل میں دوبار دیکھا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی محمد صلعم نے اپنے رب کو دوبار اپنے دل سے دیکھا تھا (رواہ مسلم) ترمذی کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا محمد نے اپنے رب کو دیکھا تھا عکرمہؒ نے عرض کیا اللہ نے نہیں فرمایا ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ارے یہ (روایت) تو اس وقت ہوئی تھی جب اللہ اپنے نور (اخلاص) سے جلوہ انداز ہوا تھا۔ بے شک محمد ﷺ نے اپنے رب کو دوبار دیکھا تھا۔

حضرت انسؓ، حسنؒ اور عکرمہؒ کا قول ہے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا یعنی اپنی آنکھ سے، بغوی نے بروایتِ عکرمہؒ حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے ابراہیم کو خلت کے لئے چُن لیا اور خلیل اللہ فرما دیا اور موسیٰؑ کو کلام کے لئے اور محمد کو (اپنی) رؤیت کے لئے۔ ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا۔ فرمایا میں نے اپنے دل سے اس کو دیکھا۔ ترمذی نے بروایتِ شعبی بیان کیا کہ کعب احبار نے حضرت ابن عباسؓ سے عرض کیا۔ اللہ نے اپنے کلام اور دیدار کو موسیٰؑ اور محمد کے درمیان تقسیم کر دیا۔ موسیٰؑ سے دوبار کلام کیا اور محمد نے دوبار (اس کو) دیکھا۔

میں کہتا ہوں جس رؤیت میں اختلافِ علماء ہے وہ قلبی رؤیت نہیں، چشمِ سر کی رویت میں اختلاف ہے۔ کیونکہ رؤیت قلبی جس کو مشاہدہ بھی کہا جائے۔ (انبیاء تو در کنار) بعض اولیاء امت کو بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ بعض اولیاء نے تو رؤیتِ چشم کے حصول کا بھی دعویٰ کیا ہے مگر یہ خلافِ اجماع ہے۔ اتفاقِ علماء ہے کہ رؤیتِ چشم سوائے رسول اللہ صلعم کے کسی امتی کو

حاصل نہیں ہو سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض صوفیہ کو اشتباہ ہو جاتا ہے وہ بیداری کی حالت میں مشاہدۂ قلبی میں ایسے غرق ہو جاتے ہیں کہ باوجود آنکھیں کھلی ہونے کے قوتِ بصر معطل ہو جاتی ہے۔ وہ غلبۂ حال کی وجہ سے خیال کرتے ہیں کہ ہم آنکھوں سے رب کو دیکھ رہے ہیں حالانکہ ان کی بینائی چشم معطل ہوتی ہے دل سے مشاہدہ میں غرق ہوتے ہیں۔

رسول اللہ صلعم کا یہ فرمان کہ میں نے اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا اگر ثابت ہو جائے تو اس سے رؤیتِ چشم کی نفی صراحۃً ثابت نہیں ہوتی۔ ہاں اس کا مفہوم ضرور یہ نکلتا ہے (اور دلالتِ مفہوم معتبر نہیں) البتہ حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت عائشہؓ کا قول ضرور صراحۃً نفی رؤیتِ چشم پر دلالت کر رہا ہے، لیکن یہ شہادت علی النفی ہے اور شہادتِ اثبات کے مقابلہ میں شہادتِ نفی مرجوح (اور غیر معتبر) ہے شہادتِ ثبوت راجح ہے۔ نفی رؤیت پر حضرت عائشہؓ کا استدلال کمزور ہے۔ سورۂ انعام میں لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ کی تفسیر میں ہم لکھ چکے ہیں کہ ادراک رؤیت سے خاص ہے۔ اس لئے نفی ادراک سے نفی رؤیت لازم نہیں آتی۔ اللہ نے فرمایا ہے قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ قَالَ كَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ (حضرت موسیٰؑ نے نفی ادراک کی باوجودیکہ آپ کے ساتھی فرعون کے لشکر کو آتا دیکھ رہے تھے، رؤیت کا انکار ممکن نہ تھا) اس کے علاوہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تمام لوگ ادراک نہیں کریں گے۔ (سلب عموم ادراک) اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کوئی بھی ادراک نہ کرے گا (عمومِ سلبِ ادراک) رہی آیت مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ الخ تو اس میں وحی کے دو طریقے بیان کئے گئے ہیں پسِ پردہ سے وحی اور بلا حجاب وحی، اس سے نفی رؤیت پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

مسلم نے حضرت ابوذرؓ کا قول نقل کیا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا فرمایا وہ نور ہے میں اس کو کیسے دیکھتا۔ اَنّٰی بمعنی كَیْفَ استفہام انکاری ہے بعض روایات میں نورانی کے بجائے نُوْرَانِیٌّ اَرَاهُ اَنّٰی آیا ہے۔ اس روایت کے بموجب رؤیت کا ثبوت ہوتا ہے لیکن مشہور روایت کے بموجب بھی صراحۃً مطلق رؤیت کی نفی نہیں ہوتی۔

میں کہتا ہوں اگر رؤیتِ چشم ثابت بھی ہو جائے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ اور کعب احبار کے مکالمہ میں ہے۔ تب بھی آیت میں رؤیتِ قلبی ہی مراد ہو گی۔ کیونکہ ہر وحی کے وقت قلبی رؤیت کا ہی تصور کیا جا سکتا ہے۔ رؤیتِ چشم مراد نہ ہو گی کیونکہ (اگر اس کا وقوع ہوا ہے تو) اس کی خصوصیت شب معراج کے ساتھ ہے۔

ابو جعفر اور ہشام کی قرأت میں بحوالۂ ابو عباس كَذَّبَ (باب تفعیل سے) آیا ہے۔ یعنی رسول اللہ صلعم نے جو کچھ اپنی آنکھ یا اپنے دل سے دیکھا۔ دل نے اس کی تصدیق کی تکذیب نہیں کی بلکہ یقین کر لیا، محقق مان لیا۔ بات یہ ہے کہ امورِ قدسیہ کا ادراک سب سے پہلے قلب سے ہوتا ہے پھر یہ ادراک چشم بصیرت کی طرف منتقل ہوتا ہے (یعنی بصر و بصیرت اس کا ادراک کرتے ہیں) پس اگر ادراکِ قلبی کے موافق ادراکِ چشم و بصیرت ہو تو دل اس کی تصدیق کرتا ہے لیکن بصر و بصیرت کی رسائی ادراکِ قلبی تک نہ ہو، بلکہ اس کے خلاف ہو تو قلب اس کی تکذیب کرتا ہے سچے علومِ رحمانی اور جھوٹے خیالات اور اشتباہاتِ شیطانی میں یہی فرق ہے۔ کبھی صوفی کے مکاشفات اور رحمانی الہام میں وہم و خیال کی بنائی ہوئی جھوٹی علمی تصویریں اور شیطانی الہامات اشتباہ پیدا کر دیتے ہیں، اس وقت صوفی اپنے دل سے پوچھتا ہے اگر دل اس کی تصدیق کرتا اور مطمئن ہوتا ہے اور یقین کی خنکی اس کو مل جاتی ہے تو وہ جان لیتا ہے کہ یہ مکاشفاتِ رحمانی ہیں اور سچے ہیں اور اگر دل ان کی تکذیب کرتا ہے دل کو ان پر اطمینان نہیں ہوتا اور قلب ان کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ الہاماتِ شیطانی اور اختراعاتِ وہمی ہیں۔

رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا، جب تمہارے سینہ میں کوئی چیز پیدا ہو یعنی خلجان پیدا کر دے تو اس کو چھوڑ دو (یعنی اگر کوئی الہامی خیال تمہارے دل میں اطمینان نہ پیدا کر سکے تو اس کو ترک کر دو اور سمجھ لو کہ وہ شیطانی ہے یا وہم کا کرشمہ ہے۔ مترجم) رواہ احمد عن ابی امامۃ۔

رسول اللہ صلعم نے یہ بھی فرمایا: اگرچہ مفتی تم کو فتویٰ دے دیں پھر بھی (اطمینان کے لئے) اپنے دل سے فتویٰ طلب کرو۔

کیا تصدیقِ قلبی رؤیتِ قلبی سے کوئی الگ چیز ہے؟

بے شک دونوں الگ الگ چیزیں ہیں تنقیح مسئلہ اس طرح کی جاسکتی ہے کہ جب اللہ کو مؤمن بندے سے بے کیف ذاتی محبت ہو جاتی ہے تو مؤمن کو اللہ کی بے کیف ذاتی معیت حاصل ہو جاتی ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بندہ کو اللہ کی ذات و صفات کا ادراک میسر ہو جاتا ہے لیکن رؤیت حاصل نہیں ہوتی۔ رؤیت کا تعلق صرف مرتبۂ ظلیت سے ہے (یعنی رؤیت ظلال کی ہوتی ہے ذات و صفات کی نہیں ہوتی) قلب تو ممکنات ذات کو بھی نہیں دیکھتا بلکہ اس کے ظل اور شبیہ کو دیکھتا ہے۔ کیونکہ ذہن میں کسی چیز کی ذات حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کی صورت اور شبیہ حاصل ہوتی ہے۔ ہاں نفس شئ اور ذات شئ کی رؤیت قوت باصرہ کی وساطت سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے ذات خداوندی کی رؤیت تو دنیا میں ممکن نہیں (معراج میں رسول اللہ صلعم نے اپنے رب کو دیکھا یا نہیں دیکھا اس اختلاف کا ذکر سطور بالا میں کر دیا گیا ہے) کیونکہ دنیا میں حاسۂ بصری اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ البتہ آخرت میں (قوت باصرہ میں) اس کی صلاحیت و استعداد پیدا ہو جائے گی۔ اس لئے عام مؤمنوں کو دیدار الٰہی ہو سکے گا اور ادراک کا تعلق چونکہ صرف دل سے ہے بصارت چشم سے نہیں ہے۔ اس لئے نہ دنیا میں ادراک ذات باری کا ہو سکتا ہے نہ آخرت میں ممکن ہے۔ پس رؤیت قلبی خواہ بوساطت چشم ہو یا بلا توسط، اس میں اختراع وہم، ایجاد خیال اور تلبیس شیطانی کی کبھی آمیزش ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے حق کو باطل کے ساتھ اختلاط ہو جاتا ہے، یا بصارت میں کمی آجاتی ہے اور بینائی اصل مرئی سے ہٹ جاتی ہے اس لئے غلطی ہو جاتی ہے اور ادراک سادہ میں سے نہ وہم کی رخنہ اندازی ہوتی ہے، نہ شیطان کی، نہ نظر کی کجروی، اس لئے اطمینان بالحق، تصدیق قلب اور تکذیب باطل پیدا ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

أَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴿۱۲﴾ کیا تم ان سے ان کی دیکھی ہوئی چیز میں نزاع کرتے ہو۔

تُمٰرُوْنَ: مراء سے مشتق ہے مراء کا معنی جھگڑا کرنا مری الناقۃ دودھ نکالنے کے لئے اونٹنی کے تھن کو ملنا۔ باہم جھگڑنے والے بھی اپنے مخالف کی دلیلوں کو نکلوانا چاہتے ہیں۔ اس لغوی مناسبت سے مراء کا معنی ہو گیا جھگڑا کرنا۔ اصل کلام اس طرح تھا، کیا تم رسول اللہ کی بات کا انکار کرتے ہو اور ان سے جھگڑا کرتے ہو۔

استفہام توبیخی اور انکاری ہے یعنی محمد جس چیز کے دیکھنے کا دعویٰ کر رہے ہیں تمہیں اس کا انکار اور جھگڑا نہ کرنا چاہئے۔

صیغۂ مضارع کا استعمال ماضی کے استحضار اور حکایت کے لئے ہے۔ یا زمانہ حال میں رسول اللہ صلعم کو جو کچھ دکھایا گیا ہے یا دکھایا جائے گا۔ اس کے انکار پر بصورت استفہام توبیخ کرنی مقصود ہے۔

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿۱۳﴾ اور انہوں نے (یعنی محمد نے) اس کو (یعنی فرشتہ کو اس کی اصلی صورت میں) ایک اور دفعہ بھی دیکھا۔

وَلَقَدْ رَاٰهُ یعنی رسول اللہ صلعم نے اپنے رب کو یا جبرئیل کو ان کی اصل شکل میں دیکھا۔

نَزْلَةً اُخْرٰى یعنی ایک اور نزول کے وقت۔ نَزْلَة سے اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ اس بار رؤیت نزول اور قرب کی حالت میں ہوئی۔ کیونکہ ممکن واجب کو اسی وقت دیکھ سکتا ہے جب دیکھنے والا انسان امکان کے مرتبۂ انس اور افق اعلیٰ میں ہو اور واجب مرتبۂ تنزیہہ سے کچھ اتر کر درجۂ تشبیہ کی طرف آجائے اور حجاب صفات یا پردۂ ظلال کی آڑ سے اس کو دیکھا جاسکے۔ اس قول سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ واجب کی ذات میں کوئی نئی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ اللہ تغیرات سے پاک ہے بلکہ آئینۂ قلب میں جب صفائی پیدا ہو جاتی ہے تو مرتبۂ علم میں نزول و عروج ہوتا ہے۔ یہ تفصیلی بحث سورۂ بقرہ کی آیت هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ کی تفسیر میں ہم نے ذکر کر دی ہے۔

اُخْرٰى کے لفظ سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ رؤیت صرف دو مرتبہ ہوئی بلکہ اس سے مراد ہے تعداد اور تعداد کا ادنیٰ درجہ

چونکہ دُو کا عدد ہے۔ اس لئے حضرت ابن عباسؓ اور کعب الاحبار کے مکالمہ میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا۔

اس آیت میں اس رؤیت کا ذکر ہے جو شبِ معراج میں رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہوئی تھی۔

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾　　سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔

ظاہر یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور کعب الاحبار کے سوال جواب میں جس رؤیتِ چشم کا ذکر آیا ہے یہ وہی رؤیت ہے جو سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہوئی۔ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى کا تعلق مَارَاٰی سے ہے۔ سِدْرَۃُ المنتہیٰ میں اضافت موصوف الی الصفت ہے۔ جیسے جَانِبُ الْغَرْبِ اور مسجد الجامع میں ہے۔ علمائے بصرہ کے نزدیک موصوف محذوف ہے۔ اصل میں سِدْرَۃُ الْمَکَانِ المنتہیٰ تھا۔

سدرۃ کو منتہیٰ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اعمالِ خلق پہنچنے کی یہ آخری انتہائی حد ہے یہاں پہنچ کر ملائکہ　سے لے لئے جاتے ہیں اور اوپر سے احکام اتر کر یہاں تک پہنچتے ہیں اور یہاں سے ملائکہ لے کر نیچے اترتے ہیں گویا یہ مقام احکامِ الٰہی کے نزول اور اعمالِ خلق کے عروج کی آخری حد ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ سے جو کچھ پرے ہے وہ غیب ہے حضرت ابن مسعودؓ اور کعب کا کلام اسی پر دلالت کرتا ہے۔

معراج کا قصہ

صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت سے بحوالہ حضرت مالکؓ بن صعصعہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا، میں حطیم میں سورہا تھا کہ ایک آنے والا آیا، اس نے اس جگہ سے اس جگہ تک یعنی ہنسلی کے گڑھے سے ناف تک (میرا سینہ) شق کیا پھر ایک سنہری طشت ایمان سے بھرا ہوا لایا گیا اور (اس سے) میرے دل کو دھویا گیا۔ پھر (ایمان کو) دل میں بھر کر اس کی جگہ دوبارہ رکھ دیا گیا۔ ایک روایت میں آیا ہے پھر آبِ زمزم سے اس کو دھویا گیا۔ اس کے بعد ایمان اور حکمت سے اسکو بھر دیا۔ پھر ایک چوپایہ لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا۔ جس کو بُراق کہا جاتا تھا۔ حدِ نظر تک اس کا ایک قدم پڑتا تھا پھر مجھے اس پر سوار کیا گیا اس کے بعد جبرئیلؑ مجھے لے کر روانہ ہوئے یہاں تک کہ آسمانِ دنیا تک اور (دروازہ) کھلوانا چاہا۔ دریافت کیا گیا کون ہے۔ جبرئیلؑ نے کہا جبرئیلؑ۔ پوچھا گیا تمہارے ساتھ کون ہے۔ جبرئیلؑ نے کہا محمد۔ دریافت کیا گیا۔ کیا ان کے پاس تم کو بھیجا گیا تھا۔ جبرئیلؑ نے کہا ہاں (دروازہ) فوراً کھول دیا گیا اور کہا گیا۔ مرحبا خوش آمدید! جب میں اوپر پہنچا تو وہاں آدمؑ کو موجود پایا۔ جبرئیلؑ نے کہا یہ تمہارے باپ آدمؑ ہیں، ان کو سلام کرو میں نے سلام کیا۔ آدمؑ نے سلام کا جواب دیا اور کہا صالح بیٹے کے لئے مرحبا۔ اس کے بعد جبرئیلؑ مجھے دوسرے آسمان تک چڑھا کر لے گئے اور (دروازہ) کھلوانا چاہا۔ حضور ﷺ نے آسمان تک پہنچنے کے سلسلہ میں بیان فرمایا۔ چنانچہ فرمایا جب میں اوپر پہنچا تو وہاں یحییٰؑ اور عیسیٰؑ کو پایا جو آپس میں خالہ کے بیٹے تھے۔ جبرئیلؑ نے کہا: یہ یحییٰؑ ہیں اور یہ عیسیٰؑ ہیں۔ ان کو سلام کرو میں نے دونوں کو سلام کیا۔ دونوں نے سلام کا جواب دیا۔ اور کہا صالح بھائی اور صالح نبی کے لئے مرحبا۔ حضور ﷺ نے تیسرے آسمان پر یوسفؑ (کے ہونے) کا اور چوتھے پر ادریسؑ کا اور پانچویں پر ہارونؑ کا اور چھٹے پر موسیٰ (کے موجود ہونے) کا ذکر کیا۔ ہر ایک نے صالح بھائی اور صالح نبی کے لئے مرحبا کہا۔ جب میں آگے بڑھا یعنی موسیٰؑ سے تو موسیٰؑ رو دیئے، پوچھا گیا۔ آپؑ کے رونے کی کیا وجہ موسیٰؑ نے کہا میں اسلئے رویا کہ ایک لڑکے کو میرے بعد (نبی بنا کر) بھیجا گیا۔ جس کی امت میری امت سے زیادہ جنت میں جائے گی۔ پھر مجھے چڑھا کر ساتویں آسمان تک لے جایا گیا۔ اس جگہ بھی حضور ﷺ نے دروازہ کھلوانے وغیرہ کا حسبِ مذکور بالا ذکر فرمایا اور وہاں ابراہیمؑ کے موجود ہونے کا بھی بیان فرمایا: جبرئیلؑ نے کہا یہ آپ کے باپ ابراہیمؑ ہیں۔ ان کو سلام کرو۔ میں نے سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا صالح بیٹے کے لئے مرحبا اس کے بعد سدرۃ المنتہیٰ اٹھا کر میرے سامنے لایا گیا اس کے بیر ایسے تھے جیسے ہجر کے مٹکے اور پتے ایسے تھے جیسے ہاتھی کے کان۔ جبرئیلؑ نے کہا یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے وہاں سے چار دریا نکل رہے تھے۔ دو اندرونی دو بیرونی میرے دریافت کرنے پر جبرئیلؑ نے کہا۔ دو

اندرونی دریا تو وہ ہیں جو جنت کے اندر ہیں اور دو بیرونی دریا نیل و فرات ہیں۔ اس کے بعد بیت معمور میرے سامنے لایا گیا پھر ایک برتن شراب کا بھرا ہوا ایک برتن دودھ سے بھرا ہوا اور ایک برتن شہد سے بھرا ہوا میرے سامنے لایا گیا۔ میں نے دودھ لے لیا۔ جبرئیلؑ نے کہا یہی وہ (دین) فطرت ہے جس پر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی امت ہو گی۔ اس کے بعد مجھ پر ہر روز پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ میں لوٹ کر آیا اور موسیٰؑ کی طرف سے گزرا تو انہوں نے پوچھا آپ کو کیا حکم دیا گیا۔ میں نے کہا ہر روز پچاس نمازوں کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ موسیٰؑ نے کہا آپ کی امت ہر روز پچاس نمازیں نہیں پڑھ سکے گی۔ میں واللہ آپ ﷺ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں میں بنی اسرائیل کی درستی کی بھی سخت کوشش کر چکا ہوں۔ آپ ﷺ واپس جا کر اپنی امت کے لئے اپنے رب سے درخواست کیجئے۔ میں واپس گیا (اور تخفیف کی درخواست کی) اللہ نے دس نمازیں ساقط کر دیں میں لوٹ کر موسیٰؑ کی طرف آیا، موسیٰؑ نے وہی پہلے کی طرح بات کی۔ میں پھر لوٹ کر گیا اور اللہ نے دس نمازیں (اور) ساقط کر دیں۔ میں موسیٰ کے پاس لوٹ کر آیا۔ موسیٰ نے وہی بات کہی۔ آخر مجھے دس نمازوں کا حکم دیا گیا اور میں موسیٰؑ کے پاس لوٹ کر آیا۔ موسیٰ نے وہی پہلی بات کہی، میں لوٹ کر پھر گیا تو مجھے روز پانچ نمازوں کا حکم دیا گیا میں موسیٰؑ کے پاس آیا تو انہوں نے پوچھا کیا حکم ملا۔ میں نے کہا مجھے ہر روز پانچ نمازوں کا حکم دیا گیا ہے۔ موسیٰؑ نے کہا آپ ﷺ کی امت روزانہ پانچ نمازوں کی بھی طاقت نہیں رکھتی میں آپ ﷺ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں اور بنی اسرائیل سے میرا سخت واسطہ پڑ چکا ہے۔ آپ واپس جا کر اپنی امت کے لئے تخفیف کی اپنے رب سے درخواست کیجئے۔ میں نے کہا میں اتنی مرتبہ درخواست کر چکا کہ اب (مزید درخواست کرنے سے) مجھے شرم آتی ہے لیکن میں خوشی و رضا سے حکم کو تسلیم کرتا ہوں۔ جب میں موسیٰؑ کے پاس سے آگے بڑھا تو ایک ندا کرنے والے نے پکار کر کہا میں نے اپنا فرض جاری کر دیا اور اپنے بندوں کے لئے تخفیف کر دی۔

مسلم نے بوساطت ثابت بنانی حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا میرے پاس بُراق لایا گیا وہ ایک چوپایہ تھا۔ سفید دراز قامت گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا۔ اس کی (ایک) ٹاپ وہاں پڑتی تھی جہاں تک اس کی نظر پہنچتی تھی۔ میں اس پر سوار ہو گیا۔ یہاں تک کہ بیت المقدس پہنچ گیا۔ جس حلقہ سے دوسرے انبیاء (اپنے جانوروں کو) باندھ دیتے تھے۔ اس سے میں نے براق کو باندھ دیا۔ ابن جریرؒ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جب ہم بیت المقدس پہنچ گئے تو جبرئیلؑ نے اشارہ کر کے پتھر میں شگاف کر دیا اور اس سے براق کو باندھ دیا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا پھر میں مسجد میں داخل ہوا اور اس میں دو رکعت نماز پڑھی، باہر نکلا تو جبرئیلؑ ایک برتن شراب سے بھرا ہوا اور ایک برتن دودھ سے بھرا ہوا میرے پاس لائے میں نے دودھ کو پسند کر لیا۔ جبرئیل نے کہا آپ نے فطرت کو پسند کر لیا۔ اس کے بعد ہم کو چڑھا کر آسمان کی طرف لے گئے۔ باقی حدیث روایت اول کے موافق ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا میری ملاقات (وہاں) آدمؑ سے ہوئی انہوں نے مجھے مرحبا کہا اور میرے لئے دعاء خیر کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا تیسرے آسمان میں یوسفؑ سے ملاقات ہوئی میں نے دیکھا کہ ان کو (کل انسانوں کے) حسن کا آدھا حصہ دیا گیا تھا۔ انہوں نے مجھے مرحبا کہا اور میرے لئے دعاء خیر کی۔ اس روایت میں حضرت موسیٰؑ کے رونے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیمؑ کی ملاقات کا ذکر کیا۔ حضرت ابراہیمؑ بیت المعمور سے کمر ٹکائے بیٹھے تھے۔ بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں (عبادت کے بعد) جب نکل کر چلے جاتے ہیں تو دوبارہ لوٹ کر نہیں آتے۔ اس کے بعد مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا۔ اس کے پتے ایسے تھے جیسے ہاتھی کے کان اور پھل اتنے بڑے تھے جیسے مٹکے۔ جب سدرۃ المنتہیٰ پر جو کچھ چھانا تھا امر الٰہی سے چھا گیا تو اس میں ایسا تغیر پیدا ہو گیا کہ کوئی مخلوق اس کے حسن کو بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتی اور اللہ نے جو کچھ وحی کرنا تھی مجھ پر نازل کر دی اور ہر شبانہ روز میں پچاس نمازیں مجھ پر فرض کر دیں میں اتر کر موسیٰؑ کی طرف آیا تو انہوں نے پوچھا آپ کے رب نے آپ ﷺ پر کیا فرض کیا میں نے کہا۔ ہر دن رات میں پچاس نمازیں۔ موسیٰؑ نے کہا واپس جا کر اپنے رب سے تخفیف کی درخواست کیجئے۔ آپ ﷺ کی امت میں اس کی طاقت نہیں ہے۔ میں بنی اسرائیل کا تجربہ اور آزمائش کر چکا ہوں۔ میں واپس اپنے رب کی طرف

گیا اور عرض کیا اے میرے رب میری امت کے لئے تخفیف کردے۔ اللہ نے پانچ نمازیں ساقط کردیں۔ میں موسیٰ کے پاس لوٹ کر آیا اور ان سے کہا۔ اللہ نے پانچ نمازیں کم کردیں۔ موسیٰؑ نے کہا آپ ﷺ کی امت میں اس کی بھی طاقت نہیں۔ لوٹ کر پھر اپنے رب کے پاس جائیے اور تخفیف کی درخواست کیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ اس طرح میں اپنے رب اور موسیٰؑ کے درمیان برابر آتا جاتا رہا۔ آخر کار اللہ نے فرمایا محمد ہر دن رات میں یہ پانچ نمازیں ہیں۔ ہر نماز دس (کے قائم مقام) ہے۔ اس لئے یہ پچاس نمازیں ہو گئیں جو شخص نیکی کا ارادہ کرے گا لیکن کر نہ پائے گا۔ اس کے لئے ایک نیکی لکھی جائے گی اور جو کر بھی لے گا اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور جو شخص کسی گناہ کا ارادہ کرے گا لیکن کر نہ پائے گا۔ اس کے لئے کچھ نہیں لکھا جائے گا اور اگر کر گزرا تو اس کے لئے ایک گناہ لکھا جائے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ اس کے بعد اتر کر میں موسیٰؑ کی طرف آیا۔ اور (پچاس کی جگہ پانچ نمازیں باقی رہنے کی) ان کو اطلاع دی۔ انہوں نے پھر یہی کہا کہ واپس جاکر اپنے رب سے تخفیف کی درخواست کیجئے میں نے کہا اتنی بار میں لوٹ لوٹ کر جاچکا کہ اب مجھے اپنے رب سے شرم آتی ہے۔

صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ کی وساطت سے حضرت ابوذرؓ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا میرے گھر کی چھت میں شگاف کردیا گیا۔ اس وقت میں مکہ میں تھا پھر آپ نے شقِ صدر کا حسبِ روایت سابق ذکر کیا لیکن بُراق کا ذکر نہیں کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا پھر جبرئیلؑ میرا ہاتھ پکڑ کر آسمان کی طرف چڑھا کر لے گئے۔ جب میں آسمانِ دنیا تک پہنچا تو جبرئیلؑ نے آسمان کے دربان سے کہا۔ کھولو جب (دروازہ) کھول دیا گیا اور ہم آسمان دنیا پر چڑھ گئے تو وہاں ایک آدمی بیٹھا ہوا نظر آیا۔ جس کے دائیں طرف کچھ شخص تھے اور بائیں طرف بھی کچھ شخص تھے جب وہ دائیں طرف دیکھتا تھا تو ہنس دیتا تھا اور بائیں طرف دیکھ کر رو دیتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا صالح نبی اور صالح بیٹے کے لئے مرحبا۔ میں نے جبرئیلؑ سے کہا یہ کون ہے جبرئیلؑ نے جواب دیا یہ آدمؑ ہیں ان کے دائیں بائیں ان کی اولاد کی روحیں ہیں، دائیں جانب والے جنتی ہیں اور بائیں طرف والے دوزخی اسی وجہ سے دائیں جانب دیکھتے ہیں تو ہنس دیتے ہیں اور بائیں طرف دیکھ کر رو دیتے ہیں۔ حضور ﷺ نے اس کے بعد آسمانوں پر آدمؑ ادریسؑ موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور ابراہیمؑ سے ملاقات کا ذکر کیا لیکن کون کس مقام پر تھا۔ اس بات کا ثبوت نہیں اتنا ضرور فرمایا کہ آسمان دنیا پر آدمؑ سے اور چھٹے آسمان پر ابراہیمؑ سے ملاقات ہوئی۔

زہری نے کہا مجھ سے ابن حزم نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو حیہ انصاریؓ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا پھر مجھے چڑھا کر ایک چھت پر پہنچایا گیا۔ جہاں قلموں کے چلنے کی آواز مجھے سنائی دیتی تھی۔

ابن حزم نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ پھر میری امت پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ جب میں لوٹا اور موسیٰؑ کی طرف سے گزرا تو انہوں نے پوچھا اللہ نے تمہارے لئے کیا فرض کیا۔ میں نے کہا پچاس نمازیں۔ انہوں نے کہا اپنے رب کے پاس واپس جاؤ۔ آپ ﷺ کی امت میں اس کی طاقت نہیں۔ غرض موسیٰؑ نے مجھے لوٹا دیا۔ اللہ نے آدھی نمازیں ساقط کردیں۔ میں موسیٰؑ کی طرف لوٹ کر آیا اور کہہ دیا کہ اللہ نے آدھی نمازیں ساقط کردیں موسیٰ نے کہا، پھر لوٹ کر جاؤ۔ آپ ﷺ کی امت میں اس کی طاقت بھی نہیں۔ غرض میں لوٹ کر گیا اور تخفیف کی درخواست کی) اللہ نے فرمایا یہ پانچ (لازم) ہیں اور (حقیقت میں) یہ پچاس ہیں۔ میری بات بدلی نہیں جاتی۔ میں موسیٰؑ کی طرف لوٹ کر آیا۔ موسیٰؑ نے کہا پھر اپنے رب کے پاس واپس جاؤ۔ میں نے کہا اب تو مجھے اپنے رب سے شرم آتی ہے اس کے بعد جبرئیلؑ مجھے لے کر چلے اور سدرہ تک پہنچا دیا سدرہ پر اس وقت بہت سے مختلف رنگ چھائے ہوئے تھے مجھے معلوم نہیں وہ کیا تھے۔ اس کے بعد مجھے جنت میں داخل کیا گیا وہاں موتی کے ڈیرے تھے اور مٹی مشک کی تھی۔

معمر نے بوساطت قتادہؒ حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ شبِ معراج میں رسول اللہ صلعم کے سامنے براق لایا گیا جو زین پوش اور لگام بردوش تھا۔ براق نے کچھ شوخی کی حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا کیا محمد ﷺ کے ساتھ تو ایسی حرکت کر رہا ہے حالانکہ کوئی بھی اللہ کے نزدیک محمد ﷺ سے زیادہ عزت والا تجھ پر سوار نہیں ہوا۔ براق یہ بات سن کر پسینے پسینے ہو گیا۔

مسلم کا بیان ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا شبِ معراج میں رسول اللہ صلعم کو سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچایا گیا۔ سدرۃ المنتہیٰ چھٹے آسمان میں ہے۔ زمین سے جو اعمال اوپر چڑھتے ہیں اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچتے ہیں اور وہاں سے (اللہ کی طرف سے) ان کو لے لیا جاتا ہے اور جو کچھ (حکم) اوپر سے اترتا ہے وہ سدرۃ المنتہیٰ تک آتا ہے اور یہاں سے (ملائکہ کے قبضہ میں اس کو دے دیا جاتا ہے)

بغوی نے لکھا ہے کہ ہلال بن یسارؒ نے کہا میں موجود تھا کہ حضرت ابن عباسؓ نے کعب (احبار) سے سدرۃ المنتہیٰ کے متعلق دریافت کیا۔ کعب نے کہا سدرۃ عرش کی جڑ میں ہے مخلوقات کے علم کی رسائی بس وہیں تک ہے۔ اس کے پرے غیب ہے جس سے اللہ کے سوا کوئی واقف نہیں۔

میں کہتا ہوں اس قول میں مخلوقات سے مراد ملائکہ ہیں سِدرۃُ المنتہیٰ تک ملائکہ کی رسائی ہے۔ اس سے آگے کوئی فرشتہ نہیں بڑھ سکتا۔ اس سے پرے مکمل غیب ہے خود سدرۃ المنتہیٰ اگرچہ بعض آدمیوں کے لئے غیب ہے مگر بعض ملائکہ کے لئے غیب نہیں ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت اسماء بنت صدیق اکبرؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلعم سے خود سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر سنا۔ آپ علیہ السلام فرما رہے تھے اس کی شاخ کا سایہ ایسا ہے کہ ایک سوار سو برس اس کے نیچے چلتا رہے اور ایک لاکھ سوار اس کے سایہ میں آسکتے ہیں اس کا فرش سونے کا ہے اور اس کے پھل مٹکوں کی طرح (مقدار میں) ہیں۔

مقاتل نے کہا وہ ایک درخت جو زیور اور لباس اور پھلوں سے اور تمام رنگوں سے آراستہ ہے۔ اگر اس کا پتہ زمین پر گر جائے تو زمین کے سارے رہنے والوں کو روشن کر دے۔ یہ ہی طوبیٰ ہے۔

عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى ﴿۱۵﴾		اس کے قریب جنت الماویٰ ہے۔

جنت الماویٰ میں علماء کوفہ کے نزدیک اضافت موصوف الی الصفت ہے اور بصرہ کے نحویوں کے نزدیک موصوف محذوف ہے یعنی جنت المکان الماوی۔

عطاء کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وہ ایسی جنت ہے جو جبرئیلؑ اور ملائکہ کی قرار گاہ (جائے رجوع) ہے۔ مقاتل اور کلبی نے کہا شہداء کی روحیں یہیں اقامت گزیں ہوتی ہیں۔

إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ﴿۱۶﴾		جب سدرۃُ المنتہیٰ کو لپیٹ رہی تھیں جو چیزیں لپیٹ رہی تھیں۔

مَا يَغْشٰى یہ اول یَغْشٰی کا فاعل ہے یعنی سدرہ پر وہ چیز چھائی ہوئی تھی کہ اس کی خوبصورتی، کثرت اور حقیقت نہ پانے کی وجہ سے کوئی اس کی پوری کیفیت بیان نہیں کر سکتا۔

حضرت انسؓ کی روایت کردہ حدیثِ معراج میں اوپر گزر چکا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جب سدرۃ المنتہیٰ پر جو کچھ چھانا تھا بامرِ خدا چھا گیا، تو اس کی حالت بدل گئی حسن کی وجہ سے کوئی مخلوق بھی اس کی کیفیت نہیں بیان کر سکتی۔ مسلم نے حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ مَا يَغْشٰى یعنی سونے کے پتنگے بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔

بغوی نے حسن کا قول بیان کیا کہ ربُّ العزت کا نور اس پر چھا گیا، جس کی وجہ سے وہ جگمگانے لگا۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کی محبت کی وجہ سے کووں کی طرح ملائکہ اس پر چھا گئے نور کا چھا جانا نورانی جلوہ پاشیوں کی ایک قسم ہے۔

بغوی کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا میں نے اس کے ہر پتہ پر ایک فرشتہ کو کھڑا دیکھا جو اللہ کی پاکی بیان کر رہا تھا۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾		نگاہ نہ تو ہٹی اور نہ بڑھی۔

مَا زَاغَ یعنی رسول اللہ صلعم کی نظر دائیں بائیں نہیں بھٹکی نہ آپ کی نگاہ چوکی۔

وَمَا طَغٰى اور نہ نظر محبوب سے ہٹی۔ ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

آہ مِنَ الْعِشْقِ وَ حَالَاتِہٖ أَحْرَقَ قَلْبِیْ بِحَرَارَاتِہٖ

مَانَظَرَ الْعَیْنُ اِلٰی غَیْرِکُمْ اُقْسِمُ بِاللّٰہِ وَاٰیَاتِہٖ

آہ عشق اور کیفیاتِ عشق کی گوناگوں تپش نے میرے دل کو سوختہ کر دیا۔ اللہ اور کلام اللہ کی قسم میری آنکھ نے تو تمہارے سوا (کسی چیز کو) دیکھا بھی نہیں۔

بعض علماء نے مَاطَغٰى کا یہ مطلب بیان کیا کہ جن عجائباتِ قدرت کو دیکھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ ان سے نگاہ دوسری طرف نہیں مُڑی۔

لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۞۱۸ انہوں نے اپنے پروردگار (کی قدرت) کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے۔

آیاتِ کبریٰ سے مراد ہیں، عجائب ملکوتی جن کی سیر رسول اللہ صلعم نے شبِ معراج میں دوران آمد ورفت کی تھی۔ براق آسمان، انبیاء، ملائکہ، سدرۃ المنتہیٰ سب کا شمار عجائبِ ملکوت میں ہے۔

مسلم کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے آیت لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى پڑھی اور فرمایا رسول اللہ صلعم نے جبرئیلؑ کو ان کی اصل شکل میں دیکھا تھا کہ ان کے چھ سو پنکھ تھے۔

بخاری کی روایت ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے آیت لَقَدْ رَاٰى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى پڑھی اور فرمایا رسول اللہ صلعم نے سبز رفرف کو دیکھا، جس نے افق کو بند کر رکھا تھا۔

عجائبِ ملکوت کو آیاتِ کبریٰ کہنے کی خصوصیت اس بنا پر ہے کہ مذکورہ آیاتِ قدرت برکت ورحمت کی فرودگاہ تھیں اور انوار وتجلیات کی خصوصی بارش ان پر ہو رہی تھی ورنہ ہر ممکن وجودِ صانع کی روشن برہان اور واضح دلیل ہے کسی مصنوعِ قدرت کو حقیر نہیں قرار دیا جاسکتا۔ اللہ نے فرمایا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ایک مکھی بھی حقیر نہیں بلکہ ضعیف وخلقت کے لحاظ سے اتنی عظیم الشان ہے کہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی طاقت بھی ایک مکھی کی تخلیق نہیں کر سکتی۔

ایک شبہ

آیت مذکورہ میں لفظ "آیات" دلالت کر رہا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے حضرت جبرئیلؑ کو دیکھا تھا اللہ کو نہیں دیکھا تھا۔ کیونکہ جبرئیلؑ کو آیتِ رب کہا جاسکتا ہے اور وہ آیتِ کبریٰ تھے بھی۔ ذات کو آیاتِ کبریٰ میں داخل نہیں قرار دیا جاسکتا۔ آیات کو دیکھنا بعینہٖ ذات کو دیکھنا نہیں قرار دیا جاسکتا۔

ازالہ

رؤیتِ آیات رؤیتِ ذات کے منافی نہیں ہے۔ آیات تو جلوۂ ذات کا آئینہ ہیں۔ آئینہ میں سورج کی جلوہ پاشیاں نظر آتی ہیں۔ مَاطَغٰى کی تشریح میں ہم نے تفسیری مطلب لکھ دیا ہے کہ محبوب سے نظر نہیں ہٹی۔ اس تشریح سے خود ہی معلوم ہو گیا کہ رؤیتِ ذات کی حالت میں رؤیتِ آیات کو نظر انداز کر دیا۔ حقیقت میں رؤیتِ آیات کا اصل مقصد ہی رؤیتِ ذات تھا۔ آیات تو ذات کا آئینہ تھیں آیات کو دیکھ کر نظر آگے بڑھی ذات تک پہنچی اور وہیں پہنچ کر سمٹ کر رُک گئی۔

مسئلہ

اہل سنت والجماعۃ کا اجماع ہے کہ سیرِ معراج بیداری میں ہوئی (لیکن کہاں سے کہاں تک اور کیسے ہوئی اس میں اقوال مختلف ہیں) اہل علم نے صراحت کی ہے کہ مسجد حرام (کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک جانا تو قطعی ہے۔ قرآنی صراحت سے ثابت ہے۔ اللہ نے سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَى تصریح کے ساتھ فرمادیا ہے اس لئے اس کا منکر تو کافر ہے لیکن ساتویں آسمان تک اور اس سے اوپر جانا قرآن سے ثابت نہیں

ہے۔ صحیح احادیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ اور احادیث آحاد قطعی نہیں ظنی ہوتی ہیں) اس لئے اس کا منکر فاسق (محسب العقیدہ) ہے کافر نہیں ہے صحیح بات یہ ہے کہ سدرۃ المنتہٰی تک پہنچنا تو اسی آیت سے ثابت ہے اور قطعی ہے اس لئے معراجِ سماوی کا منکر بھی کافر ہے۔

ایک شبہ

شیخین نے صحیحین میں بسندِ شریک بن عبد اللہؓ بیان کیا ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا، وحی آنے سے پہلے (کا واقعہ ہے کہ) رسول اللہ صلعم مسجد حرام میں سو رہے تھے (خواب میں) تین شخص آئے۔ یہ شبِ معراج کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد حضرت انسؓ نے معراج کا قصہ بیان کیا اور کہا کہ آسمان دنیا میں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں دو دریا رواں ہیں (جبرئیلؑ نے) کہا یہ نیل و فرات ہیں۔ پھر چل کر اور آسمان پر پہنچے تو وہاں ایک نہر دکھائی دی۔ جس (کے کنارہ) پر موتیوں کا اور زبرجد کا ایک قصر بنا ہوا نظر آیا (پانی میں) ہاتھ مار کر دیکھا تو وہ پانی (خوشبو میں) خالص مشک (کی طرح) تھا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا، جبرئیلؑ یہ کیا ہے جبرئیلؑ نے جواب دیا۔ یہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے تیار کر رکھی ہے سلسلۂ حدیث کو جاری رکھتے ہوئے رسول اللہ صلعم نے فرمایا، پھر مجھے ساتویں آسمان کی طرف چڑھا کر لے جایا گیا۔ اس روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے کہا، اے میرے رب مجھے گمان نہ تھا کہ مجھ سے کسی کو اوپر اٹھایا جائے گا۔ اس کے بعد آپ کو اللہ نے اور اونچا اٹھایا اتنا کہ اللہ کے سوا اور کوئی (اس بلندی سے) واقف نہیں۔ یہاں تک کہ سدرۃ المنتہٰی پر پہنچے اور جبار رب العزت آپ کے قریب آیا پھر نیچے اترا کہ بمقدار قوسین بلکہ اس سے بھی قریب آگیا۔ پھر جو کچھ وحی کرنا تھی اللہ نے وحی کی ہر دن رات میں پچاس نمازوں کا وحی کے ذریعہ سے حکم دیا۔ حضرت موسیٰ بار بار رب کے پاس جانے کا مشورہ دیتے رہے۔ (اور آپ برابر آتے جاتے اور تخفیف کی درخواست کرتے رہے) آخر پچاس نمازیں (کم ہوتے ہوتے) پانچ رہ گئیں۔ پچاس کی پانچ ہونے پر بھی موسیٰؑ نے کہا محمد خدا کی قسم میں نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو اس سے بھی کم پر تدبیر سے آمادہ کیا۔ لیکن وہ اس سے بھی کمزور ثابت ہوئیں۔ آپ کی امّت تو بنی اسرائیل سے جسم، قلب اور چشم و گوش کے لحاظ سے کمزور ہے۔ اس لئے آپ واپس جا کر اپنے رب سے تخفیف کی درخواست کیجئے۔ ہر مرتبہ موسیٰؑ کی بات پر مشورہ حاصل کرنے کے لئے رسول اللہ صلعم حضرت جبرئیلؑ کی طرف التفات فرماتے تھے اور جبرئیلؑ بھی (تخفیف کی درخواست کو) نامناسب نہیں قرار دیتے تھے۔ پانچویں مرتبہ رسول اللہ صلعم نے جب درخواست کی اور عرض کیا، اے میرے رب میری امت کے جسم بھی کمزور ہیں دل بھی کمزور ہیں اور چشم و گوش بھی کمزور ہیں، ہمارے لئے تخفیف فرما دے رب العزت نے فرمایا، اے محمد ﷺ آپ نے کہا میں حاضر ہوں، متوجہ ہوں اللہ نے فرمایا میں نے لوح میں جو فرض کر دیا ہے۔ اس قول میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔ ہر نیکی کا بدلہ دس گنا (لکھ دیا گیا) ہے۔ لوح محفوظ میں تو یہ پچاس ہی ہیں اور تم پر پانچ نمازیں (فرض) ہیں (جب واپس آئے تو) حضرت موسیٰؑ نے پھر وہی بات کہی کہ واپس جا کر اپنے رب سے تخفیف کی درخواست کیجئے رسول اللہ صلعم نے فرمایا، اب تو بار بار جانے سے مجھے اپنے رب سے شرم آتی ہے۔ اس کے بعد حکم ہوا۔ اب بسم اللہ کر کے نیچے اتر جاؤ اس کے بعد حضور ﷺ بیدار ہو گئے۔ اس وقت مسجد حرام میں ہی تھے۔ یہ بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں۔ مسلم نے واقعہ مختصر نقل کیا ہے لیکن اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ معراج کا واقعہ خواب میں دکھائی دیا تھا۔

بعض اہلِ حدیث نے اس حدیث کو مجروح قرار دیا ہے اور کہا کہ بخاری و مسلم نے اپنی کتابوں میں جو (واقعہ معراج کو) خواب کا واقعہ قرار دیا ہے اس کی تاویل سوائے اس کے کہ روایت کو مجروح قرار دیا جائے اور کوئی ممکن نہیں۔ اس روایت میں غلطی شریک بن عبد اللہؓ کی ہے۔ جس نے اس واقعہ کو نزول وحی (یعنی نبوّت) سے پہلے کا واقعہ قرار دیا ہے۔ حالانکہ تمام اہلِ علم کا اتفاق ہے کہ سیر معراج نبوّت سے تقریباً بارہ سال بعد ہجرت سے ایک سال پہلے ہوئی۔

بعض علماء حدیث کا قول ہے کہ (معراج دو بار ہوئی ایک بار) نبوّت سے پہلے خواب میں جب کہ آپ ﷺ مسجد حرام میں سو رہے تھے اور (دوسری بار) بیداری کی حالت میں ہجرت سے پہلے نبوّت کے بارہ سال بعد آپ کو سیرِ معراج کرائی گئی تا کہ

نبوت سے پہلے خواب کی عملی تصدیق ہو جائے جیسا کہ ۶ھ میں حدیبیہ کے سال خواب میں فتح مکہ دکھائی گئی۔ پھر اس کی عملی تصدیق ۸ھ میں ہو گئی اور اللہ نے فرمایا لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ الخ رؤیتِ رب و آیاتِ رب کو ذکر کرنے اور رسول اللہ ﷺ کے قلب کی تصدیق کی صراحت کے بعد اللہ نے آئندہ آیت میں بطورِ مذمت کافروں کا ذکر فرمایا جو کوتاہ نظر تھے ان کی نظر مجاز سے آگے حقیقت تک رسائی نہیں رکھتی تھی۔

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿۱۹﴾ بھلا کیا تم نے لات اور عزیٰ اور منات کی حالت پر غور بھی کیا۔

اَفَرَءَيْتُمْ استفہام انکاری تنبیہی ہے اور محذوف جملہ پر اس کا عطف ہے۔ اصل کلام اس طرح تھا کیا تم نے اپنے معبودوں کو دیکھا اور کیا لات اور عزیٰ کو غور کی نظر سے مشاہدہ کیا۔

اللّٰتَ وَالْعُزّٰى یہ بتوں کے نام تھے۔ مشرک جن کی پوجا کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اور یہ بت ملائکہ کے ہیکل ہیں۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ جنات کی عورتیں (پریاں) خدا کی بیٹیاں ہیں اور یہ بت ان کے مسکن ہیں۔ اس لئے ان بتوں کو بصیغۂ مؤنث کہتے تھے۔ اللہ کا مؤنث اللّات اور اعزّ (صیغۂ اسم تفضیل مذکر) سے عزیٰ بتوں کے ناموں کا اشتقاق کیا تھا۔

بعض اہل لغت کے نزدیک اللّات (مصدر ہے) اصل میں لویۃ بروزن فعلۃ تھا۔ لویۃ لوٰی یلوی کا مصدر ہے۔ جس کا مرادی معنی ہے طواف کرنا۔ مشرک ان بتوں کا طواف کیا کرتے تھے۔

لوبیۃ کے واؤ کو الف سے تبدیل کر کے خلاف قیاس یاء کو حذف کر دیا گیا۔ پھر تاءِ تانیث لے آئی گئی اور اس کو طویل کر دیا گیا۔ لات ہو گیا حضرت ابن عباسؓ، مجاہد رویسؒ اور ابو صالح نے اللّاتّ بتشدید تاء پڑھا ہے اور صراحت کی ہے کہ یہ بت ایک مرد کی شکل کا تھا جو حاجیوں کو گھی ستو ملا کر کھلایا کرتا تھا جب وہ مر گیا تو لوگ اس کی قبر پر معتکف ہوئے پھر اس کو پوجنے لگے۔

قتادہؒ کا بیان ہے کہ اللّات طائف میں بنی ثقیف کا بت تھا۔ ابن زید نے کہا اللّات نخلہ میں ایک کوٹھڑی تھی۔ قریش اس کو پوجتے تھے۔

مجاہد کا بیان ہے کہ عزیٰ غطفان کی آبادی میں ایک درخت تھا۔ بنی غطفان اس کو پوجتے تھے۔ ابن اسحاق نے کہا عزیٰ نخلہ میں ایک کوٹھڑی (کمرہ، مکان) تھی۔ اس کے مجاور دربان بنی شیبان تھے اور بنی شیبان بنی ہاشم کے حلیف (معاہد) تھے۔ قریش اور تمام بنی کنانہ کا یہ سب سے بڑا بت تھا۔ عمرو بن لحی نے بنی کنانہ اور قریش سے کہہ دیا تھا کہ تمہارا رب سردی کے موسم میں طائف میں لات کے پاس اور موسم گرما میں عزیٰ کے پاس رہتا ہے اس لئے لوگ ان دونوں کی تعظیم کرتے تھے اور ہر ایک کے لئے ایک حجرہ بنا دیا تھا اور جس طرح کعبہ کو قربانی کا جانور بھیجتے تھے اسی طرح ان دونوں بتوں کو بھی قربانی کے جانور بھیجتے تھے (جن کو وہاں بھینٹ چڑھایا جاتا تھا)

بیہقی نے حضرت ابو الطفیل کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلعم کے حکم سے حضرت خالد بن ولیدؓ وہاں گئے اور کیکر کے درختوں (یعنی جھاڑیوں) کو کاٹ دیا اور عزیٰ کو ڈھا دیا پھر واپس آ کر رسول اللہ صلعم کو اطلاع دے دی حضور ﷺ نے فرمایا، کیا تم کو وہاں کچھ نظر آیا۔ حضرت خالدؓ نے جواب دیا، کچھ بھی نہیں فرمایا۔ تو تم نے اس کو نہیں ڈھایا۔ حضرت خالدؓ دوبارہ گئے اور برابر چوکنے رہے جب مجاوروں نے خالد کو دیکھا تو پہاڑیوں پر پھیل گئے اور کہنے لگے عزیٰ اس کو لے اس کو ہلاک کر دے ورنہ ذلت کے ساتھ مر جا۔ فوراً ایک کالی بھجنگ، ننگی سر بکھیرے ہوئے سر اور منہ پر خاک اڑاتی ہوئی عورت بر آمد ہوئی۔ خالد نے تلوار سونت لی اور فرمایا میں تجھے نہیں مانتا، میں تجھے پاک نہیں جانتا میں دیکھ رہا ہوں کہ اللہ نے تجھے ذلیل کیا ہے۔ پھر تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے اور رسول اللہ صلعم کو واپس آ کر اطلاع دیدی۔ فرمایا ہاں وہ عزیٰ تھی۔ اب وہ تمہارے شہر میں پوجی جانے سے ہمیشہ کے لئے ناامید ہو گئی۔

ضحاکؒ کا بیان ہے کہ عزّیٰ بنی غطفان کی آبادی میں ایک بت تھا۔ جس کو سعید بن ظالم غطفانی نے قائم کیا تھا۔ اس کا واقعہ ہوا کہ سعید بن ظالم مکہ کو گیا، وہاں اس نے صفا اور مروہ کی پہاڑیاں دیکھیں جن کے درمیان لوگ چکر لگاتے تھے۔ جب مکہ سے وادی نخلہ میں واپس آیا تو اس نے اپنی قوم والوں سے کہا مکہ والوں کا صفا اور مروہ ہے اور تمہارے پاس کوئی صفا اور مروہ نہیں ہے اور ان کا ایک معبود ہے، جس کی وہ پوجا کرتے ہیں اور تمہارا کوئی معبود نہیں۔ لوگوں نے کہا پھر آپ کا کیا حکم ہے۔ سعید نے کہا میں بھی تمہارے لئے ایسا ہی بنادوں گا۔ چنانچہ وہ ایک پتھر صفا کا اور ایک پتھر مروہ کا لایا۔ صفا کے پتھر کو ایک جگہ رکھ دیا اور کہا یہ تمہارے لئے صفا ہے اور مروہ والے پتھر کو کچھ فاصلہ سے رکھ کر کہا۔ یہ تمہارا مروہ ہے پھر ایک درخت کے سہارے سے تین پتھر کھڑے کئے اور کہا یہ تمہارا رب ہے۔ اس طرح لوگ دونوں پتھروں کے درمیان چکر لگانے اور پتھروں کی پوجا کرنے لگے۔ آخر رسول اللہ صلعم نے مکہ فتح کیا اور پتھر اٹھوا دیے اور حضرت خالدؓ کو عزّیٰ (کے درخت) کو کاٹ دینے پر مامور کر دیا۔ (اور انہوں نے حسب الحکم جا کر درخت کو کاٹ دیا)

وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۝۲۰

مَنَاۃ ابن کثیر کی قرأت میں مناۃ مد اور ہمزہ کے ساتھ آیا ہے اس صورت میں مناۃ کا وزن مفعلۃ ہوگا اور اس کا اشتقاق نَوْءٌ سے ہوگا گویا لوگ اس بت کے پاس جمع ہو کر اس سے تبرک حاصل کرتے تھے اور بچھتر (انواء) ستاروں سے بارش مانگتے تھے۔ اس صورت میں مناۃ اصل میں مَنْوَءَۃٌ تھا۔ واو کی حرکت نقل کر کے نون کو دے دی۔ پھر واو کو الف سے بدل دیا گیا۔ ابن کثیرؒ کے علاوہ باقی قراء نے بغیر مد اور الف کے پڑھا ہے۔ اس صورت میں اس کا وزن فعلۃ ہوگا اور (میم اصلی ہوگا اور) اس کا اشتقاق مناۃ ہوگا۔ مناۃ کا ترجمہ ہے اس کو قطع کیا۔ مشرکین قربانی کے جانور منات کے پاس لے جا کر ذبح کرتے تھے۔ قتادہ کا قول ہے منات قدید میں خزاعہ کا بت تھا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا منات انصار کا بت تھا۔ انصار (اسلام سے پہلے) منات کا احرام باندھتے تھے۔ یہ قدید کے سامنے تھا ابن زید نے کہا مناۃ مشلل میں ایک کوٹھڑی تھی۔ بنی کعب اس کو پوجتے تھے۔ ضحاک نے کہا بنی خزاعہ اور بنی ہذیل کا ایک بت تھا جس کو اہل مکہ پوجتے تھے۔ بعض نے کہا یہ تینوں بت کعبہ میں تھے مشرکین ان کی پوجا کرتے تھے۔

محمد بن یوسف صالحی نے سبیل الرّشاد میں لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلعم نے مکہ فتح کر لیا تو فتح کے درمیان ہی سعد بن زید اشہلی کو منات کی طرف جو کوہِ مشلل پر تھا بھیجا مشلل وہ پہاڑ تھا جس سے اتر کر وادی قدید میں آتے ہیں۔ منات اوس، خزرج اور غسان کا بت تھا ایک مجاور اس پر مقرر تھا۔ سعد بن زید بیس سواروں کو ساتھ لے کر وہاں پہنچے مجاور نے پوچھا تم کیا چاہتے ہو سعد نے کہا منات کو ڈھا دینا، مجاور نے کہا تم جانو اور وہ جانے سعد پیدل چل کر منات کی طرف بڑھے ایک عورت برہنہ بدن سیاہ فام، پراگندہ سر سینہ پیٹتی اور موت کو پکارتی برآمد ہوئی۔ حضرت سعدؓ اس کو تلوار سے مارنے لگے یہاں تک کہ قتل کر دیا اور پھر اپنے ساتھیوں کو لے کر بت کی طرف متوجہ ہوگئے اور اس کو ڈھا دیا۔

لاتؔ اور مناتؔ پر وقف کرنے والے قاریوں میں اختلاف ہے کوئی تاء پر وقف کرتا ہے (اور اللات اور منات پڑھتا ہے) اور کوئی ہاء پر وقف کرتا ہے اللہ اور مناہ پڑھتا ہے) بعض لوگ کہتے ہیں مصحف عثمانی میں جس کی کتابت لمبی تاء سے ہے اس کو تؔ پر وقف کرنا چاہیے یعنی اللاتؔ پڑھنا چاہئے اور جس کی کتابت ہ کے ساتھ (یعنی مناہ) اس کو ہاء پر وقف کرنا چاہئے (یعنی مناہ پڑھنا چاہئے)

اَلْاُخْرٰى الثَّالِثَةَ کی تاکید اور منات کی دوسری صفت ہے یا الاُخرٰی سے مراد ہے مرتبہ میں مؤخر۔

کلبی نے کہا مکہ میں مشرک بتوں کو اور ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اگر کسی کو لڑکی پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی تھی تو اس کو ناگوار ہوتا تھا اللہ نے ان کی مذمت میں آیت ذیل نازل فرمائی۔

اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝۲۱ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۝۲۲ کیا تمہارے لئے تو بیٹے (تجویز) ہوں اور خدا کے لئے بیٹیاں یہ تو بہت بے ڈھنگی تقسیم ہوئی۔

حضرت ابن عباسؓ اور قتادہ نے قِسْمَۃٌ ضِیْزٰی کا ترجمہ کیا قِسْمَۃٌ جَائِرَۃٌ (ٹیڑھی بے جا تقسیم) کہ جو چیز تم کو اپنے لئے پسند نہیں اللہ کے لئے وہ چیز ثابت کر رہے ہو مجاہد اور مقاتل نے ضِیْزٰی کا ترجمہ "ٹیڑھی" کیا ہے۔

حسن نے کہا غیر معتدل ابن کثیر نے ضِئْزٰی پڑھا ہے، ضِئْزَہٗ اس پر ظلم کیا یعنی یہ تقسیم غیر منصفانہ ہے۔ باقی قراء نے یاء کے ساتھ ضِیْزٰی پڑھا ہے۔ کسائی نے کہا ضَازَ یَضِیْزُ ضَازًا (ضَرَبَ یَضْرِبُ) اور ضَازَ یَضُوْزُ ضَوْزًا (نَصَرَ یَنْصُرُ) اور ضَازَ یَضَازُ ضَازًا (سَمِعَ یَسْمَعُ) تینوں (ابواب) کا معنی ہے ظلم کیا، حق تلفی کی۔

میں کہتا ہوں ضِیْزٰی صفت کا صیغہ باب نَصَرَ سے نہیں ہے بلکہ بَاعَ یَبِیْعُ یعنی ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے یا نَالَ یَنَالُ (یعنی باب فَتَحَ) سے ہے۔

ضِیْزٰی اصل میں بضم ضاد تھا کیونکہ یہ صفت کا صیغہ ہے اور صفت کا صیغہ فاء کلمہ کے کسرہ کے ساتھ یعنی بروزن فِعْلٰی نہیں آتا یا بضم فاء آتا ہے جیسے حُبْلٰی اور اُنْثٰی یا بفتح فاء بروزن فَعْلٰی آتا ہے جیسے غَضْبٰی، سَکْرٰی، عَطْشٰی ہاں اسماء میں بکسر فاء یعنی بروزن فِعْلٰی آتا ہے جیسے ذِکْرٰی، شِعْرٰی باوجود صیغۂ صفت ہونے کے اس جگہ ضاد کو کسرہ دیا گیا کہ اگر ضاد کو ضمہ دیا جاتا تو یاء کو واو سے بدلنا پڑتا اور ضُوْزٰی ہو جاتا اور اس صورت میں معلوم نہ ہوا کہ اصل مادۂ اشتقاق واوی ہے، یا یائی۔

اسی طرح ابیض کی جمع بِیْض بکسر ب آتا ہے اور اصل میں یہ بھی بضم بُ ہے جیسے حُمْر، صُفْر (کیونکہ بضم ب ہونے سے ی کو واؤ سے بدلنا لازم ہو جاتا اور پھر معلوم نہ ہو تا کہ اس کا مادہ واوی ہے یا یائی)

اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ

یہ (فرضی معبود) صرف نام ہی نام ہیں جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے ٹھہرالیا ہے خدا تعالیٰ نے تو ان کے معبود ہونے کی کوئی دلیل بھیجی نہیں یہ صرف بے اصل خیالات اور اپنے نفس کی خواہش پر چل رہے ہیں۔

اِنْ هِيَ ہی ضمیر اصنام کی طرف راجع ہے یعنی یہ اصنام محض سنگی اجسام ہیں کسی طرح الوہیت کے قابل نہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے ان کو الٰہ (معبود) کا نام بغیر کسی وجہ کے دے رکھا ہے۔ اللہ نے ان کی الوہیت اور استحقاقِ معبودیت کی کوئی دلیل قائم نہیں کی۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تم نے جو ان اصنام کو اللہ کی بیٹیاں اور اپنے سفارشی سمجھ رکھا ہے حقیقت میں یہ کچھ بھی نہیں ہیں یہ تمہاری محض خیال آفرینی ہے کہ تم نے ان کو یہ نام دے رکھے ہیں کسی کو لات اور کسی کو عزیٰ کہتے ہو اور ان کو خدا کی بیٹیاں اور اپنے سفارشی اور ملائکہ کے مظہر قرار دیتے ہو اللہ نے اس کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی یہ بھی ممکن ہے کہ ہی ضمیر اسماء کی طرف راجع ہو یعنی یہ لات اور عزیٰ جو تم نے ان پتھروں کے نام قرار دے رکھے ہیں اور استحقاقِ الوہیت کی وجہ سے ایک کو لات اور معتزز ہونے کی وجہ سے دوسرے کو عزیٰ اور قربانیوں کی وجہ سے تیسرے کو مستحق تقرب جان کر منات کہتے ہو واقع میں یہ اوصاف ان کے اندر نہیں ہیں۔ صرف تمہارے خود تراشیدہ ہیں نہ لات میں استحقاقِ معبودیت ہے نہ عزیٰ میں کوئی عزت، نہ منات میں قابلیتِ تقرب۔ اللہ نے ان کے اندر کوئی وصف ایسا نہیں پیدا کیا جس کو اس تسمیہ کی دلیل قرار دیا جا سکے۔

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ یعنی باپ دادا کی تقلید کی وجہ سے ان کو ظن پیدا ہو گیا ہے (جس کی کوئی صحیح دلیل نہیں ہے) بس اسی گمان کی یہ پیروی کرتے ہیں یا ظن سے مراد ہے باطل توہم یعنی یہ لوگ محض اپنے باطل توہمات کے پیچھے چلتے ہیں۔

وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ اور اپنی خود پسند نفسانی خواہشات پر یہ لوگ چلتے ہیں۔

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ۝٢٣ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ۝٢٤ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ۝٢٥

حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے بواسطہ رسول ہدایت

آچکی ہے کیا انسان کو اس کی ہر تمنا مل جاتی ہے سو خدا ہی کے اختیار میں ہے آخرت اور دنیا۔
وَلَقَدْ جَاءَهُم الخ یعنی رب کی طرف سے ان کے پاس رسول اور قرآن مجید آچکا ہے جو یقینی راہ حق بتاتا ہے لیکن انہوں نے اس کی پیروی نہیں کی۔
اَمْ لِلْاِنْسَانِ اَم منقطعہ ہے اور استفہام انکاری ہے یعنی (کافر) انسان کو وہ نہیں مل سکتا جس کی وہ تمنا کئے ہوئے مطلب یہ کہ مشرک انسان جو بتوں کی شفاعت کا امیدوار بنا ہوا ہے اور کہتا ہے لَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰی رَبِّیْٓ اِنَّ لِیْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰی آج اگر مجھے اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانا پڑا تو وہاں میرے لئے بھلائی ہوگی، اور یہ بھی کہتا ہے لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ یہ قرآن دونوں بستیوں (مکّہ وطائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اتار اگیا یہ باتیں صرف اس کی تمنا ہی تمنا ہیں جو اس کو حاصل نہیں ہوں گی۔
فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰی یعنی دنیا اور آخرت دونوں جہان اللہ ہی کے ہیں وہ جس کو جو کچھ چاہے دے نہ چاہے نہ دے اس کے دینے نہ دینے میں نہ کسی کی تمنا کو دخل ہے نہ سوائے اس کے ارادے کے کسی اور کے ارادہ پر اس کی بناء ہے۔

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِی السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ یَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَرْضٰی ﴿۲۶﴾ اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں موجود ہیں ان کی سفارش ذرا بھی کام نہیں آسکتی مگر بعد اس کے کہ اللہ جس کے لئے چاہے اجازت دے اور (اس کی شفاعت کو) پسند کرے۔
شَیْـًٔا یعنی کسی قسم کا اور کسی وقت کوئی فائدہ نہیں دے گی۔
اَنْ یَّاْذَنَ اللّٰهُ کہ اللہ شفاعت کی اجازت دے۔
لِمَنْ یَّشَآءُ یعنی جس فرشتے کو شفاعت کرنے کی یا جس آدمی کے لئے شفاعت کرنے کی اجازت دے۔
وَیَرْضٰی اور اس کے لئے شفاعت کو پسند کرے۔
مطلب یہ کہ فرشتے باوجودیکہ اللہ کے معزز مقرب بندے ہیں پھر بھی اللہ کی اجازت کے بغیر وہ شفاعت نہیں کریں گے۔ پس کس طرح یہ لوگ بتوں کی شفاعت کی آس لگائے ہوئے ہیں۔ مشرک کہتے تھے کہ اللہ سے یہ بت ہماری سفارش کریں گے اس آیت سے ان کے اس قول کی تردید ہوگئی۔
بغوی نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ بہت سے وہ فرشتے جن کی یہ لوگ پوجا کرتے ہیں اور ان سے یہ شفاعت کی امید لگائے ہوئے ہیں وہ ان کی شفاعت (اللہ کی اجازت کے بغیر نہیں کرسکتے (اور اللہ کی اجازت مشرکوں کے لئے ہوگی نہیں)

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَیُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِیَةَ الْاُنْثٰی ﴿۲۷﴾ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْـًٔا ﴿۲۸﴾ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کو (خدا کی) بیٹی کے نام سے نامزد کرتے ہیں حالانکہ ان کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں۔ صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں اور بیشک بے اصل خیالات امرِ حق کے اثبات میں ذرا بھی مفید نہیں ہوئے۔
اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ یعنی کفارِ مکہ
لَیُسَمُّوْنَ یعنی ان میں سے ہر شخص فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتا ہے۔
مَا لَهُمْ بِهٖ حالانکہ ان کو اس بات کا علم نہیں ہے۔
اِلَّا الظَّنَّ یعنی یہ جاہل کافر صرف گمان غالب پر جو تقلید آباء سے حاصل ہوا ہے چلتے ہیں یا ظن سے مراد ہیں بے اصل خیالات جن کی کوئی دلیل نہیں۔
حق سے مراد ہے علم (اصطلاحِ شرع میں) علم کا معنی ہے ایسا عقیدہ جو پختہ ناقابلِ شک اور واقع کے مطابق (یعنی

صحیح) ہو اور امرِ واقعی ہی کو حق کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ غالب گمان صحیح علم کے لئے مفید نہیں ہوتا۔ یعنی جو ظن تقلیدِ آباء وغیرہ سے حاصل ہوتا ہے دلیلِ شرعی مسموع ہو یا عقلی برہانی۔ اس لئے دانشمندوں کے لئے اتباعِ ظن جائز نہیں بلکہ یقین اور علم کی طلب لازم ہے۔

اِنَّ الظَّنَّ الخ جملہ معترضہ ہے اور کافروں کے اتباعِ ظن کرنے کی قباحت کو اس میں ظاہر کیا گیا ہے لیکن کافر تقلیدِ آباء اور اتباعِ ظن میں چونکہ غرق تھے اور یہ صلابتِ خیال علامت تھی اس بات کی کہ وہ اتباعِ ظن کو علم کے قائم مقام جانتے ہیں اور ظن کے غیر مفید ہونے کے منکر ہیں اسلئے جملہ کو (لفظ اِنَّ سے) مؤکد کیا۔

ایک عظیم شبہ

عملیات میں اتباعِ ظن شرعاً جائز ہے اکثر مسائل فقہیہ کا استنباط ظنی دلائل سے ہی کیا جاتا ہے۔ نیز احادیث آحاد وغیرہ سے گذشتہ اقوام وانبیاء کے قصے جنت کی نعمتوں اور دوزخ کی تکلیفوں کا بیان اور واقعات حشر کی تفصیلیں بتائی گئی ہیں اگر ظن کو مفیدِ علم نہ مانا جائے تو اکثر فقہی استنباط اور اوہامِ پارینہ کا بیان اور واقعاتِ قیامت کا اظہار بیکار ہو جائے گا نہ ان کا سیکھنا سکھانا جائز ہوگا نہ ان پر عمل کرنا نہ ان کو بیان کرنا نہ ان پر عقیدہ رکھنا۔

ازالۂ شبہ

اتباعِ ظن جائز نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ظن اس علم کے خلاف ہو جو دلیلِ قطعی یقینی سے حاصل ہوا ہو تو ایسے ظن کا اتباع ناجائز ہے۔ اس قسم کا ظن مفیدِ علم نہیں ہو سکتا۔ علم قوی ہے اور ظن کا درجہ کمزور۔ باہم تقابل کے وقت ضعیف پر قوی کی ترجیح ضروری ہے۔ آیت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جن یقینی قطعی عقائد کا ثبوت صحیح عقلی براہین یا آیاتِ محکمات یا متواتر احادیث سے ہو رہا ہو ان کو ترک کر نا ان کے مخالف ظنیات کے پیچھے پڑ جانا جائز نہیں۔

جہاں تک ممکن ہو قطعی دلائل سے علم حاصل کرنا واجب ہے لیکن اگر قطعی دلیل نہ مل سکے تو عقل فیصلہ کُن ہوگی اور دلیلِ ظنی سے جو حکم مُستفاد ہو (یا خبر معلوم ہو) اس پر احتیاطاً عمل کرنا واجب ہوگا۔ دلیل ظنی سے مراد ہے ایسی دلیل جو صحیح طریق سے غلبۂ ظن پیدا کر دے، مثلاً دلیل ظنی سے ثابت ہو گیا ہے کہ وتر واجب ہیں اور چاشت کی نماز سنت ہے اور بھنگ حرام ہے اور بیع کو اگر فاسد شرط کے ساتھ مشروط کر دیا جائے تو ایسی بیع ممنوع ہے اور اس کے خلاف حکم دینے والی کوئی قطعی دلیل موجود نہیں ہے لہٰذا بنظرِ احتیاط عقل کا بالجزم فیصلہ ہے کہ وتر کو نہ چھوڑا جائے، بھنگ نہ پی جائے، بشرطِ فاسد بیع نہ کی جائے اور باُمیدِ ثواب چاشت کی نماز پڑھی جائے کیونکہ جب تعمیلِ حکم میں ضرر نہ ہونے کا یقین ہو تو حصولِ نفع کا احتمال بھی اس حکم کی تعمیل کے لئے کافی ہے اور اگر مضرت کا احتمال بھی ہو تو اس عمل سے پرہیز رکھنے کے لئے یہ احتمال بھی کافی ہے۔ کسی سوراخ میں سانپ کے موجود ہونے کا احتمال اس میں انگلیاں نہ ڈالنے کا موجب ہے۔

اگر کوئی قطعی دلیل معارض نہ ہو یعنی احادیث آحاد اور قیاس سے ٹکرانے والی کوئی بھی قطعی دلیل موجود نہ ہو تو جو حکم احادیثِ آحاد یا قیاس سے مستفاد ہو رہا ہے اس پر عمل کرنا اور تفقہ سے کام لینا ان احادیث سے بھی ثابت ہے جو باجماعِ اُمت متواتر المعنیٰ ہیں اور قرآنی آیات سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے اللہ نے فرمایا ہے فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ دوسری آیت ہے فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ تفقہ اور اعتبار کا معنی ہی قیاس کرنے کے ہیں۔

مسائلِ فقہیہ میں دراصل ظن طریق (استنباط) میں ہوتا ہے لیکن جب ظن کا صحیح ہونا ثابت ہو جائے تو پھر بدلیلِ قطعی اس پر عمل واجب ہے اسی طرح مبدأ اور معاد کے متعلق جو خبریں اخبارِ آحاد میں آئی ہیں وہ اگرچہ ظنی ہیں لیکن تمام آحاد میں یہ قدرِ مشترک ہے اتنی حد تک تو وہ قطعی اور موجبِ علم ہیں رہی ان کی تفصیل تو اگر زیادہ قوی دلیل یعنی نصِ قطعی سے اس کا تصادم نہ ہوتا ہو، تو اس سے ترغیب و ترہیب کا استفادہ جائز ہے (کیونکہ) اس صورت میں موعظت و نصیحت سے فائدہ حاصل

ہونے کی امید ہے اور کسی نص کی مخالفت نہیں ہے) واللہ اعلم۔
بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ آیت میں حق سے عذاب مراد ہے (علم مراد نہیں ہے) اور الظن میں الف لام عہدی ہے یعنی کافروں کا ظن جو باپ دادا کی تقلید سے حاصل ہوا ہے یا ان کا خود تو ہم اور بے اصل خیال ہے وہ واقعی عذاب کو دفع نہیں کر سکتا۔

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۲۹﴾

تو آپ ایسے شخص سے اپنا خیال ہٹا لیجئے جو ہماری نصیحت کا خیال نہ کرے اور بجز دنیوی زندگی کے اس کا اور کوئی مقصد نہ ہو۔

ذِكْرِنَا ذکر سے مراد ہے قرآن یا ایمان باللہ کی یاد۔
اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا یعنی سوائے حیات دنیوی کی خواہشات کے اور کسی چیز کا طلبگار نہیں دنیوی خواہشات میں ہر وقت منہمک رہتا ہے اس کا انتہائے مقصد اور مبلغ علم صرف دنیا ہے۔
یعنی جب ان مشرکوں کی جہالت، خفت دانش اور سُبک سری معلوم ہو گئی اور یہ امر ظاہر ہو گیا کہ یہ اپنے بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں اور رب کی طرف سے عطا کردہ ہدایت کی پرواہ نہیں کرتے اور ان پتھروں کو پوجتے ہیں جو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان، اور اللہ کی یاد سے روگرداں اور گریزپا ہیں تو اب آپ بھی ان کو ہدایت کرنے کی پرواہ نہ کیجئے ان کو سمجھانا اور حق کو قبول کرنے کی دعوت دینا بیکار ہے کیونکہ یہ لوگ چوپایوں کی طرح بے عقل بلکہ ان سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہیں۔
لیکن دنیوی مفاد حاصل کرنے کے لئے ان کی کچھ حرکات، سکنات اور کوششیں یہ خیال پیدا کرتی ہیں کہ ان کو بھی عقل و فہم اور بصیرت کا کچھ حصہ ملا ہوا ہے اس خیال کو دور کرنے کے لئے اگلی آیت میں فرمایا۔

ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿۳۰﴾

ان لوگوں کے فہم کی رسائی کی حد بس یہی (دنیوی زندگی) ہے تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس رستہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہی تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ کون راہ راست پر ہے۔
اَلْعِلْمِ یعنی ان کی علمی رسائی بس دنیوی امور تک ہے معاشیات کی سمجھ سے آگے ان کی عقل نارسا اور دانش و علم ناکارہ ہے۔
یہ بات سمجھنی ضروری ہے کہ علم ہو یا عقل دونوں اللہ کے پیدا کردہ ہیں۔ اللہ نے اپنی مشیت و ارادہ کے ماتحت ان کو پیدا کیا ہے۔ رہے اسباب تو وہ حقیقی اسباب نہیں ہیں صرف ظاہری اسباب ہیں اگرچہ فلاسفہ ان اسباب کو حقیقی اسباب (یعنی عللِ موجبہ) جانتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ جب چاہتا ہے تو آیات کے ذریعہ سے علم پیدا کر دیتا ہے اور نہیں چاہتا تو باوجود علمی اسباب کے علم عطاء نہیں فرماتا۔
اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ الخ یعنی کون گمراہ اور بھٹکا ہوا ہے اور کون ہدایت یاب اور بر سرِ راہ ہے اس کو اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ پس وہی گمراہی اور ہدایت یابی کے مطابق سزا جزا دے گا۔
اس جملے میں (ہدایت یافتہ لوگوں کے لئے) فلاح و جزا کا وعدہ ہے اور (گمراہوں کے لئے سزا کی) وعید ہے اور گذشتہ مضمون کی علت کا اظہار ہے یعنی آپ ان کی پرواہ نہ کیجئے ان کو سزا دینے کے لئے ہم کافی ہیں۔

وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِىَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِىَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴿۳۱﴾

اور جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے انجام کار یہ ہے کہ بُرے کام کرنے والوں کو ان کے کئے (ہوئے برے کاموں) کی سزا دے گا اور نیک کام کرنے والوں کو ان کے نیک کاموں کے بدلہ میں اچھی جزا دے گا۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ یعنی سارے جہان کا خالق اور مالک اللہ ہی ہے وہ معبود بر حق ہے جو چاہتا اور جیسا اس کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے ویسا کرتا ہے۔

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ اس نے ساری کائنات کو پیدا کیا اور گمراہوں سے ہدایت یافتہ لوگوں کو الگ کر دیا اور ان کے اچھے برے احوال کو محفوظ رکھا تاکہ مشرکوں اور گناہ گاروں کو ان کے کئے کی سزا دے اور مخلص نیکوکاروں کو اچھا ثواب یعنی جنت عطا کرے۔

یا بِالْحُسْنٰی کا یہ مطلب ہے کہ ان کے سب سے اچھے عمل یعنی اخلاص کی جزا دے۔

اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ

یہ وہ لوگ ہیں جو کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں سوائے ہلکے ہلکے گناہوں کے بلا شبہ آپ کے رب کی مغفرت بڑی وسیع ہے۔

کبیرہ گناہ کون کون سے ہیں، سورۂ نساء کی آیت اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبٰٓئِرَ مَا تُنْهَوْنَ کی تفسیر میں ہم اس کی تفصیل کر چکے ہیں۔

اَلْفَوَاحِشَ اس سے مراد یا تو کبیرہ گناہ ہی ہیں اور عطف تفسیری ہے یا حد سے بڑھے ہوئے کبیرہ گناہ مراد ہیں بعض کے نزدیک وہ کبیرہ گناہ مراد ہیں جن کی حد شرعی مقرر ہے۔

اِلَّا اللَّمَمَ۔ لَمَم سے وہ گناہ مراد ہیں جو کبھی آدمی سے صادر ہو جائیں پھر وہ ان پر جما نہ رہے بلکہ توبہ کر لے، گناہ اس کا معمول نہ بن جائے، عادت نہ ہو جائے، کبھی کبھی صدور ہو جائے، کذا قال الجوہری بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ مجاہد اور حسن کا یہی قول ہے بروایت عطاء حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی مقولہ منقول ہے۔

سدی کا بیان ہے کہ ابو صالح نے کہا مجھ سے اِلَّا اللَّمَمَ کی تفسیر پوچھی گئی، میں نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی گناہ کے قریب تو ہو جائے بار بار نہ کرے (عادی نہ ہو جائے) پھر میں نے اپنے اس قول کا حضرت ابن عباسؓ سے تذکرہ کیا، فرمایا معزز فرشتے نے آیت کا مطلب بیان کرنے میں تمہاری مدد کی۔ بغوی نے لکھا ہے کہ بروایت عطاء حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ شعر پڑھا تھا۔

اِنْ تَغْفِرِ اللّٰهُمَّ تَغْفِرْ جَمًّا وَاَيُّ عَبْدٍ لَّكَ لَا اَلَمَّا

اے اللہ اگر تو معاف کر دیگا تو بہت گناہ معاف کر دے گا۔ تیرا کونسا بندہ گناہ پر نہیں اترا (یعنی گناہ کا مرتکب نہیں ہوا)

مذکورہ بالا مطلب پر استثناء متصل ہوگا اور استثناء متصل ہی اصل ہے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے لمم چھوٹے گناہ۔ صغیرہ گناہ کی مثال بیان کی گئی ہے جیسے نامحرم پر ایک نظر آنکھ کا اشارہ، بوسہ، یعنی زنا سے کم درجہ کا گناہ۔ بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابو ہریرہؓ مسروق اور شعبی کی طرف سے اس قول کی نسبت کی گئی ہے طاؤس نے حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول قرار دیا ہے۔ بخاری کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا لمم کی تشریح میں ابو ہریرہؓ کے اس قول سے زیادہ صحیح قول میں نے نہیں پایا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے ابن آدم کے لئے زنا کا ایک حصہ لکھ دیا ہے جس کو وہ ضرور پاتا ہے آنکھ کا زنا (نامحرم کی طرف) نظر کرنا ہے۔ زبان کا زنا (ناجائز) بات کرنا ہے۔ نفس آرزو کرتا اور خواہشمند ہوتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔ سہل بن ابی صالح کی روایت اس طرح ہے آنکھوں کی زنا نظر ہے اور کانوں کی زنا سننا ہے اور زبان کی زنا بات کرنا ہے اور ہاتھ کی زنا پکڑنا ہے اور پاؤں کی زنا قدم اٹھانا ہے۔

حسن بن فضل نے کہا لمم سے مراد بے ارادہ نظر پڑ جانا، یہ معاف ہے۔ اگر دوبارہ نظر ڈالے گا تو یہ لمم نہ ہوگا۔ اس تشریح پر لمم کا مفہوم خاص ہوگا اور صغیرہ گناہ کا مفہوم عام۔

سعید بن مسیب نے کہا اَلَمَّ عَلَى الْقَلْبِ (دل پر اترا یعنی) دل میں خیال پیدا ہوا یہ قول جوہری کے قول کے قریب، کیونکہ جوہری کے نزدیک اَلْمَمْتُ کا معنی ہے میں قریب ہو گیا پاس پہنچ گیا۔ یعنی کرنے کے قریب پہنچ گیا عملی اقدام نہیں

کیا۔ ان تمام اقوال پر استثناء منقطع ہو گا۔
کلبی نے کہا لمم کی دو صورتیں ہیں۔
وہ گناہ جس کی دنیوی سزا اللہ نے نہیں بیان کی نہ آخرت میں اس کے عذاب کی کوئی صراحت کی ایسا گناہ اگر کبیرہ اور فاحش کی حد تک نہ پہنچے تو نماز سے اس کا کفارہ ہو جاتا ہے۔
وہ بڑا گناہ جس میں ایک بار مسلمان مبتلا ہو جاتا ہے پھر اس سے توبہ کر لیتا ہے یہ بھی لمم میں داخل ہے۔
میں کہتا ہوں کلبی کا یہ قول دوسرے اقوال سے الگ نہیں ہے ورنہ عموم مشترک یا حقیقت و مجاز کا اجتماع لازم آئے گا۔ بلکہ پہلے دونوں کو بصورتِ احتمال اختیار کیا گیا ہے جس طرح حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کے دو دو قول روایت میں آئے ہیں۔

اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ یعنی اللہ وسیع مغفرت والا ہے جس کے چاہے گا گناہ معاف کر دے گا۔ کبیرہ صغیرہ توبہ کے بعد اور توبہ کے بغیر۔
سابق آیت میں بدکاروں اور گناہ گاروں کے لئے عذاب کی وعید تھی۔ اس آیت میں وسعتِ مغفرت کی صراحت کر کے امیدوارِ رحمت بنا دیا، تاکہ مرتکبِ کبیرہ رحمت سے بالکل مایوس نہ ہو جائے اور یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ ہر کبیرہ گناہ کا عذاب واجب ہے (جیسا کہ معتزلہ اور خوارج کا خیال ہے)
ابو نعیم نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے بنی اسرائیل کے ایک نبی کے پاس وحی بھیجی کہ (اپنی امت کے اطاعت گزاروں سے کہہ دو کہ وہ اپنے (نیک) اعمال پر بھروسہ نہ کر لیں کیونکہ قیامت کے دن حساب کے وقت جب میں کھڑا کروں گا تو جس کو عذاب دینا چاہوں گا ضرور عذاب دوں گا اور اپنی امت کے گناہ گاروں سے کہہ دو نراش نہ ہوں میں بڑے بڑے گناہ بخش دوں گا، اور مجھے پرواہ بھی نہ ہو گی۔
هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وہ تمہیں اس وقت سے خوب جانتا ہے جب اس نے زمین سے تمہیں پیدا کیا تھا۔
یعنی جس وقت تمہارے باپ آدمؑ کو اللہ نے زمین (یعنی مٹی) سے پیدا کیا۔ اس وقت اللہ تمہارے حالات کو خوب جانتا تھا۔ تمہاری خوش نصیبی بد نصیبی اور تمہارے اچھے برے انجام سے وہ واقف تھا۔
اَعْلَمُ اگرچہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے لیکن تفضیلی معنی مراد نہیں ہے (یعنی یہ مطلب نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اور بھی تم کو پیش آنے والے واقعات و حالات سے واقف تھا مگر اللہ سب سے بڑھ کر واقف کار تھا) کیونکہ کوئی انسان بھی اپنی پیدائش سے پہلے اپنی زندگی کے احوال سے واقف نہیں ہو سکتا۔ اگلے جملہ سے بھی اس مطلب کی تائید ہو رہی ہے (کیوں کہ حضرت آدمؑ کی پیدائش کے وقت کوئی شخص بھی اپنی زندگی کے احوال سے واقف نہیں تھا)
مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آسمانوں کی اور زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے اللہ نے مخلوق کی تقدیریں لکھ دی تھیں اور اس کا تخت پانی پر تھا۔
ترمذی نے حضرت عبادہؓ بن صامت کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے اللہ نے قلم کو پیدا کیا اور حکم دیا کہ لکھ۔ قلم نے عرض کیا کیا لکھوں فرمایا تقدیر کو لکھ۔ حسب الحکم قلم نے ان تمام چیزوں کو جو ہو چکیں اور جو آخر تک ہونے والی ہیں لکھ دیا۔ ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔

امام مالک، ترمذی اور ابو داؤد نے حضرت عمرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے آدمؑ کو پیدا کرنے کے بعد ان کی پشت پر اپنا دایاں ہاتھ پھیر کر کچھ نسل (یعنی روحوں کو) بر آمد کیا اور فرمایا میں نے ان کو جنت کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ اہل جنت کے عمل کریں گے پھر آدمؑ کی پشت پر اپنا بایاں ہاتھ پھیر کر کچھ نسل کو بر آمد کیا اور فرمایا ان کو میں نے دوزخ کے

لئے پیدا کیا اور یہ دوزخیوں کے عمل کریں گے۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ پھر عمل کس کام کے۔ حضور نے فرمایا اللہ جس بندہ کو جنت کے لئے پیدا کرتا ہے اس سے کام بھی جنت والوں کے کراتا ہے یہاں تک کہ وہ اہل جنت کے عمل پر ہی مر جاتا ہے اور اللہ اس کو جنت میں داخل کر دیتا ہے اور جس بندہ کو دوزخ کے لئے پیدا کرتا ہے اس سے عمل بھی دوزخیوں کے کراتا ہے یہاں تک کہ وہ مرتے وقت تک دوزخیوں کا کوئی عمل کرتا ہے اور اللہ اس کو دوزخ میں داخل کر دیتا ہے۔

وَإِذْ أَنْتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ ۖ اور جب تم ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے۔

حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ اللہ کے سچے رسول نے ہم سے بیان فرمایا کہ تم میں سے (ہر) ایک کا مادۂ تخلیق بصورتِ نطفہ ماں کے پیٹ میں چالیس روز تک جمع ہوتا ہے پھر اتنی ہی مدت بستہ خون کی صورت میں رہتا ہے پھر اتنی ہی مدت تک بوٹی کی شکل میں رہتا ہے پھر چار باتیں لکھنے کے لئے اللہ فرشتے کو بھیج دیتا ہے، فرشتہ اس کے (ہونے والے) عمل کو اس کی مدتِ زندگی کو اس کے رزق کو اور اس بات کو لکھ دیتا ہے کہ وہ خوش نصیب ہے یا بد بخت، پھر اس کے اندر روح پھونک دی جاتی ہے پس قسم ہے اس کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ تم میں سے بعض لوگ اہل جنت کے کام (ساری عمر) کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان کے اور جنت کے درمیان ایک ذراع کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ تقدیر کا لکھا غالب آتا ہے اور وہ دوزخیوں کا عمل کرتے ہیں اور دوزخ میں چلے جاتے ہیں اور تم میں کچھ لوگ (ساری عمر) دوزخیوں کے کام کرتے ہیں (اور دوزخ کے اتنے قریب پہنچ جاتے ہیں کہ ان کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے آخر تقدیر کا لکھا غالب آتا ہے اور وہ اہل جنت کا عمل کرتے ہیں اور جنت میں چلے جاتے ہیں۔ متفق علیہ

فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ ﴿٣٢﴾ سو تم اپنے کو مقدس مت سمجھا کرو تقویٰ والوں کو وہی خوب جانتا ہے۔

فَلَا تُزَكُّوا الخ یعنی اپنے عمل کی پاکیزگی اور نیکی کی زیادتی کی بنا پر خود اپنی تعریف نہ کرو یا گناہوں اور بری باتوں سے پاک دامن رہنے پر اپنی تعریف نہ کرو کیونکہ انجام کا تم کو علم نہیں۔

حسن نے کہا اللہ کو معلوم ہے کہ بندہ کیا کرے گا اور اس کا کیا انجام ہوگا اس لئے تم اپنے نفسوں کو گناہوں سے پاک نہ قرار دو اور نیک اعمال پر خود اپنی ستائش نہ کرو حضرت ابن عباسؓ نے بھی یہی مطلب بیان کیا ہے۔

کلبیؒ اور مقاتلؒ نے کہا لوگ اچھے عمل کرتے تھے پھر (بطورِ غرور) کہتے تھے ہماری نماز، ہمارا روزہ، ہمارا حج! اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ واحدی، طبرانی، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ثابتؓ بن حارث انصاری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب یہودیوں کا کوئی چھوٹا بچہ مر جاتا تھا تو وہ اس کو صدیق کہتے تھے رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع ملی تو فرمایا یہودی جھوٹے ہیں ماں کے پیٹ کے اندر ہی اللہ جس جان کو پیدا کرتا ہے اس کو اسی وقت خوش نصیب یا بد بخت لکھ دیا جاتا ہے اس پر اللہ نے آیت هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنْشَأَكُمْ الخ نازل فرمائی۔

هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ پشتِ آدم سے باہر لانے سے پہلے ہی اللہ جانتا تھا کہ کس کا خاتمہ تقویٰ اور خلوص عمل پر ہوگا۔

أَفَرَأَيْتَ الَّذِي تَوَلَّىٰ ﴿٣٣﴾ وَأَعْطَىٰ قَلِيلًا وَأَكْدَىٰ ﴿٣٤﴾ کیا آپ نے ایسے شخص کو بھی دیکھا جس نے روگردانی کی اور تھوڑا مال دیا اور (پھر بالکل) بند کر دیا۔

أَفَرَأَيْتَ استفہام تعجبی ہے اور رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے۔

الَّذِي تَوَلَّىٰ جس نے اتباعِ حق کی طرف سے پشت پھیر لی منہ موڑ لیا اور حق پر ثابت قدم اور قائم رہنے سے اعراض کیا۔ اس سے مراد ولید بن مغیرہ ہے ولید رسول اللہ ﷺ کا متبع ہو گیا تھا لیکن بعض مشرکوں نے اس کو عار دلائی اور کہا تم نے باپ دادا کے مذہب کو چھوڑ دیا اور ان کو گمراہ سمجھنے لگے۔ ولید نے کہا مجھے اللہ کے عذاب سے ڈر لگتا ہے۔ ایک شخص بولا اگر تم باپ دادا کے مذہب کی طرف لوٹ آئے تو میں تم کو اتنا مال دوں گا اور اگر اللہ کا عذاب تم پر آیا تو تمہاری جگہ میں اپنے اوپر اس کو برداشت

منزل ۷

کرلوں گا۔ ولید شرک کی طرف لوٹ گیا اور رسول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیا۔

وَاَعْطٰى قَلِيْلًا یعنی اس مشرک نے جو مال دینے کا وعدہ کیا تھا اس کا کچھ حصہ تو دے دیا اور کچھ نہیں دیا۔

وَاَكْدٰى یعنی باقی حصہ دینے میں بخل کیا، نہیں دیا۔ بغوی نے یہی ترجمہ کیا ہے ابن جریر نے بحوالہ ابن زید بیان کیا کہ ایک شخص مسلمان ہو گیا، کسی نے اس کو غیرت دلائی تو نے بزرگوں کے دین کو چھوڑ دیا اور ان کو گمراہ سمجھا اور دوزخی قرار دیا۔ مسلمان ہونے والے نے کہا مجھے اللہ کے عذاب کا ڈر ہے۔ غیرت دلانے والے نے کہا تو مجھے کچھ مال دیدے تجھ پر جو عذاب آئے گا میں اس کو اٹھالوں گا۔ اس شخص نے اس کو کچھ دے دیا۔ اس نے کچھ اور مانگا اس شخص نے کچھ بڑھادیا۔ مانگنے والے نے ایک تحریر لکھ دی اور گواہی بھی اسی پر ثبت کردی اس پر آیت اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ تَوَلّٰى نازل ہوئی۔ سدی کا بیان ہے کہ یہ آیت عاص بن وائل سہمی کے حق میں نازل ہوئی جو بعض باتوں میں رسول اللہ ﷺ کے موافق تھا (اور بعض امور میں مخالف) محمد بن کعب قرظی کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول ابوجہل کے بارے میں ہوا۔ ابوجہل نے کہا تھا کہ محمد ہم کو اچھے اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں لیکن اس قول کے باوجود وہ ایمان نہیں لایا تھوڑا دینے کا یہی مطلب ہے کہ کسی قدر حق کا اس نے اقرار کیا اور اَكْدٰى سے مراد ہے ایمان نہ لانا۔ اَكْدٰى کا لغوی معنی ہے قطع یہ لفظ كُدْيَة سے مشتق ہے کہ یہ اس سخت چٹان کو کہتے ہیں جو کنواں کھودنے میں آجاتی ہے اور مزید کھودنے سے روک دیتی ہے عرب کہتے ہیں اَكْدٰى الحافر واجبل یعنی کنواں کھودنے والے کو کسی حائل ہونے والی چٹان یا پہاڑ نے روک دیا۔ مقاتل نے کہا ولید نے زبان سے تو مال دینے کا اقرار کر لیا تھا لیکن دیتے وقت کچھ دیا کچھ نہیں دیا روک لیا۔

اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ۝۳۵ کیا اس کے پاس (کسی صحیح ذریعہ سے) علم غیب ہے کہ اس کو دیکھ رہا ہے (یعنی جانتا ہے)

اَعِنْدَهٗ استفہام انکاری ہے اور فَهُوَ میں فَ سببی ہے یعنی کیا اس کو غیب کا علم ہے جس کی وجہ سے وہ جانتا ہے کہ میں اگر کچھ مال دیدوں گا تو وہ شخص میرے اوپر سے شرک کا عذاب اٹھا کر اپنے اوپر لادلے گا۔

اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِىْ صُحُفِ مُوْسٰى ۝۳۶ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِىْ وَفّٰٓى ۝۳۷ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۝۳۸

یا اس کو اس مضمون کی خبر نہیں جو موسیٰؑ کے صحیفوں میں ہے اور (نیز) ابراہیمؑ کے صحیفوں میں جس نے احکام کی پوری بجاآوری کی تھی کہ کوئی شخص کسی کا گناہ اپنے اوپر نہیں اٹھا سکتا۔

صُحُفِ مُوْسٰى یعنی توریت کے مکتوبات میں اور ابراہیم کے صحیفوں میں۔

اَلَّذِىْ وَفّٰٓى یعنی اللہ کے احکام کی پوری پوری تعمیل کی تھی۔ بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ رب کے پیام مخلوق تک پہنچائے۔ طرح طرح کی تکلیفیں لوگوں کے ہاتھوں سے اٹھائیں اور صبر کیا یہاں تک کہ غرور کی آگ میں بھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ اللہ نے متعدد احکام دے کر آزمائش کی اور تمام احکام کو آپ نے پورا پورا ادا کیا۔ تَوْفِيَه (باب تفعیل) کا معنی ہے کسی کام کو پورا پورا کرنا۔

بغوی نے اپنی سند سے حضرت ابوامامہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِىْ وَفّٰٓى کے سلسلے میں فرمایا کہ دن کے اول حصہ میں ابراہیمؑ نے چار رکعتیں پڑھیں۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت معاذ بن انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو نہ بتاؤں کہ اللہ نے ابراہیمؑ خلیل اللہ کے متعلق اَلَّذِىْ وَفّٰٓى کیوں فرمایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ابراہیم ہر صبح اور شام کو فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ (الیٰ آخر الآیات) پڑھا کرتے تھے۔

ترمذی نے حضرت ابودرداءؓ اور حضرت ابوذرؓ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا بیان نقل کیا ہے۔ اللہ فرماتا ہے اے ابن آدم دن کے ابتدائی حصہ میں تو میرے لئے چار رکعتیں پڑھ۔ میں پچھلے دن کے تیرے کام پورے کردوں گا۔ ابوداؤد اور دارمی

نے یہ حدیث نعیم غطفانی کی وساطت سے نیز امام احمد نے بھی بحوالۂ سابقہ نقل کی ہے۔
صُحُف ابراہیمؑ سے صُحُفِ موسیٰؑ کا ذکر پہلے اس وجہ سے کیا کہ صُحُفِ ابراہیمؑ سے توریت زیادہ مشہور تھی۔
اَمْ منقطعہ ہے (متصلہ نہیں ہے) کیونکہ متصلہ ہونے کی صورت میں یہ ضروری ہے کہ دو مساوی امور میں سے ایک ہمزہ استفہام کے متصل ہو اور دوسرا اَمْ کے متصل ہو اور اس جگہ ایسا نہیں ہے۔
میں کہتا ہوں آیت کا مطلب اس طور پر بھی ہو سکتا ہے کیا کُتُبِ الٰہیہ کی اطلاع کی وساطت یا بلا وساطت کے اس کو علم غیب ہے کہ دوسرا شخص اس کا بارِ شرک اٹھالے گا یا کتُبِ الٰہیہ کی وساطت سے اس کو یہ علم نہیں ہے کہ کوئی کسی کا بار اپنے اوپر نہیں اٹھا سکے گا بلکہ تواتر اور شہرت کی بنا پر اس کو معلوم ہے کہ کتُبِ سماویہ میں صراحت کردی گئی ہے کہ کوئی کسی کا بار نہیں اٹھائے گا۔

اَلَّا تَزِرُ یعنی کسی شخص کو دوسرے کے گناہ میں نہیں پکڑا جائے گا۔ بغوی نے بوساطتِ عکرمہؒ حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ سے پہلے لوگ مجرم کے جرم کی پاداش میں غیر مجرم کو پکڑ لیتے تھے اور اگر کسی کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا بیوی یا غلام نے قتل کیا ہو تو اس کے عوض اس شخص کو قتل کردیا جاتا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے لوگوں کو اس حرکت سے روکا اور اللہ کا حکم پہنچایا کہ کسی کے جرم کا بار دوسرے پر نہ ڈالا جائے۔
میں کہتا ہوں حضرت ابراہیمؑ سے پہلے کا رواج کوئی شرعی قانون نہیں تھا بلکہ ایک جاہلی رواج تھا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے قبائلِ اوس و خزرج کا رواج تھا ایک قبیلہ جب دوسرے قبیلہ سے زیادہ باعزت اور مالدار ہوتا تھا اور اس کی کسی عورت کو حریف قبیلہ مار ڈالتا تھا تو شریف قبیلہ والے کمزور قبیلہ کے کسی مرد کو مقتول عورت کے عوض قتل کرتے تھے اور غلام مارا جاتا تھا تو دوسرے قبیلے کے کسی آزاد مرد کو قتل کرتے تھے اور ایک مرد مارا جاتا تھا تو انتقام میں دو آدمیوں کو قتل کرتے تھے۔
اس رواج کو منسوخ کرنے کے لئے آیت اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی نازل ہوئی۔ سورۂ بقرہ میں ہم نے اس آیت کی تشریح کردی ہے۔

شبہ

ایک اور آیت آئی ہے وَكَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا بظاہر آیت لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی اس آیت کے مخالف ہے اس کے علاوہ امام احمد اور امام مسلم نے حضرت جریر بن عبداللہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مَنْ سَنَّ سُنَّةً سَیِّئَةً فَلَهٗ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ جس نے کوئی برا طریقہ ایجاد کیا اس پر خود اس طریقہ پر عمل کرنے کا بھی گناہ ہوگا اور قیامت تک جو لوگ اس پر عمل کریں گے ان کا گناہ بھی اس پر ہوگا) یہ حدیث بھی آیت لَا تَزِرُ کے خلاف ہے۔

ازالہ

آیت مَنْ قَتَلَ نَفْسًا الخ اور حدیث مَنْ سَنَّ سُنَّةً الخ کا مقصد یہ ہے کہ مرتکبِ قتل اور سنتِ سیئہ کا موجد خود تو گناہ گار ہوتا ہی ہے لیکن اس کا فعل چونکہ دوسروں کے مجرم اور گناہ گار بننے کا سبب ہوتا ہے اس لئے اس کا جرم دو گناہ ہو جاتا ہے (یہ مطلب نہیں کہ آنے والے مجرموں کا جرم اس پر ڈال دیا جائے گا اور ان کو گناہ سے آزاد کر دیا جائے گا) اسی لئے حدیث کے آخر میں فرمایا ہے مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْقُصَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَیْئًا (بغیر اس کے کہ آئندہ اس طریقہ قبیحہ پر چلنے والوں کے بارے میں کوئی تخفیف کی جائے) ایک اور آیت آئی ہے وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً (اس عذاب سے ڈرو جو صرف ظالموں پر ہی نہیں آئے گا بلکہ عمومی ہوگا ظالم اور غیر ظالم سب پر آئے گا) اسی طرح ایک حدیث مبارک میں آیا ہے جب اللہ کسی قوم پر عذاب نازل کرتا ہے تو اچھے برے جو لوگ بھی ان کے اندر ہوتے ہیں سب پر وہ عذاب نازل کرتا ہے تو

اچھے برے جو لوگ بھی ان کے اندر ہوتے ہیں سب پر وہ عذاب آتا ہے پھر قیامت کے دن ان کے اعمال کے موافق (الگ الگ) ان کو اٹھایا جائے گا۔ رواہ البخاری و مسلم من حدیث ابن عمرؓ حضرت ابو بکرؓ صدیق کی روایت سے اصحاب السنن الاربعہ نے ایک حدیث نقل کی ہے حضور نے فرمایا ظالم کو ظلم کرتے دیکھ کر جب لوگ اس کا ہاتھ نہیں پکڑیں گے تو ہو سکتا ہے کہ اللہ کا عذاب سب پر عموماً آجائے۔

ان دونوں حدیثوں کا اور آیت وَاتَّقُوا فِتْنَةً الخ کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے خود تو گناہوں کا ارتکاب نہیں کیا لیکن امر بالمعروف کو ترک کر دیا اور مجرموں کو گناہ سے نہیں روکا وہ بھی عذاب کے دائرے میں آجائیں گے۔

مسئلہ: کیا میت کے گھر والوں کے رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے۔

علماء سلف کا اس میں اختلاف ہے صحیحین میں حضرت عبداللہؓ بن ملیکہ کی روایت سے آیا ہے کہ حضرت عثمانؓ بن عفان کی ایک لڑکی کا مکہ میں انتقال ہو گیا ہم جنازہ کی شرکت کے لئے گئے وہاں حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ بھی موجود تھے۔ حضرت ابن عمرؓ نے عمر بن عثمانؓ سے کہا کیا تم رونے سے باز نہیں آؤ گے حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ گھر والوں کے رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا حضور ﷺ ایسا فرماتے تو تھے پھر حضرت ابن عباسؓ نے ایک حدیث بیان کی اور فرمایا جب حضرت عمرؓ زخمی ہو گئے تو صہیبؓ رونے لگے اور کہنے لگے ہائے بھائی ہائے ساتھی حضرت عمرؓ نے فرمایا صہیب کیا تم مجھ پر رو رہے ہو باوجودیکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ گھر والوں کے بعض گریہ کرنے سے میت پر عذاب ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، جب حضرت عمرؓ کی وفات ہو گئی تو میں نے اس حدیث کا ذکر حضرت عائشہؓ سے کیا ام المؤمنین نے فرمایا، عمرؓ پر اللہ کی رحمت ہو خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ گھر والوں کے رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے بلکہ یہ فرمایا کہ کافر کے گھر والوں کے رونے سے اللہ کافر کا عذاب بڑھا دیتا ہے۔ پھر حضرت عائشہؓ نے فرمایا تمہارے لئے قرآن کی یہ آیت کافی ہے۔

لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا اللہ ہی ہنساتا اور رلاتا ہے ابن ابی ملیکہ کا بیان ہے اس پر حضرت ابن عمرؓ نے کچھ نہیں کہا (یعنی تردید نہیں کی)

میں کہتا ہوں حضرت عائشہؓ نے جو حضرت عمرؓ کے بیان کی تغلیط کی وہ کمزور ہے کیونکہ حضرت عمرؓ حضرت عائشہؓ سے زیادہ فقیہ (واقفِ شریعت) تھے اور حضرت عمرؓ کی شہادت شہادتِ اثبات ہے (جو شہادتِ نفی کے مقابلہ میں قابلِ ترجیح ہے) اس کے علاوہ حضرت عمرؓ کی روایت کی تائید دوسری احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے جس پر نوحہ کیا جاتا ہے اس نوحہ کے بقدر اس پر عذاب ہوتا ہے۔

ابو یعلیٰ نے حضرت ابو بکرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (مردہ کے) کنبہ والوں کے رونے کی وجہ سے میت پر گرم پانی ڈالا جاتا ہے اسی قسم کی احادیث ابن حبان کی صحیح میں حضرت انسؓ اور حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت سمرہ بن جندبؓ کی روایت سے اور ابو یعلیٰ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کی ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ والی حدیث صحیح ہے۔

رہا احادیثِ مذکورہ کا آیت مذکورہ سے تعارض تو اس کو دور کرنے کے لئے بعض اہل علم نے کہا ہے کہ متعلقین کے رونے سے میت پر عذاب ہونا کافر کے لئے ہوتا ہے یا رونے کی وصیت کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے، محض رونے کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ بِبُكَاءِ اَهْلِهٖ میں با حالیہ ہے یعنی گھر والوں کے رونے کے وقت میت پر عذاب ہوتا ہے (بؔ سببیہ نہیں ہے)

ام المؤمنین کے دونوں قول ناقابلِ فہم ہیں اگر متعلقین کے رونے کی وجہ سے میت پر عذاب ہونا صرف کافروں کے لئے

مخصوص قرار دیا جائے تو آیت سے تعارض اس صورت میں بھی دور نہیں ہوتا۔ آیت کا حکم تو ہر مؤمن و کافر کے لئے عام ہے اور بعض روایات کے لحاظ سے حدیث مذکور کے بعض الفاظ ایسے ہیں کہ بِبُکَاءِ کی ب کو حالیہ کہنا درست نہیں ہو سکتا متعلقین کے رونے کی وجہ سے میت پر گرم پانی کا عذاب مسلط ہونا تو آخرت ہی میں ہو سکتا ہے۔ یہ عذاب دوزخ ہی میں ہوگا بُکاءِ متعلقین کے وقت یہ عذاب ہونا کس طرح ممکن ہے۔

بعض علماء کا قول ہے کہ عذاب دینے سے مراد ہے ملائکہ کا میت کو زجر و تنبیہ کرنا۔ ترمذی، حاکم اور ابن ماجہ نے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ جس میت پر نوحہ کرنے والی عورت نوحہ کرتی اور کہتی ہے وَاجبلاہُ وَاسَیدَاہُ اور اس قسم کے دوسرے الفاظ تو اللہ کی طرف سے دو فرشتے اس پر مقرر کئے جاتے ہیں جو میت کو جھڑکتے ہیں اور کہتے ہیں کیا تو ایسا تھا۔

میں کہتا ہوں اس تاویل پر بھی تعارض دفع نہیں ہوتا کیونکہ دوسرے کے فعل پر میت کو جھڑکنا بھی لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی کے خلاف ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ عذاب دینے سے مراد یہ ہے کہ متعلقین کے فعل سے میت کو رنج اور دکھ ہوتا ہے۔ طبرانی اور ابن ابی شیبہ نے قیلہ بنت مخرمہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قیلہ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنے مرے ہوئے لڑکے کا ذکر کیا اور رونے لگی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کوئی ہے جو اس چیخنے والی کو زبردستی چپ کرا دے اللہ کے بندو اپنے مردوں کو تکلیف نہ دو۔ ابن جریر نے اسی قول کو پسند کیا ہے اور تمام ائمہ نے جن میں ابن تیمیہؒ بھی ہیں اسی تاویل کو اختیار کیا ہے۔

سعید بن منصور راوی ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ نے کچھ عورتوں کو ایک جنازہ کے ساتھ دیکھا فرمایا لوٹ جاؤ بار گناہ اٹھانے والیو، ثواب نہ پانے والیو، زندوں سے آگے بڑھ کر مُردوں کو دکھ نہ پہنچاؤ۔

دفعِ تعارض کی صحیح صورت یہ ہے کہ حدیث میں میت پر عذاب ہونے سے اس میت پر عذاب ہونا مراد ہو جو (اپنی زندگی میں) مردے پر رونے کا عادی تھا یا جس نے اپنے مرنے کے بعد گھر والوں کو نوحہ کرنے کی وصیت کی ہو یا وصیت نہ بھی کی ہو لیکن اس کو معلوم ہو کہ میرے مرنے کے بعد گھر والے نوحہ کریں گے اور باوجود اس علم کے ان کو پسِ مرگ نوحہ کرنے سے منع نہ کیا ہو اس توجیہ پر میت پر جو عذاب ہوگا وہ میت کے اپنے جُرم کی وجہ سے ہوگا دوسرے کے گناہ کا بار اس پر نہ ہوگا۔ امام بخاریؒ نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾ اور یہ کہ (ایمان کے بارے میں) انسان کو صرف اپنی ہی کمائی ملے گی۔

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ الخ یعنی ہر انسان کو اس کی کوشش کا معاوضہ ملے گا۔ نہ دوسرے کے گناہ کی سزا اس کو ملے گی نہ دوسرے کی نیکی کا ثواب اس کو حاصل ہوگا۔

امام شافعیؒ نے فرمایا کسی کو دوسرے کی کی ہوئی نیکی کا ثواب نہیں ملے گا۔ اس قول کی دلیل یہی آیت ہے۔ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ اور تمام علمائے سلف و خلف کا قول امام شافعیؒ کے قول کے خلاف ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا آیت وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى دوسری آیت اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ الخ سے منسوخ ہے۔ عکرمہ کا قول ہے کہ آیت مذکورہ کا حکم حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کی امتوں کے لئے مخصوص تھا۔ امتِ اسلامیہ کو تو اپنے کئے ہوئے نیک اعمال کا بھی ثواب ملے گا۔ اور ان نیکیوں کا بھی جو ان کے لئے دوسرے کریں ربیع بن انسؓ نے کہا آیت میں انسان سے مراد کافر انسان ہے۔ یہ قول غلط ہے کافر کو تو (آخرت میں اپنی کی ہوئی نیکیوں کا ثواب بھی نہیں ملے گا)

بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ للانسان میں لام بمعنی علیٰ ہے۔ یعنی انسان کو صرف اسی کا برا عمل ضرر رساں ہوگا۔ اس مطلب پر یہ آیت سابقہ آیت کی تفسیر ہو جائے گی عظمت تفسیری ہوگا۔

جمہور کے نزدیک دوسروں کے اچھے اعمال کا ثواب بھی انسان کو پہنچ سکتا ہے۔ اس کی دلیل اجماع امت بھی ہے اور

مندرجہ ذیل احادیث بھی۔
ابو نعیم نے لکھا ہے کہ حضرت ابو سعیدؓ خدری نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ اللہ جب اپنے مؤمن بندے کی روح قبض کر لیتا ہے تو دو فرشتے اسکو آسمان تک چڑھا کر لے جاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب تو نے ہم کو اس مؤمن کے اعمال لکھنے کا ذمہ دار بنایا تھا۔ اب تو نے اس کو اپنے پاس بلا لیا۔ ہم کو اجازت عطا فرما کہ ہم زمین میں جا کر رہیں۔ اللہ فرماتا ہے میری زمین تو میری مخلوق سے بھری پڑی ہے جو میری پاکی بیان کرتی ہے۔ اب تم دونوں جا کر میرے (اس) بندے کی قبر پر قیام کرو اور میری تسبیح و تہلیل اور تکبیر میں قیامت تک مشغول رہو اور اس کا ثواب میرے (اس) بندے کے لئے لکھ دو۔
مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب انسان مر جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے مگر تین چیزوں کا (سلسلہ جاری رہتا ہے) صدقہ جاریہ وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے (مثلاً دینیات کا درس، تصنیفات وغیرہ) یا صالح اولاد جو اس (میت) کے لئے دعا کرے۔
اسی طرح امام احمد نے حضرت ابو امامہؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے صدقہ جاریہ اور علم نافع اگرچہ انسان کی اپنی کوشش کا نتیجہ ہوتا ہے لیکن نیک اولاد کی دعا میں انسان کے اپنے عمل کو کوئی دخل نہیں اس کے باوجود اس دعا کا نتیجہ اس کو ملتا ہے۔
طبرانی نے حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابو سعیدؓ کی مرفوع روایت بیان کی ہے کہ اللہ جنت کے اندر نیک بندے کے درجے کو اونچا کر دے گا۔ بندہ عرض کرے گا اے میرے رب میرے یہ درجہ کی بلندی کیسے ہوئی اللہ فرمائے گا تیرے بیٹے نے تیرے لئے مغفرت کی دعا کی تھی (اس کی وجہ سے) تیرا درجہ بلند کر دیا گیا۔
حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قبر کے اندر مردہ ایسا ہوتا ہے جیسا کوئی ڈوبتا آدمی ہوتا ہے باپ یا ماں یا اولاد یا کسی معتمد دوست کی دعا کا انتظار کرتا رہتا ہے کہ کسی کی دعا اس کو پہنچ جائے۔ جب دعا اس کو پہنچ جاتی ہے تو وہ دعا دنیا اور مافیہا سے اس کو زیادہ پیاری ہوتی ہے اور زمین کے باشندوں کی دعا سے اللہ قبروں والوں کے لئے پہاڑوں جیسا (ثواب) قبروں کے اندر پہنچا دیتا ہے مردوں کے لئے زندوں کا ہدیہ استغفار ہے رواہ البیہقی والدیلمی۔
طبرانی نے الاوسط میں مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میری امت مرحومہ امت ہے گناہ اپنے ساتھ لے کر قبروں میں جائے گی اور قبروں سے بے گناہ ہو کر نکلے گی مؤمن اس کے لئے دعائے مغفرت کریں گے۔ جس کی وجہ سے وہ گناہوں سے خالص (پاک) ہو جائے گی۔
سیوطی کا قول ہے کہ متعدد لوگوں نے اس بات پر اجماع کا ہونا بیان کیا ہے کہ (زندوں کی) دعا سے مردوں کو فائدہ ہوتا ہے اس کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے اللہ نے فرمایا ہے وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ۔
میں کہتا ہوں یہ امر ظاہر ہے کہ زندوں کی دعا سے مردوں اور زندوں دونوں کو فائدہ پہنچا ہے اور یہ بات صرف اسی امت کے لئے مخصوص نہیں ہے حضرت نوحؑ نے دعا کی تھی رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَن دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ حضرت ابراہیمؑ نے آزر سے فرمایا تھا سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے فرمایا تھا لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ حضرت یوسف کے بھائیوں نے اپنے باپ سے درخواست کی تھی يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ۔
حضرت موسیٰؑ نے کہا تھا رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ۔
صحیح قول یہ ہے کہ صحف ابراہیم و موسیٰؑ میں جو لَيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ کا حکم تھا اس سے مراد یہ ہے کہ نماز روزہ

صدقہ، حج اور تمام نیکیوں کا ثواب صرف کرنے والے کو ملے گا دوسرے کو نہیں پہنچے گا۔ لیکن یہ حکم امت موسیٰ وابراہیمؑ کے لئے مخصوص تھا۔ امتِ اسلامیہ مرحومہ کے لئے اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا اور آیت اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ اس کی ناسخ ہے۔

حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میری ماں بغیر کچھ وصیت کئے اچانک مر گئی اور میرا غالب خیال ہے کہ اگر وہ بات کر سکتی تو کچھ خیرات کرتی اب اگر میں ان کی طرف سے کچھ خیرات کروں تو کیا اس کو ثواب پہنچے گا۔ فرمایا ہاں متفق علیہ

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ کی غیر حاضری میں ان کی ماں کا انتقال ہو گیا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میری ماں کا انتقال ہو گیا۔ میں موجود نہ تھا اگر اس کی طرف سے میں کچھ خیرات کروں تو کیا اس کو کچھ فائدہ پہنچے گا۔ فرمایا ہاں سعدؓ نے عرض کیا تو میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میرا باغ میری ماں کی طرف سے خیرات ہے۔ رواہ البخاری۔

امام احمد اور چاروں اصحاب السنن نے لکھا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میری والدہ کا انتقال ہو گیا اب اس کے لئے کون سی خیرات سب سے بہتر ہو گی فرمایا پانی۔ یہ فرمان سن کر حضرت سعدؓ نے ایک کنواں کھدوا دیا اور کہا یہ سعد کی ماں کے لئے ہے۔ طبرانی نے صحیح سند سے حضرت انسؓ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ جس گھر میں کوئی مر جائے۔ پھر گھر والے اس کے لئے کچھ خیرات کریں تو جبرئیلؑ نور کے ایک طباق میں اس کو لے کر میت کی قبر کے کنارے کھڑے ہو کر کہتے ہیں اے گہری قبر والے یہ تحفہ ہے جو تیرے گھر والوں نے تجھے بھیجا ہے۔ اس کو لے لے اس طرح وہ مردہ وہ تحفہ لے کر قبر میں جاتا ہے اور خوش ہوتا ہے لیکن اس کے برابر قبروں والے جن کو کچھ نہیں بھیجا جاتا وہ غمگین ہوتے ہیں۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط

حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کرتا ہے۔ اللہ دوزخ سے آزادی اس کے والدین کے لئے لکھدیتا ہے اور ان کے لئے حج کامل ہو جاتا ہے لیکن حج کرنے والے کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں آتی۔

یہ بھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے بڑھ کر صلہ رحمی یہ ہے کہ ایک رشتہ دار کے مرنے کے بعد (حج کر کے اس) حج کا ثواب اس کو قبر میں پہنچائے۔ بیہقی اور اصبہانی نے یہ حدیث نقل کی ہے لیکن اس کی سند میں دو راوی مجہول ہیں۔

ابو عبد اللہ ثقفی نے حضرت زید بن ارقم کی روایت سے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ کی خدمت میں عرض کیا کہ جس کے ماں باپ نے حج نہ کر پایا ہو اور وہ ماں باپ کے لئے حج کر لے تو کیا حکم ہے۔ فرمایا اس کے ماں باپ آزاد ہو جائیں گے اور آسمان میں ان کی روحوں کو بشارت دی جائے گی اور اللہ کے ہاں اس کو (ماں باپ کے ساتھ) نیکی لکھا جائے گا۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ راوی ہیں کہ ایک عورت نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا میری ماں مر چکی ہے کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں۔ حضور نے فرمایا یہ بتا کہ اگر تیری ماں پر کچھ قرض ہو اور تو (اس کی طرف سے) ادا کر دے (تو کیا ادا ہو جائے گا) عورت نے عرض کیا کیوں نہیں حضور نے اس کو ماں کے لئے حج کرنے کا حکم دیدیا۔ رواہ الطبرانی

حضرت انسؓ کی روایت ہے ایک شخص نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا میرا باپ مر گیا اور حج اسلام (یعنی فرض حج نہ کر پایا (کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتا ہوں) فرمایا یہ بتا کہ اگر تیرے باپ پر قرض ہو (اور وہ ادا نہ کر سکا ہو تو ادا کر دے۔ رواہ البزار والطبرانی بسند حسن۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی میت کی طرف سے حج کرے گا اس کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا میت کو ملے گا (یا میت کو بھی اتنا ہی ثواب پہنچ جائے گا جتنا حج کرنے والے کو ملے گا) رواہ الطبرانی فی الاوسط

عطاء اور زید بن اسلم کی مرسل روایت ہے کہ ایک شخص نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ میرا

باپ مر چکا ہے میں (اس کو ثواب پہنچانے کے لئے) اس کی طرف سے غلام آزاد کر دوں۔ فرمایا ہاں ابن ابی شیبہ نے یہ دونوں حدیثیں بیان کی ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سنا ایک شخص کہہ رہا تھا لبیک عن شبرمۃ (یعنی اپنے احرام حج شبرمہ کے لئے یا شبرمہ کی طرف سے باندھا تھا) فرمایا شبرمہ کون۔ اس شخص نے جواب دیا میرا بھائی یا میرا عزیز فرمایا کیا تو اپنا حج کر چکا ہے اس نے عرض کیا نہیں فرمایا تو پہلے اپنا حج کر پھر شبرمہ کے لئے، رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ والدار قطنی والبیہقی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

ابو الشیخ کا بیان ہے کہ حضرت عمرو ؓ بن عاص نے خدمت گرامی میں عرض کیا یا رسول اللہ عاص نے وصیت کی تھی کہ اس کی طرف سے کوئی بردہ آزاد کیا جائے۔ چنانچہ ہشام نے اس کے نام پر پچاس بردے آزاد کر دیئے۔ حضور نے فرمایا نہیں مسلمانوں کے لئے خیرات کی جاتی ہے اور حج کیا جاتا ہے اور بردے آزاد کئے جاتے ہیں (یعنی کافر کو نہ خیرات کا ثواب پہنچتا ہے نہ حج کا نہ غلام آزاد کرنے کا) حضرت حجاج بن دینار کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نیکی بالائے نیکی (یعنی دوہری نیکی) یہ ہے کہ تو اپنی نماز کے ساتھ ماں باپ کے لئے بھی نماز پڑھے اور اپنے روزے کے ساتھ ان کے لئے بھی روزہ رکھے اور اپنے لئے خیرات کرنے کے ساتھ ان کے لئے بھی خیرات کرے۔ رواہ ابن ابی شیبۃ۔

حضرت بریدہؓ کی حدیث ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر میری ماں پر دو ماہ کے روزے ہوں (اور وہ مر جائے) اور میں اس کی طرف سے رکھ لوں تو کیا کافی ہو جائے گا۔ فرمایا ہاں اس عورت نے عرض کیا میری ماں نے کبھی حج نہیں کیا کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں۔ فرمایا ہاں رواہ مسلم۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص مر جائے اور اس پر روزے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھ لے۔ متفق علیہ۔

حضرت علیؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ جو شخص قبرستان سے گزرے اور قُل ھو اللہ احد گیارہ بار پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخش دے اللہ اس قبرستان کے (تمام) مردوں کی تعداد کے موافق اس کو ثواب عطا فرمائے گا۔ رواہ ابو محمد السمرقندی۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص قبرستان میں داخل ہو پھر سورۂ فاتحہ اور قُل ھو اللہ احد اور الھاکم التکاثر پڑھ کر کہے۔ میں نے جو تیرا کلام پڑھا اس کا ثواب اس قبرستان کے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو بخش دیا تو اللہ کی بارگاہ میں وہ مردے اس کی شفاعت کریں گے۔ رواہ ابو القاسم سعد بن علی۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص قبرستان میں جائے پھر سورۂ یٰسین پڑھے تو اللہ ان مردوں سے عذاب ہلکا کر دے گا اور اس قبرستان کے مردوں کی تعداد کے موافق اس شخص کے لئے نیکیاں (لکھ دی جائیں گی) اخرجہ عبد العزیز صاحب الخلال بسندہ۔ سیوطی نے لکھا ہے دفن کے وقت میت کے سرہانے سورۂ فاتحہ اور پاؤں کی طرف سورۂ بقرہ کی آخری آیات پڑھنا وارد ہوا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کی مرفوع روایت میں آیا ہے لیکن حضرت علاء بن الجلاج کی مرفوع روایت میں پاؤں کی طرف سورۂ بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیات کا پڑھنا آیا ہے۔ ایک حدیث ہے اپنے مردوں پر سورۂ یٰسین پڑھو۔ قرطبی نے کہا جمہور کے نزدیک اس کا مطلب ہے مرنے کے وقت سورۂ یٰسین کا پڑھنا۔ عبد الواحد مقدسی نے کہا اس کا مطلب ہے قبرستان میں داخل ہونے کے وقت یٰسین پڑھنا۔ محب طبری نے کہا دونوں حالتوں میں پڑھنا مراد ہے۔

ابن ابی شیبہ نے عطاء کا قول نقل کیا ہے آدمی کے مرنے کے بعد اس کے متعلقین کی طرف سے اس کے لئے) غلاموں کو آزاد کرنا اور حج کرنا اور خیرات کرنا اس کے پیچھے پہنچ جاتا ہے۔

ابن سعد نے قاسم بن محمد کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنے بھائی عبد الرحمٰن کے لئے ان کے موروثی غلاموں میں سے ایک غلام کو آزاد کیا آپ کو امید تھی کہ اس کا فائدہ حضرت عبد الرحمٰن کو مرنے کے بعد پہنچے گا۔

حافظ شمس الدین بن عبد الواحد نے کہا لوگ ہمیشہ سے ہر شہر میں جمع ہو کر اپنے مُردوں کے لئے قرآن پڑھتے رہے ہیں اور کسی نے اسکو ناجائز نہیں قرار دیا تو گویا اس پر اجماع ہو گیا خلالی نے شعبی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ انصار میں جب کوئی شخص مر جاتا تھا تو لوگ اس کی قبر پر آتے جاتے قرآن پڑھا کرتے تھے۔ احیاء العلوم میں امام احمد بن حنبلؒ کی روایت سے آیا ہے کہ جب تم قبرستان میں داخل ہو تو سورۂ فاتحہ اور معوذتین اور قل ھو اللہ احد پڑھا کرو اور اس کا ثواب اس قبرستان کے مردوں کو بخش دیا کرو تمہارا پڑھنا (یعنی پڑھنے کا ثواب) ان کو پہنچ جائے گا۔

آیت کی توجیہ میں بیضاوی نے لکھا ہے کہ جو شخص حج اور خیرات کرنے کی نیت رکھتا ہو (اور بغیر کئے مر جائے تو وہ توبہ کرنے والے کی طرح ہو جاتا ہے (متعلقین کا اس کے لئے حج اور خیرات کرنا گویا ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسے اس نے خود کیا ہو) بعض علماء نے آیت کی تاویل اس طرح کی ہے کہ مؤمن کا دوسرے کی سعی سے فائدہ اندوز ہونا اس کے ایمان پر مبنی ہے اور ایمان اس کا اپنا فعل ہے لہذا اس کے لئے دوسروں کا کوئی عمل خیر کرنا خود اس کی اپنی سعی کے تابع ہوا۔

وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿۴۰﴾　اور یہ کہ انسان کی کوشش بہت جلد دیکھی جائے گی۔ یعنی انسان اگر مؤمن ہے تو قیامت کے دن وزنِ اعمال کے وقت اس کی سعی سامنے آجائے گی اور دیکھ لی جائے گی لیکن کافر کے اعمال اکارت جائیں گے۔ کیونکہ اعمال کے بار آور ہونے کی اوّلین شرط خلوصِ نیت ہے اور اس کا عملِ خیر لوجہ اللہ ہوتا نہیں ہے یا اعمال کے اکارت جانے کی یہ وجہ ہو گی کہ دنیا میں ہی وہ اپنی بھلائیوں کا بدلہ پا چکتا ہے (کوئی نیکی باقی ہی نہیں رہتی)

میں کہتا ہوں اَولیٰ یہ ہے کہ اس جگہ سَعْیٌ کا ترجمہ ارادہ کرنا کیا جائے صاحب قاموس نے لکھا ہے سَعٰی سَعْیًا بروزنِ رَعٰی قصد کیا، عمل کیا، چلا، دوڑا، پورا ہو گیا، کمایا۔

بعض محققین نے کہا کہ سعی کا (لغوی) معنی ہے تیز چلنا اور کسی کام کی کوشش کرنے کے لئے اس کا استعمال ہوتا ہے۔

اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ انسان کو وہی ملے گا جس کے لئے اس نے اپنے عمل سے ارادہ کیا ہو (یعنی عمل کی نیت کے موافق عمل کا نتیجہ ہو گا) ایک صحیح حدیث ہے انما الاعمال بالنیّات وانّ لکلّ امرءٍ مانوٰی فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ و رسولہ ومن کانت ھجرتہ الی الدنیا یصیبھا او المرءۃ ینکحھا فھجرتہ الی ماھاجرالیہ (متفق علیہ) اعمال کا نتیجہ نیتوں کے مطابق ہو گا۔ ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہو گی۔ سو جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو گی تو اس کی ہجرت بے شک اللہ اور اس کے رسول ہی کی طرف ہو گی اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کی غرض سے ہو گی تو اس کی ہجرت اسی مقصد کی طرف ہو گی جس کے لئے اس نے ہجرت کی ہو گی۔ (بخاری و مسلم) بصورتِ مذکورہ آیت کا مطلب بھی اس حدیث کے موافق ہو گا۔ اس مطلب پر یہ لازم نہیں آتا کہ ایک کا عمل دوسرے کے لئے فائدہ بخش نہ ہو دیکھو جنازہ کی نماز اور رسول اللہ ﷺ کے لئے درود پڑھنا واجب ہے اور دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے لئے ہی ان کو واجب کیا گیا ہے۔

ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿۴۱﴾ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾　پھر اسکو پورا بدلہ دیا جائے گا اور یہ کہ (سب کو) آپ کے رب کے پاس پہنچنا ہے۔

ثُمَّ يُجْزٰىهُ یعنی پھر مؤمن کو (اس کی نیکیوں کی) پوری پوری کامل جزا دی جائے گی۔

اَلْمُنْتَهٰى مصدر ہے بمعنی انتہا یہ جملہ مع تمام سابق جملوں کے صُحُفِ ابراہیمؑ و صحفِ موسیٰؑ میں مندرج تھے۔

بغوی نے حضرت اُبَی بن کعبؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى کی تشریح میں فرمایا رب (کی ذات و صفات) میں کوئی غور نہیں یعنی ہر سوچ اور غور کی انتہا رب پر ہے وہاں تک پہنچ کر ہر غور و فکر کی رفتار ختم ہو جاتی ہے بغوی کی اس حدیث کا مضمون اس حدیث کے مفہوم کی طرح ہے جو حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے آئی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا مخلوق میں غور کرو خالق (کی ذات و صفات) میں غور مت کرو کیونکہ خالق کا احاطہ کوئی عقل نہیں کر سکتی۔

ابو الشیخ نے العظمۃ میں اور بغوی نے بروایتِ حضرت ابن عباسؓ بیان کیا ہے ہر چیز میں غور کرو مگر اللہ کی ذات میں غور نہ کرو کیونکہ ساتویں آسمان سے اوپر اللہ کی کرسی تک سات ہزار نور (کے طبقات) ہیں اور اللہ سب سے بالا ہے۔

میں کہتا ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی فکر اللہ کی کرسی تک نہیں پہنچ سکتی۔ اللہ کی ذات تک رسائی پانے کا تو ذکر ہی کیا ہے وہ تو سب سے اعلیٰ و بالا ہے۔

ایک اور روایت میں آیا ہے مخلوق میں غور کرو خالق میں غور نہ کرو تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔

ابو نعیم نے الحلیہ میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اللہ کی مخلوق میں غور کرو اللہ (کی ذات و صفات) میں غور مت کرو۔

ابو الشیخ نے حضرت ابوذرؓ کی روایت سے لکھا ہے اللہ کی مخلوق پر غور کرو اللہ پر غور نہ کرو۔

میں کہتا ہوں فکر و غور کے معنی ہیں کسی نامعلوم نتیجہ کو معلوم کرنے کے لئے مقدمات (اور مبادی) کو مرتب کرنا اور ظاہر ہے کہ صرف اللہ کی آیات، نشانات اور آثارِ صنعت و حکمت میں ترتیب کا تصوّر ممکن ہے اور مطلوب اللہ کی ذات ہے یہاں پہنچ کر ہر غور و فکر ختم ہو جاتا ہے (آثار و آیات کی ترتیب سے فکر آگے نہیں بڑھتی) کیونکہ اللہ وہ حقیقتِ صمدیہ ہے جس کی گہرائی تک غور و خوص کی رسائی نہیں۔

خوض فی ذاتِ اللہ کی ممانعت سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ ذاتِ الٰہیہ تک بے کیف رسائی بھی ناممکن ہے اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی کے الفاظ تو دلالت کر رہے ہیں کہ انتہا سیر ذات تک ہے۔ صوفیہ کی اصطلاح میں سیر فی اللہ کا معنی ہے صفات شیئون اور اعتبارات کی سیر۔ ذاتِ محض جس کو لاتعین سے تعبیر کیا جاتا ہے مراد نہیں ہوتی۔ اکثر اہل تفسیر نے آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ مخلوق کی انتہا اور آخری بازگشت اللہ ہی کی طرف ہے۔ بعض نے کہا ابتداء احسان بھی اللہ ہی کی جانب سے ہے (اسی نے ابتدائی تخلیق کی) اور اسی سے آخری امید ہے۔ (آخری امید گاہ خلائق وہی ہے)

وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ﴿۴۳﴾ اور یہ کہ وہی ہنساتا اور رُلاتا ہے۔

یعنی بندے جو اعمال کرتے ہیں ان کا خالق اللہ ہی ہے یہاں تک کہ ہنسی اور گریہ بھی اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ عطاء بن ابی مسلم نے کہا یعنی وہی خوش کرتا ہے اور وہی غمگین کرتا ہے۔ مجاہد نے کہا یعنی وہی جنت کے اندر اہل جنت کو ہنسائے گا اور وہی دوزخ کے اندر دوزخیوں کو رلائے گا۔

ضحاک نے کہا وہی زمین کو سبزہ پیدا کر کے ہنساتا ہے اور وہی بصورتِ بارش آسمان کو رُلاتا ہے۔ بغوی نے حضرت جابرؓ بن سمرہ کی روایت سے لکھا ہے کہ صحابہ کرامؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھ کر باہم شعر خوانی کرتے اور جاہلیت کی باتوں کا تذکرہ کرتے اور ہنستے تھے حضور بھی ان کے ساتھ مسکرا دیتے تھے۔

مسلم کی روایت کے یہ الفاظ ہیں لوگ باتیں کرتے تھے جاہلیت کی کسی بات کا ذکر شروع کر دیتے تھے۔ پھر ہنستے تھے اور رسول اللہ ﷺ بھی مسکرا دیتے تھے۔

ترمذی کی روایت ہے وہ باہم شعر خوانی کرتے تھے۔

بغوی نے شرح السنۃ میں قتادہ کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سے دریافت کیا گیا رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہنستے تھے حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ہاں باوجودیکہ ایمان ان کے دلوں میں پہاڑ سے بھی بڑا (اور مضبوط) تھا۔

بلال بن سعد کا بیان ہے (دن میں) صحابہ کرامؓ مختلف اغراض میں خوب مشغول رہتے تھے لیکن جب رات ہوتی تو وہ راہب (تارک الدنیا عابد) ہو جاتے تھے۔

بخاری کی روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا منہ بھر کر ہنستے نہیں دیکھا کہ آپ کے حلق کا کوّا مجھے نظر آ جاتا۔ حضور صرف مسکرا دیتے تھے۔ صحیحین میں مذکور ہے کہ حضرت جریرؓ نے فرمایا جب سے میں مسلمان ہوا

حضور ﷺ نے مجھ سے کوئی پردہ داری نہیں کی اور جب بھی آپ نے مجھے دیکھا مسکرادیئے۔
ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن الحارث بن الجزءؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مسکرانے والا کسی کو نہیں دیکھا۔

بخاریؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو روتے زیادہ ہنستے کم۔
امام احمد ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوذرؓ کی روایت سے ایسی حدیث بیان کی ہے اس روایت میں اتنا زائد ہے (کہ حضور نے فرمایا) اور (تم کو کسی چیز میں لطف نہیں آتا یہاں تک کہ) عورتوں سے بھی بستروں پر لذت یاب نہ ہوتے۔ اور اونچی پہاڑیوں کی طرف نکل جاتے اللہ کی پناہ لینے کے لئے۔

وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتَ وَأَحْيَا ﴿۴۴﴾ اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور جلاتا ہے۔

یعنی وہی جاندار کو بے جان اور بے جان کو جاندار بناتا ہے مثلاً نطفہ کے ایک نقطہ کو حیوان اور تخم کو درخت بنادیتا ہے۔
بعض علماء نے اَمَاتَ وَاَحْيَا کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ وہی آباء واسلاف کی زندگیاں سلب کرلیتا ہے اور اولاد کو زندگیاں عطا کرتا ہے یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہی کافر کو ناشناسی کی موت دیتا اور مؤمن کو معرفت کی زندگی بخشتا ہے۔

وَأَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ ﴿۴۵﴾ مِنْ نُطْفَةٍ إِذَا تُمْنَىٰ ﴿۴۶﴾ وَأَنَّ عَلَيْهِ النَّشْأَةَ الْأُخْرَىٰ ﴿۴۷﴾
اور یہ کہ وہی دونوں قسم یعنی نر اور مادہ کو نطفہ سے بناتا ہے جب نطفہ (رحم میں) ڈالا جاتا ہے اور یہ کہ (حسبِ وعدہ) دوبارہ پیدا کرنا اس کے ذمہ ہے۔

اِذَا تُمْنٰی یعنی جب رحم میں قطرہ ٹپکایا جاتا ہے مَنَى الرَّجل اور اَمْنَى الرَّجل اس آدمی نے قطرہ ٹپکایا۔ یہ ترجمہ ضحاک اور عطاء بن ابی رباح کا ہے۔ دوسروں نے تُمْنٰی کا ترجمہ کیا جب اس کا اندازہ کرلیا جاتا ہے مَنَيْتُ الشَّيْءَ میں نے اس چیز کا اندازہ کرلیا۔
اَلنَّشْاَةَ الْاُخْرٰى دوسری تخلیق یعنی قیامت کے دن مُردوں کو زندہ کر کے اٹھانا۔
عَلٰی کا لفظ وجوب ولزوم کے معنی پر دلالت کر رہا ہے اور اللہ پر کوئی بات لازم نہیں ہے اس لئے عَلٰی کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے بلکہ وعدے کو پختہ کرنا مراد ہے۔ اللہ ضرور ضرور دوبارہ تخلیق کرے گا۔

وَأَنَّهُ هُوَ أَغْنَىٰ وَأَقْنَىٰ ﴿۴۸﴾ اور یہ کہ وہی غنی کرتا ہے اور (سرمایہ دے کر محفوظ اور) باقی رکھتا ہے۔

اَغْنٰی یعنی ضروری حاجت اور کفائی مصارف سے زیادہ مال دیتا ہے کہ لوگ اس کو جمع کرلیتے ہیں صاحبِ قاموس نے لکھا ہے تَغَنّٰى وہ غنی ہو گیا یعنی اپنے مصارف پورے کرلئے اور پھر بھی کچھ مال رہ گیا جس کو اس نے جمع کرلیا۔
اَقْنٰی اَغْنٰی کا ہم معنی ہے اس کے بعد لفظ "افقر" محذوف ہے (وہی غنی اور دولت مند کرتا ہے اور وہی محتاج کرتا ہے) ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے افقر کو حذف کر دیا قرینۂ حال موجود ہے فہم مطلب میں دُشواری نہیں اس لئے افقر کو ذکر کرنے کی حاجت نہیں۔ ضحاک نے کہا اَغْنٰی یعنی چاندی سونا اور قسم قسم کے مال دے کر غنی کر دیتا ہے اور اَقْنٰی یعنی اونٹ، گائے، بھینس، بھیڑ، بکریاں دے کر وہی حیثیت دار بنادیتا ہے۔ قتادہ اور حسن نے کہا اَقْنٰی یعنی وہی خدمت گار عطا کرتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اَغْنٰی وَاَقْنٰی یعنی مالدار اور فراخ وسعت بناتا ہے۔ مجاہد اور مقاتل نے کہا اَقْنٰی یعنی جو کچھ دیتا ہے اس پر راضی اور قانع کر دیتا ہے۔ ابن زید نے کہا اَغْنٰی وہ بہت دیتا ہے اَقْنٰی یعنی وہی کم دیتا ہے۔ ابن زید نے یہ مطلب بیان کر کے (استشہاد میں) آیت وَيَبْسُطُ الرِّزْقَ وَيَقْدِرُ تلاوت کی۔ اخفش نے اَقْنٰی کا ترجمہ کیا وہی محتاج کرتا ہے۔

وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشِّعْرَىٰ ﴿۴۹﴾ اور یہ کہ وہی رب ہے شِعْرٰی (ستارہ) کا۔

شِعْرٰی ایک ستارے کا نام ہے جو جوزاء کے پیچھے واقع ہوا ہے۔ شِعْرٰی دو ستارے ہیں ایک کو عبور کہتے ہیں اور دوسرے کو

قیس۔ اس جگہ عبور مراد ہے بنی خزاعہ عبور کی پوجا کرتے تھے۔ کوئی شخص تھا کبشہ یہ بنی خزاعہ کا ایک سردار تھا۔ اسی نے اس رسم بد کی ایجاد کی اور قریش کے بت پرستی کے رواج کی مخالفت کی۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی عرب اسی مناسبت سے ابن ابی کبشہ کہتے تھے کیونکہ آپ نے بھی عرب کی بت پرستی کی مخالفت کی تھی۔ شعریٰ کے رب ہونے کا خصوصی ذکر اس وجہ سے کیا کہ وہ لوگ شعریٰ کو پوجتے تھے۔ اللہ نے ربّ الشعریٰ فرما کر یہ بات ظاہر کر دی کہ شعریٰ تو اللہ کی ایک مخلوق ہے وہ قابلِ عبادت نہیں ہے جیسا لات وعزّیٰ ویسا ہی شعریٰ ہے۔

شاید حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں بھی لوگ شعریٰ کی پوجا کرتے ہوں گے اسی لئے صُحفِ ابراہیم وموسیٰ علیہم السلام میں اس کا خصوصی ذکر کیا گیا تھا۔

وَاَنَّهٗ اَهْلَكَ عَادَا الْاُوْلٰى ﴿۵۰﴾ اور یہ کہ اسی نے قومِ عاد کو (اس کے کفر کی وجہ سے تباہ کیا)

عادِ اولیٰ حضرت ہودؑ کی قوم تھی۔ حضرت نوحؑ کی امت کے بعد سب سے پہلے اسی قوم کو طوفان کے جھکڑ بھیج کر ہلاک کیا گیا۔ اس کے بعد ایک اور قوم اس کی نسل سے ہوئی جس کو عادِ ثانیہ کہا جاتا ہے۔

وَثَمُوْدَاۡ فَمَاۤ اَبْقٰى ﴿۵۱﴾ اور ثمود کو بھی (ہلاک کیا) کہ ان میں سے کسی کو باقی نہیں چھوڑا۔

قومِ ثمود حضرت صالحؑ کی قوم تھی جس کو ایک گرجدار چیخ سے اللہ نے ہلاک کر دیا۔ ثمود ہی کو حقیقت میں عادِ ثانیہ کہا جاتا ہے

فَمَاۤ اَبْقٰى یعنی کافروں میں سے کسی کو اللہ نے باقی نہیں چھوڑا (سب کو عذاب سے ہلاک کر دیا)

وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ﴿۵۲﴾ اور ان سے پہلے قومِ نوح کو (ہلاک کیا) بے شک وہ سب سے زیادہ ظالم اور شریر تھے۔

یعنی عاد وثمود سے قوم نوحؑ کو ہلاک کر دیا۔ قوم نوح بڑی ظالم اور سرکش تھی۔ حضرت نوح نے ایک مدت دراز تک ان کو ایمان کی طرف بلایا۔ لیکن انہوں نے نہ مانا ہمیشہ نوحؑ کو جھوٹا قرار دیتے رہے۔ حضرت نوحؑ کو بار بار اتنا مارتے تھے کہ آپ بیہوش ہو جاتے تھے۔ اسی حالت میں چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔

وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿۵۳﴾ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾ اور اُلٹی ہوئی بستیوں کو پھینک مارا۔ پھر ان بستیوں کو گھیر لیا جس چیز نے گھیر لیا۔

اَلْمُؤْتَفِكَةَ وہ بستیاں جن کو الٹ دیا گیا یعنی قوم لوطؑ کی بستیاں۔

مَا غَشّٰى یعنی اوپر سے نامزد کنکر برسائے لفظ ما کا ابہام عظمتِ عذاب اور تباہی کی ہولناکی پر دلالت کر رہا ہے۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾ سو تو اپنے رب کی کون سی نعمت میں شک کرتا رہے گا۔

تَتَمَارٰى کا معنی ہے تو شک کرے گا، جھگڑا کرے گا۔ حضرت ابن عباسؓ نے ترجمہ کیا تو کس کس نعمت کو جھٹلائے گا۔ یہ ہر شخص کو خطاب ہے یعنی کسی کے لئے زیبا نہیں کہ اپنے رب کی کھلی ہوئی نعمتوں میں شک اور اس کی قدرتِ عامّہ میں شبہ کرے۔

بعض علماء نے کہا آیت میں مخاطب ولید بن مغیرہ ہے۔

هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿۵۶﴾ یہ (یعنی محمد ﷺ یا قرآن) منجملہ پہلے آئی ہوئی تنبیہات میں سے ایک تنبیہ ہے۔ من النذر یعنی انبیائے سابقین کی جنس میں سے ہیں۔ الاولیٰ کو بصیغۂ مؤنث ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ النذر سے مراد جماعت ہے۔

اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾ وہ جلدی آنے والی قریب آپہنچی ہے اللہ کے سوا اس کو کوئی ہٹانے والی نہیں ہے۔

یعنی قیامت کی گھڑی قریب آگئی۔ دوسری آیت میں اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ فرمایا ہے۔

کاشِفَۃٌ ظاہر کردینے والی (کھول دینے والی) دوسری آیت میں فرمایا ہے لَا یُجَلِّیۡهَا لِوَقۡتِهَاۤ اِلَّا هُوَ قیامت کو اس کے مقررہ وقت پر بس اللہ ہی ظاہر کردے گا۔ کاشِفَۃٌ میں ۃ تانیث کی ہے اور موصوف محذوف ہے یعنی نفس کاشفۃ بات مبالغہ کی ہے یا کاشِفَۃٌ مصدر ہے بمعنی کشف کھول دینا ظاہر کردینا) یعنی اللہ کے سوا کوئی اور اس کو ظاہر نہیں کرسکتا۔ عطاء، قتادہ اور ضحاک نے کہا یعنی قیامت کی ہولناکیاں اور شدت مصائب سواء اللہ کے مؤمنوں سے اور کوئی دور نہیں کرسکتا۔

اَفَمِنۡ هٰذَا الۡحَدِیۡثِ تَعۡجَبُوۡنَ ﴿۵۹﴾ وَ تَضۡحَکُوۡنَ وَ لَا تَبۡکُوۡنَ ﴿۶۰﴾ وَ اَنۡتُمۡ سٰمِدُوۡنَ ﴿۶۱﴾

سو کیا تم اس کلام (خداوندی) سے تعجب کرتے اور ہنستے ہو اور (خوف عذاب سے) روتے نہیں ہو اور تکبر کرتے ہو۔

هٰذَا الۡحَدِیۡثِ سے مراد قرآن مجید ہے۔ اَفَمِنۡ میں استفہام انکاری ہے یا سوال بطور زجر ہے تَضۡحَکُوۡنَ یعنی ہنسی اڑاتے ہو۔ وَلَا تَبۡکُوۡنَ اور دل کی رقت سے روتے نہیں (یعنی دل میں رقت پیدا نہیں کرتے) تَضۡحَکُوۡنَ وَلَا تَبۡکُوۡنَ کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے دنیوی لذتوں سے خوش ہوتے ہو اور طاعت کی کمی اور گناہوں کی کثرت کا غم نہیں کرتے۔ سامدون یعنی غافل۔ سمود کا معنی ہے کسی چیز سے غافل ہو جانا۔ عرب کہتے ہیں دع عنا سمودک ہماری طرف سے اپنی غفلت ترک کردو۔ والبی اور عوفی کی راویت میں اسی کو حضرت ابن عباسؓ کا قول قرار دیا گیا ہے۔ عکرمہ نے کہا یمنی محاورے میں سمود کا معنی ہے گانا جب کفار قرآن سنتے تھے تو گاتے اور کھیلتے تھے۔ ضحاک نے سامدون کا ترجمہ کیا اترانے والے۔ مجاہد نے کہا غصہ کے ساتھ روگردانی کرنے والے۔ بعض نے کہا سامدون کا معنی ہے غرور کرنے والے، اپنے کو بڑا سمجھنے والے۔ جب اونٹ راستہ چلتے سر اوپر اٹھاتا ہے تو عرب کہتے ہیں سمد البعیر ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے اور بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز پڑھتے تو کفار ناک چڑھا کر (غرور سے) نکل جاتے تھے۔ اس پر آیت وَاَنۡتُمۡ سٰمِدُوۡنَ نازل ہوئی۔ صاحب نہایہ نے لکھا ہے شمخ بانفہ اس نے ناک چڑھائی یعنی غرور کیا۔

فَاسۡجُدُوۡا لِلّٰهِ وَ اعۡبُدُوۡا ﴿۶۲﴾ السجدۃ ع سو اللہ کی اطاعت کرو اور اسی کی عبادت کرو۔

السجدۃ ۳ ۱۲

یعنی خشوع و فروتنی کے ساتھ اور اللہ کے وعدۂ ثواب اور وعیدِ عذاب پر یقین رکھتے ہوئے اسی کو سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ سورۃ النجم میں رسول اللہ ﷺ نے اور آپ کے ساتھ مسلمانوں نے مشرکوں نے اور جن وانس نے سجدہ کیا۔ رواہ البخاری۔

حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ نے والنجم پڑھی اور اس میں سجدہ کیا اور جو لوگ آپ کے ساتھ تھے انہوں نے سجدہ کیا مگر قریش کے ایک بوڑھے شخص نے (سجدہ نہیں کیا بلکہ) ایک ہاتھ میں پتھریاں یا مٹی اٹھا کر پیشانی تک لے گیا اور بولا میرے لئے یہی کافی ہے حضرت عبداللہ نے فرمایا میں نے دیکھا کہ اس واقعہ کے بعد وہ کفر کی حالت میں مارا گیا۔ متفق علیہ۔

بخاری کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ وہ امیہ بن خلف تھا۔ بخاری کے الفاظ یہ ہیں کہ اول ترین سورۃ جس میں آیتِ سجدہ کا نزول ہوا وہ النجم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس میں سجدہ کیا۔ الحدیث۔

حضرت زید بن ثابت کا بیان ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے والنجم پڑھی اور آپ نے اس میں سجدہ نہیں کیا۔

جو لوگ سجدۂ تلاوت کو واجب نہیں قرار دیتے (بلکہ سنت کہتے ہیں) وہ اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے اس وقت حضور کا وضو نہ ہو اس لئے سننے کے باوجود سجدہ نہیں کیا) یا سجدہ کرنے سے کوئی اور رکاوٹ ہو۔ حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور ﷺ نے بعد کو بھی کبھی یہ سجدہ نہیں کیا لیکن یہ جواب کمزور ہے کیونکہ اگر کسی عذر کی وجہ سے حضور نے اس وقت سجدہ نہ کیا ہوتا تو آپ ظاہر فرما دیتے۔ اس کے علاوہ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ اللہ نے یہ سجدۂ تلاوت ہم پر لازم نہیں کیا، مگر ہم چاہیں تو کرلیں۔ سجدۂ تلاوت کی تفصیل سورۃ الانشقاق میں کردی گئی ہے۔

سورۃ القمر

یہ سورۃ مکی ہے اس میں ۵۵ آیات ہیں اور تین رُکوع ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

بغوی نے حضرت انس بن مالکؓ کی روایت سے بیان کیا کہ مکہ والوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ کوئی معجزہ دکھلائیے۔ رسول اللہ ﷺ نے چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھادیئے۔ دونوں ٹکڑوں کے درمیان کوہ حرا دکھائی دینے لگا (یعنی ایک ٹکڑا حرا کے ایک طرف اور دوسرا ٹکڑا دوسری طرف چلا گیا) شیخین نے صحیحین میں بھی اسی طرح حضرت انسؓ کی روایت نقل کی ہے۔

بغوی نے بوساطتِ شیبان قتادہ کا بیان نقل کیا ہے کہ چاند کے شگافتہ ہو جانے کا معجزہ حضور نے دو مرتبہ دکھایا ترمذی میں بھی لکھا ہے کہ مکہ میں چاند دو مرتبہ پھٹا اس پر آیت اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ......اِلٰی قولہٖ سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ نازل ہوئی شیخین اور حاکم نے بیان کیا کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا میں نے مکہ میں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت سے پہلے چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا یہ دیکھ کر کافروں نے کہا چاند پر جادو کر دیا گیا اس پر آیت اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ نازل ہوئی۔ اسی طرح بغوی نے بطریق بخاری بیان کیا ہے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر اور ایک ٹکڑا پہاڑ کے نیچے (چلا گیا) حضور نے فرمایا گواہ رہو۔

بغوی نے لکھا ہے ابوالضحیٰ نے بروایتِ مسروق حضرت عبداللہ کا بیان نقل کیا ہے کہ مکہ میں چاند پھٹ گیا اور پھٹنے کے بعد پھر جڑ گیا۔ یہ بھی ابوالضحیٰ نے بوساطتِ مسروق حضرت عبداللہ کا بیان نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں چاند پھٹ گیا لوگوں نے کہا ابن ابی کبشہ نے تم پر جادو کر دیا ہے مسافروں سے دریافت کرنا مسافروں سے دریافت کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ انہوں نے بھی چاند کو پھٹتا دیکھا تھا۔ اس پر آیت وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ الخ نازل ہوئی۔ (ابوکبشہ عرب کے قبیلہ خزاعہ کا ایک سردار تھا جس نے بت پرستی کو ترک کر کے ستارہ پرستی شروع کی تھی یعنی عام مشرکوں کا مذہب چھوڑ دیا تھا اور چونکہ رسول اللہ ﷺ نے بھی بت پرستی کی مخالفت کی اور عام عرب کے مسلک سے بیزاری کا اظہار کیا تھا اس لئے اہلِ مکہ آپ کو ابن ابی کبشہ کہتے تھے۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ① وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ②

قیامت قریب آپہنچی اور چاند شق ہو گیا اور یہ لوگ اگر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو ٹال دیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ جادو ہے جو ابھی ختم ہوا جاتا ہے۔

اِقْتَرَبَتِ قریب آگئی اور اس کے قریب آنے کی نشانیوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ چاند پھٹ گیا۔

وَاِنْ يَّرَوْا الخ یعنی کفار اگر کوئی ایسا معجزہ جو رسول اللہ ﷺ کی سچائی پر دلالت کر رہا ہو تو اس پر غور کرنے اور ایمان لانے اور ماننے سے کترا جائیں گے روگرداں ہو جائیں گے اور کہیں گے یہ تو سحر مستمر، بے بنیاد، بے حقیقت جادو ہے جاتا رہے گا۔ مَرَّ اور اِسْتَمَرَّ کا معنی ہے۔ وہ چلا گیا جاتا رہا۔ جیسے قَرَّ اور اِسْتَقَرَّ ہم معنی ہیں اسی طرح مَرَّ کا جو معنی ہے وہی اِسْتَمَرَّ کا معنی ہے)

مجاہد اور قتادہ نے مستمر کی یہی تفسیر کی ہے، لیکن ابوالعالیہ اور ضحاک کا قول ہے کہ مستمر سے مراد قوی، محکم جادو جو ہر جادو پر غالب ہو۔ عرب کہتے ہیں مرالحبل واستمرالحبل رسی مضبوط اور قوی ہو گئی اَمْرَرْتُ الحبل میں نے رسی کو مضبوط بٹ دیا خوب مستحکم کر لیا۔ استمرالشئی وہ چیز مضبوط اور قوی ہو گئی (یعنی چلتا جادو) بعض نے کہا سحر مستمر سے مراد مسلسل پیہم جادو بعض کے

نزدیک مستمر کا لفظ حرارت (تلخی) سے مشتق ہے یعنی تلخ جادو، بدمزہ جادو۔

وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ وَكُلُّ أَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ③ اور ان لوگوں نے جھٹلایا اور اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر بات کو قرار آجاتا ہے۔

وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا یعنی انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی اور قرآن مجید کی اور دیکھ لینے کے باوجود قدرتِ خداوندی کی تکذیب کی اور وحی کی پیروی نہیں کی بلکہ اپنی خواہشات کے پیچھے پڑے رہے۔ کَذَّبُوا اور اتَّبَعُوا بلفظ ماضی ذکر کرنے سے اس بات پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ یہ کافروں کی پرانی عادت ہے (کہ وحی کو چھوڑ کر اتباعِ خواہشات کرتے ہیں)

وَكُلُّ أَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ یعنی ہر امر اپنی انتہا پر ٹھہرا ہوا ہے دنیا میں ناکامی اور کامیابی اور آخرت میں بدبختی اور خوش نصیبی اپنی انتہا پر پہنچی ہوئی ہے۔ استقرار سے مراد ہے انتہا پر پہنچنا، ہر چیز اپنی انتہا پر پہنچ کر ٹھہر جاتی ہے مقاتل نے بھی یہی کہا ہے کہ ہر بات کا ایک منتہا ہے۔ بعض علماء نے اس جملہ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ہر مقدر امر ہونے والا ہے ہو کر رہے گا، جس بات کا اللہ نے وعدہ کر لیا ہے وہ ضرور واقع ہو گی۔ کلبی نے کہا ہر امر ایک حقیقت ہے دنیا میں لوگوں کی طرف سے جو بات ہو گی اس کا ظہور ہو جائے گا اور آخرت میں اللہ کی طرف سے جو کچھ ہو گا وہ معلوم ہو جائے گا۔ قتادہ نے کہا جس امر کا استقرار خیر میں ہے وہ اہلِ خیر کے ساتھ رہے گا، اور جس امر کا استقراء شر میں ہے وہ اہلِ شر کے ساتھ رہے گا۔ بعض نے کہا خیر ہو یا شر ہر امر کا استقرار اس کے مقام پر ہو گا (خیر کا مقام و مستقر جنت ہے اور شر کا مقام و مستقر دوزخ ہے) پس خیر اہل خیر کو جنت میں لے جائے گی اور وہی اس کی قرار گاہ ہو گی اور شر اہل شر کو دوزخ میں لے جائے گی اور وہیں اس کا استقرار ہو گا۔ بعض نے کہا تصدیق اور تکذیب کرنے والوں میں سے ہر ایک کا قول قائم اور برقرار رہے گا جس کی حقیقت ثواب و عذاب کی شکل میں معلوم ہو جائے گی۔

وَلَقَدْ جَاءَهُم مِّنَ الْأَنبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ ④ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ⑤ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ

اور ان لوگوں کے پاس (گذشتہ اقوام کی) خبریں اتنی پہنچ چکی ہیں کہ ان میں کافی عبرت ہے یعنی اعلیٰ درجہ کی دانشمندی ہے لیکن خوف دلانے والی چیزیں ان کو کچھ فائدہ ہی نہیں دیتی ہیں سو آپ ان کی طرف سے کچھ خیال نہ کیجئے۔

وَلَقَدْ جَاءَهُمْ یعنی کفارِ مکہ کے پاس قرآن میں اقوامِ گزشتہ کی خبریں اور دوسری زندگی کی اطلاعات آچکی ہیں جو نافرمانیوں سے بازداشت کے لئے کافی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن میں بری باتوں سے روکا گیا ہے اور نصیحت کر دی گئی ہے اور گزشتہ نافرمان امتوں کی ہلاکت کا بیان کر دیا گیا ہے نصیحت اندوزی اور نافرمانیوں سے بازداشت کے لئے یہ کافی ہے۔

مُزْدَجَرٌ مصدرِ میمی جس کا معنی ہے اِزدِجار (بازداشت تنبیہ)

حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ انتہائی دانائی کی بات جس کے اندر کوئی کمی اور خرابی نہیں ہے۔

فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ میں مَا نافیہ ہے یعنی پیغمبر یا ڈرانا ان کے لئے کوئی مفید نہیں۔ یا مَا سوالیہ انکاریہ ہے، یعنی پیغمبروں کا یا ڈرانے کا ان کو کیا فائدہ ہوا مطلب یہ کہ کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ نُذُر نذیر کی جمع ہے اور نذیر بمعنی منذِر (ڈرانے والا) یا بمعنی اِنذار (ڈرانا) ہے۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ سو آپ ان سے رُخ پھیر لیجئے آپ کی تبلیغ سے ان کو کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ آیتِ قتال (آیتِ جہاد سے اس آیت کا حکم منسوخ ہے۔

يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَىٰ شَيْءٍ نُّكُرٍ ⑥ خُشَّعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ ⑦ مُّهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ ۖ يَقُولُ الْكَافِرُونَ هَٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ⑧

جس دن ایک بلانے والا فرشتہ ایک ناگوار چیز کی طرف بلائے گا ان کی آنکھیں مارے ذلت کے جھکی ہوئی ہوں گی قبروں سے اس طرح نکل رہے ہوں گے جیسے ٹڈی پھیل جاتی ہے بلانے والے کی آواز کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہوں گے کافر کہتے ہوں گے یہ دن بڑا سخت ہے۔

وقف لازم

یَوۡمَ یَدۡعُ الدَّاعِ یوم سے مراد ہے قیامت کا دن پکارنے والے اسرافیل ہوں گے جو صخرۂ بیت المقدس پر کھڑے ہو کر پکاریں گے۔ اے کھوکھلی بوسیدہ ہڈیو! اے پارہ پارہ کھالو اور اے ٹوٹے ہوئے بالو! اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ آخری فیصلے کے لئے جمع (اکٹھی) ہو جاؤ رواہ ابن عساکر عن زید بن جابر الشافعی۔

شَیۡءٍ نُّکُرٍ اتنی بڑی چیز کہ اس کی مثل معلوم نہ ہو انتہائی مکروہ ہونے کی وجہ سے لوگ اس کو جاننا بھی گوارا نہ کریں۔

خُشَّعًا اَبۡصَارُھُمۡ ان کی نگاہیں عاجزی کے ساتھ نیچی ہوں گی۔

مِنَ الۡاَجۡدَاثِ قبروں سے نکلیں گے ٹڈیوں کی طرح کثیر اور منتشر ہوں گے اور اتنے ڈٹ لگے ہوں گے کہ لہروں کی طرح ایک دوسرے میں گھسا پڑتا ہوگا۔

مُّھۡطِعِیۡنَ پکارنے والے کی آواز کی طرف تیزی کے ساتھ جائیں گے یا مُّھۡطِعِیۡنَ سے مراد ہے داعی کی طرف نظر جمائے ہوئے۔

یَوۡمٌ عَسِرٌ سخت دشوار دن۔

کَذَّبَتۡ قَبۡلَھُمۡ قَوۡمُ نُوۡحٍ فَکَذَّبُوۡا عَبۡدَنَا وَ قَالُوۡا مَجۡنُوۡنٌ وَّ ازۡدُجِرَ ﴿۹﴾ فَدَعَا رَبَّہٗۤ اَنِّیۡ مَغۡلُوۡبٌ فَانۡتَصِرۡ ﴿۱۰﴾ ان لوگوں سے پہلے قوم نوح نے (نوح کو) جھوٹا قرار دیا اور ہمارے بندہ کی تکذیب کی اور کہا یہ دیوانہ ہے اور اس کو دھمکی دی گئی تو نوح نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں درماندہ ہوں تو ان سے انتقام لے۔

قَبۡلَھُمۡ یعنی آپ کی امت سے پہلے۔

فَکَذَّبُوۡا عَبۡدَنَا یعنی انہوں نے نوحؑ کی متواتر تکذیب کی تکذیب کرنے والوں کی ایک نسل جب مر جاتی تھی تو آنے والی دوسری نسل تکذیب کرتی تھی اور دوسری کے بعد تیسری نسل مکذبین کی پیدا ہو کر حضرت نوحؑ کو جھوٹا کہتی تھی اور یہ تکذیب کا سلسلہ نو سو پچاس برس جاری رہا۔

وَ قَالُوۡا مَجۡنُوۡنٌ اور انہوں نے کہا نوحؑ دیوانہ ہے۔

وَّ ازۡدُجِرَ اس کا عطف مجنون پر ہے یعنی کافروں نے یہ بھی کہا کہ نوحؑ جنات کی جھپٹ میں آگیا ہے کسی جن نے اس کو مخبوط الحواس اور بے عقل بنا دیا ہے کذا قال مجاہد یا اس کا عطف قالوا پر ہے یعنی نوح کو قوم والوں نے دیوانہ کہا اور طرح طرح کی تکلیفیں اور جھڑکیاں بھی دیں اور کہنے لگے نوحؑ اگر تو باز نہ آیا تو ہم پتھر مار مار کر تجھے ہلاک کر دیں گے۔

عبد بن حمید نے بروایت مجاہد بیان کیا ہے کہ بعض لوگ راستے میں حضرت نوحؑ کو پکڑ کر آپ کا گلا گھونٹ دیتے اور آپ بیہوش ہو کر گر پڑتے تھے پھر جب ہوش آتا تو کہتے اے اللہ میری وجہ سے میری قوم کا قصور معاف کر دیں وہ ناواقف ہیں۔ امام احمد نے الزہد میں بروایت مجاہد عبید بن عمیر کا بھی یہی قول بیان کیا ہے۔

فَدَعَا رَبَّہٗۤ یعنی جب اللہ کی طرف سے وحی آگئی کہ جو شخص ایمان لے آیا لے آیا آئندہ کوئی ایمان نہیں لائے گا تم ان لوگوں کی حرکتوں سے آزردہ نہ ہو تو اس وقت نوحؑ نے (بددعا کی اور) کہا اے میرے رب یہ لوگ مجھ پر غالب آگئے ہیں میں مغلوب ہو گیا اب تو میرا انتقام لے اور ان پر عذاب نازل کر اس زمین پر کافروں کی کوئی بستی باقی نہ رکھ کوئی کافر اس زمین پر ساکن نہ رہے اگر تو نے ان کو باقی چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کے بچے بھی بدکار کافر پیدا ہوں گے۔

فَفَتَحۡنَاۤ اَبۡوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنۡھَمِرٍ ﴿۱۱﴾ وَّ فَجَّرۡنَا الۡاَرۡضَ عُیُوۡنًا فَالۡتَقَی الۡمَآءُ عَلٰۤی اَمۡرٍ قَدۡ قُدِرَ ﴿۱۲﴾ سو ہم نے کثرت سے برسنے والے پانی سے آسمان کے دریچے کھول دیئے اور زمین سے چشمے جاری کر دیئے پھر (آسمان و زمین کا) پانی اس کام کے پورا ہونے کے لئے مل گیا جو (علم الٰہی میں) تجویز ہو چکا تھا۔

مُّنۡھَمِرٍ سخت برسنے والا چالیس روز تک مسلسل بارش ہوتی رہی کسی وقت منقطع نہیں ہوئی۔ بعض اہل تفسیر نے یہ

مطلب بیان کیا کہ آسمان وزمین کے درمیان کی خلاء پانی سے بھر گئی۔
وَفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا یعنی ہم نے زمین کو چشمے ہی چشمے بنا دیا (اتنے چشمے زمین سے برآمد کردیئے کہ پوری زمین چشمہ ہی ہوگئی)۔
فَالْتَقَى الْمَآءُ یعنی آسمان اور زمین کا پانی آپس میں مل گیا۔ اَلْمَآء کا اطلاق ایک پانی پر بھی ہوتا ہے اور ایک سے زیادہ پر بھی۔ اس جگہ یہ موخر معنی مراد ہے۔
عَلٰۤى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ یعنی اس امر کے مطابق جو اللہ نے ازل میں مقدر کردیا تھا اور لوح محفوظ میں لکھ دیا تھا یا قُدِرَ سے مراد یہ ہے کہ دونوں پانی مقدار میں برابر کردیئے گئے۔ آسمان سے برسنے اور زمین سے نکلنے والے پانی کی مقدار برابر کردی گئی، یا یہ مراد ہے کہ اللہ نے جو امر مقرر کردیا تھا یعنی طوفان سے قوم نوح کا ہلاک ہونا اس کے مطابق پانی مل گیا (اور قوم نوح غرق ہوگئی)

وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴿۱۳﴾ تَجْرِیْ بِاَعْیُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿۱۴﴾

اور ہم نے نوحؑ کو ایک تختوں اور میخوں والی کشتی پر سوار کردیا جو ہماری نگرانی میں چل رہی تھی۔ یہ سب کچھ اس شخص کا بدلہ لینے کے لئے کیا گیا جس کے بے قدری کی گئی تھی۔
وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى الخ یعنی نوحؑ کو ہم نے ایک کشتی میں سوار کردیا جس میں تختے اور میخیں (کیلیں ٹھوک دی گئی تھیں اور کشتی ہماری نگرانی یعنی حفاظت میں چلنے لگی۔
جَزَآءً ہر نبی اپنی امت کے لئے اللہ کی رحمت اور نعمت ہوتا ہے۔ نوحؑ بھی اپنی قوم کے لئے اللہ کی نعمت تھے لیکن اس نعمت کا قوم کی طرف سے کفران کیا گیا پس اس نعمت کی جو بصورتِ نوح اللہ نے عطا کی تھی، ناشکری کی وجہ سے اللہ نے قوم کو طوفان میں غرق کردیا اور نوحؑ کو کشتی پر سوار کر کے بچالیا۔
بعض اہل تفسیر نے مَنْ کو بمعنی مَا قرار دیا ہے اور مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ اللہ کی نعمت کی ناشکری کی پاداش میں قوم نوح کو ہم نے غرق کردیا یا یہ مطلب ہے کہ نوحؑ اور ان کی امت سے جو سلوک کیا گیا یعنی قوم کو عذاب میں مبتلا کیا گیا اور نوحؑ کو مع ان کے ساتھیوں کے بچالیا گیا، یہ سلوک بدلہ تھا نوحؑ کے لئے (ان کے عمل کا)

وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَاۤ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۵﴾ اور ہم نے اس واقعہ کو عبرت کے لئے رہنے دیا۔ کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔

تَّرَكْنٰهَا یعنی اس واقعہ کو اپنی قدرت اور انبیاء کی صداقت کی نشانی بنا دیا کہ نصیحت حاصل کرنے والے اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ قتادہ نے کہا تَرَكْنٰهَا کی ضمیر سفینہ کی طرف راجع ہے یعنی سفینہ کو ہم نے عبرت دلانے کے لئے باقی رکھا چنانچہ جزیرہ میں یا جودی پر وہ کشتی مدتِ دراز تک موجود رہی یہاں تک کہ اس امت کے دورِ اول کے بعض لوگوں نے بھی اس کو دیکھا تھا۔
فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ مدکر نصیحت حاصل کرنے والا سوال ترغیبی ہے یعنی استفہام سے (طلبِ خبر مقصود نہیں ہے بلکہ عبرت اندوزی پر آمادہ کرنا اور نصیحت پذیری کی ترغیب دینا مقصود ہے۔ لفظ مدکر اصل میں مذتکر تھا (ذکر مادہ ہے)

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ ﴿۱۶﴾ پھر دیکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا ہوا۔ استفہام، عذاب کی عظمت اور ہولناکی کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔

نُذُر نذیر کی جمع ہے فراء نے کہا نذر اور انذار دونوں مصدر ہیں (اور ہم معنی ہیں جیسے انفاق اور نفقہ اور یقین وایقان)۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾ اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کردیا ہے سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔

ذکر یعنی نصیحت پذیری کی غرض سے ہم نے قرآن کو یاد کرنے کے لئے مختصر اور شریں بنایا ہے۔ اس میں طرح طرح

سے نصیحتیں کی گئی ہیں، عبرت اندوزی کا سامان ہے، عذاب کی دھمکیاں ہیں، اُمم سابقہ کے احوال کا اظہار ہے اور نافرمانوں کے انجام بد کا بیان ہے اور یہ سب کچھ عبرت اندوزی کے لئے کیا گیا ہے۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿۱۸﴾ عاد نے بھی اپنے پیغمبر ہود کی تکذیب کی سو دیکھو میرا عذاب اور میر اڈرانا کیسا ہوا۔

یعنی عاد نے جو حضرت ہودؑ کی قوم تھی ہودؑ کو اور تمام انبیاء کو جھوٹا قرار دیا پس دیکھ لو کہ نزولِ عذاب سے پہلے میں نے جو ان کو عذاب سے ڈرایا تھا وہ ان کے لئے کیسا ثابت ہوا (یعنی عذاب آیا اور ان کو ہلاک کر دیا گیا) یا ان کو عذاب سے ہلاک کر دینا بعد کو عذاب سے ہلاک کر دینا بعد کو آنے والے لوگوں کے لئے کیسا ہوا۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿۱۹﴾ ہم نے ان پر ایک تُند ہوا چھوڑ دی ایک دوامی نحوست کے دن۔

صَرْصَرٌ بہت تیز برفیلا گرج دار طوفانِ باد۔ نَحْسٍ دشمنوں کے لئے منحوس۔

مُّسْتَمِرٍّ مسلسل نحوست والا یا یہ مطلب کہ وہ دن اتنی مدت تک قائم رہا جب تک ان کو ہلاک نہیں کر دیا گیا، یا وہ چھوٹوں، بڑوں، بوڑھوں، بچوں سب کے لئے منحوس تھا کسی کو باقی نہیں چھوڑا یا مستمر کا معنی ہے انتہائی تلخ بدمزہ۔ بغوی نے لکھا ہے کہ مہینہ کی آخری تاریخ تھی بدھ کا دن تھا۔

تَنْزِعُ النَّاسَ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿۲۰﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿۲۱﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۲۲﴾ وہ ہوا لوگوں کو اس طرح اکھاڑ اکھاڑ کر پھینک رہی تھی کہ گویا وہ اکھڑے ہوئے کھجور کے درختوں کے تنے ہیں سو دیکھو میرا عذاب اور میر اڈرانا کیسا ہوا اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔ ع ۱ ۲۲ ۸

تَنْزِعُ النَّاسَ یعنی طوفان ان لوگوں کو ان کے گھروں سے اکھاڑ کر باہر لا کر سر کے بل پٹک دیتا تھا کہ گردنیں ٹوٹ جاتی تھیں۔ بیضاوی نے لکھا ہے لوگ پہاڑیوں کی گھاٹیوں میں اور غاروں میں گھس گئے اور باہم چمٹ گئے لیکن طوفان ان کو وہاں سے بھی اکھاڑ لایا اور باہر لا کر زمین پر پٹک دیا کہ سب مر گئے۔ بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ طوفان مردوں کو قبروں سے اکھاڑ لایا تھا۔

كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ اَعجاز، جڑیں، مُنقعر جڑوں سے اکھڑ کر زمین پر گرے ہوئے۔ نخل کا لفظ مذکر ہے اس لئے مُنقعر بصیغہ واحد مذکر اس کی صفت ذکر کی لیکن معنی کے لحاظ سے نخل کھجور کے درختوں کو کہتے ہیں (اور جماعت مؤنث کے حکم میں ہوتی ہے) اس لئے آیت اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ اور نَخْلٌ بَاسِقَاتٌ میں نخل کی صفت مؤنث ذکر کی۔

بغوی نے لکھا ہے اعجاز وہ جڑیں جن کی شاخیں کاٹ دی گئی ہوں۔ طوفان نے عاد والوں کے سروں کو دھڑ سے جدا کر دیا تھا اور جسم بغیر سر کے رہ گئے تھے۔ اس لئے ان کے بے سر کے دھڑوں کو اعجازِ نخل فرمایا۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي عذاب کی عظیم ہولناکی بتانے کے لئے یہ آیت مکرر ذکر کی عذاب دنیا نے ان کو گھیر لیا تھا اور آخرت میں بھی وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے دوسری آیت میں انہیں کے واقعہ کے سلسلے میں فرمایا ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾ ثمود نے بھی پیغمبروں کی تکذیب کی۔

النُّذُر بہت سے ڈراوے یا انبیاء جو عذاب سے ڈرانے والے تھے۔

فَقَالُوا أَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُ إِنَّا إِذًا لَّفِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ﴿۲۴﴾ أَأُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ ﴿۲۵﴾ اور کہنے لگے کیا ہم ایسے شخص کا اتباع کریں گے جو ہماری جنس کا آدمی ہے اور اکیلا ہے (اگر ہم نے ایسا کیا تو اس صورت میں ہم بڑی غلطی اور پاگل پن میں جا پڑیں گے کیا ہم سب

میں سے اس پر وحی نازل ہوئی بلکہ یہ بڑا جھوٹا اور بڑا شیخی باز ہے۔
فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا یعنی ہم اپنی ہی جنس کے ایک آدمی کا جو فرشتہ نہیں ہے یا اپنی جماعت ہی کے ایک معمولی آدمی کا جس کو نہ مال میں ہم پر برتری حاصل ہے نہ مرتبہ میں۔
نَّتَّبِعُهٗٓ ہم اتباع کریں۔ یہ استفہام انکاری ہے اور انکار اتباع سے نہیں ہے اگر کوئی فرشتہ یا بادشاہ متبوع ہوتا تو وہ اتباع کر لیتے۔
وَاحِدًا یعنی اکیلا تنہا جس کا کوئی تابع نہیں یا ہم میں سے ایک معمولی فرد جس کا شمار سرداروں میں نہیں ہے۔
اِنَّآ اِذًا یعنی اگر ہم نے اس کا اتباع کیا تو اس صورت میں ہم بڑی غلطی اور دیوانہ پن میں جا پڑیں گے۔
وَّسُعُرٍ وہب نے سعر کا ترجمہ کیا حق سے دوری فراء نے کہا سعر کا معنی ہے جنون عرب ناقة مسعورة اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو بے مہار خود بخود سرگرداں ادھر ادھر چکر کاٹ رہی ہو۔ قتادہ نے کہا سعر کا معنی ہے دکھ دشواری عذاب حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا سُعر عذاب حسن نے کہا شدتِ عذاب۔ بعض اہل لغت نے سعر کو سعیر کی جمع کہا ہے گویا ان کافروں نے حضرت صالحؑ کے قول کو الٹ دیا۔ حضرت صالح نے ان سے فرمایا تھا کہ اگر میری پیروی نہ کرو گے تو سیدھے راستے سے بھٹکتے رہو گے اور تم دہکتی آگ میں جا پڑو گے انہوں نے اسی بات کو الٹ دیا اور کہا اگر ہم تمہاری پیروی کریں گے تو گمراہی اور بھڑکتی آگ میں جا پڑیں گے۔
ءَاُلْقِیَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ ذکر سے مراد ہے کتاب، صحیفے اور وحی یعنی کیا ہم میں سے اس پر وحی نازل کی گئی باوجودیہ کہ ہم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اس سے زیادہ وحی کے مستحق ہیں۔ مطلب یہ کہ ہم میں سے اس پر نزولِ وحی ہوا ہو، ایسا نہیں ہوا۔
بَلْ هُوَ كَذَّابٌ بلکہ یہ بڑا جھوٹا ہے اللہ پر اس نے دروغ بافی کی ہے۔
اَشِرٌ شیخی باز (اترانے والا) ہے نبوت کا دعویٰ کر کے ہم سے اونچا بننا چاہتا ہے گویا ان لوگوں نے حضرت صالحؑ کی برتری کا انکار کیا پھر ایک بُری خصلت کا حامل قرار دیا۔
سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿۲۶﴾ ان کو عنقریب کل ہی کو (مرنے کے بعد ہی یا عذاب آتے ہی) معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا شیخی باز کون تھا۔
سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا کل کو جان لیں گے یعنی جس وقت ان پر عذاب نازل ہو گا۔ (غد سے مراد ہے یوم عذاب) کلبی نے کہا روزِ قیامت مراد ہے۔
جب ثبوتِ نبوت کے لئے قوم والوں نے حضرت صالحؑ سے معجزہ طلب کیا اور خود ہی اس کی صورت تجویز بھی کر دی کہ پتھر کی چٹان کے اندر ایک دس ماہہ کی گابھن سرخ رنگ کی اونٹنی برآمد کر دو تو اللہ نے حضرت صالحؑ سے فرمایا۔
اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۰﴾
ہم اونٹنی کو نکالنے والے ہیں ان کی آزمائش کے لئے سو ان کو دیکھتے رہو اور صبر رکھو اور ان لوگوں کو بتا دینا کہ کنویں کا پانی ان میں بانٹ دیا گیا ہے ہر ایک باری پر باری والا حاضر ہوا کرے گا سو انہوں نے اپنے رفیق کو بلایا، اس نے اونٹنی پر وار کیا سو دیکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا ہوا۔
اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ یعنی ہم پتھر سے اونٹنی برآمد کر دیں گے، اوپر کو نکال دیں گے۔
فِتْنَةً لَّهُمْ ان لوگوں کی جانچ کرنے کے لئے۔
فَارْتَقِبْهُمْ پس اے صالحؑ! تم انتظار کرو دیکھو اونٹنی کے ساتھ یہ کیا سلوک کریں گے۔
وَاصْطَبِرْ اور ان کی ایذاؤں پر یا ان کے انتظار میں صبر کرو۔

قِسۡمَةٌ پانی تقسیم کر دیا گیا ہے، ایک دن قوم کے لئے ہے اور ایک دن اونٹنی کی لئے ہر فریق اپنے اپنے نمبر پر پانی پر آئے گا۔ اونٹنی کی باری ہو گی، وہ پانی پر آموجود ہو گی اور قوم والوں کی باری کا دن ہو گا تو وہ آموجود ہوں گے۔ اِحۡتَضَر اور حَضَر دونوں ہم معنی ہیں۔ مجاہد نے یہ مطلب بیان کیا کہ جب اونٹنی پانی پر سے چلی جائے گی تو وہ لوگ پانی پر آموجود ہوں گے اور اونٹنی پانی پر آجائے گی تو وہ لوگ دودھ کے لئے آموجود ہوں گے۔

فَنَادَوۡا پس قوم ثمود نے پکارا۔

صَاحِبَهُمۡ یعنی قذار بن سالف کو

فَتَعَاطٰى پس قذار نے تلوار لے کر اونٹنی کو آلیا اور اس کو قتل کر دیا..... آئندہ آیات میں عذاب کی تفصیل بیان کی ہے۔

اِنَّآ اَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ صَيۡحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوۡا كَهَشِيۡمِ الۡمُحۡتَظِرِ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدۡ يَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ ﴿۳۲﴾

ہم نے ان پر ایک ہی نعرہ مسلط کیا سو وہ ایسے ہو گئے جیسے کانٹوں کی باڑہ لگانے والے کی باڑہ کا چورا اور ہم نے قرآن نصیحت حاصل کرنے والے کے لئے آسان کر دیا ہے پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔

صَيۡحَةً وَّاحِدَةً ایک چیخ جو حضرت جبرئیلؑ نے نکالی تھی۔

فَكَانُوۡا پس وہ ہو گئے۔

كَهَشِيۡمِ الۡمُحۡتَظِرِ حظر۔ ابن عباس نے فرمایا محتظر اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی بکریوں کے لئے درختوں اور کانٹوں کا باڑہ بنالیتا ہے تاکہ درندوں سے بکریوں کی حفاظت ہو جائے اگر کوئی حصہ اس کا گر جاتا ہے اور بکریاں اس کو پامال کر دیتی اور روند ڈالتی ہیں اور اس کا چورا ہو جاتا ہے تو اس کو ہشیم کہتے ہیں۔ بعض نے کہا خشک درخت جس کا حظیرہ بنایا جاتا ہے ہشیم کہلاتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ خشک بھوسہ جو موسم سرما میں چوپایوں کے کھانے کے لئے لوگ جمع کر رکھتے ہیں اس کو ہشیم کہتے ہیں۔

قتادہ نے کہا ہشیم المحتظر کا معنی ہے کھوکھلی، بوسیدہ، سوختہ ہڈیاں۔ سعید بن جبیر نے کہا، جو مٹی دیواروں سے جھڑ جاتی ہے (یعنی نونی) اس کو ہشیم کہتے ہیں۔

كَذَّبَتۡ قَوۡمُ لُوۡطٍۢ بِالنُّذُرِ ﴿۳۳﴾ اِنَّآ اَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوۡطٍ ؕ نَجَّيۡنٰهُمۡ بِسَحَرٍ ﴿۳۴﴾ نِّعۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجۡزِىۡ مَنۡ شَكَرَ ﴿۳۵﴾

قوم لوطؑ نے بھی پیغمبروں کی تکذیب کی ہم نے ان پر پتھروں کا مینہ برسایا بجز لوطؑ کے متعلقین کے کہ ان کو اخیر شب میں بچالیا اپنی جانب سے فضل کر کے۔ جو شکر کرتا ہے ہم اس کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں۔

حَاصِبًا وہ تند ہوا جو چھوٹے سنگریزوں کو اڑا کر لے جاتی اور برساتی ہے۔ حصباء چھوٹے سنگریزوں کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا اتنے چھوٹے پتھر جو مٹھی بھر سے کم ہوں حصباء کہلاتے ہیں حاصب کبھی پتھر پھینکنے والے کو کہتے ہیں اس صورت میں آیت کا معنی ہو گا پتھر برسانے والا۔

سَحَر رات کے آخری حصہ کو کہتے ہیں۔

نِّعۡمَةً یعنی انعام دینے کے لئے۔

مَنۡ شَكَرَ جو اللہ کی نعمت کا شکر کرتا ہے یعنی اللہ کی توحید کا قائل اور اطاعت گزار ہے اس کو ہم ایسی جزا دیتے ہیں جیسی لوطؑ کے گھر والوں کی دی اور اس کو مشرکوں کے ساتھ عذاب نہیں دیتے۔ کذا قال مقاتل۔

(اور عذاب آنے سے پہلے) لوطؑ نے ان کو ہماری پکڑ سے ڈرالیا تھا لیکن انہوں نے اس ڈرانے میں جھگڑے پیدا کئے۔

بَطْشَتَنَا یعنی ہماری دار و گیر اور پکڑ سے ڈر لیا مراد عذاب سے ڈر لیا۔
فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ یعنی انہوں نے لوطؑ کو جھوٹا قرار دیا اور تخویفِ عذاب میں شک کرنے لگے۔ (مترجم) نے تَمَارَوْا کا ترجمہ کیا ہے جھگڑے کرنے لگے کیونکہ مراء اور مماراہ کا معنی ہے باہم جھگڑا کرنا، مقابلہ کرنا لیکن مفسر رحمۃ اللہ نے ترجمہ کیا شک کرنے لگے)۔

وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَیْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْیُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِیْ وَنُذُرِ ﴿۳۷﴾

اور ان لوگوں نے لوطؑ سے ان کے مہمانوں کو بری نیت سے لینا چاہا سو ہم نے ان کی آنکھیں چوپٹ کر دیں اور کہالو میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو۔
وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَیْفِهٖ یعنی قوم والوں نے ان مہمانوں سے جو واقع میں فرشتے تھے اور جبرئیل بھی ان میں شامل تھے لیکن لڑکوں کی شکل میں ہو کر آئے تھے بدکاری کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت لوطؑ سے کہا تم ان مہمانوں کے معاملہ میں کوئی تعرض نہ کرو ان کو ہمارے سپرد کر دو۔ اللہ نے ان فرشتوں کو قوم لوطؑ پر کنکر یلے پتھر برسانے کے لئے بھیجا اور ہر پتھر کو ایک کافر کے لئے نامزد کر دیا۔ جب قوم والوں نے نہ مانا اور لوطؑ کے گھر میں دروازہ توڑ کر گھس جانا چاہا (اور حضرت لوطؑ بہت پریشان ہوئے) تو فرشتوں نے حضرت لوطؑ سے کہا ان کو اندر آنے دیجئے ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں، یہ لوگ ہم تک نہیں پہنچ پائیں گے۔ چنانچہ وہ لوگ گھر کے اندر گھس آئے۔
بغوی نے ابن اسحاق اور ابن عساکر کا بیان بطریقِ جریر و مقاتل حسبِ روایتِ ضحاک نقل کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، لوطؑ نے مہمانوں سے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر لیا اور دروازہ کے اندر سے قوم والوں سے جھگڑنے لگے۔ وہ لوگ پھلانگ کر اندر آ گئے۔ ملائکہ نے جب لوطؑ کی یہ حالت دیکھی تو کہا آپ پریشان نہ ہوں ہم آپ کے رب کے فرستادہ ہیں۔ آپ تک ان کی رسائی نہیں ہو پائے گی۔ چنانچہ اللہ کے حکم سے جبرئیلؑ نے اپنے ایک پر کی جھپٹ ماری جس سے وہ اندھے ہو گئے۔ ہر چند ادھر ادھر چکر کاٹتے اور گھومتے تھے لیکن دروازے کا راستہ نہیں ملتا تھا۔ آخر حضرت لوطؑ نے خود ان کو اسی نابینائی کی حالت میں نکال باہر کر دیا آیت فَطَمَسْنَآ اَعْیُنَهُمْ سے یہی مراد ہے۔
فَطَمَسْنَا کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کی آنکھوں کو بھی چہرے کی طرح سپاٹ کر دیا آنکھ کا شگاف بھی باقی نہ رہا۔ کذا قال اکثر المفسرین۔ ضحاک نے کہا اللہ نے ان کی نگاہوں کو سلب کر لیا آنکھوں کے شگاف باقی تھے لیکن ان سے فرشتے دکھائی نہیں دیتے تھے۔ کہنے لگے ہم جس وقت گھر میں آئے تھے تو لڑکوں کو دیکھا تھا اب وہ کہاں غائب ہو گئے کہ دکھائی نہیں دیتے اسی حالت میں واپس چلے گئے۔ اللہ نے فرشتوں کو زبانی فرمایا میرے عذاب کا اور جس بات سے میں لوطؑ کی زبانی تم کو ڈر لیا تھا اب اس کا مزہ چکھو۔

وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳۸﴾　اور صبح سویرے ان پر عذاب دائمی آپہنچا۔

صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً یعنی تڑکے کے وقت جب رات کا اخیر وقت گزر رہی تھا دن شروع ہوا ان پر لازوال عذاب آ گیا۔
عَذَابٌ یعنی سنگ باری۔
مُّسْتَقِرٌّ یعنی وہ عذاب جو مرنے کے بعد بھی قائم رہا۔ دُنیوی عذاب سنگ باری، اس کے بعد عذاب قبر اور پھر دوامی دوزخ۔

فَذُوْقُوْا عَذَابِیْ وَنُذُرِ ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۴۰﴾　ع ۱۸/۹

اور ہم نے کہالو میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔ ہر قصہ کے بعد اس آیت کی تکرار حقیقت میں از سرِ نو تنبیہ ہے۔ نصیحت پذیری پر اور ترغیب سے عبرت اندوزی کی۔

وَلَقَدۡ جَآءَ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذۡنٰهُمۡ اَخۡذَ عَزِيۡزٍ مُّقۡتَدِرٍ ﴿۴۲﴾

اور فرعون کے ساتھیوں کے پاس بھی ڈرانے کی بہت سی چیزیں پہنچیں۔ ان لوگوں نے ہماری تمام نشانیوں کو جھٹلایا سو ہم نے زبردست قدرت والے کی پکڑ کی طرح ان کو دھر پکڑا۔

النُّذُر سے مراد ہیں حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ اور ان کے ساتھی۔ بعض علماء کے نزدیک وہ معجزات مراد ہیں جو فرعون اور فرعونیوں کو ڈرانے کے لئے حضرت موسیٰؑ نے پیش کئے تھے۔ صرف آل فرعون کا ذکر کیا فرعون کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ یہ تو معلوم ہی ہے کہ اصل فرعون ہی تھا اس لئے اس کے ذکر کی ضرورت نہیں تھی۔

اٰیات سے مراد ہیں حضرت موسیٰؑ پر نازل شدہ نو (۹) احکام۔ حضرت صفوان بن عسال راوی ہیں کہ ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا چلو اس نبی کے پاس چلیں۔ ساتھی نے کہا ارے نبی نہ کہو اگر وہ سن پائے گا کہ تم نے بھی اس کو نبی کہا ہے تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی۔ غرض دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تسع آیات بیّنات (نو واضح احکام) کے متعلق سوال کیا (کہ وہ نو احکام کون سے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا (نو احکام یہ تھے) کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ قرار دو۔ چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، جس کو قتل کرنا اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو، کسی بے قصور کو حاکم کے پاس قتل کرانے کے لئے نہ لے جاؤ، جادو نہ کرو، سود نہ کھاؤ، کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت نہ لگاؤ، جہاد کے معرکہ سے بھاگنے کے لئے پشت نہ پھیرو، اور اے یہودیو (ایک حکم) تمہارے لئے خاص طور پر یہ تھا کہ ہفتہ کے دن کی حرمت میں حد سے تجاوز نہ کرو (یعنی ہفتہ کے دن کی حرمت قائم رکھو۔ اس روز دنیوی کاروبار نہ کرو) یہ سنتے ہی دونوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پاؤں چوم لئے اور بولے ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے نبی ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا پھر میر اتباع کرنے سے تمہارے لئے کیا مانع ہے کہنے لگے حضرت داؤد نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ اے میرے رب میری ہی نسل میں سے ہمیشہ نبی ہوتا رہے اور حضرت داؤدؑ کی دعا کا قبول ہونا یقینی ہے اور ہم کو یہ ڈر ہے کہ اگر ہم آپ ﷺ کا اتباع کریں گے تو یہودی ہم کو مار ڈالیں گے۔ رواہ ابو داؤد و الترمذی و النسائی۔

فَاَخَذۡنٰهُمۡ یعنی عذاب میں ہم نے ان کو دھر پکڑا، دریا میں غرق کر دیا پھر دوزخ میں داخل کر دیا۔

اَخۡذَ عَزِيۡزٍ یعنی ایسے غالب کی سی پکڑ جو کسی سے مغلوب نہ ہو۔

مُقۡتَدِرٍ یعنی ایسا غالب جو انتقام لینے پر قادر ہو کوئی شخص اور کوئی چیز اس کو انتقام سے نہ روک سکے۔

اَكُفَّارُكُمۡ خَيۡرٌ مِّنۡ اُولٰٓئِكُمۡ اَمۡ لَكُمۡ بَرَآءَةٌ فِى الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾ اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ نَحۡنُ جَمِيۡعٌ مُّنۡتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ سَيُهۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَيُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾

کیا تم میں کے کافران گزشتہ کافروں سے کچھ بہتر ہیں یا تمہارے لئے آسمانی کتابوں میں کوئی معافی آگئی ہے یا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری جماعت ایسی ہے جو غالب ہی رہیں گے۔ عنقریب ان کی یہ جماعت شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگ پڑے گی۔

اَكُفَّارُكُمۡ یعنی اے مسلمانو! کیا قبیلہ قریش کے تمہارے یہ کافر۔

خَيۡرٌ مِّنۡ اُولٰٓئِكُمۡ یعنی قوم نوح، عاد، ثمود، قوم لوط اور آل فرعون سے قوت اور تعداد یا عند اللہ مرتبے اور دین میں بہتر ہیں۔ سوال انکاری ہے یعنی یہ لوگ ان سے بہتر نہیں ہیں پھر جو عذاب اقوام مذکورہ پر نازل ہوا اس سے یہ لوگ کس طرح محفوظ رہ سکتے ہیں۔

اَمۡ لَكُمۡ بَرَآءَةٌ فِى الزُّبُرِ یعنی اے اہل مکہ کیا آسمانی کتابوں میں تمہارے لئے عذاب سے امان لکھی ہوئی ہے کہ تم میں اگر کفر اور پیغمبروں کی تکذیب بھی کرے گا تب بھی اس کو عذاب نہیں دیا جائے گا۔

نَحۡنُ جَمِيۡعٌ ہمارا جتھا ہے یا ہمارا امر اجتماعی ہے۔

مُّنۡتَصِرٌ یعنی مضبوط محفوظ ہیں کوئی ہم تک پہنچنے کا ارادہ بھی نہیں کر سکتا، یا دشمنوں سے ہم انتقام لیتے اور غالب آتے

ہیں کوئی ہم پر غالب نہیں آسکتا۔ یا یہ مطلب کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں چونکہ لفظ جَمِیۡعٌ واحد تھا اس لئے اس کی صفت مُنۡتَصِر بصیغۂ واحد ذکر کی اس کے علاوہ آیات کو جن الفاظ پر ختم کیا گیا ہے اس کا تقاضا بھی یہی تھا۔ ابن جریر نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کافروں نے بدر کے دن نَحۡنُ جَمِیۡعٌ مُنۡتَصِر کہا تھا (اس پر آیت ذیل نازل ہوئی)۔

بخاری نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ بدر (کی لڑائی) کے دن رسول اللہ ﷺ خیمہ میں تھے آپ نے دعا کی اور کہا اے اللہ میں تجھے تیرے عہد اور وعدے کا واسطہ دیتا ہوں اگر تیری مشیت یہی ہے (کہ تیری عبادت نہ کی جائے تو) آج کے بعد تیری عبادت نہیں کی جائے گی (یعنی مسلمانوں کو شکست ہوگئی تو تیری عبادت کرنے والا باقی ہی نہیں رہے گا) حضرت ابوبکرؓ نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا اے اللہ کے رسول آپ نے اپنے رب (سے مانگنے) پر بہت اصرار کر لیا اب بس کیجئے (اتنا ہی کافی ہے) اس کے بعد حضور زرہ پہنے اچھلتے ہوئے سَیُھۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَیُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ کہتے ہوئے (خیمہ سے) برآمد ہوئے مجھے اس وقت معلوم نہ ہوا کہ اس سے آپ کی مراد کون سی جماعت تھی (مسلمانوں کی یا کافروں کی) بغوی نے اس کلام کو سعید بن میبّب کا قول قرار دیا ہے سعید نے کہا تھا میں نے یہ بات عمرؓ سے سنی تھی۔ عبدالرزاق ابن جریر ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے اس روایت کو مرسل عکرمہ کہا ہے طبرانی نے بھی الاوسط میں اس کو نقل کیا ہے۔

بَلِ السَّاعَۃُ مَوۡعِدُھُمۡ وَالسَّاعَۃُ اَدۡھٰی وَاَمَرُّ ﴿۴۶﴾ بلکہ قیامت ان کے لئے (اصل) وعدۂ عذاب ہے اور قیامت بڑی سخت اور ناگوار چیز ہے۔

بَلِ السَّاعَۃُ مَوۡعِدُھُمۡ یعنی ان سب کے عذاب پانے کا مقرر وقت تو قیامت کا دن ہے دنیا میں جو عذاب ان کو محیط ہوا ہے وہ تو آخرت کے عذاب کا پیش خیمہ ہے گویا آخرت کے عذاب کے مقابلے میں یہ عذاب ہی نہیں ہے۔ اس لئے بعض کافروں پر دنیوی عذاب نہیں آتا باوجودیکہ وہ مستحق عذاب ہوتے ہیں مگر دنیوی عذاب سے محفوظ رہتے ہیں۔

اَدۡھٰی بہت سخت مصیبت جس کو کسی طرح دفع کرنا ممکن نہ ہو۔

اَمَرُّ یعنی عذاب دنیا سے زیادہ بدمزہ اور تلخ۔

اِنَّ الۡمُجۡرِمِیۡنَ فِیۡ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۴۷﴾ یَوۡمَ یُسۡحَبُوۡنَ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوۡھِھِمۡ ؕ ذُوۡقُوۡا مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۸﴾

بلا شبہ مجرم بڑی غلطی اور بے عقلی میں ہیں جس روز منہ کے بل جہنم کے اندر ان کو گھسیٹا جائے گا۔ آگ لگنے کا مزہ چکھو۔

اَلۡمُجۡرِمِیۡنَ سے مراد ہیں عام کافر۔ پہلے صرف کفارِ مکہ کا ذکر کیا گیا تھا اس کے بعد اس آیت میں تمام کافروں کی حالت بیان فرمادی۔

فِیۡ ضَلٰلٍ یعنی دنیا میں حق سے بھٹکے ہوئے۔

وَّسُعُرٍ یعنی آخرت میں (بھڑکتی) آگ کے اندر بعض اہل تفسیر نے فی ضلال کی تشریح میں کہا آخرت میں جنت کے راستہ سے کٹے ہوئے۔

وَّسُعُرٍ اور بھڑکتی آگ میں داخل کذا قال الحسن بن فضل قتادہ نے کہا دکھ اور عذاب یعنی فِیۡ ضَلٰلٍ سے مراد دکھ میں اور سُعُر سے مراد عذاب۔

مَسَّ سَقَرَ یعنی آگ کی گرمی اور اس کے دکھ کا مزہ چکھو مَسّ (چھونا اور پہنچانا) تکلیف کا سبب ہے۔ (سبب سے مسبّب مراد ہے)

اِنَّا کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقۡنٰہُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾ ہم نے ہر چیز کو اندازہ سے پیدا کیا۔

اِنَّا کُلَّ شَیۡءٍ تقدیر کے مسئلہ میں قریش نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ مباحثہ کیا تھا ان کی تردید کے لئے یہ آیت بطور جملہ معترضہ ذکر کردی گئی۔ مسلم اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ کچھ قریشی مشرک تقدیر کے

مسئلہ میں جھگڑا کرنے کے لئے رسول اللہ کی خدمت میں آئے تھے اس وقت آیت اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ تک نازل ہوئی۔ قدر سے مراد ہے تخلیق سے پہلے اندازہ کر لینا۔ یا قدر سے مراد ہے امر مقدر جو لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے اور ہر چیز کی پیدائش سے پہلے اللہ کو اس کا علم ہے وہی اس شئے کی حالت اور (پیدائش کے) وقت سے واقف ہے۔ حسن نے کہا قدر خداوندی سے مراد ہے ہر چیز کا وہ خاص اندازہ تخلیق جو اللہ کی حکمت کا مقتضا ہے اور ویسا ہی اس چیز کو ہونا چاہئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کا بیان ہے کہ میں نے سنا رسول اللہ ﷺ فرمارہے تھے کہ آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے اللہ نے تمام مخلوق کے اندازے لکھ دیئے تھے اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔ رواہ مسلم

بغوی نے اپنی سند سے طاؤس بن مسلم کا بیان نقل کیا ہے۔ طاؤس بن مسلم یمنی نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کے کچھ صحابی ایسے پائے جو کہہ رہے تھے کہ ہر چیز اندازہ کے مطابق ہے یہاں تک کہ نادانی اور دانائی بھی (حسب تقدیر خداوندی ہے)

حضرت علی بن ابی طالب راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک چار باتوں پر ایمان نہ رکھتا ہو کوئی بندہ مؤمن نہیں ہو سکتا۔

اس بات کی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اور میں اللہ کا رسول ہوں اللہ نے مجھے برحق بھیجا ہے یعنی سچا دین اور سچی شریعت دے کر بھیجا ہے۔

اور اس بات کا یقین رکھتا ہو کہ مرنے کے بعد (دوبارہ) زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔

اور تقدیر پر ایمان رکھتا ہو۔ رواہ الترمذی وابن ماجۃ۔

حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرمارہے تھے میری امت کے جو لوگ تقدیر کے منکر ہوں گے ان پر خسف (زمین میں دھنسادینے) اور مسخ (صورتیں اور شکلیں بگاڑ دینے کا عذاب) ہوگا رواہ ابوداؤد وروی الترمذی نحوہ۔

حضرت ابن عمرؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (فرقہ) قدریہ (جو تقدیر خداوندی کا منکر ہے اور انسان کے اچھے برے افعال کا خالق انسان ہی کو جانتا ہے) اس امت کے مجوسی ہیں (مجوسی دو خالق مانتے ہیں ایک شر کا خالق جس کو اہرمن کہتے ہیں دوسرا خیر کا خالق جس کو یزدان کہتے ہیں) اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت مت کرو اور مر جائیں تو ان کے جنازوں میں شرکت مت کرو۔ رواہ احمد وابوداؤد

حضرت ابو خزامہ کے باپ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم (بیماری وغیرہ کے لئے) کچھ افسوں پڑھتے ہیں دواء کے ذریعہ سے علاج بھی کرتے ہیں اور بچاؤ کی تدبیر (یعنی پرہیز) بھی کرتے ہیں کیا یہ چیزیں تقدیر خداوندی کو پلٹ سکتی ہیں۔ حضور نے فرمایا یہ بھی تقدیر (کا جز) ہی ہیں رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ۔

اس موضوع کی احادیث بکثرت آئی ہیں صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد آنے والے علماء اہل سنت کا اس پر اتفاق بھی ہے۔

وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾

اور ہمارا حکم یکبارگی ایسا ہو جائے گا جیسے آنکھوں کا جھپکانا اور ہم تمہارے ہم مشرب لوگوں کو ہلاک کر چکے ہیں سو کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا۔

وَمَآ اَمْرُنَآ یعنی کسی چیز کو پیدا کرنے اور معدوم کرنے اور دوبارہ موجود کرنے کا حکم۔

اِلَّا وَاحِدَةٌ یعنی بغیر دشواری کے یکدم ایک فعل ہے خواہ موجود کرنا ہو یا معدوم کرنا یا یہ مطلب ہے کہ ہمارا حکم بس ایک کلمہ ہے پیدا کرنے کے لئے لفظ کُنْ (ہوجا) اور معدوم کرنے کے لئے ایک سخت آواز۔

كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ یعنی تیزی اور جلدی کے اعتبار سے بس پلک جھپکنے کی طرح ہے حضرت ابن عباس نے آیت کی تفسیر اس طرح کی، قیامت آجانے کا ہمارا حکم سرعت میں ایسا ہو گا جیسے پلک جھپکنا (رواہ الکلبی) اس مضمون کو دوسری آیت میں اس

طرح بیان کیا ہے وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ بِالْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ (حکم قیامت اتنا تیز ہوگا جیسے پلک جھپکنا یا اس سے بھی تیز)

اَشْيَاعَكُمْ اہلِ مکہ کو خطاب ہے۔ اشیاع شیع کی جمع ہے اور شیع کے معنی ہے مثل کذا فی القاموس یعنی تم سے پہلے لوگ جو کفر میں تمہاری طرح تھے ہم نے ان کو غارت کر دیا۔

فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ سو کیا (تم میں سے) کوئی نصیحت پذیر ہے جو اقوام ماضیہ کے حالات سے عبرت اندوز ہو۔ استفہام (طلب جواب کے لئے نہیں ہے بلکہ اس) سے مقصود نصیحت اندوزی اور وعظ پذیری پر برانگیختہ اور آمادہ کرنا مطلب یہ ہے کہ اپنے جیسے گزشتہ کافروں کے حالات سے عبرت حاصل کرو اور نصیحت اندوز ہو۔

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ۝۵۲ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ۝۵۳ اور جو کچھ بھی یہ لوگ کرتے ہیں سب اعمالناموں میں (درج) ہے اور ہر چھوٹی بڑی بات لکھی ہوئی ہے۔ یعنی اہلِ تکلیف جو کچھ کرتے ہیں اس کا اندراج کراماً کاتبین کے لکھے ہوئے اعمالناموں میں ہوتا ہے کوئی چھوٹی بڑی حرکت تحریر ہونے سے نہیں رہ جاتی۔ اعمال ناموں میں سب کچھ لکھ لیا جاتا ہے اور قیامت کے دن اسی کے مطابق سزا جزا ہوگی۔

یا الزُّبُر سے مراد ہے لوح محفوظ۔ یعنی ہر فعل و عمل لوح محفوظ میں لکھا ہے۔

كُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ یعنی مکلفین کا ہر چھوٹا بڑا عمل، یا تمام چھوٹی بڑی مخلوق اور اس کی مدّتِ زندگی۔

مُسْتَطَرٌ اعمالنامے لکھنے والے فرشتوں کے صحیفوں میں یا لوح محفوظ میں مرقوم ہے۔ یہ جملہ سابق جملہ کی تاکید و تائید ہے یا اول جملہ میں ملائکہ کے اعمالناموں میں اندراج ہونا اور اس جملہ میں لوح محفوظ میں مکتوب ہونا مراد ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۝۵۴ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝۵۵

بے شک پرہیزگار لوگ باغوں اور نہروں میں ہوں گے ایک عمدہ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے قرب میں۔

نَهَرٍ اسم جنس ہے اس سے مراد ہیں جنت کی نہریں دودھ کی شہد کی شراب کی اور پانی کی ضحاک نے نہر کا ترجمہ کیا روشنی اور وسعت، روشنی ہی کی وجہ سے دن کو نہار کہا جاتا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ اعرج کی قرأت میں نہر آیا ہے نہر نہار کی جمع ہے یعنی متقی ہمیشہ دن کی روشنی میں رہیں گے رات ان کے لئے نہیں ہوگی۔

مَقْعَدِ صِدْقٍ یعنی ایسا مقام جہاں نہ کوئی بیہودہ بات ہوگی نہ گناہ (سچائی کا مقام) اس سے مراد جنت ہے یا مقعد صدق سے پسندیدہ مقام مراد ہے۔ جوہری نے لکھا ہے جو فعل اعلیٰ ہو نہ ظاہر میں اس کے اندر کوئی خرابی ہو نہ باطن میں کوئی نقص ایسے فعل کو صدق کہا جاتا ہے مندرجہ ذیل آیات میں صِدْقٍ سے یہی معنی مراد ہیں۔ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ، لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ، اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ بغوی نے لکھا ہے امام جعفر صادق نے فرمایا آیت میں اللہ نے مقام کی صفت "صدق" کے لفظ سے کی ہے پس اس مقام پر اہلِ صدق ہی بیٹھیں گے۔

عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ یعنی اللہ کے پاس جو تمام چیزوں کا مالک اور حکمراں اور ہر شئے پر قادر ہے کوئی چیز اس کی قدرت سے خارج نہیں۔ قربِ خداوندی بے کیف ہے دانش و فہم کی رسائی سے باہر ہے۔ ہاں اگر اللہ کسی کا پردہ بصیرت ہٹا دے تو اس کو قربِ خداوندی کا وجدان ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

ع ۳ ۱۵ ۱۰

سورۃ الرحمٰن

یہ سورۃ مکی ہے اس میں ۷۸ آیات اور تین رکوع ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اَلرَّحۡمٰنُ ۝۱ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ۝۲ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۝۳ عَلَّمَهُ الۡبَيَانَ ۝۴ رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی اس نے انسان کو پیدا کیا (پھر) اس کو گویائی سکھائی۔

الرَّحۡمٰنُ کافروں نے کہا تھا رحمٰن کیا چیز ہے (ہم نہیں جانتے) اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا رحمٰن وہی اللہ ہے جو آغاز آفرینش سے انتہا ابد تک تمام دنیوی اور اخروی نعمتیں عطا کرنے والا ہے۔ رحمٰن مبالغہ کا صیغہ ہے۔ قرآن مجید تمام دینی نعمتوں کی اصل اور سب سے بڑی نعمت ہے۔ انسان کی فلاح دارین اسی سے وابستہ ہے۔ اسی لئے تمام نعمتوں سے پہلے تعلیم قرآن کا ذکر کیا اس کے بعد تخلیقِ انسان کو بیان کیا گویا یہ اشارہ ہے اس امر کی جانب کہ انسان کو پیدا کرنے کی اصل غایت تعلیم قرآن ہی ہے اور اسی غرض سے انسان کو قوتِ بیانیہ عطا کی اور اظہار مدّعی کی تعلیم دی۔

کافر شرک کرتے تھے اللہ کے سوا دوسروں کی بھی پوجا کرتے تھے اور انہوں نے (بطور طنز) یہ بھی کہا تھا کہ ہم رحمٰن کو نہیں جانتے رحمٰن کیا چیز ہے کیا بغیر جانے ہوئے جس چیز کی عبادت کا تم حکم دو ہم اس کو اپنا معبود مان لیں کافروں کا یہ سارا قول و عمل بتا رہا تھا کہ وہ اللہ کی نعمتوں کے منحرف تھے۔ اسی لئے اس صورت میں ۳۱ مرتبہ اللہ کی نعمتوں کی یاد دہانی کی جس کا مقصد ہے تنبیہ اور توبیخ کرنا کفرانِ نعمت پر عذاب کی وعید بھی دی تاکہ انکارِ نعمت سے باز آجائیں اور وعدۂ نعمت اور ثواب کے بعد نعمتوں کا ذکر کیا تاکہ موجودہ نعمتوں کا شکر کریں اور آئندہ نعمتوں کی امید رکھیں۔

بعض علماء تفسیر نے لکھا ہے کہ کفار کہتے تھے کوئی شخص محمد کو قرآن سکھا دیتا ہے۔ یہ خدا کا کلام نہیں ہے اس کی تردید میں اللہ نے فرمایا یہ انسان کا کلام نہیں ہے کوئی انسان ایسا اعجاز آگیں کلام نہیں بنا سکتا۔ بلکہ یہ کلام اسی رحمٰن کا ہے اسی کی رحمت کا تقاضا ہے کہ اس نے تمام نعمتیں انسان کو عطا کی ہیں اور ان نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت قرآن ہے پس اسی نے قرآن کی تعلیم دی ہے۔

خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۙ عَلَّمَهُ الۡبَيَانَ ۝ حضرت ابن عباسؓ اور قتادہؒ کے نزدیک اَلۡاِنۡسَانَ سے مراد حضرت آدمؑ ہیں اللہ نے حضرت آدمؑ کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے تھے آپ سات لاکھ زبانیں جن میں سے سب سے افضل و اعلیٰ عربی زبان تھی جانتے تھے۔ ابو العالیہ اور حسن نے کہا اَلۡاِنۡسَانَ سے جنس انسان مراد ہے۔ اللہ نے انسان کو بولنا، لکھنا، سمجھنا، سمجھانا (اور فہم و ادراک) عطا کیا کہ وہ دوسرے جانوروں سے ممتاز ہو گیا اور وحی کو برداشت کرنے اور حاملِ قرآن بننے کے قابل ہو گیا۔ سدی نے کہا اللہ نے ہر قوم کو اس کی زبان سکھا دی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اَلۡاِنۡسَانَ سے مراد رسول اللہ ﷺ اور اَلۡبَيَانَ سے مراد قرآن ہو۔ قرآن تمام لوگوں کے لئے راہ نما اور رسول اللہ ﷺ کی نبوّت کی واضح دلیل ہے اس میں ازل سے ابد تک تمام چیزوں کا بیان ہے اور اس کا بیان گزشتہ پیغمبروں کے بیان کے موافق بھی ہے۔

ابن کیسان نے کہا اس صورت میں آخری دونوں جملے پہلے جملہ کی تفصیل اور بیان قرار پائیں گے۔ اسی لئے حرف عطف دونوں کے درمیان نہیں لایا گیا اور یہ تمام جملے الرحمٰنؔ اخبار مترادفہ ہوں گے۔

اَلشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ بِحُسۡبَانٍ ۝۵ وَّالنَّجۡمُ وَالشَّجَرُ يَسۡجُدَانِ ۝۶ سورج اور چاند

حساب کے ساتھ چلتے ہیں اور بے تنے کے درخت اور تنے والے درخت دونوں اللہ کے مطیع ہیں۔

حُسْبَانٍ یا مصدر ہے جیسے غفران، سبحان، قرآن، نقصان یا حساب کی جمع ہے جیسے شُبَّان (شَابٌّ کی جمع ہے) مطلب یہ ہے کہ چاند اور سورج کی رفتار کا حساب مقرر ہے ہر ایک مقررہ حساب کے ساتھ رواں ہے۔ انہیں کے رفتارِ مقررہ کے موافق عالمِ زیریں کا انتظام اور فصول و اوقات کا تغیر اور سال و ماہ کا امتیاز اور نماز روزہ حج زکوٰۃ اور ادائے قرض کی مدت کی **تعیین** ہوتی ہے۔

اَلنَّجْمُ سبیل والا پودا جو زمین میں پھیلتا ہے اور اس کا کھڑا ہونے والا تنہ نہیں ہوتا۔

اَلشَّجَرُ تنہ والا درخت جو موسم سرما میں بھی باقی رہتا ہے۔

یَسْجُدَانِ یعنی دونوں اللہ کے فرمانبردار حکم کے تابع ہیں جیسے مکلّف انسان بالارادہ سجدہ کرتا ہے اسی طرح یہ بھی حکم کے تابع ہیں بعض نے کہا ان کے سجدہ کرنے سے مراد ہے ان کے سایہ کا مسجود (سر افگندہ) ہونا اللہ نے فرمایا ہے یَتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ۔

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِیْزَانَ ۝ اور اسی نے آسمان کو اونچا کیا اور اسی نے دنیا میں ترازو رکھ دی۔ یعنی اللہ نے آسمان کو اونچا بنایا۔ مجاہد کے نزدیک اس جگہ میزان سے مراد عدل ہے۔ (انصاف) یعنی اللہ نے عدل قائم رکھنے کا حکم دیا اور سب کو عدل کا ذمہ دار بنایا اس طرح اس ساری کائنات کا انتظام ٹھیک ہو گیا۔ قتادہ اور ضحاک نے کہا مقدار معلوم کرنے کا آلہ مراد ہے خواہ وزن کرنے کی ترازو ہو یا ناپنے کا گز یا مقدار پہچاننے کا کوئی اور آلہ۔ **تعیین** مقدار کے آلہ سے ہی لین دین میں انصاف کیا جاتا ہے وزن کا لغوی معنی ہے اندازہ کرنا۔

اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ ۝ تاکہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو

اَنْ مصدریہ ہے لَا تَطْغَوْا مضارع منفی ہے یعنی اللہ نے میزان قائم کر دی تاکہ تم لوگ حق سے تجاوز نہ کرو میزان کو قائم رکھو کوئی کسی کی حق تلفی نہ کرے۔ یا اَنْ مفسّرہ ہے اور لَا تَطْغَوْا صیغۂ نہی ہے یعنی اللہ نے حکم دیا کہ تم وزن میں حق سے تجاوز نہ کرو۔

وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ ۝ اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک ٹھیک رکھو اور تول کر نہ گھٹاؤ۔

یعنی وزن کو ٹھیک ٹھیک رکھو وزن میں کمی نہ کرو۔ اللہ نے ٹھیک ٹھیک وزن کرنے کا حکم دیا پہلے طغیان کی یعنی حق سے زیادہ لینے کی ممانعت فرمادی پھر خسران کی یعنی وزن میں کمی کرنے کی نہی فرمادی اور لفظ میزان کو صراحتاً تین بار حکم کی تاکید کے لئے ذکر کیا۔

مسئلہ

زید نے کوئی چیز ناپ تول کر کے خریدلی پھر بکر کے ہاتھ وہ چیز ناپ تول کر فروخت کر دی اس صورت میں بکر پر لازم ہے کہ اگر وہ اس چیز کو خالد کے ہاتھ فروخت کرنا یا خود استعمال کرنا چاہتا ہے تو خود ناپ تول کر بیچے یا ناپ تول کر اپنے استعمال میں لائے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ زید نے ناپ تول میں بھولے سے کچھ زیادتی کر دی اور اس زیادتی کا مالک بکر تو ہو نہیں سکتا وہ زیادہ مال زید ہی کا ہے اور غیر کے مال میں تصرف حرام ہے جس سے پرہیز لازم ہے۔

جب تک غلہ کی ناپ دو پیمانوں سے نہ ہو جائے ایک پیمانہ بیچنے والے کا اور دوسرا ناپ کر خریدنے والے کا اس وقت تک مشتری کے لئے کسی کے ہاتھ اس غلہ کو فروخت کرنا جائز نہیں رسول اللہ ﷺ نے یہی فرمایا ہے رواہ ابن ماجۃ و ابن اسحاق۔ ابن اسحاق نے اس روایت کو معلّل کہا ہے ورواہ البزار من حدیث ابی ہریرہؓ دو ضعیف سلسلوں سے یہ حدیث حضرت انسؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بھی آئی ہے۔

عبدالرزاق نے یحییٰ بن کثیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت حکیم بن حزامؓ باہم چھواروں کی خریدو

فروخت کر کے اور بوروں میں بھر دیتے تھے پھر اسی ناپ (کو یوں ہی بھرا ہوا کسی تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرما دی تا وقتیکہ تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کرتے وقت بائع ناپ تول کر نہ دے (یوں ہی بوروں میں بھرا ہوا غلہ وغیرہ بیچنا جائز نہیں) ابن ہمام نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے طُرق روایت کثیر ہیں ائمہ نے بھی اس حدیث کو قبول کیا ہے ہمارے اس قول کے موافق امام شافعیؒ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے اقوال بھی ہیں۔

مسئلہ

فروخت کے وقت سے پہلے اگر فروخت کرنے والے نے غلہ وغیرہ ناپ تول کر رکھ لیا تو خواہ خریدار کے سامنے ہی ناپا تولا ہو مگر وہ ناپ تول قابلِ اعتبار نہیں وہ بائع کا ناپ تول (جو فروخت کرنے کے لئے ضروری ہے) نہیں مانا جائے گا اور وہ ناپ تول بھی کافی نہیں سمجھا جائے گا جو خرید و فروخت کی گفتگو طے ہو جانے کے بعد خریدار کی غیر موجودگی میں بائع کر کے رکھ لے کیونکہ فروخت شدہ چیز کو خریدار کے سپرد کرنا ضرور ہے اور سپردگی کے لئے خریدار کے سامنے ناپنا تولنا لازم ہے۔

اگر مشتری کی موجودگی میں بائع نے ناپ تول کر دی تو کیا یہ کیل و وزن کافی ہے یا مشتری کو قبضہ کرنے کے لئے دوبارہ خود ناپ تول کرنی چاہئے حدیث مذکور بالا سے بظاہر مؤخر الذکر حکم مستفاد ہو رہا ہے کیونکہ حدیث میں صاع ناپ تول بائع اور صاع مشتری دونوں کو ضروری قرار دیا ہے لیکن صحیح ترین فیصلہ یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں خریدار کے سامنے عقد کے وقت بائع کا ناپنا تولنا کافی ہے کیونکہ اصل مقصد صحیح مقدار کا معلوم ہونا ہے اور مقدار کا صحیح علم صرف بائع کے ناپ تول سے جو خریدار کے سامنے ہو حاصل ہو جاتا ہے اور سپردگی کا معنی بھی (مشتری کے سامنے ناپ تول ہونے کی وجہ سے) موجود ہے۔ (اس لئے صورتِ مذکورہ میں بائع کا ناپ تول کافی ہے) رہی حدیث تو اس کا محل دونوں اوصاف کا ایک شخص میں اجتماع ہے مثلاً زید نے بکر سے بیع سلم کی، بکر کو روپیہ دے دیا اور غلہ کی وصولی دو ماہ کے بعد قرار پائی اس صورت میں زید ربُّ السلم (قیمت کا دیوال اور غلہ کا لیوال) ہوا اور بکر مسلم الیہ (قیمت کا لوال اور غلہ کا دوال) ہوا جب دو ماہ گزر گئے تو بکر نے زید کو دینے کے لئے کچھ غلہ خرید اور خود قبضہ نہیں کیا بلکہ زید سے کہہ دیا کہ تم خالد سے جا کر غلہ لے لو یہ ناجائز ہے کیونکہ دونوں اوصاف زید میں جمع ہو گئے ایک تو ناپ تول اس لئے ہونا چاہئے کہ بکر نے خالد سے غلہ خریدا ہے دوسری ناپ تول اس لئے ضروری ہے کہ زید کو مسلم الیہ سے غلہ وصول کرتے وقت ناپ تول کرنی چاہئے۔ اس صورت میں ایک ناپ تول کافی نہیں ہے۔

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝۱۰ فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۙ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝۱۱ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝۱۲ اور اسی نے مخلوق کے لئے زمین کو (اس کی جگہ) رکھ دیا۔ اس میں میوے ہیں اور کھجور کے درخت ہیں جن کے پھلوں پر غلاف ہوتا ہے اور (اس میں) اناج ہے جس میں بھوسہ اور غذائی چیزیں ہوتی ہیں۔

وَضَعَهَا یعنی زمین کو پست بنایا اور بچھایا۔

لِلْاَنَامِ مخلوق کے لئے قاموس بروزن سحاب و سباط مخلوق یا جن و انس یا وہ تمام چیزیں جو روئے زمین پر ہیں بیضاوی نے لکھا ہے کہ بعض علماء کے نزدیک انام سے مراد ہیں تمام جاندار، میں کہتا ہوں بظاہر اس جگہ جن و انس مراد ہیں کیونکہ خطاب انہی دونوں کو کیا گیا ہے فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ کے مخاطب یہی دونوں نوعیں ہیں۔

فِيْهَا فَاكِهَةٌ ابن کیسان نے کہا فَاكِهَةٌ سے مراد وہ بے شمار نعمتیں ہیں جو لذت کے لئے کھائی جاتی ہیں۔ الْاَكْمَامِ یہ کِمٌّ کی جمع ہے اور کِمّ کا معنی ہے پھل کا غلاف۔

وَالْحَبُّ گیہوں جو اور وہ اناج جو غذا کے لئے کھایا جاتا ہے۔

ذُو الْعَصْفِ عصف کھیتی کے پتے یا خشک گھاس جیسے بھوسہ۔

وَالرَّيْحَانُ ریحان سے مراد ہے رزق یعنی مغز۔ اکثر اہل تفسیر کا یہی قول ہے۔
عرب کہتے ہیں خرجتُ اطلبُ ریحانَ اللہ میں اللہ کا رزق تلاش کرنے کے لئے نکلا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا قرآن مجید میں جہاں بھی لفظ ریحان آیا ہے اس سے مراد رزق ہے۔
حسن اور ابن زید نے کہا ریحان سے مراد یہی خوشبو ہے جو سونگھی جاتی ہے۔ ریحان کا لفظ روح سے مشتق ہے ریحان (بروزن فعلان) اصل میں رَوِیحان (بروزن فعیلان) تھا واؤ کو یاء سے بدل کر یاء کو یاء میں ادغام کردیا پھر یاء کی تخفیف کردی بعض اہل لغت کے نزدیک ریحان کی اصل روحان تھی واؤ کو تخفیفاً یاء سے بدل دیا گیا۔
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔
اس آیت میں جن وانس کو خطاب ہے کیونکہ پہلے لِلْاَنَامِ فرمایا تھا (اور انام سے مراد جن وانس تھے) اس کے علاوہ آگے اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ (اے جن وانس) بھی فرمایا ہے۔ بعض اہل علم نے کہا کہ صیغہ اگرچہ تثنیہ کا استعمال کیا ہے لیکن خطاب صرف انسانوں سے ہے اور عرب اپنی زبان میں ایسا استعمال کر لیتے ہیں اللہ نے بھی آیت القیافی جہنم میں بھی ایسا استعمال کیا ہے۔
فَبِاَيِّ میں ف سببی ہے اور استفہام کا مقصد ہے آلاء کو مؤکد کرنا اور تکذیبِ آلاء کو رد کرنا کیونکہ آلاء کا ذکر نعمتوں کے اقرار اور منعِم کے شکر کا مقتضی ہے اور نعمتوں کی تکذیب کی نفی کر رہا ہے۔ اسی طرح ناشکری پر وعید (اور شکر پر) وعدہ نعمتوں کے اقرار و شکر کا موجب ہے۔
حاکم نے بوساطتِ محمد بن منکدر حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے سورت رحمٰن آخر تک تلاوت فرمائی پھر فرمایا میں تم لوگوں کو خاموش دیکھ رہا ہوں ایسا کیوں ہے تم سے تو بہتر جن تھے جب اور جتنی بار میں نے ان کے سامنے آیت فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ پڑھی ہر بار انہوں نے کہا اے ہمارے رب ہم تیری کسی نعمت کا انکار نہیں کرتے تیرے ہی لئے ہر طرح کی حمد ہے۔
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۵﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾ اسی نے انسان کو ایسی مٹی سے جو ٹھیکرے کی طرح بجتی تھی پیدا کیا اور جنات کو خالص آگ سے پیدا کیا سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔
خَلَقَ الْاِنْسَانَ یعنی حضرت آدمؑ کو پیدا کیا۔
صَلْصَالٍ خشک مٹی جو کھن کھن بجتی ہو بعض نے کہا صلصال سڑی ہوئی کیچڑ کو کہتے ہیں۔
اَلْفَخَّارِ ٹھیکرا آگ میں پکائی ہوئی کیچڑ یا گارا۔ بعض نے کہا فخر کا معنی ہے بیرونی اشیاء جیسے مال مرتبہ وغیرہ پر اترانا، گھڑا بھی بجانے سے کھن کھن بجتا ہے گویا اظہار فخر کرتا ہے۔
تخلیق انسانی کے متعلق مختلف آیات میں مختلف الفاظ آئے ہیں۔ طِيْنٍ لَّازِبٍ تُرَابٍ ان آیات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ سب سے پہلے مادۂ تخلیق مٹی (تُراب) ہی تھی پھر (پانی ملا کر) اس کو کیچڑ (یا گارا) بنایا گیا پھر (گوندھ کر) اس کو سڑی ہوئی کیچڑ کی شکل دیدی گئی پھر (خشک کر کے) اس کو کھن کھن بجتی ہوئی ٹھیکرے کی صورت دے دی گئی۔
وَخَلَقَ الْجَآنَّ الجان جنس جن بعض نے کہا جنات کا جو پدر اعلیٰ تھا اس کا نام الجان تھا۔ ضحاک نے کہا ابلیس مراد ہے۔
مِنْ مَّارِجٍ مارج بھڑکتی ہوئی خالص صاف بے دود آگ۔ اصل لغت کے لحاظ سے مارج کا معنی ہے مضطرب (لرزاں) یہ مرج سے مشتق ہے مَرَجَ کا معنی مضطرب ہوا۔ مجاہد نے کہا مارج کا معنی ہے مخلوط مرج امرُ القوم یعنی گڈمڈ اور مخلوط ہو گیا۔ آگ کے سرخ زرد اور سبز شعلے جب باہم گڈمڈ ہو جاتے ہیں تو اس کو مارج کہا جاتا ہے۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ انسان اور جن تخلیق کے مختلف مدارج اور دوروں سے گزر کر افضل مرکبات اور خلاصۂ کائنات بنے اللہ کی یہ بڑی (فطری) نعمت ہے جس سے جن وانس کو سرفراز کیا گیا۔ پس کون کون سی نعمت کا یہ دونوں انکار کر سکتے ہیں۔ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿۱۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾

دونوں مشرق اور دونوں مغرب کا مالک ہے سو اے جن وانس! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔

دو مشرق یعنی ایک موسم گرما کا مطلع اور دوسرا موسم سرما کا۔ اسی طرح سردی گرمی کی دو فصلوں کے دو مغرب۔

اختلافِ مشارق و مغارب اللہ کی بڑی نعمت ہے اس سے ہوا میں اعتدال فصلوں اور موسموں کا اختلاف اور ہر موسم کے مناسب مختلف احوال پیدا ہوتے ہیں۔ تفصیلی فوائد نا قابلِ بیان ہیں۔

پس جن وانس اس نعمت کا انکار کیسے کر سکتے ہیں اور کون کون سی نعمت کے منکر ہو سکتے ہیں۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿۱۹﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿۲۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾

اسی نے دو دریاؤں کو ملایا کہ دونوں آپس میں ملے ہوئے ہیں اور دونوں کے درمیان ایک حجاب ہے کہ دونوں اپنی حد سے بڑھ نہیں سکتے سو اے جن وانس! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ اللہ نے دو سمندر چھوڑ دیئے۔ لفظ مَرَجَ اس جگہ مرجت الدابة (میں نے جانور کو چراگاہ میں چھوڑ دیا) سے ماخوذ ہے۔ دو سمندر ایک شیریں دوسرا نمکین۔

يَلْتَقِيٰنِ باہم ملے ہوئے۔ ایک کی سطح دوسرے کی سطح سے متصل غیر ممتاز۔

بَرْزَخٌ مانع، پردہ یعنی اللہ کی قدرت۔

لَا يَبْغِيٰنِ دونوں میں سے کوئی اپنی حد سے آگے بڑھ کر دوسرے کی حد میں داخل ہو کر مخلوط نہیں ہو جاتا اور نہ وہ اپنی خاصیت و خصوصیت کو چھوڑتا ہے۔ قتادہ نے کہا آدمیوں پر چڑھ نہیں آتے کہ ان کو غرق کر دیں۔

حسن کے نزدیک دو سمندروں سے مراد ہیں۔ بحر روم اور بحر ہند۔ قتادہ نے کہا بحر فارس (پرشین گلف) اور بحر روم مراد ہیں اور برزخ سے مراد ہیں جزائر مجاہد اور ضحاک کے نزدیک آسمانی سمندر اور زمین مراد ہے دونوں ہر سال آپس میں ملتے ہیں۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا یعنی ان سمندروں کی تخلیق اور تخلیق کے جو فوائد ہیں اور ان سے اللہ کی قدرت کا ظہور ہو رہا ہے کس کس کا انکار کر سکتے ہو۔

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾ اور ان دونوں سے موتی اور مونگا برآمد ہوتا ہے سو اے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔

مِنْهُمَا یعنی میٹھے سمندروں سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نمکین سمندروں سے موتی برآمد ہوتے ہیں شیریں سمندر سے برآمد نہیں ہوتے لیکن آیت مذکورہ میں تو تثنیہ کی ضمیر آئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں سمندروں سے موتی برآمد ہوتے ہیں۔ اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ جس جگہ شیریں اور شور سمندر ملتے ہیں اس جگہ سے موتی برآمد ہوتے ہیں (تو مِنْهُمَا سے مراد ہوگی مِنْ مَجْمَعِهِمَا)۔ بعض اہل تفسیر نے اس طرح جواب دیا ہے کہ دونوں جب باہم مل جاتے ہیں تو گویا دونوں ایک ہو جاتے ہیں پس جو چیز ایک سے برآمد ہوتی ہے وہ گویا دونوں سے برآمد ہوتی ہے۔

بعض اہلِ علم نے لکھا ہے کہ عربی زبان میں ایسا ہوتا ہے کہ دو چیزوں کو ساتھ ساتھ ذکر کیا جاتا ہے پھر خاص طور پر صرف ایک کی حالت بیان کی جاتی ہے (اگرچہ ضمیر دونوں کی ذکر کی جاتی ہے)، جیسے دوسری آیت میں اللہ نے فرمایا ہے يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ (اے گروہِ جن وانس کیا تمہارے پاس تم میں سے ہی پیغمبر نہیں آئے تھے) پیغمبر تو صرف انسانوں میں سے آئے جنات میں سے نہیں آئے۔ (اَلَمْ يَاْتِكُمْ اور مِنْكُمْ کی ضمیر جمع کے مخاطب دونوں گروہ ہیں)

مجاہد اور ضحاک کے قول کے مطابق اگر البحرین سے۔ بحر سماء اور بحر ارض مراد ہو تو دونوں کے باہم ملنے کی صورت یہ ہو گی

کہ جب آسمان سے بارش ہوتی ہے تو دریائی سیپیں اپنے منہ کھول دیتی ہے اور کسی کے منہ میں کوئی قطرہ آگرتا ہے اور اس کا موتی بن جاتا ہے کذا قال ابن جریر۔

اَللُّؤْلُؤُ بڑے موتی اور اَلْمَرْجَانُ چھوٹے موتی (کذا فی القاموس)

مقاتل اور مجاہد نے اس کے برعکس کہا ہے یعنی لُؤلُؤ چھوٹے موتی اور مَرجان بڑے موتی۔ بعض اہل لغت نے کہا ہے مَرجان سرخ پوتھ (مونگا) کو کہتے ہیں یہ جواہر کی ایک قسم ہے جو نبات سے بھی مشابہت رکھتی ہے اور پتھر سے بھی۔ عطاء خراسانی نے کہا مرجان بسہ (مونگے کی جڑ) کو کہتے ہیں۔

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَـٰٔتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ﴿٢٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٢٥﴾ ع ۱ ۲۵ النصف ۱۱

اور اسی کی (ملک و قدرت میں) ہیں جہاز جو پہاڑوں کی طرح اونچے کھڑے نظر آتے ہیں۔ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔

اَلْجَوَارِ اَلْجَارِیَۃ کی جمع ہے بڑی کشتیاں (جہاز)

اَلْمُنْشَـٰٔتُ اوپر کو اٹھی ہوئی (ابھری ہوئی) بعض نے اسکا ترجمہ کیا مسخر، تابع حکم۔

كَالْأَعْلَامِ اعلام علم کی جمع ہے بڑے اونچے پہاڑ۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴿٢٧﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٢٨﴾

جتنے روئے زمین پر ہیں سب فنا ہو جائیں گے اور آپ کے پروردگار کی ذات جو عظمت واحسان والی ہے باقی رہ جائے گی سوائے جن وانس! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا یعنی زمین پر جو حیوانات یا مرکبات یا جن وانس ہیں یا ہر چیز مراد ہے یہاں تک کہ پہاڑ دریا سمندر اور کانیں بھی۔ چونکہ اشرف کائنات (یعنی مادی مخلوق میں سب سے افضل وہ مخلوق ہے جس کو فہم کی قوت دی گئی ہے (یعنی جن و انس) اس لئے صاحبِ فہم مخلوق کو بے سمجھ پر غالب قرار دے کر لفظ مَنْ (جو شخص) ذکر کیا (اور لفظ مَا جو نا سمجھ مخلوق کے لئے مستعمل ہے ذکر نہیں کیا)

فَانٍ یعنی قیامت کے دن فنا ہونے والا ہے یا جب اللہ چاہے روئے زمین کی موجودات کو فنا کردے یا اپنے وجود کے لحاظ سے ہر چیز فانی ہے بے حقیقت ہے کسی کا وجود اپنا نہیں بلکہ مستعار ہے۔

وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ وجہ رب (رب کا چہرہ) متشابہات میں سے ہے (یعنی ایسا مبہم ہے جس کا علم عام طور پر مخلوق کو نہیں ہو سکتا)۔

ذُو الْجَلَالِ عظمت اور تسلّط والا سب سے بے نیاز۔

وَالْإِكْرَامِ اَلْاکرام ہمہ گیر فضل۔

وَجْهُ رَبِّكَ کا عطف كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ پر ہے۔ فَانٍ کا لفظ بتا رہا ہے کہ فنا مخلوق کے لئے مخصوص ہے (اللہ فانی نہیں ہے) اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس آیت میں وَجہ سے مراد جہت ہے تاکہ معطوف اور معطوف علیہ میں مناسبت پیدا ہو جائے (اس صورت میں وَجہ کا لفظ متشابہات میں سے نہیں ہوگا)

ایک شبہ

اس جگہ عطف بربناء مقابلہ ہے فناء خلق اور بقاء خالق میں تقابل ہے مناسبت اور مقارنت باعثِ عطف نہیں ہے۔

ازالہ

اگر ایسا ہوتا تو فنا کو کائناتِ ارضی کے لئے مخصوص نہیں کیا جاتا۔
جب وجہ کو بمعنی جہت مانا جائے تو کلام کا حاصلِ مطلب اس طرح ہوگا روئے زمین پر جو جن وانس بستے ہیں وہ اپنی ذات و وجود کے اعتبار سے ہیچ ہیں ان کی بقاء کا کوئی رُخ نہیں ہر جہت سے فنا ان کے دامن گیر ہے ہاں رب کی طرف متوجّہ ہونے کا ان کا رخ غیر فانی ہے نسبتِ رب ان کی باقی رہنے والی ہے اس کو فنا نہیں۔ اللہ نے فرمایا ہے قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِکُمْ رَبِّیْ لَوْلَا دُعَاءُ کُمْ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ اللہ کی عظیم الشان صفت ہے۔ ترمذی نے حضرت انسؓ کی روایت سے اور احمد و نسائی وحاکم نے حضرت ربیعہ بن عامر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ذوالجلال و الاکرام کا ہمیشہ ورد رکھو۔ حصن حصین میں آیا ہے کہ ایک شخص یاذوالجلال والاکرام کہہ رہا تھا رسول اللہ ﷺ کا ادھر سے گزر ہوا فرمایا (اب) تیری دعا قبول ہوگی سوال کرو جو کچھ مانگنا ہے مانگ یا ذالجلال والاکرام کا ورد انسان کا اعلیٰ وصف و خصوصیت ہے۔
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا الخ اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ بھی ہے کہ وہ جن وانس کو اپنی جانب متوجّہ ہونے کی توفیق عطا فرماتا ہے اور یہ بھی ایک نعمت ہے کہ وہ کائنات جو اپنی ذات، وجود اور صفات کے لحاظ سے فانی ہے اس کو اپنی رحمت اور مہربانی سے بقاء عنایت کرے گا۔ اور فنا کُل کے بعد دوبارہ دوامی زندگی عطا کرنا اور لازوال عیش و راحت عنایت فرمانا بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے سو کس کس نعمت کا تم انکار کروگے۔

یَسْئَلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ ﴿۲۹﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۰﴾

اسی سے (اپنی اپنی حاجتیں) سب آسمان وزمین والے مانگتے ہیں سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔
یَسْئَلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ الخ یعنی فرشتے انسان اور جنات سب اپنی اپنی حاجتیں اللہ سے مانگتے ہیں۔ رزق، صحت، عافیت، توفیقِ عبادت، مغفرت اور نزولِ تجلّیات و برکات کے اسی سے طلب گار ہوتے ہیں۔
بعض اہل تفسیر نے کہا کہ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے ساری مخلوق مراد ہے کیونکہ تمام کائنات اپنی ذات و صفات اور کل ضروریات میں اللہ کی محتاج ہے اس صورت میں سوال سے مراد ہوگی وہ حالت و کیفیت جو احتیاج پر دلالت کر رہی ہے خواہ زبان سے اس کا اظہار کیا جائے یا نہ کیا جائے دلالتِ لفظی ہو یا غیر لفظی۔
کُلَّ یَوْمٍ یعنی ہر روز اس سے مانگتے ہیں۔ یہ یَسْئَلُ کا مفعول ہے یا فعل محذوف سے اس کا تعلق ہے اصل کلام اسطرح تھا وہ لوگوں کی مرادیں عطا کرتا ہے اور ہر روز کے حوادث پیدا کرتا ہے۔
هُوَ فِیْ شَاْنٍ یعنی اللہ ہمیشہ (ایک نئی) شان میں نمودار ہوتا ہے کسی کو زندگی دیتا ہے کسی کی زندگی لے لیتا ہے۔ کسی قوم کو عزت دیتا ہے کسی کو ذلت، رزق دیتا ہے کسی کو زیادہ، کسی کو کم، بیمار کو صحت مند اور تندرست کو بیمار کرتا ہے، مصیبت زدہ کی مصیبت دور کرتا ہے، سائل کو عطا کرتا ہے مؤمن کے گناہ معاف کرتا ہے اور کافروں کو جہنم میں لے جاتا ہے اور گوناگوں عذاب میں مبتلا کرتا ہے، مؤمن کے گناہ معاف کرتا ہے اور کافروں کو جہنم میں لے جاتا ہے اور گوناگوں عذاب میں مبتلا کرتا ہے اور جو لوگ رب کی پیشی سے ڈرتے ہیں ان کی عزت افزائی کرتا اور جنت میں داخل فرماتا ہے۔ غرض جو چاہتا ہے کرتا ہے۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ بھی اللہ کی شان ہے کہ گناہ معاف کرتا ہے، مصیبت کو دور کرتا ہے کسی قوم کو اونچا کرتا ہے اور کسی کو نیچا۔ رواہ ابن ماجۃ وابن حبان فی الصحیح من حدیث ابی الدرداء۔
ابن جریر نے اسی طرح حضرت عبداللہ بن منیب کی روایت سے اور بزار نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے۔
بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ منجملہ دوسری مخلوق کے اللہ نے موتی کی ایک لوح پیدا کی جس کے دونوں پٹھے سرخ یاقوت کے بنائے اس کا قلم نور ہے اس کی تحریر بھی نور ہے۔ اللہ ہر روز تین سو ساٹھ مرتبہ اس پر نظر کرتا

ہے۔ وہی پیدا کرتا ہے، رزق دیتا ہے، زندگی عطا فرماتا ہے، موت دیتا ہے، عزت عنایت کرتا ہے، ذلت دیتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے یہی (مطلب و مضمون) ہے آیت کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ کا۔
حسین بن الفضل نے کہا اللہ کی شان ہے کہ (تمام) امورِ مقدرہ کو ان کے مقررہ اوقات تک لے جاتا ہے۔ سلیمان درانی نے اس آیت کی تشریح کے ذیل میں کہا ہر روز اس کی طرف سے جدید خیر بندوں کو ملتی ہے۔
سفیان بن عیینہ نے کہا کل زمانہ دو دن کا نام ہے ایک دن پوری مدتِ دنیا ہے اور دوسرا دن روزِ قیامت پس مدتِ دنیا میں اس کی شان یہ ہے کہ بعض کاموں کو کرنے کا حکم دیتا ہے اور بعض کاموں کے کرنے کی ممانعت کرتا ہے، زندگی عطا کرتا ہے اور موت دیتا ہے (رزق وغیرہ) دیتا ہے اور روکتا ہے اور قیامت کے دن اس کی شان ہوگی (اعمال کا) بدلہ دینا، حساب لینا اور ثواب، عذاب دینا۔ بعض اہل علم نے کہا اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ ہر روز تین فوجیں ایک عالم سے نکال کر دوسرے عالم میں لے جاتا ہے ایک فوج کو باپوں کی پشت سے نکال کر ماؤں کے رحم میں پہنچاتا ہے اور دوسری فوج کو ماؤں کے پیٹ سے نکال کر دنیا میں لاتا ہے اور تیسری فوج کو دنیا سے نکال کر قبروں میں پہنچا دیتا ہے اس کے بعد سب کے سب اللہ کی طرف کوچ کر لیں گے۔
مقاتل نے کہا یہودی کہتے تھے کہ اللہ ہفتہ کے دن کوئی فیصلہ نہیں کرتا۔ ان کی تردید میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ اللہ جو تمہارے سوال پورے کرتا ہے اور وقتاً فوقتاً پردۂ عدم سے میدان وجود میں چیزیں لا رہا ہے تم اس کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔
سَنَفْرُغُ لَکُمْ اَیُّہَ الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾ اے جن و انس ہم عنقریب ہی تمہارے (حساب کتاب) کے لئے خالی ہو جاتے ہیں سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔
(اللہ کو کسی کام میں ایسی مشغولیت نہیں جو دوسرے کام کی طرف متوجہ ہونے سے مانع ہو ورنہ اللہ کا بے علم اور عاجز ہونا لازم آئے گا اس لئے آیت میں فراغت سے مراد مشغولیت مانعہ سے فراغت نہیں ہے بلکہ مجازی معنی مراد ہے اور اس کی توجیہات مختلف طور پر کی گئی ہیں جن کی تفسیر و تفصیل مفسر رحمۃ اللہ علیہ نے حسبِ ذیل کی ہے)
(۱) عنقریب ہم تم کو سزا جزا دینے کے لئے خالی ہو جائیں گے یعنی قیامت کا دن قریب ہے جس میں اللہ سوائے اعمال کے بدلہ دینے کے اور کوئی (تخلیقی) فعل نہیں کرے گا۔
(۲) دھمکی دینی مراد ہے کسی کو سزا دینے کی دھمکی دینی مقصود ہو تو عرب کہتے ہیں سافرغ لک میں عنقریب تجھے سزا دینے کے لئے نمٹا جاتا ہوں۔ سب کاموں سے فارغ ہو کر جو شخص کسی چیز کی طرف توجہ کرتا ہے تو وہ پورے طور پر اس کو سرانجام دینے پر قادر ہوتا ہے یہاں فراغت سے مراد دوسرے مشاغل سے فراغت حاصل کرنا نہیں (صرف تہدید مراد ہے، کذا قال ابن عباس وضحاک)
(۳) عنقریب ہم تم کو ڈھیل اور مہلت دینا چھوڑ دیں گے اور تمہارے معاملہ (کا فیصلہ شروع کر دیں گے)
(۴) پہلے اللہ نے نیکوں سے جزا کا وعدہ کیا اور بدکاروں کو عذاب کی دھمکی دی پھر فرمایا عنقریب ہم اس وعدہ اور وعید سے فارغ ہو جائیں گے یعنی تم سے حساب فہمی کریں گے اور اعمال کا بدلہ دیں گے اور اس طرح ہمارا وعدہ پورا ہو جائے گا اور ہم تمہارے کام سے فارغ ہو جائیں گے (کذا قال الحسن والمقاتل)
اَلثَّقَلٰنِ یعنی جن و انس۔ جن و انس کو ثِقل (بار) کہنے کی یہ وجہ ہے کہ جن و انس زندہ ہوں یا مردہ بہر صورت ان کا بار زمین پر ہی رہتا ہے۔ امام جعفر صادق نے فرمایا یہ دونوں گناہوں کے بار سے لدے ہوئے ہیں۔ بعض نے کہا انہی دونوں پر احکام تکلیفیہ کا بار ہے۔
ثقلین کے ان تمام معانی کے مناسب ہیں وہ ساری توجیہات جو نفرغ کی بیان کی گئی ہیں۔ یعنی تہدید یا وعدہ و وعید کی

تکمیل وغیرہ۔

اہلِ معانی کہتے ہیں کہ جس چیز کی اہمیت اور بوقتِ تقابل وزن اور رفعتِ مرتبہ ہو اس کو ثقل کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا اِنِّی تارکٌ فیکم الثقلین کتابُ اللہ و عترتی (میں تمہارے اندر دو ثقل (اہم چیزیں) چھوڑنے والا ہوں اللہ کی کتاب اور اپنی اولاد۔

حضور نے اہمیت، قدر اور عظمتِ شان کی وجہ سے کتابُ اللہ اور اپنی عترت کو ثقلین فرمایا۔ ثقلین کی وجہ تسمیہ اگر اہمیت و وزن کو قرار دیا جائے تو اس صورت میں سنفرغ کا مطلب یہ ہوگا کہ عنقریب براہِ راست تمہارے ساتھ ہمارا معاملہ ہوگا درمیان میں کسی اور کو دخل نہ ہوگا۔ ابوذرؓ نے عقیلی کی روایت سے بیان کیا راوی کا بیان ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا قیامت کے دن ہم میں سے ہر ایک اپنے رب کو بغیر کسی رکاوٹ کے (یعنی بلا حجاب) دیکھے گا فرمایا کیوں نہیں میں نے عرض کیا مخلوق میں کیا اس کی کوئی نشانی (مثال) ہے فرمایا کیا چودھویں رات کے چاند کو تم میں سے ہر ایک بِلا رکاوٹ نہیں دیکھتا ہے، میں نے عرض کیا کیوں نہیں فرمایا یہ تو اللہ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے اور اللہ کی جلالتِ قدر و عظمتِ شان تو سب سے زیادہ ہے۔ رواہ ابوداؤد۔

ایک فارسی شاعر کا کیسا بہترین شعر ہے ؎

جہانے مختصر خواہم کو دروے — ہمیں جائے من وجائے تو باشد

میں ایسا مختصر جہان چاہتا ہوں جس میں صرف میری اور تیری جگہ ہو۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ متاخرین کے قول کے مطابق فراغت سے مراد تہدید وغیرہ ہو تو اس آیت کا مطلب ظاہر ہے کہ نعمتوں کی تکذیب نہ کرو، تکذیبِ نعمتِ الٰہیہ موجبِ عذاب ہے۔ آلاء سے ہر نعمت مراد ہے خواہ اس کا ذکر آیت میں آیا ہو یا نہ آیا ہو۔ بعض لوگوں نے کہا عذاب سے ڈرانا بھی ایک نعمت ہے کیونکہ تہدید کی وجہ سے آدمی تکذیب سے باز آجاتا ہے یہ قول خواہ مخواہ کا تکلف ہے۔

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾

اے گروہِ جن وانس تم کو اگر یہ قدرت ہے کہ آسمان وزمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ تو نکلو مگر تم بغیر زور کے نہیں نکل سکتے، اور زور ہے نہیں سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

اِنِ اسْتَطَعْتُمْ الخ یعنی اگر تم اللہ کے فیصلے اور حکم سے بھاگ کر آسمانوں کے اور زمین کے کناروں سے باہر نکل سکتے ہو تو بھاگو اور نکل جاؤ۔ یہ امر تعجیز ہے یعنی تم ایسا کرنے سے عاجز ہو بعض اہل تفسیر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ آسمان وزمین کے اطراف کو پار کر کے اگر تم موت سے بھاگ سکتے ہو تو بھاگو اور نکل جاؤ غرض یہ کہ تم جہاں بھی ہو گے موت تم کو آپہنچے گی۔

بعض اہل علم کا قول ہے کہ یہ خطاب قیامت کے دن ہوگا۔ ابن جریر اور ابن مبارک نے ضحاک کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کا دن ہوگا تو بحکم خدا آسمانِ دنیا اپنے باشندوں سمیت پھٹ پڑے گا۔ فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے پھر رب کے حکم سے ملائکہ نیچے اتر کر زمین اور اس کے باشندوں کا احاطہ کر لیں گے پھر تیسرے پھر چوتھے پھر پانچویں پھر چھٹے پھر ساتویں آسمان کی بھی یہی کیفیت ہوگی۔ (ساتویں آسمان کے فرشتے اتر کر ترتیب وار صف بستہ ہو جائیں گے (اور سب کو اپنے گھیرے میں لے لیں گے اس وقت ملکِ اعلیٰ (اللہ) نزول اجلال فرمائے گا اس کے بائیں جانب جہنم ہوگی زمین والے جہنم کو دیکھ کر ادھر ادھر بھاگ نکلیں گے لیکن زمین کے جس کنارے پر پہنچیں گے وہاں (ترتیب وار) فرشتوں کی سات صفیں (گھیرا ڈالے ہوئے) موجود پائیں گے مجبوراً جس جگہ سے بھاگے تھے پھر لوٹ کر اسی جگہ آجائیں گے یہی مطلب ہے آیاتِ ذیل کا

اِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ یَوْمَ التَّنَادِ یَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ ۔

وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا وَجِيْءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا

وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ وَالْمَلَكُ عَلٰى أَرْجَائِهَا اس حالت میں ایک آواز سنائی دے گی حساب فہمی کے لئے آؤ۔

لَا تَنْفُذُوْنَ یعنی پار نکل جانے پر تم کو قدرت نہ ہوگی۔

اِلَّا بِسُلْطٰنٍ مگر قوت اور غلبہ کے ذریعہ سے اور یہ ذریعہ مفقود ہوگا، یا یہ مطلب ہے کہ بغیر اس کے کہ میں قوت و قدرت تم کو عطا کروں تم آسمان وزمین سے پار نہیں نکل سکتے کسی کو بھی ذاتی قدرت نہیں ہے ہر شخص کو جو قوت حاصل ہے وہ عطاء خداوندی ہے اور عارضی ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ رسول اللہ ﷺ کو جو معراج جسمانی حاصل ہوئی اور آپ آسمانوں سے گزر کر سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے یہ قوت آپ کو بھی بعطاءِ الٰہی حاصل ہوئی تھی صوفی بھی دائرۂ امکان سے نکل کر محض اللہ کی عطا کردہ قوت سے مدارج قرب تک پہنچتا ہے بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جس طرف تم رخ کروگے میرے ہی ملک اور تسلط کی طرف کروگے (یعنی ہر طرف میرا ہی ملک واقتدار ہوگا) اس صورت میں بسلطان میں بؔ بمعنی الیٰ ہوگا (میرے اقتدار کے ساتھ یعنی میرے اقتدار کی طرف) عرب کہتے ہیں "زید احسن بی" زید نے میرے ساتھ بھلائی کی یعنی میری طرف حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا آیت کا مطلب یہ ہے کہ آسمانوں میں اور زمین میں جو چیزیں ہیں ان کو جاننے کی سکت اگر تمہارے اندر ہو تو ان کو جان لو تم بغیر سلطان کے یعنی ان نشانیوں کے بغیر جو اللہ نے قائم کی ہیں موجوداتِ سماوی وارضی کو نہیں جان سکتے۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ یعنی اللہ کی نعمتوں کی تکذیب نہ کرو، تکذیب موجب عذاب ہے اور تم عذاب سے بھاگنے کی قدرت نہیں رکھتے بعض اہل علم کا قول ہے کہ تنبیہ، تخویف اور باوجود کامل قدرت رکھنے کے درگزر کرنا اور معاف کردینا یہ سب کچھ اللہ کی نعمت ہے اور عقلی معراج اور تمام ترقیات اور ایسے اسبابِ ترقیات کہ ان کے ذریعہ سے لوگ آسمانوں سے بھی اوپر پہنچ جائیں ان کا شمول بھی اٰلاء اللہ میں ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مخلوق کا احاطہ ملائکہ اور آگ کے بھڑکتے شعلوں سے کردیا جائے گا پھر آواز دی جائے گی اے گروہ انس وجن اگر آسمان وزمین کے کناروں کو پار کرکے نکل سکتے ہو تو نکلو۔ مندرجہ ذیل آیت کا مطلب یہی ہے۔

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرَانِ ﴿۳۵﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾

تم دونوں پر (قیامت کے دن) آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا پھر تم اس کو ہٹا نہ سکوگے سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

یُرْسَلُ علیکما شُوَاظٌ یعنی قبروں سے اٹھائے جانے کے وقت تم پر چھوڑا جائے گا۔

شُوَاظٌ وہ شعلہ جس میں دھواں نہ ہو۔ (اکثر مفسرین نے یہی معنی بیان کیا ہے مجاہد نے کہا شواظ اس سبز شعلہ کو کہتے ہیں جو آگ سے منقطع ہو کر اٹھتا ہے۔ سعید بن جبیر اور کلبی نے نحاس کا ترجمہ کیا ہے دھواں ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی گئی ہے اس صورت میں آیت کا یہ معنی ہوگا کہ کبھی تم پر آگ کا شعلہ اور کبھی دھواں چھوڑا جائے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں ساتھ ساتھ اس طرح چھوڑے جائیں کہ ایک دوسرے سے اختلاط نہ ہو۔

ابن جریر نے لکھا ہے کہ آگ کا شعلہ اور کچھ نحاس (دھواں) چھوڑا جائے گا۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ شواظ آگ اور دھویں کے (مخلوط) مجموعہ سے ہی پیدا ہوتا ہے (اس وقت شواظ کا ترجمہ ہوگا لپٹ کیونکہ لپٹ میں آگ بھی ہوتی ہے اور دھواں بھی مترجم)

مجاہد اور قتادہ نے کہا نُحَاس یعنی پگھلا ہوا پیتل (تانبا) ان کے سروں پر بہایا جائے گا، ڈالا جائے گا عوفی کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول آیا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے نُحَاس کا ترجمہ کیا مُہْل (یعنی تیل کی تلچھٹ یا پگھلا ہوا تانبا)

فَلَا تَنْتَصِرَانِ یعنی اس وقت تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا جو میدانِ حشر میں لے جانے سے تم کو روک سکے۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ بعض اہل علم نے کہا موجباتِ عذاب سے ڈرانا بھی ایک نعمتِ خداوندی ہے اس لئے موجباتِ عذاب سے اجتناب لازم ہے اور فرماں بردار و نافرمان کے معاوضہ میں (ثواب و عذاب کا) امتیاز بھی اللہ کی ایک نعمت ہے (اس لئے نافرمانی سے گریز ضروری ہے)

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَکَانَتْ وَرْدَةً کَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾

غرض جب (قیامت آئے گی اور آسمان پھٹ جائے گا سرخ نری کی طرح سرخ ہو جائے گا سوائے جن و انس! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ یعنی آسمان پھٹ کر اس میں ملائکہ کے اترنے کے راستے بن جائیں گے۔ فَاِذَا میں فَ بتارہا ہے کہ آگ کے شعلوں کا چھوڑا جانا آسمان کے شگافتہ ہونے سے پہلے ہوگا لہٰذا آسمان کا یہ شگافتہ ہونا آسمان کو فنا کرنے کے لئے نہیں ہوگا بلکہ فرشتوں کے نزول کے لئے ہوگا اور ایسا قبروں سے اٹھائے جانے کے بعد ہوگا جیسا ہم نے حدیثِ ضحاک میں ذکر کر دیا ہے۔

وَرْدَةً یعنی سرخ گلاب کے رنگ کی طرح بعض نے وَرْدَةً کا ترجمہ کا سرخ گھوڑا جو کُمَیْت اور اَشْقَر کے درمیان ہوتا ہے (قاموس)

بغوی نے لکھا ہے لسپِ ورد سفید مائل بسرخی یا مائل بزردی ہوتا ہے۔ قتادہ نے کہا آسمان اب سبز ہے لیکن اس روز اس کا دوسرا رنگ ہوگا مائل بسرخی۔ بعض نے کہا آسمان اس روز گونا گوں رنگ رنگ بدلے گا جیسے لسپِ ورد موسم بہار میں زرد اور شروع موسم سرما میں سرخ ہوتا ہے اور جب سردی سخت ہو جاتی ہے تو اس کا رنگ خاکستری ہو جاتا ہے آسمان کے گونا گوں رنگ بدلنے کو اسپِ ورد کی تبدیلیٔ لَون سے تشبیہ دی۔

بیہقی نے حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ آسمان رنگا رنگ ہو جائے گا کبھی اس کا رنگ تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا اور کبھی سرخ جیسے سرخ نری (سرخ چمڑا)

کَالدِّهَانِ دِہان دُہن کی جمع ہے کالدہان وردۃ کی صفت ہے گویا آسمان تو بنو رنگ بدلنے میں اس ورد گھوڑے کی طرح ہوگا جو اختلافِ رنگ و تلوّن کے لحاظ سے تیل کی طرح ہوتا ہے۔ ضحاک، مجاہد، قتادہ اور ربیع نے یہی تشریح کی ہے عطاء بن ابی رباح نے کالدہان کی تفسیر میں کہا ہے کہ نوبنو رنگینی میں وہ روغن زیتون کی طرح ہوگا جو تھوڑی تھوڑی دیر میں رنگ بدلتا ہے۔ مقاتل نے دہان کا ترجمہ کیا صاف روغن گل۔ ابن جریج نے کہا آسمان روغنِ زیتون کی طرح ہو جائے گا اور یہ اس وقت ہوگا جب جہنم کی گرمی اس پر اثر انداز ہوگی۔ کلبی نے دہان کا ترجمہ کیا سرخ چمڑا۔ دہان کی جمع ادهنة اور دهن آتی ہے۔

یہ بھی جائز ہے کہ کالدہان کانت کی دوسری خبر ہو اس صورت میں معنی اس طرح ہوگا آسمان کا رنگ سرخ گلاب یا سرخ گھوڑے کی طرح ہو جائے گا اور تیل کی طرح پگھل جائے گا۔ اِذَا کی جزاء محذوف ہے یعنی جب آسمان پھٹ کر سرخ گلاب کی طرح ہو جائے گا تو وہ کیسا ہولناک منظر ہوگا۔

فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۰﴾

تو اس روز کسی انسان و جن سے اس کے جرم کے متعلق نہیں پوچھا جائے گا سوائے جن و انس تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو گے یعنی یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے یہ کام کیا تھا یا نہیں کیا تھا کیونکہ اللہ کو تو اس کا علم پہلے ہی ہوگا اور اعمالناموں والے فرشتے اعمال لکھ ہی چکے ہوں گے اور عذاب کے فرشتے صورت دیکھتے ہی پہچان لیں گے ہاں اعمال کی بازپرس

ہو گی یعنی یہ پوچھا جائے گا کہ جب تم کو ممانعت کر دی گئی تھی تو تم نے ایسا کیوں کیا اور جب کرنے کا حکم دے دیا گیا تھا تو ایسا کیوں نہیں کیا اس وضاحت کے بعد اس آیت میں اور آیت فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ میں تضاد پیدا نہیں ہوتا مجاہد کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا یہی تشریحی قول آیا ہے۔ حسن اور قتادہ نے بھی یہی بیان کیا ہے دونوں آیتوں میں اختلاف دور کرنے کے سلسلے میں حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول بھی آیا ہے کہ مجرموں کافروں سے سوالِ رحمت و شفاعت نہیں ہو گا سوال نہ ہونے کا یہی مطلب ہے بلکہ زجر و توبیخ کے طور پر باز پرس ہو گی سوال کئے جانے سے یہی مراد ہے عکرمہ کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا قیامت میں مختلف مقامات ہوں گے کسی مقام پر سوال کیا جائے گا (اس لئے آیت لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ الخ صحیح ہے) اور کسی مقام پر سوال نہیں ہو گا (اس لئے آیت لَا يُسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهِ صحیح ہے) ابوالعالیہ نے کہا آیت کا مطلب یہ ہے کہ مجرم کی باز پرس غیر مجرم سے نہیں ہو گی۔

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ﴿٤١﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٢﴾

مجرم لوگ اپنے حلیے سے پہچان لئے جائیں گے سو ان کے سر کے بال اور پاؤں پکڑ لئے جائیں گے۔ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ یہ ایک امکانی سوال کا جواب ہے سوال پیدا ہو سکتا تھا کہ جب مجرم انسان و جن سے اس کے جرم کے متعلق سوال ہی نہیں کیا جائے گا تو عذاب کے فرشتوں کو کیسے معلوم ہو گا کہ یہ مجرم ہے اس کا جواب یہ ہے کہ عذاب کے فرشتے مجرموں کے چہرے دیکھ کر شناخت کر لیں گے۔ ان کے چہرے سیاہ اور آنکھیں نیلی ہوں گی۔ اللہ نے فرمایا ہے يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ۔ ختلی نے دیباج میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے جبرئیل نے اطلاع دی کہ اللہ نے فرمایا مسلمان کے مرنے کے وقت اور قبر کے اندر رہنے کے وقت اور قبر سے نکالے جانے کے وقت لا الٰہ الا اللہ باعثِ اُنس (یعنی گھبراہٹ اور وحشت دور کرنے کا سبب) ہو گا۔ اے محمد تم حیرت میں پڑ جاؤ گے جب دیکھو گے کہ لوگ سروں سے خاک جھاڑتے قبروں سے اٹھ رہے ہوں گے ایک کہتا ہو گا لا الٰہ الا اللہ والحمد للہ اس کا چہرہ گورا ہو گا دوسرا پکارے گا ہائے افسوس اللہ کے معاملہ میں میں نے بڑا قصور کیا ایسے لوگوں کے چہرے کالے ہوں گے۔

ابویعلی راوی ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے آیت الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا الخ کی تشریح کے ذیل میں فرمایا قیامت کے دن ان لوگوں (یعنی سود خواروں) کو اس علامت سے پہچان لیا جائے گا کہ خبط الحواس آدمی کی طرح وہ اٹھیں گے (یا آسیب زدہ آدمی کی طرح۔ مترجم)

ابن ابی شیبہ، ابن ابی حاتم اور ابویعلیٰ نے حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع حدیث بیان کی کہ قیامت کے دن اللہ کچھ لوگوں کو ایسی حالت میں اٹھائے گا کہ ان کے منہ آگ سے بھڑک رہے ہوں گے عرض کیا گیا یا رسول اللہ یہ کون لوگ ہوں گے فرمایا (یہ وہ لوگ ہوں گے) جن کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا۔

بزار نے حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ تکبر کرنے والوں کا قیامت کے دن حشر چھوٹی چیونٹیوں کی شکل میں ہو گا۔ اس موضوع کی اور بھی احادیث بکثرت آئی ہیں۔

چاروں اصحابِ سنن نے اور حاکم نے حضرت ابن مسعودؓ کی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ جو شخص باوجود غنی ہونے کے سوال کرے گا قیامت کے دن ایسی (زخمی) حالت میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر کھرونچے اور خراشیں ہوں گی۔ صحیحین میں بھی اسی طرح کی حدیث آئی ہے۔

ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ جو شخص مؤمن کے قتل میں آدھی بات کہہ کر بھی مدد کرے گا وہ اللہ کی پیشی میں ایسی حالت سے جائے گا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہو گا مایوس از رحمتِ خدا۔ ابونعیم نے

حضرت عمرؓ کی روایت سے اور بیہقی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بھی اسی طرح حدیث نقل کی ہے۔

ابن خزیمہ اور ابن حبان نے حضرت ابن عمرؓ کی حدیث نقل کی ہے کہ جو (مسجد کی) قبلہ کے دیوار پر ناک کی ریزش پھینکے گا قیامت کے دن وہ ایسی حالت میں اٹھایا جائے گا کہ وہ ریزش اس کے چہرے پر چسپاں ہوگی۔

طبرانی نے الاوسط میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ دنیا میں جو شخص دورُخا ہے وہ قیامت کے دن ایسی حالت میں آئے گا کہ آتشیں ساخت کے دو چہرے ہوں گے۔ طبرانی اور ابن ابی الدنیا نے حضرت انسؓ کی مرفوع حدیث لکھی ہے کہ دنیا میں جو دوزبانوں والا ہے اللہ قیامت کے دن آتشیں ساخت کی اس کی دوزبانیں بنادے گا۔

چاروں اصحابِ سنن اور حاکم اور ابن حبان نے حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ دونوں میں برابری نہ رکھے قیامت کے دن وہ ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو جھکا (یعنی ٹیڑھا ہوگا۔ دوسری روایت میں آیا ہے اس کا ایک پہلو گرا ہوا ہوگا۔

ایک حدیث میں ہے میری امت کا حشر دس گروہوں میں ہوگا جن میں سے ایک گروہ بندروں کی شکل پر ہوگا الخ سورۂ عم یتسآءلون کی فتاتون افواجا کی تفسیر میں ہم نے پوری حدیث نقل کردی ہے۔ صحیح احادیث میں آیا ہے کہ جن لوگوں نے ناحق کسی کی کوئی چیز لی ہو جب ان لوگوں کا حشر ہوگا تو وہ چیز ان کی گردن پر لدی ہوگی۔ صحیحین میں مرفوع حدیث ان لوگوں کے بارے میں آئی ہے جنہوں نے مالِ غنیمت میں کچھ چوری کی ہوگی تو حشر کے دن وہ چیز ان کی گردن پر سوار ہوگی۔

فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ بیہقی نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کی تشریح میں فرمایا سر کو قدم سے ملادیا جائے گا پھر لکڑی کی طرح توڑ دیا جائے گا۔ ہناد نے اس آیت کی تشریح میں ضحاک کا قول نقل کیا ہے کہ پیشانی کو قدموں سے ملادیا جائے گا پھر پشت کے پیچھے سے ایک زنجیر میں جکڑ دیا جائے گا۔

هَٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿٤٣﴾ يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ آنٍ ﴿٤٤﴾

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٥﴾ یہ ہے وہ جہنم جس کو منکر لوگ جھٹلاتے تھے۔ وہ لوگ دوزخ کے اردگرد کھولتے ہوئے پانی کے درمیان دورہ کرتے ہوں گے سوائے جن وانس! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

هَٰذِهِ جَهَنَّمُ یعنی ان سے کہا جائے گا کہ یہ جہنم ہے جس کو دنیا میں مشرک نہیں مانتے تھے اس کی تکذیب کرتے تھے۔

يَطُوفُونَ چکر لگائیں گے۔

بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ آنٍ جہنم (جہاں ان کو جلایا جائے گا) اور گرم کھولتے ہوئے پانی کے درمیان۔

حَمِيمٍ گرم پانی۔

آنٍ انتہائی گرم کھولتا ہوا یعنی جہنم اور نہایت گرم پانی کے درمیان وہ چکر لگاتے رہیں گے۔ ترمذی اور بیہقی نے حضرت ابو درداءؓ کی روایت سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ قیامت کے دن ان پر بھوک کو ایسا مسلّط کیا جائے گا کہ وہ (چیخیں گے اور) فریاد کریں گے ان کی فریاد رسی اس طرح کی جائے گی کہ تھوہر کا کھانا ان کو دیا جائے گا جس سے نہ بھوک دفع ہوگی نہ بدن میں فربہی آئے گی اور جو کھانا ان کو کھلایا جائے گا وہ حلق میں پھنسے گا اس وقت ان کو یاد ہوگی کہ دنیا میں جب حلق میں کھانا پھنستا تھا تو پانی کی مدد سے اس کو تیر کرلیا کرتے تھے یہ بات یاد کر کے وہ پانی کے لئے فریاد کریں گے ان کی فریاد پر گرم پانی لوہے کے آنکڑوں سے پکڑ کر ان کے منہ کے سامنے لایا جائے گا پانی جب منہ کے قریب آئے گا تو چہرہ بھن جائے گا اور پیٹ کے اندر پہنچے گا تو انتڑیاں کٹ کر نکل پڑیں گی الیٰ آخر الحدیث۔

امام احمد ترمذی ابن حبان حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت

وَاِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ کَالْمُهْلِ کی تشریح میں فرمایا جیسے روغنِ زیتون کی تلچھٹ جب وہ پانی اس کے منہ کے قریب لایا جائے گا تو چہرے کی کھال گر پڑے گی۔

کعب احبار نے کہا اٰنٍ جہنم کی ایک وادی ہے جس میں دوزخیوں کا کچ لہو جمع ہوگا اس وادی میں دوزخیوں کو ڈبویا جائے گا کہ ان کا ایک ایک جوڑا اکھڑ جائے گا پھر ان کو وادی سے نکالا جائے گا اور از سرِ نو ان کی جسمانی تخلیق کر کے دوزخ میں پھینک دیا جائے گا یہی مطلب ہے یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ کا۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا الخ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ آیت کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ سے اس آیت تک تنبیہات ہیں توبیخیں اور زجریات ہیں اور عذاب کی دھمکیاں ہیں اور یہ تمام چیزیں اللہ کی نعمت ہیں کیونکہ گناہوں سے باز رہنے کا یہ ذریعہ ہیں علماء کا یہ قول محض تکلف ہے کیونکہ آلاء سے مراد ہے تخلیقِ وجود، بقاءِ وجود اور عطاءِ رزق کی نعمتیں اور انہی جیسی دوسری بخششیں (عذاب سزا اور ہلاکت کو توڑ مروڑ کر کے نعمت شمار کر لیا جائے لیکن عذاب سے توبیخ اور زجر کوئی نعمت نہیں ہے۔ یہ زجر آگیں آیت اس سورۃ میں ۳۱ مرتبہ ذکر کی گئی ہے آٹھ مرتبہ تو اللہ کی آٹھ حقیقی صفات کو گنتی کے موافق ذکر کیا گیا ہے ان آٹھوں مقامات میں اللہ نے اس آیت سے پہلے اپنی نادر صنعت اور عجائبِ تخلیق کو بیان کیا ہے۔ بدائع صنعت اور نوادر خلقت کا تذکرہ آیت کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ تک کر کے تنبیہ کی ہے کہ جس خالق کی تخلیق و قدرت ایسی ہو اس کی تکذیب کسی طرح زیبا نہیں سات جگہ آیتِ مذکورہ سے پہلے ابوابِ جہنم کی تعداد کے مطابق عذاب کی وعید اور سزا کی تخویف مذکور ہے۔ اس مضمون کا بیان آیت سَنَفْرُغُ لَکُمْ سے آیت یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ تک کیا گیا ہے ان ساتوں مقامات میں آیتِ مذکورہ کو ذکر کرنے سے مقصود ہے اس بات پر تنبیہ کرنی کہ ایسے قادرِ منتقم کے انتقام سے ڈرنا اور اس کی نعمتوں کی تکذیب نہ کرنا لازم ہے پھر ابوابِ جنت کے مطابق آٹھ جگہ جنت کی نعمتوں کا ذکر کر کے آیتِ مذکورہ کو ذکر کیا ہے اس طرح دوسری جنت کی نعمتوں کا ذکر آٹھ بار کرنے کے بعد آیت مذکورہ کو ذکر کیا ہے تاکہ جنت کی نعمتوں کی جانب رغبت ہو اور ایسے قدرت والے منعم کی نعمتوں کی ناشکری نہ کی جائے۔ واللہ اعلم۔

ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں عطاء کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک روز حضرت ابوبکرؓ قیامت، میزان اور جنت، دوزخ کے سوچ میں پڑ گئے اور فرمایا کاش میں پیدا ہی نہیں ہوتا کاش میں گھاس ہوتا کہ کوئی چوپایہ مجھے آکر چر لیتا اور دوبارہ مجھے پیدا نہ کیا جاتا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہتا ہے اس کے لئے دو باغ ہوں گے سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جائے گا۔

ابن ابی حاتم نے ابن سوذب کی روایت سے لکھا ہے کہ آیت حضرت ابوبکرؓ کے متعلق نازل ہوئی۔

مقام یا ظرف مکان ہے (کھڑا ہونے کی جگہ) یعنی وہ جگہ جہاں بندے حساب دینے کے لئے کھڑے ہوں گے یا رب کے سامنے حساب فہمی کے لئے کھڑے ہونے کی جگہ۔ قتادہ نے کہا مؤمن اس مقام سے ڈرتے ہیں اس لئے خالص اللہ کے لئے عمل کرتے اور شب و روز اس کی اطاعت میں سرگرم رہتے ہیں یا مقام مصدر میمی ہے اس وقت مقام بمعنی قیام کا معنی ہوگا نگرانی دید بانی عربی محاورہ ہے قام علیہ اس کی نگرانی رکھی لفظ قیام اس معنی میں دوسری آیت میں آیا ہے فرمایا ہے اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰی نَفْسٍۢ بِمَا کَسَبَتْ۔

یا مقام بمعنی قیام سے رب کے سامنے حساب دینے کے لئے کھڑا ہونا مراد ہے۔
بعض اہل علم کے نزدیک لفظ مقام زائد ہے یعنی جو اپنے رب سے ڈرتا رہتا ہے۔

ضحاک نے کہا ہے دو جنتوں کا انعام ان لوگوں کو ملے گا جو ظاہری اور باطنی کی نگرانی رکھتے اور اللہ سے ڈرتے ہیں حرام فعل

کا ارتکاب اللہ کے خوف سے ترک کر دیتے ہیں اور جو نیکی کرتے ہیں وہ محض اللہ کے لئے کرتے ہیں وہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ کے سوا کوئی ان کے عملِ خیر سے واقف ہو۔

آیت کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک معنی جو ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ رب کے سامنے کھڑا ہونے سے تمام ڈرنے والوں کو اجتماعاً دو جنتیں (خصوصیت کے ساتھ) عطا کی جائیں گی۔ مقاتل نے کہا ایک جنتِ عدن اور دوسری جنتِ نعیم (یعنی مذکورہ اشخاص کو جنتِ عدن اور جنتِ نعیم میں داخل کیا جائے گا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک جنت ان آدمیوں کو دی جائے گی جو رب سے خائف ہیں اور دوسری جنت جنات کو جو اللہ سے ڈرتے ہیں خطاب چونکہ دونوں گروہوں کو ہے اس لئے ہر فریق کے لئے ایک ایک جنت ہوگی۔

دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ کے سامنے کھڑا ہونے سے ہر خائف کو دو دو باغ دیئے جائیں گے۔ یہ تشریح بعید از فہم ہے اس مطلب پر جتنے لوگ اللہ کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرنے والے ہوں گے ان سے دوگنی تعداد جنتیوں کی ہوگی تاکہ ہر ایک کو دو دو باغ دیئے جاسکیں بلکہ ہر ایک شخص کے لئے چار چار باغ ہونا ضروری ہوگا کیونکہ اگلی آیت وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتَانِ کا عطف وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ پر ہے اس طرح ہر شخص کے حصے میں چار جنتیں آئیں گی۔ حالانکہ احادیث میں آیا ہے کہ جنتیں کل چار ہوں گی دو چاندی کی ان دونوں میں جو برتن اور دوسری چیزیں ہوں گی وہ چاندی کی ہوں گی اور دو جنتیں سونے کی ان دونوں میں جو برتن اور دوسری چیزیں ہوں گی وہ سب سونے کی ہوں گی۔ اہلِ جنت اور اللہ کے درمیان صرف عظمتِ الٰہیہ کی چادر حائل ہوگی اور وہ اپنے رب کو جنتِ عدن میں دیکھیں گے۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین عن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ۔

بغوی نے حضرت عبداللہ بن قیس کی روایت سے اور احمد وطیالسی و بیہقی نے حضرت ابو موسیٰؓ کی روایت سے حدیثِ مذکور ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنات الفردوس چار ہیں دو سونے کی جن کے سارے زیور برتن اور تمام چیزیں سونے کی ہوں گی اور دو چاندی کی جس کے اندر زیور برتن اور تمام اشیاء چاندی کی ہوں گی الخ بغوی نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص ڈرتا ہے وہ رات کو بھی چلتا ہے اور جو رات کو (بھی) چلتا ہے وہ منزل پر پہنچ جاتا ہے، سُن لو اللہ جو چیز فروخت کرتا ہے وہ بیش قیمت جنت ہے۔

حضرت ابو درداءؓ کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ خواہ زنا کی ہو، خواہ چوری کی ہو آپ نے پھر وہی فرمایا وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ میں نے پھر تیسری بار عرض کیا یا رسول اللہ خواہ زنا کی ہو، چوری کی ہو پھر بھی اس کو دو جنتیں دی جائیں گی) فرمایا اگر ابو درداء کی ناک خاک آلود ہو جائے (یعنی ابو درداء زمین پر ناک بھی رگڑے تب بھی حکمِ مذکور نہیں بدلے گا)

ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ اور وہ دونوں باغ کثیر ٹہنیوں والے ہوں گے۔ سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ذُوْ مذکر کے لئے آتا ہے۔ ذُوْ اصل میں ذَوُوْ تھا ذات مؤنث کے لئے آتا ہے اس کی اصل ذوات تھی ذوات کا تثنیہ ذَوَاتَا آتا ہے اور تخفیفاً جمع کے لئے بھی ذوات کا لفظ مستعمل ہے۔

اَفْنَانٍ فَنَن کی جمع ہے فنن نرم ٹہنی جو درخت کی شاخوں سے نکلتی ہے برگ وبار کی پیدائش اور درخت کی سایہ آفرینی کی ٹہنیوں سے ہی ہوتی ہے مجاہد اور کلبی نے افنان کا یہی معنی بیان کیا ہے عکرمہ کا قول ہے کہ فنن ٹہنیوں کے اس سایہ کو کہتے ہیں جو باغ کی دیواروں پر پڑتا ہے۔ حسن نے ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ کا ترجمہ کیا ہے۔ ذواتا اظلال (سایہ دار) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ افنان فن کی جمع ہو یعنی رنگارنگ کے پھلوں اور قسم قسم کے درختوں والیاں عرب کہتے ہیں افنن فلان فی حدیثہٖ فلاں شخص نے اپنی گفتگو میں طرح طرح کی اور رنگ رنگ کی باتیں کہیں۔ سعید بن جبیر اور ضحاک کا یہی قول ہے ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس قول کی نسبت کی گئی ہے۔

فِيهِمَا عَيْنَانِ تَجْرِيَانِ ﴿٥٠﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٥١﴾ دونوں باغوں میں دو چشمے ہوں گے کہ بہتے جائیں گے سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

تَجْرِيَانِ بہتے ہوئے بلندی کی جانب بہتے ہوئے یا نشیب کی جانب جس طرف کو اہلِ جنت چاہیں گے اسی طرف کو چشمے نکلیں گے۔

آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دونوں جنتوں میں دو چشمے رواں ہوں گے یا ہر ایک جنت میں دو دو چشمے ہوں گے بلکہ مراد یہ ہے کہ ہر جنت میں دو قسم کے چشمے ہوں گے خواہ سو ہوں یا ہزار یا اس سے کم و بیش کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چاروں قسم کی بکثرت نہریں جنت کے اندر ہوں گی۔ پانی کی، دودھ کی، شراب کی اور شہد کی ہر قسم کی بہت سی نہریں۔

بغوی نے حسن کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت میں چار نہریں ہوں گی دو تو عرش کے نیچے سے رواں ہوں گی ایک وہ جس کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا اور دوسری زنجبیل، باقی دونوں ابلتی ہوں گی ایک سلسبیل دوسری تسنیم۔

فِيهِمَا مِن كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجَانِ ﴿٥٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٥٣﴾ ان دونوں باغوں میں ہر میوے کی دو دو قسمیں ہوں گی سو تم اے جن و انس اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

زَوْجَانِ دو قسم کے ایک قسم وہ جو نادر ہو گی (دنیا میں اس سے کوئی واقف نہ ہو گا اور دوسری وہ معروف ہے جس کے نام سے لوگ واقف ہیں) بعض نے کہا تر اور خشک میوے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا دنیا میں جو میٹھے یا کڑوے پھل ہیں وہ سب جنت میں ہوں گے یہاں تک کہ حنظل بھی ہو گا مگر وہ کڑوا نہ ہو گا میٹھا ہو گا۔ ابن ابی حاتم اور ابن المنذر نے بھی یہ روایت بیان کی ہے ابن ابی حاتم نے مسند میں اور ہناد نے الزہد میں اور ابن جریر و بیہقی نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جنت کے اندر جو چیزیں ہوں گی دنیا میں ان کے صرف نام ہی نام ہیں (کیفیت، لذت، حالت، حقیقت، مقدار وغیرہ جنت کی چیزوں کی بالکل الگ ہے)

مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ فُرُشٍ بَطَائِنُهَا مِنْ إِسْتَبْرَقٍ ۚ وَجَنَى الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿٥٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٥٥﴾ وہ لوگ تکیے لگائے ایسے فرشوں پر بیٹھے ہوں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے اور ان دونوں باغوں کا پھل بہت نزدیک ہو گا سو اے جن و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

إِسْتَبْرَقٍ دبیز ریشمی کپڑا۔ ابن جریر، ابن ابی حاتم اور بیہقی کا بیان ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا تم کو کپڑے کے استر کی اطلاع دی گئی ہے (جب استر ایسا ہو گا) تو ابرے کی کیا کیفیت ہو گی۔

بغوی نے بھی یہ اثر حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے اسی طرح نقل کیا ہے، ابو نعیم نے سعید بن جبیر کا قول بیان کیا ہے کہ ابرہ نورِ جامد کا ہو گا (یعنی مجسم نور کا) بغوی نے سعید بن جبیرؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ استبرق کا جب استر ہو گا تو ابرے کی کیا کیفیت ہو گی (ابرے کی کیفیت نہ معلوم ہونا ایسا ہی ہے) جس طرح اللہ نے فرمایا ہے فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا استر کا ذکر کیا گیا ابرے کا تذکرہ نہیں کیا کیونکہ روئے زمین پر کوئی اس کے ابرے سے واقف نہیں۔

جَنَىٰ اسم ہے بمعنی اسم مفعول یعنی درختوں سے چنے جانے اور توڑے جانے والے پھل یعنی جنت کے درختوں سے پھلوں کا توڑنا دشوار نہ ہو گا۔ (کہ اوپر چڑھنا پڑے بلکہ) آسان ہو گا پھل ہاتھ کی رسائی سے اونچے نہ ہوں گے سعید بن منصور

بیہقی اور ہناد نے بیان کیا کہ آیت وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا کی تشریح میں حضرت براء بن عازبؓ نے فرمایا اہل جنت جنت کے پھل کھڑے بیٹھے لیٹے (ہر حال میں توڑ توڑ کر) کھائیں گے۔

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول بیان کیا ہے کہ درخت جنتی کے اتنا قریب آجائے گا کہ اللہ کا دوست جس طرح چاہے گا اس کے پھل توڑ لے گا کھڑے بیٹھے (جس طرح چاہے گا)

فِيهِنَّ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ﴿٥٦﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٥٧﴾

ان جنتیوں کے اندر نیچی نگاہ والیاں ہوں گی کہ ان جنتیوں سے پہلے ان پر نہ کسی آدمی نے تصرف کیا ہو گا نہ کسی جن نے سوائے جن وانس! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

فِيهِنَّ جنتوں کے محلات میں یا من جملہ جنتوں کی نعمتوں کے۔

قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ یعنی ایسی عورتیں جن کی نظریں اپنے شوہروں کے علاوہ کسی اور پر نہیں پڑیں گی (نہ پڑی ہوں گی۔ مترجم) بیہقی نے اس تشریح کی نسبت مجاہد کی طرف کی ہے۔

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ الخ یعنی انسانی عورتوں سے کسی انسان نے اور جنی عورتوں سے کسی جن نے مباشرت نہیں کی ہو گی۔

طَمث کا لغوی معنی ہے خون حیض کو بھی اسی وجہ سے طمث کہتے ہیں۔

ابن ابی حاتم اور بیہقی نے بوساطت ابو طلحہ حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے لَمْ يَطْمِثْهُنَّ یعنی (جماع سے) ان کو خون آلود نہیں کیا ہو گا۔ یہ آیت دلالت کر رہی ہے اس امر پر کہ انسانوں کی طرح جن بھی مباشرت کرتے ہیں۔ مجاہد نے کہا اگر بغیر بسم اللہ کئے کوئی شخص جماع کرتا ہے تو اس کے عضو مخصوص پر کوئی شیطان لپٹ جاتا ہے اور اس کے ساتھ مل کر مباشرت کرتا ہے۔ مقاتل نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں کہا کسی انس و جن نے ان سے مباشرت نہیں کی ہو گی کیونکہ ان کی تخلیق جنت میں ہوئی ہے۔ اس تفسیر پر قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ سے مراد حوریں ہوں گی۔

سعید بن منصور اور بیہقی نے شعبی کا قول بیان کیا ہے کہ دنیا کی عورتوں کی دوبارہ تخلیق اس طرح ہو گی جس طرح آیت إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنْشَاءً فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا عُرُبًا أَتْرَابًا

یعنی تخلیق ثانوی کے بعد کسی انس و جن نے اہل جنت سے پہلے ان سے مباشرت نہ کی ہو گی۔ بغوی نے کلبی کی طرف بھی اس تشریح کی نسبت کی ہے۔

كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٥٨﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٥٩﴾ گویا وہ یاقوت و مرجان ہیں سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ بیہقی نے ابو صالح اور سدی کا قول نقل کیا ہے موتیوں کی سفیدی اور یاقوت و مرجان کی صفائی۔ دوسرا قول آیا ہے جیسے سیپ کے اندر موتی شفاف ہوتے ہیں اور کسی کا ہاتھ ان کو نہیں چھوتا (اسی طرح وہ عورتیں صاف شفاف ہوں گی) قتادہ نے کہا یاقوت کی شفافیت مرجان کی سفیدی کے ساتھ آمیختہ۔

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہو گا اس کی شکلیں چودھویں کے چاند کی طرح ہوں گی، نہ وہ تھوکیں گے نہ ناک کی ریزش سنکیں گے نہ براز کی ان کو ضرورت ہو گی۔ دوسری روایت میں آیا ہے وہ بیمار نہیں ہوں گے ان کے برتن اور کنگھے سونے اور چاندی کے ہوں گے ان کی انگوٹھیاں موتی کی ہوں گی، ان کا پسینہ مشک ہو گا۔ ہر شخص کی دو بیویاں ہوں گی جن کے حسن کی یہ حالت ہو گی کہ پنڈلیوں کے اندر کا مغز (گوشت کے شفاف ہونے کی وجہ سے) باہر سے نظر آئے گا۔ اہل جنت میں باہم اختلاف اور بغض نہ ہو گا سب یکدل ہوں گے، صبح شام اللہ کی پاکی بیان کرنے میں مشغول رہیں گے۔

ترمذی اور بیہقی نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہو گا وہ چودھویں کے چاند کی طرح (خوبصورت) ہو گا اور دوسرا گروہ آسمان کے حسین ترین

چمک دار ستارہ کی طرح ہو گا ان میں سے ہر شخص کی دو بیویاں ہوں گی ہر بی بی (کے بدن) پر ستر سوٹ ہوں گے اور لباس کے باہر سے پنڈلی کا مغز (انتہائی شفاف ہونے کی وجہ سے) دکھائی دے گا۔

طبرانی اور بیہقی نے حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جس طرح سرخ شراب شیشہ کے باہر سے نظر آتی ہے اسی طرح ہر کشادہ چشم حور کی پنڈلی کا مغز لباسوں اور گوشت وہڈی کے اندر سے نمودار ہو گا۔ بغوی نے حضرت عمرو بن میمون کی روایت سے بھی یہ حدیث اسی طرح نقل کی ہے۔

امام احمد ابن حبان اور بیہقی نے حضرت ابو سعیدؓ خدری کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت کَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ کے مطلب کے ذیل میں فرمایا اس (حور) کا چہرہ پردے کے اندر سے بھی آئینہ سے زیادہ صاف دکھائی دے گا اور حور جو موتی پہنے گی اس کے بدن کا ادنیٰ موتی مشرق سے مغرب تک اُجالا کر دے گا حور کے بدن پر ستر لباس ہوں گے لیکن نگاہ پار ہو کر حور کی پنڈلی کے مغز کو دیکھ لے گی۔

بغوی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ستر ریشمی کپڑوں کے اندر جنتی کی عورت کی پنڈلی اور پنڈلی کا مغز دکھائی دے گا اللہ فرماتا ہے کَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ یاقوت ایک پتھر ہوتا ہے اگر اس میں سوراخ کر کے کوئی ڈورا اس میں پرو دو تو باہر سے اس کو دیکھ سکتے (یہی حال حور کی پنڈلی کا ہو گا)

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾ بھلا انتہائی اطاعت کا بدلہ سوائے عنایت کے اور کچھ بھی ہو سکتا ہے سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ یعنی دنیا میں نیک کام کا آخرت میں بدلہ اچھا ہی ہو گا۔ بغوی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ تلاوت فرمائی پھر ارشاد فرمایا جانتے ہو تمہارے رب نے کیا فرمایا صحابہؓ نے عرض کیا اللہ اور اللہ کے رسول ہی بخوبی واقف ہیں فرمایا اللہ ارشاد فرماتا ہے جس کو میں نے توحید کی نعمت عطا کی اس کا بدلہ سوائے جنت کے اور کچھ نہیں ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جس نے لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کیا اور جو شریعت رسول اللہ ﷺ لائے ہیں اس پر عمل کیا اس کا بدلہ سوائے جنت کے اور کچھ نہیں ہے۔

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ اور ان دونوں باغوں سے کم مرتبہ دو باغ اور ہیں سوائے جن وانس! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

یعنی جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہتا ہے اس کے لئے چار جنتیں ہوں گی دو کا ذکر وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ میں کر دیا گیا اور دو کی صراحت اس جگہ کر دی چونکہ اول الذکر دونوں جنتوں کا مرتبہ مؤخر الذکر جنتوں سے اعلیٰ تھا۔ اس لئے چاروں کا ذکر یکجا نہیں کیا بلکہ اول درجہ کی جنتوں کا ذکر پہلے کر دیا پھر آخری جنتوں کی صراحت کی۔

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یعنی پہلی دونوں جنتوں سے ترتیب میں یہ دو جنتیں نیچی ہیں۔ ابن زید نے کہا یہ دونوں پہلی دونوں سے مرتبہ میں کم ہیں۔

حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا پہلی دونوں جنتیں سونے کی ہیں اور سابقین اوّلین کے لئے ہیں اور دوسری دونوں جنتیں ان کی پیروی کرنے والوں کے لئے ہیں اور چاندی کی ہیں رواہ الحاکم والبیہقی۔

بیہقی نے حضرت ابو موسیٰؓ کی روایت سے حدیث مذکور اس طرح بھی بیان کی ہے کہ پہلی دونوں جنتیں سونے کی سابقین کے لئے ہیں اور دوسری جنتیں اصحاب الیمین (دائیں طرف والوں) کے لئے کذا ذکرا لبغوی قول ابن جریج۔

بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ اللہ کا عرش پانی پر تھا پھر اللہ نے اپنے لئے جنت بنائی پھر اس میں دوسری جنت بنا دی پھر اس کو ایک موتی سے ڈھانپ دیا اور کہا وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ۔

بقول بغوی کسائی نے مِنۡ دُوۡنِهِمَا کا ترجمہ کیا ہے ان دونوں کے سامنے دونوں کے مقابل۔
ضحاک کا قول ہے کہ دو جنتیں سونے کی ہیں اور دوسری دونوں یاقوت کی۔ یہ قول بھی دلالت کر رہا ہے کہ مِنۡ دُوۡنِ سے مراد (کم مرتبہ نہیں بلکہ) سامنے اور مقابل ہے (کیونکہ یاقوت کی جنتیں سونے کی جنتوں سے کم مرتبہ نہیں ہو سکتیں۔

مُدۡهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ وہ دونوں باغ گہرے سرسبز ہوں گے سوائے جن وانس! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔
مُدۡهَآمَّتٰنِ اتنے سبز کہ انتہائی سبزی کی وجہ سے مائل بسیاہی ہو جائیں۔
یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ ان دونوں باغوں میں سبزی اور زمین پر پھیلی ہوئی بیلوں کی کثرت ہو گی جس طرح اوّل الذکر دونوں باغوں میں درختوں اور پھلوں کی فراوانی ہو گی اور ظاہر ہے کہ اوّل الذکر باغوں کو مؤخر الذکر باغوں پر اسی وجہ سے برتری ہو گی۔

فِیۡهِمَا عَیۡنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾ ان دونوں باغوں میں دو اچھلتے چشمے ہوں گے سوائے جن وانس! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔
نَضَّاخَتٰنِ اچھلتے ہوئے یعنی فوارے۔ اس لفظ سے بھی معلوم ہو رہا ہے کہ اوّل الذکر دونوں باغ ان دونوں باغوں سے برتر اور مرتبہ میں بڑھ کر ہوں گے کیونکہ اوّل الذکر باغوں میں جو چشمے ہیں وہ (اوپر یعنی عرش سے) بہتے ہوئے آرہے ہوں گے اور مؤخر الذکر دونوں باغوں میں جو چشمے ہیں وہ نیچے سے اچھلتے اور جوش مارتے ہیں۔
ابن ابی حاتم نے براء بن عازبؓ کا قول نقل کیا ہے کہ بہنے والے چشمے اچھلتے ابلتے چشموں سے برتر ہیں۔

فِیۡهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخۡلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾ ان دونوں باغوں میں میوے اور کھجوریں اور انار ہوں گے سوائے جن وانس! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔
بعض علماء نے اسی آیت کو سامنے رکھ کر کہا ہے کہ درختِ خرما کے پھل (یعنی کھجوریں چھوارے) اور انار فاکہہ نہیں ہیں۔ حرفِ عطف معطوف علیہ اور معطوف کی مغایرت پر دلالت کر رہا ہے اصل یہی ہے کہ معطوف معطوف علیہ سے غیر ہوتا ہے اس لئے نخل ورمّان فاکہہ سے الگ چیزیں ہیں فاکہہ کے ذیل میں داخل نہیں ہیں، درختِ خرما کا پھل (تازہ ہو یا خشک) محض غذا ہے اور انار دوا ہے اور فاکہہ وہ چیز ہوتی ہے جس کا مقصد صرف لذتِ ذوق ہوتا ہے۔ اسی لئے امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی اور کہا میں فاکہہ نہیں کھاؤں گا اور کھجور یا انار کھالیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ لیکن اکثر علماء کھجور اور انار کو فاکہہ میں شمار کرتے ہیں۔ فاکہہ کا لفظ عام ہے اور کھجور اور انار اس کی خاص قسمیں ہیں اور عام پر خاص کا عطف، معطوف کی فضیلت واہمیت ظاہر کرنے کے لئے کر دیا جاتا ہے جیسے جبرئیل ومیکائیل کا عطف ملائکہ پر کر دیا جاتا ہے۔
بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول بیان کیا ہے کہ جنت کے کھجور کے درختوں کے تنے زمرد کے اور پتے سرخ سونے کے ہوں گے۔ ان کے ریشوں سے اہل جنت کے لباس اور جوڑے بنائے جائیں گے۔ ان کے پھل مٹکوں یا ڈولوں کے برابر ہوں گے۔ دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھے اور مکھن سے زیادہ نرم ہوں گے ان کے اندر گٹھلی نہیں ہو گی۔
ابن ابی الدنیا نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جنت کے ایک چھوارے کی لمبائی بارہ ہاتھ ہو گی اور اس کے اندر گٹھلی نہیں ہو گی، یہ بھی حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ جنت کے ایک انار کے گرد اگر بہت سے آدمی جمع ہو کر سب مل کر اس کو کھائیں گے اگر کھانے کے لئے کسی کی زبان پر کسی چیز کا ذکر آجائے گا، فوراً وہ چیز مل جائے گی۔
ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے جنت میں انار (اتنا بڑا) دیکھا کہ جیسے اونٹ جس پر پالان کسا ہوا ہو۔

فِیۡهِنَّ خَیۡرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾ ان میں خوب سیرت،

خوبصورت عورتیں (یعنی حوریں) ہوں گی سوائے جن وانس ہم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

فِیْهِنَّ یعنی ان دونوں باغوں کے مکانوں اور محلات میں۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حسن نے اپنے باپ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا میں نے عرض کیا یارسول اللہ خدا کے فرمان فِیْهِنَّ خَیْرٰتٌ حِسَانٌ کا مطلب مجھے بتائیے۔ فرمایا خوش سیرت خوب صورت رواہ الطبرانی۔

حضرت ابن مبارک نے اوزاعی کا قول نقل کیا ہے خوب صورت جو فحش زبان نہیں ہوں گی مغرور نہیں ہوں گی اور دکھ نہیں دیں گے۔

حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ ﴿۷۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ وہ عورتیں گورے رنگ کی ہوں گی (اور خیموں میں محفوظ ہوں گی سوائے جن وانس ہم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے اور ان (جنتی آدمیوں) سے پہلے ان عورتوں پر نہ کسی آدمی نے تصرف کیا ہو گا نہ کسی جن نے سوائے جن وانس ہم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

حور، حوراء اس عورت کو کہتے ہیں جس کی آنکھوں کا حدقہ خوب سیاہ ہو اور سفیدی بجائے خود خوب سفید اور سیاہی بجائے خود خوب سیاہ ہو اور پلک چمکدار ہوں اور پلکوں کے گرداگرد سفیدی ہو اور بدن گورا ہو، یا پوری آنکھ ہرن کی طرح چمکیلی سیاہ ہو، ایسی آنکھ انسان کی نہیں ہوتی مجازاً اس کا استعمال عورتوں کے لئے کیا جاتا ہے کذا فی القاموس۔

طبرانی نے حضرت ابوامامہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حورِ عین کی بدنی ساخت زعفران سے کی گئی ہے۔ اسی طرح یہ حدیث بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے مرفوعاً اور حضرت ابن عباسؓ و مجاہد کی روایت سے موقوفاً نقل کی ہے۔

ابن مبارک کا بیان ہے کہ زید بن اسلم نے کہا اللہ تعالیٰ حورِ عین کو مٹی سے نہیں پیدا کرتا بلکہ ان کی ساخت مشک و کافور اور زعفران کی ہے۔

ابن ابی الدنیا نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر حور سمندر میں تھوک دے تو اس کے لعابِ دہن کی شیرینی سے سمندر میٹھا ہو جائے۔

حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اہلِ جنت کی عورتوں میں سے اگر کوئی عورت سات سمندروں میں تھوک دے تو سارے سمندر شہد سے زیادہ میٹھے ہو جائیں۔

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کے اندر اتنی مقدار جتنی تم میں سے کسی کے کمان کے نصف وتر کی ہوتی ہے دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے اور جنت کی عورتوں میں سے کوئی عورت زمین کی طرف جھانک لے تو (زمین تک ساری درمیانی مسافت روشن ہو جائے اور خوشبو سے بھر جائے اور اس کے سر کی اوڑھنی دنیا اور موجودات سے بہتر ہے۔ رواہ البخاری۔

ابن ابی الدنیا نے کعب کا قول نقل کیا ہے کہ اگر حور کا ایک ہاتھ آسمان سے نیچے کی طرف لٹکا دیا جائے تو ساری زمین اس کی وجہ سے ایسی روشن ہو جائے جیسے سورج دنیا والوں کے لئے چمکتا ہے۔

مَقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ چھپی ہوئی محفوظ مسہریوں میں۔

بغوی نے (مقصورات کے معنی کی تشریح کرتے ہوئے) لکھا ہے کہ وہ حوریں جنہوں نے اپنی نظریں صرف اپنے شوہروں پر منحصر اور مقصور کر رکھی ہوں گی شوہروں کے علاوہ دوسروں پر وہ نگاہ بھی نہیں ڈالیں گی۔ بیہقی نے مجاہد کا قول بیان کیا مقصورات یعنی خیموں کے اندر بند اور محفوظ ہوں گی، وہاں سے نہیں ہٹیں گی اور خیمہ موتی اور چاندی کا ہو گا۔

بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شبِ معراج میں جنت کے اندر ایک جگہ

پہنچا جس کو بیدح کہا جاتا ہے وہاں موتی زبرجد سبز اور یاقوت سرخ کے خیمے ہیں اندر سے حوروں نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ میں نے کہا جبرئیل یہ آواز کیسی ہے (جس نے مجھے خطاب کیا) جبرئیلؑ نے کہا یہ خیموں کے اندر مستور حوریں ہیں، انہوں نے اپنے رب سے آپ کو سلام کرنے کی اجازت مانگی تھی اللہ نے ان کو اجازت دے دی حوریں کہنے لگیں ہم (ہمیشہ) رضامند رہیں گی، کبھی ناراض نہیں ہوں گی ہم (یہاں ہمیشہ رہیں گی کبھی یہاں سے) کوچ نہیں کریں گی (یہ بیان کرنے کے بعد حضور نے حُوۡرٌ مَّقۡصُوۡرٰتٌ فِی الۡخِیَامِ پڑھا۔ بغوی نے حضرت عبداللہ بن قیس کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کے اندر ایک خیمہ ہے کھوکھلے موتی کا جس کی چوڑائی ساٹھ میل ہے اس کے ہر گوشہ میں رہنے والے دوسروں کو (یعنی دوسرے گوشہ میں رہنے والوں کو) نظر نہیں آتے اہل ایمان ان سب کا دورہ کریں گے (یعنی یہ سب مؤمنوں کے زیر حکم ہوں گے) صحیحین میں حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کی روایت سے بھی اسی طرح کی حدیث آئی ہے۔

ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ خیمہ ایک کھوکھلے موتی کا ہوگا۔ ایک فرسخ چوڑا اور ایک فرسخ لمبا ہوگا اس کے چار ہزار کواڑ ہوں گے سونے کے۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خیمے کھوکھلے موتی کے ہوں گے حضرت عمرؓ کی موقوف حدیث بھی اسی طرح آئی ہے ابن جریر نے ابو مجلز کی مرسل حدیث بھی ایسی ہی نقل کی ہے۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابو درداءؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ خیمہ ایک موتی کا ہوگا جس میں موتی کے ستر دروازے ہوں گے۔

ہناد نے حضرت عمروؓ بن میمون کا قول نقل کیا ہے کہ خیمہ کھوکھلے موتیوں کا ہوگا۔

مجاہد اور ابن احوص کی روایت بھی اسی طرح ہے۔ ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیا نے حضرت ابن مسور کا قول نقل کیا ہے کہ ہر مسلم کا ایک منتخب پسندیدہ مقام ہوگا اور ہر پسندیدہ مقام میں ایک خیمہ ہوگا اور ہر چشمہ کے چار دروازے ہوں گے اور ہر دروازہ سے ہر روز ایک تحفہ اور ہدیہ داخل ہوگا۔ جو اس سے پہلے نہ آیا ہوگا (یعنی نو بنو حوریں ہوں گی) نہ اترانے والیاں ہوں گی، نہ غرور کرنے والیاں، نہ گندہ بغل، نہ گندہ دہن حُوۡرٌ عِیۡنٌ كَاَنَّهُنَّ بَيۡضٌ مَّكۡنُوۡنٌ۔

فائدہ

دنیا کی عورتیں حوروں سے بہتر ہوں گی بیہقی نے بیان کیا کہ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ دنیا کی عورتیں اعلیٰ ہیں یا حوریں۔ فرمایا دنیا کی عورتیں حور عین سے ایسی ہی افضل ہیں جیسا ابرا، استر سے اعلیٰ ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ایسا کس وجہ سے ہے فرمایا ان کے نماز روزے کی وجہ سے اللہ ان کے چہروں کو نور کا لباس پہنادے گا (نورانی کردے گا) اور ان کے جسموں کو ریشم کا لباس پہنادے گا۔ ان کے رنگ گورے، کپڑے سبز اور زیور زرد ہوں گے ان کی انگوٹھیاں موتی کی اور کنگھیاں سونے کی ہوں گی وہ کہیں گی ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں ہم کبھی نہیں مریں گی، ہم آرام پروردہ ہیں کبھی دکھی نہیں ہوں گی، ہم یہاں ہمیشہ مقیم رہیں گی کبھی یہاں سے کوچ نہیں کریں گی، ہم ہمیشہ رضامند رہنے والیاں ہیں، کبھی ناراض نہیں ہوں گی خوشی ہو اس کے لئے جس کے لئے ہم ہیں اور جو ہمارے لئے ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر کسی عورت نے دو یا تین یا چار شوہر کئے ہوں اور پھر مر جائے اور جنت میں چلی جائے اور اس کے سب شوہر بھی جنت میں چلے جائیں تو وہ کس شوہر کی بی بی ہوگی۔ فرمایا اس کو اختیار دے دیا جائے گا جس کی زوجیت میں چاہے داخل ہو جائے اور وہ اس شوہر کی زوجیت کو پسند کرے گی جو دنیا میں سب سے اچھے اخلاق والا تھا۔ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا خوش اخلاقی دنیا اور دین کی ساری بھلائیوں پر غالب آگئی۔

ہناد کا بیان ہے کہ حبان بن جبلہ نے فرمایا اہل جنت کی عورتیں جب جنت میں داخل ہوں گی تو حوروں سے ان کا مرتبہ

اپنے اعمال دُنیویہ کی وجہ سے افضل ہوگا۔

مُتَّكِـِٔيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۷۸﴾ ۳۴ ع ۳ ۱۲

وہ لوگ سبز مشجر اور عجیب خوب صورت کپڑوں (کے فرشوں) پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے سوائے جن وانس! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے بڑا بابرکت نام ہے آپ ﷺ کے رب کا جو عظمت والا اور احسان والا ہے۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے رَفرف سبز کپڑا جس سے بیٹھنے کی چیزیں اور بستر اور فرش اور تکیے گدیاں بنائی جاتی ہیں۔ صحاح میں ہے کہ رَفرف ایک خاص قسم کا کپڑا جو باغ کے مشابہ ہوتا ہے (فارسی میں ایسے کپڑے کے فرش کو بہار کہتے ہیں۔ مترجم) بعض نے کہا خیموں اور چھولداریوں کے جو کنارے زمین پر پڑے ہوتے ہیں انکو رَفرف کہا جاتا ہے۔

بیہقی نے بطریق ابو طلحہ بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے رَفرفِ خضر کی تشریح میں فرمایا مجالس (بیٹھنے کی جگہ) ہناد اور بیہقی نے لکھا ہے کہ سعید بن جبیرؒ نے (رفرف خضر کی تشریح میں) کہا جنت کے باغ۔ بغوی نے لکھا ہے کہ بعض لوگوں نے اس کا ترجمہ کیا ہے بستر بچھونے۔ حسن مقاتل اور قرطبی کا یہی قول ہے۔

عوفی نے کہا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا رَفرف مجالس اور بستروں کا زائد حصہ (یعنی جھالر وغیرہ) قتادہ نے کہا فرش کے اوپر جو سبز مجالس (یعنی چاندنی یا قالین یا مَسند وغیرہ) بچھائی جاتی ہیں وہ رفرف خضر ہیں۔

ابن کیسان نے ترجمہ کیا کُہنی ٹیکنے کے تکیے (جن پر کہنی ٹیکی جاتی ہے) ابن عیینہ نے ترجمہ کیا مسندیں بعض نے کہا ہر عریض کپڑے کو عرب رفرف کہتے ہیں۔

وَعَبْقَرِيٍّ صاحب قاموس نے لکھا ہے عَبقر ایک جگہ تھی جہاں جنات کی کثرت تھی اور وہاں کے کپڑے نہایت حسین ہوتے تھے۔ عبقری ہر کامل چیز، سردارِ قوم اور وہ چیز جس سے بالا اور کوئی چیز نہ ہو اور ایک خاص قسم کا فرش بستر۔

بیضاوی نے لکھا ہے عبقری، عبقر کی طرف منسوب ہے عرب کے خیال میں عبقر ایک شہر کا نام تھا جہاں جنات کی آبادی تھی (یعنی جنات کے شہر کا نام عبقر تھا) پھر عرب ہر عمدہ عجیب چیز کو اس (موہوم) شہر کی طرف منسوب کرنے لگے۔

بیہقی نے لکھا ہے حضرت ابن عباسؓ نے کہا عَبقرِیٍّ حِسَان (یعنی) مسندیں قتیبی نے ہر منقّش کپڑے (چھینٹ وغیرہ) کو عرب عبقری کہتے ہیں ابو عبیدہ نے کہا عبقری اس مقام کی طرف منسوب ہے جہاں کپڑے پر نقاشی کا کام ہوتا تھا۔ خلیل نے کہا ہر بزرگ، اعلیٰ، نفیس آدمی وغیرہ کو عرب عبقری کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کے متعلق فرمایا تھا میں نے ایسا کوئی عبقری نہیں دیکھا جو اس کی طرح کارنامے انجام دیتا ہو۔

تَبٰرَكَ اسْمُ الخ یعنی اللہ کا نام جو اس کی ذات پر دلالت کرتا ہے بڑا بابرکت ہے تو اس کی ذات کا کیا ٹھکانا۔ بعض کے نزدیک اَسم سے مراد صفت ہے بعض کا کہنا ہے کہ لفظ اَسم زائد ہے۔ بغوی نے اپنی سند سے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ جب نماز کا سلام پھیر چکتے تھے تو (اس کے بعد) صرف اتنی دیر بیٹھے رہتے تھے کہ اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یاذاالجلال والاکرام پڑھ لیتے تھے (پھر اُٹھ جاتے تھے) مسلم کی روایت بھی یہی ہے۔

الحمدللہ سورت الرحمٰن کی تفسیر کا ترجمہ ختم ہوا۔

سُوْرَۃُ الْوَاقِعَۃِ

یہ سورۃ مکّی ہے اس میں ۹۶ آیات اور ۳ رکوع ہیں۔

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم ط

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝١ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝٢ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝٣ ﴿منبثا﴾ جب قیامت واقع ہوگی جس کے واقع ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے تو وہ (بعض کو) پست کردے گی (اور بعض کو) بلند کردے گی۔

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ یعنی جب قیامت واقع ہوگی چونکہ قیامت کا وقوع یقینی ہے اس لئے اس کو واقعہ فرمایا۔

لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا ۔لِوَقْعَتِهَا میں لام توقیت کے لئے ہے یعنی قیامت کے وقوع کے وقت کوئی (نفس) اس کو جھٹلانے والا نہیں ہوگا یعنی اللہ پر کوئی کذب تراشی کرنے والا نہیں ہوگا یا جھوٹ بولنے والا نہ ہوگا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لام بمعنی وجہ ہو (یعنی لام اجلیہ ہو) مطلب یہ کہ قیامت واقع ہوجانے کی وجہ سے کوئی شخص جھوٹ بولنے والا نہیں ہوگا جو شخص وقوع قیامت کی خبر دے گا وہ صحیح خبر دے گا، یا کاذِبۃ کا معنی ہے جرأت دلانے والا جری بنانے والا۔ یعنی قیامت کے وقوع کی شدّت کو برداشت کرنے کی جرأت دلانے والا اور جری بنانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ عربی محاورہ ہے کذبتْ فلا نًانفسُہ فی الخطب العظیم فلاں شخص کو بڑے حادثہ میں اس کے نفس نے جری بنادیا، دلیر بنادیا اور برداشت کرنے پر آمادہ کردیا۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عَافِیۃ ' نَازِلۃ ' لاغِیۃ کی طرح وَاقِعۃ مصدر ہو یعنی قیامت کا واقع ہونا حق ہے اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے۔

خَافِضَةٌ دنیا میں اللہ کے دشمن جو مغرور تھے ان کو پست اور ذلیل کرنے والی۔

رَّافِعَةٌ اللہ کے وہ نیک بندے جو تواضع کرتے تھے اور غرور نہیں کرتے تھے۔ ان کو اونچا کرنے والی اوپر اٹھانے والی۔

اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۝٤ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝٥ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ۝٦

جب زمین میں سخت زلزلہ آئے گا اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہوجائیں گے پھر وہ پراگندہ غبار ہوجائیں گے۔

رُجَّتِ زور کے ساتھ ہلائی جائے گی۔ ایسی جھنجھوڑی جائے گی کہ اس کے اوپر کی ساری عمارتیں اور پہاڑ گر پڑیں گے۔

بُسَّتِ الْجِبَالُ پہاڑ چلائے جائیں گے' ہنکائے جائیں گے یہ بسّ الغنم (بکریوں کو ہنکایا) سے ماخوذ ہے کذا قال الکلبی وحسن وابن کیسان لیکن عطاء اور مقاتل نے ترجمہ کیا' پہاڑ ریزہ ریزہ کردیئے جائیں گے (فتّ ریزہ ریزہ کردینا جیسے دودھ وغیرہ میں ستّو گھول دیئے جاتے ہیں)

هَبَآءً روشن دان کے شگافوں میں جو اڑتے ہوئے خاکی ذرات سورج کی پڑتی ہوئی شعاعوں کی وجہ سے نظر آتے ہیں ان کو ھَبا کہتے ہیں۔

مُّنْۢبَثًّا منتشر

وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۝٧ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ۬ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝٨ وَاَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۙ۬ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۝٩ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝١٠ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝١١ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝١٢

اور تم تین قسم کے ہوجاؤ گے (کچھ) دائیں طرف والے کیسے اچھے ہوں گے دائیں طرف والے اور (کچھ) بائیں طرف والے اور کیسے بُرے ہوں گے بائیں طرف والے اور

جو اعلیٰ درجہ کے ہوں گے وہ تو اعلیٰ درجے کے ہی ہیں وہ تو (اللہ کے) مقرب ہوں گے آرام کے باغ میں ہوں گے۔

اَزْوَاجًا اے امتِ محمدیہ تمہاری تین صنفیں ہوں گی وہ صنف جو دوسری صنف کے ساتھ ہو یا دوسری صنف کے ساتھ اس کا ذکر کیا جائے اس کو زوج کہتے ہیں۔

فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَۃِ یعنی وہ لوگ جن کو دائیں سمت کو جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جس روز حضرت آدمؑ کی پشت سے ان کی ساری نسل برآمد کی گئی تھی، ان کے دو گروہ بنا دیئے گئے تھے ایک گروہ دائیں طرف والا جن کے متعلق اللہ نے فرمایا تھا ھٰؤلاء للجنۃ اَصحاب المیمنۃ سے وہی لوگ مراد ہیں۔ (اور دوسرا گروہ بائیں طرف والا دوزخیوں کا تھا جن کو اَصحاب المشئمۃ کہا گیا ہے انہی کے متعلق اللہ نے فرمایا تھا ھٰؤلاء للنار۔ مترجم)

ضحاک نے کہا اَصحاب المیمنۃ وہ لوگ ہیں جن کے دائیں ہاتھوں میں اعمالنامے دیئے جائیں گے۔ ان تینوں اقوال پر میمنۃ کا لفظ یمین سے مشتق ہوگا جس کے معنی ہے دایاں ہاتھ یا دایاں جانب) اس کے مقابل یسار کا لفظ آتا ہے (بائیں طرف یا بایاں رُخ)

ربیع اور حسن نے کہا اصحاب المیمنۃ سے مراد ہیں برکت والے جن کی عمریں اللہ کی اطاعت میں گزری ہوں اس مطلب پر میمنۃ کا لفظ یُمن سے ماخوذ ہوگا۔ یُمن کے مقابل شُوم (نحوست) آتا ہے جس سے لفظ مشئمۃ ماخوذ ہے۔

مَآ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَۃِ استفہام تعجبی ہے یعنی یہ لوگ کیسے عظیم الشان اور کتنے بابرکت ہیں۔

وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَۃِ اور بائیں جانب والے تبائیں ہاتھ کو عرب شومی کہتے ہیں شام کو شام اور یمن کو یمن اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ملک شام کعبہ سے بائیں جانب اور یمن کعبہ سے دائیں جانب واقع ہے۔ بائیں سمت والوں کو دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا۔ یہ ہی خروج ذُرّیت کے وقت حضرت آدم کے بائیں

جانب، تھے یا یوں کہا جائے کہ ان لوگوں کے بائیں ہاتھوں میں اعمالنامے دیئے جائیں گے یا یوں کہا جائے کہ یہ لوگ خود اپنے لئے منحوس ہوئے ان کی عمریں گناہوں میں بسر ہوئیں۔

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اسلام طاعت اور قربِ خداوندی کی طرف سبقت کرنے والے۔

گروہ انبیاء ایمان اور اطاعتِ خداوندی میں سب کے پیشوا اور سب سے آگے ہیں۔ ان کی اُمتیں ان کی تابع ہیں انبیاء کا کامل اتباع کرنے والے اور بوراثت کمالاتِ نبوت حاصل کرنے والے اور خالص انوارِ ذاتیہ سے مشرف ہونے والے صحابہ کرامؓ اور ان کے بعض متبعین ہیں اسی لئے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جو ہجرت میں سبقت کرنے والے تھے۔ وہ ہی آخرت میں بھی پیش رو ہوں گے۔

عکرمہ نے کہا سابقین اولین سے مراد ہیں وہ لوگ جو اسلام میں سبقت کرنے والے تھے، یعنی صحابہؓ۔

ابن سیرین نے کہا وہ مہاجر اور انصار مراد ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی ربیع بن انس نے کہا دنیا میں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق میں سبقت کی وہ ہی جنت کی طرف سبقت کرنے والے ہوں گے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا پانچوں نمازوں کی طرف پیش قدمی کرنے والے مراد ہیں۔

ان تمام اقوال کا حاصل یہ ہے کہ السابقون السابقون سے صحابہ کرامؓ مراد ہیں۔

حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا سبقتکم الی الاسلام طرًّا غلاما ما بلغت اوان حلمی میں نے تم سب سے پہلے اسلام کی طرف پیش قدمی کی جب کہ میں لڑکا تھا، زمانۂ جوانی کو نہیں پہنچا تھا۔

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا صحابی سب کے سب کمالاتِ نبوت میں ڈوبے ہوئے تھے اور تابعین میں سے اکثر حضرات اور تبع تابعین میں بعض اشخاص بھی کمالاتِ نبوت میں مستغرق تھے لیکن اس کے بعد ۱۰۰۰ھ تک انوارِ نبوت مدہم اور ہلکے ہوتے رہے اور کمالاتِ ولایت کا ظہور ہونے لگا، اور وہ انوارِ ولایت جو صفائی اور ظلّی تجلّیات سے مستفاد تھے (سکر، شطح اور

خوارق و کرامات) نمودار ہونے لگے پھر ۱۰۰۰ھ کے بعد بعض افرادِ امت کو نبی کی سرشت پر پیدا کیا گیا اور اللہ نے کمالات نبوت سے ان کو سرفراز فرمایا (یہ لوگ کمالاتِ نبوت میں دورِ اول کے مشابہ ہو گئے) اسی وجہ سے امت کا آخری دور اول دور کی طرح اور اس کے مشابہ ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت کی مثال ایسی ہے جیسے بارش معلوم نہیں ہوتا کہ بارش کا ابتدائی حصہ زیادہ بہتر (مفید) ہے یا آخری حصہ۔ رواہ الترمذی عن انسؓ۔

امام جعفر صادق نے اپنے والد امام باقر کی روایت سے اپنے دادا کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بشارت ہو بشارت ہو، میری امت بارش کی طرح ہے کہ معلوم نہیں اس کا اول حصہ زیادہ بہتر ہوتا ہے یا آخری حصہ یا میری امت ایک باغ کی طرح ہے۔

حضرت ابو درداءؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کا بہترین حصہ ابتدائی اور آخری ہے درمیانی حصہ میں گدلاپن ہے۔ رواہ الحکیم الترمذی۔

اول السابقون میں الف لام جنسی ہے اور دوسرے السابقون میں الف لام عہدی ہے یعنی سابقین وہ سابقین ہیں جن کے حال، کمال اور مآل سے تم واقف ہو یا یہ مطلب ہے کہ سابقین وہی لوگ ہیں جو جنت کی طرف سبقت کرنے والے ہیں۔

اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ وہی اللہ کے مقرب ہیں۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۴﴾ ان کا ایک بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور تھوڑے پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے۔

ثُلَّةٌ یعنی کثیر۔

اَلْاَوَّلِيْنَ سے مراد ہیں صدرِ اول کے مسلمان یعنی تینوں قرون صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت کا بہترین قرن میرا قرن ہے (یعنی دورِ صحابہؓ) پھر وہ لوگ ہیں جو میرے قرن والوں کے متصل ہیں (یعنی تابعین) پھر وہ لوگ ہیں جو قرنِ دوئم کے متصل ہیں (یعنی تبع تابعین) ان کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو بغیر طلبِ شہادت کے گواہیاں دیں گے، خیانت کریں گے، امانتدار نہیں ہوں گے، نذریں مانیں گے مگر نذر کو پورا نہیں کریں گے۔ الخ متفق علیہ۔

مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے اور نسائی نے حضرت عمرؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث اسی طرح بیان کی ہے ترمذی اور حاکم نے حضرت عمرانؓ کی روایت سے خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ کے بجائے خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِيْ آخر الحدیث بیان کی ہے۔

صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بھی خَيْرُ الْقُرُوْنِ کی جگہ خَيْرُ النَّاسِ کا لفظ آیا ہے۔ مسلم نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے بھی یہی لفظ نقل ہوا ہے۔

صحیحین میں حضرت ابو سعیدؓ خدری کی مرفوع روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابیوں کو برا نہ کہو۔ اگر تم میں سے کوئی کوہِ اُحد کے برابر سونا راہِ خدا میں خرچ کرے گا تو میرے کسی ایک صحابی کے ایک سیر بلکہ آدھے سیر (چھوارے، غلہ وغیرہ) کے برابر بھی نہ ہوگا۔

اَلْاٰخِرِيْنَ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ۱۰۰۰ھ کے بعد ہوئے اور اللہ نے ان کو کمالاتِ نبوت سے سرفراز فرمایا۔

اکثر اہلِ تفسیر کا قول ہے کہ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ سے مراد ہیں وہ تمام امتیں جو حضرت آدمؑ سے رسول اللہ ﷺ کے عہدِ نبوت تک گزریں اور قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ سے امتِ محمدیہ مراد ہے۔

زجاج نے کہا جن لوگوں نے حضرت آدمؑ سے لے کر (رسول اللہ ﷺ تک) تمام انبیاء کو دیکھا اور سب کی تصدیق کی ان کی تعداد ان صحابہؓ سے زائد تھی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا۔

میں کہتا ہوں یہ تفسیر بعید از فہم اور خلافِ نقل ہے اس تفسیر پر تو لازم آتا ہے کہ سابق امتوں کو قربِ الٰہی امتِ محمدیہ سے بڑھ کر حاصل ہوگا اور اقوامِ ماضیہ کا مرتبہ عند اللہ اس امت سے اعلیٰ ہے کیونکہ اربابِ فضل کی کثرت امت کی فضیلت پر

دلالت کرتی ہے لیکن یہ قول آیاتِ قرآنیہ کے بھی خلاف ہے اور صحیح احادیث کے بھی، اللہ نے صراحتاً فرمایا ہے کُنتُم خَیرَ اُمَّۃٍ اُخرِجَت اور فرمایا تَکُونُوا شُھَدَآءَ عَلَے النَّاسِ وَیَکُونَ الرَّسُولُ عَلَیکُم شَھِیدًا۔

حدیثِ گرامی میں آیا ہے انتم تتمون سبعین امۃ انتم خیرھا واکرمھا علی اللہ بہز بن حکیم نے اپنے دادا کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے رواہ الترمذی وابن ماجہ والترمذی ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے۔

امام احمد بزار اور طبرانی نے صحیح حدیث سے بیان کیا کہ حضرت جابرؓ نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرمارہے تھے مجھے امید ہے کہ میری اتباع کرنے والے اہلِ جنت میں ایک چوتھائی ہوں گے، ہم نے یہ سن کر تکبیر کہی۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ (کل جنتی) لوگوں میں میری امت ایک تہائی ہوگی ہم نے پھر تکبیر کہی حضور نے فرمایا میں امید رکھتا ہوں کہ (کل جنتیوں میں) میری امت نصف ہوگی۔

امام بخاری نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم پسند کرو گے کہ (کل) اہل جنت میں تم ایک چوتھائی ہو، ہم نے عرض کیا جی ہاں، فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں امید کرتا ہوں کہ (کل) جنتیوں میں تم آدھے ہوگے۔

ترمذی، حاکم اور بیہقی نے حضرت بریدہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی۔ اسّی تمہاری اور چالیس باقی امتوں میں سے، ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔

طبرانی نے حضرت ابو موسیٰؓ حضرت ابن عباسؓ، حضرت معاویہ بن جیدہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایت سے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔

عَلٰی سُرُرٍ مَّوضُونَۃٍ ﴿۱۵﴾ مُّتَّکِـِٕینَ عَلَیھَا مُتَقٰبِلِینَ ﴿۱۶﴾ یَطُوفُ عَلَیھِم وِلدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ﴿۱۷﴾ بِاَکوَابٍ وَّاَبَارِیقَ ۙ وَکَاْسٍ مِّن مَّعِینٍ ﴿۱۸﴾ لَّا یُصَدَّعُونَ عَنھَا وَلَا یُنزِفُونَ ﴿۱۹﴾ وَفَاکِھَۃٍ مِّمَّا یَتَخَیَّرُونَ ﴿۲۰﴾ وَلَحمِ طَیرٍ مِّمَّا یَشتَھُونَ ﴿۲۱﴾

وہ لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ ان کے آس پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے، آتے جاتے رہیں گے، آبخورے اور آفتابے اور جاری رہنے والی شراب سے بھرے ہوئے جام لئے ہوئے، نہ اس (شراب) سے ان کو دردِ سر ہوگا نہ عقل میں فتور آئے گا اور ان کیلئے پسندیدہ میوے اور مرغوبِ خاطر پرندوں کا گوشت (بھی لئے ہوئے گھومیں گے)

مَوضُونَۃٍ وضن زرہ کی بناوٹ، بطورِ استعارہ ہر مضبوط بناوٹ کو وضن کہا جاتا ہے۔

سعید بن منصور، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے بوساطتِ مجاہد اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ مَوضُونَۃٍ کا معنی ہے سونے (کے تاروں) سے بنے ہوئے، کچھ مفسّروں نے کہا ملے ہوئے سونے اور جواہر سے بنے ہوئے ضحاک نے کہا قطار میں لگے ہوئے۔

مُتَقٰبِلِینَ ہناد نے مجاہد کا قول بیان کیا کہ (کسی کی پشت کسی کی طرف نہیں ہوگی) کوئی دوسرے کی پشت نہیں دیکھے گا۔ بغوی نے بھی مُتَقٰبِلِینَ کا یہی مطلب بیان کیا۔

اللہ نے اہل جنت کے حسنِ معاشرت، تہذیبِ اخلاق اور خلوصِ دوستی کو متقابلین کے لفظ سے ظاہر کردیا۔

یَطُوفُ یعنی خدمت کے لئے ان کے پاس آمدورفت رکھیں گے۔

وِلدَانٌ بعض اہلِ علم نے ترجمہ کیا وہ لڑکے جو خدمتِ اہلِ جنت کے لئے ہی پیدا کئے گئے ہیں۔

مُخَلَّدُونَ یعنی نہ وہ مریں گے نہ بوڑھے ہوں گے اور نہ ان میں اور کوئی تغیر آئے گا بلکہ ہمیشہ لڑکوں ہی کی شکل پر رہیں گے۔

فراء نے کہا جو شخص زیادہ عمر کا ہو جائے اس کے بال دو رنگے (کچھ سیاہ کچھ سفید) ہو جائیں عربی میں اسکو مخلد کہتے ہیں۔
ابن کیسان نے کہا وہ لڑکے ہی رہیں گے ان کی حالت میں کوئی تغیر نہیں آئے گا۔
سعید بن جبیرؓ نے مُخَلَّدُوْنَ کا ترجمہ کیا کانوں میں بالے پہنائے ہوئے اگر کسی باندی یا لڑکی کو کوئی شخص بالی پہنا دے تو کہا جاتا ہے خلد جاریۃ۔
حسن نے کہا وہ دنیا والوں کی ہی اولاد ہوگی جنہوں نے نہ نیکیاں کی ہوں گی کہ ثواب پائیں نہ گناہ کئے ہوں گے کہ عذاب میں ماخوذ ہوں بلکہ ان کو اہل جنت کا خادم بنا دیا جائے گا۔
ابن مبارک ہناد اور بیہقی نے حضرت ابن عمرؓ کا قول بیان کیا ہے کہ سب سے کم درجہ کا جنتی وہ ہوگا جس کے ایک ایک کام کے لئے ہزار خادم اس کے آس پاس دوڑیں گے اور دوسرے کام کے لئے دوسرے خادم ہوں گے) اس کے کام پر دوسرے مقرر نہیں ہوں گے۔
ابن ابی الدنیا نے حضرت انسؓ کی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ تمام جنتیوں میں سب سے نچلے جنتی کے سرہانے (یعنی پشت کی طرف) دس ہزار خادم کھڑے ہوں گے۔
حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ اہل جنت میں سب سے کم درجہ والے کے پاس صبح شام پانچ ہزار خادم آمد و رفت کریں گے اور ان میں سے ہر ایک کے پاس (طرح طرح کے پھلوں اور کھانوں کا) ایک برتن ہوگا جو اس کے ساتھی کے پاس نہ ہوگا اور اہلِ جنت میں کوئی بھی ادنیٰ درجہ والا نہیں ہوگا (یعنی اہل جنت میں مرتبہ کی بلندی اور پستی اضافی ہوگی واقع میں کسی کا درجہ پست نہیں ہوگا)
بِاَکْوَابٍ اکواب کُوْبٌ کی جمع ہے کوب وہ آبخورہ جس کا منہ گول ہو اور اس کا قبضہ نہ ہو ہناد نے مجاہد کا یہی قول نقل کیا ہے لیکن ابن جریر نے بروایتِ عوفی بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اکواب چاندی کی گھڑیاں۔
وَاَبَارِیْقَ آفتابے یعنی لوٹے جن کے قبضے ہوتے ہیں رنگ کی صفائی اور چمک کی وجہ سے ان کو اباریق کہا گیا بروق کا معنی ہے چمک۔
وَکَاْسٍ شراب سے بھرے ہوئے جام کو کاس کہا جاتا ہے اگر جام میں شراب نہ ہو تو اس کو کاس نہیں کہا جاتا۔
مَّعِیْنٍ ہمیشہ چشمہ سے جاری رہنے والی شراب جو کبھی منقطع نہیں ہوگی۔
لَا یُصَدَّعُوْنَ شراب پینے سے دردِ سر ہو جاتا ہے لیکن جنت کی شراب سے دردِ سر پیدا نہ ہوگا۔
وَلَا یُنْزِفُوْنَ کوفیوں نے ینزِفون بکسر زاء (انزاف مصدر باب افعال) پڑھا ہے اور باقی قراء نے بفتح زاء ینزَفون پڑھا ہے۔
قاموس میں ہے نَزَفَ بروزن عَنیٰ اس کی عقل جاتی رہی یا اس کو نشہ ہو گیا اور اسی سے ہے لاینزفون۔
صاحب صحاح نے لکھا ہے انزف القوم ماء بیر ہم لوگوں نے اپنے کنویں کا سارا پانی کھینچ لیا (نزف ثلاثی مجرد کا بھی یہی معنی ہے لیکن اَنزف زیادہ بلیغ ہے کوفیوں کی قرأت پر یہ معنی ہوگا کہ ان کی شراب کبھی ختم نہیں ہوگی اور دوسرے قاریوں کی قرأت کے یہ معنی ہوں گے کہ ان کی عقلوں میں فتور نہیں آئے گا۔
یَتَخَیَّرُوْنَ جو کچھ وہ پسند کریں گے۔
وَلَحْمِ طَیْرٍ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جوں ہی جنتی کے دل میں کسی پرندے کے گوشت کا خیال گزرے گا فوراً وہ پرندہ جنتی کی خواہش کے موافق مجسّم اس کے سامنے آپڑے گا۔
بزار، ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کے اندر تم جس پرندہ کو دیکھ کر اسکی خواہش کرو گے وہ فوراً بھنا ہوا تمہارے آگے آجائے گا۔
ابن ابی الدنیا نے ابو امامہ کا بیان نقل کیا ہے کہ جنت کے اندر جنتی آدمی جس پرندے کے گوشت کی خواہش کرے گا

فوراً وہ پرندہ جو بختی اونٹ کی طرح ہوگا بھنا ہوا جنتی کے دستر خوان پر آکر گرے گا نہ دھواں اس کو لگا ہوگا نہ اس کو آگ نے چھوا ہوگا جنتی اس میں سے سیر ہو کر کھا چکے گا تو وہ اڑ جائے گا۔

بیہقی نے حضرت حذیفہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کے اندر (کچھ) پرندے بُختی اونٹوں کی طرح (یعنی جسامت میں ہوں گے۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا پھر وہ تو عیش میں ہوں گے۔ فرمایا ان سے زیادہ عیش میں وہ لوگ ہوں گے جو ان کو کھائیں گے اور ابو بکرؓ تم انہی کھانے والوں میں سے ہو گے۔

احمد اور ترمذی نے حضرت انسؓ کی روایت سے ایسی ہی حدیث بیان کی ہے۔

ہناد نے بروایتِ حسن بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کے اندر (کچھ) پرندے بختی اونٹوں کی مثل ہوں گے وہ پرندہ جنتی کے پاس خود چلا آئے گا جنتی اس میں سے (حسبِ خواہش) کھالے گا پھر وہ اڑ جائے گا ایسا معلوم ہوگا کہ اس کے کسی حصہ میں کمی آئی ہی نہیں۔

ہناد اور ابن ابی الدنیا نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کے اندر ایسا پرندہ ہوگا کہ اس کے ستر ہزار پر ہوں گے وہ خود آکر جنتی کی رکابی میں گر پڑے گا پھر بازو پھڑ پھڑائے گا تو اس کے ہر پر سے ایک رنگ نکلے گا جو برف سے زیادہ سفید، مکھن سے زیادہ نرم اور شہد سے زیادہ شیریں ہوگا اور اس کے مشابہ کسی دوسرے پر کا رنگ نہیں ہوگا، اس کے بعد وہ اُڑ کر چلا جائے گا۔

ہناد کا بیان ہے کہ مغیث بن سمی نے کہا طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے جنت کے اندر کوئی مکان ایسا نہیں ہے کہ اس درخت کی کسی نہ کسی شاخ کا اس پر سایہ نہ ہو، اس درخت میں رنگا رنگ کے پھل ہیں، بختی اونٹ جیسے پرندے اُس پر اُترتے ہیں (جنتی) آدمی جب دل میں اس کی خواہش کرے گا اور اس کو بلائے گا تو وہ فوراً اس کے دستر خوان پر آکر گر جائے گا جنتی اس کے ایک طرف سے بُھنا ہوا گوشت کھائے گا اور اس کے دوسرے پہلو سے پھر وہ پرندہ لوٹ کر ویسا ہی ہو جائے گا جیسا تھا اور اُڑ کر چلا جائے گا۔

وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿۲۲﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ اور (ان کے لئے) گوری گوری بڑی آنکھوں والی عورتیں (یعنی حوریں) ہوں گی جیسے (حفاظت سے) پوشیدہ رکھا ہوا موتی۔ یہ ان کے اعمال کے صلہ میں ہوگا۔

مجاہد نے کہا حور کی پنڈلیوں کا مغز کپڑوں کے باہر سے نمایاں ہوگا حورِ عین کا ترجمہ سیاہ پتلیوں، بڑی آنکھوں والیاں بھی کہا گیا ہے۔

بیہقی کا بیان ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول مجھے حورِ عین کا معنی بتایئے۔ فرمایا گورے رنگ کی دراز پلک والیاں جیسے گِدھ کے پر۔ میں نے عرض کیا کَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ کا کیا مطلب ہے فرمایا جیسے سیپ کے اندر موتی چھپا ہوا صاف اور ہاتھوں کے چھونے سے آزاد ہوتا ہے وہ حوریں صفائی میں ایسے ہی موتی کی طرح شفاف ہوں گی۔

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ جنت میں ایک نور چمکے گا تو لوگ کہیں گے کوئی حور اپنے شوہر کے سامنے ہنسی یہ اس کے دانتوں کی چمک ہے۔

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حور جب چلے گی تو اس کی پنڈلیوں کی پازیبیں اللہ کی تقدیس کریں گی، اور اس کی کلائیوں کے کنگن اللہ کی بندگی بیان کریں گے اور اس کے سینہ کا یاقوتی ہار ہنسے گا اس کے دونوں پاؤں میں سونے کی جوتیاں ہوں گی جن کے تسمے موتی کے ہوں گے اور وہ اللہ کی پاکی بیان کریں گے اور تقدیس و تمجید و تسبیح کی یہ آوازیں سنی جائیں گی۔

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾ اور وہاں وہ نہ بک بک سنیں گے اور نہ کوئی بیہودہ بات (ہر طرف سے) سلام ہی سلام کی آواز آئے گی۔

لَغۡوًا باطل (بیہقی از ابن عباس، بیا سود وہ بات ہناد از ضحاک)
تَاۡثِیۡمًا یعنی گناہ کی طرف ان کو کوئی منسوب نہیں کرے گا ان سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ تم نے گناہ کیا یا برا کام کیا۔
بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ اور ہناد کا قول بیان کیا کہ تاثیما سے مراد ہے جھوٹ۔
قِیۡلًا قیل بمعنی قول۔
سَلٰمًا یعنی سلامتی والا۔ امام احمدؒ بزار اور ابن حبان نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مخلوقِ خدا میں سب سے پہلے جنت کے اندر وہ فقراء مہاجرین داخل ہوں گے جن کے ذریعے سے اسلامی سرحدوں کی حفاظت ہوتی ہے اور مکروہات دفع کئے جاتے ہیں اور اس کے باوجود وہ اپنی حاجت اپنے سینوں میں لئے مرجاتے ہیں پوری نہیں کرپاتے اللہ اپنے فرشتوں میں سے جس کو چاہے گا حکم دے گا کہ ان مہاجروں کے پاس جاؤ اور ان کو سلام کرو۔ فرشتے عرض کریں گے ہم آسمان کے باشندے اور تیری مخلوق میں سب سے افضل ہیں۔ اس پر بھی تو ہم کو ان کے پاس جانے اور سلام کرنے کا حکم دے رہا ہے (یہ لوگ کتنے اعلیٰ مرتبے والے ہیں) اللہ فرمائے گا وہ (میرے) بندے تھے میری ہی عبادت کرتے تھے، میری عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتے تھے، ان سے سرحدوں کی حفاظت ہوتی تھی اور مکروہات کو دفع کیا جاتا تھا اور وہ اپنی حاجت اپنے سینوں میں لئے مرجاتے تھے، حاجت پوری نہیں کرپاتے تھے حسب الحکم فرشتے ان کے پاس جائیں گے اور ہر دروازہ سے داخل ہو کر کہیں گے تم پر سلامتی ہو کیونکہ تم نے صبر کیا، تمہارا آخری مکان کیسا اچھا ہے۔
سعید بن منصور نے سنن میں اور بیہقی نے البعث میں بروایتِ عطاء بیان کیا کہ مجاہد نے فرمایا جب طائف والوں کی درخواست کے موافق ان کے وادی کا شہد ان کے لئے محفوظ کردیا گیا (اور ان کے وادی کا شہد کسی باہر والے کو حاصل کرنے کی ممانعت کردی گئی) تو کچھ لوگ کہنے لگے جنت میں ایسا ایسا ہوگا کاش جنت میں ہمارے لئے اس وادی کی طرح کوئی وادی ہو اس پر آیتِ ذیل نازل ہوئی۔

وَاَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ ۙ۬ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ ﴿۲۷﴾ فِیۡ سِدۡرٍ مَّخۡضُوۡدٍ ﴿۲۸﴾ وَّطَلۡحٍ مَّنۡضُوۡدٍ ﴿۲۹﴾ وَّظِلٍّ مَّمۡدُوۡدٍ ﴿۳۰﴾
وَّمَآءٍ مَّسۡکُوۡبٍ ﴿۳۱﴾ وَّفَاکِہَۃٍ کَثِیۡرَۃٍ ﴿۳۲﴾ لَّا مَقۡطُوۡعَۃٍ وَّلَا مَمۡنُوۡعَۃٍ ﴿۳۳﴾ وَّفُرُشٍ مَّرۡفُوۡعَۃٍ ﴿۳۴﴾

اور داہنی طرف والے وہ کیسے اچھے ہوں گے دائیں طرف والے وہ ایسے باغوں میں ہوں گے جہاں بے خار بیریاں اور تہ بر تہ کیلے اور وسیع سایہ اور آبِ رواں اور کثیر خوش مزہ پھل ہوں گے، جو نہ ختم ہوں گے اور اہل جنت کے لئے نہ ان کی روک ٹوک ہوگی اور اونچے اونچے فرش ہوں گے۔
بیہقی کی ایک روایت میں مجاہد کا قول آیا ہے کہ ان لوگوں کو کیلے اور بیری کے سائے عجیب معلوم ہوتے تھے اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔
اَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ وہ پاک باطن نفوسِ مطمئنہ والے متقی ہوں گے جن کے دل روشن ہیں پھر آخرت میں انہیں کے ساتھ گناہ گار اہل ایمان کو بھی شامل کردیا جائے گا خواہ انبیاء اور صلحاء کی سفارش سے ان کے گناہوں کو معاف کردیا جائے گا یا اللہ بغیر شفاعت کے ان کی خطاؤں کو بخش دے گا یا عذاب دینے کے بعد پاک صاف کر کے صلحاء اور اہلِ تقویٰ کے ساتھ ملا دے گا کیونکہ جہنم سے مؤمن کے گناہوں کا میل ایسا صاف ہو جائے گا جیسے لوہار کی بھٹی سے لوہے کا میل صاف ہو جاتا ہے۔
فِیۡ سِدۡرٍ مَّخۡضُوۡدٍ مخضود معنی ہے بے خار یعنی جس کے کانٹے کاٹ دیئے گئے ہوں یا وہ شاخ جو پھلوں کی کثرت کی وجہ سے بوجھ کے مارے دوہری ہو رہی ہو صاحب قاموس نے لکھا ہے خضد الشجر درخت کے کانٹے کاٹ دیئے اور خضد الغصن تر اور نرم ہونے کی وجہ سے شاخ کو دوہرا کردیا۔
بیہقی نے حضرت ابوامامہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک اعرابی نے دریافت کیا یارسول اللہ اللہ نے قرآن میں ایسے درخت کا ذکر کیا جس (کو چھونے اور چھینے) سے آدمی کو تکلیف ہوتی ہے فرمایا وہ کون سا درخت ہے، اعرابی نے عرض کیا بیری کا

درخت جس میں کانٹے ہوتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ نے فِی سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ فرمایا ہے (یعنی) اللہ اس کے کانٹے توڑ دے گا اور ہر کانٹے کی جگہ ایک پھل پیدا کر دے گا، پھر ہر پھل پھٹ کر اس سے بہتر رنگ کے کھانے برآمد ہوں گے اور کوئی رنگ دوسرے رنگ کے مشابہ نہیں ہوگا۔

طبرانی نے بھی عتبہ بن عبد کی روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی ہے۔

بیہقی نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے مَخْضُوْد کا معنی ہے (پھلوں کے) بوجھ سے لدا ہوا اور طَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ سے مراد ہے تہ بر تہ کیلا۔

وطلح فراء اور ابو عبیدہ نے کہا طلح عربی میں ایک بڑے درخت کو کہتے ہیں جس میں کانٹے ہوتے ہیں۔

قاموس میں ہے طلح ایک بڑا درخت اور کیلا۔

صحاح میں ہے طلح ایک درخت یہ جمع ہے طلحہ کی۔

بیضاوی میں لکھا ہے طلح کیلا یا کیکر کا درخت۔

مَّنْضُوْدٍ تہ بر تہ پھل ایک دوسرے پر چنے ہوئے۔ ابن مبارک، ہناد اور بیہقی نے لکھا ہے کہ مسروق نے کہا جنت کے درخت خرما جڑ سے چوٹی تک تہ بر تہ پھلوں سے لدے ہوں گے اور وہ پھل مٹکوں جیسے ہوں گے اگر ایک پھل توڑ لیا جائے تو فوراً دوسرا پھل اس کی جگہ پیدا ہو جائے گا اور ایک گچھا بارہ ہاتھ کا ہوگا۔

بغوی کا روایت میں مسروق کے یہ الفاظ آئے ہیں جنت کے درخت جڑ کے سونتوں سے لے کر ٹہنیوں تک سارے پھل ہی پھل ہوں گے۔

قاموس میں ہے اگر سامان ایک کے اوپر ایک چنا ہوا ہو تو کہتے ہیں نَضِیْد مَتَاعَہٗ

صحاح میں ہے نضید وہ تخت جس پر سامان چنا ہوا ہو اسی سے بطور مجاز طلح نضید کہا گیا۔

وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ممدود پھیلا ہوا جیسا طلوع آفتاب سے پہلے ہوتا ہے یا ممدود سے مراد ہے دوامی سایہ جو سورج کی وجہ سے مفقود نہ ہو عرب ہر غیر منقطع چیز کو ممدود کہتے ہیں۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت میں ایک درخت ہے جس کے سایہ میں گھوڑے کا سوار سو برس چلنے کے بعد بھی اس کو طے نہیں کر سکے گا۔ اگر تم اس کا ثبوت چاہتے ہو تو پڑھو وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ۔

امام احمدؒ کی روایت بھی اسی طرح ہے لیکن اس کے آخر میں اتنا زائد ہے کہ اس کے پتے جنت کو ڈھانک لیں گے۔

ہناد بن سری نے الزہد میں یہ بھی کہا ہے کہ اس حدیث کی اطلاع کعب کو پہنچی تو انہوں نے کہا قسم ہے اس خدا کی جس نے موسیٰؑ پر توریت اور محمد ﷺ پر قرآن نازل کیا۔ اگر کوئی شخص پنج سالہ یا چار سالہ اونٹ پر سوار ہو کر اس درخت کے گرد چکر لگائے بوڑھا ہونے تک اس کا چکر پورا نہ کر سکے گا۔ اور گر جائے گا اللہ نے اپنے ہاتھ سے اس کو بویا ہے اور اس کی ٹہنیاں جنت کے حاطہ کے باہر تک چھائی ہوئی ہیں۔ جنت کے اندر جو دریا ہے وہ اسی درخت کی جڑ ہی سے نکلا ہے۔

بغوی نے بروایتِ عکرمہ وظل ممدود کی تشریح کے ذیل میں حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جنت کے اندر سابق عرش پر ایک درخت ہے اہلِ جنت اس کی جڑ کے پاس بیٹھ کر باتیں کریں گے اور بعض لوگ دنیوی کھیل کے خواہش مند ہوں گے اس وقت اللہ جنت کی ایک ہوا بھیج دے گا جس سے وہ درخت حرکت میں آ جائے گا اور اس سے دنیا کے ہر کھیل کی آوازیں نکلیں گی۔

وَمَاءٍ مَّسْكُوْبٍ اور آب جاری جو بغیر گڑھے کے ہموار زمین پر بہے گا اور اس کی روانی کبھی منقطع نہیں ہوگی۔ سابقین مقربین جس راحت میں ہوں گے اس کی تصویر کشی ان نعمتوں کا ذکر کر کے کر دی جو شہری متمدن لوگوں کے خیال میں آ سکتی تھیں۔ اس کے بعد اصحاب یمین کے انعامات کا تذکرہ ان الفاظ میں کر دیا جن کی تمنا صحرائی بدوی کر سکتے تھے۔

وَفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ یعنی کثیر اجناس کے پھل۔

لَا مَقْطُوْعَۃٍ وَّلَا مَمْنُوْعَۃٍ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ پھل درختوں سے توڑے جانے کے بعد بھی منقطع نہیں ہوں گے، فوراً دوسرے پھل پیدا ہو جائیں گے) اور جو بھی ان کو توڑنا چاہے گا اس کو روکا نہیں جائے گا۔
یعنی ہر جنتی جوان کا خواہشمند ہوگا ہر حالت میں توڑ لے گا اس مضمون کی تائید کرتی ہے وہ حدیث جس کو حضرت ثوبان نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمارہے تھے جو کوئی جنتی کسی پھل کو درخت سے چن لے گا، فوراً دوبارہ اس کی جگہ اسی کی مثل دوسرا پھل پیدا کر دیا جائے گا۔ رواہ الطبرانی۔
بغوی نے ان الفاظ میں حدیث مذکور بیان کی ہے جنت کے جو پھل توڑے جائیں گے اللہ ان کی جگہ ان سے دوگنے پھل پیدا کر دے گا۔ بعض علماء نے لَا مَقْطُوْعَۃٍ وَّلَا مَمْنُوْعَۃٍ کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ وہ زمانے کی تبدیلی سے منقطع نہیں ہوں گے اور قیمت نہ ہونے کی وجہ سے ان کا ملنا ممنوع نہ ہوگا دنیا کے پھل فصلی ہوتے ہیں اور قیمت سے ملتے ہیں اور فصل گزرنے کے بعد نہیں ملتے اور قیمت نہ ہو تو دستیاب نہیں ہوتے مگر جنت کے پھل ایسے نہیں ہوں گے۔
وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَۃٍ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا اور مسہریوں پر بچھے ہوئے بستر۔ مفسرین کی ایک جماعت کا قول ہے کہ مَرْفُوْعَۃ سے مراد ہیں اونچے اونچے۔
امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ، بیہقی اور ابن ابی الدنیا نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دونوں بستروں کے درمیان اتنا فرق ہوگا جتنا آسمان و زمین کے درمیان ہے اور دونوں کے درمیان فاصلہ پانچ سو برس کی راہ کے برابر ہے۔ بغوی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔
ترمذی نے لکھا ہے کہ بعض اہلِ علم نے اس آیت کی تفسیر میں کہا درجہ میں دونوں بستروں کا تفاوت اتنا ہوگا جتنا زمین و آسمان کا تفاوت۔
ابن ابی الدنیا نے حضرت ابو امامہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ اگر سب سے اونچا فرش سب سے نچلے فرش پر گر جائے تو چالیس برس میں نہ پہنچ سکے۔ طبرانی نے حضرت ابو امامہؓ کی مرفوع روایت سے بیان کیا کہ اگر سب سے اونچی بلندی سے فرش کو نیچے پھینک دیا جائے تو نیچے قرار گاہ تک سو برس میں پہنچے۔
بعض اہلِ تفسیر کے نزدیک فرش سے مراد ہیں (بستروں والیاں) یعنی عورتیں عرب عورتوں کو بستر اور لباس کہتے ہیں۔ اس صورت میں مَرْفُوْعَۃ کا معنی ہوگا حسن اور فضیلت میں دنیوی عورتوں سے اونچی یا مسہریوں پر ان کا اونچا ہونا۔
اس تفسیر کی تائید اگلی آیت سے ہوتی ہے۔

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۳۸﴾ ع ۱ ۱۴

ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے یعنی ان کو اس طور پر بنایا کہ وہ کنواری ہیں، محبوبہ ہیں، ہم عمر ہیں دائیں طرف والوں کے لئے۔
اگر فرش سے مراد عورتیں ہوں تو ہُنَّ کی ضمیر فرش کی طرف راجع ہوگی اور اگر فرش سے عورتیں مراد نہ ہوں تو مرجع مذکور نہ ہوگا۔ کیونکہ سیاق کلام سے سننے والا سمجھ جاتا ہے کہ عورتیں ہی مراد ہو سکتی ہیں۔
اِنْشَآءً یعنی نئی تخلیق کی یا بغیر طریق ولادت کے ابتدائی تخلیق کی یا دوبارہ تخلیق کی۔
بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد وہ بوڑھی عورتیں ہیں جن کے کچھ بال سفید اور کچھ سیاہ ہوں اللہ ان کو پیری کے بعد از سر نو جوان کر دے گا۔
اَبْكَارًا کنواریاں جب جب ان کے شوہر ان کے پاس جائیں گے ان کو دوشیزہ پائیں گے اور کوئی دکھ نہ ہوگا۔
سعید بن منصور اور بیہقی نے شعبی کی روایت سے اور ترمذی و بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً کی تشریح میں فرمایا وہ بوڑھی جو دنیا میں کھچڑی بالوں والی تھیں اور ان کی آنکھوں سے چیپڑ

بستے تھے ان کو اللہ از سرِ نو ابکار کر دے گا)
ابن جریر اور بیہقی کا بیان ہے کہ حضرت مسلمہ بن یزید نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ان سے مراد ہیں وہ عورتیں جو دنیا میں بوڑھی اور ابکار تھیں۔

بیہقی اور ابن المنذر نے حسن کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت میں کوئی بوڑھی عورت داخل نہ ہوگی، یہ سن کر ایک بڑھیا رونے لگی حضور نے فرمایا اس کو بتا دو کہ وہ اس روز بڑھیا نہ ہوگی جوان ہوگی انشاء اللہ۔ اللہ فرماتا ہے اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً۔

بیہقی نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اس وقت میرے پاس ایک بڑھیا بیٹھی ہوئی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ کون ہے، میں نے عرض کیا میری ایک خالہ ہے فرمایا جان لو کہ کوئی بوڑھیا جنت میں داخل نہ ہوگی بوڑھیا کو یہ سن کر دہ (غم پیدا ہو گیا جو اللہ نے چاہا حضور نے فرمایا اللہ فرماتا ہے اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ خَلْقًا اٰخَرَ۔

طبرانی نے الاوسط میں دوسری سند سے حضرت عائشہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک بوڑھی عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ دعا فرمائیے کہ اللہ مجھے جنت میں داخل فرما دے، فرمایا جنت میں کوئی بوڑھیا داخل نہیں ہوگی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں نے کہا آپ کے کلام سے اس کو دکھ اور تکلیف پہنچی۔ فرمایا انشاء اللہ یہ بات ایسی ہی ہوگی جب اللہ ان کو داخل کرنا چاہے گا تو ان کو (یعنی بوڑھی عورتوں کو) دوشیزہ بنا کر داخل فرمادے گا۔

مقاتل وغیرہ نے کہا ان سے مراد (عورتیں نہیں ہیں بلکہ حوریں مراد ہیں ان پر ولادت کا بار نہیں پڑا۔ اللہ نے ان کو کنواریاں ہی پیدا کیا اور کوئی دکھ وہاں نہیں ہے۔

عُرُبًا یہ عَرُوْب کی جمع ہے شوہروں کی شیفتہ اور حبیبہ ابن ابی حاتم نے حضرت جعفر بن محمد کی راویت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے عربا کی تشریح میں فرمایا ان کا کلام عربی ہوگا۔

اَتْرَابًا ہم عمر۔ بیہقی کا بیان ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ عربا اترابا کا کیا مطلب ہے فرمایا دنیا میں جو بوڑھی عورتیں کھچڑی بالوں والی اور آنکھوں سے چیپڑ بہنے والی ہوں گی۔ اللہ ان کو اس بڑھاپے کے بعد (قیامت کے دن جب) پیدا کرے گا تو ان کو کنواری بنادے گا۔

عُرُبًا یعنی محبوبہ (شوہروں کو پیاری) اترابا ہم عمر سب ۳۳ برس کی ہوں گی اور ان کے شوہر بھی اسی عمر کے ہوں گے۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب جنت والے جنت میں داخل ہوں گے اس وقت برہنہ بدن، بے ریش و بروت، گورے رنگ کے اور گھونگھریالے بالوں والے ہوں گے۔ سب ۳۳ سال کی عمر کے ہوں گے، سب آدمؑ کے قد پر ہوں گے، لمبائی ساٹھ ہاتھ چوڑائی سات ہاتھ۔ رواہ احمد والطبرانی فی الاوسط وابن ابی الدنیا والبغوی بسند حسن۔

حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا والوں میں سے جو کوئی بچپن میں مر جائیں گے یا بوڑھے ہو کر (بہر حال) اس کو دوبارہ ۳۳ برس کا کر کے جنت میں داخل کیا جائے گا اس سے زیادہ کبھی بھی نہ ہوں گے اور دوزخی بھی ایسے ہی ہوں گے، رواہ الترمذی وابو یعلیٰ وابن ابی الدنیا۔

حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اہلِ جنت جنت میں داخل ہوں گے برہنہ بدن، بے ریش و بروت، سرمگیں چشم ۳۳ سال عمر۔

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنتی جب جنت میں داخل ہوں گے تو ان کا قدم آدمؑ کے قد کے برابر ساٹھ ہاتھ (یعنی شاہی گز) اور حسن یوسفؑ جیسا اور عمر عیسیٰؑ کی پیدائش کے برابر۔ عیسیٰ کی دنیا میں رہنے کی ابتدائی عمر یعنی ۳۳ سال ہوگی اور ان کی زبان محمد ﷺ کی زبان ہوگی، برہنہ بدن بغیر ڈاڑھی مونچھ کے سرمگیں چشم ہوں گے رواہ الطبرانی

حضرت مقداد بن اسودؓ کی مرفوع روایت ہے کہ لوگوں کا حشر اس عمر میں ہوگا جو پیٹ سے گرنے والے بچے اور پیر فانی کے درمیان ہوتی ہے یعنی ۳۳ سال کی عمر اور جسمانی بناوٹ (اہل جنت کی) آدمؑ جیسی اور حسن یوسفؑ کا اور دل ایوبؑ کا ہوگا۔ رواہ الطبرانی۔

لِاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ اس کا تعلق اَنْشَاْنٰهُنَّ سے ہے یا جَعَلْنٰهُنَّ سے یا یہ اَبْكَارًا کی صفت یا مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی هُنَّ لِاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۰﴾ ان کا ایک بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور ایک بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں سے ہوگا۔

یعنی اسی امت کے متقدمین (پہلے لوگوں) میں سے بہت اور اسی امت کے متاخرین (پچھلے بعد کو آنے والے لوگوں) میں سے بہت۔

ابو العالیہ، مجاہد، عطاء بن ابی رباح اور ضحاک نے آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔

بغوی نے سعید بن جبیرؒ کے حوالہ سے ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دونوں سب کے سب میری امت میں سے ہوں گے مسدد نے مسند میں اور طبرانی و ابن مردویہ نے حضرت ابو بکرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ثلة مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ کی تشریح میں فرمایا دونوں یعنی اوّلین و آخرین سب میری امت میں سے ہوں گے۔

دار قطنی نے اس حدیث کو معلّل کہا ہے اور صراحت کی ہے کہ ابو بکرؓ کی حدیث کا ثبوت نہیں ہے۔ اس تفسیر پر آیت کے مفہوم کا مقتضایہ ہوگا کہ یہ امت کبھی بھی اصحاب الیمین سے خالی نہ ہوگی۔ (یعنی قیامت کے جو اصحاب الیمین ہوں گے وہ اس امت میں ہر زمانہ میں کم و بیش موجود رہیں گے)

شیخین نے صحیحین میں حضرت معاویہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں ہمیشہ ایک گروہ ایسا رہے گا جو اللہ کے حکم پر قائم ہوگا ان کی مدد نہ کرنے والے اور ان کی مخالفت کرنے والے ان کو ضرر نہ پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ اسی حالت میں اللہ کا حکم آجائے گا۔ (یعنی قیامت برپا ہو جائے گی)۔

ایک شبہ: بغوی نے عروہ بن رویم کی مرسل حدیث بیان کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر آیت ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ اس آیت کو سن کر رو دیے اور عرض کیا یارسول اللہ ہم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اللہ کے رسول کی تصدیق کی لیکن ہم میں سے نجات پانے والے تھوڑے ہوں گے اس پر آیت ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ نازل ہوئی۔ حضور نے حضرت عمرؓ کو طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا اللہ نے تمہارے قول کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی ہے حضرت عمرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ہم اپنے رب سے اور اس کے رسول کی تصدیق سے راضی ہیں۔ حضور نے فرمایا آدمؑ سے لے کر ہمارے دور تک (سب ملا کر) ایک ثُلّہ ہوگا اور مجھ سے شروع ہو کر قیامت تک ایک ثُلّہ ہے (یعنی الاوّلین سے مراد وہ امتیں ہیں جو آدم سے شروع ہو کر رسول اللہ ﷺ پر ختم ہو گئیں۔ اصحاب الیمین کا ایک بڑا گروہ تو ان کے مجموعہ میں سے ہوگا اور الآخرین سے مراد ہے امت محمدیہ تنہا اس امت میں سے ایک بڑا گروہ اصحاب الیمین کا ہوگا) اور اس کا خاتمہ لا الٰہ الا اللہ کہنے والے ان (مؤمن) حبشیوں پر ہوگا جو اونٹوں کے چرواہے ہوں گے، ابن ابی حاتم نے بھی عروہ کی یہ مرسل حدیث نقل کی ہے۔

ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں بوساطت عروہ بن رویم حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت سے اور امام احمد اور ابن المنذر اور ابن حاتم نے بعض مجہول راویوں کی سند سے حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب آیت ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ نازل ہوئی تو مسلمانوں پر یہ آیت بہت شاق گزری اس پر آیت ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ نازل ہوئی اس

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اوّلین سے مراد ہیں سابق امتیں حضرت آدم سے رسول اللہ ﷺ تک۔ میں کہتا ہوں دونوں حدیثوں میں تعارض قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ حضور نے فرمایا کہ آدمؑ سے میرے دور تک ایک بڑا گروہ ہے اور مجھ سے لے کر قیام تک ایک بڑا گروہ ہے یہ فرمان دوسرے قول کے منافی نہیں ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ دونوں میری امت میں سے ہوں گے کیونکہ وہ ثُلّہ جس کو امتِ محمدیہ قرار دیا گیا ہے اور صراحت کی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں شروع ہو کر قیامت تک رہے گی۔ ہو سکتا ہے کہ اسی کے دو حصے ہوں ایک کثیر گروہ متقدمینِ امت کا اور ایک کثیر گروہ متاخرینِ امت کا اور آیت میں مراد یہی دونوں گروہ ہوں (رسول اللہ ﷺ سے پہلے کی امتیں مراد نہ ہوں نہ الاوّلین سے نہ الآخرین سے)

مزید شبہ

اگر اَلاَوَّلِین اور اَلاٰخِرِیۡنَ سے مراد اسی امت کے دو حصے ہیں (یعنی متقدمین امت اور متاخرین امت) تو آیت قلیل من الاٰخرین کو سن کر حضرت عمرؓ کے رونے کی کیا وجہ تھی اور مسلمانوں پر اس آیت کا مضمون کیوں شاق گزرا۔

ازالہ

حضرت عمرؓ اور دوسرے مسلمانوں کے دلوں میں متاخرینِ امت کے لئے قَلِیۡلٌ کا لفظ سن کر ایک رقت پیدا ہوئی اور انہوں نے سمجھا کہ اس امت کے پچھلے حصہ میں نجات پانے والے کم ہوں گے اسی وجہ سے جب آیت ثُلَّۃٌ مِّنَ الۡاَوَّلِیۡنَ وَ ثُلَّۃٌ مِّنَ الۡاٰخِرِیۡنَ نازل ہوئی تو ان کو تسلی ہو گئی اور وہ سمجھ گئے کہ اہلِ قرب اگرچہ کم ہوں گے لیکن اصحابُ الیمین بہرحال بہت ہوں گے متقدمین امت میں بھی اور متاخرین امت میں بھی ثواب کا وعدہ اللہ نے سب سے کر رکھا ہے۔

آیت ثُلَّۃٌ مِّن الاوّلین وثُلّۃٌ مِّن الاٰخرین میں سے آیت ثلۃ من الاولین و قلیلٌ مِّن الاٰخرین منسوخ نہیں ہے کیونکہ یہ خبر ہے اور خبر میں نسخ جاری نہیں ہوتا۔ ایک خبر دوسری خبر سے منسوخ نہیں ہوتی اس کے علاوہ منسوخ ہونے کے لئے محل کا ایک ہونا ضروری ہے اور یہاں محل ایک نہیں ہے اول آیت یعنی قلیلٌ من الاخرین مقربین کے متعلق ہے اور دوسری آیت (یعنی ثلۃ من الاٰخرین) میں اصحابُ الیمین مراد ہیں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ الاوّلین سے مراد ہوں تمام انبیاء کے صحابی اور ان کے تابعی اس میں رسول اللہ ﷺ کے صحابی اور تابعی بھی داخل ہیں کیونکہ یہ لوگ آئندہ اتباع کرنے والوں سے سابق اور اول تھے اس کی تائید کر رہی ہے آیت وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُہٰجِرِیۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ وَالَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡہُمۡ بِاِحۡسَانٍ اور اَلۡاٰخِرِیۡنَ سے مراد ہوں قیامت کے قریب آنے والے اس امت کے افراد اس طرح اہلِ قرب تو تھوڑے سے ہوں گے اور اصحابُ الیمین اس امت میں بھی بہت ہوں گے اور دوسری امتوں میں بھی اسی کی تائید ہوتی ہے رسول اللہ کے اس قول سے کہ میں امید کرتا ہوں کہ تم اہلِ جنت میں آدھے ہو گئے ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ اسی صفیں تمہاری ہوں گی اور چالیس صفیں باقی تمام امتوں کی۔

بخاری کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ایک روز رسول اللہ ﷺ بر آمد ہوئے میرے سامنے (تمام امتیں لائی گئیں اور ان کے ساتھ ایک ہی آدمی (یعنی امتی) تھا کسی نبی کے ساتھ دو آدمی کسی نبی کے ساتھ ایک جماعت اور کسی نبی کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا۔ پھر میں نے اتنی کثیر جماعت دیکھی کہ اس نے آفاقِ سماء کو بند کر دیا تھا اور مجھے بتایا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے اور ان کے ساتھ ستر ہزار آدمی بغیر حساب کے جنت میں چلے جائیں گے۔ وہ مؤمن ہوں گے جو فال نہیں لیتے، منتر نہیں پڑھتے، داغ نہیں لگاتے اور اپنے رب پر ہی بھروسہ رکھتے ہیں۔ حضرت عکاشہ بن محصنؓ یہ سن کر آگے بڑھے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا میں ان میں سے ہوں، فرمایا ہاں اس کے بعد ایک اور شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا کیا میں بھی ان میں سے ہوں فرمایا اس میں عکاشہ تجھ سے سبقت لے گیا۔

بغوی نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رات میرے سامنے انبیاء مع اپنے متبعین کے لائے گئے یہاں تک کہ موسیٰؑ بنی اسرائیل کے ہجوم کے ساتھ میرے سامنے آئے میں نے ان کو دیکھ کر تعجب کیا اور عرض کیا اے میرے رب یہ کون ہیں، کہا گیا یہ تمہارے بھائی موسیٰؑ ہیں اور ان کے ساتھ بنی اسرائیل ہیں، میں نے عرض کیا اے میرے رب میری امت کہاں ہے، جواب دیا گیا اپنی دائیں طرف دیکھو (میں نے دیکھا) تو مکہ کی زمین لوگوں کے چہروں سے (یعنی سروں سے) بھری نظر آئیں، کہا گیا یہ آپ کی امت ہے کیا تم خوش ہوئے، میں نے عرض کیا اے میرے رب میں راضی ہوں، کہا گیا اپنے بائیں جانب دیکھو میں نے دیکھا تو لوگوں کے چہروں کی کثرت اتنی تھی کہ اُفق بند ہو گیا، کہا گیا یہ تمہاری امت ہے کیا تم راضی ہو، میں نے عرض کیا اے میرے رب میں راضی ہوں، کہا گیا کہ ان کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے جو بلا حساب جنت میں جائیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر تم ان ستر ہزار میں شامل ہو سکتے ہو تو ہو جاؤ اور اگر نہیں ہو سکتے اور ان میں شامل ہونے سے قاصر ہو تو دائیں والوں میں سے ہو جاؤ اور اگر ان میں شامل ہونے سے بھی قاصر ہو تو اُفق (بند کرنے) والوں میں سے ہو جاؤ کیونکہ میں نے وہاں بہت سے لوگوں کو مخلوط (کچھ اچھے کچھ بُرے) دیکھا تھا۔

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۵ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ ﴿۴۲﴾ وَّظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا کَرِیْمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّهُمْ کَانُوْا قَبْلَ ذٰلِکَ مُتْرَفِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَکَانُوْا یُصِرُّوْنَ عَلَی الْحِنْثِ الْعَظِیْمِ ﴿۴۶﴾

اور جو بائیں طرف والے ہیں وہ بائیں طرف والے کیسے برے ہیں وہ آگ میں ہوں گے اور کھولتے ہوئے پانی میں ہوں گے اور دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے جو نہ ٹھنڈا ہو گا نہ فرحت بخش یہ گاوہ لوگ اس سے پہلے (دنیا میں) بڑی خوشحالی سے رہتے تھے اور بڑے بھاری گناہ (یعنی شرک و کفر) پر اصرار کیا کرتے تھے)۔

سَمُوْمٍ لُو جو بدن کے مسامات میں گھستی ہے۔

حَمِیْمٍ: انتہائی گرم

یَحْمُوْمٍ بہت کالا دھواں حموم بروزن یفعول حمتہ سے مشتق ہے بہت گہرا سیاہ ہو تو عرب اس کو اسود حموم کہتے ہیں۔

ضحاک نے کہا آگ کالی اس میں رہنے والے کالے اور اس کی ہر چیز کالی ابن کیسان نے کہا حموم دوزخ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

لَّا بَارِدٍ یعنی دوسرے سایوں کی طرح ٹھنڈا نہ ہو گا۔

وَّلَا کَرِیْمٍ یعنی کسی طور پر سود مند نہ ہو گا یا دیکھنے میں بھی اچھا نہ ہو گا۔

مُتْرَفِیْنَ عیش و راحت میں پڑے ہوئے خواہشات نفس میں ڈوبے ہوئے اللہ کی اطاعت کی تکلیف نہ اٹھانے والے۔

اَلْحِنْثِ الْعَظِیْمِ بڑا گناہ یعنی شرک۔ شعبی نے کہا حنث عظیم سے مراد ہے دانستہ جھوٹی قسم یعنی وہ قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ ان کو دوبارہ زندہ کر کے نہ اٹھایا جائے گا اور ان کی یہ قسمیں جھوٹی تھیں۔

وَکَانُوْا یَقُوْلُوْنَ ۵ اَئِذَا مِتْنَا وَکُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۴۷﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۵ اِلٰی مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾

اور کہا کرتے تھے کہ جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو کر رہ گئے تو کیا (اس کے بعد) ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے یا ہمارے اگلے باپ دادا بھی زندہ کئے جائیں گے آپ کہہ دیجئے کہ سب اگلے اور پچھلے معین تاریخ کی حد پر سب جمع کئے جائیں گے۔

اَئِذَا مِتْنَا استفہام انکاری ہے۔

اَوَاٰبَآؤُنَا باپ دادا کو مرے ہوئے زمانہ دراز ہو گیا ان کی دوبارہ زندگی کا تو ان کو اور بھی سخت انکار تھا۔

لَمَجْمُوْعُوْنَ یعنی حساب فہمی اور سزا جزا کے لئے سب اگلوں پچھلوں کو جمع کیا جائے گا۔

مِیقَاتِ یَوْمٍ یوم معلوم کی مقررہ حد پر۔ میقات یوم میں اضافت بحذف مِنْ ہے جیسے خاتم فضۃ میں۔ میقات کسی چیز کی مقررہ حد جیسے میقاتِ احرام، احرام کے شروع ہونے کی مقررہ حد کے اس حد سے آگے بغیر احرام کے جانا جائز نہیں۔ اِلٰی میقات میں اِلٰی بمعنی لام ہے۔ یوم معلوم سے مراد ہے روزِ قیامت جو معلوم ہے اور اس کا آنا یقینی ہے۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿۵۴﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿۵۵﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۵۶﴾

(جمع کرنے کے بعد) پھر اے گمراہو جھٹلانے والو تم کو درخت زقّوم سے کھانا ہوگا، پھر اس سے پیٹ بھرنا ہوگا پھر اس پر کھولتا پانی پینا ہوگا، پینا بھی پیاسے اونٹوں کا سا قیامت کے روز یہ ان کی دعوت ہوگی۔

مِنْ شَجَرٍ میں مِنْ ابتدائیہ ہے اور مِنْ زَقُّوْمٍ میں مِنْ بیانیہ یعنی وہ درخت زقوم ہوگا۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا زقوم کے درخت سے اگر ایک قطرہ دنیا کے سمندروں میں ٹپکا دیا جائے تو تمام دنیا کی معاش تباہ ہو جائے پھر ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جن کی غذا ہی زقوم ہوگا۔ رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجۃ والحاکم ترمذی نے اس اثر کو صحیح کہا ہے۔

عمرو خولانی نے کہا ہم کو اطلاع ملی ہے کہ آدمی درختِ زقّوم کا جتنا حصہ نوچے گا اتنا ہی حصہ اس کے بدن کا بھی نوچ لیا جائے گا۔ رواہ عبداللہ بن احمد فی زوائد الزہد وابو نعیم۔

فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ یعنی شدتِ بھوک کی وجہ سے تم زقّوم سے پیٹ بھر لوگے۔

اَلْهِيْمِ پیاسے اونٹ۔

شُرب اور شَرب دونوں ہم معنی ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے شَرب بفتح شین مصدر ہے اور بضم شین اسم مصدر جیسے ضَعف اور ضُعف۔

ابن ابی حاتم نے بطریق ابو طلحہ حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس ترجمہ کی نسبت کی ہے ہیمان مذکر کے لئے اور ہِیْمٰی مؤنث کے لئے آتا ہے جیسے عطشان اور عطشٰی بعض نے کہا اَلْهِيْم ان اونٹوں کو کہتے ہیں جن کو پیاس کی بیمار لگ جاتی ہے کتنا ہی پانی پیتے ہیں سیرابی نہیں ہوتی آخر مر جاتے ہیں۔ بیہقی نے مجاہد کا اور بغوی نے عکرمہ وقتادہ کا یہی قول بیان کیا ہے۔

ضحاک نے کہا ہیم نرم اور ریتلی زمین کو کہتے ہیں بیضاوی نے لکھا ہے ہیم، ہیام کی جمع ہے ہیام اس ریت کو کہتے ہیں جس میں باہم بستگی نہ ہو۔

هٰذَا نُزُلُهُمْ نُزُل طعامِ مہمانی کو کہتے ہیں یہاں یہ لفظ بطورِ استہزاء استعمال کیا گیا ہے جیسے فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ میں بَشِّرْ کا لفظ استہزائیہ ہے کیونکہ عذاب الیم حقیقت میں خوشخبری کی چیز نہیں۔ مطلب یہ کہ یہ سب سے پہلا کھانا ہوگا جو ان کو ملے گا جو مستقل کھانا ملے گا اس کا تو ذکر ہی کیا۔

يَوْمَ الدِّيْنِ بدلہ کا دن۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾

ہم نے ہی (اوّل بار) پیدا کیا ہے پھر (دوبارہ پیدا کرنے کی) تم تصدیق کیوں نہیں کرتے بتلاؤ تم جو عورتوں کے رحم میں نطفہ ٹپکاتے ہو اس کو تم آدمی بناتے ہو یا ہم بناتے ہیں۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ یعنی جب تم کچھ بھی نہیں تھے ہم نے ہی تم کو پیدا کیا اور تم کو اس کا اقرار بھی ہے پھر دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے کی تم تصدیق کیوں نہیں کرتے جو ابتداء تخلیق پر قدرت رکھتا ہے کیا وہ دوبارہ پیدا کرنے سے عاجز ہوگا۔

مَا تُمْنُوْنَ یعنی جو نطفہ تم رحم میں ڈالتے ہو۔

ءَ اَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗ، یعنی کیا تم اس کو انسان بناتے ہو یا ہم۔
اَفَرَءَیْتُمْ میں رؤیت بمعنی علم ہے مطلب یہ کہ پیدا کرنے کا تو تم کو اعتراف ہے اب بتاؤ کہ خالق کون ہے تم خالق ہو یا ہم ہی انسان کو پیدا کرتے ہیں یقیناً تم تخلیق بشر نہیں کرتے ہم ہی کرتے ہیں۔

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَیْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ ﴿۶۰﴾ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِیْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾

ہم نے تمہارے درمیان (وقت مقررہ پر) ٹھہرا رکھا ہے اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں کہ تمہاری جگہ اور تم جیسے آدمی پیدا کردیں اور تم کو ایسی صورت میں پیدا کردیں جس کو تم جانتے بھی نہیں ہو اور تم کو اول پیدائش کا علم ہے پھر تم کیوں نہیں سمجھتے۔

نَحْنُ قَدَّرْنَا الخ یعنی جس طرح اپنی مشیت کے مطابق ہم نے تمہارے لئے رزق تقسیم کردیا ہے اسی طرح تمہاری موت کو بھی تقسیم کردیا ہے اسی وجہ سے تم میں سے کسی کی عمر بہت لمبی ہوتی ہے، کسی کی بہت کم کسی کی درمیانی یا یہ مطلب ہے کہ ہم نے تم میں سے ہر ایک کا وقت مقرر کردیا ہے جس سے تم آگے پیچھے نہیں ہٹ سکتے۔

نَحْنُ کو قَدَّرْنَا سے پہلے لانا مفید حصر واختصاص ہے یعنی موت کی تقدیر وتوقیت ہمارا ہی کام ہے جیسے ہر ایک کی تخلیق ہمارا یہ فعل ہے۔

وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ یہ جملہ حالیہ ہے اس کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ تقدیر موت ہم نے ایسی حالت میں کی کہ ہم سے پہلے کوئی تقسیم موت نہیں کرچکا تھا۔ ہم مغلوب نہیں ہیں ہم پر کوئی غالب نہیں ہے۔ سبقہٗ علیٰ کذا میں اس بات میں اس پر غالب آگیا اور اس کو عاجز کردیا۔ یہ عربی محاورہ ہے یا یہ جملہ معترضہ ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کوئی ہم کو عاجز نہیں کرسکتا کہ موت سے بھاگ جائے یا وقت موت کو بدل دے۔

عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ یہ قَدَّرْنَا کے فاعل سے حال ہے یعنی ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقدر کردیا ہے اور ہم اس امر پر قادر ہیں کہ تمہاری جگہ تمہارے عوض دوسروں کو لے آئیں یا قَدَّرْنَا سے اس کا تعلق ہے اور علیٰ بمعنی لام کے ہے اور علیٰ ان قدرنا کی علت ہے یعنی ہم نے موت کو مقدر کردیا ہے اس لئے کہ تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئیں۔ یا مَسْبُوْقِیْنَ سے اس کا تعلق ہے یعنی ہم مغلوب نہیں ہیں کہ تمہارے عوض تمہاری جگہ دوسروں کو لانے کی ہم میں قدرت نہ ہو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ امثال (بمعنی مقام ومکان نہ ہو بلکہ اس) کا معنی ہو صفت وحالت یعنی ہم اس امر سے عاجز نہیں ہیں کہ تمہاری حالت اور صفت کو بدل دیں اور مرنے کے بعد تم کو ان احوال میں پیدا کریں جن کو تم نہیں جانتے یعنی ثواب وعذاب۔ مثل بمعنی صفت دوسری آیت میں آیا ہے فرمایا ہے مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ، لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ط

اَلنَّشْاَةَ الْاُوْلٰى یعنی قطرہ سے انسان کی تخلیق اور نیست سے ہست ہونا۔

فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ یعنی کیوں نہیں سمجھتے کہ تخلیق اول کرنے والا تخلیق ثانی پر بھی قدرت رکھتا ہے دوسری بار تخلیق تو پہلی تخلیق سے آسان ہے اس میں نہ زیادہ صنعت کی ضرورت ہے نہ جدید تخصیص اجزاء واعضاء کی کیونکہ ایک نمونہ اور مثال کا پہلے وجود ہوچکا۔

فَلَوْ لَا تَذَكَّرُوْنَ کا لفظ بتا رہا ہے کہ شرعاً قیاس بھی ایک دلیل ہے۔

اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾

اچھا پھر یہ بتاؤ کہ تم جو کچھ (تخم وغیرہ) بوتے ہو اس کو تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں اگر ہم چاہیں تو اس پیداوار کو چورا چورا

کردیں پھر تم متعجب ہو کر رہ جاؤ گے اب ہم پر تاوان ہی پڑ گیا بلکہ محروم ہی ہو کر رہ گئے۔

مَا تَحْرُثُوْنَ جو دانے تم بکھیرتے ہو۔

ءَ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ کیا تم ان کو اگاتے ہو۔

حُطَامًا عطاء نے کہا حطام وہ تنکے جس میں گیہوں نہ ہوں۔ بعض نے کہا وہ بھوسہ جو کسی غذائی کام کا نہیں ہوتا۔

تَفَكَّهُوْنَ یعنی کھیتی پر نازل ہونے والی آفت سے تم تعجب میں پڑ جاتے ہو یہ ترجمہ عطاء اور کلبی اور مقاتل نے کیا۔ بعض نے کہا تفکھون یعنی اپنی محنت اور کھیتی پر صرف ہونے والے روپیہ پر پشیمان ہوتے ہو یہ ایمان کا قول ہے، لیکن حسن نے کہا اس گناہ پر پشیمان ہوتے ہو جو اس سزا کا موجب ہوا عکرمہ نے کہا تم باہم ایک دوسرے کو ملامت کرتے ہو ابن کیسان نے کہا تم غمگین ہو جاتے ہو۔

کسائی نے تفکّہ فوت شدہ چیز پر افسوس یہ اضداد میں سے ہے (یعنی اس کے دونوں معنی ہیں مزے اڑانا، لذّت حاصل کرنا اور افسوس کرنا، غمگین ہونا) عرب کہتے ہیں تفکّھتُ میں خوش ہوا میں غمگین ہوا۔

میں کہتا ہوں تفکّہ کا اصل معنی ہے پھل کھانا اور پھل سے پرہیز کرنا۔ اس جگہ استعمال مجازی ہے صاحب قاموس نے لکھا ہے تفکّہ پشیمان ہوا تفکّہ بہ اس سے مزہ اڑایا فائدہ اندوز ہوا، پھل کھایا پھل سے پرہیز کیا۔

اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ یعنی کہتے ہو کہ ہم برباد ہو گئے ہم نے جو کچھ خرچ کیا تھا وہ تباہ ہو گیا مغرم اس شخص کو کہتے ہیں جس کا مال بیکار چلا جائے، یہ مطلب ضحاک اور ابن کیسان نے بیان کیا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور قتادہ نے فرمایا ہم عذاب میں ماخوذ ہو گئے ہم پر عذاب آ گیا غرام کا معنی ہے عذاب۔

بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ بلکہ ہم تو رزق سے بھی محروم ہو گئے یہ کلام سابق سے اعراض ہے یعنی مال کا نقصان تو سہل تھا اب تو رزق سے بھی محروم ہو گئے جس سے بھوکوں مر جانے کا اندیشہ ہے۔

اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿٦٨﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿٦٩﴾
لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾

اچھا یہ بتلاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا ہم برسانے والے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اسکو کڑوا کر ڈالیں سو تم شکر کیوں نہیں کرتے۔

اَلْمَآءَ الَّذِيْ یعنی آبِ شیریں۔

اَلْمُزْنِ بادل بعض نے کہا سفید بادل جس کا پانی میٹھا ہوتا ہے مُزْن جمع ہے اس کا واحد مُزْنَةٌ ہے۔

اُجَاجًا نمکین، تلخ کذا فی القاموس، کہا گیا ہے اجاج اجیج سے ماخوذ ہے اجیج کا معنی ہے آگ بھڑکنا، نمکین پانی بھی منہ میں سوزش کر دیتا ہے اس لئے اس کو اُجاج کہتے ہیں۔

فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ انسان کو نیست سے ہست کرنا اور اس کی ہستی کو باقی رکھنا ضروری نعمت ہے ایسی نعمتوں کا تم شکر ادا کیوں نہیں کرتے۔

اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿٧١﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿٧٢﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿٧٣﴾

پھر یہ بتاؤ کہ جس آگ کو تم سلگاتے ہو کیا اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم ہی پیدا کرنے والے ہیں ہم نے ہی اس کو یاد دہانی کی اور مسافروں کے فائدے کی شئے بنایا ہے۔

تُوْرُوْنَ یعنی تم روشن کرتے ہو۔ یہ واری النار وریًا سے ماخوذ ہے (اس نے آگ جلائی) اوریت النار (باب

افعال) میں نے آگ روشن کی۔ آگ روشن کرتے ہو یعنی چقماق سے نکالتے ہو۔عرب دو لکڑیوں کو رگڑ کر آگ بر آمد کرتے تھے ایک لکڑی کو دوسری لکڑی کے اوپر رکھتے تھے۔اوپر والی کو زند اور نیچے والی کو زندہ کہتے تھے۔

شَجَرَتَهَا آگ کا درخت یعنی مرخ اور عفار، مرخ کو اوپر سے رگڑتے تھے دونوں لکڑیاں ہری ہوتی تھیں دونوں کے باہم رگڑنے سے پانی نکل آتا تھا اور آگ روشن ہو جاتی تھی۔

تَذْكِرَةً قیامت کی یاد دہانی کی چیز، کیونکہ جو خدا سبز لکڑی سے آگ بر آمد کرتا ہے باوجودیکہ سبز تازہ لکڑی میں مائیت موجود ہوتی ہے جو کیفیت کے لحاظ سے آگ کی بالکل ضد ہے وہ خدا دوبارہ بھی انسانوں کو پیدا کر سکتا ہے۔ کیونکہ انسان کی ہڈیاں پہلے اول زندگی میں تر تھیں ان میں رطوبتِ طبعیہ تھی پھر رطوبت خشک ہو گئی اور ہڈیاں فرسودہ ہو گئیں۔ بس اتنی بات ہوئی۔ خشک ہڈیوں میں دوبارہ رطوبتِ طبعیہ پیدا ہونا پانی سے آگ بر آمد کرنے کے مقابلہ میں تو آسان ہے یا تذکرۃ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ تاریکی میں اس کے ذریعہ راستہ معلوم ہو جاتا ہے یا اس سے جہنم کی یاد تازہ ہو جاتی ہے کیونکہ آگ عمومی ضرورت کی چیز ہے ہمارے اسبابِ معاشی اس سے وابستہ ہیں اکثر اوقات لوگوں کی نظروں کے سامنے اس کا رہنا ضروری ہے اور چونکہ دنیوی آگ جہنم کی آگ کا ایک نمونہ ہے اس لئے اس آگ کو دیکھ کر جہنم کی آگ کی یاد لازم ہے حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا تمہاری آگ جہنم کی آگ کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے، عرض کیا گیا یارسول اللہ یہ آگ (جلانے کے لئے) کافی ہے۔ فرمایا جہنم کی آگ اس آگ سے انہتر حصے بڑھ کر ہے دوزخ کی آگ کا ہر ایک جز اس آگ کے برابر ہے۔ رواہ البخاری و مسلم فی صحیحہما۔

وَمَتَاعًا اور نفع کی چیز، فائدہ رساں۔

لِلْمُقْوِينَ مقوین کا ترجمہ کیا گیا ہے، مسافر۔ یہ لفظ قوا سے مشتق ہے۔ قوا کا معنی ہے ویران بیابان، جہاں کوئی عمارت نہ ہو۔ آبادی سے دور، بہ نسبت اہل اقامت کے مسافروں کو آگ کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے، درندوں اور جنگلی جانوروں سے حفاظت کے لئے وہ اکثر رات کو آگ روشن رکھتے ہیں (کہیں ٹیلے یا پہاڑی پر) آگ جل رہی ہو تو مسافروں کو راستہ مل جاتا ہے پھر سردی کی وجہ سے ان کو تاپنے اور جسم کو سینکنے کی بھی زیادہ ضرورت پڑتی ہے اسی لئے مسافروں کے لئے فائدہ رساں ہونے کا ذکر کیا۔ اکثر اہلِ تفسیر نے مُقْوِین کا یہی ترجمہ کیا ہے، مجاہد اور عکرمہ کے نزدیک مُقْوِین سے مراد ہیں فائدہ حاصل کرنے والے، کوئی ہوں، مقیم ہوں یا مسافر سب لوگ تاریکی میں آگ سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ سردی میں آگ سے تاپتے ہیں اور آگ سے ہی کھانا پکاتے ہیں۔ ابن زید نے کہا مُقْوِین کا معنی ہے بھوکے، یعنی وہ لوگ جن کے پیٹ کھانے سے خالی ہوں۔ أَقْوَتِ الدَّارُ گھر میں رہنے والوں سے گھر خالی ہو گیا۔ أَقْوَيْتُ مُنْذُ كَذَا میں نے اتنی مدت سے کچھ نہیں کھایا۔

بعض اہل علم نے کہا مُقْوِین سے مراد ہیں مالدار لوگ۔ اگر کوئی مالدار ہو جائے اور اس کے جانور قوی ہو جائیں تو کہا جاتا ہے اَقْوَى الرَّجُلُ وہ آدمی قوت والا ہو گیا۔ اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ مالدار ہوں یا نادار آگ سب کے فائدے کی چیز ہے پھر خصوصیت کے ساتھ صرف مالداروں کے لئے فائدہ مند اس لئے کہا گیا کہ دولت مند طبقہ ہی بکثرت کھانا پکاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ کَثِیْرُ الرَّمَادِ (زیادہ راکھ والا) بول کر مراد ہوتی ہے کہ اس کے پاس مہمان بہت آتے ہیں اور کھانا بہت پکایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٧٤﴾ سو آپ اپنے عظیم الشان رب کے نام کی تسبیح کیجئے۔ ع ۲ ۱۵

فَسَبِّحْ میں فَ سببیہ ہے یعنی جب تم کو اللہ کی پُر منفعت مصنوعات اور انعامات کا علم ہو گیا تو منکرینِ وحدانیت اور کفرانِ نعمت کرنے والے جو کچھ کہتے اور کرتے ہیں اللہ کو اس سے پاک قرار دو اور اس کی پاکی بیان کرو۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کی نعمتوں کے شکریہ میں اس کی پاکی کا اظہار و اقرار کرو یا یہ معنی ہے کہ جو ظالم کفرانِ نعمت کرتے ہیں تم اس پر تعجب کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کرو۔

بِاسْمِ رَبِّكَ اس میں لفظ اسم زائد ہے اور مراد ہے ذات یعنی اپنے رب کی پاکی بیان کرو۔ بِ زائد ہے (کیونکہ فعلِ تسبیح

بغیر ب کے متعدی ہے)

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِیْمٌ ﴿۷۶﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ ﴿۷۷﴾ فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾
لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾
وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾

سو میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے چھپنے کی اور اگر تم غور کرو تو یہ ایک بڑی قسم ہے کہ یہ ایک معزز قرآن ہے جو ایک محفوظ کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں درج ہے اس کو بجز پاک (ہستیوں یعنی) فرشتوں کے اور کوئی نہیں چھوتا یہ رب العالمین کی طرف سے اتارا ہے سو کیا تم اس کلام کو سرسری بات سمجھتے ہو اور اس کی تکذیب کو اپنا رزق بنا رہے ہو۔

فَلَآ اُقْسِمُ میں قسم نہیں کھاتا کیونکہ یہ بات واضح ہے، قسم کھا کر بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یا لَآ اُقْسِمُ میں لَا زائد ہے کلام کو پُرزور بنانے کے لئے اس کا اضافہ کیا گیا ہے جیسے لِئَلَّا یَعْلَمَ میں، یعنی میں پختہ قسم کھاتا ہوں۔ بعض علماء نے کہا لَآ اُقْسِمُ سے علیحدہ ہے اس سے کافروں کی نفی مقصود ہے کافر قرآن کو جادو اور شعر اور کہانت کہتے تھے۔ اللہ نے فرمایا ایسا نہیں ہے میں قسم کھا کر کہتا ہوں الخ۔

مَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ستاروں کے گرنے اور چھپنے کے مقامات غروب کا خصوصیت کے ساتھ ذکر اس لئے کیا کہ اس سے ستاروں کا حدوث اور امکان ظاہر ہوتا ہے اور کسی مؤثر ہستی کا ثبوت ملتا ہے جس کی تاثیر ستاروں کے غروب سے نمایاں ہوتی ہے۔

عطاء بن ابی رباح نے کہا مواقع النجوم سے مراد ہیں ستاروں کی سیرگاہیں اور منزلیں۔ حسن نے کہا قیامت کے دن ستاروں کا بکھر جانا اور بے نور ہو جانا مراد ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا نجوم سے مراد ہیں نجوم القرآن اور مواقع سے مراد ہیں نجوم القرآن کے اوقات نزول کیونکہ قرآن کا نزول رسول اللہ ﷺ پر نجماً نجماً یعنی تھوڑا تھوڑا (مختلف اوقات میں) ہوتا تھا۔

لَوْ تَعْلَمُوْنَ یہ جملہ معترضہ ہے جو عظمتِ قسم کو ظاہر کر رہا ہے اس میں لَوْ تمنائی ہے یعنی کاش تم اس کی عظمت کو جانتے۔

عَظِیْمٌ جس چیز کی قسم کھائی جا رہی ہے وہ اللہ کی ہمہ گیر قدرت اور حکمتِ کاملہ اور فرطِ رحمت پر دلالت کر رہی ہے اور رحمت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو یونہی بیکار نہ چھوڑ دے۔

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ یعنی جس کلام کی محمد ﷺ تلاوت کر رہے ہیں وہ قرآن معزز ہے جو اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے چونکہ یہ اللہ کا کلام ہے اس لئے ہر کلام پر اس کو فوقیت اور عزت حاصل ہے جیسے اللہ کو مخلوق پر برتری حاصل ہے اسی طرح اس کے کلام کو مخلوق کے کلام پر برتری حاصل ہے۔ رواہ الترمذی۔

مَكْنُوْنٍ محفوظ اس سے مراد ہے لوح محفوظ۔

لَا یَمَسُّهٗۤ ضمیر کتاب کی طرف راجع ہے کیونکہ لفظ کتاب ہی قریب ہے یعنی لوح محفوظ کو فرشتے ہی چھوتے ہیں جو جسمانی آلائشوں اور کدورتوں سے پاک ہے جسمانی آلائشیں ہی اکثر گناہوں کا باعث ہوتی ہیں۔

یہ تفسیر پسندیدہ نہیں ہے کیونکہ جسمانی کدورتوں سے منقطع ہو جانا موجبِ فضیلت نہیں ہے نہ یہ کوئی فضیلت ہے نہ اس کو پاک ہونا کہا جا سکتا ہے۔ ورنہ انسان پر فرشتوں کی فضیلت لازم آئے گی جو اجماع علماء کے خلاف ہے بلکہ جسمانی کدورتیں ہی تو خالص تجلیاتِ ذاتیہ کی حامل ہیں اسی لئے نبوت کے لئے انسان کو مخصوص کیا گیا ہے۔ صحیح تفسیر یہ ہے کہ لَا یَمَسُّهٗۤ کی ضمیر (لوح محفوظ کی طرف راجع نہیں ہے بلکہ) قرآن کی طرف لوٹ رہی ہے اور نفی بمعنی ممانعت ہے یعنی قرآن کو نہیں چھوتے (مراد یہ کہ قرآن کو نہ چھوئیں) مگر وہی لوگ جو پاک ہوں بے وضو نہ ہوں اور قرآن یعنی کلام اللہ تو حقیقتاً چھونے کی چیز ہی نہیں

ہے نہ اس کو چھوا جاسکتا ہے اس لئے قرآن) سے مراد ہے یہی لکھی ہوئی کتاب جو ہمارے پاس ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ دشمن کے ملک میں قرآن کو لے کر جانے کی رسول اللہ ﷺ نے ممانعت فرمادی۔ (یعنی اسی مصحف کو جو ہمارے ہاتھوں میں ہے) متفق علیہ حضرت ابن عمرؓ اس حدیث کے راوی ہیں۔

علماء کا اجماعی قول ہے کہ جُنب (جس کو غسل کرنا واجب ہے) اور حائضہ اور نُفساء اور بے وضو شخص کو قرآن کو چھونا جائز نہیں ہے۔ داؤد ظاہری کا قول اس کے خلاف ہے۔ انہوں نے حضرت ابوسفیانؓ کی اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہرقل کو ایک خط لکھا جس میں آیت یَآاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْآ اِلٰی کَلِمَۃٍ الخ بھی لکھی ہے اور ظاہر ہے کہ ہرقل کافر تھا اور کافر بحکم شریعت) نجس ہوتا ہے ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت اس طور پر نہیں لکھی تھی کہ یہ قرآن کی آیت ہے بلکہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں لکھی تھی اس لئے لفظ قل جو شروع آیت میں ہے آپ نے نہیں لکھا اور اپنی جانب سے اہلِ کتاب کو خطاب کرتے ہوئے یَآاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا الخ تحریر کیا اگر کلام اللہ ہونے کی حیثیت سے لکھتے تو لفظ قُلْ بھی لکھتے اس لفظ کو حذف کر دینا جائز نہ ہوتا۔ جیسا کہ نماز میں یا تلاوت کے وقت یہ آیت پڑھی جاتی ہے تو لفظ قُلْ ضرور پڑھا جاتا تھا۔ اور رسول اللہ ﷺ بھی ضرور ہی پڑھتے تھے۔

ہمارے علماء اپنے قول کے استدلال میں حضرت عمروؓ کی روایت پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اہلِ یمن کو لکھ کر بھیجا تھا کہ قرآن کو بجز پاک آدمی کے اور کوئی نہ چھوئے۔ رواہ الدار قطنی ورواہ الحاکم فی المعرفۃ والبیہقی فی الخلافیات۔

طبرانی نے حضرت حکیم بن حزامؓ کی روایت سے بیان کیا ہے حکیم کہتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ نے یمن کو بھیجا اور فرمایا تو قرآن کو اسی حالت میں چھونا جب تو پاک ہو۔ یہ روایت صرف سوید بن حاتم کی سند سے آئی ہے اور سوید ضعیف ہے۔ اس موضوع کی حدیث حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے مرفوع بھی آئی ہے جس کو دار قطنی اور طبرانی نے بیان کیا ہے اور اس کی سند میں کوئی خرابی بھی نہیں ہے۔

مسئلہ: اگر غلاف اور جزدان قرآن سے علیحدہ ہو (یعنی کتاب کے کور کی طرح چسپاں نہ ہو) تو اس کو پکڑ کر قرآن کو چھونا اور اٹھانا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کہتے ہیں جزدان کو پکڑ کر اٹھانا بھی ناجائز ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے اِنَّہٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ اور دوسری جگہ فرمایا ہے فِیْ صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ اور تکریم کا تقاضا ہے کہ غلاف کے ساتھ بھی کوئی بے وضو آدمی اس کو ہاتھ نہ لگائے

ہم کہتے ہیں تکریم قرآن چاہتی ہے کہ بے وضو قرآن کو چھوا نہ جائے اور مس کا اطلاق اسی وقت ہوتا ہے جب بغیر غلاف اور جزدان کے چھوا جائے اور بیچ میں پردہ اور حجاب نہ ہو

تکریم اتنی ہی ہونا چاہئے جو شرع سے ثابت ہو اس سے زیادہ محض تکلف ہے۔

مسئلہ: آستین یا دامن سے قرآن کو پکڑنا بے وضو آدمی کے لئے مکروہ ہے کیونکہ یہ دونوں ہاتھ کے تابع ہیں۔

جس سکّے پر قرآن کی کوئی سورت لکھی ہو اس کو بغیر ہمیانی یا بٹوے کو چھونا جائز ہے کیونکہ جس پر قرآن لکھا جائے وہ مصحف ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: اس آیت سے بدرجۂ اولیٰ دلالتِ نص سے ثابت ہوتا ہے کہ جُنب کے لئے قرآن پڑھنا جائز نہیں اسی پر اجماع علماء ہے کیونکہ مصحف اس کو کہتے ہیں جس پر وہ نقوش و حروف لکھے ہوئے ہوں جو قرآن کے الفاظ پر دلالت کر رہے ہوں اور جب نقوش اور حروف کو بغیر طہارت کے چھونا جائز ہے تو الفاظ قرآن زبان پر لانا اس شخص کے لئے جو طاہر نہ ہو) بدرجۂ اولیٰ ناجائز ہے۔

امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک حائضہ اور نفساء کا حکم جُنب کی طرح ہے۔ امام مالکؒ کے متعلق دو روایتیں آئی ہیں ایک روایت کے مطابق امام مالکؒ کا قول ہے کہ تھوڑی مختصر آیات حائضہ اور نفسا پڑھ سکتی ہے

دوسری روایت جو امام مالکؒ کے بیشتر شاگردوں نے بیان کی ہے یہ ہے کہ جتنا قرآن چاہے پڑھ سکتی ہے داؤد ظاہری کا بھی یہی قول ہے ہم نے جو اوپر دلیل ذکر کی ہے اس کی روشنی میں داؤد وغیرہ کا یہ مسلک غلط ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کی بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، نہ حائضہ قرآن کی کوئی چیز (یعنی کوئی آیت) پڑھے، نہ جنابت والا۔ رواہ الدار قطنی والترمذی وابن ماجہ۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی اسماعیل بن عیاش ہے جو ضعیف ہے۔ بعض نے اس کو قوی کہا ہے اس کی متابعت مغیرہ بن عبدالرحمن اور ابو معشر بن موسیٰ بن عقبہ نے کی ہے ابن جوزی نے مغیرہ کو ضعیف کہا ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا ابن جوزی سے غلطی ہوئی کہ انہوں نے مغیرہ بن عبدالرحمن کو ضعیف کہا ہے۔ مغیرہ ثقہ تھے۔ ہاں مغیرہ کے طریق سند میں عبدالملک بن مسلم راوی ضعیف ہے رہا ابو معشر تو وہ خود بھی ضعیف ہے اور ابو معشر کے طریق سند میں ایک راوی متہم ہے۔

ابو معشر کی روایت کا ایک شاہد جس نے حضرت جابرؓ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے دار قطنی نے اس کو مرفوعاً بیان کیا ہے اس کی روایت میں ایک راوی محمد بن فضل ہے جو متروک ہے۔

مسئلہ: قیاس ظاہر چاہتا ہے کہ بے وضو آدمی کے لئے بھی قرآن پڑھنا ناجائز ہو ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ بے وضو قرآن کو چھو نہیں سکتا، اور جب نقوش و حروف کو چھو نہیں سکتا تو قرآن کے الفاظ کو زبان پر کیسے لا سکتا ہے) لیکن استحسان نے بے وضو کے لئے قرآن کی تلاوت کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ بے وضو ہونے کا اثر منہ کے اندر نہیں پہنچتا اسی لئے وضو میں کلی کرنی واجب نہیں ہے۔ ہاں جنابت کا اثر منہ کے اندر پہنچتا ہے اس لئے غسلِ جنابت میں کلی کرنی واجب ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ میں ایک رات اپنی خالہ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کے گھر رہا رسول اللہ ﷺ اور آپ کی بی بی تو بستر کے طول میں سوئے اور میں عرض میں سو گیا۔ جب کچھ کم و بیش آدمی رات ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ بیدار ہو گئے اور اٹھ بیٹھے۔ اول آپ ﷺ نے چہرہ مبارک سے نیند کا اثر (ہاتھوں سے) مل کر دور کیا، پھر سورت آل عمران کی آخری دس آیات تلاوت فرمائیں اس کے بعد کھڑے ہو کر ایک معلق مشکیزہ (کا دہانہ کھول کر اس سے وضو کیا الخ متفق علیہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر وضو کے تلاوتِ آیات جائز ہے۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب کی حدیث ہے کہ سوائے جنابت کے رسول اللہ ﷺ کو تلاوت قرآن سے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی تھی رواہ احمد وابن خزیمۃ واصحاب السنن والحاکم وابن الجارود وابن السکن وعبدالحق والبغوی فی شرح السنۃ وصححہ الترمذی۔

مسئلہ: بغوی نے لکھا ہے کہ محمد بن فضل نے کلبی کا قول نقل کیا کہ مطہرون سے مراد ہیں موحد۔

میں کہتا ہوں صوفیہ کی اصطلاح میں موحد اس شخص کو کہتے ہیں جس کا مقصود سوائے اللہ کے اور کوئی نہ ہو۔ حضرت مجدد نے فرمایا جو تیرا مقصود ہے وہی تیرا معبود ہے کیونکہ مقصود حاصل کرنے کے لئے آدمی ہر ذلت، مشقت اور فروتنی کو برداشت کرتا ہے اور تعبّد کا یہی معنی ہے (عبادت کہتے ہی انتہائی فروتنی اور غایتِ تضرع کو۔ بیضاوی) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تک کسی کی خواہشات اس (دین) کے تابع نہ ہو جائیں جو میں لایا ہوں اس وقت تک وہ مؤمن نہیں ہوتا۔ رواہ النووی فی الاربعین۔

عکرمہ کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباسؓ یہودیوں اور عیسائیوں کو قرآن پڑھنے کی اجازت دینے سے منع کرتے تھے۔

فراء نے کہا آیت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی لذت اسی کو ملے گی جو اس پر ایمان لائے گا۔ اسی کی تائید میں حضرت مجدد نے فرمایا کہ نفس کو فنا کرنے اور بری خصلتوں سے پاک ہو جانے کے بغیر صوفی کو قرآنی برکات حاصل نہیں ہوتیں۔ فنائے نفس سے پہلے قرأتِ قرآن کا شمار نیکیوں کے اعمال میں ضرور ہوتا ہے لیکن نفس و نفسانیات کے فنا اور آثارِ نفس کے زوال کے بعد درجاتِ قرب کی طرف ترقی قرأتِ قرآن سے وابستہ ہے۔ اس زندگی میں بھی اور آخرت میں جنت کے اندر داخلہ کے بعد بھی جیسا کہ آیت وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ میں آیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صاحبِ قرآن سے کہا جائے گا قرآن پڑھ اور چڑھتا چلا جا اور ترتیل کے ساتھ پڑھ جیسا تو دنیا

میں پڑھتا تھا۔ تیرا درجہ اس آخری آیت کے پاس ہوگا جو تو پڑھے گا۔ رواہ الترمذی واحمد وابوداؤد والنسائی من حدیث عبداللہ بن عمرؓ

تَنْزِيلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ تنزیل بمعنی منزّل ہے مصدر بمعنی اسم مفعول۔

اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ الحدیث سے مراد ہے قرآن۔

اَنْتُمْ اہل مکّہ کو خطاب ہے۔

مُدْهِنُوْنَ ادہان کا لغوی معنی ہے نرم کرنے کے لئے تیل کا استعمال مجازاً اخلاق اور معاملات کو بظاہر نرم کرنا۔ اللہ نے فرمایا ہے وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ پھر اس لفظ کا استعمال بمعنی نفاق ہونے لگا اور اس جگہ یہی معنی مراد ہے۔ قاموس میں ہے دَهَنَ نفاق کیا۔ مُدَاهَنَتْ اور اِدہان (مفاعلت اور افعال) جو بات دل میں ہے اس کے خلاف ظاہر کرنا۔

پھر تکذیب کرنے والے اور جھٹلانے والے کو مُدہن کہا جانے لگا خواہ (وہ منافقت نہ کرے اور) کفر و تکذیب کو نہ چھپائے بغوی نے اس کی صراحت کی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے مدہنون کا ترجمہ کیا جھٹلانے والے اور مقاتل بن حیان نے کہا مُدْهِنُوْنَ یعنی انکار کرنے والے۔

رِزْقَكُمْ یعنی قرآن سے تم اپنا حصہ اور نصیب تکذیب کو قرار دیتے ہو۔ حسن نے اس آیت کے سلسلے میں کہا وہ بندہ تباہ ہو گیا جس کا کتاب اللہ سے نصیب صرف تکذیب ہے (یعنی کلام اللہ کی بس تکذیب کرتا ہے کوئی ہدایت حاصل نہیں کرتا)

مفسّرین نے ایک جگہ رزق کا معنی شکر بیان کیا ہے امام احمد اور ترمذی نے حضرت علیؓ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا یہی ارشاد بیان کیا ہے۔ ہیثم بن عدی نے کہا ازد شنوءہ کے محاورے میں لَا رَزَقَ کا معنی ہوتا ہے مَاشکر اس نے شکر نہیں کیا۔

بعض اہل علم کا قول ہے کہ رزق سے پہلے لفظ شکر محذوف ہے اور رزق سے مراد ہے بارش جب بارش ہوتی تھی تو عرب کہتے تھے ہم پر ستاروں کی تاثیر سے بارش ہوئی۔ اللہ کے حکم سے بارش ہونے کے وہ قائل نہ تھے۔ مطلب یہ ہے کہ بارش ہونے کا تم شکریہ یہ ادا کرتے ہو کہ تکذیب کرنے لگتے ہو یعنی بجائے شکر کے کفران نعمت کرتے ہو۔ حضرت زید بن خالد جہنی کا بیان ہے کہ حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ نے ہم کو صبح کی نماز پڑھائی۔ رات کو بارش ہوئی تھی جس کے کچھ نشانات تھے۔ حضور والا نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد لوگوں کی طرف رُخ کر کے فرمایا کیا تم لوگ جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا۔ حاضرین نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بخوبی جانتے ہیں۔ فرمایا اللہ نے فرمایا میرے بندوں میں کوئی مجھ پر ایمان رکھتا ہے اور کوئی میرا انکار کرتا ہے جو شخص کہتا ہے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہم پر بارش ہوئی وہ مجھ پر ایمان رکھتا ہے اور ستاروں کا منکر ہے اور جو شخص قائل ہے کہ نچھتر سے ہم پر بارش ہوئی وہ میرا منکر ہے اور ستاروں پر ایمان رکھتا ہے۔

مسلم کی راویت میں حضرت ابن عباسؓ کا بیان آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک بار بارش ہوئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا (آج) صبح کو کچھ لوگ شکر گزار ہوئے اور کچھ کافر نعمت۔ بعض نے کہا یہ اللہ کی رحمت ہے جو اللہ نے عطا فرمائی اور بعض نے کہا نچھتر سچا ثابت ہوا اس پر آیت فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ سے تُكَذِّبُوْنَ تک نازل ہوئی۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ غزوۂ تبوک (کے زمانہ) میں ایک انصاری شخص کے بارے میں ان آیات کا نزول ہوا بات یہ ہوئی کہ مسلمان مقام حجر میں اترے حضور نے حکم دیا کوئی شخص یہاں کا پانی نہ لے پھر یہاں سے کوچ کر کے اگلی منزل پر فروکش ہوئے لیکن وہاں مسلمانوں کے پاس پانی نہیں تھا صحابہؓ نے حضور کی خدمت میں شکایت پیش کی آپ نے دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کی فوراً بارش ہو گئی اور اتنی ہوئی کہ سب سیراب ہو گئے ایک شخص کو منافق سمجھا جاتا تھا اس سے ایک انصاری نے کہا دیکھو رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھ کر جو نبی اللہ سے دعا کی فوراً بادل سے بارش ہو گئی وہ (منافق) بولا ہم پر تو ایسے ایسے نچھتر سے بارش ہوئی اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ یہ واقعہ حجر میں ہوا تھا۔

مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب بھی اللہ آسمان سے برکت (بارش) نازل فرماتا ہے آدمیوں کا ایک گروہ اس کی ناشکری کرنے لگتا ہے بارش تو نازل کرتا ہے اللہ اور وہ کہتا ہے فلاں فلاں ستاروں کی تأثیر سے بارش ہوئی۔

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

سو جس وقت روح حلق تک آپہنچتی ہے اور تم اس وقت تکا کرتے ہو اور ہم اس وقت اس مرتے آدمی سے تم سے بھی زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تم سمجھتے نہیں ہو۔

اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ یعنی جان جب حلق میں آجاتی ہے۔

وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ اور اے لوگو! تم مرتے آدمی کے گرداگرد اس کی حالت کو دیکھتے ہو کہ اس کی جان نکل رہی ہے اور اپنی بے بسی کو بھی دیکھتے ہو کہ اس کو بچا نہیں سکتے اور کچھ کام نہیں آسکتے۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ اور ہم اس مرتے آدمی کی حالت کو تم سے زیادہ جانتے ہیں، بیضاوی نے کہا قرب سے مراد ہے جاننا کیونکہ قرب ہی علم کا سب سے قوی ذریعہ ہے۔ بغوی نے لکھا ہے ہم اس کی حالت کو جاننے اس پر قدرت رکھنے اور اس کو دیکھنے میں تم سے زیادہ ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک قربِ خدا سے مراد ہے اللہ کے فرشتوں کا قریب۔ الموت آدمی سے قرب جو روح قبض کرتے ہیں اور ماحول کے آدمیوں کی بہ نسبت اس سے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔

اہل تفسیر کو قرب کی یہ تأویلیں اس لئے کرنی پڑیں کہ ان کے نزدیک قرب صرف زمانی یا مکانی ہوتا ہے اور اللہ ہر زمان و مکان سے پاک ہے، یہ حضرات نہیں جانتے کہ ایک قرب بے کیف بھی ہوتا ہے جو شرعاً ثابت ہے جس کا ادراک مؤمن اپنی فراست سے کرتا ہے عوام اس کو نہیں جانتے اسی لئے اگلے فقرے میں ہے لیکن تم اس کو نہیں دیکھتے یعنی اس کے قرب کو نہیں دیکھتے۔

فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾

تو (فی الواقع) تمہارا احساب کتاب ہونے والا نہیں ہے تو پھر اس روح کو (بدن کی طرف) نہیں لوٹاتے ہو اگر تم سچے ہو۔

غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ یعنی غیر مجرم ہو اور قیامت کے دن زندہ کر کے تمہاری حساب فہمی نہ ہوگی یعنی تم کو تمہارے خیال کے بموجب دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھایا جائے گا۔ یا مَدِيْنِيْنَ سے مراد ہیں مملوک، عاجز، ذلیل۔ کہا جاتا ہے دَانَہٗ اس کو ذلیل کیا اور غلام بنا لیا۔

تَرْجِعُوْنَ یعنی جان کو اس کی قرارگاہ تک کیوں نہیں لوٹا دیتے کہ اس کے مقام تک موت کی رسائی نہ ہوسکے۔ یا یہ معنی ہے کہ تم جب مجبور و مقہور نہ ہو تو پھر جان کو (بدن کے اندر) لوٹا کیوں نہیں دیتے۔

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ یعنی اگر غیر مقہور ہونے کے دعوے میں تم سچے ہو تو جان کو اس کی قرارگاہ تک لوٹا کیوں نہیں دیتے (غیر مقہور اور عاجز نہ ہونے کا اگرچہ انہوں نے دعویٰ نہیں کیا تھا لیکن تصرفاتِ خداوندی کا انکو انکار تھا اور آیاتِ الٰہیہ کی وہ تکذیب کرتے تھے اس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے غیر مقہور ہونے کے مدعی تھے)

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۹۳﴾ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿۹۴﴾

پھر (قیامت کے دن) جو شخص مقرب لوگوں میں سے ہوگا تو اس کے لئے راحت ہے اور (فراغت کی) غذائیں ہیں اور آرام کی جنت ہے اور جو شخص دائیں طرف والوں میں

سے ہوگا تو (اس سے کہا جائے گا) کہ تیرے لئے امن وامان ہے کہ تو دائیں طرف والوں میں سے ہے اور جو شخص تکذیب کرنے والے گمراہوں میں سے ہوگا تو کھولتے ہوئے پانی سے اس کی دعوت ہوگی اور دوزخ میں اس کا داخلہ ہوگا۔

مُقَرَّبِيْنَ سے مراد ہیں وہ سابقین جن کا ذکر آغازِ سورت میں کیا گیا ہے اور جن کو تینوں گروہوں میں افضل بتایا گیا۔

فَرَوْحٌ رَوح بفتح راء خوشی اور راحت۔ مجاہد اور سعید بن جبیرؒ کا یہی قول ہے۔ ضحاک نے مغفرت اور رحمت ترجمہ کیا ہے۔

وَّرَيْحَانٌ اور پاکیزہ رزق مجاہد سعید بن جبیر اور مقاتل کا یہی قول ہے۔ مقاتل نے کہا حمیری (یمنی) بولی میں ریحان کا یہی معنی ہے دوسرے لوگوں نے کہا ریحان وہ (خوشبودار) چیز ہے جو سونگھی جاتی ہے۔ ابوالعالیہ نے کہا جو شخص مقربین میں ہوتا ہے اس کو دنیا چھوڑنے سے پہلے جنت کی کوئی خوشبودار چیز سنگھائی جاتی ہے پھر اس کی روح قبض کی جاتی ہے۔ ابوبکر رزاق نے کہا روح سے مراد ہے دوزخ سے نجات اور ریحان سے مراد ہے دار القرار (آرام گاہ یعنی جنت) میں داخلہ۔

فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ یعنی اے دائیں طرف والے تجھ پر تیرے بھائیوں کی طرف سے یعنی اصحاب الیمین کی جانب سے سلام ہو مطلب یہ کہ دائیں طرف والے تجھے سلام کہتے ہیں۔ بغوی نے سَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ کا یہ مطلب بیان کیا ہے اے محمدؐ! آپ کو اصحابُ الیمین کی طرف سے اطمینان رہے۔ آپ ان کی کوئی فکر نہ کریں وہ اللہ کے عذاب سے محفوظ ہیں آپ ان کی سلامتی کو دیکھ کر خوش اور راضی ہوں گے۔

مقاتل نے کہ اللہ ان کے قصوروں سے درگزر فرمائے گا اور نیکیوں کو قبول کرے گا۔ فراء وغیرہ نے یہ مطلب بیان کیا اے محمدؐ! آپ کو اصحابُ الیمین کی طرف سے سلام ہو یا یہ مطلب ہے کہ صاحبُ الیمین سے کہا جائے گا تو اصحاب الیمین میں سے ہے تیرے لئے سلامتی ہو۔

وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ یعنی اگر وہ قرآن اور رسول اللہ ﷺ کو جھوٹا قرار دینے والوں میں سے اور۔

الضَّآلِّيْنَ راہ حق سے بھٹکنے والوں یعنی اصحابُ الشمال میں سے ہوگا جو تینوں مذکورہ اصناف میں بدترین گروہ ہوگا اصحابُ الشمال کے اللہ نے دو عمل (تکذیب اور ضلال) صراحت کے ساتھ اس لئے بیان کئے کہ ان کے ان افعال سے بازداشت اور زجر ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ یہ افعال عذابِ موعود کے موجب ہیں۔

تَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ بڑی آگ میں داخلہ۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۹۵﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۹۶﴾ بے شک یہ (جو کچھ مذکور ہوا) تحقیق یقینی بات ہے سو آپ اپنے عظیم الشان رب کی تسبیح کیجئے۔ ع ۳ ۲۲ ۱۶

اِنَّ هٰذَا یہ یعنی قریبُ الموت لوگوں کی یہ مذکورہ حالت۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ یعنی اپنے رب کی یاد کے ساتھ اور اس کے حکم کے مطابق نماز پڑھو یا یہ مطلب ہے کہ اس کے نام کے ذکر کے ساتھ ان باتوں سے اس کی پاکی بیان کرو جو ناشائستہ اور اس کی شان کے لائق نہیں۔ یا (سادہ) یہ مطلب ہے کہ اپنے عظمت والے رب کی تسبیح کرو۔

رکوع اور سجود کی تسبیحات کے مسائل اور ان کے متعلق احادیث اور اماموں کے اختلافات ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں اعادہ بیکار ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے جو شخص ہر شب سورۂ واقعہ پڑھے گا اس کو کبھی فاقہ نہیں ستائے گا۔ رواہ البغوی وابو یعلیٰ فی مسندہ والبیہقی بسند ضعیف فی شعب الایمان۔ (واللہ اعلم)

۶

سُوۡرَۃُ الحَدِید

یہ سورۃ مدنی ہے اس میں ۲۹ آیات اور چار رکوع ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① اللہ کی پاکی بیان

کرتے ہیں سب جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور وہ ہی زبردست اور حکمت والا ہے۔

اس جگہ اور سورۂ حشر وصف میں سَبَّحَ بصیغۂ ماضی اور سورۂ جمعہ و تغابن میں یُسَبِّحُ بصیغۂ مضارع ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ مخلوق کی طرف اللہ کی پاکی کا اظہار ہمہ وقت ہے حالات (اور اوقات) کی تبدیلی سے اس میں اختلاف نہیں ہوتا اور سورۂ بنی اسرائیل بصورتِ مصدر ذکر کرنا اس ہمہ وقتی تسبیح پر واضح طور پر دلالت کرتا ہے (کیونکہ مصدر کی کسی زمانے کے ساتھ خصوصیت نہیں ہوتی۔ مصدر سے حدوثِ استمراری معلوم ہوتا ہے مترجم)

فعلِ تسبیح خود ہی متعدی ہے کیونکہ تسبیح کا لغوی معنی ہے کسی چیز کو برائی سے دور کرنا اور پاک کرنا سَبَّحَ کا معنی ہے چلا گیا دور ہو گیا۔

کبھی اس کے مفعول پر لام بھی آجاتا ہے جیسے نَصَحْتُہٗ اور نَصَحْتُ لَہٗ دونوں طرح سے مستعمل ہے اسی طرح تسبیح کا استعمال بھی دونوں طریقوں سے ہوتا ہے مفعول پر اس جگہ لام لانے سے اسطرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ مخلوق کی تسبیح خالص اللہ کے لئے ہے۔

مَافِی السَّمٰوٰتِ الخ یعنی ساری مخلوق عقل والی ہو یا محروم از عقل (گویا اس جگہ ما کا لفظ اہلِ عقل کو بھی شامل ہے) بعض نے کہا ما سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے تسبیح کا صدور ہو سکتا ہو۔ بعض اہلِ علم کے نزدیک جمادات وغیرہ (جو تسبیح کلامی و قولی سے فطرتاً محروم ہیں) کی تسبیح حالی مراد ہے یعنی یہ ساری چیزیں دلالت کر رہی ہیں کہ اللہ ہر برائی (اور نقص و عجز) سے پاک ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ (جماد ہو یا نامی باشعور ہو یا بے شعور ذی عقل ہو یا محروم از عقل) تمام موجودات میں اس کی نوع کے مناسب زندگی، اور علم موجود ہے جیسا کہ ہم نے سورۂ بقرہ کی آیت وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ کی تفسیر میں وضاحت کر دی ہے پس ہر چیز کی تسبیح مقالی ہے گو ہم اس کے کلام کو نہ سمجھیں) اللہ نے فرمایا ہے وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ②
هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ③

اس کی سلطنت ہے آسمانوں کی اور زمین کی وہ زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے اور وہی ہر چیز پر قابو رکھنے والا ہے وہی (سب سے) پہلے ہے اور وہی پیچھے اور وہی ظاہر ہے اور وہی مخفی اور وہی ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ الخ آسمانوں اور زمین پر اسی کا اقتدار ہے کیونکہ وہی تمام مخلوق کو عدم سے وجود میں لانے والا اور سب پر تصرّف کرنے والا ہے۔

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اور وہی ہر چیز پر پورا قابو رکھنے والا ہے زندہ کرنا ہو یا موت دینا یا اس کے علاوہ کوئی اور

تصرّف سب پر اس کو قدرت ہے۔

هُوَ الْاَوَّلُ یعنی وہی ہر چیز سے پہلے ہے کوئی اس سے پہلے نہیں کیونکہ ہر موجود چیز کو نیستی سے ہستی میں لانے والا وہی ہے اور اسی نے معدوم کو موجود کیا ہے۔

وَالْاٰخِرُ یعنی وہی ہر چیز کے فنا ہو جانے کے بعد باقی رہنے والا ہے۔ ہر چیز اپنی ذات کے اعتبار سے فنا پذیر ہے اللہ کا وجود اصل ہے جو قابلِ زوال نہیں ہر شئے کی ہستی مستعار ہے اللہ کی ہستی کے زیر حکم ہے پس سب سے پیچھے باقی رہ جانے والا وہی ہے (یعنی ہر چیز سے پہلے عدم ہے اور ہر چیز کے وجود پر باعتبارِ ذات عدم طاری ہونے والا ہے اور اللہ کے وجود پر عدم سابق نہیں اور نہ اس پر عدم طاری ہو سکتا ہے۔ پس ہر چیز عدم سابق اور عدم لاحق کے درمیان عارضی مستعار وجود رکھتی ہے اور اللہ کا وجود دوامی عدم سابق ولاحق سے پاک ہے۔

وَالظَّاهِرُ ہر چیز سے بڑھ کر اس کا ظہور ہے کیونکہ ہر چیز کے ظہور کی بنا اس کے وجود پر ہے معدوم کا کوئی ظہور نہیں ہوتا اور ہر چیز کا وجود اللہ کے وجود کا پرتو اور ظِل ہے پس ہر چیز کا ظہور اللہ کے ظہور کی ایک شاخ ہے اللہ کا ظہور اصل ہے اور مخلوق کا وجود اسی سے مُستفاد ہے اور چونکہ اللہ کا ظہور کامل ہے اور آنکھوں کی بصارت قاصر اور ناقص اس لئے کہ اللہ کا وجود دکھائی نہیں دیتا چمگادڑ سورج کو نہیں دیکھتا اور نہ ٹھیک نصفُ النہار کے وقت سورج پر نظر جما کر اس کو کوئی دیکھ سکتا ہے۔ کیونکہ ظہور کی شدت اور نور کی قوتِ نظر کے لئے حجاب بن جاتی ہے لیکن جس طرح دن میں سورج کی روشنی کا اعتراف ہر بچہ بڑا اور عقلمند و دیوانہ کرتا ہے اسی طرح جس میں تھوڑی سی بھی قوتِ تمیز ہے وہ اللہ کی ہستی کا منکر نہیں ہو سکتا۔

وَالْبَاطِنُ اور وہی کمالِ ظہور کی وجہ سے پوشیدہ ہے اس کے علاوہ اس کی حقیقتِ ذات تو سب سے مخفی ہے آنکھوں والے انبیاء اور اولیاء کی بصارت و بصیرت کی رسائی کُنہِ ذات تک نہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجۃ اور ابن ابی شیبہ نے اور حضرت عائشہؓ کی روایت سے ابویعلیٰ موصلی نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سونے کو لیٹتے تھے تو اس وقت یہ دعا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى وَمُنَزِّلَ التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْفُرْقَانِ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ، اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهٖ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ اِقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَاَغْنِنَا عَنِ الْفَقْرِ اے اللہ اے آسمانوں کے اور زمین کے مالک اے عرشِ عظیم کے مالک، اے ہمارے مالک، اے ہر چیز کے مالک، اے دانہ کو اور گٹھلی کو چیرنے والے اور اس سے پودا نکالنے والے اے توریت وانجیل و قرآن کو اتارنے والے میں تیری پناہ لیتا ہوں ہر اس چیز کی بدی سے جو تیرے دستِ قدرت میں ہے اے اللہ تو ہی (سب سے) اول ہے تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں اور تو ہی (سب کے) آخر ہے تیرے بعد کوئی چیز نہیں اور تو ہی ظاہر ہے تجھ سے بالا کوئی چیز نہیں اور تو ہی مخفی ہے تجھ سے زیادہ اندرونی کوئی چیز نہیں ہمارا قرض ادا فرما دے اور ہم سے فقر کو دور کر کے ہم کو غنی بنا دے۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت عمرؓ سے اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تو فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح آخر کا علم اللہ کو ہے ویسا ہی اول کا علم اس کو ہے (یعنی مبدء اور منتہا دونوں کا علم اس کو ایک جیسا ہے) اور جیسے باطن کا علم ہے ویسا ہی ظاہر کا علم ہے (یعنی وہی عالم الغیب والشہادہ ہے) ظاہر اور پوشیدہ سب اس کے علم میں برابر ہے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۗ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

بَصِيرٌ ۝ وہی تو ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ روز (کی مقدار) میں پیدا کیا پھر تخت پر قائم ہوا وہ جانتا ہے جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو چیز زمین سے برآمد ہوتی ہے اور جو چیز آسمان سے اترتی ہے اور جو چیز اس میں چڑھتی ہے اور وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے تم جہاں کہیں ہو اور وہ تمہارے سب اعمال کو دیکھتا ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ یہ آیت متشابہات میں سے ہے سلامتی کا راستہ یہی ہے کہ اس کی مرادی تشریح نہ کی جائے۔ اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ کا کیا مطلب ہے کیا مراد ہے اس کو اللہ ہی کے سپرد کر دیا جائے (یعنی ان متشابہات میں سے ہیں جن کی تشریح نہ شارع نے کی نہ اپنی مراد بیان کی نہ قیاس کو اس میں دخل ہے)

مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے جیسے بیج بارش کے قطرے مدفونہ خزانے مُردے وغیرہ۔

وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا اور جو چیز زمین سے برآمد ہوتی ہے جیسے کھیتی، گھاس، پودے، بخارات، کانیں اور قیامت کے دن مُردے بھی اسی سے برآمد ہوں گے۔

وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ اور جو چیز آسمان سے اترتی ہے جیسے بارش، فرشتے، برکات اور اللہ کے احکام وغیرہ۔

وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا اور جو آسمان میں چڑھتی ہے جیسے بخارات، ملائکہ، بندوں کے اعمال لوگوں کی روحیں وغیرہ۔

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ اور وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے اللہ کی معیت بے کیف ہے جسمانی نہیں، مکانی نہیں، زمانی نہیں، ناقابلِ بیان ہے) اللہ کی نسبت تمام مقاموں سے ایک جیسی ہے اس لئے ہر مقام میں وہ بندوں کے ساتھ رہتا ہے خواہ بندے کہیں ہوں۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ تمہارے سارے اعمال کو اللہ دیکھتا ہے یعنی تمہارے تمام اعمال کا بدلہ دے گا۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ آسمان و زمین کی سلطنت اسی کی ہے اور اللہ ہی کی طرف سب اُمور لوٹ جائیں گے۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ الخ آغازِ آفرینش کا ذکر کر کے یہ آیت ذکر کی تھی اور دوبارہ اب یہاں انجام امور کے ساتھ اس کا ذکر کیا۔ گویا یہ آیت آغاز اور انجام دونوں کی تمہید ہے۔

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۚ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہی دلوں کی پوشیدہ باتیں بخوبی جاننے والا ہے۔

يُوْلِجُ یعنی رات کو گھٹا کر دن کو بڑھاتا ہے اور دن کو گھٹا کر رات کو لمبا کر دیتا ہے۔

وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ یعنی دلوں میں چھپی ہوئی باتوں کو وہ خوب جانتا ہے۔

سیوطی نے جمع الجوامع میں لکھا ہے کہ مراد پوری ہونے کی دعاء کے سلسلے میں حضرت علیؓ نے فرمایا (پہلے) سورۂ حدید کی ابتدائی آیات اور سورۂ حشر کے آخر کی تین آیات پڑھے پھر کہے اے وہ ذات جو ایسی ہے اس کے سوا ایسا اور کوئی نہیں میری اس حاجت کو پورا کر دے۔ انشاء اللہ دعا قبول ہوگی)

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور جس مال میں اللہ نے تم کو قائم مقام بنایا اس کا کچھ حصہ راہِ خدا میں خرچ کرو۔ پس تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئیں اور (راہ خدا میں) خرچ کریں ان کو بڑا ثواب ہوگا۔

اٰمِنُوْا یعنی اے لوگو ایمان لاؤ اللہ پر اور وَرَسُوْلِهٖ اس کے رسول پر کیونکہ بغیر پیغمبروں کی وساطت اور توسّل کے اللہ پر صحیح ایمان لانا ممکن نہیں۔

بِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ یعنی اس مال کا کچھ حصہ جس میں تصرف کرنے کے لئے اللہ نے تم کو اپنا قائم مقام بنایا ہے اس کی راہ میں خرچ کرو۔ تمام مال پیدا کیا ہوا تو اللہ یہ کا ہے وہی مالک بھی ہے۔ (تصرّف کرنے کا اختیار انسان کو دیا گیا ہے۔ مترجم)

یا یہ مطلب ہے کہ پچھلے گزشتہ لوگوں کا قائم مقام اللہ نے تم کو بنایا ہے پہلے وہ مالک اور متصرّف تھے اب ان کی جگہ تم ہو اور آئندہ تمہاری جگہ اس مال کی ملکیت اور تصرّف کا اختیار دوسروں کو ہوگا۔ جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ کہہ کر اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے پر آمادہ کرنا اور برانگیختہ کرنا مقصود ہے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۸ اور تمہارے لئے کیا سبب ہے کہ اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ رسول تم کو بلا رہے ہیں کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ اور خود خدا نے تم سے (اپنے رب ہونے کا) عہد لیا تھا۔ اگر تم کو ایمان لانا ہو۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ الخ یعنی اللہ پر ایمان نہ لانے کا تمہارے پاس کیا عذر ہے جبکہ رسول دلائل اور واضح نشانیوں کی روشنی میں اللہ پر ایمان لانے کی تم کو دعوت دے رہے ہیں۔

وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اور اللہ نے (اپنی ربوبیت کا) تم سے اقرار لے لیا تھا یعنی جب آدم کی پشت سے تم کو برآمد کر کے فرمایا تھا۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تم نے جواب میں کہا تھا بَلٰى شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا الخ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ نے پیغمبروں کی زبانی اور اپنی کتابوں میں تم سے عہد لے لیا تھا اور فرمایا تھا ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ۔

بعض اہلِ علم کے نزدیک اخذِ میثاق سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے (فطری) دلائل قائم کر دیئے اور دیکھنے اور غور کرنے کی قوت عطا فرما دی۔

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ یعنی تم جو اپنے خیال میں اللہ پر ایمان لانے کے مدّعی ہو اگر تم واقعی مؤمن ہو تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ کیونکہ رسول کی وساطت کے بغیر اللہ پر کوئی ایمان صحیح نہیں ہو سکتا۔ بات یہ ہے کہ ایمان باللہ کا دعویٰ تو کافروں کو بھی تھا خدا کا اقرار کرنے کے ساتھ وہ بتوں کی بھی پوجا کرتے تھے اور ان) کو اپنا سفارشی مانتے تھے (گویا ان کا ایمان شرک آمیز تھا اور توحید سے خالی تھا)

صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے آیا ہے کہ قبیلہ عبدالقیس کا وفد جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ان کو چار باتوں کا حکم دیا اور چار چیزوں کی ممانعت فرما دی ان کو اللہ لاشریک لہ پر ایمان لانے کا حکم دیا اور فرمایا کیا جانتے ہو کہ اللہ وحدہٗ پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟ وفد نے جواب دیا اللہ اور اس کا رسول ہی بخوبی واقف ہیں؟ فرمایا لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی شہادت دینی اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا اور (ایک بات یہ کہ) تم مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ (بیت المال کو) دو۔

(جن) چار چیزوں کی ممانعت فرمائی (وہ یہ ہیں) چکنی گھڑیا، کدو کا پیالہ، لکڑی کا کٹھلا اور روغنی برتن ان برتنوں کو استعمال کرنے کی ممانعت کر دی۔ یہ سب شراب پینے کے برتن تھے) حضور ﷺ نے فرمایا ان کو یاد رکھنا اور ادھر والوں کو بھی بتا دینا۔

میں کہتا ہوں (ظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے پانچ باتوں کا حکم دیا (۱) شہادتِ توحید و رسالت۔ (۲) اقامتِ صلوٰۃ (۳) ادائے زکوٰۃ (۴) صیامِ رمضان (۵) مالِ غنیمت کا خمس۔ حالانکہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تھا کہ چار باتوں کا حکم دیا۔ لیکن تفصیل میں پانچ باتوں کا ذکر کیا) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایمان باللہ کا حکم دینے کے بعد چار باتوں کا حکم دیا اول

ایمان کی تشریح کی پھر چار باتوں کی تفصیل بیان کر دی۔
یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ اللہ وحدہٗ پر ایمان رسول پر ایمان لائے بغیر نا قابلِ تصور ہے۔
بیضاوی نے کہا آیت کا مطلب اس طرح ہے اگر کسی موجب کی وجہ سے تم ایمان لانے والے ہو تو یہ موجب موجود ہے اس سے بڑھ کر اور کوئی موجبِ ایمان نہیں ہو سکتا۔ بغوی نے اس طرح مطلب بیان کیا ہے اگر تم کبھی کسی وقت ایمان لانے والے ہو تو یہ وقت ایمان لانے کا سب سے بہتر ہے، دلائل موجود ہیں رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہو چکی اور قرآن نازل ہو گیا۔ (اس سے بڑھ کر ایمان لانے کا اور کونسا دن آئے گا)

هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِہٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۹

وہ (اللہ) ایسا ہے کہ وہ اپنے خاص بندے پر کھلی ہوئی آیتیں نازل فرماتا ہے تاکہ تم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تم پر بڑا شفیق اور مہربان ہے۔
عَبْدِہٖ سے مراد ہیں رسول اللہ آیات بینات۔ یعنی قرآن مجید یا کھلے ہوئے معجزات۔
لِیُخْرِجَکُمْ تاکہ وہ اللہ یا اس کا بندہ۔
الظُّلُمٰتِ یعنی کفر و جہالت
النُّوْرِ یعنی ایمان یا علم
لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ اللہ تم پر بڑا مہربان ہے کہ اس نے تم کو صرف عقلی دلائل پر نہیں چھوڑا بلکہ اپنا رسول تمہارے پاس بھیجا اور اپنی آیات نازل فرمائیں۔

وَ مَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِؕ

اور تمہارے لئے اس کا کیا سبب ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ سب آسمان اور زمین اخیر میں اللہ ہی کا رہ جائے گا۔
مَا لَکُمْ میں استفہام انکاری ہے یعنی اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے میں تمہارا کوئی فائدہ نہیں۔
سَبِیْلِ اللّٰهِ سے مراد ہے وہ راستہ جو قربِ خداوندی تک پہنچانے والا ہے۔
وَ لِلّٰهِ مِیْرَاثُ الخ یعنی زمین و آسمان کی ہر چیز کا مالک و وارث تو اللہ ہے اور کسی کے پاس (مرنے کے بعد) مال باقی نہیں رہے گا۔ ایسی حالت میں دانشمندی کی بات یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کر دیا جائے تاکہ اس کے عوض لازوال ثواب اللہ کی طرف سے مل جائے راہِ خدا میں خرچ نہ کرنا اور جوڑ جوڑ کر وارثوں کے لئے چھوڑ جانا کوئی فائدہ کی بات نہیں ہے۔
حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ایک بار لوگوں نے ایک بکری ذبح کی، سب گوشت تو بانٹ دیا صرف ایک شانہ رکھ لیا) حضور نے فرمایا بانٹنے سے بکری کا کون سا حصہ باقی رہا۔ عرض کیا گیا صرف ایک شانہ باقی ہے، فرمایا ایک شانہ کے علاوہ سب باقی رہا (ایک شانہ باقی نہیں رہا) یعنی جو اللہ واسطے بانٹ دیا اس کا ثواب باقی رہا اور جو نہیں بانٹا گیا اس کا ثواب جمع نہ ہوا۔ رواہ الترمذی
حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کون ایسا ہے کہ جس کو اپنے (پاس کے) مال سے وارث کا مال زیادہ محبوب ہے، صحابہ نے عرض کیا حضور ہم میں سے ہر شخص کو اپنا مال وارث کے (پاس رہنے والے) مال سے زیادہ محبوب ہے (یعنی ہر شخص چاہتا ہے کہ میں مالدار رہوں۔ وارث کا مالدار ہونا اتنا پسندیدہ نہیں جتنا اپنا مالدار ہونا مرغوب ہے) فرمایا تو اس کا مال وہ ہے جو اس نے (مرنے سے پہلے) بھیج دیا اور وارث کا مال وہ ہے جو پیچھے چھوڑ گیا۔ رواہ البخاری والنسائی۔

لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَؕ اُولٰٓىٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْاؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰىؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۱۰ ع ۱۷

جو لوگ فتح مکہ سے پہلے راہ خدا میں خرچ کر چکے اور لڑ چکے برابر نہیں وہ لوگ درجہ

میں ان لوگوں سے بہت بڑے ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور لڑے اور اللہ نے بھلائی (یعنی ثواب) کا وعدہ سب سے کیا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔

مِنۡ قَبۡلِ الۡفَتۡحِ اکثر مفسرین کے نزدیک اَلۡفَتۡحِ سے فتح مکہ مراد ہے۔ شعبی کے نزدیک صلح حدیبیہ مراد ہے۔
وَقَاتَلَ یعنی فتح سے پہلے جس نے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا اور جہاد کیا اس کی برابر وہ شخص نہیں ہے جس نے فتح کے بعد مال خرچ کیا اور قتال کیا۔
اُولٰٓئِکَ اَعۡظَمُ دَرَجَۃً یعنی عند اللہ ان لوگوں کا درجۂ ثواب و قرب بہت بڑا ہے، جنہوں نے فتح سے پہلے مال خرچ کیا اور دشمنوں سے لڑے بغوی کا بیان ہے کہ محمد بن فضل نے کلبی کا قول نقل کیا کہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیقؓ کے حق میں نازل ہوئی۔ آپ سب سے پہلے مسلمان ہوئے اور سب سے پہلے راہِ خدا میں مال خرچ کیا۔
بغوی نے اپنی تفسیر معالم میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی موجود تھے آپ اس وقت ایک عباء پہنے ہوئے تھے۔ جس کے سینے کو آپ نے ایک کانٹا لگا کر بند کر لیا تھا اتنے میں جبرئیلؑ نازل ہوئے اور کہا کیا بات ہے کہ ابو بکر ایک عباء پہنے ہوئے ہیں جس کے سینے کو کانٹا چبھو کر بند کر رکھا ہے حضور نے فرمایا انہوں نے فتح سے پہلے اپنا (سارا) مال راہِ خدا میں خرچ کر دیا۔ جبرئیلؑ نے کہا اللہ فرماتا ہے کہ ان کو میری طرف سے سلام کہو اور پوچھو کیا تم اس مفلسی میں مجھ سے راضی ہو یا ناراض، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تم کو سلام کہہ رہا ہے اور فرماتا ہے کہ تم اس فقیری میں مجھ سے راضی ہو یا ناراض حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا میں اپنے رب سے ناخوش ہو سکتا ہوں؟ بلاشک میں اپنے رب سے خوش ہوں، واحدی نے بھی اپنی تفسیر میں یہ قصہ اسی طرح بیان کیا ہے۔
میں کہتا ہوں عبارت کے لحاظ سے تو یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ وہ مہاجر و انصار جو سابقین اولین میں تھے ان لوگوں سے افضل ہیں جو فتح کے بعد ایمان لائے اور راہِ خدا میں مال خرچ کیا لیکن رفتارِ آیت اور مفہومِ کلام دلالت کر رہا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ تمام صحابہؓ سے اور تمام صحابہؓ دوسرے لوگوں سے افضل تھے کیونکہ برتری اور فضیلت کا معیار سبقتِ اسلام اور فتح سے پہلے جان و مال کو راہِ خدا میں صرف کرنا ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص کوئی اچھا طریقہ جاری کرے گا اس کو اپنے عمل کا اجر بھی ملے گا اور ان لوگوں کے عمل کا بھی اجر ملے گا جو اس طریقے پر چلیں گے لیکن اس طریقے پر چلنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور باتفاقِ علماء یہ امر ثابت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ سب سے پہلے ایمان لائے اور سردارانِ قریش آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور آپ نے اپنا بڑا مال سب سے پہلے راہِ خدا میں خرچ کیا اور آپ ہی نے سب سے پہلے راہِ خدا میں کافروں کی طرف سے تکلیفیں برداشت کیں اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جس شخص نے ہم پر کوئی احسان کیا ہم نے ہر ایک کا بدلہ چکا دیا، سوائے ابو بکرؓ کے کہ ان کے احسان کا بدلہ (ہم نہ دے سکے) قیامت کے دن اللہ عطا فرمائے گا اور مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں پہنچایا جتنا ابو بکرؓ کے مال نے پہنچایا۔ رواہ الترمذی من حدیث ابی ہریرہؓ۔
حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنے والد کی روایت سے بیان کیا کہ ابو بکر جس وقت مسلمان ہوئے تو ان کے پاس چالیس ہزار تھے جو سب کے سب آپ نے راہِ خدا میں رسول کی خدمت میں خرچ کر دیئے۔ بخاری نے طویل حدیث میں بیان کیا ہے پھر ابو بکر نے مناسب خیال کیا اور اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنالی اور اسی میں نماز ادا کرتے اور قرآن پڑھتے تھے۔
بخاری کی روایت ہے کہ عقبہ بن ابی مُعیط نے رسول اللہ ﷺ کو (کعبہ میں) نماز پڑھتے دیکھا تو آپ کے گلے میں چادر ڈال کر اتنی کھینچی کہ گلا گھٹنے لگا۔ حضرت ابو بکرؓ نے دیکھ لیا اور آکر عقبہ کو دور کیا اور فرمایا کیا تم لوگ ایسے شخص کو قتل کر دو گے جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور تمہارے پاس وہ کھلے ہوئے دلائل (یا معجزات) بھی لے کر آیا ہے۔ ابو عمرو کی روایت بھی اسی طرح ہے اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ کافروں نے حضرت ابو بکر کو پکڑ کر بہت سخت مارا، سخت چوٹیں لگائیں جب آپ گھر لوٹ کر آئے تو یہ حالت ہو گئی کہ جب اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرتے تو ہاتھ کے ساتھ بال بھی آجاتے تھے (یعنی بال کمزور پڑ گئے

تھے) اور آپ کہتے تھے تبارکت یاذالجلال ابوعمرو نے استیعاب میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے سات غلام آزاد کئے جن کو راہِ خدا میں عذاب دیا جاتا تھا۔ ان میں سے بلالؓ اور عامر بن فہیرہ بھی تھے۔

ابو اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکرؓ جب اسلام لائے تو آپ نے اپنا اسلام پوشیدہ نہیں رکھا۔ اور لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف آنے کی دعوت دی حضرت ابوبکر اپنے لوگوں کو جوڑ کر رکھنے والے سہل الاخلاق اور لوگوں کے دلوں میں محبوب تھے قوم میں سے جو لوگ بھروسے کے تھے اور آپ کے پاس آتے جاتے اور بیٹھتے تھے آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی چنانچہ آپ کی دعوت پر مندرجہ ذیل حضرات مسلمان ہوگئے۔ بنی عبد الشمس کے سردار حضرت عثمان بن عفانؓ، بنی اسد کے سردار حضرت زبیر بن عوامؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ یہ دونوں حضرات بنی زہرہ کے سردار تھے، بنی تمیم کے سردار حضرت طلحہ بن عبد اللہؓ جب ان حضرات نے دعوت قبول کرلی اور اسلام لے آئے اور نماز پڑھ لی تو حضرت ابوبکر ان کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان حضرات کے مسلمان ہونے سے قبائلِ قریش کا زور ٹوٹ گیا۔

ابو الحسن اشعری نے کہا حضرت ابوبکر کی باقی صحابیوں پر فضیلت قطعی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ سلف کا اس پر اتفاق ہے البتہ ابن عبد البر کا قول ہے کہ سلف میں اس بابت اختلاف ہے کہ علی افضل تھے یا ابوبکر۔ میں کہتا ہوں یہ قول صرف ابن عبد البر کا ہے دوسرے وہ علماء جو علم واطلاع میں ابن عبد البر سے زیادہ تھے مثلاً امام شافعیؒ وغیرہ کسی نے اس اختلاف کا تذکرہ نہیں کیا۔ تفضیلِ شیخین کے عقلی، نقلی دلائل تفصیل کے ساتھ ہم نے سیف مسلول میں ذکر کردی ہیں۔

اسلام میں حضرت ابوبکرؓ کے اونچے مقامات ہیں۔ شبِ معراج کی سیر کی آپ نے (فوراً) سنتے ہی پوری پوری تصدیق کی اور کافروں کو (مسکت) جواب دیا۔ اہل وعیال (اور متعلقین) کو چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت کی اور سارے راستہ میں نیز غار (ثور) میں حضور ﷺ کے ساتھ رہے جب دوسرے لوگ شبہ میں پڑ گئے تھے اور مکہ میں داخل نہ ہونے سے ان کو (رسول اللہ ﷺ کے کلام میں) تردد پیدا ہو گیا تھا تو حدیبیہ کی صلح کے دن آپ نے (حضرت عمرؓ سے) نہایت معقول اور ثباتِ ایمان پر دلالت کرنے والی) بات کہی تھی اسی طرح بدر کے موقع پر آپ کا کلام (ایمان کی پختگی ظاہر کرنے کے لئے کافی) تھا لیکن باوجودیکہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے آپ پر بھی غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا، لوگوں کو تسکین دینے کے لئے آپ نے (مدلل) خطاب کیا (اور قرآن کی آیت تلاوت فرمائی جس سے صحابہؓ کے دماغوں سے وہ اٹھ گیا) مسلمانوں کی مصلحتوں کے پیشِ نظر رسول اللہ ﷺ کو آغوشِ قبر میں دینے سے پہلے ہی آپ نے بیعت کا اہتمام کیا اور رسول اللہ ﷺ کی جانشینی کا مسئلہ طے کیا) رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کا ایک لشکر حضرت اسامہ بن زیدؓ کی زیر قیادت شام کو بھیجنے کا اہتمام کیا تھا اسی اثناء میں حضور ﷺ کی وفات ہوگئی اور حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بنادیا گیا اور مدینہ کے اطراف کے بیشتر قبائل مرتد ہوگئے لیکن آپ نے حضرت اسامہؓ کی روانگی ملتوی نہیں کی اور مرتدوں سے لڑنے کے لئے بھی لشکرِ اسلام کو بھیجا۔

آپ نے ہی عراق اور شام کی طرف (ایرانیوں اور رومیوں سے جہاد کرنے کے لئے) مسلمانوں کے فوجی دستے بھیجے (جو کامیاب ہوئے) آپ کے مناقب میں آخری منقبت یہ تھی کہ آپ نے حضرت عمرؓ کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کیا۔

وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى اور فریقِ صحابہؓ سے اللہ نے ثواب کا وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے بھی جنہوں نے فتح سے پہلے راہِ خدا میں اپنا مال خرچ کیا اور جہاد کیا اور ان لوگوں سے بھی جنہوں نے فتح کے بعد فی سبیل اللہ مال دیا اور جہاد کیا اس لئے صحابہؓ کے اختلافات اور باہم لڑائیوں کو دیکھ کر کسی شخص یا فریق پر زبانِ طعن دراز کرنا جائز نہیں ان کے باہمی مشاجرات کو صحیح مقاصد پر محمول کرنا چاہئے یا (زیادہ سے زیادہ) اجتہادی غلطیاں مانی جائیں۔ آغازِ آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ اپنے بعد آنے والے (تمام) لوگوں سے افضل تھے کیونکہ وہ اسلام میں بھی سابق تھے اور راہِ حق میں جان ومال بھی انہوں نے پہلے

خرچ کیا تھا۔ شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہؓ کو بُرا نہ کہو اگر تم میں سے کوئی (کوہِ) احد کے برابر سونا (راہِ خدا میں) خرچ کرے تو صحابہؓ کے ایک سیر بلکہ نصف سیر (غلہ یا چھوارے) خیرات کرنے کے برابر بھی نہ ہوگا۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ یعنی اللہ کو تمہارے باطن کا علم ایسا ہی ہے جیسے ظاہر کا اس لئے ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دے گا۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۱﴾

کوئی ہے جو اللہ کو اچھی طرح قرض کے طور پر دے پھر اللہ اس دیئے ہوئے ثواب) کو اس شخص کے لئے بڑھاتا چلا جائے اور اس کے لئے اجر پسندیدہ ہے۔

يُقْرِضُ اللّٰهَ مضاف محذوف ہے یعنی اللہ کے بندوں کو قرض دینے والا یا اللہ کو قرض دینے سے مراد ہے اللہ کی راہ میں اس امید پر خرچ کرنا کہ اللہ اس کا عوض عنایت فرمائے گا گویا یہ ایسا ہی ہو گیا جیسے کوئی قرض دے (اس یقین کے ساتھ کہ قرض کا عوض واپس ضرور واپس ضرور ملے گا)

قَرْضًا حَسَنًا یعنی خلوص کے ساتھ بہت عمدہ اعلیٰ مال صحیح طریقے سے۔

فَيُضٰعِفَهٗ پس اللہ اس کو چند گناہ بدلہ دے گا۔

وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِيْمٌ یعنی اگر چند گناہ اجر اللہ نہ بھی دے تب بھی اصل اجر بجائے خود بہت اعلیٰ ہو گا جس کی طلب بغیر امید زیادتی کے بجائے خود ہی ہونا چاہئے اور جب اصل معاوضہ کے ساتھ کتنے ہی گناہ زیادہ ملنے کی امید ہو اور اللہ کا وعدہ ہو تو ایسے اجر کی طلب تو بہت ہی ضروری ہے۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾

جس دن آپ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں طرف دوڑتا ہو گا آج تم کو بشارت ہے ایسے باغوں کی جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جن کے اندر وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

يَوْمَ تَرَى کا تعلق فَيُضٰعِفَهٗ سے ہے یا اُذْكُرْ (یاد کرو) محذوف ہے اور يَوْمَ تَرَى اُذکر کا ظرف ہے۔

يَسْعٰى نُوْرُهُمْ یعنی توحید اور رسالت کا نور پلِ صراط پر بلکہ جہاں وہ ہوں گے ان کے ساتھ ہو گا اور جنت کی طرف جانے کا راستہ دکھائے گا۔

بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ آگے آگے اور دائیں طرف۔ بعض مفسرین نے کہا اس سے تمام جہالت مراد ہیں (آگے پیچھے دائیں بائیں) اس تفسیر کی تائید رسول اللہ ﷺ کی ایک دعا سے ہوتی ہے۔ شیخین، ابو داؤد اور نسائی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لئے بر آمد ہوتے تو (راستہ میں) کہتے تھے اے اللہ میرے دل میں نور، میری آنکھوں میں نور، میرے کانوں میں نور، میرے دائیں طرف نور اور میرے بائیں طرف نور (اور میرے آگے نور) اور میرے پیچھے نور اور مجھے (سر تاپا) نور کر دے)

ابن ماجہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور مسلم، ابو داؤد اور نسائی نے بھی حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے یہ دعا نقل کی ہے اس روایت میں اتنا زائد ہے میری زبان میں نور اور میرے پیچھے سے نور اور میرے سامنے سے نور اور میرے اوپر سے نور اور میرے نیچے سے نور کر دے اے اللہ مجھے نور عطا فرما۔ اس دعا میں تمام اطراف سے نور ہونے کا ذکر کیا گیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آیت میں جو صرف دو جہتوں (آگے آگے اور دائیں طرف) کا ذکر کیا ہے اس سے مراد تمام اطراف میں ہیں

لیکن خوش نصیب لوگوں کو جو اعمالنامے دیئے جائیں گے وہ انہی دو سمتوں سے دیئے جائیں گے اس لئے خصوصیت کے ساتھ ان دو جہتوں کا ذکر کیا گیا۔

ضحاک اور مقاتل نے یہ مطلب بیان کیا کہ ان کے آگے نور دوڑ رہا ہو گا اور دائیں ہاتھوں میں اعمالنامے ہوں گے۔
بعض اہلِ علم نے کہا اللہ ان کے دو جہتوں میں جو نور کر دے گا اس سے اشارہ ہے اس طرف کہ وہ اپنی نیکیوں کے سبب سے خوش نصیب ہو گئے اور نورانی اعمالناموں کی وجہ سے کامیاب ہوئے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ بقدرِ اعمال ان کو نور عطا کیا جائے گا پل صراط سے گزرتے ہوئے کسی کا نور تو پہاڑ جیسا ہو گا اور کسی کا نور درخت کھجور کے برابر اور کم سے کم نور وہ ہو گا جو صرف انگوٹھے میں ہو گا کبھی جلے گا، کبھی بجھے گا۔ قتادہ نے بیان کیا ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بعض مؤمنوں کا نور تو اتنی دور تک چمکے گا جیسے مدینے سے عدن تک اور بعض کا نور اتنی مسافت تک جیسے مدینہ سے صنعاء تک اور اس سے کم (ہوتا چلا جائے گا) یہاں تک کہ بعض مؤمنوں کا نور صرف دونوں قدموں کے درمیان چمکے گا۔

فصل: اسباب نور و ظلمت کا بیان

ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت بریدہؓ کی روایت سے اور ابن ماجہ نے حضرت انسؓ کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بشارت ہو قیامت کے دن نورِ کامل حاصل ہونے کی ان لوگوں کو جو تاریکیوں میں پیدل چل کر مسجدوں کو جاتے ہیں۔ ایسا ہی حضرت سہل بن سعد، حضرت زید بن حارثہ، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت حارثہ بن وہب، حضرت ابوامامہ، حضرت ابودرداء، حضرت ابوسعید، حضرت ابوموسیٰ، حضرت ابوہریرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایت میں آیا ہے۔

امام احمد اور طبرانی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص نمازوں کی پابندی رکھے گا تو قیامت کے دن وہ نمازیں اس کے لئے نور اور بُرہان اور نجات ہو جائیں گی اور جو نمازوں کی نگہداشت نہیں کرے گا اس کے لئے نہ نور ہو گا نہ برہان نہ نجات اور قیامت کے دن وہ قارون اور فرعون اور ہامان کے ساتھ ہو گا۔ طبرانی نے حضرت ابوسعید کی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ جو شخص سورۂ کہف پڑھے گا تو قیامت کے دن یہ سورہ اس کے لئے نور بن جائے گی اس کی جگہ سے مکہ تک (یعنی مدینہ سے جتنی دور مکہ ہے اتنی دور تک اس کے لئے نور ہی نور ہو گا)
ابن مردویہ نے بیان کیا کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھے گا تو قیامت کے دن اس کے قدموں کے نیچے سے بادلوں تک نور ہی نور چمکے گا۔
امام احمد نے حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع حدیث بیان کی کہ جو شخص ایک آیت (بھی) تلاوت کرے گا قیامت کے دن وہ آیت اس کے لئے نور ہو جائے گی۔ دیلمی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ پر درود پڑھنی) پل صراط پر نور ہو جائے گی۔
طبرانی نے الاوسط میں لکھا ہے کہ دنیا میں جس کی آنکھیں جاتی رہی ہوں اگر وہ صالح ہے تو قیامت کے دن اللہ اس کے لئے نور کر دے گا۔ طبرانی نے حضرت عبادہ بن صامتؓ کا قول حج کے سلسلے میں بیان کیا، حضرت عبادہ نے فرمایا سر مونڈنے میں جو ایک بال بھی زمین پر گر جائے گا وہ قیامت کے دن نور ہو جائے گا۔
بزار نے حضرت ابن مسعودؓ کی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ (حج میں) جب رمی جمار کیا جاتا ہے یعنی کنکریاں ماری جاتی ہیں) تو وہ کنکریاں قیامت کے دن (حج کرنے والے کے لئے) نور ہو جائیں گی۔ طبرانی نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت ابوامامہ کی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ اسلام میں جس کے بال کچھ بھی سفید ہو گئے (یعنی بوڑھا ہو گیا) تو بالوں کی یہ سفیدی قیامت کے دن نور ہو جائے گی۔ بیہقی نے شعب الایمان میں منقطع سند سے حضرت ابن عمرؓ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ بازار میں اللہ کا

ذکر کرنے والے کو قیامت کے دن ہر بال کے عوض نور حاصل ہو گا۔
بزار نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ جس شخص نے راہِ خدا میں ایک تیر بھی پھینکا قیامت کے دن وہ تیر اس کے لئے نور ہو جائے گا۔
طبرانی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی مشکل کو دور کر دے گا، اللہ قیامت کے دن پل صراط پر اس کے لئے نور کی دو شاخیں کر دے گا جن سے ایک دنیا روشن ہو جائے گی جن کی تعداد سوائے ربّ العزت کے اور کوئی نہیں جانتا۔
شیخین نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے اور مسلم نے حضرت جابرؓ کی روایت سے اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت ابن زیاد کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ظلم سے اجتناب رکھو کیونکہ قیامت کے دن ظلم تاریکیاں ہو گا۔
بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ یعنی ملائکہ ملاقات کے وقت کہیں گے بشارت ہو۔ بُشْرٰىكُمْ یہ جملہ فعلیہ تھا۔ استمرارِ بشارت ظاہر کرنے کے لئے جملہ اسمیہ کی صورت میں ذکر کیا۔ ذٰلِكَ یعنی یہ نور اور بشارت۔

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ جس روز کہ منافق مرد اور منافق عورتیں مسلمانوں سے کہیں گے کہ ذرا ہمارا انتظار کرو کہ ہم روشنی حاصل کر لیں جواب دیا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ پھر وہاں سے روشنی تلاش کرو۔
اُنْظُرُوْنَا نظر کا معنی ہے انتظار نَظَرَہٗ اور اِنْتَظَرَہٗ اور تَنَظَّرَہٗ دیر کر دی نَظِرَۃٌ بروزنِ خَرِجَۃٌ تاخیر اللہ نے فرمایا ہے فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ پس فراخدستی تک (مطالبہ میں) تاخیر (لازم ہے)
نَقْتَبِسْ یعنی ہم تم سے کچھ روشنی حاصل کر لیں تمہارے نور میں ہم بھی چلیں۔ قیامت کے دن کافروں اور منافقوں کے لئے تاریکی ہی تاریکی ہو گی، روشنی بالکل نہ ہو گی۔ جس طرح دنیا میں ان کے لئے نورِ ایمان نہیں تھا آیت وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ سے یہی مضمون مُستفاد ہو رہا ہے۔
کلبی اور ابن حاتم نے بیان کیا کہ حضرت ابو امامہ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ ایک تاریکی مسلط کر دے گا جس کی وجہ سے نہ مؤمن کو اپنا ہاتھ دکھائی دے گا نہ کافر کو، آخر اللہ نور عنایت کر دے گا یعنی مؤمنوں کو ان کے اعمال کے موافق۔ منافق بھی ان کے پیچھے چلنے کا ارادہ کریں گے اور کہیں گے ذرا ہمارا انتظار کرو، توقف کرو تاکہ ہم بھی تمہاری روشنی سے کچھ فائدہ حاصل کر لیں۔

حضرت ابو امامہ کی دوسری روایت میں ایک طویل حدیث کے ذیل میں آیا ہے پھر لوگوں پر سخت تاریکی چھا جائے گی۔ اس کے بعد روشنی تقسیم کی جائے گی۔ مؤمن کو تو روشنی عطا کر دی جائے گی اور کافر و منافق کو کچھ نہیں دیا جائے گا۔ اسی کو اللہ نے بطورِ تمثیل آیت اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ پس مؤمن کے نور سے کافر اور منافق کوئی روشنی حاصل نہیں کر سکیں گے جیسے آنکھوں والے کی بینائی سے اندھے کو کوئی روشنی نہیں ملتی۔ اس وقت منافق مؤمنوں سے کہیں گے ذرا توقف کرو تمہاری روشنی سے ہم بھی کچھ حصہ پالیں۔ کہا جائے گا پیچھے واپس جاؤ وہاں نور کی تلاش کرو۔ یہ حقیقت میں اللہ کی طرف سے (ظاہر) ایک دھوکا ہو گا جس کا استعمال منافقوں پر کیا جائے گا (اس کے متعلق) فرمایا ہے يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ یہ جواب پا کر وہ لوگ تقسیمِ نور کے مقام پر لوٹ جائیں گے لیکن وہاں کچھ بھی نہیں پائیں گے اور پھر لوٹ کر مسلمانوں کی طرف جائیں گے لیکن وہاں مسلمانوں کے پیچھے ایک دیوار بنا دی گئی ہو گی (جس کی وجہ سے مسلمانوں تک نہیں پہنچ

سکیں گے۔

اللہ نے فرمایا ہے وَقَدْ ضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ الخ

ابن جریر اور بیہقی نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب لوگ تاریکی میں ہوں گے تو اللہ ایک دم ایک روشنی پیدا کر دے گا۔ مؤمن اس روشنی کی طرف رُخ کر کے چل پڑیں گے اور وہ نور جنت تک ان کا رہنما رہے گا۔ منافق جب مؤمنوں کو دیکھیں گے کہ وہ نور کی طرف چل پڑے تو وہ مسلمانوں کے پیچھے چلنے کا ارادہ کریں گے لیکن منافقوں کے لئے (بجائے نور کے) تاریکی ہو جائے گی۔ اس وقت وہ مسلمانوں سے کہیں گے ذرا توقف کرو ہم بھی تمہاری روشنی سے کچھ چمک حاصل کر لیں کیونکہ دنیا میں ہم تمہارے ساتھ تھے۔ مسلمان کہیں گے جس تاریکی سے تم آئے تھے وہیں واپس لوٹ جاؤ اور اسی مقام پر نور کی تلاش کرو۔

ابن مبارک نے بطریقِ مجاہد بیان کیا کہ حضرت یزید بن شجرہ نے فرمایا اللہ کے پاس تمہارے نام حلیے، سرگوشیاں اور مجلسیں لکھی جاتی ہیں قیامت کا دن ہو گا تو پکارا جائے گا اے فلاں بن فلاں تیرے لئے کوئی نور نہیں۔

بغوی نے لکھا ہے کہ مؤمنوں کو ان کے اعمال کے مطابق نور عطا کیا جائے گا جس کی روشنی میں وہ پلِ صراط پر چلیں گے اور منافقوں کو بھی نور دیا جائے گا لیکن دھوکہ دینے کے لئے (یعنی جب وہ روشنی میں چلیں گے تو نور ایک دم غائب ہو جائے گا) یہی مطلب ہے آیت وَهُوَ خَادِعُهُمْ کا۔

لوگ جس وقت چل رہے ہوں یکایک اللہ ایک ہوا اور تاریکی بھیج دے گا جس سے منافقوں کا نور بجھ جائے گا۔ اللہ نے فرمایا ہے يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا مسلمان اس وجہ سے ایسا کہیں گے کہ کہیں ان کا نور منافقوں کی روشنی کی طرح سلب نہ کر لیا جائے حاکم اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے ہر موحّد کو قیامت کے دن نور عطا کیا جائے گا، منافق کا نور تو بجھا دیا جائے گا اور مؤمن جب منافق کے نور کو بجھتا دیکھیں گے تو ان کو اندیشہ ہو گا کہ کہیں ان کی روشنی بھی غائب نہ ہو جائے اس لئے کہیں گے رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا طبرانی کی روایت بھی اسی طرح ہے۔

مسلم احمد اور دارقطنی نے بطریق ابن زبیر بیان کیا کہ حضرت جابر بن عبداللہ نے ایک طویل حدیث ذکر کی جس میں یہ بھی بیان کیا کہ ہر آدمی کو مؤمن ہو یا منافق ایک نور دیا جائے گا جس کے پیچھے پیچھے سب لوگ چلیں گے جہنم کے پل پر آنکڑے اور کانٹے ہوں گے اللہ جس کو چاہے گا اس کو وہ پکڑ لیں گے پھر اللہ منافقوں کی روشنی بجھا دے گا۔

میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ منافقوں کو نور دیا ہی نہیں جائے گا۔ قرآن کی آیات اسی پر دلالت کر رہی ہیں۔ رہیں وہ احادیث جن میں منافقوں کے نور کا ذکر کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ جنت تک پہنچنے سے پہلے ان کا نور بجھا دیا جائے گا تو شاید ان منافقوں سے مراد ہیں اصحابُ الہوا مؤمن یعنی شیعہ اور خارجی مسلک کے لوگ اس کا ثبوت اس حدیث مبارک سے ہوتا ہے جس کے راوی حضرت ابن عباسؓ ہیں کہ ہر موحد کو نور دیا جائے گا اور موحد وہی ہوتا ہے جو توحید و رسالت کا خلوصِ قلب سے اقرار کرے جیسا وفد عبدالقیس کی حدیث میں آیا ہے کہ ایمان باللہِ وحدہٗ یہ ہے کہ تم اللہ کو لاشریک لہٗ مانو اور محمد رسول اللہ ﷺ کا اقرار کرو۔

اِرْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہ بات منافقوں سے مؤمن کہیں گے۔ قتادہ نے کہا یہ بات ملائکہ کہیں گے وَرَآءَكُمْ سے مراد وہ مقام ہے جہاں نور تقسیم ہوا تھا، حضرت ابوامامہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیثوں سے یہی ثابت ہوتا ہے یا پیچھے لوٹنے سے مراد ہے دنیا کی طرف لوٹنا یعنی دنیا کی طرف لوٹ کر جاؤ، وہاں ایمان و معرفت حاصل کرو، اخلاقِ حمیدہ اختیار کرو اور اللہ کی عبادت کرو۔ کیونکہ یہ نور حقیقت میں اسی ایمان و طاعت کا ظہور ہے۔

فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ط بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾

پھر ان (دونوں فریقوں) کے درمیان ایک دیوار قائم کردی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا، اس کے اندرونی جانب میں رحمت ہوگی اور بیرونی جانب کی طرف عذاب ہوگا۔

بَیْنَھُمْ یعنی مومنوں اور منافقوں کے درمیان سُوْرٍ دیوار۔

لَہٗ بَابٌ یعنی اس دیوار میں مومنوں کے داخل ہونے کا دروازہ

ظَاھِرُہٗ یعنی دیوار یا دروازے سے باہر

فِیْہِ الرَّحْمَۃُ اس کے اندر رحمت ہے کیونکہ جنت اس سے متصل ہے۔

مِنْ قِبَلِہِ الْعَذَابُ یعنی دیوار کے بیرونی جانب عذاب ہے کیونکہ اس سے دوزخ متصل ہے۔ بغوی نے لکھا ہے ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا وہ دیوار جس کا ذکر آیت بسور لہ باب میں آیا ہے اس سے بیت المقدس کی شرقی دیوار مراد ہے جس کے اندرونی جانب مسجد ہے اور باہر کی طرف وادیٔ جہنم ہوگی ابن شریح کا بیان ہے کہ کعب کہتے تھے بیت المقدس میں وہ دروازہ جس کو بابُ الرحمٰن کہا جاتا ہے وہی ہے جس کا ذکر اللہ نے آیت فَضُرِبَ بَیْنَھُمْ بِسُوْرٍ لَّہٗ بَابٌ میں کیا ہے۔

یُنَادُوْنَھُمْ اَلَمْ نَکُنْ مَّعَکُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰی وَلٰکِنَّکُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَکُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْکُمُ الْاَمَانِیُّ حَتّٰی جَآءَ اَمْرُ اللّٰہِ وَغَرَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾

یہ (منافق) ان (مومنوں) کو پکاریں گے کہ کیا (دنیا میں) ہم تمہارے ساتھ نہ تھے وہ کہیں گے کہ ہاں تھے تو صحیح لیکن تم نے اپنے کو گمراہی میں پھنسا رکھا تھا اور تم منتظر رہا کرتے تھے اور شک میں رہا کرتے تھے اور تم کو تمہاری تمناؤں نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا، یہاں تک کہ تم پر خدا کا حکم آپہنچا اور تم کو دھوکا دینے والے (شیطان نے اللہ کے متعلق دھوکے میں ڈال رکھا تھا)

یعنی جب دیوار حائل ہوگئی اور منافق تاریکی میں رہ گئے تو دیوار کے پیچھے سے منافقوں نے مومنوں کو پکار کر کہا، کیا تمہارے ساتھ ہم دنیا میں نمازیں نہیں پڑھتے تھے اور روزے نہیں رکھتے تھے، مومن اس کے جواب میں کہیں گے کیوں نہیں تم ہمارے ساتھ تھے (اور نماز روزہ کرتے تھے) لیکن نفاق اور کفر کرکے اور خواہشات و معاصی میں مبتلا رہ کر تم نے خود اپنے کو ہلاک کیا اور تم انتظار کرتے رہے کہ مومنوں پر تباہی کا چکر آجائے اور رسول اللہ ﷺ وفات پاجائیں اور اس طرح تم چین اور سکھ سے ہوجاؤ۔

وَارْتَبْتُمْ یعنی تم دین میں یا اس عذاب میں جس کی وعید تم کو سنائی گئی تھی شک کرتے تھے۔ اَلْاَمَانِیُّ بیکار، بے بنیاد تمنائیں جیسے مسلمانوں پر مصائب و شدائد کا نزول اور رسول اللہ ﷺ کی وفات اور حضور ﷺ کی وفات کے بعد دین اسلام کا ختم ہوجانا)

اَمْرُ اللّٰہِ یعنی موت اَلْغَرُوْرُ یعنی شیطان یا دنیا نے تم کو فریب دے رکھا تھا کہ اللہ کریم ہے تم کو عذاب نہیں دے گا، یا یہ دھوکا دے رکھا تھا کہ نہ دوبارہ زندگی ہوگی نہ حساب فہمی۔

قتادہ نے کہا وہ برابر شیطان کے فریب میں پھنسے رہے، آخر شیطان نے ان کو دوزخ میں جا پھینکا۔

فَالْیَوْمَ لَا یُؤْخَذُ مِنْکُمْ فِدْیَۃٌ وَّلَا مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ؕ مَاْوٰىکُمُ النَّارُ ؕ ھِیَ مَوْلٰىکُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۵﴾

آج نہ تم سے معاوضہ لیا جائے گا نہ کافروں سے تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے وہی تمہارا رفیق ہے اور وہ واقعی برا ٹھکانہ ہے۔

فِدْیَۃٌ بدل، عوض

وَلَا مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یعنی کوئی بدل اور عوض ان لوگوں کی طرف سے بھی نہیں لیا جائے گا۔ جنہوں نے علی الاعلان

کفر کیا تھا (یعنی منافقوں کی طرح مسلمان ہونے کا زبانی دعویٰ بھی نہیں کیا تھا)
وَمَأْوٰىكُمُ النَّارُ یعنی تمہارے رہنے کی جگہ دوزخ ہے جس کو کہا جائے گا۔
ہِیَ مَوْلٰىكُمْ کہ یہ ہی تمہارے لئے مناسب ہے یا یہی مقام تمہارا مددگار ہے یا مولیٰ سے مراد ہے متولی (ذمہ دار، مرتکب، موجب) یعنی جس طرح تم دنیا میں موجبات دوزخ کے مرتکب تھے۔ اسی طرح آج یہ آگ تمہاری ذمہ دار رفیق ہے۔

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۱۶

کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی نصیحت اور اس دین حق کے سامنے جھک جائیں جو اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی پھر (کتاب ملے) ان پر زمانہ دراز گزر گیا۔ پھر ان کے دل خوب ہی سخت ہو گئے اور (آج) ان میں سے بہت لوگ کافر ہیں۔

ابن ابی شیبہ نے المصنف میں عبدالعزیز بن رواد کی روایت سے اور ابن ابی حاتم نے مقاتل بن حبان کے حوالہ سے بیان کیا کہ بعض صحابہ ہنسی اور مذاق کے زیادہ عادی تھے۔ اور بہت مزاح کرتے تھے اس پر آیت اَلَمْ یَاْنِ الخ نازل ہوئی۔

اَلَمْ یَاْنِ کسی کام کا وقت آجائے تو عرب کہتے ہیں اَنٰی الْاَمْرُ اس کام کا وقت آگیا۔ یَأْنِیْ مضارع (باب ضرب)
تَخْشَعَ نرم ہو جائیں، جھک جائیں۔

بغوی کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ہمارے مسلمان ہونے اور اس آیت کے نازل ہونے کے درمیان صرف چار سال کی مدت گزری تھی کہ اللہ نے ہم پر اس آیت میں عتاب فرمایا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مسلمانوں کے دل سست پڑ گئے تھے کہ نزول قرآن کے تیرھویں سال کے خاتمہ پر اللہ نے یہ عتاب فرمایا۔ ابن مبارک نے الزہد میں بروایت سفیان بیان کیا کہ اعمش نے کہا صحابہ پر ہجرت سے پہلے اپنی جگہ بڑی تنگ حالی اور تکلیف تھی جب مدینہ میں ہجرت کر کے آگئے تو یہاں سکھ اور آرام ملا اس وجہ سے بعض کاموں میں سستی کرنے لگے اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

ابن ابی حاتم نے بحوالہ سدی قاسم کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے (کچھ) صحابی کسی قدر سست پڑ گئے تھے تو اللہ نے آیت اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ الخ نازل فرمائی پھر کچھ مدت کے بعد اضمحلال پیدا ہو گیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ کوئی حدیث بیان فرمائیے (تاکہ ہمارے دلوں کی یہ اضمحلالی کیفیت دور ہو جائے اس وقت آیت اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا الخ نازل ہوئی۔ بغوی نے کلبی اور مقاتل کا بیان نقل کیا ہے کہ ہجرت سے ایک سال بعد آیت منافقوں کے حق میں نازل ہوئی۔ وجہ نزول یہ ہوئی کہ کچھ لوگوں نے ایک روز حضرت سلمانؓ فارسی سے درخواست کی کہ توریت میں عجیب عجیب باتیں ہیں، آپ ہم سے توریت کی کوئی بات بیان کیجئے اس پر آیات نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ الخ نازل ہوئیں یہ جواب سن کر ایک مدت تک سائل مکرر سوال کرنے سے رکے رہے، کچھ مدت کے بعد منافقوں نے دوبارہ حضرت سلمان فارسیؓ سے یہی سوال کیا، اس پر آیت اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ الخ نازل ہوئی۔ یہ سن کر سائل مدت تک مزید سوال سے رکے رہے ایک مدت کے بعد پھر وہی سوال کیا کہ توریت میں عجیب عجیب واقعات ہیں اس میں سے ہم کو کچھ سنائیے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس وجہ نزول کی بنا پر آیت کی تفسیر اس طرح ہو گی، جو لوگ بظاہر زبان سے ایمان لے آئے ہیں کیا ابھی ان کے لئے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے سامنے جھک جائیں الخ

وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ما نزل سے مراد قرآن مجید ہے۔ اس کا عطف ذکر اللہ پر ہے اور ذکر اللہ سے مراد بھی قرآن ہی ہے گویا قرآن کے یہ دونوں وصف ہیں ذکر اللہ بھی ہے اور حق منجانب اللہ بھی ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ذکر سے مراد قرآن کے علاوہ ذکر خدا ہو۔

کَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ یعنی یہودی اور عیسائی۔
فَطَالَ عَلَیۡہِمُ الۡاَمَدُ یعنی اہل ایمان سابق اہل کتاب کے مثل اس بات میں نہ ہو جائیں طول امد سے مراد ہے وہ طویل مدت جو انبیاء اور ان کی امتوں کے درمیان گزر گئی۔ یا الۡاَمَدُ سے مراد ہے کفر و معاصی میں بیتی ہوئی طویل عمر۔
فٰسِقُوۡنَ یعنی دین سے خارج ہیں اپنی کتاب کے احکام کے تارک ہیں۔

اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا ؕ قَدۡ بَیَّنَّا لَکُمُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۷﴾

یہ بات جان لو کہ اللہ زمین کو اس کے خشک ہونے کے بعد زندہ کر دیتا ہے
ہم نے تم سے اس کے نظائر بیان کر دیئے ہیں تاکہ تم سمجھو۔
یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا یعنی ذکر اور تلاوت سے اللہ سخت (مُردہ) دلوں کو اسی طرح زندہ کر دیتا ہے جس طرح مُردہ (خشک) زمین کو زندہ کرتا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ مُردہ زمین کو زندہ کرنے کی طرح مُردہ انسانوں کو زندہ کرے گا۔ اس جملہ میں دل کی قساوت سے بازداشت کی گئی ہے اور خشوع کی ترغیب دی گئی ہے۔
لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ یعنی تمہاری عقلیں کامل ہو جائیں (تم کو کمالِ عقل حاصل ہو جائے)

اِنَّ الۡمُصَّدِّقِیۡنَ وَ الۡمُصَّدِّقٰتِ وَ اَقۡرَضُوا اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَہُمۡ وَ لَہُمۡ اَجۡرٌ کَرِیۡمٌ ﴿۱۸﴾
وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖۤ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الصِّدِّیۡقُوۡنَ ٭ۖ وَ الشُّہَدَآءُ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ؕ لَہُمۡ اَجۡرُہُمۡ
وَ نُوۡرُہُمۡ ؕ وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَحِیۡمِ ﴿۱۹﴾ ع ۹ ۱۸

بلاشبہ صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور وہ (صدقہ دینے والے) اللہ کو خلوص کے ساتھ قرض دے رہے ہیں وہ صدقہ ان کے لئے بڑھا دیا جائے گا اور ان کے لئے پسندیدہ اجر ہوگا اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں ایسے ہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدّیق اور شہید ہیں ان کے لئے (خاص) اجر اور (پلِ صراط پر) ان کا (خاص) نور ہوگا اور جو لوگ کافر ہوئے اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا یہی لوگ دوزخی ہیں۔
اِنَّ الۡمُصَّدِّقِیۡنَ وَ الۡمُصَّدِّقٰتِ مصدر تصدق (باب تفعّل) حسبِ قرأتِ جمہور یعنی صدقہ دینے والے مرد اور عورتیں۔ باب تفعّل کی تَ کو قَ کلمہ میں ادغام کر دیا گیا ہے لیکن عاصم کی قرأت میں تخفیفِ صاد (باب تفعیل سے) آیا ہے یعنی تصدیق کرنے والے مرد اور عورتیں۔
قَرۡضًا حَسَنًا یعنی بطیبِ خاطر خلوصِ قلب کے ساتھ اللہ کو قرض دیا۔ قرض کو حسن کی شرط سے مشروط کرنے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ صدقہ دینا وہی معتبر ہے جو خلوصِ قلب کے ساتھ دیا جائے۔
اَلصِّدِّیۡقُوۡنَ یعنی بہت تصدیق کرنے والے یا بڑے سچے۔ اللہ اور اللہ کے رسول کی دی ہوئی تمام خبروں کو سچا جاننے والے اور ان کی تصدیق کرنے والے۔
یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ ہر مؤمن کو صدّیق کہا جا سکتا ہے۔ اسی آیت کی روشنی میں مجاہد نے کہا جو بھی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا وہ صدّیق اور شہید ہے۔
عمرو بن میمون نے کہا صدّیق کا ایک اور مخصوص مفہوم بھی ہے (جس کے لحاظ سے ہر مؤمن کو صدّیق نہیں کہا جا سکتا بلکہ خاص اوصاف رکھنے والوں پر ہی لفظِ صدّیق کا اطلاق کیا جاتا ہے) یعنی وہ لوگ جو کمالاتِ نبوت کے وارث ہوں اور اتباعِ نبوت کی وجہ سے ان کے اندر اوصافِ نبوت پیدا ہو گئے ہوں ان کو صدّیق کہا جاتا ہے صدّیق کا یہی معنی مراد ہے آیت فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیۡقِیۡنَ وَ الشُّہَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیۡنَ۔
میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ آیت زیرِ تفسیر میں صدّیقوں سے یہی لوگ مراد ہوں اور اَلَّذِیۡنَ سے معیّن اشخاص یعنی

صحابہؓ مراد ہوں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں صحابہ ہی موجود تھے اور اُولٰٓئِکَ اور الصِّدِّیْقُوْنَ کے درمیان جو ضمیر فصل لائی گئی ہے وہ مفیدِ حصر ہے یعنی صرف صحابہؓ ہی صدیق ہیں اور یہ حصرِ اضافی ہے یعنی اکثر لوگوں کی نسبت سے صحابہ ہی صدیق ہیں شیخ مجددؒ نے فرمایا تمام صحابہؓ کمالاتِ نبوت میں مستغرق تھے جس نے رسول اللہ ﷺ کو ایک بار بنظرِ ایمان دیکھ لیا وہ کمالِ نبوت میں ڈوب گیا۔

لفظ صدیق کا اطلاق ایک اور معنی پر بھی ہوتا ہے جو بہت ہی زیادہ خاص ہے اور اسی معنی کے لحاظ سے حضرت علیؓ نے فرمایا تھا میں ہی سب سے بڑا صدیق ہوں میرے بعد صرف جھوٹا ہی ایسی بات (یعنی صدیق اکبر ہونے کا دعویٰ) کر سکتا ہے اسی معنی کے پیشِ نظر ضحاک نے کہا کہ اس امت میں ایسے صدیق آٹھ تھے جو اپنے زمانے میں تمام روئے زمین کے باشندوں سے پہلے ایمان لائے تھے۔ ابو بکرؓ، علی، زید، عثمان، طلحہ، زبیر، سعد، حمزہ اور نویں ایک اور تھے جن کی نیت کے خلوص کی وجہ سے اللہ نے ان کو ان آٹھ کے ساتھ شامل کر دیا یعنی عمر بن خطاب شامل کر دینے کا یہ مطلب ہے کہ مذکورہ حضرات سے چھ سال بعد نویں شخص کو صدیق بنادیا۔ یہ معنی نہیں کہ کم درجہ والے کو اعلیٰ مرتبہ والوں کے ساتھ (ذیلی طور پر) شامل کر دیا کیونکہ حضرت عمرؓ کا درجہ تو سوائے حضرت ابو بکر کے باقی تمام صحابہؓ سے بلند تھا۔

وَالشُّهَدَآءُ یعنی اللہ اور رسول کی شہادت دینے والے یا قیامت کے دن تمام امتوں پر شہادت دینے والے۔ یہ قول حضرت ابن عباسؓ اور مسروق اور جماعتِ مفسرین کا ہے؛ اس قول پر بعض علماء کے نزدیک شُہداء سے مراد ہیں انبیاء کیونکہ اللہ نے (انبیاء کو شہید قرار دیا ہے اور فرمایا ہے فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا یہ تشریحی قول حضرت ابن عباسؓ اور مقاتل بن حبان کا ہے۔

مقاتل بن سلیمان نے کہا اَلشُّهَدَآءُ سے مراد ہیں راہِ خدا میں شہید ہونے والے۔

اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ یعنی وہ ہی ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے دوسرے لوگ دوامی دوزخی نہیں ہوں گے۔ ترکیبِ جملہ حصر پر دلالت کر رہی ہے اور صاحب الجحیم ہونا بتا رہا ہے کہ دوزخ سے وہ جدا نہیں ہوں گے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ

تم خوب جان لو کہ (آخرت کے مقابلہ میں) دُنیوی زندگی محض لہو و لعب اور ایک (ظاہری) زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال و اولاد کی کثرت پر بعض کا بعض سے مقابلہ کرنا ہے۔

اَلْحَيٰوةُ الدُّنْيَا یعنی حیاتِ دنیا کی وہ مرغوبات جو منافعِ آخرت کے حصول کا ذریعہ نہیں ہیں۔

لَعِبٌ یعنی بے فائدہ ہیں، منافعِ آخرت کے مقابلہ میں ہیچ ہیں جلد فنا ہو جانے والی ہیں، گویا کھیل ہیں۔

وَّلَهْوٌ اور دل کا بہلاوا ہیں، اہم امورِ اخرویہ سے روکنے اور غافل بنانے والی ہیں۔

وَّزِيْنَةٌ اور ظاہری سجاوٹ ہیں جیسے خوبصورت بڑھیا لباس، اعلیٰ سواریاں اور اونچے مکان وغیرہ۔

وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ نسب (طاقت، مال وغیرہ) پر بے جا تفاخر ہے جس کا اللہ کے نزدیک کوئی درجہ نہیں۔

وَتَكَاثُرٌ اور مال و اولاد کی کثرت پر باہمی مقابلہ ہے ایک کا دوسرے پر تفاخر ہے (بس اسی کا نام دُنیوی زندگی ہے اس کو خوب جان لو)

كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝۲۰

جیسے بارش کہ اس کی پیداوار کاشتکاروں کو اچھی لگتی ہے پھر وہ خشک ہو جاتی ہے کہ تم کو زرد دکھائی دیتی ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں عذابِ شدید ہے اور اللہ کی طرف سے مغفرت اور رضامندی (بھی) ہے اور دُنیوی زندگی محض سامانِ فریب ہے۔

کَمَثَلِ غَیۡثٍ الخ امورِ دنیا کی بے ثباتی، سرعتِ زوال اور قلیل المنفعت ہونے کی یہ ایک تمثیل ہے کافروں کا مطمح نظر صرف ظاہری روئیدگی و بالیدگی ہوتی ہے اور اس کے آگے ان کی نظر نہیں جاتی اس لئے اَعۡجَبَ الۡكُفَّارَ فرمایا۔ لیکن مومن جب کوئی تعجب آگیں چیز دیکھتا ہے تو اس کی نگاہ قادرِ مطلق کی قدرت کا مشاہدہ کرتی ہے، وہ دنیوی زندگی کی ٹیپ ٹاپ کو نہیں دیکھتا بلکہ محاسنِ آخرت کی طرف اس کا ذہنی انتقال ہوتا ہے۔

بعض اہلِ علم کا قول ہے کہ کفار سے مراد ہیں کاشتکار، صاحبِ قاموس نے کافر کے معنی کاشتکار بھی لکھے ہیں کیونکہ کفر کا لغوی معنی ہے چھپانا اور کاشتکار بیج کو زمین میں چھپاتا ہے۔

ثُمَّ یَهِیۡجُ پھر کسی آفت اور حادثہ کی وجہ سے وہ خشک ہو جاتی ہے۔

حُطَامًا حطام بھوسہ یعنی پودے کے خشک ہو جانے کے بعد جو چُورا اور ریزہ ہو جاتا ہے کذا فی القاموس۔

وَفِی الۡاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ یعنی اللہ کے دشمنوں کے لئے آخرت میں عذابِ شدید ہوگا کیونکہ وہ دنیوی زندگی میں لہو و لعب میں مشغول تھے اور آخرت میں جو اُمور ان کے لئے فائدہ رساں ہو سکتے تھے ان سے غافل تھے۔

وَرِضۡوَانٌ یعنی اللہ کے دوستوں کے لئے کیونکہ وہ اس فریب گاہ ہستی سے دور رہتے تھے اور آخرت کے عیشِ دوامی کو حاصل کرنے کے لئے ایسے اُمور کی تیاری میں منہمک رہتے تھے جو آخرت میں ان کے لئے مفید تھے۔

مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ یعنی جو شخص زندگی کو آخرت کی بہبودی کے لئے صَرف نہ کرے اس کے لئے یہ دنیا فریب گاہ ہے اور جو شخص اوقاتِ زندگی کو آخرت کے لئے استعمال کرے اس کے لئے یہ زندگی حصولِ خیر کی موجب ہے۔

سَابِقُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَجَنَّةٍ عَرۡضُهَا كَعَرۡضِ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ اُعِدَّتۡ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ یُؤۡتِیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ تیزی سے بڑھو، اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جس کی وُسعت آسمان و زمین کی وُسعت کے برابر ہے وہ ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ اپنا فضل جس کو چاہے عنایت کرے۔

سَابِقُوۡۤا الخ یعنی ایمان، خوف، امید اور اعمالِ صالحہ کے ساتھ مغفرتِ رب اور جنت کی طرف تیزی سے بڑھو۔

عَرۡضُهَا یعنی جنت کا پھیلاؤ آسمان و زمین کے پھیلاؤ کی طرح ہے سدی نے کہا عرض سے مراد ہے چوڑائی جو طول کے مخالف جہت کو ہوتی ہے یعنی سات آسمانوں اور سات زمینوں کو اگر برابر برابر کر کے ملا دیا جائے تو جنت کا عرض اس کے برابر ہوگا۔ جب جنت کا عرض اتنا ہے تو اس کی لمبائی کا کیا ٹھکانہ طول تو عرض سے بڑا ہوتا ہی ہے۔

اُعِدَّتۡ لِلَّذِیۡنَ الخ یہ جملہ دلالت کر رہا ہے کہ جنت پیدا کر دی گئی ہے (کیونکہ اُعِدَّتۡ ماضی کا صیغہ ہے مترجم) اس جملہ سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ صرف ایمان استحقاقِ جنت کے لئے کافی ہے اور اللہ پر ایمان لانا اس وقت تک قابلِ اعتبار نہیں جب تک اس کے رسول پر ایمان نہ ہو۔

ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰهِ الخ یعنی جنت میں داخل کرنا اللہ کی مہربانی ہے اللہ جس کو چاہے گا اپنی مہربانی سے نوازے گا۔ اللہ پر کسی کا وجوبی حق نہیں ہے بلکہ عطائے جنت کا اللہ نے وعدہ کر رکھا ہے اس لئے ضروری ہے اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا) معتزلہ فرقہ کے نزدیک اللہ پر واجب ہے کہ مؤمنینِ صالحین کو جنت میں داخل کرے۔ (ورنہ یہ ظلم ہوگا)

ابو نعیم نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے بنی اسرائیل میں سے ایک نبی کے پاس وحی بھیجی۔ اپنی امت کے ان لوگوں سے جو میرے فرماں بردار ہیں کہہ دو کہ اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کریں۔ کیونکہ قیامت کے دن جس کو میں حساب کے لئے کھڑا کروں گا اور اس کو عذاب دینا چاہوں گا تو (حساب فہمی میں سختی اور خوردہ گیری کر کے) اس کو عذاب ضرور دوں گا اور اپنی امت کے گناہ گاروں سے کہہ دو کہ وہ خود اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالیں (یعنی میری

رحمت سے مایوس نہ ہوں) میں بڑے بڑے گناہ بخش دوں گا اور مجھے کچھ پرواہ نہ ہو گی۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی کو اس کا (نیک) عمل (دوزخ سے) نہیں بچائے گا صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کو بھی نہیں فرمایا (ہاں) مجھے بھی نہیں، سوائے اس کے کہ اللہ اپنی رحمت اور فضل سے مجھے ڈھانک لے۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سیدھی چال رکھو لگے لگے چلو (اور بشارت پاؤ) خوش رہو، کسی کا عمل اس کو جنت میں نہیں لے جائے گا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) اور آپ بھی (اپنے عمل سے جنت میں نہیں جائیں گے) فرمایا اور نہ میں سوائے اس کے کہ اللہ مغفرت اور رحمت سے ڈھانک لے۔ مسلم نے بھی حضرت جابرؓ کی روایت سے ایسی ہی حدیث بیان کی ہے۔

یہ حدیث حضرت ابوسعیدؓ کی روایت سے امام احمدؒ نے اور حضرت ابوموسیٰ اور حضرت شریک بن طارق کی روایت سے بزار اور حضرت شریک بن ظریف اور حضرت اسامہ بن شریک اور حضرت اسد بن کدر کی روایت سے طبرانی نے بھی نقل کی ہے۔

ایک اعتراض

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ تم اپنے اعمال کے سبب سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں داخلہ اعمال کی وجہ سے ہو گا)

ازالہ

جنت کے اندر مراتب اور درجات مختلف ہیں، تفاوت درجاتِ اعمال کے تفاوت پر مبنی ہے لیکن جنت کے اندر ابتدائی داخلہ اور وہاں دوامی قیام محض اللہ کے فضل و رحمت سے ہو گا۔ اس کی تائید حضرت ابن مسعودؓ کے اس قول سے ہوتی ہے جس کو ہناد نے الزہد میں نقل کیا ہے کہ تم لوگ پلِ صراط سے بعفوِ خدا گزر جاؤ گے اور اللہ کی رحمت سے جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور جنت کے مکانوں میں اپنے اپنے اعمال کے مطابق قیام کرو گے۔ ابونعیم نے عون بن عبداللہ کی روایت سے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾ یعنی اللہ کے فضل سے بعید نہیں کہ وہ جنت میں داخل کردے۔ وہ بڑے فضل والا ہے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۲۲﴾ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ

کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے نہ تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے قبل اس کے کہ ہم ان کو پیدا کر دیں۔ یہ اللہ کے نزدیک آسان کام ہے یہ بات اس لئے ہے کہ جو چیز تم سے جاتی رہے تم اس پر مغمگین نہ ہو اور جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے اس پر اترانہ جاؤ۔

مِنْ مُّصِيْبَةٍ کوئی مصیبت جیسے قحط اور دوسری (ارضی) آفات۔

وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ جیسے بیماری اور احباب کی موت۔

فِيْ كِتٰبٍ یعنی لوح محفوظ میں لکھی ہوئی اور اللہ کے علم میں پہلے سے موجود ہے۔

مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا یعنی مصائب کو یا زمین کو یا نفوس کو پیدا کرنے سے پہلے۔

اِنَّ ذٰلِكَ یعنی باوجود کثرتِ مصائب کے ان کی (تفصیل کے ساتھ) لوح محفوظ میں لکھ دینا اللہ کے لئے آسان ہے۔

لِكَيْلَا تَأْسَوْا یعنی دنیوی نعمتیں جو فوت ہو جائیں ان کا تم غم نہ کرو اور جو نعمتیں اللہ نے تم کو عطا فرمائی ہیں ان پر اترانہ جاؤ کیونکہ جب یہ معلوم ہو گیا کہ ہر چیز مقدر ہے بدلی نہیں جاسکتی تو پھر کسی نعمت کے زوال کا افسوس و غم اور ملنے والی نعمت پر غرور جائز نہیں۔

اس آیت سے یہ بات مترشح ہو رہی ہے یہ بات کہ فوتِ نعمت کسی علت و سبب پر مبنی نہیں ہے کیونکہ فوتِ نعمت کا معنی ہے عدمِ نعمت اور عدم اصل ہے ہاں وجودِ نعمت اور بقاءِ وجود بغیر علت کے نہیں ہو سکتا اور اس کی علت محض عطاءِ خداوندی ہے۔ (مترجم)

غم نہ ہونے سے مراد ہے ایسا غم نہ ہونا جو اللہ کے حکم پر راضی ہونے اور صبر کرنے سے مانع ہو (فطری غم مراد نہیں ہے۔ فوتِ نعمت کا فطری تاثر تو ہوتا ہی ہے) اسی طرح فرح نہ ہونے سے مراد ہے وہ مسرت جو غرور اور آکڑ پیدا کر دے جس کی وجہ سے آدمی اترا جائے (فطری مسرت نہ ہونا مراد نہیں ہے) اسی لئے آگے فرمایا

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ اور اللہ کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا۔

یعنی اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اللہ کی عطا کردہ نعمتوں پر مغرور ہو جائے اور دوسروں پر فخر جتانے لگے۔

عکرمہ نے کہا ہر شخص (حصولِ نعمت سے) خوش اور (فوتِ نعمت سے) غمگین ہوتا ہی ہے اسی لئے مراد یہ ہے کہ تم خوشی کو (باعثِ) شکر اور غم کو (موجبِ) صبر بنالو۔ حضرت جعفرؒ صادق نے فرمایا اے ابن آدم تو کیوں ایسی چیز کے مفقود ہونے پر افسوس کرتا ہے جو دستِ فوت تجھے واپس نہیں دے گا اور کیوں ایسی چیز پر اتراتا ہے جو تیرے پاس موجود ہے کیونکہ موت اس کو تیرے پاس رہنے نہ دے گی۔

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۗ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ وہ ایسے ہیں کہ خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بخل کرنے کی تعلیم دیتے ہیں اور جو شخص روگردانی کرے گا تو اللہ بے نیاز اور سزاوار حمد ہے۔ (اس کا کچھ نہیں بگڑے گا)۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ یعنی جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے اعراض کرے گا کترائے گا۔

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ اس سے یعنی اس کے اعراض سے اور راہِ خدا میں خرچ نہ کرنے سے اللہ بے پرواہ ہے اور شکر نعمت جو موجبِ تقرب ہے اس سے بھی اللہ غنی ہے نہ اول سے اللہ کو کوئی ضرر پہنچتا ہے نہ دوسرے سے اس کو کوئی فائدہ ہے۔

الْحَمِيْدُ یعنی اللہ بذاتہ مستحق حمد ہے (کوئی اس کی حمد کرے یا نہ کرے۔ مترجم)

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلے کھلے احکام دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور انصاف (کرنے کا حکم) اتارا تاکہ لوگ) حقوق اللہ اور حقوق العباد میں اعتدال پر قائم رہیں اور ہم نے لوہے کو پیدا کیا جس میں شدید ہیبت ہے اور لوگوں کے طرح طرح کے فائدے ہیں۔

رُسُلَنَا یعنی ملائکہ کو انبیاء کے پاس اور انبیاء کو ان کی امتوں کے پاس ہم نے بھیجا۔

بِالْبَيِّنٰتِ دلائل اور معجزات کے ساتھ۔

وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ اور ان کے ساتھ کتاب اتاری تاکہ حق کا باطل سے عملِ صالح کا عملِ فاسد سے اور حلال کا حرام سے امتیاز ہو جائے۔

وَالْمِيْزَانَ میزان سے مراد ہے عدل مقاتل بن سلیمان نے کہا میزان سے مراد ہی ترازو ہے جس سے چیزوں کا وزن کیا جاتا ہے اور ترازو اتارنے سے مراد ہے ترازو کے استعمال کا حکم نازل کرنا تاکہ لوگوں کے حقوق میں ظلم نہ ہونے پائے اور ٹھیک

ٹھیک تولا جائے۔

بعض لوگوں کا قول ہے کہ حضرت جبرئیلؑ ترازو لے کر نازل ہوئے تھے اور حضرت نوحؑ کو وہ ترازو دی تھی تاکہ وہ اپنی امت کو ترازو سے تولنے کا حکم دے دیں۔

لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ قسط انصاف تاکہ لوگ عدل کریں کوئی کسی کی حق تلفی نہ کرے یہ کتاب اور میزان نازل کرنے کی علت ہے۔

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ حضرت ابن عمرؓ کی مرفوع روایت میں آیا ہے کہ اللہ نے چار برکتیں آسمان سے زمین پر نازل فرمائی ہیں۔ لوہا، آگ، پانی، نمک (یعنی یہ چیزیں خیرِ کثیر کی حامل ہیں۔ مترجم)

اہل معانی نے لکھا ہے کہ اتارنے سے مراد ہے پیدا کرنا اللہ نے کانوں سے لوہا برآمد کیا اور وحی کے ذریعہ سے لوہے کی مصنوعات کی صنعت لوگوں کو سکھائی۔

قطرب نے کہا اَنْزَلْنَا، نُزُلٌ سے ماخوذ ہے جیسے کہا جاتا ہے انزل الامیر علی فلان نُزُلًا حسنًا امیر نے فلاں شخص پر بہترین نوازش کی اس وقت آیت کا معنی ہوگا اللہ نے لوگوں کو لوہا عطا کیا۔ یہی مراد ہے آیت اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ میں اَنْزَلَ کی۔

فِيْهِ بَاْسٌ بَاْس بمعنی جنگ (یعنی آلاتِ جنگ) جنگ کے آلات لوہے سے ہی بنائے جاتے ہیں۔

وَّمَنَافِعُ للنَّاسِ لوہے سے لوگوں کے بڑے کام وابستہ ہیں ہر صنعت میں لوہے ہی کے لوازار استعمال کئے جاتے ہیں۔

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۲۵

اور تاکہ اللہ جان لے کہ بے دیکھے اس کی اور رسولوں کی کون مدد کرتا ہے بلا شبہ اللہ قوی اور زبردست ہے۔

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ اس جملہ کا عطف محذوف جملہ پر ہے اصل کلام اس طرح تھا تاکہ تم اللہ کی راہ میں اس کے دشمنوں سے لڑو اور اللہ جان لے کہ اس کی اور اس کے رسولوں کی کون مدد کرتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ اللہ قوی ہے جس کو ہلاک کرنا چاہے اس کو ہلاک کر سکتا ہے۔

عَزِيْزٌ زبردست ہے وہ محتاج نہیں کہ کوئی اس کی مدد کرے لوگوں کو جہاد کا حکم اس نے صرف اس لئے دیا ہے کہ لوگ اللہ کی رضامندی حاصل کریں اور تعمیلِ حکم کر کے ثواب کے مستحق بن جائیں اور دین کو غلبہ حاصل ہو جائے یا مجاہدوں کو شہادت کا درجہ مل جائے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۲۶ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۥ

اور ہم نے نوحؑ اور ابراہیمؑ کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ہم نے ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب جاری رکھی۔ سو ان لوگوں میں بعض تو ہدایت یافتہ ہوئے اور بہت سے ان میں نافرمان تھے پھر ان کے بعد اور رسولوں کو (جو مستقل شریعت والے نہیں تھے) یکے بعد دیگرے بھیجتے رہے اور ان کے بعد عیسیٰؑ بن مریم کو بھیجا اور ہم نے ان کو انجیل دی۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مذکورۃ الصدر جملہ میں عام پیغمبروں کے بھیجنے کا ذکر کیا تھا اور فرمایا تھا لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کو رسول بنا کر بھیجنے کی صراحت اس لئے فرما دی کہ عام پیغمبروں پر ان دونوں کو فضیلت حاصل تھی اور ان دونوں کی نسل بھی بہت زیادہ پھیلی (اور پھلی)

وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا الخ یعنی دونوں بزرگوں کی نسل میں ہی نبوت اور کتاب کا ہونا مقرر کر دیا۔ توریت، انجیل، زبور اور قرآن حضرت ابراہیمؑ کی نسل پر نازل کئے گئے اور حضرت ابراہیمؑ حضرت نوحؑ کی نسل سے تھے۔

تفسیر مدارک میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ اَلْکِتَاب سے مراد ہے قلم کی تحریر عرب کہتے ہیں کَتَبْتُ کِتَاباً میں نے قلم سے تحریر کی۔

فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ یعنی ان کی ذرّیت میں سے کچھ لوگ یا ہُمْ کی ضمیر ان لوگوں کی طرف راجع ہے جن کی ہدایت کے لئے پیغمبروں کو بھیجا گیا تھا۔

عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ یعنی نوحؑ اور ابراہیمؑ اور ان کی امتوں کے پیچھے ذُرّیت کی طرف آثارِ ہم کی ضمیر راجع نہیں ہو سکتی کیونکہ پیچھے آنے والے پیغمبر بھی نوح وابراہیم کی ذریت ہی سے تھے۔

وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ یعنی رسول اللہ ﷺ کے علاوہ باقی تمام پیغمبروں کے پیچھے حضرت عیسیٰؑ کو بھیجا۔ آپ تمام انبیائے بنی اسرائیل کے بعد آئے۔ آپ کے بعد رسول اللہ ﷺ کی بعثت تک پیغمبروں کا سلسلہ منقطع رہا۔

وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَرَهْبَانِيَّةَ ِۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ

اور جن لوگوں نے ان کا اتّباع کیا ان کے دلوں میں ہم نے شفقت اور ترحم پیدا کر دیا اور انہوں نے رہبانیت کو خود ایجاد کر لیا ہم نے ان پر اس کو واجب نہیں کیا تھا لیکن انہوں نے حق تعالیٰ کی رضامندی کے لئے اس کو اختیار کیا تھا سو انہوں نے اس رہبانیت کی پوری نگہداشت نہیں کی۔

رَاْفَةً: محبت، نرمی، رحمۃ: اپنے بھائیوں اور مؤمنوں پر مہربانی۔ اللہ نے سچے عیسائیوں کے متعلق) فرمایا ہے لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى اور صحابہ کرامؓ کے متعلق فرمایا ہے رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔

وَرَهْبَانِيَّةَ رہبانیت انتہائی عبادت وریاضت۔ لوگوں سے قطع تعلق، مرغوبات وخواہشات کا ترک اور اس حد تک ترک کہ مباح کو بھی چھوڑ دیا جائے، دن بھر روزہ، رات بھر عبادت، نکاح سے بالکل بے تعلقی، دائمی تجرد۔

رہبان بروزن فعلان رہب سے مشتق ہے جیسے خشیان، خشی سے مشتق ہے۔

ِۨابْتَدَعُوْهَا رہبانیت انہوں نے از خود ایجاد کر رکھی تھی اللہ نے ان پر لازم نہیں کی تھی۔ اللہ نے ان کے دلوں میں رہبانیت کی طرف میلان پیدا کر دیا اور اختراع رہبانیت کا ارتکاب انہوں نے خود کیا۔

مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ استثناء متصل ہے یا منقطع، اول صورت میں مطلب اس طرح ہوگا، رہبانیت کا کوئی حصہ کوئی جز ان پر ہم نے لازم نہیں کیا تھا، سوائے مرضیٔ خدا کی طلب کے (یعنی طلبِ رضاء خدا جو رہبانیت کا ایک حصہ تھی وہ تو ان پر فرض کی تھی اس کے سوا اور کچھ ان پر لازم نہ تھا) دوسری صورت میں مطلب اس طرح ہوگا ہم نے رہبانیت ان پر فرض نہیں کی تھی بلکہ طلب مرضیٔ خدا فرض کی تھی۔

فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا نفی مفید سلبِ عموم ہے (یعنی سب نے رہبانیت کی نگہداشت نہیں کی) نفی عموم سلب کے لئے نہیں ہے (یعنی یہ مراد نہیں کہ کسی نے رہبانیت کا لحاظ نہیں رکھا) حاصل مطلب یہ ہے کہ جس رہبانیت کا پورے طور پر پابند رہنے کا انہوں نے از خود التزام کیا اس کی پوری پوری نگہداشت بعض لوگوں نے نہیں کی بلکہ ریاضت وعبادت وغیرہ کی پوری پابندی نہ کر سکے یا رہبانیت فقط دکھانے اور شہرت دینے اور دنیا حاصل کرنے کے لئے کرنے لگے یا تثلیث کے قائل ہو گئے یا انہوں نے اپنے علماء ومشائخ کو ارباب بنالیا یا حضرت عیسیٰؑ اور رسول اللہ ﷺ کی نبوّت ماننے سے انکار کر دیا، یا رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے صحیح طور پر شریعت عیسوی پر قائم تھے لیکن حضور کی بعثت کے بعد آپ کا انکار کر دیا۔ یہ سب باتیں تقاضائے رہبانیت کے خلاف تھیں۔

فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾

ان میں سے جو لوگ ایمان لائے ہم نے ان کو ان کا اجر (موعود) عطا کر دیا اور زیادہ ان میں نافرمان ہیں۔

فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے مراد ہیں وہ لوگ جو صحیح طور پر ایمان لائے اور رہبانیت کے تقاضوں کو پورا کیا اور حضرت عیسیٰؑ کی وصیت کے مطابق رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے۔

مِنْهُمْ یعنی ان لوگوں میں سے جو اِتباعِ عیسیٰ کا دعویٰ کرتے ہیں۔

اَجْرَهُمْ یعنی وہ ثواب اللہ ان کو عطا فرمائے گا جس کا ان سے ان کے اعمال کے مطابق اللہ نے وعدہ کر لیا ہے جو شخص ایمان کے ساتھ رہبانیت کے تقاضوں کو کامل طور پر پوار کرے گا اس کو اس کے عمل کے مطابق اور جس نے رہبانیت کی پورے طور پر نگہداشت نہیں کی اس کو اس کے عمل کے موافق اللہ اجر دے گا۔

وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ یعنی ان میں سے بکثرت لوگ اِتباعِ عیسیٰؑ سے باہر ہیں کسی نے تثلیث کو مان رکھا کسی نے اپنے علماء و مشائخ کو ارباب بنا رکھا ہے کوئی شاہی مذہب میں داخل ہو گیا اور کوئی دینِ عیسیٰؑ پر قائم رہا مگر رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو ماننے سے انکار کر دیا۔

بغوی نے اپنی سند کے ساتھ لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا حضور نے فرمایا ابن مسعودؓ جو لوگ یعنی اہلِ کتاب تم سے پہلے گزر گئے وہ بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹ گئے جن میں سے تین فرقوں نے (دوزخ سے) نجات پائی اور باقی ہلاک ہو گئے (یعنی دوزخی ہو گئے) ایک فرقہ نے تو (بددین) بادشاہوں سے مقابلہ کیا اور ان سے لڑے اور دین عیسیٰ پر قائم رہے بادشاہوں نے ان کو پکڑ لیا اور قتل کر دیا (یہ فرقہ جنتی ہوا) ایک فرقہ وہ تھا جس میں بادشاہوں سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں تھی اور نہ یہ قوت تھی کہ بادشاہوں کے سامنے کھڑے ہو کر دینِ الٰہی اور دینِ عیسوی کی دعوت دیں یہ فرقہ ملک کی سیاحت کو نکل گیا اور راہب بن گئے انہیں کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے وَرَهْبَانِيَّةَ ِۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ حضور نے فرمایا (اب) جو مجھ پر ایمان لایا اور میری تصدیق کی اور میرا اِتباع کیا اس نے حقیقت میں رہبانیت کی پوری نگہداشت کی (یہی تیسرا نجات یافتہ فرقہ ہے) اور جو مجھ پر ایمان نہیں لایا وہ ہلاک ہونے والا (یعنی دوزخی) ہے۔

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے گدھے پر سوار تھا حضور نے فرمایا اے امِّ عبد کے بیٹے کیا تم جانتے ہو کہ بنی اسرائیل نے رہبانیت کیسے اختیار کی۔ میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول ہی خوب جانتے ہیں۔ فرمایا عیسیٰؑ کے بعد کچھ طاقتور بادشاہ جو گناہوں کے کام کرتے تھے بنی اسرائیل پر غالب آ گئے اہلِ ایمان کو ان پر غصہ آیا اور ان سے لڑنے لگے۔ مؤمنوں کو تین بار شکست ہوئی اور ان کی تعداد بہت کم رہ گئی۔ آپس میں کہنے لگے اگر یہ لوگ ہم پر غالب آ گئے تو ہم کو فنا کر دیں گے اور دین کی دعوت دینے کے لئے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا۔ اس لئے آؤ اس وقت تک ہم ملک میں منتشر ہو جائیں جب وہ نبی مبعوث ہو جائے جس کی بعثت کا وعدہ حضرت عیسیٰؑ نے کیا تھا یعنی محمد ﷺ کی بعثت تک۔ چنانچہ وہ لوگ آبادی سے نکل کر پہاڑوں کے غاروں میں چلے گئے اور رہبانیت کی ایجاد کی ان میں سے بعض لوگ تو اپنے دین کو پکڑے رہے اور کچھ کافر ہو گئے اس کے بعد حضور نے آیت وَرَهْبَانِيَّةَ ِۨابْتَدَعُوْهَا الخ تلاوت فرمائی اور فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ کا معنی بیان کیا کہ جو لوگ رہبانیت پر قائم رہے ہم نے ان کو ان کا اجر عطا کیا پھر حضور ﷺ نے فرمایا اے امِّ عبد کے بیٹے جانتے ہو کہ میری امت کی رہبانیت کیا ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور رسول اللہ کو بخوبی علم ہے، فرمایا (میری امت کی رہبانیت ہے) ہجرت، جہاد، نماز، روزہ، حج، عمرہ اور اونچے مقاموں پر تکبیر کہنی۔

بغوی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر امت کی ایک رہبانیت ہے اور اس امت کی رہبانیت ہے راہِ خدا میں جہاد کرنا۔

سعید بن جبیرؒ کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا حضرت عیسیٰؑ کے بعد (بنی اسرائیل کے) بادشاہوں نے توریت و انجیل میں کچھ تغیر و تبدل کر دیا۔ بنی اسرائیل میں ایسے ایمان دار بھی تھے جو (اصل) توریت و انجیل کو پڑھتے اور لوگوں کو دینِ خدا کی دعوت دیتے تھے۔ یہ دیکھ کر کچھ لوگوں نے بادشاہوں سے کہا بہتر یہ ہوتا کہ آپ ان (مؤمنوں) کو جو آپ کے

مخالف ہیں جمع کرتے اور ان کے سامنے دو باتیں رکھتے قتل یا تبدیلِ مذہب) جو ہماری (تبدیل شدہ) توریت وانجیل کو پڑھنا چھوڑ دیتے تو خیر اور جو انکار کرتے ان کو قتل کرا دیتے۔ حسبِ مشورہ بادشاہ نے ان مؤمنوں کو جمع کیا اور دونوں باتیں ان کے سامنے رکھیں یا قتل یا بدلی ہوئی توریت وانجیل کی قرأت۔ مؤمنوں نے کہا ہم سے جو آپ لوگوں کو دکھ ہے اس کو دور کرنے کی ہم تدبیر کرتے ہیں چنانچہ ایک گروہ نے تو کہا ہمارے لئے ایک اونچا ستون بنادو اور ہم کو اس پر چڑھادو اور وہیں ہمارا کھانا پینا پہنچادیا کرو ہم تمہارے پاس نیچے اتر کر بھی نہیں آئیں گے دوسرے گروہ نے کہا ہم ملک میں اِدھر اُدھر سیاحی کرتے پھریں گے جنگلی جانوروں کی طرح گھومتے پھریں گے اور انہیں کی طرح (جنگلوں میں کھاتے) پیتے رہیں گے اگر کہیں بستی میں ہم تمہارے ہاتھ آجائیں تو قتل کردینا تیسرے گروہ نے کہا ہمارے لئے ویران جنگلوں میں گھر بنوادو، ہم وہاں کنویں کھودیں گے، کھیتی کریں گے، تمہارے پاس نہیں آئیں گے نہ تمہاری طرف سے گزریں گے چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا اور عیسیٰؑ کے راستے پر چلتے رہے اور اسی پر گزر گئے۔ ان کے بعد ان کے جانشین آئے یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے کتاب اللہ میں تغیّر و تبدّل کرلیا تھا۔ انہوں نے بزرگوں کے متعلق کہا فلاں شخص فلاں جگہ رہ کر عبادت کرتا تھا ہم بھی وہیں رہ کر عبادت کریں گے۔ فلاں شخص ملک میں گھومتا پھرتا تھا (کہیں مقیم ہوکر نہیں رہتا تھا) ہم بھی سیاحت کرتے پھریں گے۔ فلاں شخص نے (فلاں جنگل میں) مکان بنایا تھا ہم بھی اسی طرح مکان (یعنی خانقاہ) بنائیں گے یہ سب مشرک تھے جن کی اقتداء کا ان کو دعویٰ تھا ان کے ایمان کی ان کو خبر بھی نہیں تھی۔

انہی راہبوں کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے وَرَهْبَانِيَّةَ ن ابْتَدَعُوهَا یعنی نیک مؤمنوں نے رہبانیت کی از خود ایجاد کی۔ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا یعنی پچھلے لوگوں نے جو بعد کو آئے تھے رہبانیت کی پوری نگہداشت نہیں کی۔ فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ یعنی جن لوگوں نے رضائے خدا کی طلب میں رہبانیت اختیار کی تھی ان کو ہم نے ان کا اجر دیا وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ یعنی جو لوگ پیچھے آئے تھے وہ ایمان سے خارج تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے اس وقت ان راہبوں میں سے صرف تھوڑے آدمی رہ گئے تھے چنانچہ خانقاہ والے خانقاہ سے اتر آئے گھومتے پھرنے والے سیاحت چھوڑ کر اور گرجا والے گرجا چھوڑ کر باہر آگئے، اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئے۔

طبرانی نے الاوسط میں ایک مجہول راوی کی سند سے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا نجاشی کے ساتھیوں میں سے چالیس آدمی مدینہ میں اور جنگِ احد میں شریک ہوئے ان میں سے کچھ لوگ زخمی بھی ہوئے لیکن شہید کوئی نہیں ہوا۔ مسلمانوں کی محتاجی دیکھ کر انہوں نے خدمتِ گرامی میں عرض کیا یا رسول اللہ ہم لوگ مال دار ہیں اگر حضور اجازت دیں تو ہم (اپنے ملک سے) کچھ مال لاکر ان مسلمانوں کی ہمدردی کریں۔ اس پر اللہ نے آیات "الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ مِن قَبْلِهِ هُم بِهِ يُؤْمِنُونَ وَإِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ قَالُوا آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِن قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم بِمَا صَبَرُوا" نازل فرمائیں۔ جب یہ آیات اتریں تو انہوں نے مسلمانوں سے کہا مسلمانو! تمہاری کتاب پر ہم میں جو کوئی ایمان لائے گا اس کو دُہرا اجر ملے گا اور جو کوئی تمہاری کتاب پر ایمان نہیں لائے گا اس کو بھی اِکہرا اجر تو ملے گا ہی جیسے تم کو اِکہرا اجر ملے گا اس پر آیتِ ذیل نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِن رَّحْمَتِهِ وَيَجْعَل لَّكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٨﴾

اے (عیسیٰؑ پر) ایمان رکھنے والو اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اللہ تم کو اپنی رحمت سے (ثواب کے) دو حصے دے گا اور تم کو ایسا نور عنایت کرے گا کہ اس کو لئے ہوئے تم چلو گے اور تم کو بخش دے گا۔ اور اللہ غفور رحیم ہے۔

ابن ابی داؤد اور حاتم نے مقاتل کی روایت سے بھی یہ شانِ نزول اسی طرح بیان کی ہے۔ مقاتل کا بیان ہے کہ جب آیت

اُولٰٓئِکَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَھُمْ مَّرَّتَیْنِ نازل ہوئی تو مسلم اہلِ کتاب نے تمام صحابہؓ پر فخر کیا اور کہنے لگے ہم کو دوگنا اجر ملے گا، اور تم کو اکہرا صحابہؓ کو مسلم اہلِ کتاب کا یہ فخر ناگوار گزرا اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس میں تمام مؤمنوں کے لئے مسلم اہلِ کتاب کی طرح دوگنا اجر ہونے کی صراحت فرمادی اس بیان کی روشنی میں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے مخاطب تمام صحابہؓ ہوں گے وہ اہلِ کتاب میں سے ہوں یا نہ ہوں اور اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِہٖ تاکیدی جملہ ہوگا یعنی رسول اللہ ﷺ جو کچھ اللہ کی طرف سے لائے ہیں سب پر ایمان رکھو سب کو مانو۔

علامہ بغوی اور اکثر مفسّرین نے بیان کیا کہ یہ خطاب کتابی یہودیوں اور عیسائیوں کو ہے، آیت کا مطلب اس طرح ہے اے وہ لوگو جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ پر ایمان رکھتے ہو اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول محمد ﷺ پر بھی ایمان لاؤ وہ اپنی رحمت سے تم کو دوہرا اجر دے گا ایک اجر عیسیٰ اور انجیل پر ایمان لانے کا اور دوسرا اجر محمد ﷺ اور قرآن کو سچا ماننے کا۔

بیضاوی نے لکھا ہے اگرچہ دینِ یہودیت منسوخ ہو گیا، لیکن بعید نہیں کہ یہودیوں کو سابق دین کو ماننے کا بھی اجر دیا جائے (اور اس طرح ان کا اجر بھی دوہرا ہو جائے)۔

بعض اہلِ علم کے نزدیک ان عیسائیوں کو خطاب ہے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے۔

صحیحین میں حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین (قسم کے) آدمی ہیں جن کو دوہرا اجر ملے گا اوّل وہ کتابی شخص جو اپنے نبی پر ایمان لایا اور پھر محمد ﷺ کی بھی اس نے تصدیق کی دوسرا وہ غلام جس نے اللہ کا فرض بھی ادا کیا اور اپنے آقاؤں کا حق ادا کیا تیسرا وہ شخص جس کے پاس کوئی باندی ہے، جس سے وہ ہم بستری کرتا ہے پھر اس کو (اسلامی) آداب اچھی طرح سکھاتا ہے اور خوب دینی تعلیم دیتا ہے پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیتا ہے اس کے لئے بھی دوہرا اجر ہے۔

نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِہٖ یعنی ایسا نور جس کے ذریعہ سے تم پلِ صراط پر چلو گے، کذا قال ابن عباسؓ و مقاتلؒ یہ آیت اور دوسری آیت یَسْعٰی نُوْرُھُمْ بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَبِاَیْمَانِھِمْ دونوں (تقریباً ہم معنی ہیں، یعنی ایک دوسرے کی نظیر ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا نور قرآن ہی ہے۔ مجاہد نے کہا نور کھلی ہدایت ہے یعنی اللہ تمہارے لئے ایک ایسا کھلا ہوا راستہ کر دے گا جس پر چل کر تم بارگاہِ قدس اور جنت الفردوس تک پہنچ جاؤ گے۔

وَیَغْفِرْ لَکُمْ اور تمہارے گزشتہ گناہ معاف فرما دے گا ابن جریر نے لکھا ہے کہ قتادہ نے کہا ہم کو یہ خبر پہنچی ہے کہ جب آیت یُؤْتِکُمْ کِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِہٖ نازل ہوئی تو اہلِ کتاب کو اس پر رشک ہوا اس پر آیتِ ذیل نازل ہوئی۔

لِّئَلَّا یَعْلَمَ اَھْلُ الْکِتٰبِ اَلَّا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۲۹﴾

(یہ عنایت اس لئے کرے گا) تاکہ اہلِ کتاب کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ ان کو اللہ کے فضل کے کسی حصہ پر بھی دسترس نہیں ہے اور یہ کہ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہے عطا فرما دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

لِئَلَّا یَعْلَمَ تاکہ اہلِ کتاب جان لیں۔ لَا (نافیہ) زائد ہے۔

اَلَّا یَقْدِرُوْنَ یعنی اہلِ کتاب جان لیں کہ اللہ کی مشیت کے بغیر اللہ کے فضل کا کوئی حصہ اپنے اختیار سے وہ حاصل نہیں کر سکتے۔ آیت کی یہ تشریح جو قتادہ سے مروی ہے اس روایت کے مطابق ہے جو طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف اور ابن ابی حاتم نے مقاتل کی طرف منسوب کی ہے۔ حضرت ابن عباس اور مقاتل نے کہا یہ آیت یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِہٖ میں اہلِ کتاب کو خطاب نہیں بلکہ تمام مؤمنوں کو ہے۔ بغوی نے قتادہ کا بیان نقل کیا ہے کہ ان اہلِ کتاب نے جو رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لائے تھے مسلمان ہو جانے والے اہلِ کتاب پر حسد کیا تھا ان کا دعویٰ تھا کہ ہم اللہ کی اولاد اور اس

کے چہیتے اور منتخب کردہ ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت لِئَلَّا یَعْلَمَ اَهْلُ الْکِتٰبِ نازل فرمائی اور فرمادیا کہ پیغمبروں پر چونکہ وہ ایمان نہیں لائے اس لئے کسی قسم کا اجر و ثواب نہیں ۔یہ تشریحی بیان اہلِ تفسیر کے اس قول کے مناسب ہے کہ آیت میں یہودیوں اور عیسائیوں کو خطاب ہے۔

بعض اہلِ علم نے کہا کہ لِئَلَّا یَعْلَمَ میں لاَ زائد نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ اہلِ کتاب یہ نہ سمجھ لیں اور یہ عقیدہ نہ رکھ لیں کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمان اللہ کے فضل کو نہیں پاسکتے۔

ابن المنذر نے بروایتِ مجاہد نیز بغوی نے بیان کیا ہے کہ اہلِ کتاب کا عقیدہ تھا کہ وہ اللہ کے بیٹے اور چہیتے اور پسندیدہ محبوب ہیں ایسا نہیں ہے بلکہ وہ اللہ کے فضل کے کسی حصہ پر قدرت نہیں رکھتے ان کو اجر و ثواب بالکل نہیں ملے گا کیونکہ اللہ کے پیغمبروں پر وہ ایمان نہیں لائے اور ہر اجر ایمان کے ساتھ وابستہ ہے۔ حضرت علیؓ کی طرف اس روایت کی نسبت کی گئی ہے کہ یہودی کہتے تھے کہ عنقریب ہم میں ایک نبی مبعوث ہوگا جو (ان مسلمانوں کے) ہاتھ پاؤں کاٹے گا اس کی تردید میں اللہ نے فرمایا ہاتھ پاؤں کاٹنا تو درکنار ان کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ یہ اللہ کے فضل یعنی نبوت پر کچھ بھی قدرت نہیں رکھتے۔ نبوت عطا کرنا اللہ کے ہاتھ میں ہے اللہ اپنے فضل سے جس کو چاہتا ہے نواز تا ہے۔

بخاری نے صحیح میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہاری امت گزشتہ امتوں کی مدت کے مقابلہ میں اتنی ہے جتنا عصر سے مغرب تک کا وقت ہوتا ہے۔ تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے مزدوروں سے کچھ کام کرانا چاہا اور کہا ایک ایک قیراط مزدوری پر دوپہر تک میرا کام کون کر سکتا ہے۔ یہودیوں نے ایک ایک قیراط پر دوپہر تک کام کیا پھر کام کرانے والے نے کہا اب دوپہر سے عصر تک ایک ایک قیراط مزدوری پر کون کام کر سکتا ہے یہ سن کر نصاریٰ نے ایک ایک قیراط پر دوپہر سے عصر تک کام کیا پھر کام کے طلبگار نے کہا اب عصر سے مغرب تک دو دو قیراط اجرت پر کون کام کر سکتا ہے۔

سن لو تم ہی وہ لوگ ہو جو نمازِ عصر سے مغرب تک کام کرنے والے ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ تمہاری اُجرت دوگنی ہوگی۔ اس اعلان پر یہودی اور عیسائی ناراض ہو گئے انہوں نے کہا ہم کام تو زیادہ کرنے والے ہیں اور اجرت کم پائیں گے۔

اللہ نے فرمایا! کیا میں نے تمہارا کچھ حق کاٹ کر تم پر ظلم کیا ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے کہا نہیں، اللہ نے فرمایا پس یہ میرا فضل ہے میں جس کو چاہتا ہوں دیتا ہوں۔

بخاری نے حضرت ابو موسیٰؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مسلمانوں کی اور یہود و نصاریٰ کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے کچھ لوگوں کو صبح سے شام تک کام کرنے کے لئے ایک مقررہ اجرت پر لگایا، ان لوگوں نے دوپہر تک کام کیا پھر کہا جو اُجرت آپ نے مقرر کی ہے ہم کو اس کی ضرورت نہیں، آئندہ ہم کام نہیں کریں گے، آپ کی یہ شرط یعنی تقررِ اجرت غلط ہے، کام لینے والے نے کہا، تم باقی کام پورا کردو اور اپنی پوری مزدوری لے لو، لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور کام چھوڑ دیا۔

ان کے بعد کام کرانے والے نے کچھ اور لوگ مزدوری پر رکھے اور کہا آج دن کا باقی کام تم پورا کردو۔ تم کو طے شدہ مزدوری ملے گی۔ ان لوگوں نے کام شروع کر دیا۔

یہاں تک کہ عصر کا وقت آگیا یعنی عصر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ تو وہ بھی کام چھوڑ بیٹھے اور کہنے لگے ہم نے جو کام کیا وہ یوں ہی بے مزدوری ہوا جو اُجرت آپ نے مقرر کی تھی۔ وہ آپ ہی اپنے پاس رکھیں، کام کرانے والے نے کہا اپنا باقی کام پورا کردو دن کا تھوڑا ہی حصہ تو رہ گیا ہے۔

لیکن انہوں نے انکار کر دیا، آخر مالک نے کچھ اور لوگوں کو مزدوری پر بُلوایا کہ دن کے باقی حصہ میں کام کر دیں چنانچہ انہوں نے باقی وقت کام کر دیا اور (اوّل الذکر) دونوں فریقوں کی پوری مزدوری لے لی پس یہ مال ہے ان لوگوں کی اور اس نور کو قبول کرنے کی۔ واللہ اعلم۔

میں کہتا ہوں حضرت ابن عمرؓ کو بیان کردہ حدیث میں ان یہودیوں اور عیسائیوں کا ذکر ہے جنہوں نے اپنی اپنی شریعت کے منسوخ ہونے سے پہلے اللہ کے حکم پر عمل کیا تھا۔ ان کو وعدہ کے مطابق اللہ اجر عطا فرمائے گا۔

حضرت ابو موسیٰؓ کی روایت میں جن یہودیوں اور عیسائیوں کا ذکر کیا گیا ہے ان سے مراد وہ یہودی ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لانے سے انکار کر دیا تھا، اور وہ عیسائی مراد ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں مانا اور اللہ کے حکم کو چھوڑ دیا اللہ نے ان سے پختہ وعدہ لے لیا تھا کہ جب تمہارے پاس ہمارا رسول پہنچے جو تمہاری کتابوں کو سچا بتائے تو تم اس پر ضرور ضرور ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا......

پس ایسے کافر اہلِ کتاب کے لئے کوئی اجر نہیں، ان کے سارے اعمال اکارت جائیں گے۔

دونوں حدیثوں میں اُمّتِ اسلامیہ کے لئے بشارت ہے کہ گزشتہ امتوں کے نیکوکار لوگوں کو ان کی نیکیوں کا جتنا ثواب دیا جائے گا تم کو اس سے دوگنا دیا جائے گا یہ بھی خوش خبری ہے کہ قیامت تک تم حق پر رہو گے۔

حضرت معاویہؓ نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ میری امت میں سے کچھ لوگ ہمیشہ اللہ کے حکم پر کاربند رہیں گے کوئی ان کی مدد نہ کرے اور کوئی ان کی مخالفت کرے ان کا کچھ بگاڑ نہ ہوگا۔ اسی حالت میں اللہ کا حکم (یعنی روزِ قیامت) آجائے گا۔ (متفق علیہ)

ابوداؤد ترمذی اور نسائی نے لکھا ہے کہ حضرت عرباض بن ساریہؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ سونے سے پہلے مسبّحات (وہ سورتیں جن کو سَبَّحَ اور یُسَبِّحُ اور سَبِّحْ سے شروع کیا گیا ہے) پڑھتے اور فرماتے تھے، ان میں ایک آیت ایسی ہے جو ہزار آیتوں سے بہتر ہے، میں کہتا ہوں شاید وہ آیت آیتِ تسبیح ہے۔ نسائی نے معاویہؓ کا قول موقوفاً بیان کیا ہے کہ مسبّحات سورتِ حدید، سورتِ حشر، سورتِ صف، سورتِ جمعہ، سورتِ تغابن اور سورتُ الْاَعْلٰی ہیں۔ میں کہتا ہوں مسبّحات میں سے سورتِ بنی اسرائیل بھی ہے، لیکن معاویہؓ نے اس کا ذکر نہیں کیا بلکہ ترمذی، نسائی اور حاکم نے تو حدیث کے یہ الفاظ بھی نقل کئے وحتی یقرأ بنی اسرائیل والزمر سونے سے پہلے رسول اللہ ﷺ سورتِ بنی اسرائیل اور سورتُ الزمر بھی پڑھتے تھے۔

٭ والحمد للہ سورۃُ الحدید کی تفسیر ختم ہوئی ٭

قد سمع اللہ

اٹھائیسواں پارہ شروع

سورۃ المجادلۃ

یہ سورت مدنی ہے اس میں ۲۲ آیات اور تین رکوع ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

حاکم نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا اور اس کو صحیح قرار دیا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا پاک ہے وہ ذات جس کی شنوائی میں ہر چیز سمائی ہوئی ہے میں نے خولہ بنت ثعلبہ کا کلام خود سنا تھا لیکن اس کے کلام کا کچھ حصہ میں سن نہ سکی تھی۔ وہ رسول اللہ ﷺ سے اپنے شوہر کی شکایت کر رہی تھی اور کہہ رہی تھی یا رسول اللہ! اس نے میرا مال کھالیا اس کے لئے میں نے اپنا پیٹ بکھیر دیا یعنی بچے پیدا کر دیئے لیکن جب میں بوڑھی ہوگئی، سلسلۂ تولید ختم ہوگیا تو اس نے مجھ سے ظہار کر لیا (یعنی اس نے مجھ سے کہہ دیا انت علیّ کظہرِ امّی) تو میرے لئے ایسی ہے جیسے میرے لئے میری ماں کی پشت۔ مراد یہ ہے کہ اس نے مجھ سے تعلق رکھنے کو اپنے لئے حرام کر لیا۔ اے اللہ میں تجھ سے اپنا شکوہ کرتی ہوں خولہ اپنی جگہ سے ہٹی بھی نہیں تھی کہ آیاتِ ذیل نازل ہوئیں۔

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِىْ تُجَادِلُكَ فِىْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِىْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۚ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ①

بے شک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے شوہر کے معاملہ میں آپ سے جھگڑ رہی تھی اور اپنے رنج و غم کا اللہ سے شکوہ کر رہی تھی اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا اور اللہ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ لفظ قَدْ نے سَمِعَ کو ماضی قریب بنا دیا۔ یہ لفظ بتا رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو یا اس عورت کو توقع تھی کہ اللہ عورت کی گفتگو اور شکوہ کو سن رہا ہے اور اس کے دکھ کو دور فرما دے گا۔

تُجَادِلُكَ فِىْ زَوْجِهَا خولہ کے شوہر تھے اوس بن صامت۔ مجادلہ کا لغوی معنی ہے شدتِ مخاصمت۔ یہاں خولہ کے کلام میں شدّت مراد ہے۔

تَحَاوُرَكُمَا تحاور باہم کلام میں لوٹ پلٹ۔ سَمِيْعٌ یعنی تم دونوں کے کلام کو سننے والا اَلْبَصِيْرُ تمہارے حالات کو دیکھنے والا۔

بغوی نے لکھا ہے یہ آیت حضرت اوس بن صامت کی بی بی حضرت خولہ بنت ثعلبہ کی حق میں نازل ہوئی۔ خولہ حسین تھیں اور اوس کے مزاج میں غصہ بہت تھا ایک روز اوس نے خولہ سے قربت کرنی چاہی خولہ نے انکار کر دیا اوس نے کہا تو میرے لئے ایسی ہے جیسی میری ماں کی پشت کہنے کو تو غصہ میں کہہ دیا پھر پشیمان ہوئے کیوں کہ دور اسلامی سے پہلے ظہار اور ایلاء عورت سے محدود الایام کنارہ کش رہنے کی قسم کو طلاق سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے اوس بن صامت نے خولہ سے کہا میرے خیال میں تو میرے لئے حرام ہوگئی خولہ نے کہا واللہ یہ طلاق نہیں ہے۔ یہ کہہ کر خولہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اس

وقت حضرت عائشہؓ رسول اللہ ﷺ کا سر ایک طرف کا دھو رہی تھیں خولہ نے آکر کہا یا رسول اللہ ﷺ میرے شوہر اوس بن صامت نے مجھ سے نکاح اس وقت کیا تھا جب میں جوان تھی مالدار تھی اور کنبہ والی تھی جب وہ میرا مال کھا چکا اور میری جوانی ختم کر دی اور میرا کنبہ بھی بچھڑ گیا اور میں بوڑھی ہو گئی تو اب مجھ سے اس نے ظہار کر لیا لیکن ظہار کرنے کے بعد پشیمان ہو گیا کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ میں اور وہ پھر یکجا ہو سکیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا تو اس کے لئے حرام ہو گئی خولہ نے کہا میں اپنی محتاجی اور تنہائی کا شکوہ اللہ سے کرتی ہوں میرا اس کا ساتھ مدتِ دراز تک رہا اور میں نے اس کے لئے اپنا پیٹ جھاڑ دیا یعنی اپنے پیٹ سے اس کے بہت بچے جنے حضور ﷺ نے فرمایا میرے خیال میں تو تو اس کے لئے حرام ہو گئی اور تیرے متعلق کوئی خاص حکم میرے پاس نہیں آیا خولہ بار بار کلام کو لوٹتی پلٹتی رہی آخر جب حضور ﷺ نے فرمادیا کہ تو اس کے لئے حرام ہو گئی تو گفتگو سے رکی اور کہنے لگی میں اللہ ہی سے اپنی محتاجی اور بدحالی کا شکوہ کرتی ہوں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اگر میں ان کو اپنے ساتھ رکھوں گی تو بھوکے رہیں گے اور اس کے پاس چھوڑوں گی تو تباہ ہو جائیں گے پھر اوپر آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہنے لگی اے اللہ میں تجھ سے ہی شکوہ کرتی ہوں اے اللہ میرے لئے اپنے نبی کی زبانی پر حکم نازل فرمادے۔ اسلام میں یہ پہلا ظہار تھا حضرت عائشہؓ جب رسول اللہ ﷺ کے سر کا دوسرا حصہ دھونے لگیں تو خولہ بولی اے اللہ کے رسول ﷺ میں آپ پر قربان میرے معاملہ میں غور فرمائیے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا اپنی بات ختم کر اور جھگڑنا چھوڑ کیا تو رسول اللہ ﷺ کے چہرے کو نہیں دیکھ رہی ہے رسول اللہ ﷺ پر جب وحی اترتی تھی تو اس وقت آپ پر ایک اونگھ طاری ہو جاتی تھی جب وحی کی حالت ختم ہو گئی تو حضور ﷺ نے فرمایا اپنے شوہر کو بلا لے اوسؓ آگئے تو آپ نے آیات قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ الخ ان کو پڑھ کر سنائیں حضرت عائشہؓ نے فرمایا بڑی خیر والا ہے وہ اللہ جس کی شنوائی تمام آوازوں کو اپنے اندر سمائے ہوئے ہے میں گھر کے گوشے میں موجود تھی اس عورت کی کچھ گفتگو سن رہی تھی اور کچھ نہیں سن پائی تھی۔ (مگر اللہ نے اس کی ساری گفتگو سن لی) اور آیت قد سمع اللہ نازل فرمادی۔

اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۲

تم میں سے جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کرتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں ہو جاتی ہیں ان کی مائیں تو بس وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے اور بلاشبہ وہ ایک نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔ اور یقیناً اللہ بڑا معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔

ظہار کا معنی ہے کسی شخص کا اپنی بی بی سے یہ کہہ دینا کہ تو میرے لئے ایسی (ہی حرام) ہے جیسی میری ماں کی پشت۔ جاہلیت کے زمانہ میں اس کو طلاق مانا جاتا تھا اور اس سے وہ عورت اپنے شوہر کے لئے ہمیشہ کے واسطہ حرام ہو جاتی تھی۔ شریعت نے ظہار کو حرمتِ دوامی کا موجب نہیں قرار دیا بلکہ ایک خاص وقت تک ایسی عورت کو حرام کر دیا کفارہ ادا کرنے کے بعد ظہار والی عورت حرام نہیں رہتی شوہر کے لئے حلال ہو جاتی ہے۔

ظِہارٌ ظَہرٌ سے مشتق ہے۔ (ظہر کا معنی ہے پیٹھ) لیکن فقہاء نے عورت کے بدن کے ہر اس حصہ کو جس کو کھلار کھنا حرام ہے جیسے ران یا شرم گاہ وغیرہ ظہر کے حکم میں شامل کر دیا ہے بلکہ امام شافعیؒ کے نزدیک تو اپنی بی بی کو اپنی ماں کے کسی حصۂ بدن سے بھی تشبیہ دینا جو واجب الستر نہ ہو اور جس کو دیکھنا اس کے لئے جائز ہو جیسے ہاتھ آنکھ وغیرہ ظہار کے حکم میں داخل ہے۔ اسی طرح بی بی کو اپنی دادی، نانی، بیٹی، پھوپی، خالہ یا ایسی غیر عورت سے تشبیہ دینا جس سے نکاح کرنا ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہے موجب ظِہار ہے امام شافعیؒ نے اتنی شرط اور بھی لگائی ہے کہ وہ غیر عورت ایسی ہو کہ اس کی حرمت عارضی نہ ہو۔ لہٰذا امام شافعیؒ کے نزدیک اگر اپنی بیوی کو اپنی دودھ پلانے والی ماں یا اپنے باپ کی منکوحہ سے تشبیہ دی تو ظہار کا حکم نہ ہوگا کیونکہ یہ حرمت نکاحِ عارض کی وجہ یعنی دودھ پلانے والی ماں یا باپ کی زوجہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے، لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان عورتوں سے تشبیہ بھی موجب ظِہار ہے کیونکہ ان عورتوں سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہے۔ اسی طرح اگر اپنی عورت کے

کسی غیر معین حصہ کو یا ایسے عضو کو جو کل کے قائم مقام مانا جاتا ہے تشبیہ دی، تب بھی ظہار کا حکم جاری ہوگا۔ مثلاً یوں کہا میرے لئے تیرا سر یا تیری شرم گاہ یا تیرا چہرہ یا تیری گردن یا تیرا بدن یا تیرا جسم یا تیری جان یا تیرا نفس یا تیرا آدھا بدن یا تیرا ایک تہائی بدن میری ماں کی پشت کی طرح ہے۔ کیونکہ ان الفاظ میں سے بعض ایسے ہیں کہ ان کو بول کر پوری شخصیت مراد ہوتی ہے یا ایسے اجزاء بدن میں جو غیر معین ہیں (مثلاً تیرا آدھا بدن تیرا ایک تہائی بدن وغیرہ) اس صورت میں حکم سارے جسم کی طرف متعدی ہے ہاں اگر یوں کہا کہ تیرا ہاتھ یا تیرا پاؤں میرے لئے میری ماں کی پشت کی طرح ہے تو ظہار نہ ہوگا۔ شافعیؒ کا ظاہر قول اس کے خلاف ہے۔ اگر کسی نے اپنی بی بی سے کہا تو میرے لئے ایسی ہے جیسی میری ماں یا یوں کہا کہ تو میرے لئے میری ماں کی مثل ہے۔ تو تعیین مراد نیت پر موقوف ہوگی اور نیت کے مطابق حکم ہوگا اگر ان الفاظ سے بی بی کی تکریم اور اعزاز کی نیت ہوگی تو اس کی تکذیب نہیں کی جائے گی کیونکہ اپنی ماں کے ساتھ تعظیم و اعزاز میں کسی کو تشبیہ دینا بکثرت کلام میں مستعمل ہے اور ظہار کی نیت ہوگی تو اس کو بھی غلط نہیں کہا جا سکتا کیونکہ جب پورے جسم مادر سے تشبیہ دی تو بعض اعضاء سے بھی تشبیہ ہو جائے گی۔ کل بول کر جزء مراد ہو سکتا ہے۔ لیکن صریح نہ ہونے کی وجہ سے نیت کی ضرورت ہے اور اگر اس جملہ سے اس کی نیت طلاق کی ہوگی تو طلاق بائن پڑ جائے گی اس وقت یہ مراد ہوگی کہ تو میرے لئے میری ماں کی طرح حرام ہے اور اگر کچھ نیت نہ ہو تو کلام لغو مانا جائے گا۔ امام محمدؒ کے نزدیک بالکل کوئی نیت نہ ہونے کی صورت میں ظہار ہو جائے گا۔

مسئلہ: اگر بیوی کو ماں کی پشت کے ساتھ تشبیہ ایک معین مدت کے لئے دی اور یوں کہا کہ تو میرے لئے ماں کی پشت کی طرح ایک مہینہ تک ہے۔ تو امام شافعیؒ کے نزدیک ایک روایت کے لحاظ سے ظہار نہیں ہوگا بلکہ کلام لغو قرار دیا جائے گا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ شافعیؒ کے نزدیک ظہار ہو جائے گا۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے اس صورت میں اگر مدت مقررہ مثلاً ایک ماہ کے اندر جماع کرنے کا ارادہ کر لیا تو کفارہ ادا کرنا لازم ہوگا اور اگر معینہ مدت یوں ہی گزر گئی اور بیوی سے قربت نہیں کی تو کفارہ لازم نہیں ہوگا اول الذکر یعنی لزوم کفارہ کی صورت میں امام احمدؒ کے نزدیک قربت سے پہلے کفارہ ادا کرنا ضروری ہے۔ اول کفارہ دے پھر قربت کرے ورنہ گناہ گار ہوگا اور کفارہ پھر بھی لازم ہوگا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک گناہ گار تو ہوگا مگر کفارہ کا استقرار نہ ہوگا ہاں دوسری بار مدت مقررہ کے اندر قربت کا ارادہ ہو تو کفارہ دینا پڑے گا اور اگر یوں ہی مدت معینہ گزر گئی تو بلا کفارہ ادا کئے بیوی حلال ہو جائے گی۔ اور اگر مدت مقررہ کے اندر طلاق بائنہ دے دی تو کفارہ لازم نہیں رہے گا۔

امام مالکؒ کے نزدیک موقت ظہار، دوامی ظہار کا حکم رکھتا ہے۔ ایک روایت میں امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے۔

اس سلسلہ کی ایک حدیث سلمان بن یسارؒ کی روایت سے آئی ہے کہ حضرت سلمہ بن صخرؓ نے کہا میرے اندر قوت مردمی سب لوگوں سے زائد تھی۔ رمضان آیا تو رمضان بھر کے لئے میں نے اپنی بیوی سے ظہار کر لیا رمضان کے دن یوں ہی گزرتے رہے ایک رات جب بیوی میری خدمت کر رہی تھی اس کے بدن کا کچھ چھپا ہوا حصہ مجھے دکھ گیا نظر پڑتے ہی میں اس پر جا پڑا صبح ہوئی تو میں نے اپنے کنبہ والوں سے اس کا تذکرہ کیا اور ان سے درخواست کی کہ میرے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چلو اور حضور ﷺ سے میرے معاملہ میں کچھ عرض معروض کرو۔ خاندان والوں نے جواب دیا نہیں خدا کی قسم ہم ایسا نہیں کریں گے ہم کو اندیشہ ہے کہ کہیں ہمارے متعلق کوئی آیت نازل نہ ہو جائے یا رسول اللہ ﷺ کوئی ایسی بات نہ فرما دیں کہ اس کی عار ہم پر ہمیشہ کے لئے ہو جائے، تم خود جاؤ اور جو مناسب ہو وہ کرو۔ آخر میں خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا واقعہ بیان کر دیا حضور ﷺ نے فرمایا تو نے ایسا کیا میں نے عرض کیا جی ہاں میں نے ایسا کیا فرمایا کیا تو نے ایسا کیا میں نے عرض کیا میں نے ہی ایسا کیا فرمایا کیا تو نے ایسا کیا میں نے کہا جی ہاں فرمایا کیا تو نے ایسا کیا میں نے عرض کیا میں نے ایسا کیا اب جو کچھ اللہ کا حکم ہو مجھ پر جاری کیجئے میں ثابت قدم رہوں گا۔ فرمایا ایک گردن آزاد کر دے میں نے اپنی گردن کے ایک جانب ہاتھ مار کر عرض کیا قسم ہے اس کی جس نے نبی برحق بنا کر بھیجا ہے۔ میں تو اس گردن کے علاوہ اور کسی گردن یعنی باندی یا غلام کا مالک نہیں ہوں فرمایا تو دو مہینے کے روزے رکھو؟ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول روزے ہی میں تو مجھ سے یہ حرکت ہوئی ہے فرمایا تو صدقہ دو

(ساٹھ مسکینوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلاؤ) میں نے عرض کیا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو برحق بھیجا ہے ہم نے تو یہ رات خالی پیٹ گزاری ہے نانِ شبینہ بھی ہم کو میتسر نہیں تھی فرمایا تو بنی زریق کے تحصیلدار زکوٰۃ کے پاس جاؤ اس سے کہہ دو وہ تم کو (بنی زریق کے مالِ صدقات میں سے) دے دے تم ایک وسق (ساٹھ صاع، ایک صاع تقریباً چار سیر) چھوارے لے لو اس میں ساٹھ مسکینوں کو کھلاؤ اور جو بچ رہیں وہ اپنے اور اپنی عیال کے کام میں لاؤ۔ یہ حکم پا کر میں اپنے کنبہ والوں کے پاس لوٹ کر آیا اور ان سے کہا میں نے تم لوگوں کے پاس تو تنگی اور بدسلوکی پائی لیکن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مجھے کشائش اور برکت حاصل ہوئی۔ حضور ﷺ نے مجھے تمہاری زکوٰۃ کا مال لینے کا حکم دیا ہے اب تم مجھے اپنی زکوٰۃ کا مال دو۔ امام احمدؒ اور حاکم نے اور نسائی کے علاوہ باقی اصحابُ السنن نے یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ شیخ عبدالحق نے اس روایت کو منقطع کہا ہے اور لکھا ہے کہ سلیمان نے حضرت سلمہ کو نہیں پایا ترمذی نے یہ بات بخاری کے حوالہ سے نقل کی ہے...... حاکم اور بیہقی نے یہ واقعہ محمد بن عبدالرحمن بن ثوبان اور ابوسلمہ بن عبدالرحمن کے طریق سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے کہ حضرت سلمہ بن صخرؓ نے اپنی بیوی کو اپنی ماں کی پشت کی طرح قرار دے دیا تھا اگر وہ اس سے قربت کرے یہاں تک کہ رمضان گزر جائے (یعنی حضرت سلمہؓ نے اپنی بیوی سے کہا تھا تو سارے رمضان میرے لئے ایسی حرام ہے جیسے میری ماں کی پشت) پھر اس کا تذکرہ (یعنی رمضان میں ہی رات کو قربت کرنے کا ذکر) رسول اللہ ﷺ سے کر دیا حضور ﷺ نے فرمایا ایک گردن آزاد کر دو الحدیث۔

ابن جوزی نے اس حدیث سے دو باتوں پر استدلال کیا ہے۔

(۱) ظہار مؤقت مؤقت ہی ہوتا ہے۔ دوامی ظہار نہیں بن جاتا۔

(۲) اگر مظاہر کفارہ دینے سے پہلے قربت کرلے تو گناہ گار ہوگا اور کفارہ ادا کرنا اس پر لازم ہو جائے (یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ مدتِ معینہ گزرنے کے بعد بغیر کفارہ ادا کئے بیوی اس کے لئے حلال ہو جائے)۔

لیکن حدیثِ مذکور میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو یہ بتا رہا ہو کہ ظہارِ مؤقت مؤقت ہی رہتا ہے ہاں یہ بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ کلام لغو نہیں قرار پائے گا خواہ شرعاً ظہارِ مؤقت ہو یا دوامی۔ ابن جوزی کا کلام مُصَادرہ سے خالی نہیں کیونکہ ظہارِ مؤقت کو اگر ہم دوامی قرار دیں تو کوئی وجہ نہیں کہ کفارہ ادا کرنے سے پہلے قربت کرنے سے کفارہ کا استقرار فی الذمہ ہو جائے ہو سکتا ہے کہ رمضان کے بعد حرمت کو دور کرنے کے لئے حضور ﷺ نے کفارہ کا حکم دیا ہو اور اداءِ کفارہ سے قبل قربت کرنی صرف موجبِ گناہ ہو اور حرمت اس کے بعد بھی باقی رہے اس کے بعد کفارہ کا لزوم اس شخص کے لئے جو دوبارہ قربت کا ارادہ کرے اور حرمت کو دور کرنا چاہئے۔ اگر اداءِ کفارہ سے پہلے کسی نے قربت کرلی اور پھر طلاق بائن دے دی تو کفارہ کی ضرورت نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کا یہی مسلک ہے۔ خلاصہ استدلال حدیثِ مذکور کی روشنی میں یہ ہے کہ ظہارِ مؤقت مؤبَّد (غیر مؤقت، دوامی) ہوتا ہے کیونکہ حضرت سلمہؓ نے صرف رمضان کے لئے ظہار کیا جو ختم رمضان کے بعد ختم ہو گیا۔ اس کے بعد کفارہ کی ضرورت ہی نہیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے دو مہینوں کے روزوں کا حکم دیا اور دو مہینوں کے روزوں کا تصور ہی ختم رمضان سے پہلے نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ: ظہار کو اگر کسی شرط سے وابستہ کیا جائے تو رافعی کے نزدیک درست ہے حضرت سلمہ بن صخرؓ نے رمضان کی شرط کے ساتھ ظہار کو وابستہ کیا تھا ابن رافعہ کہتے ہیں کہ حدیثِ مذکور جو سنن میں آئی ہے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلمہؓ نے ظہارِ مؤقت کیا تھا کسی شرط کے ساتھ مشروط نہیں کیا تھا۔ بیہقی نے حدیثِ مذکور کے جو جو الفاظ نقل کئے ہیں ان سے رافعی کے قول کی تائید ہوتی ہے۔

مسئلہ: اگر ظہار کو کسی شرط کے ساتھ وابستہ کیا پھر طلاق بائن دے دی پھر طلاق کے بعد وقوعِ شرط ہو گیا تو (طلاق ہو جائے گی) ظہار کا حکم نہیں ہوگا۔ کذا قال ابن الہمام۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ظہار بشرطِ نکاح صحیح ہے۔ مثلاً کسی اجنبی عورت سے کہا اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو

میرے لئے تو ایسی ہے جیسے میری ماں کی پشت پھر اس سے نکاح کر لیا تو کفارۂ ظہار لازم ہوگا۔
اگر کسی عورت سے کہا کہ تو میرے لئے رجب اور رمضان میں ایسی ہے جیسے میری ماں کی پشت پھر رجب میں کفارہ دے دیا تو کافی ہے۔ (رمضان میں دوبارہ کفارہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں)۔
مسئلہ: اگر ظہار کیا پھر دیوانہ ہو گیا پھر جنون جاتا رہا تو حکمِ ظہار قائم رہے گا افاقہ جنون کی وجہ سے اصلی حالت کی طرف نہیں لوٹ سکتا جب تک قربت نہ کرے۔ امام شافعیؒ کا ایک قول اس کے خلاف ہے۔
مسئلہ: اگر کسی نے اپنی بیویوں سے کہا تم سب میرے لئے ایسی ہو جیسی میری ماں کی پشت تو باتفاقِ علماء سب سے ظہار ہو جائے گا۔ کیا بیویوں کی تعداد کے موافق کفارے ادا کرنے ہوں گے یا ایک کفارہ سب عورتوں کی حالت کے لئے کافی ہوگا۔ اول قول امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا ہے حسن طبرانی اور ثوری بھی اسکے قائل ہیں امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ایک کفارہ کافی ہے۔ بیہقی نے سعید بن مسیب کی روایت سے حضرت عمرؓ کا اور مجاہد کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا یہی قول نقل کیا ہے۔ حضرت علیؓ، عروہؒ اور طاؤسؒ کے اقوال بھی اسی طرح مروی ہیں۔ ان بزرگوں نے ایلاء کے سلسلہ میں قسم پر قیاس کیا ہے (یعنی اگر کسی نے قسم کھا کر اپنی ساری عورتوں سے کنارہ کشی کر لی تو قسم توڑنے کا صرف ایک کفارہ دینے سے سب عورتوں کی حرمت ختم ہو جاتی ہے اسی طرح کفارۂ ظہار ہے)۔
ہم کہتے ہیں ظہار سے سب عورتیں شوہر کے لئے حرام ہو جاتی ہیں اور کفارہ حلت پیدا کر دیتا ہے، اور چونکہ شوہر کے لئے ہر بیوی کا شوہر کے لئے حرام ہونا الگ الگ ہے اس لئے ہر عورت کی حرمت کو دور کرنے کے لئے کفارہ بھی الگ الگ ہونا چاہئے۔ رہا قسم کا کفارہ تو وہ حرمتِ خداوندی کو توڑنے کی وجہ سے عائد ہوتا ہے، اور حرمتِ الٰہیہ ایک ہی ہے (اس میں تعداد کا احتمال ہی نہیں ہے۔
مسئلہ: اگر ایک عورت سے ایک نشست میں یا متعدد مجالس میں کئی بار ظہار کیا تو امام ابو حنیفہؒ وغیرہ کے نزدیک ہر بار ظہار کرنے کا کفارہ الگ الگ دینا ہوگا کیونکہ ظہار کرنے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ نکاح حسبِ سابق باقی رہتا ہے۔ اس لئے دوسری بار اور تیسری بار (بلکہ یکے بعد دیگر بہت مرتبہ) ظہار صحیح ہے اور اسبابِ حرمت کا ایک جگہ اجتماع درست ہے جیسے روزہ کی حالت میں شراب کی حرمت اس لئے بھی ہے کہ شراب بجائے خود حرام ہے اور چونکہ شراب روزہ شکن ہے اس لئے بھی روزے میں حرام ہے۔ اسی طرح اگر شراب نہ پینے کی قسم کھالی ہو تو ایک تو شراب فی نفسہٖ حرام ہے، دوسرے قسم توڑنا بھی حرام ہے ہاں اگر دوسری اور تیسری مرتبہ کلماتِ ظہار کہنے سے پہلے ظہار کو پختہ کرنے کی نیت ہو اور ظہار کرنے والا کہے میری نیت ایک ہی بار ظہار کی تھی تو قضاءً اور دیانۃً دونوں طور پر اس کو سچا قرار دیا جائے گا طلاق کا حکم اس کے خلاف ہے دو یا تین یا زیادہ بار طلاق دینے والا اگر کہے کہ میری نیت پہلی طلاق کو پختہ کرنے کی تھی (دوسری، تیسری طلاق کی نہیں تھی تو عدالتِ اسلامیہ اس کا اعتبار نہیں کرے گی) کیونکہ ظہار کا تعلق براہِ راست اللہ سے ہے اور طلاق کا تعلق حقوقِ انسانی سے ہے۔
ایک اعتراض: پہلی بار ظہار کرنے سے حرمت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے اول ظہار کے بعد دوسرے اور تیسرے ظہار سے ثبوتِ حرمت نہیں ہوتا حاصل شدہ حرمت کا دوبارہ حصول تحصیلِ حاصل ہے اور متعدد اسباب اگر ایک قسم کے ہوں تو ان کے تعدد سے حرمت کی تکرار نہیں ہو جاتی لامحالہ متعدد ظہاروں سے پیدا شدہ حرمت صرف ایک کفارہ سے دور ہو جاتی ہے (کیونکہ حرمت متعدد نہیں ہوتی) جس طرح متعدد اسباب سے پیدا شدہ حدث ایک وضو سے دور ہو جاتا ہے۔
مِنکُم یہ عرب کے قدیم قبیح رواج پر ایک طنز ہے اہلِ جاہلیت کی قسم کے طریقوں سے یہ بھی ایک طرح کی قسم تھی۔
مِنکُم کا لفظ بتا رہا ہے کہ ذمی کافروں کا ظہار درست نہیں، امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا یہی مسلک ہے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا قول اس کے خلاف ہے۔ مسلکِ اول کی دلیل یہ ہے کہ کافر ہم میں سے نہیں ہیں اور قیاس سے ذمیوں کو مسلمانوں کے ساتھ شامل کرنا مشکل ہے کیونکہ ظہار ایک طرح کا جرم ہے اور جرم کا حکم اس کی بندش ہے اور یہ حرمت کفارہ سے دور ہو جاتی ہے اور کافر مشرک ہے اور اس کا شرک کفارہ کے ذریعہ سے جرم کے اثر کو دور کر دینے سے مانع ہے کیونکہ وہ کفارہ کا اہل ہی نہیں ہے۔

کفارہ تو عبادت ہے اسی لئے اس میں نیت ضروری ہے لہٰذا کافر کا ظہار صحیح نہیں ہے اور ظہار سے پیدا ہونے والی تحریم دوامی ہوگی، یا یوں کہا جائے کہ نص میں کافر کے لئے حکم ہی جدا ہے۔

ایک اعتراض: اس آیت میں ظہار سے عورت کا شوہر کے لئے حرام ہو جانا اور ظہار کا کفارہ ادا کرنا کچھ بھی نہیں بیان کیا گیا۔ مظاہر کو گناہ گار، امرِ قبیح کا مرتکب اور جھوٹی بات کہنے والا کہا گیا ہے۔ ظہار کو موجبِ تحریم و کفارہ تو اس کے بعد والی آیت میں کہا گیا ہے اور فرمایا ہے۔ اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا اور اس مؤخر الذکر آیت میں مِنْكُمْ کا لفظ نہیں ہے اور مسلمانوں کے لئے اس حکم کو مخصوص نہیں کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذمّی کا ظہار درست ہے اس لئے اولیٰ یہ ہے کہ یوں تقریر کی جائے کہ ظہار سے عورت کا شوہر کے لئے حرام ہونا ایک شرعی حکم ہے اور احکامِ شرع کے مخاطب کفار نہیں ہیں لہٰذا قانونِ ظہار کے مامور بھی مسلمان ہی ہیں کافر اس حکم کے مکلف ہی نہیں ہیں جیسے شرعی نکاح کے مکلف غیر مسلم نہیں ہیں ان کا باہمی نکاح بغیر گواہوں کے اور کافر کی عدت کے اندر (یعنی کافر شوہر مر گیا ہو یا اس نے طلاق دے دی ہو اور عورت عدت کے اندر ہو) صحیح ہے۔ پس کافر کے لئے حرمتِ ظہار کفر کی وجہ سے نہیں ہوگی اب اس کے بعد اگر ظہار کرنے والا کافر مسلمان بھی ہو جائے گا تب بھی حرمتِ ظہار پیدا نہیں ہوگی کیونکہ ظہار کے وقت سببِ حرمت (یعنی اسلام) موجود ہی نہیں تھا۔

مِنْ نِّسَآئِهِمْ اپنی عورتوں سے، یہ لفظ بتا رہا ہے کہ ظہار صرف منکوحہ سے ہی ہوتا ہے باندی سے نہیں ہوتا خواہ اس باندی سے پہلے قربت کی ہو یا نہ کی ہو، امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے۔ بکثرت صحابہؓ اور تابعینؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔

امام مالکؒ اور ثوریؒ باندی سے بھی ظہار کرنے کی صحت کے قائل ہیں۔ سعید بن جبیر، عکرمہ، طاؤس قتادہ اور زہری کہتے ہیں کہ جس باندی سے پہلے قربت کر چکا ہو اس سے ظہار صحیح ہے ورنہ صحیح نہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ لغوی اعتبار سے لفظ نساء کا اطلاق باندیوں پر اگرچہ صحیح ہے باندیاں بھی عورتیں ہی ہوتی ہیں۔ لیکن نساء کی اضافت بتا رہی ہے کہ اس جگہ اطلاق لغوی مراد نہیں ہے کیونکہ کسی شخص یا چند اشخاص کی عورتوں سے مراد بیویاں ہی ہوتی ہیں مثلاً زید کی باندیوں کے لئے تو جواریٔ زید کہا جاتا ہے، نساء زید نہیں کہا جاتا۔

اللہ نے پردہ کے سلسلہ میں فرمایا ہے يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ اس آیت میں نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ سے مسلمانوں کی بیویاں مراد ہیں۔ باندیوں کے لئے تو پردہ کا وجوب نہیں ہے۔

ایک باندی ہی سے جس نے اوڑھنی اوڑھ رکھی تھی حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا اوڑھنی الگ کر، کیا تو آزاد عورتوں جیسی بننا چاہتی ہے۔

باندی کے لئے حکم ظہار صحیح نہ ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ دورِ جاہلیت میں ظہار کو طلاق کہا جاتا تھا۔ شریعتِ اسلامیہ نے اس کو طلاق نہیں مانا ہاں موجبِ تحریم قرار دیا اور اس تحریم کو ختم کرنے کے لئے کفارہ کا قانون جاری کیا اور ظاہر ہے کہ باندی کی طلاق کا کوئی معنی نہیں اس لئے باندی سے ظہار کرنے کی بھی کوئی صورت نہیں۔

مَا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ یعنی حقیقت میں وہ ان کی مائیں نہیں ہیں کہ ماؤں کی طرح وہ حرام ہوں۔

اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ان کی مائیں تو بس وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے۔ جن کے پیٹ سے وہ پیدا ہوئے ہیں۔

وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا قولِ منکر وہ بات جس کے جواب کا شریعت نے انکار کیا ہی۔

زُوْر: جھوٹ، غلط بات۔

ایک شبہ: جھوٹ تو خبر کی صفت ہے خبر اسی کلام کو کہتے ہیں جس میں جھوٹے اور سچے ہونے کا احتمال ہو اور ظہار انشاء ہے۔ اس سے بیوی حرام ہو جاتی ہے اس میں صدق و کذب کا احتمال نہیں ہوتا۔

ازالہ: ظہار اگرچہ انشائی کلام ہے لیکن حقیقت میں وہ خبر ہی ہے کیونکہ وہ ظہار کو دوامی حرمت سمجھتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۞

اور جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو ان کے ذمہ ایک بُردہ آزاد کرنا ہے دونوں کے باہم اختلاط کرنے یعنی قربت ِصنفی کرنے سے پہلے اس کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تمہارے سارے اعمال سے پورا باخبر ہے۔

ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا اہل علم کے نزدیک اس آیت کے معنی میں اختلاف ہے۔ اہلِ ظاہر نے کہا آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لفظ پہلے کہا تھا اس کی طرف لوٹتے ہیں یعنی لفظ ظہار مکرر کہتے ہیں۔ اسی تشریح کی وجہ سے علماء ظاہر کے نزدیک مکرر لفظِ ظہار کہے بغیر کفارہ واجب نہیں ہوتا ابو العالیہ کا بھی یہی قول ہے لیکن یہ قول اجماع ائمہ کے خلاف ہے۔ ظہار کے سلسلے کی احادیث بھی اس کے خلاف آئی ہیں کسی حدیث میں کفارہ کو لفظ ظہار کی تکرار کے ساتھ مشروط نہیں کیا گیا۔

مجاہد نے کہا اہل جاہلیت ظہار کرتے تھے پس اسلام کے بعد جس نے ظہار کیا وہ مقولۂ جاہلیت کی طرف لوٹا خواہ حقیقتاً یا حکماً۔ حکماً عَود کا یہ معنی ہے کہ قولِ جاہلیت کا عقیدہ رکھا۔ جو کسی بات کا عقیدہ رکھتا ہے وہ گویا اس کا قائل ہوتا ہے۔

یہ قول غلط ہے کیونکہ يَعُوْدُوْنَ کا يُظٰهِرُوْنَ پر عطف ہے اور عطف کا اقتضا ہے کہ معطوف معطوف علیہ کے مغایر ہو اور لفظ ثُمَّ تراخی کا خواستگار ہے یعنی ظہار کے کچھ مدت کے بعد عَود ہونا چاہئے پھر کیسے ممکن ہے کہ عَود کو بعینہ ظہار قرار دیا جائے اور کفارہ کے لئے تکرارِ ظہار کو ضروری قرار دیا جائے......

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا عَود کرنے سے مراد ہے پشیمان ہو جانا۔ یعنی کہی ہوئی بات پر پشیمان ہوتے ہیں اور حرمت کو دور کرنا چاہتے ہیں۔ عَود کا معنی ہے کسی چیز یا کسی جگہ سے چل کر پھر اسی کی طرف لوٹ آنا کذا فی الصحاح ظہار کرنے والے کی بھی یہی حالت ہے۔ پہلے عورت اس کے لئے حلال تھی پھر ظہار کیا تو حرام ہو گئی۔ پھر جب حرمت پر پشیمان ہوتا ہے تو اصل حلت کی طرف لوٹ آنا چاہتا ہے۔

اکثر مفسرین کے نزدیک آیت کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے اس صورت میں مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ لِمَا قَالُوْا میں لام بمعنی عَنْ ہے یعنی اپنے پہلے قول سے لوٹ جاتے ہیں یعنی تحلیل کے خواستگار ہوتے ہیں۔ بعض نے کہا مضاف محذوف ہے یعنی پچھلے قول کے تدارک اور تلافی کے لئے لوٹتے ہیں۔

بیضاوی نے لکھا ہے (لام بمعنی اِلٰی ہے) یعنی اپنے قول کی تلافی کی طرف لوٹتے ہیں بہر حال ان تمام تاویلات پر عَود کے معنی ہوں گے ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونا یعنی ناراضگی اور غصے کی حالت سے رضامندی کی طرف لوٹتے ہیں اور عورت کی حلت کے خواستگار ہوتے ہیں۔

فراء نے کہا (لام بمعنی فِی ہے) عاد فلان لِمَا قال کے دو معنی ہیں فلاں شخص اپنی کہی ہوئی بات میں لوٹ آیا یا کہی ہوئی بات کو توڑتے اور اس کے خلاف کرنے لگا۔

ثعلب نے کہا یعنی جس کو اپنے لئے انہوں نے حرام کر لیا تھا اس کو حلال کرنے کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ اس قول پر بھی مضاف محذوف ہو گا اور مَا قَالُوْا سے مراد ہو گی وہ بات جس کو ظہار کر کے لئے انہوں نے اپنے لئے حرام کر لیا تھا (یعنی عورت کی قربت) گویا قول سے مراد ہو گی وہ بات جس سے لفظِ ظہار کہا تھا۔ اللہ نے فرمایا ہے وَنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ یقول سے مراد کہنا نہیں ہے بلکہ وہ مال مراد ہے جس کے متعلق وہ کہتا ہے۔

ابو مسلم نے کہا مقول منہا سے عورت کو حلال بنانے اور اس کو روک رکھنے کی طرف لوٹتے ہیں۔
حسن، قتادہ، زہری اور طاؤس نے کہا ظہار سے رجوع اور واپسی کا تحقق صِنفی قربت سے ہوتا ہے اس لئے جب تک مباشرت نہ کرے گا کفارہ لازم نہ ہوگا جیسے قسم کے کفارہ کا لزوم اس وقت ہوتا ہے، جب قسم توڑ دے لیکن آیت میں مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا کا لفظ اس قول کی تردید کر رہا ہے۔ اس سے تو قربت سے پہلے کفارہ کا وجوب ثابت ہو رہا ہے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا اگر ظہار کے بعد اتنی مدت تک عورت کو روکے رکھا جس میں طلاق دینا ممکن تھا لیکن طلاق نہیں دی تو اس سے ثابت ہو جائے گا کہ ظہار سے رجوع کر لیا اور کفارہ اس پر واجب ہو گیا لیکن ظہار کے بعد فوراً کسی شرط سے مشروط کر دیا یا دونوں میں سے کوئی ظہار کے بعد اسی وقت مر گیا تو کفارہ واجب نہ ہوگا کیونکہ پہلے قول سے رجوع کر لینے کا معنی ہے اس کی مخالفت کرنا اب اگر ظہار کے بعد روک رکھا تو معلوم ہوا کہ اس نے تحریم سے رجوع کر لیا اس لئے کفارہ لازم ہو گیا۔ امام شافعیؒ نے تو یہاں تک کہا کہ اگر عورت کو طلاق رجعی دی پھر اس سے ظہار کر لیا تو ظہار ہو جائے گا، اور کفارہ اس وقت تک لازم نہ ہوگا جب تک ظہار سے رجوع نہ کرے اگر قولِ اول یعنی ظہار سے رجوع کر لیا تو کفارہ لازم ہو جائے گا۔
ہم کہتے ہیں ظہار جو تحریم کو چاہتا ہے وہ اس طلاق کی وجہ سے نہیں ہے جو ظہار کے بعد دی جاتی ہے کہ اگر طلاق سے رجوع کر لے اور نکاح میں باقی رکھے تو ظہار کی مخالفت لازم آجائے اور تقاضائے ظہار پورا نہ ہو، اصل بات یہ ہے کہ اسلام سے پہلے دورِ جاہلیت میں ظہار سے بھی ویسی ہی حرمتِ مطلقہ منافیٔ حلّت پیدا ہو جاتی تھی جیسے طلاق سے۔ دونوں میں کوئی فرق نہ تھا لیکن شریعتِ اسلامیہ نے دونوں میں فرق کر دیا ظہار کو موجبِ حرمت تو ضرور مانا لیکن نکاح کو باقی رکھا اور حرمتِ مباشرت کو دور کرنے کے لئے کفارہ کا قانون بنا دیا پس ظہار کے بعد خاموش ہو جانا عورت کا آزاد نہ کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ظہار کرنے والا اپنی بیوی کی قربت چاہتا ہے اور اس سے مباشرت کو اپنے لئے حلال بنانے کا خواستگار ہے۔
یہ بھی ہو سکتا ہے کہ (یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا) میں عَوْد سے مراد ہو مباشرت۔ حسن اور ان کے ساتھیوں کا یہی قول ہے لیکن مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا فرما کر اللہ نے کفارہ حلّتِ مباشرت کے لئے شرط بنا دیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یَعُوْدُوْنَ میں عَوْد سے مراد ہے مباشرت یعنی ارادۂ مباشرت اور قربت کی خواہش۔ آیت اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا میں بھی قیام سے مراد ارادۂ قیام ہے پس یہ کہنا غلط ہے کہ مباشرت سے پہلے کفارہ کا وجوب نہیں ہوتا۔
فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ یعنی ایک گردن (بردہ) آزاد کرنا جوازِ مباشرت کے لئے ضروری شرط ہے فتحریر میں فَ صرف تعقیب کے لئے ہے سببیت کے لئے نہیں ہے، اکثر علماء نے اس فَ کو سببی کہا ہے (یعنی آزادیٔ بردہ کا سبب اس سے پہلے کا کلام ہے ماقبل فَ مابعد فَ کے لئے سبب ہے)
فَ کو سببی قرار دینے کے بعد وجوبِ کفارہ کا سبب کیا ہے علماء اجتہاد کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہے، امام شافعیؒ نے فرمایا وجوبِ کفارہ کے لئے شرط ہے ظہار اور پھر صِنفی قربت کی طرف رجوع یعنی ظہار کے بعد اتنے وقت تک عورت کو روکے رکھنا جس میں عورت کو چھوڑ دینا ممکن تھا (لیکن عورت کو آزاد نہیں کیا بس یہ ہی رجوع ہے) کیونکہ (آزادیٔ رقبہ کا) حکم دونوں باتوں کے مجموعہ پر مترتب کیا گیا ظہار اور رجوع) اور ظہار کے مکرّر ہونے سے کفارہ مکرّر ہو جاتا ہے اس لئے دونوں باتوں کا مجموعہ وجوبِ کفارہ کا سبب ہے۔
حنفیہؒ کہتے ہیں ظہار کفارہ کا سبب نہیں ہو سکتا کیونکہ کفارہ ایک طرح کی عبادت ہے اور ظہار محض بے ہودہ اور جھوٹا اور قبیح عمل ہے اور ممنوع ہے اور ممنوع فعلِ عبادت کا سبب نہیں ہو سکتا، اور اللہ نے وجوبِ کفارہ کو دو باتوں سے وابستہ کیا ہے ظہار اور رجوع اس لئے وجوبِ کفارہ کا سبب دونوں چیزوں کا مجموعہ ہوا تنہا ظہار تو گناہ ہے اور اس کے اندر سببِ عقوبت ہونے کی زیادہ صلاحیت ہے اور رجوع یعنی دستورِ شرعی کے مطابق عورت کو روک رکھنا عبادت ہے اور وجوبِ کفارہ (حسبِ صراحتِ آیت) عقوبت اور عبادت کے درمیان دائر ہے اس لئے دونوں کا مجموعہ ہی وجوبِ کفارہ کا سبب ہوگا۔

محیط میں ہے کہ کفارہ کے وجوب کا سبب صرف رجوع ہے کیوں کفارہ سے پہلے دو چیزوں کا ذکر ہے اول ظہار کا پھر عَود کا اور عَود کا ذکر چونکہ ظہار کے بعد ہے اس لئے کفارہ کا حکم اسی پر مرتب ہوگا اور ظہار کو شرط مانا جائے گا۔ سبب کا بسیط (یعنی مفرد) ہونا اصل ہے اس لئے وجوبِ کفارہ کا سبب صرف رجوع کو مانا جائے گا، اور حکم تکرارِ شرط کی صورت میں مکرّر ہو جاتا ہے جیسے صدقۂ فطر مکرّر ہوتا رہتا ہے، اور اس کا سبب وجودِ افراد ہے۔

ایک اعتراض

اگر صرف ارادۂ مباشرت یا ظہار اور ارادۂ قربت کے مجموعہ کو وجوبِ کفارہ کا سبب قرار دیا جائے گا تو لازم آئے گا کہ ظہار کرنے کے بعد اگر کسی نے ارادۂ مباشرت کیا ہو اور پھر طلاقِ بائن دے دی ہو اور ارادۂ مباشرت کے بعد عورت رُک جائے تو کفارہ واجب ہو جائے کیونکہ کفارہ کے وجوب کا سبب (ظہار اور ارادۂ مباشرت) موجود ہے لیکن اس صورت میں کفارہ تو واجب نہیں ہے۔ کیونکہ اگر واجب ہوتا تو ساقط نہ ہوتا۔ مبسوط میں بصراحت آیا ہے کہ ظہار کرنے والا اگر عورت کو طلاق بائن دے دے یا ارادۂ مباشرت کے بعد ہی عورت مر جائے تو کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ تحقیق مبحث یہ ہے کہ اس جگہ واجب کا اطلاق مجازی ہے۔ فنِ اصول فقہ میں بیان کر دیا گیا ہے کہ مأمورین کے ساتھ خطابِ الٰہی کا تعلق تین طرح کا ہوتا ہے اقتضا کی وجہ سے یا تخییر کی وجہ سے یا وضع کی وجہ سے۔ خطابِ اقتضاء کی دو صورتیں ہیں ایجاب (واجب کر دینا) اور استحباب اور خطابِ تخییر سے مراد ہے مباح کر دینا جائز بنا دینا۔ اور خطابِ وضع کا معنی یہ ہے کہ کسی شئ کو کسی چیز کسی حکم کے لئے شرط یا سبب یا رکن یا مانع بنا دینا۔ خطابِ وضع کا درجہ اقتضاء سے کم ہے ظہار سے جو تحریم ہو جاتی ہے اس کو دور کرنے کے لئے اللہ نے کفارہ کو سبب قرار دیا ہے اور جوازِ مباشرت کے لئے شرط۔ جس طرح آیت اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ میں وضوء کو جوازِ صلوٰۃ کی شرط اور طہارت کا سبب قرار دیا ہے یا آیت اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَىْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً میں اداءِ صدقہ کو جوازِ گفتگو کی شرط بتایا ہے۔

پس ظہار وجوبِ کفارہ کا سبب نہیں ہے بلکہ تحریم مباشرت کو ختم کر دینے کا سبب ہے اسی طرح ارادۂ مباشرت وجوبِ کفارہ کا سبب نہیں ہے بلکہ نکاح حقوقِ زوجیت کے وجوب کا سبب ہے اور حقوقِ زوجیت میں سے مباشرت بھی ہے اور ظہار سے پیدا ہونے والی حرمت حقوقِ زوجیت سے مانع ہے اور جو امر حقوقِ واجبہ سے مانع ہو اس کو دور کر دینا واجب ہے۔ لہٰذا نکاح جس طرح حقوقِ زوجیت کے وجوب کا سبب ہے اسی طرح جو امر حقوقِ زوجیت سے مانع ہے اس کے ازالہ کا بھی سبب ہے اور کفارہ ازالۂ حرمت کا سبب ہے نتیجہ یہ کہ سابق نکاح ظہار کے بعد وجوبِ کفارہ کا سبب ہے۔ جس طرح قسم اس بات سے روکنے کا سبب ہوتی ہے جس کی قسم کھائی جائے پھر قسم شکنی کے بعد یہی قسم کفارہ کا سبب بھی ہوتی ہے یہی صورت دوبارہ نکاح کرنے کی ہے (کہ ظہارِ سابق کا کفارہ ساقط نہیں ہوتا) مثلاً اگر کسی نے ظہار کے بعد تین طلاقیں دے دیں پھر حلالہ کے بعد دوبارہ نکاح کر لیا تو بغیر کفارہ ادا کئے قربت جائز نہیں ہوگی یا کوئی کسی کی باندی تھی زید نے اس سے نکاح کیا پھر ظہار کیا ظہار کے بعد ہبہ یا وراثت یا کسی اور ذریعہ سے وہ باندی زید کی مِلک میں آگئی تو حلتِ قربت کے لئے کفارۂ ظہار ادا کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ

ظہار کرنے والے کے کفارہ کے بغیر قربت بھی حرام ہے، اور مبادی و اسباب بھی حرام ہیں جو مباشرت تک پہنچا دیتے ہیں جیسے بوسہ، چھونا (معانقہ وغیرہ) یہ قول امام ابو حنیفہؒ اور مالک کا ہے امام شافعیؒ کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں قدیم و جدید۔ جدید قول اباحت کا ہے امام احمدؒ کے بھی دو قول ہیں آخری قول حرمت کا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جب ظہار کی حالت میں مباشرت حرام ہے تو اس کے دواعی (مبادی، تمہیدات) بھی حرام ہیں تاکہ مباشرت میں مبتلا ہونے کا خطرہ بھی نہ رہے جیسے مدتِ

استبراء اور ایام احرام میں مباشرت مع دواعی حرام ہے۔ حائضہ اور صائم کے لئے دواعیٔ قربت کا ارتکاب حرام نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں حالتیں کثیرُ الوقوع ہیں (ہر مہینے حیض ہونا اور ہر سال رمضان کا آنا اور بار بار آنا یقینی ہے) استبراء اور احرام کی حالت نادرُ الوقوع ہے بعض لوگوں کو تو ساری عمر اس کا اتفاق ہی نہیں ہوتا اگر حیض و احرام کی حالت میں دواعی کو بھی حرام کر دیا جائے تو بہت دُشواری ہو گی۔

ایک بات یہ بھی ہے کہ ظہار سے پیدا شدہ حرمت محرم عورتوں کی حرمت کے مشابہ ہے، اور محارم سے قربت مع دواعی کے حرام ہے پس ظہار سے پیدا شدہ حرمت بھی مع دواعی کے حرام ہونا چاہئے۔

مسئلہ

اگر ظہار کرنے والا بغیر کفارہ دیئے عورت سے قربت کرنا چاہئے تو عورت پر لازم ہے کہ مرد کو اس فعل سے روک دے اور قاضی پر لازم ہے کہ کفارہ ادا کرنے پر اس کو مجبور کرے اگر وہ کفارہ دینے سے انکار کرے تو اسے پٹوائے لیکن اگر وہ کہے کہ میں کفارہ دے چکا تو اس کی بات کو سچ مانا جائے گا بشرطیکہ وہ دروغ گو ہونے میں مشہور نہ ہو۔ (کذا فی فتح القدیر)

مسئلہ

قرآن میں اس جگہ چونکہ لفظ رقبہ گردن یعنی بُردہ مطلق ہے اس لئے غلام ہو یا باندی، کافر ہو یا مسلمان بچہ ہو یا بڑا سب کو کفارہ میں آزاد کیا جا سکتا ہے امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک کافر غلام یا باندی کو آزاد کرنا کافی نہیں ہے ایک قول امام احمدؒ کا بھی یہی مروی ہے۔ کیونکہ کفارۂ قتل میں مسلمان غلام یا باندی کو آزاد کرنے کی صراحت ہے اس لئے ایمان کی شرط اس جگہ بھی ضروری قرار پائے گی۔ ہم کہتے ہیں کوئی وجہ نہیں کہ ہم مقید پر مطلق کو قیاس کریں۔ مقید اپنی جگہ مقید رہے گا اور مطلق اپنی جگہ مطلق، اس مسئلہ کی تفصیل اصول فقہ میں مذکور ہے۔

مسئلہ

مندرجہ ذیل عیوب رکھنے والے غلام کی آزادی کفارۂ ظہار کے لئے کافی نہیں ہو گی۔

نابینا، دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں یا ایک ہی طرف کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کٹا ہو یا ہاتھوں کے دونوں انگھوٹے کٹے ہوئے یا انگوٹھے کے علاوہ ہر ہاتھ کی تین انگلیاں کٹی ہوئی یا ایک ہاتھ اور مخالف سمت کی ایک ٹانگ کٹی ہوئی اتنا بہرہ کہ چیخ کی آواز بھی نہ سن سکے، اگر چیخ کی آواز سن سکتا ہو تو اس کی آزادی کافی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اگر کسی عضو کے نقصان سے اتنی خرابی پیدا ہو جائے کہ مطلقاً کام ہی نہ چل سکے تو ایسے ناقصُ العضو غلام کی آزادی کافی نہیں اور اگر کسی طرح کام چل سکے خواہ ناقص طریقہ سے ہی ہو تو ایسے غلام باندی کی آزادی کفارۂ ظہار کے لئے کافی ہے۔

مسئلہ

مدبَّر غلام (یعنی وہ غلام جس سے آقا نے کہہ دیا ہو کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے) اور ام ولد (بچہ کی ماں یعنی وہ باندی جس کے پیٹ سے اس کے آقا کا کوئی بچہ پیدا ہو گیا ہو) کو کفارہ میں آزاد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان دونوں کی غلامی ناقص ہے۔ آقا پورے طور پر ان کا مالک نہیں ہے یہاں تک کہ ان دونوں کو فروخت نہیں کر سکتا۔ مکاتب (یعنی وہ غلام جس سے آقا نے معاہدہ کر لیا ہو کہ مقرّرہ رقم اگر تو مجھے کما کر یا کسی سے لا کر دے دے گا تو تو آزاد ہے) اگر مقررہ رقم کا کچھ حصہ ادا کر چکا ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے ہاں معاہدہ کے بعد اگر وہ مقررہ رقم کا کوئی حصہ بھی ادا نہ کر سکا ہو تو کفارۂ ظہار میں اس کو آزاد کیا جا سکتا ہے۔ امام شافعیؒ کا قول اس کے خلاف ہے۔

مسئلہ

اگر کسی نے اپنے باپ یا بیٹے کو خرید لیا (تو خریدتے ہی وہ آزاد ہو جائیں گے) اب اگر خریدنے سے اس کی نیت یہ ہو کہ اس کے ظہار کا کفارہ ادا ہو جائے تو صحیح یہ ہے کہ کفارہ ادا ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی کا باپ یا بیٹا کسی کا غلام ہو اور ان کا آقا اس شخص کو اس کا باپ یا بیٹا بطور ہبہ دے دے اور یہ قبول کرنے کے وقت کفارہ ادا کرنے کی نیت ہو تو کفارہ ادا ہو جائے گا۔ امام شافعیؒ کا قول اس کے خلاف ہے۔ لیکن اگر باپ، بیٹا بطورِ وراثت کسی کو مل جائے اور مورث کے مرنے کے وقت اس وارث کے نیت بھی اداء کفارہ کی ہو تو کفارہ ادا نہ ہوگا (کیونکہ پہلی دونوں صورتیں ملکیت اختیاری کی ہیں خریدنے اور ہبہ قبول کرنے میں اپنے اختیار کو دخل ہے اور تیسری صورت اضطراری غیر اختیاری ہے۔ مورث کے مرنے کے بعد وارث کا حصۂ موروثی کا مالک ہو جانا غیر اختیاری ہے)

مسئلہ

اگر غلام سے کہا اگر تو گھر میں داخل ہوا تو تُو آزاد ہے اور اس کہنے سے اس کی نیت ادائے کفارہ کی ہو تو صحیح ہے بشرطیکہ یہ جملہ کہتے وقت اداء کفارہ کی نیت ہو لیکن جملۂ مذکورہ کہنے کے وقت تو نیتِ کفارہ نہیں تھی اور غلام کے گھر میں داخلہ کے وقت نیتِ کفارہ کر لی تو کفارہ ادا نہیں ہوگا۔

مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا چھونے سے مراد ہے مباشرت کرنا۔ یہ فقرہ اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ حلّتِ مباشرت کے لئے ادائے کفارہ شرط ہے اور ظہار موجبِ حرمت ہے۔

ذٰلِكُمْ یعنی مباشرت سے پہلے کفارہ ادا کرنے کا حکم۔

تُوْعَظُوْنَ بِهٖ تم کو اس کی نصیحت کی جاتی ہے، تاکہ ظہار سے جو حرمت پیدا ہو گئی ہے وہ زائل ہو جائے، یا یہ مطلب کہ دوبارہ ظہار کا ارتکاب اس ڈر سے نہ کرو کہ بیوی سے جدا ہونا پڑے گا، یا یہ سمجھ لو کہ کفارہ کا وجوب اس لئے تم پر ہوا ہے کہ ارتکابِ گناہ کیا ہے اس خیال سے تم نصیحت حاصل کرو اور ارتکابِ ظہار سے آئندہ باز رہو۔

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ

پھر جس کو غلام یا باندی میسر نہ ہو تو اس کے ذمہ لگاتار دو مہینے کے روزے ہیں قبل اس کے کہ دونوں باہم اختلاط کریں۔

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ یعنی جس کے پاس غلام یا باندی موجود نہ ہو اور حاصل بھی نہ کر سکتا ہو خواہ اس کی وجہ یہ ہو کہ غلام خریدنے کی قیمت میسّر نہ ہو یا غلام دستیاب نہ ہو سکتا ہو اور قیمت موجود ہو یا غلام کی جتنی قیمت ہو اتنا ہی ظہار کرنے والا مقروض ہو یا اپنے اور اپنے اہل و عیال کے مصارف کا ضرورت مند ہو اگر غلام خریدتا ہے تو نفقہ اہل و عیال سے معذور ہو جاتا ہے۔ ان سب صورتوں میں امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک غلام آزاد نہ کرنا اور روزے رکھنا جائز ہے امام مالکؒ اور اوزاعیؒ کے نزدیک اگر بُردہ کی قیمت پاس ہو اور خریدنا ممکن ہو تو خرید کر آزاد کرنا واجب ہے خواہ اتنا ہی قرض دار بھی ہو، جتنی رقم پاس ہو یا اپنی ضروریات کا حاجتمند ہو، بہر حال ان تمام صورتوں میں بُردہ آزاد کرنا لازم ہے، روزے رکھنا کافی نہیں۔ ہم کہتے ہیں جو روپیہ اپنی ضروری حاجتوں (اداء قرض اور ضروری مصارفِ ذاتی و خانگی) میں مستغرق ہو اور گویا موجود ہی نہیں ہے (پھر غلام خریدنے کے لئے روپیہ میسّر نہیں تو کہاں سے اور کیسے خرید کر آزاد کر سکتا ہے۔

مسئلہ

اگر باندی یا غلام تو موجود ہو لیکن اس کا مالک خدمت لینے کا محتاج ہو (مثلاً لولا لنگڑا یا زیادہ کمزور یا بیمار ہو) تو بردہ آزاد نہ کرنا اور روزے رکھنا امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک جائز ہے۔ جس طرح بقدر پیاس پانی موجود ہو زیادہ نہ ہو تو بے وضو کو تیمّم کرنا جائز ہے اسی طرح اگر مال موجود ہو اور صرف اتنا ہو کہ قرض میں مستغرق ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں نہ ہو اس مال کو اداء کفارہ

میں صَرف کرنا لازم ہے ہمارے نزدیک اگر غلام برائے خدمت ہو تو اس کو آزاد کرنا اداء کفارہ میں لازم ہے رہا باوجود پانی ہونے کے تیمّم کا جواز اور قرض میں مستغرق ہونے کی صورت میں زکوٰۃ وغیرہ کا عدمِ وجوب تو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا فرق واضح ہے پیاس کی صورت میں پانی کو روک رکھنے اور وضو میں صرف کرنے کا تو حکم ہے استعمال ممنوع ہے، اور قرض کو ادا کرنے کا بھی وجوبی حکم ہے خادم کو خدمت کے لئے روک رکھنے کا تو شرعی حکم نہیں ہے۔

مسئلہ

ادائے کفارے کے وقت کی ہی فراخ دستی یا تنگ دستی معتبر ہے، امام مالکؒ کا یہی مسلک ہے امام احمدؒ اور ظاہر یہ گروہ کے نزدیک وجوبِ کفارہ کے وقت تنگدست یا فراخ دست ہونا قابلِ اعتبار ہے اداء کفارہ کے وقت کی کسی حالت کا اعتبار نہیں) امام شافعیؒ کا ایک قول امام مالکؒ کے قول کے مطابق اور دوسرا قول امام احمدؒ کے قول کے مطابق منقول ہے اور ایک تیسرا قول بھی ہے کہ وقتِ وجوب اور وقتِ اداء دونوں میں جو وقت زیادہ سخت ہو اس کا اعتبار ہے۔

فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ دو ماہ کے روزوں میں رمضان کا مہینہ یا فطر اور نحر کا دن اور ایامِ تشریق نہ آنا چاہئے۔ رمضان کا وجوب تو اللہ کی طرف سے ہے اس میں ظہار کے روزے کیسے رکھے جاسکتے ہیں ورنہ ایجاب مِن اللہ کا ابطال لازم آئے گا رہے باقی ایامِ ممنوعہ تو ظاہر ہے کہ ان میں ہر طرح کا روزہ رکھنے کی ممانعت ہے اور ایامِ ممنوعہ کے روزے واجب کامل کے قائم مقام کیسے ہوسکتے ہیں۔

مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۤسَّا اگر تسلسل ٹوٹ جائے خواہ کسی عذر کی وجہ سے یا بغیر عذر کے بہر حال از سرِ نو دو ماہ کے روزے رکھنے لازم ہوں گے یہ قول باجماعِ علماء ہے (یعنی کوئی دن ناغہ نہ ہونا چاہئے) اگر ظہار کرنے والے نے دو مہینے کے درمیان رات کو قصداً یا دن کو بھول کر مباشرت کرلی تو امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک از سرنو دوبار روزے رکھنا لازم نہیں ہے۔ کیونکہ تسلسل فوت نہیں ہوا اگر مباشرت سے پہلے روزے رکھنے ضروری ہیں اور صورتِ مذکورہ میں کل روزے از سر نو رکھنے ضروری قرار دیئے جائیں گے تو کل روزوں کی مباشرت سے تاخیر لازم آئے گی اور استیناف کا حکم نہیں دیا جائے گا، تو کچھ روزے مباشرت سے پہلے ہوچکے ہوں گے (کچھ بعد کو پورے ہو جائیں گے) ایک قول امام احمدؒ کا بھی یہی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک از سر نو کل روزے رکھنے ہوں گے کیونکہ مباشرت سے پہلے روزے رکھنے کی ضرورت ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ روزے رکھنے کی پوری مدت میں مباشرت نہ کی جائے اس لئے صورتِ مذکورہ میں از سر نو کل روزے رکھنے واجب ہیں۔ امام احمدؒ کا ظاہر قول بھی یہی ہے۔

فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا پھر جس سے یہ بھی نہ ہوسکے تو اس کے ذمّہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا۔

اگر بیماری یا ضُعف پیری کی وجہ سے یا ایسی شدتِ شہوت کی وجہ سے کہ مباشرت سے باز نہ رہ سکے، روزے نہ رکھ سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینا لازم ہے ہر مسکین کو دو سیر عراقی یعنی نصفِ صاع غلہ کسی قسم کا ہو۔ بغوی نے لکھا ہے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کا یہی قول ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہر مسکین کو نصف صاع گندم یا ایک صاع جَو یا چھوارے دیئے جائیں شعبی، نخعی، سعید بن جبیر، حاکم، مجاہد اور کرخی کا بھی یہی قول ہے کرخی نے تو اپنی اسناد سے مجاہد کی طرف اسے عمومی قاعدہ کی نسبت کی ہے کہ قرآن میں جس کفارہ کا حکم دیا گیا ہے وہ نصفِ صاع گندم ہی ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک ایک مُدّ یعنی دُو رِطل بغدادی دینا لازم ہے امام احمدؒ کے نزدیک گندم یا اس کا آٹا ایک مُدّ بغدادی یا دُو مُدّ جَو اور چھوارے دیئے جائیں یا دُو رطل روٹی یعنی گیہوں کی ایک مُد تقریباً اسّی تولہ اور دُو رطل تقریباً ایک مد یعنی ایک اسٹینڈرڈ سیر۔ امام شافعیؒ نے کہا رسول اللہ ﷺ کے مد کے برابر یعنی ایک رطل اور ایک تہائی رطل ۱ ⅓ اس غلہ کا جو شہر میں زیادہ کھایا جاتا ہو۔ ابن جوزی نے التحقیق میں لکھا ہے کہ

سلیمان بن یسار نے کہا میں نے ایسے لوگوں کو پایا جو کفارہ میں مسکینوں کو ایک ایک مُد دیتے تھے اور اس کو کافی سمجھتے تھے۔ امام ابو حنیفہؒ نے سلمہ بن صخر کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں حکم دیا گیا ہے کہ ایک وسق (ساٹھ صاع) چھوارے ساٹھ مسکینوں کو دو۔ لیکن ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ روایت منقطع ہے ترمذی نے حضرت ابو سلمہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ سلمہ بن صخرؓ نے رمضان بھر کے لئے اپنی بیوی سے ظہار کیا تھا اس حدیث کے آخر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سلمہ کو حکم دیا کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا دو، سلمہؓ نے عرض کیا حضور ﷺ میں نادار ہوں۔ حضور ﷺ نے عروہ بن عمرؓ سے فرمایا اس کو ایک فرق ساٹھ مسکینوں کو کھلانے کے لئے دیدو۔ فرق ایک پیمانہ لگ بھگ پندرہ صاع کا ہوتا تھا ممکن ہے کہ فرق لگ بھگ پندرہ سولہ صاع کا ہوتا تھا یہ کلام راوی کا ہو حدیث مبارک کا جز نہ ہو۔ حدیث میں صرف اتنا ہو کہ اس کو ایک فرق دے دو۔ فرق لغت میں ٹوکرے کو کہتے ہیں چھوٹا ہو یا بڑا۔

طبرانی نے حضرت اوس بن صامتؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ساٹھ مسکینوں کے کھلانے کے لئے تیس صاع دے دو، میں نے عرض کیا بغیر آپ کی مدد کے میرے لئے ایسا کرنا ممکن نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے پندرہ صاع دے کر میری مدد کی اور پندرہ صاع لوگوں نے جمع کر دیا اس طرح تیس صاع ہو گئے۔ ابو داؤد نے لکھا ہے کہ حضرت خولہ بنت مالک نے بیان کیا ہے میرے شوہر حضرت اوس بن مالک نے ظہار کر لیا میں اس کی شکایت لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ حضور ﷺ اس کے معاملہ میں مجھ سے جھگڑنے لگے اور فرمانے لگے اللہ سے ڈرو وہ تیرے چچا کا بیٹا ہے۔ میں وہاں سے ہٹی بھی نہ تھی کہ آیت
قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ الخ نازل ہوئی حضور ﷺ نے ایک بُردہ آزاد کرنے کا حکم دیا میں نے کہا ان کے پاس کوئی بردہ نہیں ہے فرمایا دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے۔ میں نے عرض کیا وہ بہت بوڑھے ہیں روزے رکھنے کی ان میں سکت نہیں ہے۔ فرمایا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا، میں نے عرض کیا ان کے پاس تو خیرات کرنے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔ فرمایا ایک فرق چھوارے دے کر میں اس کی مدد کروں گا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ پھر میں بھی ایک فرق چھوارے مزید دے کر ان کی مدد کروں گی فرمایا تو نے خوب کیا اب اپنے چچا کے بیٹے کے پاس واپس چلی جا اور دونوں فرق ساٹھ مسکینوں کو کھانے کو دے دے۔ راوی کا بیان ہے کہ ایک فرق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ بعض نے کہا فرق وہ پیمانہ ہوتا ہے جس میں ۳۰ صاع آجاتے تھے۔ ابو داؤد نے اسی تشریح کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے ابن ہمام نے ابو داؤد کے قول کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ اگر ایک فرق ساٹھ صاع کا پیمانہ ہوتا تو کفارہ ادا کرنے کے لئے حضرت خولہؓ کی طرف سے مزید ایک فرق دینے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔

امام شافعیؒ اور ان کے ساتھیوں نے کفارۂ صوم کے سلسلہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کو بطورِ استدلال پیش کیا ہے حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے ایک شخص جس نے رمضان میں روزہ توڑ دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ الحدیث۔ راوی نے کہا پھر ایک فرق (چھواروں سے بھرا ہوا) لایا گیا جو پندرہ صاع کے بقدر تھا۔ حضور ﷺ نے اس سے فرمایا تو خود کھا اور اپنے بیوی بچوں کو کھلا اور ایک دن کا روزہ رکھ لے اور اللہ سے استغفار کر۔ ابو داؤد نے یہ حدیث ہشام بن سعد کی روایت سے بیان کی ہے لیکن نسائی وغیرہ نے ہشام کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ابو داؤد نے بروایتِ اسماعیل جو حدیث بیان کی ہے اس میں بھی پندرہ صاع کا لفظ آیا ہے ابن ابی حفصہ کی روایت میں بھی اسی طرح آیا ہے۔ بخاری نے اسمٰعیل کو منکر الحدیث کہا ہے نسائی نے اس روایت کی تضعیف کی ہے لیکن دوسرے لوگوں نے اس کو قوی کہا ہے۔ دار قطنی نے بروایتِ حجاج بن ارطاۃ از زہری فرق کی مقدار پندرہ صاع نقل کی ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے حکم دیا تھا یہ ساٹھ مسکینوں کو دے دے۔ حجاج بن ارطاۃ (اہلِ روایت کے نزدیک) ضعیف اور مدلس تھا۔ عبد اللہ بن احمد نے اپنے باپ کے حوالہ سے یحییٰ کا قول نقل کیا ہے کہ حجاج نے زہری کا زمانہ پایا ہی نہیں زہری کو دیکھا ہی نہیں۔ اس حدیث کی تائید حضرت علیؓ کی حدیث سے ہوتی ہے جو دار قطنی نے بیان کی ہے۔ اس حدیث میں ہے ساٹھ مسکینوں کو کھلائے ہر

مسکین کو ایک مُد۔ اس حدیث میں پندرہ صاع کا تذکرہ ہے (ایک صاع چار مد.... پندرہ صاع ساٹھ مد)
بخاری نے کہا حدیث میں اضطراب ہے، یعنی روایت میں پندرہ صاع آیا ہے۔ ابن خزیمہ کی روایت بطریق مہران جو آئی ہے اس میں پندرہ یا بیس صاع کے الفاظ آئے ہیں۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے جو حدیث آئی ہے اس میں صاع کا ذکر ہی نہیں ہے بلکہ ایک فرق چھواروں کا لفظ آیا ہے اور فرق ایک بڑے ٹوکرے کو کہتے تھے سعید بن مسیب کی روایت میں فرق کی مقدار پندرہ سے بیس صاع تک بیان کی گئی ہے اس روایت کی اسناد میں ایک راوی عطاء خراسانی ہے جس کو عقیلی نے ضعفاء میں داخل کیا ہے، بخاری نے کہا اس کی روایت کردہ عام احادیث مقلوب ہیں۔ یعنی روایت میں قطعیت کے ساتھ بیس صاع کا ذکر کیا گیا ہے۔ دارمی نے سعید بن مسیب کی مرسل حدیث اسی طرح بیان کیا ہے۔ ابن خزیمہ نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے ایک فرق لایا گیا جس میں بیس صاع تھے۔
یہ احادیث کفارۂ صوم کے متعلق آئی ہے جن سے امام ابوحنیفہؒ نے کفارۂ ظہار پر استدلال کیا ہے۔
امام شافعیؒ نے از روئے احتیاط ان احادیث کو اختیار کیا جن میں کم ترین مقدارِ طعام بیان کی گئی ہے۔
سب سے زیادہ حدیث حضرت کعب بن عجرہ کی ہے جو صحیحین میں مذکور ہے ہم نے وہ حدیث سورۂ بقرہ کی آیت فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّنْ رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ کی تفسیر میں ذکر کر دی ہے۔ اس روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ایک فرق کھانا چھ مسکینوں کو تقسیم کر دے یا ایک بکری کی قربانی کر دے یا تین روزے رکھے اور فرق تین صاع کا ہے، اسی حدیث میں طبرانی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ ہر مسکین کے لئے نصف صاع چھوارے دے دے امام احمدؒ کی روایت میں نصف صاع کھانے کا ذکر ہے، بشر بن عمر نے بروایتِ شعبہ نصف صاع گندم بیان کیا ہے۔ حکم نے بروایتِ ابن ابی لیلیٰ نصف صاع کشمش کہا ہے کیونکہ اس روایت میں ایک فرق کشمش چھ مسکینوں کو دینے کا ذکر ہے۔
ابن حزم نے لکھا ہے کہ ان مختلف روایات میں کسی ایک کو ترجیح دینی لازم ہی ہے کیونکہ ایک ہی واقعہ ہے اور ایک ہی جگہ کا ہے (اس لئے سب روایات تو صحیح نہیں ہو سکتیں)
حافظ ابن حجرؒ نے کہا شعبہ کی روایت نصف صاع طعام والی محفوظ ہے ہاں چھوارے ہوں یا گندم اس میں اختلاف ضروری ہے شاید اس میں راویوں کے تصرف کا دخل ہو، کشمش کی صراحت تو صرف حکم کی روایت میں مجھے نظر آئی۔ یہ روایت ابوداؤد نے بیان کی ہے اس کی سند میں ابواسحاق شامل ہیں اور ابواسحاق مغازی میں تو معتبر ہیں لیکن احکام میں اگر وہ دوسرے سے اختلاف کریں تو ان کا اختلاف قابلِ اعتبار نہیں۔
بعض اہل علم نے کہا چھواروں والی روایت محفوظ ہے باسنادِ ابوقلابہ۔ مسلم نے اس پر جزم کیا ہے اس میں ابوقلابہ کے خلاف کسی نے کچھ نہیں کہا طبرانی نے بھی بطریقِ شعبی کعب سے اس کو نقل کیا ہے۔
حافظ نے کہا مسلم کے جو بعض نسخوں میں آیا ہے کہ ہر مسکین کے لئے ایک صاع ہے یہ تحریف ہے مسلم سے کم درجہ والوں کو تو ذکر ہی کیا ہے۔ صحیح نسخوں میں ہر مسکین کے لئے نصف صاع کی صراحت ہے اور یہ ہی صحیح ہے۔
آیت میں اِطعام کا حکم مجمل ہے واجب کی مقدار کیا ہے اس میں اجمال ہے اور مقدار کی تعیین میں جو احادیث صوم اور ظہار کے باب میں آئی ہیں وہ مضطرب ہیں اس لئے صدقۂ فطر پر محمول کرنے سے اس صحیح متفق علیہ حدیث پر محمول کرنا اولیٰ ہے صدقۂ فطر میں تو ادائیگی کا حکم ہے اِطعام کا حکم نہیں ہے اور یہاں اِطعام کا حکم ہے۔ اس لئے اہلِ عراق کی رائے زیادہ قوی ہے اور امام ابوحنیفہؒ کا قول مبنی بر احتیاط ہے۔

مسئلہ

اگر صبح اور شام ساٹھ صاع بھر کر گیہوں کی روٹی کھلا دی خواہ روکھی کھلائی ہو تو بھی کافی ہے لیکن جو کی روٹی کے ساتھ تو

سالن ضروری ہے۔
صبح شام دونوں وقت ایک ہی مسکین کو کھلائے یا ایک مسکین کو دو روز دن کا کھانا اور دوسرے مسکین کو دو وقت شام کا کھانا دے (اور اس طرح ساٹھ مسکینوں کی خوراک ہو جائے) تو جائز ہے لیکن اگر ساٹھ مسکینوں کو صبح کا کھانا اور دوسرے ساٹھ مسکینوں کو شام کا کھانا کھلایا تو جائز نہیں۔ وہ بچہ جس کا دودھ چھوٹا ہو اور وہ شخص جس کا پیٹ بھرا ہو ان کو کھلانا کافی نہیں ہے بھوکوں کا پیٹ بھرنا اور شکم سیر کرنا ضروری ہے خواہ وہ تھوڑا کھائیں یا زائد (یعنی ان کی معمولاً خوراک کم ہو یا زائد)
مسکین کو مالک بنا دینا (کہ وہ جس کو چاہے کھلائے) شرط نہیں ہے شافعیؒ تملیک کے قائل ہیں......
اگر ایک ہی مسکین کو ساٹھ دن کھلایا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے، جمہور ائمہ کا قول اس کے خلاف ہے۔ سورت مائدہ میں کفارۂ قسم کی بحث میں ہم نے ائمہ کے اختلاف اور ہر ایک کے استدلال کی تفصیل کر دی ہے۔

فائدہ

غلام، باندی کی آزادی اور دوماہ کے روزوں کے حکم سے پہلے اللہ نے مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا (یعنی مباشرت سے پہلے) کی شرط ذکر کی ہے لیکن مسکینوں کو کھانا کھلانے کے حکم کو اس شرط سے مشروط نہیں کیا اسی بنا پر امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا اگر ظہار کرنے والا کھانا کھلانے کے دوران ظہار کردہ عورت سے مباشرت کر لے تو دوبارہ از سر نو کھلانا ضروری نہیں ہے۔ امام مالکؒ کا قول ہے جو شخص بشکلِ اطعام کفارہ ادا کرنے کا ارادہ کر لے اس کے لئے مباشرت کرنا جائز ہے، جمہور کے نزدیک ناجائز ہے مباشرت کفارہ دینے سے پہلے جمہور کے نزدیک مطلقاً حرام ہے خواہ کفارہ کی کوئی شکل ہو کیونکہ ظہار موجبِ حرمت ہے اور کفارہ ہی حرمت کو زائل کرنے کا سبب ہے اس لئے جب تک کفارہ نہ ہو گا حرمت زائل نہ ہو گی۔ اصحابُ السنن نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کیا پھر دورانِ ظہار اس پر جا پڑا حضور ﷺ نے دریافت کیا تو نے ایسی حرکت کیوں کی؟ اس شخص نے جواب دیا میں نے چاندنی میں اس کی پازیب (یا اس کی گوری پنڈلیاں) دیکھ لیں (مجھ سے صبر نہ ہو سکا) فرمایا تو جب تک کفارہ نہ دے دو اس سے کنارہ کش رہو۔ اس حدیث میں مطلق کفارہ سے پہلے کنارہ کش رہنے کا حضور ﷺ نے حکم دیا۔ ترمذی کے نزدیک یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے، منذر نے کہا اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور ہر ایک کا دوسرے سے سننا مشہور ہے (لہٰذا حدیث معتبر ہے)۔
بغوی نے لکھا ہے غلام کو آزاد کرنے اور روزے رکھنے کے حکم کو قبل از مباشرت کی شرط سے مشروط کیا ہے اور کھانا کھلانے کا حکم غیر مشروط اور مطلق دیا ہے اس لئے مطلق کو بھی مقید پر محمول کیا جائے گا اور جو شرط مقید میں ذکر کی گئی ہے، اس کو مطلق میں بھی ضروری قرار دیا جائے گا بغوی کا یہ قول ان کے ایک مسلمہ ضابطہ پر مبنی ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کرنا لازم ہے۔
میں کہتا ہوں غلام کی آزادی اور روزے رکھنے کے حکم کو اس شرط سے مشروط کرنا کہ اس سے پہلے مباشرت نہ کرے جواز کفارہ کی شرط نہیں ہے ورنہ لازم آئے گا کہ ظہار کرنے والا کفارہ دینے سے پہلے اگر مباشرت کرے اور مباشرت کے بعد کفارہ دے تو اس کا کفارہ جائز نہ ہو اور عورت اس کے لئے حلال نہ ہو بلکہ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا کی شرط یہ بیان کرنے کے لئے ہے کہ کفارہ سے پہلے مباشرت حرام ہے۔ شاید تیسرے نمبر (یعنی حکم اطعام) کے بعد مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا صرف اس وجہ سے ذکر نہیں کیا کہ نمبر ایک اور نمبر دو میں اس کی صراحت کر دی ہے۔ یہ قرینہ ہے اس امر کا کہ نمبر تین میں یہی شرط لازم ہے تیسری جگہ ذکر کرنے سے کلام میں بے فائدہ طول ہو جاتا لیکن اسی دلیل کی روشنی میں کفارہ نمبر دو میں بھی یہ شرط مذکور نہ ہوتی تو اس وقت یہ گمان ہو سکتا تھا کہ یہ شرط صرف بردہ آزاد کرنے کے ساتھ مخصوص ہے دوسرے اور تیسرے نمبر کے کفارہ کے لئے اس کی ضرورت نہیں اس لئے کفارہ کی دو شکلوں کے ساتھ تو یہ قید ذکر کر دی اور تیسری شکل کو مطلق چھوڑ دیا۔

مسئلہ

اگر ظہار کرنے والا کفارہ دینے سے پہلے مباشرت کر گزرے تو استغفار کرلے کیونکہ یہ عمل ناجائز ہے اور امرِ حرام کے ارتکاب کے بعد توبہ و استغفار لازم ہے اس کے بعد کفارۂ ظہار دے دے تاکہ حرمتِ مباشرت آئندہ کے لئے زائل ہو جائے۔ کفارۂ ظہار کے علاوہ دوسرا کفارہ جس کو کفارۂ مباشرت کہا جاسکتا ہے واجب نہیں بعض اہلِ علم کے نزدیک دو کفارے دینے ہوں گے، کفارۂ ظہار اور کفارۂ مباشرت قبل از ادائے کفارہ۔ مگر یہ قول غلط ہے حضرت سلمہ بن صخرؓ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو صرف ایک کفارہ کا حکم دیا تھا۔ (یعنی کفارۂ ظہار باقی دوسرے کسی کفارہ کا حکم نہیں دیا) حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں بھی ایک ہی کفارہ کا ذکر ہے۔ ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت سلمہ بن صخرؓ کے واقعہ میں صراحت کردی ہے کہ جب حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ظہار کرنے والا اگر عورت پر قبل از اداء کفارہ پڑ جائے تو کیا حکم ہے حضور ﷺ نے فرمایا ایک کفارہ ادا کرے، ترمذی نے اس حدیث کو صحیح غریب کہا ہے امام مالکؒ نے مؤطا میں ایسے شخص کے بارہ میں جو ظہار کرنے کے بعد کفارہ ادا کرنے سے پہلے مرتکبِ مباشرت ہو جائے ذکر کیا ہے کہ ایسا شخص آئندہ کفارہ ادا کرنے تک مباشرت نہ کرے اور اللہ سے استغفار کرے امام مالکؒ نے فرمایا میں نے اس سلسلہ میں جو کچھ سنا ہے سب سے بہتر یہی صورت ہے۔

ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ④

یہ (حکم اس لئے بیان کیا گیا ہے) کہ اللہ اور اس کے رسول پر تم ایمان لے آؤ اور یہ اللہ کی مقرّر کردہ حدیں ہیں اور کافروں کے لئے سخت دردناک عذاب ہوگا۔

ذٰلِكَ یہ بیان کردہ احکام۔

لِتُؤْمِنُوْا ایمان سے مراد ہے احکام شرعیہ پر عمل۔ جیسے آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اِيْمَانَكُمْ میں ایمان سے مراد نماز ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ نے یہ احکام اس لئے دیئے ہیں کہ تم ان پر عمل کرو اور جاہلیت کے دستور و رواج کو چھوڑ دو۔

وَتِلْكَ اور یہ کفارے اللہ کی قائم کردہ بندشیں ہیں جو لوگ ان کے مامور ہیں وہ ظہار جیسے ممنوعات کے ارتکاب سے باز رہتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ یہ اللہ کی مقرّر کردہ حدود ہیں ان سے تجاوز کرنا جائز نہیں۔

وَلِلْكٰفِرِيْنَ یعنی ان لوگوں کے لئے جو اللہ کے احکام کو قبول کرتے ممنوعات کے ارتکاب سے باز نہیں رہتے اور حدودُ اللہ سے تجاوز کرتے ہیں دردناک عذاب ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑤

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ دنیا میں بھی ایسے ذلیل ہوں گے جیسے ان سے پہلے لوگ ذلیل ہوئے اور ہم نے کھلے کھلے احکام نازل کر دیئے ہیں اور کافروں کو ذلت کا عذاب ہوگا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ الخ یعنی اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھتے اور ان کے احکام کی مخالفت کرتے ہیں، یا یہ مطلب ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی قائم کردہ حدوں کو چھوڑ کر دوسری حدود قائم کرتے ہیں۔

كُبِتُوْا صاحب قاموس نے لکھا ہے كَبَتَهٗ اس کو پچھاڑ دیا، اس کو رُسوا کر دیا، اس کو پھیر دیا اس کو توڑ دیا دشمن کو لوٹا دیا، اس کو ذلیل کر دیا۔ مُكْبَتٌ بمعنی غم اندوہگین

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ یعنی گزشتہ کافر امتیں۔

اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ اللہ کے رسول کی سچائی پر واضح دلالت کرنے والی آیات۔

عَذَابٌ مُّهِينٌ بے عزت کر دینے والا اور کافروں کو مٹا دینے والا عذاب۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۶ جس روز ان سب کو اللہ دوبارہ زندہ کرے گا پھر ان کا سب کیا ہوا ان کو بتادے گا اللہ نے اس کو محفوظ کر رکھا ہے اور یہ لوگ اس کو بھول گئے اور اللہ ہر چیز پر مطلع ہے۔

جَمِيْعًا سب کو

فَيُنَبِّئُهُمْ یعنی علی الاعلان سب کے سامنے رُسوا کرنے کے لئے اللہ ان کو ان کے اعمال سے باخبر کرے گا تاکہ سب کے سامنے ان کو عذاب دیا جاسکے۔

اَحْصٰىهُ اللّٰهُ یعنی اللہ کا علم ان کے سارے اعمال کو محیط ہے ان کا کوئی عمل اللہ کے علم سے باہر نہیں۔

وَنَسُوْهُ یعنی بد عملی کی کثرت یا ان کی بے پروائی اور بیباکی کی وجہ سے وہ اپنے کئے ہوئے اعمال کو بھول گئے، جو اہم اور عظیم کام ہوتا ہے اسی کو یاد رکھا جاتا ہے اور ان کی نظر میں گناہوں کی اہمیت نہیں اس لئے ان کو بھول گئے۔

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ یعنی اللہ سے کوئی چیز غائب نہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۷

کیا آپ نے ان پر نظر نہیں کی کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے کوئی تین کی سرگوشی ایسی نہیں ہوتی جس میں وہ اللہ چوتھا نہ ہو اور نہ کوئی پانچ کی سرگوشی ایسی ہوتی ہے جس میں اللہ چھٹا نہ ہو اور نہ اس سے کم تعداد کی اور نہ زائد تعداد کی سرگوشی ہوتی ہے مگر اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے خواہ وہ لوگ کہیں بھی ہوں پھر قیامت کے دن ان کو ان کے کئے ہوئے کام بتادے گا۔ بے شک اللہ ہر بات سے باخبر ہے۔

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ الخ یعنی کلی ہو یا جزئی اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

مَا يَكُوْنُ جو کچھ واقع ہوتا ہے۔ یَکُوْنَ تامہ ہے (اس کو خبر کی ضرورت نہیں)۔

مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ مِن زائد ہے۔ نجوٰی اسم مصدر ہے (سرگوشی) کذا فی القاموس، نجوٰی نجوۃ سے مشتق ہے۔ نجوۃ کا معنی ہے زمین میں ابھرا ہوا ٹیلہ۔ اَسرار (یعنی خاص راز) کبھی ذہن کی طرف اٹھائے جاتے ہیں ہر شخص کو ان کا معلوم کرنا آسان نہیں ہوتا مطلب یہ کہ تین مردوں میں جو سرگوشیاں ہوتی ہیں۔

اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ یعنی اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے اور اس طرح تین کے عدد کو چار کر دیتا ہے۔ اللہ کی معیّت بے کیفیت ہے اس کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کو اس کی سرگوشی کا علم ہوتا ہے۔

وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ تین اور پانچ کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا تو اس وجہ سے کیا گیا کہ آیت کا نزول مخصوص واقعہ سے تعلق رکھتا ہے منافقوں نے باہم سرگوشیاں کی تھیں، انہیں کے سلسلہ میں اس آیت کا نزول ہوا۔

یا تخصیص عددی کی یہ وجہ ہے کہ اللہ طاق ہے طاق عدد کو ہی پسند کرتا ہے (اگرچہ اس کے طاق ہونے کا معنی ہے ایک ہونا اور ایک عدد نہیں آغاز عدو جفت سے ہوتا ہے اور تین کا عدد پہلا طاق عدد ہے اور پانچ دوسرا طاق عدد ہے) اور باہم مشورہ کے لئے کم سے کم تین آدمی ہونے چاہئیں۔ دو تو وہ ہوں کے جن کی رائے میں باہم اختلاف ہوگا اور تیسرا وہ ہوگا جو فریقین میں سے کسی ایک کی رائے کو ترجیح دے گا اس طور پر باہم مشورہ کے لئے کم سے کم تین آدمی کا ہونا ضروری۔ یہ تو انفرادی مشورہ کی صورت ہے یعنی ایک شخص ایک رائے رکھتا ہے اور دوسرا شخص دوسرا خیال رکھتا ہے۔ لیکن باہم مشورہ کبھی جماعتوں میں بھی

ہوتا ہے اور جماعت کا ادنیٰ درجہ دو ہے۔ اس صورت میں کم سے کم ایک طرف دو ہوں گے اور دوسرے رائے رکھنے والے بھی کم سے کم دو ہوں گے اور دونوں فریقوں کا فیصلہ کرنے والا اور ایک فریق کی رائے کو فریق ثانی پر ترجیح دینے والا پانچواں شخص ہوگا اس طرح یہ کمیٹی پانچ آدمیوں کی ہو جائے گی۔ اب رہے تین سے کم باہم مشورہ۔ یعنی دو کا مشورہ یا تین اور پانچ سے زائد۔ یعنی چار اور چھ اور اس سے زائد تو اس کی طرف اشارہ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ میں کر دیا گیا۔

اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ مگر اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے یعنی اللہ کو ان کے مشورہ کی اطلاع ہوتی ہے۔ اللہ کے ساتھ ہونے کی کیفیت ناقابل بیان ہے۔

ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ یعنی (علی الاعلان) رسوا کرنے اور مستحق سزا قرار دینے کے لئے ان کو قیامت کے دن اللہ ان کے سارے اعمال سے آگاہ فرمائے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ چونکہ اللہ تمام ذات و صفات کا خالق اور احوال کو اُلٹ پلٹ کرنے والا ہے اس لئے یقیناً ہر چیز سے بخوبی واقف ہے۔

ابن ابی حاتم نے بروایتِ مقاتل بن حبان بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ اور یہودیوں کے درمیان معاہدہ، مصالحت تھا اسی زمانے میں جب کوئی صحابی یہودیوں کی طرف سے گزرتا تھا تو وہ چپکے چپکے آپس میں کچھ باتیں کرنے لگتے تھے۔ صحابی کو یہ خیال ہوتا تھا کہ یہ لوگ مجھے قتل کرنے یا دکھ پہنچانے کی سازش کر رہے ہیں۔

بغوی کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ مسلمان جب یہودیوں کو چپکے چپکے سرگوشیاں کرتے دیکھتے تھے تو کہتے تھے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ان کو ہمارے فوجی دستوں کے مارے جانے یا مرنے یا شکست کھا کر بھاگنے کی کوئی اطلاع ملی ہے اس وجہ سے تو یہ سرگوشیاں کر رہے ہیں اس خیال سے مسلمانوں کے دلوں کو دکھ پہنچا تھا اور وہ غمگین ہو جاتے تھے۔ جب ایسے واقعات بہت ہونے لگے اور رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کی زبانی بار بار اس کی شکایات سنیں تو حضور ﷺ نے یہودیوں کو اس طرح سرگوشیاں کرنے کی ممانعت فرما دی لیکن وہ باز نہیں آئے، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۫ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۭ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑧

کیا آپ نے لوگوں کی طرف نظر نہیں کی جن کو سرگوشی سے منع کر دیا گیا تھا پھر بھی لَوٹ کر وہ ہی کام کرتے ہیں جس سے ان کو منع کر دیا گیا تھا اور گناہ اور مسلمانوں پر زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں اور جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کو ایسے لفظ سے سلام کرتے ہیں جب اللہ نے آپ کے سلام کے لئے استعمال نہیں کئے اور اپنے آپس میں کہتے ہیں کہ اگر یہ پیغمبر ہیں تو اللہ نے ہم کو ہمارے اس کہنے پر فوراً سزا کیوں نہیں دی ان کے لئے جہنم کافی ہے جس میں یہ داخل ہوں گے سو وہ برا ٹھکانا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اے محمد ﷺ کیا آپ نے نہیں دیکھا۔

النَّجْوٰى باہم سرگوشیاں کرنا۔

ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ صیغۂ مضارع بمعنی ماضی۔ مضارع کا اس لئے استعمال کیا تاکہ گزشتہ عود کی صورت نظروں کے سامنے آ جائے۔

بِالْاِثْمِ یعنی ایسی باتوں کی سرگوشیاں کرتے ہیں جو اللہ کے نزدیک گناہ ہے۔

وَالْعُدْوَانِ اور مسلمانوں پر زیادتی۔

وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کے مشورے ہیں۔ نفسِ سرگوشی ہی معصیتِ رسول تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمادی تھی۔

احمد اور بزار نے بسندِ جید حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ سلام کرتے وقت یہودی رسول اللہ ﷺ کو سامٌ علیک تم پر ہلاکت ہو کہتے تھے پھر اپنے آپس میں کہتے تھے کہ یہ لفظ کہنے پر اللہ ہم کو عذاب نہیں دیتا اگر یہ رسول سچے ہیں تو اس گستاخانہ لفظ پر خدا کی طرف سے ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا۔ اس پر یہ آیت وَاِذَا جَاءُوْكَ الخ نازل ہوئی۔

بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ یہودی بجائے السلام علیکم کے السام علیکم کہتے تھے سام کا معنی ہے موت (گویا دھوکہ دیتے تھے اور دعا کی بجائے درپردہ بددعا کرتے تھے)۔

وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ اور اپنے دلوں میں یا رسول اللہ ﷺ کے پاس سے ہٹ کر آپس میں کہتے ہیں۔

حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ان کو عذاب دینے کے لئے جہنم کافی ہے۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا یہودیوں کی ایک جماعت نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی درخواست کی اجازت ملنے کے بعد وہ آئے اور کہا السام علیکم میں نے یہ لفظ سن لیا اور کہا بلٌ علیکم السام واللعنۃ تم پر ہلاکت اور لعنت ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا عائشہ اللہ رفیق ہے یعنی رفیق الکلام ہے اور ہر کام میں نرمی کو پسند فرماتا ہے۔ میں نے عرض کیا کیا آپ نے اس کی بات نہیں سنی انہوں نے فرمایا میں نے بھی وعلیکم کہہ دیا تھا۔ دوسری روایت میں ہے میں نے بھی علیکم بغیر واو کے کہہ دیا تھا۔ بخاری کی روایت ہے کہ یہودی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے السام علیکم کہا حضور ﷺ نے بھی جواب میں وعلیکم فرمادیا حضرت عائشہؓ سے ضبط نہ ہوا اور آپ نے کہا السّام علیکم و لعنکم الله وغضب علیکم۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عائشہ نرمی اختیار کرو درشت کلامی اور فحش سے پرہیز کرو حضرت عائشہ نے عرض کیا کیا آپ نے ان کی بات نہیں سنی فرمایا میں نے جو کہا وہ تم نے نہیں سنا میں نے تو ان کی بات انہیں پر لوٹادی میری بددعا ان کے حق میں قبول ہوگی اور ان کی بددعا میرے حق میں قبول نہیں ہوگی۔

مسلم کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تم فحش گو نہ بنو اللہ فحش گوئی کو پسند نہیں کرتا حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب یہودی تم کو سلام کرتے ہیں تو ان میں سے کچھ لوگ السام علیکم کہتے ہیں تم بھی وعلیک کہہ دیا کرو۔ متفق علیہ۔ حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اہلِ کتاب تم کو سلام کریں تو تم وعلیکم کہہ دیا کرو۔ متفق علیہ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

اے ایمان والو جب تم کسی ضرورت سے سرگوشی کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں نہ کرو اور نفع رسانی اور پرہیزگاری کی باتوں کی سرگوشی کیا کرو، اور اللہ سے ڈرو جس کے پاس تم سب جمع کیے جاؤ گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مقاتل نے کہا اس آیت میں خطاب منافقوں کو ہے جو صرف زبانوں سے اسلام کا دعویٰ کرتے تھے دلوں میں ایمان نہیں تھا۔ عطاء نے کہا وہ مؤمن مراد ہیں جو اپنے خیال کے بموجب ایمان لے آئے تھے۔

فَلَا تَتَنَاجَوْا یعنی یہودیوں کی طرح سرگوشیاں نہ کرو۔

وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ البر سے مراد ہے اداء فرائض، اطاعت اور ہر وہ بات جس میں مسلمانوں کی بھلائی ہو۔

وَالتَّقْوٰى یعنی رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی سے پرہیز۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ یعنی ہر عمل اور ترک عمل میں اللہ سے ڈرتے رہو کیونکہ ہر عمل و ترک کا بدلہ اللہ ضرور دے گا۔

ابن جریر نے بحوالۂ قتادہ بیان کیا ہے کہ کہ منافق آپس میں سرگوشیاں کرتے تھے، مسلمانوں کو ان کا یہ فعل شاق گزرتا تھا اور غصہ آتا تھا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

اِنَّمَا النَّجْوٰی مِنَ الشَّیْطٰنِ لِیَحْزُنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَیْسَ بِضَآرِّهِمْ شَیْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰

سوائے اس کے نہیں سرگوشی شیطان کی جانب سے ہے تاکہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں انہیں رنجیدہ کرے حالانکہ مؤمنین کو خدا کے بغیر حکم کے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچانے والا اور اللہ ہی پر مؤمنین بھروسہ کرتے ہیں۔

اِنَّمَا النَّجْوٰی یعنی وہ سرگوشیاں جو مسلمانوں کو غصہ دلانے اور غمگین کرنے کے لئے یہودی کرتے ہیں۔

مِنَ الشَّیْطٰنِ شیطان کی طرف سے ہیں شیطان ہی ان کو سرگوشی پر آمادہ کرتا اور آراستہ، حسین (یعنی مفید) شکل میں دکھاتا ہے۔

لِیَحْزُنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تاکہ مسلمان غمگین ہوں یہ گمان کر کے کہ ان کو کوئی دکھ پہنچنے والا ہے۔

وَلَیْسَ بِضَآرِّهِمْ یعنی کافروں کی سرگوشی یا شیطان ان کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

بغوی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم تین آدمی ہو تو ایک کو چھوڑ کر دو باہم سرگوشی نہ کریں اس سے اس کو دکھ ہوگا البتہ اگر وہ (تیسرا) اجازت دے دے (تو خیر)

امام احمد، بخاری مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعودؓ کی مرفوع روایت بیان کی ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے کہ جب تم تین شخص ہو تو تیسرے کو چھوڑ کر دو آپس میں سرگوشی نہ کریں اس سے تیسرے کو دکھ ہوگا ہاں سب لوگ مخلوط ہوں تو دو باہم سرگوشی کر سکتے ہیں۔ بغوی نے مقاتل ابن حبان کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بدری مہاجرین و انصار کی عزت فرماتے تھے۔ ایک روز کچھ بدری حضرات خدمت گرامی میں حاضر ہوئے ان کے آنے سے پہلے اور لوگ مجلس میں بیٹھ چکے تھے مجبوراً یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے گرد اگرد کھڑے ہوگئے اور حضور ﷺ کو سلام کیا آپ نے سلام کا جواب دیا پھر انہوں نے حاضرین کو سلام کیا انہوں نے بھی جواب دیا یہ حضرات کھڑے انتظار کرتے رہے کہ مسلمان ان کو جگہ دے دیں لیکن کسی نے جگہ نہیں دی حضور ﷺ کو یہ بات ناگوار ہوئی اور اپنے پاس والے شخص کو حکم دیا اے فلاں کھڑا ہو جا اسی طرح دوسرے سے فرمایا تو بھی اٹھ جا غرض جتنے بدری صحابہ کھڑے تھے ان کی تعداد کے بقدر حضور ﷺ نے دوسرے حاضرین کو اٹھایا اور بدریوں کو ان کی جگہ پر بیٹھ جانے کا حکم دے دیا اٹھنے والوں کو یہ حکم شاق گزرا اور رسول اللہ ﷺ نے بھی ان کے چہروں پر ناگواری کے آثار محسوس کر لئے اس پر آیات ذیل کا نزول ہوا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِیْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ

اے ایمان والو جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں جگہ کھول دو تو تم جگہ کھول دیا کرو اللہ تم کو کھلی جگہ جنت میں دے دے گا اور جب تم سے کہا جائے کہ مجلس سے اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ جایا کرو اللہ تم میں سے ایمان والوں کے اور ایمان والوں میں خاص طور پر ان لوگوں کے جن کو علم دین عطا کیا گیا ہے آخرت میں درجے بلند کر دے گا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِیْلَ ابن ابی حاتم کی روایت ہے کہ یہ آیت جمعہ کے دن نازل ہوئی بدری صحابہ جمعہ کے روز آئے تھے انہیں کے سلسلہ میں آیت کا نزول ہوا باقی قصہ ابن حبان کی روایت کے مطابق بیان کیا گیا۔

بغوی نے کلبی کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی سورت الحجرات میں حضرت ثابت کا قصہ مفصل بیان کر دیا گیا ہے۔

ابن جریر نے قتادہ کا بیان نقل کیا ہے کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنی اپنی جگہ بیٹھے ہوتے اور اس حالت میں کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آتے یہ سب لوگ اس آیت میں مراد ہیں۔

تَفَسَّحُوا جگہ کھول دو ایک دوسرے سے ہٹ جائے۔ عرب کہتے ہیں اِفْسَحْ عَنِّیْ مجھ سی ہٹ جا الگ ہو جا۔

فِی الْمَجَالِسِ اَلْمَجَالِس سے مراد جنس مجلس ہے کوئی مجلس ہو یا رسول اللہ ﷺ کی مجلس مراد ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے قریب بیٹھنے اور آپ کا کلام سننے کے صحابہ بہت حریص تھے۔

یَفْسَحِ اللّٰہُ لَکُمْ جس چیز کی کشائش کے تم خواستگار ہو اللہ اس میں تمہارے لئے کشائش کر دے گا۔ خواہ جگہ کی وسعت ہو یا رزق کی یا سینہ کی یا جنت کی۔

بغوی نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی ایسا نہ کرے کہ کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر پھر اس جگہ بیٹھ جائے بلکہ کشائش اور وسعت کر لیا کرو۔

بغوی نے بطریق شافعی حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن اپنے مسلمان بھائی کو اس کی جگہ سے نہ اٹھائے بلکہ یوں کہے جگہ کھول دو (مجھے بھی جگہ دے دو)

ابو العالیہ، قرظی اور حسن نے کہا یہ حکم لڑائی کے مقامات اور دشمن سے جنگ کرنے کی جگہ کے سلسلہ میں تھا۔ بعض لوگ مجاہدوں کی لائن میں داخل ہو جاتے اور کہتے تھے ہمارے لئے جگہ کھول دو لیکن پہلے سے جو مجاہد موجود ہوتے تھے وہ دشمن سے لڑنے اور شہید ہونے کے بڑے حریص ہوتے تھے اس لئے نوواردوں کو لائن میں جگہ نہیں دیتے تھے اس پر یہ حکم نازل ہوا۔

وَاِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا یعنی اگر تم سے کہا جائے کہ جگہ چھوڑ کر اٹھ جاؤ تو اٹھ جاؤ۔

بغوی نے عکرمہ اور ضحاک کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اذان ہونے پر کچھ لوگ نماز کے لئے اٹھنے میں سستی کرتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اس قول پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جب نماز کے لئے اذان دی جائے تو اٹھ کھڑے ہو مجاہد اور اکثر اہل تفسیر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جب تم کو نماز یا جہاد اور کسی کار خیر اور نیکی کے لئے بلایا جائے تو فوراً اٹھ کھڑے ہو، کوتاہی نہ کرو۔

یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ یعنی اللہ ان کی مدد کرتا ہے نیک نام کرتا ہے۔ لوگوں کی نظر میں ان کو باوقار بنا دیتا ہے۔ یہ تو دنیا میں ہوتا ہے آخرت میں اللہ جنت عطا فرمائے گا اور بہشت کی نعمتوں سے سرفراز کرے گا۔

اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ خاص طور پر علماء کے درجات اونچے کرتا ہے علماء سے مراد باعمل علماء ہیں۔ باعمل اہل علم کو اللہ وہ درجات عنایت کرتا ہے جو جاہل باعمل لوگوں کو نہیں عطا فرماتا۔ کیونکہ عالم کے علم و عمل کی اقتداء کی جاتی ہے پس عالم کو اپنے کئے ہوئے کا ثواب تو دیا ہی جاتا ہے ان لوگوں کے عمل کا بھی پورا پورا اجر عنایت کیا جاتا ہے جو عالم کی اقتداء میں نیک عمل کرتے ہیں لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اصل نیکی کرنے والوں کا کچھ ثواب کاٹ کر علماء کو دے دیا جاتا ہے ایسا نہیں ہوتا بلکہ ان مقتدیوں کو بھی ان کی نیکی کا ثواب پورا پورا دیا جاتا ہے۔

مسلم نے حضرت جریر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ جاری کیا اور اس پر لوگوں نے عمل کیا تو اس کو اس طریقہ پر عمل کرنے کا اجر ملے گا اور ساتھ ہی ان لوگوں کے عمل کا بھی ثواب ملے گا جو اس طریقہ پر چلتے رہیں گے لیکن عمل کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے عابد پر عالم کی برتری ایسی ہے جیسی چودھویں رات کے چاند کی برتری باقی ستاروں پر۔ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء نے وراثت میں نہ کوئی دینار چھوڑا نہ درہم صرف علم کی میراث چھوڑی جس نے اس میراث کو لیا وہ بڑا خوش نصیب ہے۔ امام احمدؒ اور اصحاب السنن نے یہ حدیث کثیر بن قیس کی روایت سے اور بقول ترمذی قیس بن کثیر کی روایت سے بیان کی۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسی تم میں سے سب سے اعلیٰ کی سب سے ادنیٰ پر۔ رواہ الترمذی من حدیث ابی امامتہ الباہلی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے مسجد میں دو جگہ جلسہ ہو رہا تھا رسول اللہ ﷺ ادھر سے گزرے فرمایا دونوں مجلسیں مبنی بر خیر ہیں لیکن ایک دوسری سے افضل ہے۔ یہ لوگ تو اللہ سے دعا کر رہے ہیں اور اس کی طرف راغب ہیں اگر اللہ چاہے گا ان کو دے گا نہ دینا چاہے گا نہیں دے گا، اور وہ لوگ فقہ اور دین کا علم سیکھتے ہیں اور ناواقفوں کو سکھاتے ہیں اس لئے یہ لوگ اول گروہ سے بڑھ کر ہیں اور مجھے تو تعلیم دہندہ بنا کر بھیجا گیا ہے اس کے بعد حضور ﷺ اسی معلمین اور متعلمین کے گروہ کے پاس بیٹھ گئے۔ رواہ الدارمی۔

حسن نے کہا حضرت ابن مسعودؓ نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا لوگو اس آیت کو سمجھو یہ تم کو علم کی رغبت دلا رہی ہے اللہ فرما رہا ہے کہ مؤمن عالم مؤمن ناواقف سے بہت درجے اونچا ہے۔

آیت مذکورہ سے یہ بات بطورِ اشارہ معلوم ہو رہی ہے۔ کہ بدری صحابی اس اعزاز کے مستحق تھے جو رسول اللہ ﷺ ان کا کرتے تھے اور بدریوں کے لئے جگہ چھوڑ دینے کا جو حکم اللہ کے رسول نے دیا تھا وہ ٹھیک تھا اور جن لوگوں نے اس حکم کی تعمیل کی ان کو ثواب دیا جائے گا۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿١١﴾ اور اللہ تمہارے اعمال سے پورے طور پر باخبر ہے یعنی تم جو کچھ کرتے ہو اللہ تم کو اس کا بدلہ دے گا۔

اس جملہ میں عمل کی ترغیب ہے اور جب لوگوں نے حکم کی تعمیل نہیں کی بلکہ اس کو نامناسب سمجھا ان کے لئے تہدید ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢﴾

اے ایمان والو جب تم رسول سے سرگوشی کا ارادہ کیا کرو تو اپنی اس سرگوشی سے پہلے مسکینوں کو کچھ خیرات دے دیا کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اور گناہوں سے پاک ہونے کا اچھا ذریعہ ہے۔ پھر اگر تم کو خیرات دینے کا مقدور نہ ہو تو اللہ معاف کرنے والا بڑا مہربان ہے۔

اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ یعنی جب تم رسول سے بات کرنے کا ارادہ کرو۔ بغوی نے مقاتل بن حبان کا بیان نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول دولت مندوں کے حق میں ہوا بات یہ تھی کہ مالدار لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے اتنی زیادہ باتیں کرتے تھے کہ غریبوں کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھنے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا رسول اللہ ﷺ کو بھی ان کا دیر تک بیٹھنا اور گفتگو کرنا ناگوار گزرتا تھا۔

ابن ابی حاتم کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب یہ آیت نازل ہوئی تو بہت لوگ رسول اللہ ﷺ سے بات کرنے سے رک گئے اور مسائل دریافت کرنے سے باز رہے۔ بغوی نے لکھا ہے لوگ حضور اقدس ﷺ سے گفتگو سے رک گئے تنگ دست تو اپنی ناداری کی وجہ سے حضور ﷺ سے گفتگو کرنے سے معذور ہو گئے اور مالدار لوگ اپنی کنجوسی کی وجہ سے ہم کلامی سے محروم ہو گئے۔ صحابہؓ پر یہ محرومی بڑی گراں گزری اس کے بعد بغیر کچھ خیرات کئے رسول اللہ ﷺ سے مسائل پوچھنے کی اجازت ہو گئی۔

مجاہد نے کہا جب رسول اللہ ﷺ سے بات کرنے سے پہلے کچھ خیرات کرنے کا حکم نازل ہوا تو سوائے حضرت علیؓ کے کسی نے رسول اللہ ﷺ سے کوئی سوال نہیں کیا آپ نے ہی سب سے پہلے ایک دینار خیرات کر کے حضور ﷺ والا سے بات کی پھر آیتِ اجازت نازل ہو گئی اسی بنیاد پر حضرت علیؓ نے فرمایا تھا، کہ کتاب اللہ میں ایک آیت مناجات (اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ) ہے

ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور حاکم نے مستدرک میں بیان کیا کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کتابِ الٰہی میں ایک آیت ایسی ہے کہ اس

پر میرے سوا کسی نے عمل نہیں کیا میرے پاس ایک دینار تھا اس کو بھنایا (یعنی ایک دینار کے چھوٹے سکے لئے) جب میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی کلام کرتا تو پہلے ایک درہم خیرات کر دیا کرتا تھا۔

تفسیر مدارک میں آیا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا جب میں رسول اللہ ﷺ سے بات کرتا تو ایک درہم خیرات کر دیا کرتا تھا، اور میں نے اللہ کے رسول اللہ ﷺ سے دس مسائل دریافت کئے آپ نے مجھے ان کے جواب دیئے (۱) میں نے پوچھا تھا یا رسول اللہ (عہد کی) وفا کیا ہے، فرمایا اقرار وحدانیت اور لا الٰہ الا اللہ کی شہادت (۲) میں نے پوچھا فساد سے کیا مراد ہے، فرمایا کفر باللہ اور شرک (۳) میں نے کہا حق کیا ہے، فرمایا اسلام اور قرآن اور ولایت (۴) میں نے پوچھا حیلہ کیا ہے فرمایا ترکِ حیلہ قطع اسباب (۵) میں نے کہا مجھ پر کیا چیز لازم ہے فرمایا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت (۶) میں نے کہا اللہ سے دعا کس طرح کروں فرمایا خلوص اور یقین کے ساتھ (۷) میں نے عرض کیا اللہ سے میں کیا مانگوں فرمایا عافیت (دوزخ سے اور دُنیوی مصائب سے حفاظت (۸) میں عرض کیا میں اپنی نجات کے لئے کیا کروں فرمایا حلال (روزی) کھاؤ اور سچ کہو (۹) میں نے عرض کیا سُرور (خوشی) کیا ہے، فرمایا جنت (۱۰) میں نے عرض کیا راحت (چین آرام سکون) کیا ہے فرمایا اللہ سے ملاقات (یعنی اللہ کا دیدار) جب میں یہ سوالات کر چکا اور جواب مل چکا تو اس حکم کو منسوخ کرنے والی آیت ذیل نازل ہوئی۔

ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ یہ خیرات کرنا تمہارے لئے (مال کی محبت سے) بہتر ہے۔

وَاَطْهَرُ اور تمہارے گناہوں کی کثافت و نجاست کو پاک کرنے والی ہے۔

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا یعنی اگر ناداری کی وجہ سے خیرات کرنے کے لئے تمہارے پاس کچھ نہ ہو۔

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ تو اللہ معاف کرنے والا ہے (بغیر خیرات کئے ہی رسول اللہ ﷺ سے بات کر سکتے ہو۔

یہ اجازت ان لوگوں کو دی گئی جو محتاج اور نادار ہوں عمومی حکم نہیں ہے بلکہ عام مخصوص البعض ہے۔

ترمذی نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا اور اس روایت کو حسن کہا ہے کہ جب آیت يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (علیؓ) تمہاری کیا رائے ہے (مقدارِ صدقہ) ایک دینار ہونا چاہئے۔ (یعنی دس درہم) میں نے عرض کیا لوگوں میں اس کی طاقت نہیں ہوگی فرمایا اچھا تو نصف دینار میں نے عرض کیا اس کی بھی استطاعت نہیں ہوگی فرمایا تو پھر کیا مقدار ہونی چاہئے میں نے عرض کیا ایک جو مثلاً ایک پیسہ فرمایا تم بڑے زاہد ہو اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۳ ع ۲/۷

کیا تم اپنی سرگوشی کے قبل خیرات دینے سے ڈر گئے سو خیر جب تم اس کو نہ کر سکے اور اللہ نے تمہارے حال پر عنایت فرمائی تو تم نماز کے پابند رہو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو اور اللہ تمہارے تمام اعمال سے پورے طور پر باخبر ہے۔

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا یعنی کیا تم کو مفلسی کا اندیشہ ہو گیا یا یہ مطلب ہے کہ شیطان نے جو محتاج ہو جانے سے تم کو ڈرا دیا ہے تو اس وجہ سے تم خیرات کرنے سے ڈر گئے۔

فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا یعنی جب مفلسی یا کنجوسی کی وجہ سے تم نے خیرات نہیں کی۔

وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ یعنی اللہ نے تم سے درگزر کی اور عذاب نہیں دیا یا تاب علیکم کا یہ معنی ہے کہ اللہ نے تم کو صدقات کی فرضیت سے لوٹا دیا اور خیرات کے حکم کو منسوخ کر دیا اور خیرات نہ کرنے کی تم کو اجازت دے دی۔

آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ مفلس ہو جانے کا اندیشہ گناہ تھا، مگر اللہ نے اس کو معاف کر دیا۔

مقاتل بن حبان نے کہا یہ حکم دس راتوں تک قائم رہا کلبی نے کہا دن کی ایک ساعت سے زیادہ نہیں رہا۔

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ یعنی فرض نماز قائم کرو اور فرض زکوٰۃ ادا کرو۔ ادا ءِ زکوٰۃ میں سستی نہ کرو۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اور تمام اوامر کی تعمیل کرو اور ان پر ہمیشہ قائم رہو، یہ اداء صلوٰۃ وزکوٰۃ اس کوتاہی کی تلافی کر دے گی جو تم سے عطاء صدقات میں ہو گئی ہے۔

وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ یعنی اللہ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے خواہ وہ اعمال پوشیدہ ہوں یا ظاہر، سب کا بدلہ تم کو دے گا۔

امام احمدؒ بزار، ابن جریر، طبرانی اور حاکم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے کسی حجرہ میں تشریف فرماتھے یا کسی حجرہ کے سایہ میں فروکش تھے اور سایہ سکڑ رہا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ایک جبار آدمی تمہارے پاس ابھی آئے گا۔ دوسری روایت میں آیا ہے اس کا دل جبار کے دل کی طرح ہو گا۔ یعنی وہ شیطان ہو گا۔ جب وہ آئے تو تم لوگ اس سے کلام نہ کرنا۔ حضور ﷺ کے اس فرمان کو تھوڑی ہی دیر گزری تھی کے سامنے سے ایک شخص نمودار ہوا جو نیلی آنکھوں والا اور کانا تھا۔

حضور ﷺ نے اس کو آتا دیکھا تو بلایا اور فرمایا تم اور تمہارے ساتھی مجھے گالیاں کیوں دیتے ہیں۔ اس شخص نے جواب دیا مجھے ذرا دیر کی اجازت دیجئے میں جا کر ابھی آپ کے پاس آتا ہوں چنانچہ وہ شخص چلا گیا اور ساتھیوں کو بلا لایا اور سب نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے قسمیں کھائیں کہ ہم نے نہ باتیں کہی ہیں نہ کی ہیں۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

کیا آپ نے ان لوگوں کی حالت کو نہیں دیکھا جو ایسے لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ نے غضب نازل کیا ہے یہ منافق لوگ نہ تو پورے پورے تم میں سے ہیں اور نہ ان کافروں میں سے اور دانستہ جھوٹ پر قسمیں کھاتے ہیں اللہ نے ان لوگوں کے لئے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے بے شک وہ برے کام کیا کرتے تھے۔

اَلَمْ تَرَ استفہام انکاری ہے اور نفی کا انکار موجب اثبات ہوتا ہے اس لئے الم تر کا مطلب ہوا آپ نے دیکھا۔

اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا۔ اَلَّذِيْنَ سے مراد ہے منافق یعنی عبد اللہ بن نبتل اور اسکے ساتھی۔ اور قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ سے مراد ہیں یہودی یہ منافق یہودیوں کے دوست اور خیر خواہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے راز یہودیوں سے جا کر کہہ دیتے تھے۔

مَا هُمْ مِّنْكُمْ یعنی دین اور دوستی میں وہ تم میں سے نہیں ہیں دین کے لحاظ سے مؤمن نہیں اور دوستی یہودیوں سے رکھتے ہیں۔

وَلَا مِنْهُمْ اور نہ یہودیوں میں سے ہیں۔

عَلَى الْكَذِبِ اور قسمیں کھا کر جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں یعنی اسلام کا دعویٰ کرنے میں جھوٹے ہیں۔

وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ اور دانستہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں ایسا نہیں ہے کہ وہ اپنے کو سچا جانتے ہوں اور خیال کرتے ہوں کہ ہم سچی قسمیں کھا رہے ہیں۔

سدی اور مقاتل کا بیان ہے کہ یہ آیت عبد اللہ منافق کے حق میں نازل ہوئی۔ عبد اللہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھتا تھا، پھر حضور ﷺ کی باتیں یہودیوں سے جا کر کہہ دیتا تھا اس سے دونوں راویوں نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے موافق واقعہ بیان کیا جس کے آخر میں ہے کہ عبد اللہ نے قسم کھالی کہ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی پھر جا کر اپنے ساتھیوں کو لے آیا اور انہوں نے آکر قسمیں کھا کر کہہ دیا کہ ہم نے آپ کو کبھی گالی نہیں دی۔

سَاۗءَ مَا كَانُوْا جو کام وہ پہلے کرتے تھے وہ برے تھے اور انہیں اعمال پر وہ جمے ہوئے ہیں۔

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ

وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ⑰ انہوں نے اپنی قسموں کو اپنے بچاؤ کے لئے سپر بنا رکھا ہے پھر خدا کی راہ سے دوسروں کو روکتے ہیں سو ان کے لئے ذلت کا عذاب ہونے والا ہے، ان کے مال و اولاد اللہ کے عذاب سے ان کو ذرا نہ بچا سکیں گے اور یہ لوگ دوزخی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

اَیمانھم اپنی جھوٹی قسموں کو۔

جُنَّۃً جان و مال کے بچاؤ اور حفاظت کا ذریعہ۔

فَصَدُّوْا امن کی حالت میں لوگوں کو اللہ کی اطاعت اور ایمان سے انہوں نے روکا یا یہ مطلب ہے کہ مسلمانوں کو قتل کرنے اور ان کا مال لوٹنے کی وجہ سے جہاد سے روکا۔

فَلَھُمْ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ اوّل الذکر وعید عذاب کفر کی وجہ سے تھی اور یہ دوسری وعید اللہ کے راستہ سے روکنے کی بناء پر ذکر کی گئی ایک اور آیت میں بھی اسی طرح آیا ہے ارشاد فرمایا ہے اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ زِدْنٰھُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ۔

بعض اہل علم کا قول ہے اوّل وعید عذاب قبر سے کی گئی اور یہ دوسری وعید عذاب آخرت سے۔

لَنْ تُغْنِیَ عَنْھُمْ یعنی قیامت کے دن یہ دولت و اولاد ان کے کچھ کام نہیں آئے گی اور اللہ کے عذاب سے نہیں بچائے گی۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰي شَيْءٍ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ⑱ جس روز اللہ ان سب کو زندہ کر کے اٹھائے گا پھر اس کے سامنے وہ جھوٹی قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے کھاتے ہیں اور خیال کریں گے کہ وہ کسی اچھی حالت پر ہیں سن لو وہ بلاشبہ جھوٹے ہیں۔

یَوْمَ یَبْعَثُھُمُ اللّٰہُ یعنی یہ عذاب مہین اس دن ہو گا جب اللہ ان کو زندہ کر کے اٹھائے گا اور وہ اللہ کے سامنے قسمیں کھا کھا کر کہیں گے بخدا ہم مشرک نہیں تھے جس طرح اب دنیا میں قسمیں کھا کر تم سے کہتے ہیں کہ ہم تم میں سے ہیں (کافر غیر مسلم نہیں ہیں)

وَیَحْسَبُوْنَ الخ اور خیال کرتے ہیں کہ یہ ان کی نجات کا ذریعہ ہے اور جھوٹی قسمیں اللہ کے سامنے بھی ان کے کام آئیں گی۔ یقیناً یہ انتہائی جھوٹے ہیں وہ خدا جو عالم الغیب ہے اس سے بھی یہ جھوٹ بولیں گے۔

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ⑲ ان پر شیطان غالب آ گیا ہے، شیطان نے ان کو اللہ کی یاد بھلا دی ہے یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں، خوب سن لو، شیطان کا گروہ ضرور برباد ہونے والا ہے۔

اِسْتَحْوَذَ ان پر شیطان غالب آ گیا ہے ان پر شیطان کا تسلط ہو گیا ہے۔

فَاَنْسٰھُمْ ذِکْرَ اللّٰہِ شیطان نے ان کو یاد خدا فراموش کرا دی، اور ان کو غافل بنا دیا اس قدر کہ یہ اللہ کے عذاب سے بھی نہیں ڈرتے۔ ان کو خیال نہیں آتا کہ اللہ ان کو سزا دے گا۔ یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے تمام پوشیدہ اسرار سے واقف ہے۔

حِزْبُ الشَّیْطٰنِ شیطان کا لشکر شیطان کا گروہ۔

ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ یقیناً یہ گھاٹا اٹھانے والے ہیں، جنت کے عوض انہوں نے دوزخ خرید لی۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ ایک طویل حدیث میں آیا ہے کہ کافر کے لئے قبر کے اندر جنت کی طرف ایک شگاف

کسی قدر کھول دیا جاتا ہے جس سے وہ جنت کے اندر کی چیزیں اور تروتازگی دیکھ لیتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ وہ چیزیں ہیں جن کا رخ اللہ نے تیری طرف سے پھیر دیا ہے، پھر دوزخ کی طرف ایک شگاف کھول دیا جاتا ہے جس سے کافر دوزخ کی طرف دیکھتا ہے تو دکھائی دیتا ہے کہ آگ کے شعلے آپس میں ایسے لپٹ رہے ہیں کہ) ایک دوسرے کو کھائے جاتا ہے، کافر سے کہا جاتا ہے یہ تیرا ٹھکانہ ہے۔ رواہ ابن ماجۃ۔

یہ بھی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر ایک کے دو گھر ہیں ایک جنت میں دوسرا دوزخ میں جو شخص مر کر دوزخ میں چلا جاتا ہے اس کے جنت والے گھر کے وارث اہلِ جنت ہو جاتے ہیں، اللہ نے انہیں کے متعلق فرمایا ہے اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ سخت ذلیل لوگوں میں سے ہیں اللہ نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے پیغمبر آخر کار غالب رہیں گے، بلاشک اللہ قوت والا اور غلبہ والا ہے۔

فِي الْاَذَلِّيْنَ یعنی اللہ کی ذلیل ترین مخلوق میں اس کا شمول ہے، اس سے زیادہ ذلیل اور کوئی مخلوق نہیں۔

كَتَبَ اللّٰهُ یعنی اللہ نے لوح محفوظ میں یہ اٹل فیصلہ لکھ دیا ہے۔

لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ زجاج نے کہا رسولوں کا غلبہ دو صورتوں میں ہے جن پیغمبروں کو کافروں سے لڑنے کا حکم دیا گیا وہ لڑائی میں غالب آئے اور جن کو لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا ان کو دلائل و براہین کے ذریعے سے غلبہ حاصل ہوا۔

قَوِيٌّ یعنی ایسا طاقتور ہے کہ کوئی اس کی مشیت میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتا۔

عَزِيْزٌ ایسا غالب ہے کہ کوئی اس پر غلبہ نہیں پا سکتا۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾

جو لوگ اللہ پر اور روزِ قیامت پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہیں دیکھیں گے کہ وہ ایسے لوگوں سے دوستی کرتے ہوں جو اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہیں خواہ وہ مخالفت کرنے والے ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے ہوں، یا ان کے بھائی ہوں، یا ان کے کنبے والے ہوں۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان جما دیا ہے اور ان کو اپنے نور سے (یعنی فیضانِ نور سے) قوت دی ہے اور ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا۔ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ان جنتوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے یہ اللہ کا گروہ ہے اور اللہ کا گروہ ہی یقیناً "کامیاب ہونے والا ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ الخ اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ کافروں کی دوستی سے مؤمن کے ایمان میں خرابی آجاتی ہے۔ مؤمن کسی کافر سے دوستی نہیں کرتا خواہ وہ کافر اس مؤمن کا کتنا ہی قریب ترین رشتہ رکھتا ہو۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ اس آیت کا نزول ابو حاطب بن بلتعہ کے حق میں ہوا ابو حاطب نے مکہ والوں کو رسول اللہ ﷺ کے بعض مخفی ارادوں کی اطلاع کے لئے ایک تحریر بھیج دی تھی جو راستہ ہی میں پکڑی گئی تفصیلی واقعہ کا بیان سورۂ ممتحنہ میں آئے گا۔

ابن المنذر نے بحوالۂ ابو جریج بیان کیا ہے ابو قحافہ نے (مسلمان ہونے سے پہلے) رسول اللہ ﷺ کو کچھ برا کہا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے باپ ابو قحافہ کے مکا مارا جس سے وہ گر پڑے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، ابو بکر! کیا تم نے ایسی حرکت کی۔

حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا اگر اس وقت میرے پاس تلوار ہوتی تو میں تلوار سے اس کو مارتا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن ابی حاتم نے ابن سودہ کی روایت سے بیان کیا کہ اس آیت کا نزول حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کے بارے میں ہوا جنہوں نے معرکۂ بدر میں اپنے باپ کو قتل کر دیا تھا، حاکم کی لڑائی کے دن ابو عبیدہ کے والد ابو عبیدہ کو قتل کرنے کے درپے تھے۔ حضرت ابو عبیدہ اس سے کترا جاتے تھے۔ آخر جب اس کی طرف سے بار بار بکثرت ایسا واقعہ ظاہر ہوتا رہا اور وہ نہ مانا تو ابو عبیدہ نے اس کو قتل کر دیا مقاتل بن حبان نے بوساطت مرہ ہمدانی بیان کیا کہ آیت وَلَوْ كَانُوْا اٰبَآءَهُمْ کے متعلق حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ ابو عبیدہ بن جراح نے اپنے باپ عبداللہ بن جراح کو جنگ احد میں قتل کر دیا تھا۔

اَوْ اَبْنَآءَهُمْ یعنی ابو بکر۔ آپ نے بدر کی لڑائی کے دن اپنے بیٹے کو مقابلہ کی دعوت دی تھی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تھا، یا رسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیجئے، پہلے دستہ میں شامل ہو جاؤں۔

حضور ﷺ نے فرمایا، ابو بکر ہم کو ابھی اپنی ذات سے فائدہ اٹھانے دو یعنی خود میدان میں نہ جاؤ بلکہ مشیر کی حیثیت سے ہمارے ساتھ رہو۔

اَوْ اِخْوَانَهُمْ یعنی حضرت مصعب بن عمیرؓ جنہوں نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو احد کے دن قتل کیا تھا۔

اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ یعنی حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہؓ۔ حضرت عمرؓ نے بدر کی لڑائی میں اپنے ماموں عاصم بن ہشام کو قتل کیا تھا اور حضرت علیؓ، حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہؓ نے بدر کے دن عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ کو مارا تھا (قتل کیا تھا)

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ یعنی اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان کو جما دیا ہے ان کے دلوں میں شک آ ہی نہیں سکتا۔

وَاَيَّدَهُمْ الخ روح سے مراد ہے نور یا اللہ کی مدد۔ سدی نے کہا ایمان مراد ہے۔ ربیع نے کہا قرآن اور وہ استدلالات جو قرآن میں مذکور ہیں، بعض کے نزدیک اللہ کی رحمت مراد ہے اور بعض نے کہا جبرئیلؑ مراد ہیں۔

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ یعنی ان کی اطاعت کی وجہ سے اللہ ان سے راضی ہوگا اور اللہ کی طرف سے عطائے ثواب پر وہ راضی ہوں گے، یا یہ مراد ہے کہ دنیا میں ان کے متعلق اللہ نے جو فیصلہ کر دیا ہے اس پر وہ راضی ہیں۔

اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ یہ اللہ کا گروہ ہے اس کے دین کے مددگار ہیں اللہ کے اوامر و نواہی کے پابند ہیں۔

الْمُفْلِحُوْنَ فلاح دارین حاصل کرنے والے ہیں دنیا اور آخرت میں کامیاب ہونے والے ہیں۔ ہر خوف سے محفوظ و مامون ہیں۔

سعید بن جبیرؓ کا بیان ہے میں نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا سورۃ الحشر فرمایا، سورۃ النضیر کہو۔ (صحیحین) بخاری نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ سورتِ انفال بدر میں نازل ہوئی اور سورتِ حشر بنی نضیر کے بیان میں۔

(الحمد للہ سورۂ مجادلہ کی تفسیر کا ترجمہ ختم ہوا۔ فشکر اللہ)

سورۃ الحشر

یہ سورۃ مدنی ہے اس میں ۲۴ آیات اور تین رکوع ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ① هُوَ الَّذِیْۤ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ

اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں وہ سب چیزیں جو آسمان میں ہیں اور وہی غالب (اور بڑی) حکمت والا ہے۔ وہی ہے جس نے ان کفار اہل کتاب (یعنی بنی نضیر) کو ان کے گھروں سے پہلی بار اکٹھا کر کے نکال دیا۔

مِنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ یعنی خاندان بنی نضیر جو حضرت ہارونؑ کی نسل سے تھا۔

مِنْ دِیَارِهِمْ ان کے گھروں سے جو مدینہ میں تھے۔

ابن اسحاق نے بیان کیا بنی نضیر کی جلاوطنی کا واقعہ اس وقت ہوا جب رسول اللہ ﷺ اُحد سے واپس آئے تھے، اور بنی قریظہ کا واقعہ جنگ احزاب سے واپسی کے وقت ہوا ان دونوں واقعات کے درمیان دو سال کی مدت ہوئی۔ بنی نضیر کو جلاوطن کرنے کا سبب یہ ہوا کہ (ہجرت کے بعد) جب رسول اللہ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو بنی نضیر سے یہ معاہدہ ہو گیا کہ فریقین میں سے کوئی کسی سے جنگ نہیں کرے گا اور بنی نضیر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہو کر رسول اللہ ﷺ کے مخالفوں سے بھی نہیں لڑیں گے (اور نہ مسلمانوں کے خلاف رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں کے ہمراہ ہو کر لڑیں گے)

جب رسول اللہ ﷺ کو بدر کی لڑائی میں مشرکوں پر غلبہ حاصل ہو گیا تو بنی نضیر نے کہا خدا کی قسم یہ وہی نبی ہیں جن کے اوصاف توریت میں ہم کو ملتے ہیں ان کا جھنڈا (کبھی) نہیں لوٹایا جاسکتا۔ اس کے بعد جب جنگ اُحد میں مسلمانوں کو شکست ہو گئی تو بنی نضیر رسول اللہ ﷺ کی صداقت میں شک کرنے لگے اور رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی دشمنی پر علی الاعلان اتر آئے اور رسول اللہ ﷺ سے جو اُن کا معاہدہ ہوا تھا اس کو توڑ دیا چنانچہ بنی نضیر کا ایک شخص کعب بن اشرف چالیس یہودیوں کو لے کر پہنچا اور قریش سے ملا اور فریقین نے باہم مل کر ایک معاہدہ کیا کہ سب (قریش اور بنی نضیر رسول اللہ ﷺ کی مخالفت پر متحد رہیں گے ابو سفیان چالیس قریشیوں کو اور کعب بن اشرف چالیس یہودیوں کو لے کر کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور ایک معاہدہ کعبہ کے پردوں کے اندر آپس میں کر لیا توثیق معاہدہ کے بعد کعب اپنے ساتھیوں کو لے کر مدینہ واپس آ گیا اور حضرت جبرئیلؑ نے فوراً رسول اللہ ﷺ کو اس معاہدہ کی اطلاع دیدی اور رسول اللہ ﷺ نے کعب بن اشرف کو قتل کرنے کا حکم دیدیا اور حضرت محمد بن مسلمہؓ نے جا کر کعب کو قتل کر دیا۔ کعب کو قتل کرنے کی تفصیل سورت آل عمران کی آیت لَتُبْلَوُنَّ فِیْۤ اَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْۤا اَذًی کَثِیْرًا کی تفسیر کے ذیل میں ہم نے کر دی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو بنی نضیر کی بد عہدیوں کی متعدد اطلاعیں ملی تھیں)

(۱) بنی نضیر نے رسول اللہ ﷺ کو یہ پیام بھیجا کہ (ہم آپ کا کلام سننا اور آپ کا پیام سمجھنا چاہتے ہیں اس لئے) آپ اپنے تیس ۳۰ ساتھیوں کے ساتھ اور ہم اپنے تیس عالموں کے ساتھ نکل کر آجائیں اور درمیانی مقام پر سب جمع ہو جائیں اور ہمارے علماء آپ کی باتیں سنیں اگر وہ آپ کی تصدیق کر دیں گے اور آپ پر ایمان لے آئیں گے تو ہم سب ایمان لے آئیں گے

(رسول اللہ ﷺ نے اس گزارش کو مان لیا اور) دوسرے روز تیس صحابہؓ کو ساتھ لے کر نکل کھڑے ہوئے ادھر سے تیس یہودی عالم نکل آئے جب دونوں فریق کھلے میدان میں پہنچ گئے تو بنی نضیر نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا محمد تک تمہاری رسائی کیسے ہوگی ان کے ساتھ تو ان کے تیس رفیق جان نثار موجود ہیں جب ان کی یہ تدبیر کامیاب نہیں ہوئی تو پیام بھیجا ہم (سب) ساٹھ آدمی ہیں (اس گڑبڑ میں) آپ کی بات کیسے سمجھ پائیں گے اس لئے آپ اپنے تین ساتھیوں کو لے کر آئیں ہمارے بھی تین عالم آجائیں گے اور آپ کی بات سنیں گے اگر انہوں نے تصدیق کردی اور آپ پر ایمان لے آئے تو ہم بھی مسلمان ہوجائیں گے چنانچہ حضور والا تین صحابہؓ کے ساتھ برآمد ہوئے اور ادھر سے تین یہودی بھی آگئے جن کے پاس خنجر تھے اور رسول اللہ ﷺ کو اچانک شہید کردینے کا ان کا ارادہ تھا لیکن بنی نضیر کی ہی ایک عورت تھی جس کا بھائی مسلمان ہوگیا تھا اور انصاری تھا اس عورت نے بطورِ خیر خواہی اپنے بھائی کو کہلا بھیجا اور بنی نضیر کے ارادہ کی اطلاع دیدی اس کا بھائی فوراً دوڑا اور قبل اس کے کہ رسول اللہ یہودیوں تک پہنچتے آپ کو مخفی طور پر اطلاع دیدی آپ فوراً مدینہ کی طرف لوٹ آئے۔ ابوداؤد بیہقی، عبد بن حمید اور عبدالرزاق نے صحیح سند کے ساتھ یہ قصہ بیان کیا ہے اور ایک طویل حدیث کے ذیل میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ بنی نضیر نے یہ غداری اس وقت کی جب واقعۂ بدر کے بعد قریش نے ان کو لکھا تھا کہ آپ لوگ مسلح زرہ پوش اور حفاظتی قلعوں والے ہیں تم کو چاہئے کہ ہمارے دشمن سے لڑائی لڑیں یا ایسا ایسا کریں (اس تحریر کو پانے کے لئے بعد بنی نضیر نے مذکورہ بالا غداری کی۔ بغوی نے اس قصہ کو ذکر کرنے کے بعد بیان کیا ہے جب دوسرا دن ہوا تو صبح ہی رسول اللہ ﷺ جنگی دستے لے کر ان کی طرف چل پڑے اور ۲۱ روز تک ان کا محاصرہ جاری رکھا۔

بنی نضیر نے ایک بدعہدی یہ کی تھی کہ بیئر معونہ سے واپسی میں عمرو بن امیر ضمری نے دو آدمیوں کو قتل کردیا تھا (حسبِ معاہدہ) اداءِ دیت میں کچھ (مالی) مدد لینے کے لئے رسول اللہ ﷺ بنی نضیر کے پاس پہنچے (اور ایک پہاڑی کے دامن میں ان سے باتیں کرنے کے لئے بیٹھ گئے) تو یہودیوں نے بالائے قلعہ سے آپ کے اوپر پتھر لڑھکا کر گرانے کا ارادہ کیا اللہ نے آپ کو محفوظ رکھا اور اس کی اطلاع آپ کو دیدی ہم نے یہ قصہ سورت مائدہ کی آیت یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْٓا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ الخ کی تفسیر میں لکھ دیا ہے۔ ابن حمید نے بروایت عکرمہ بیان کیا کہ جب اللہ نے اپنے رسول کو اس واقعہ کی خبر دیدی اور رسول اللہ ﷺ مدینہ کو واپس آگئے تو کنانہ بن صوریا نے یہودیوں سے کہا کیا تم جانتے ہو کہ محمد کیوں اُٹھ کر چلے گئے، یہودیوں نے جواب دیا خدا کی قسم اس کی وجہ نہ ہم جانتے ہیں نہ آپ، کنانہ نے کہا کیوں نہیں توریت کی قسم میں تو اس کی وجہ جانتا ہوں محمد کو تمہارے ارادہ کی خبر مل گئی (اس لئے وہ اُٹھ کھڑے ہوئے) تم لوگ خود فریبی میں مبتلا نہ ہو خدا کی قسم وہ اللہ کے رسول ہیں اللہ نے ہی ان کو تمہارے ارادہ کی اطلاع دیدی اس لئے وہ اٹھ کھڑے ہوئے) تم لوگ خود فریبی میں مبتلا نہ ہو خدا کی قسم وہ اللہ کے رسول ہیں اللہ نے ہی ان کو تمہارے ارادہ کی اطلاع دیدی اس لئے وہ اٹھ کھڑے ہوئے بلاشبہ وہ آخری نبی ہیں تم چاہتے تھے کہ وہ نبی ہارون کی نسل سے ہو مگر اللہ نے جہاں چاہا (اور جس کو چاہا) وہ نبوت عطا کردی ہماری کتابیں اور وہ توریت جو ہم نے پڑھی ہے اور وہ محرّف اور تغیر یافتہ بھی نہیں ہے بتارہی ہیں کہ آخری نبی کا مقام پیدائش مکہ اور مقام ہجرت یثرب ہوگا ان کے احوال و اوصاف وہی ہیں جو ہماری کتاب میں بیان کئے گئے ہیں ایک حرف کا بھی فرق نہیں ہے میں دیکھ رہا ہوں تم یہاں سے کوچ کررہے ہو تمہارے بچے ضائع ہورہے ہیں تم اپنے گھروں کو چھوڑ رہے ہو اور اپنے مالوں کو خیرباد کہہ رہے ہو۔ یہ بات تمہارے لئے بہت ہی بری ہے میرا کہا مانو دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کرلو کسی تیسری بات میں کوئی بھلائی نہیں ہے لوگوں نے دریافت کیا وہ دو باتیں کون سی ہیں؟ کنانہ نے کہا یا تو مسلمان ہوجاؤ محمد کے ساتھی بن جاؤ اس صورت میں تمہارے اموال و اولاد کی حفاظت ہوجائے گی جو حال محمد کے ساتھیوں کا ہے وہی تمہارا ہوگا تمہارے مال تمہارے قبضہ میں رہیں گے اور تم کو گھروں سے بھی باہر نہیں کیا جائے گا یہودیوں نے کہا ہم توریت کو اور موسیٰؑ کی نصیحت کو تو نہیں چھوڑیں گے، کنانہ نے کہا دوسری بات یہ ہے کہ وہ تمہارے پاس حکم بھیجیں گے کہ میرے شہر سے نکل جاؤ تم کہہ دینا بہت

اچھا اس صورت میں وہ تمہاری جانوں اور مالوں کو اپنے لئے حلال نہیں قرار دیں گے تم چاہو اپنے مال فروخت کر دینا، بیچنا نہ چاہو تو اپنے پاس رکھنا (اور لے جانا) یہودیوں نے کہا ہاں یہ بات ٹھیک ہے سلام بن مشکم بولا تم نے جو حرکت کی مجھے تو پہلے ہی وہ ناپسند تھی اب وہ ہمارے پاس پیام بھیجیں گے کہ میرے شہر سے نکل جاؤ۔

جب رسول اللہ ﷺ مدینہ میں تشریف لے آئے تو محمد بن مسلمہؓ کو بلوایا اور حکم دیا کہ بنی نضیر کے یہودیوں کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ اللہ کے رسول نے مجھے بھیجا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ تم لوگ میرے شہر سے نکل جاؤ۔ حسب الحکم محمد بن مسلمہ بنی نضیر کے پاس گئے اور فرمایا اللہ کے رسول نے ایک پیام دے کر مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے لیکن پیام ظاہر کرنے سے پہلے میں ایک بات سے تم کو آگاہ کروں گا جس کو تم بھی جانتے ہو، یہودیوں نے کہا وہ کیا بات ہے ابن مسلمہ نے کہا میں تم کو توریت کی جو موسیٰؑ پر اتاری گئی تھی قسم دے کر دریافت کرتا ہوں کیا تم واقف ہو کہ محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے جب کہ توریت تمہارے پاس موجود تھی تم نے اپنی مجلسوں میں کہا تھا کہ ابن مسلمہ اگر تو یہودی بننا چاہتا ہے تو ہم تجھے یہودی بنالیں گے اور اگر تو عذاب پانا پسند کرے گا تو ہم تجھے سزا دیں گے، میں نے جواب دیا تھا مجھے یہودی نہ بناؤ بلکہ سزا دینا چاہو تو سزا دیدو خدا کی قسم میں یہودی کبھی نہیں بنوں گا چنانچہ تم نے مجھے سزا دی تم نے مجھ سے کہا تھا کہ ہمارے دین میں داخل ہونے سے صرف یہ امر مانع ہے کہ یہ یہودیوں کا دین ہے گویا تو شریعتِ حنیفہ کا طلبگار ہے جس کا ذکر تو نے سن پایا ہے لیکن یاد رکھ کہ وہ ابو عامر راہب کے پاس نہیں ہے نہ وہ حنیفہ والا ہے حنیفہ والا تو وہ ہے جو بڑا ہنسوڑ اور قتال ہوگا (یعنی مسیلمۂ کذاب جو بنی حنیفہ میں سے تھا) اس کی آنکھوں میں سرخی ہوگی وہ یمن کی طرف سے آئے گا اونٹ پر سوار ہوتا ہوگا اور چادر اس کا لباس ہوگی اس کی تلوار اس کے کندھے پر ہوگی اور وہ حکمت کی باتیں کرے گا اور تمہاری اس بستی میں قتل و غارت ہوگا اور مُثلہ کیا جائے گا (ناک، کان مقتول کے کاٹنے کو مُثلہ کرنا کہتے ہیں) کہنے لگے ہاں خدا گواہ ہے ہم نے ایسا کہا تو تھا اور کوئی اس کو بھولا نہیں ہے۔ اس کے بعد میں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ تم نے غداری کر کے سابق معاہدہ جو میں نے تم سے کیا تھا توڑ دیا اور جس غداری کا یہودیوں نے ارادہ کیا تھا اس کو بیان کر دیا اور یہ بھی بتادیا کہ عمرو بن حجاش مکان کی چھت کے اوپر سے اللہ کے رسول پر پتھر لڑھکانا چاہتا تھا۔ اللہ کے رسول نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تم لوگ میرے شہر سے نکل جاؤ میں دس روز کی تمہیں مہلت دیتا ہوں اس کے بعد (یہاں) تم میں سے جو کوئی نظر آئے گا اس کی گردن ماردوں گا، یہ فرمان سننے کے بعد یہودی تیاری میں لگے اور سواریاں بھی (جنگل سے) منگوائیں یہ لوگ جلاوطن ہونے کی تیاری میں مشغول ہی تھے کہ عبداللہ بن اُبَی کے دو قاصد سوید اور اعمس ان سے آکر ملے اور کہا عبداللہ بن اُبَی نے کہا ہے کہ تم لوگ اپنے گھر اور سامان چھوڑ کر ہرگز مدینہ سے نہ جانا بلکہ اپنے قلعوں میں رہنا میرے پاس میری قوم کے اور عرب کے دو ہزار آدمی ہیں ہم سب (تمہاری حفاظت کے لئے) تمہارے قلعوں کے اندر آجائیں گے اور اس سے پہلے کہ مسلمان تم تک پہنچیں ہم سب تم سے پہلے مرجائیں گے اور بنی قریظہ بھی تمہاری مدد کریں گے تم کو بے مدد نہیں چھوڑیں گے ان کے علاوہ بنی غطفان میں جو تمہارے حلیف ہیں وہ بھی تمہاری مدد کریں گے اس کے بعد ابن اُبَی نے کعب بن اسد قرظی کے پاس آدمی بھیجا اور اس سے درخواست کی کہ تم اور تمہارے ساتھی میری مدد کریں کعب نے کہا ہم میں سے کوئی ایک آدمی بھی معاہدہ کو نہیں توڑے گا ابن اُبَی اس جواب سے مایوس ہو گیا اور ارادہ کیا کہ بنی نضیر اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان معاملہ کو اُلجھا رکھے، پھر حُیَی بن اخطب قرظی کے پاس آدمی بھیجا (اور امداد طلب کی حیی نے شروع میں تو انکار کیا لیکن ابن اُبَی اس کے پاس پیام بھیجتا رہا آخر کار) حُیَی نے کہا کہ میں محمد کے پاس کسی کو بھیج کر یہ اطلاع دیدوں گا کہ ہم میں سے کوئی اپنا گھر چھوڑ کر نہیں جائے گا آپ کو جو کچھ کرنا ہے کریں۔ حُیَی بن اخطب کو ابن اُبَی کی بات سے کچھ امید ہو گئی تھی سلام بن مشکم نے کہا اگر تیری رائے کی سبکی کا مجھے اندیشہ نہ ہوتا تو میں اپنے ساتھ والے یہودیوں کو لے کر تجھ سے الگ ہو جاتا، حُیَی ہوشیار رہ خدا کی قسم تو جانتا ہے اور ہم بھی جانتے ہیں اور جو لوگ تیرے ساتھ ہیں وہ بھی جانتے ہیں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور ان کے اوصاف ہمارے پاس (ہماری کتابوں میں لکھے ہوئے) موجود ہیں اس کے باوجود جو ہم نے ان کا اِتباع نہیں کیا۔ اس کی وجہ صرف

جلن ہے ہم کو یہ حسد ہوا کہ ہارون کی اولاد سے نبوت نکل گئی مناسب یہی ہے کہ انہوں نے ہم کو جو حکم دیا ہے ہم اس کو قبول کرلیں اور اس کے شہروں سے نکل جائیں۔ میں جانتا ہوں کہ اس بدعہدی (عہد شکنی) میں تو میرا مخالف ہے (ضرور نقضِ معاہدہ کرے گا تو مناسب یہ ہے کہ) چھواروں کی فصل آنے دے جب چھواروں کی فصل آجائے گی تو ہم آجائیں گے یا وہ ہی چھواروں کے لئے ہمارے پاس آپہنچیں گے۔ حُیَی نے یہ مشورہ قبول نہیں کیا اور اپنے بھائی جدی بن اخطب کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ کہنے کے لئے بھیجا کہ ہم اپنے گھر بار سے نہیں ہٹیں گے تم جو کرنے والے ہو کرو حُیَی نے اپنے بھائی جدی کو ابن اُبَی کے پاس بھی اس بات کی اطلاع دینے کے لئے بھیج دیا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو (نسخِ معاہدہ کی) کی خبر بھیج دی ہے اب تم نے بنی نضیر سے جو وعدہ کیا ہے اس کے موافق عمل کرو۔ غرض رسول اللہ ﷺ نے جب جدی کی زبانی حُیَی کا پیام سنا تو اللہ اکبر کہا اور مسلمانوں نے بھی آپ کے ساتھ تکبیر کہی حضور نے فرمایا اب میں یہودیوں سے مقابلہ کروں گا جدی جب ابن اُبَی کے پاس پہنچا تو وہ گھر میں تھا اور کچھ لوگ اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ادھر رسول اللہ ﷺ نے ندا کرادی تھی کہ بنی نضیر کی آبادیوں کی طرف مسلمان روانہ ہو جائیں۔ حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن اُبَی ابن اُبَی کے پاس تھے ابن اُبَی کے پاس ایک جماعت موجود ہی تھی اور جدی بن اخطب بھی تھا آپ نے آکر اپنی زرہ پہنی اور تلوار لی اور (بنی نضیر کی طرف) چل دیئے، جدی بن خطب حُیَی کے پاس پہنچا، حُیَی نے پوچھا کیا خبر ہے جدی نے کہا بری جس وقت میں نے جا کر محمد کو وہ پیام پہنچایا جس کے لئے مجھے بھیجا گیا تھا تو انہوں نے اللہ اکبر کہا اور کہا اب میں یہودیوں سے جنگ کروں گا میں ابن اُبَی کے پاس پہنچا تو وہاں کوئی خبر ہی نہ تھی ابن اُبَی نے اتنا کہا تھا کہ میں قبیلہ غطفان کے ان لوگوں کے پاس اطلاع بھیج رہا ہوں جو حلیف ہیں وہ آکر تمہارے ساتھ ہو جائیں گے۔ غرض رسول اللہ ﷺ بنی نضیر کی طرف روانہ ہو گئے اور مدینہ میں اپنی جگہ ابن امِ مکتومؓ کو مقرر کر دیا۔ عصر کی نماز بنی نضیر کے میدان میں پہنچ کر پڑھی جب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں نے حملہ کرنے کا ارادہ کیا تھا تو بنی نضیر قلعوں کی دیواروں پر چڑھ گئے اور وہاں سے پتھر اور تیر برسانے لگے تھے۔ بنی قریظہ الگ رہے انہوں نے بنی نضیر کی مدد نہیں کی رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز پڑھ کر دس صحابیوں کے ساتھ اپنے گھر واپس آگئے اور اپنی جگہ حضرت علیؓ کو لشکر کا امیر مقرر کر دیا۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر کو اپنا قائم مقام بنایا تھا رات بھر مسلمانوں نے محاصرہ قائم رکھا جب صبح ہوئی تو بلالؓ نے اذان دی رسول اللہ ﷺ ان صحابہؓ کے ساتھ جو آپ کے ہمراہ واپس آئے تھے (یعنی محافظ دستہ) فجر کی نماز بنی حطم کے میدان میں پڑھی اسی حالت میں حُیَی بن اخطب نے پیام بھیجا کہ جو کچھ آپ چاہتے ہیں ہم دینے کو تیار ہیں ہم آپ کی بستیوں سے نکل جائیں گے۔ حضور نے فرمایا آج اس کو منظور نہیں کرتا البتہ جتنا سامان زرہ اور اسلحہ کے علاوہ تم اونٹ پر لاد سکتے ہو لے جاؤ اور اپنے گھر سے نکل جاؤ سلام بن مشکم نے کہا کم بخت اس بات کو قبول کر لے قبل اس کے کہ اس سے بھی بری بات تجھے قبول کرنی پڑے۔ حُیَی نے کہا اس سے زیادہ بری بات اور کیا ہو گی۔ سلام نے کہا (آئندہ) بچے باندی غلام بنا لئے جائیں گے اور مال کے ساتھ جانیں بھی جائیں گی اس سے تو آسان ہے کہ مال ہی چلا جائے۔ حُیَی نے ایک یا دو روز اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا یامین بن عمیر اور ابو سعید بن رہب نے جب یہ کیفیت دیکھی تو ایک نے دوسرے سے کہا خدا کی قسم تم یقینی طور پر جانتے ہو کہ یہ اللہ کے رسول ہیں پھر مسلمان ہونے میں تامل کیا ہے ہم مسلمان ہو جائیں ہماری جانیں بھی محفوظ ہو جائیں گی اور مال بھی یہ گفتگو کرنے کے بعد رات کو یہ دونوں نیچے اتر آئے اور مسلمان ہو گئے اور ان کا جان و مال محفوظ ہو گیا۔

محمد بن عمرو بن سعد، بلاذری، ابو معشر اور ابن حبان کے قول پر رسول اللہ ﷺ نے محاصرہ جاری رکھا۔ ابن اسحاق اور ابو عمرو نے مدتِ حصار چھ روز اور سلیمان تیمی نے تقریباً بیس روز اور ابن کلاع نے ۲۳ روز بتائی ہے حضرت عائشہؓ کی روایت میں پچیس روز تک محاصرہ رکھنے کا ذکر آیا ہے۔

دورانِ محاصرہ میں جو مکان یہودیوں کے متصل اور قریب تھے وہ خود ان کو ڈھا رہے تھے اور جو مکان مسلمانوں کے قریب تھے مسلمان ان کو گرا رہے اور آگ لگا رہے تھے۔

آخر صلح ہو گئی یہودی نیچے اتر آئے اور اسلحہ کو چھوڑ کر باقی سامان اونٹوں پر لادنے لگے۔ عمرو بن حجاش کو کسی نے اچانک قتل کر دیا رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر سن کر خوشی ہوئی۔ بنی نضیر نے کہا کچھ لوگوں پر ہمارا قرض ہے (اتنی مہلت دی جائے کہ ہم قرضہ وصول کر لیں) حضور نے فرمایا جلدی کرو۔ حضرت اُسید بن حضیر پر ابورافع کے ۱۲۰ دینار ایک سال کی ادائیگی کے وعدہ پر قرض تھے ابو رافع نے میعاد آنے سے پہلے مطالبہ کیا آخر فریقین میں بجائے ۱۲۰ دینار کے اسی (۸۰) دینار پر صلح ہو گئی۔ بنی نضیر نے عورتوں اور بچوں کو اونٹوں پر سوار کیا اور جو سامان لاد سکتے تھے وہ لاد دیا یہاں تک کہ گھر کو ڈھا کر دروازوں کی چوکھٹیں بھی اکھاڑ لیں باقی مال واسباب اور اسلحہ پر رسول اللہ ﷺ نے قبضہ کر لیا پچاس زرہیں پچاس خود اور ۳۴۰ تلواریں دستیاب ہوئیں۔

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شرط پر صلح کی تھی کہ تین گھروں والے ایک اونٹ پر (مشترک طور سے) جتنا سامان لاد کر لے جا سکتے ہوں لے جائیں باقی جو رہ جائے گا وہ رسول اللہ ﷺ کا ہو گا۔ ضحاک کا بیان ہے کہ ہر تین آدمیوں کو (سامان لادنے کے لئے) ایک اونٹ دیا گیا تھا غرض بنی نضیر اس طرح (خانہ بدوش ہو کر) مدینہ سے شام کی طرف یعنی اَذرعات اور اَریحا کو چلے گئے صرف دو خاندان ایک آلِ حقیق اور دوسرا حیی بن اخطب کا قبیلہ (بجائے شام کے) خیبر کو چلے گئے۔ ان میں کا ایک گروہ حیرہ کو چلا گیا (حیرہ اس وقت عراق کی راجدھانی تھا) یہی مراد ہے آیت ھُوَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ کی۔لِاَوَّلِ الْحَشْرِ لام بمعنی وقت ہے (پہلے حشر کے وقت) جیسے آیت قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ میں لام بمعنی وقت ہے۔

اوّلِ حشر سے کیا مراد ہے۔ اور حشرِ ثانی کونسا ہو گا؟

زہری کا بیان ہے کہ بنی نضیر اس سبط میں سے تھے جن کو کبھی جلاوطن نہیں کیا گیا باوجود یہ کہ اللہ نے ان کے لئے جلاوطن ہونا لکھ دیا تھا۔ اگر ان کو جلاوطن نہ کیا جاتا تو دنیا میں ہی ان پر عذاب آجاتا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا میدانِ حشر ملک شام میں ہو گا۔ جس شخص کو اس میں شک ہو وہ یہ آیت پڑھے ملک شام کی طرف یہ پہلا حشر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا تم لوگ نکل جاؤ انہوں نے پوچھا کہاں جائیں فرمایا ارضِ محشر کی طرف۔ قیامت کے دن سب مخلوق کو جمع کر کے ارض شام کی طرف لایا جائے گا۔ کلبی نے کہا اولِ حشر اس لئے فرمایا کہ یہ پہلا واقعہ تھا جس میں اہلِ کتاب کو جزیرۂ عرب سے رسول اللہ ﷺ نے نکالا پھر حضرت عمرؓ نے (اپنے زمانہ میں) سب ہی اہلِ کتاب کو جزیرۂ عرب سے نکال باہر کر دیا۔

مرّہ ہمدانی نے کہا پہلا حشر مدینہ سے ہوا اور دوسرا حشر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں خیبر اور سارے جزیرۂ عرب سے ملکِ شام کے اذرعات اور اریحا کی طرف ہوا۔ قتادہ نے کہا یہ پہلا حشر (سب کو سمیٹ کر ملک شام میں جمع کر دینا) ہوا اور دوسرا حشر وہ ہو گا کہ ایک آگ مشرق کی طرف سے (کسی غار سے نکل کر) ان کو ہنکا کر مغرب کی طرف لے جائے گی جہاں رات کو وہ ٹھہریں گے وہیں آگ بھی ٹھہر جائے گی اور جہاں وہ دوپہر کو رُکے گی وہیں آگ بھی رُک جائے گی۔

بخاری نے حضرت انسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ قیامت کی سب سے پہلی علامت یہ ہو گی کہ ایک آگ لوگوں کو مشرق سے ہنکا کر مغرب کی طرف لے جائے گی اس روایت میں آیت کا ذکر نہیں ہے۔ حشر کا معنی ہے کسی جماعت کو ایک جگہ سے نکال کر دوسری جگہ منتقل کرنا۔

مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا ۗ
وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَاَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۗ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ ۝۲

تمہارا تو گمان بھی نہ تھا کہ وہ (اپنے گھروں سے) نکل جائیں گے اور خود انہوں نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ان کے قلعے ان کو اللہ سے بچا لیں گے سو ان کو اللہ (کا عتاب) ایسی جگہ سے آپہنچا کہ ان کو خیال بھی نہ تھا اور اللہ

نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا کہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے اجاڑ رہے تھے سوائے دانشمند اس حالت کو دیکھ کر عبرت حاصل کرو۔

مَاظَنَنْتُمْ یعنی اے مسلمانو! تمہارا تو یہ گمان بھی نہ تھا کہ بنی نضیر نکل جائیں گے کیونکہ انکے پاس مضبوط طاقت تھی اور محفوظ تھے اور انکو اعتماد تھا کہ ان کے قلعے اللہ کے عذاب سے ان کی حفاظت کریں گے کیونکہ قلعے بہت مضبوط اور محفوظ تھے۔

فَاَتَاهُمُ اللّٰهُ یعنی اللہ کا حکم اور عذاب ان پر آگیا اور وہ جلاوطنی پر مجبور ہو گئے۔

وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ رُعب، گھبراہٹ، خوف (قاموس) یعنی اللہ نے ان کے دلوں میں خوف ڈال دیا۔ یا خوف بھر دیا۔ (بیضاوی) صاحب قاموس نے لکھا ہے رَعَبَہٗ اس کو بھر دیا۔

یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَاَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے برباد کرتے تھے۔ وَاَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ کا عطف بِاَیْدِیْهِمْ پر ہے مسلمانوں نے جو ان کے گھروں کو تباہ کیا وہ نتیجہ تھا بنی نضیر کے بغض اور عہد شکنی کا گویا عہد شکنی کر کے انہوں نے مسلمانوں کے ہاتھوں اپنے برباد کئے۔

اِخراب کا معنی ہے بیکار کر کے اور کسی چیز کو برباد کر کے چھوڑنا۔ تخریب کی صورت یہ ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اختیار دیا تھا کہ جو چیز چاہیں (سوائے اسلحہ کے) اونٹ پر لاد کر لے جائیں انہوں نے اسی بنیاد پر اپنے گھر ڈھا کر اور دروازہ کی چوکھٹیں اور لکڑی کے تختے نکالے اور اونٹوں پر لاد کر لے گئے اور جو حصۂ مکان باقی رہا اس کو مسلمانوں نے ڈھا دیا۔ ابن زید نے کہا انہوں نے ستون اکھاڑے چھتیں توڑیں دیواروں میں نقب لگائے لکڑیاں تختے یہاں تک کہ کیلیں بھی اکھاڑ لیں اور مکانوں کو ڈھا دیا تاکہ مسلمان ان میں رہ نہ سکیں۔ قتادہ نے کہا مسلمان بیرونی جانب سے اپنی طرف کے حصہ کو اور یہودی اندرونی جانب سے مکانوں کو ڈھا رہے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مسلمان جب کسی گھر پر قابض ہوتے تو اس کو گرا دیتے تھے تاکہ لڑائی کا میدان وسیع ہو جائے اور یہودی گھروں میں نقب لگا کر پشت کی طرف دوسرے مکانوں میں چلے جاتے اور پشت والے مکانوں میں قلعہ بند ہو کر خالی کئے ہوئے مکانوں پر پتھر برساتے تھے تاکہ جو مسلمان وہاں داخل ہو چکے ہوں وہ زخمی ہو جائیں یہی مطلب ہے آیت یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ الخ کا۔

فَاعْتَبِرُوْا پس ان یہودیوں کے حال کو دیکھ کر عبرت حاصل کرو اور ان کی طرح کفر اور معصیت میں مبتلا نہ ہو تاکہ جو مصیبت اُن پر پڑی ویسی مصیبت تم پر نہ آجائے۔ جو علماء قیاس کو دلیل شرعی مانتے ہیں انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے، اصل اور فرع کے درمیان میں کسی ایسی صفت میں اشتراک ہوتا ہے جو سبب حکم بننے کی صلاحیت رکھتی ہے اسی مشترکہ صفت کی وجہ سے اصل کا حکم فرع کی طرف تجاوز کرتا ہے یہی معنی اعتبار کے ہیں اور اعتبار کا حکم آیت میں دیا گیا ہے۔

یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ اے عقل و بصیرت والو! (بصر سے مراد ذہنی بصیرت) محمد بن یوسف صالحی نے سبیل الرشاد میں بیان کیا ہے کہ محمد بن عمر نے حضرت ابراہیم بن جعفر کی وساطت سے حضرت جعفر کی طرف اس بیان کی نسبت کی ہے، جعفر نے کہا جب بنی نضیر (مدینہ سے) نکل گئے تو عمرو بن سعد یہودی مدینہ میں آیا اور بنی نضیر کے مکانوں کا اس نے چکر لگایا اور ان کو اُجاڑ پا کر سوچ میں پڑ گیا پھر بنی قریظہ کے پاس واپس گیا اور کہنے لگا میں نے آج (بڑا) عبرت آفریں منظر دیکھا اپنے بھائیوں کی بستی کو ویران پایا (ایک وقت تھا کہ) وہاں میرے بھائی غیرت مند صاحب شرف اور بہادر تھے فیصلہ کُن رائے اور عقل رسا کے مالک تھے لیکن افسوس کہ) ذلت کے ساتھ نکل گئے اپنے مال چھوڑ گئے اور دوسرے لوگ اس مال کے مالک ہو گئے۔ اس سے پہلے (کعب) بن اشرف کا واقعہ ہو اتھا رات کو اس کے گھر کے اندر شب خون مار کر اس کو قتل کر دیا گیا۔ ابن سنینہ کا واقعہ بھی اس سے پہلے ہو چکا ہے ابن سنینہ یہودیوں کا سردار تھا بڑا جیوٹ اور طاقتور تھا اور پھر بنی قینقاع کی جلاوطنی بھی ہو گئی بنی قینقاع یہودیوں کی دھار (یعنی عزت اور طاقت) تھے ان کا محاصرہ کر لیا گیا کوئی شخص سر بھی (حصار سے) باہر نہیں نکال سکا سب قیدی ہو گئے آخر سب کے جلاوطن ہونے کی شرط پر ان کو چھوڑ اگیا۔ برادران ملت تم نے یہ سب واقعات دیکھے اب میرا کہا مانو آؤ سب محمد کے

تابع ہو جائیں خدا کی قسم تم جانتے ہو کہ وہ نبی ہیں ہم کو ان کی بشارت ہمارے علماء دیتے چلے آئے ہیں آخر میں ابن السیان ابو عمیر اور ابن حواس بیت المقدس سے آئے یہ دونوں یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے ان دونوں نے ہم کو (آنے والے اس) نبی کے اتباع کا حکم دیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ دونوں (بزرگوں) کا سلام اس نبی کو پہنچا دیا جائے اس کے بعد ان دونوں کی اسی دین (اسلام) پر وفات ہو گئی اور انکو دفن کر دیا گیا (ان دونوں بزرگوں نے یہ باتیں) ہماری اسی عبرت کے لئے کہی تھیں عمرو بن سعد کا یہ کلام سن کر سب خاموش رہے کسی نے کچھ نہیں کہا عمرو بن سعد نے پھر دوبارہ اپنی بات لوٹائی اور بنی قریظہ کو لڑائی گرفتاری اور جلاوطنی سے ڈرایا اس وقت زبیر بن باطا نے کہا توریت کی قسم میں نے ان کے حالات ابن باطا کی اس (اصل) توریت میں پڑھے ہیں جو موسیٰؑ پر نازل ہوئی تھی اور وہ توریت ان نسخوں میں سے نہیں تھی جو ہم نے لکھ رکھے ہیں کعب بن سعد بولا ابو عبدالرحمٰن پھر آپ کو محمد کے اتباع سے روکنے والا کون ہے زبیر نے کہا آپ (روکنے والے) ہیں کعب نے کہا یہ کیسے توریت کی قسم میں تو آپ کے اور محمد کے درمیان کبھی حائل نہیں ہوا زبیر نے کہا آپ ہی (ساری قوم کی طرف سے) عہد و پیمان کرنے کے مختار ہیں آپ ان کی اتباع کریں گے تو ہم بھی اتباع کریں گے آپ ان کی پیروی سے انکار کر دیں گے تو ہم بھی انکار کر دیں گے عمرو بن سعد نے کعب کی طرف متوجہ ہو کر کہا سنو قسم توریت کی جو موسیٰؑ پر طور سینا میں نازل ہوئی بلاشبہ ان کو دنیا میں عزت اور غلبہ حاصل ہو گا وہ بلاشک موسیٰؑ کے راستہ پر ہیں اور کل کو جنت میں وہ اور ان کی امت موسیٰؑ کے ساتھ فروکش ہو گی کعب نے کہا ہم تو اپنے وعدہ اور معاہدہ پر قائم رہیں گے اور محمد بھی معاہدہ کی ذمہ داری کو نہیں توڑیں گے لیکن ہم دیکھیں گے کہ حُیَیّ کیا کرتا ہے اس کو تو بڑی ذلت وخواری کے ساتھ نکالا گیا ہے میرا خیال ہے وہ محمد سے ضرور جنگ کرے گا اگر وہ فتح یاب ہو گیا تو ہم یہی چاہتے ہیں ہم اپنے دین پر قائم رہیں گے اور اگر حُیَیّ پر محمد کو غلبہ حاصل ہو گیا تو پھر زندگی میں کوئی خیر نہیں ہم محمد کے ساتھ رہنا چھوڑ دیں گے اور منتقل ہو جائیں گے عمرو بن سعد نے کہا پھر اس معاملہ میں (یعنی منتقل ہونے میں) آپ تاخیر کیوں کر رہے ہیں یہ بات تو سامنے آہی گئی ہے کعب نے کہا اس بات کا وقت ہاتھ سے نہیں نکلے گا میں جب یہ بات چاہوں گا (یعنی مدینہ چھوڑ دینے کا ارادہ کروں گا) محمد مان لیں گے عمرو نے کہا کیوں نہیں (موقع اور وقت ہاتھ سے ضرور نکل جائے گا) توریت کی قسم جب محمد چل کر ہماری طرف آجائیں گے تو ہم کو اپنے قلعوں میں چھپ جانا پڑے گا پھر ان کے حکم پر ہم کو نیچے اترنا ہو گا اور وہ ہماری گردنیں مار دیں گے کعب نے کہا اس معاملہ میں میری رائے تو یہی ہے جو میں کہہ چکا میرا دل گوارا نہیں کرتا کہ میں اس کا تابع ہو جاؤں اور وہ نہ (میرے) خاندانِ نبوت کی فضیلت کو پہچانے اور نہ میرے کارناموں کی قدر کرے اور (معمولی شخص کی طرح) مجھے اسرائیلی کہے عمرو بن سعد نے کہا کیوں نہیں اپنی جان کی قسم وہ ضرور (اس فضیلت حسب ونسب سے) واقف ہے۔ یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ اطلاع ملی کہ رسول اللہ ﷺ بنی قریظہ کے میدان میں آکر فروکش ہو گئے عمرو بن سعد نے کہا یہ ہی وہ بات ہے جو میں نے تم سے کہی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ بنی قریظہ نے رسول اللہ ﷺ سے کئے ہوئے معاہدہ کو توڑ دیا تھا اور معرکۂ خندق میں (قریش کے ساتھ مل کر) رسول اللہ ﷺ سے لڑے تھے۔

وَلَوۡلَاۤ اَنۡ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمُ الۡجَلَاۤءَ لَعَذَّبَهُمۡ فِى الدُّنۡيَا ‌ؕ وَلَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۞ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ‌ ۚ وَمَنۡ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ۞

اور اگر اللہ ان کی قسمت میں جلاوطن ہونا نہ لکھ چکا ہوتا تو دنیا میں ہی ان کو (قتل وقید کی) سزا دیتا اور ان کے لئے آخرت میں دوزخ کا عذاب تیار ہے یہ اس سبب سے ہے کہ انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرتا ہے اللہ اس کو سخت سزا دینے والا ہے۔

كَتَبَ اللّٰهُ یعنی لوح محفوظ میں اللہ نے اگر لکھ دیا نہ ہوتا الۡجَلَاۤءَ جلاوطنی دیس نکالا۔

لَعَذَّبَهُمۡ فِى الدُّنۡيَا یعنی دنیا میں ہی ان کو قتل وقید کی سزا دیدیتا جیسا بنی قریظہ کے ساتھ کیا۔

وَلَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ یہ الگ جملہ ہے مطلب یہ کہ اگر وہ عذاب دنیا (قتل وقید) سے بچ بھی گئے تو آخرت

کے عذاب سے نہیں بچیں گے۔

فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ یعنی اللہ ان کو سخت عذاب دے گا کیونکہ وہ سخت عذاب والا ہے۔

ابن اسحاق نے یزید بن رومان کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ بنی نضیر کے میدان میں جا کر اترے تو بنی نضیر اپنے قلعوں کے اندر گھس گئے اور قلعہ بند ہو گئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو نخلستانوں کو کاٹنے اور جلا ڈالنے کا حکم دیدیا۔ محمد یوسف صالحی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابولیلیٰ مازنی اور عبداللہ بن سلام کو کھجور کے درختوں کو کاٹ ڈالنے کی خدمت پر مامور کیا ابولیلیٰ عجوہ کو کاٹنے لگے اور عبداللہ بن سلام نے لَون کو کاٹنا شروع کیا۔

(عجوہ کھجوروں کی ایک اعلیٰ نوع ہوتی تھی اور لَون معمولی قسم تھی) دونوں سے اس تعیین کی وجہ دریافت کی گئی (جبکہ حکم میں کوئی تعیین نہیں تھی نہ استثناء تھا) ابولیلیٰ نے کہا عجوہ کو میں اس لئے جلا رہا ہوں کہ یہودیوں کے لئے عجوہ کام نہ آئے عبداللہ بن سلام نے فرمایا میں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ (ان کافروں کا مال) غنیمت مسلمانوں کو عطا فرمائے گا اور عجوہ کے درخت بہت قیمتی ہوتے ہیں (اور ان پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے گا اس لئے میں ان کو نہیں کاٹتا) جب عجوہ کے درخت کاٹے گئے تو عورتیں اپنے گریبان پھاڑ نے منہ پیٹنے اور واویلا کرنے لگیں اور سلام بن مشکم نے حُیَیّ سے کہا عجوہ کے درخت کٹ رہے ہیں آئندہ تیس برس تک عجوہ کا ایک خوشہ ایک گھوڑے کے عوض کھانے کو نہیں ملے گا حُیَیّ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پیام بھیجا آپ تو تباہ کاری کی ممانعت کرتے تھے پھر نخلستان کو کیوں کاٹ رہے ہیں (یہ تباہ کاری اور فساد نہیں تو اور کیا ہے) کچھ مسلمانوں کو بھی اندیشہ ہوا کہ یہ عمل تو فساد (تباہ کاری) ہے بعض مسلمانوں نے کہا مت کاٹو اللہ نے یہ نعمت ہم کو مفت عنایت کی ہے کچھ لوگ کہنے لگے ہم کاٹیں گے اور اس طرح یہودیوں کو جلائیں گے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآىِٕمَةً عَلٰۤى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

جو کھجوروں کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو ان کی جگہ کھڑا رہنے دیا سو یہ (سب) اللہ کے حکم اور اجازت سے ہوا اور (اس لئے ہوا) کہ اللہ کافروں کو رسوا کر دے۔

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ جو درخت تم نے کاٹے جیسے ابولیلیٰ نے عجوہ کے درخت کاٹے یا درختوں کو نہیں کاٹا کھڑا چھوڑ دیا جیسے عبداللہ بن سلام نے عجوہ کے درخت کھڑے چھوڑ دیئے۔

لِیْنَۃٍ لَون سے مشتق ہے اس کی جمع اَلْوَان آتی ہے بعض کے نزدیک لِین سے مشتق ہے۔ کذافی الصحاح۔

بغوی نے لکھا ہے کہ علماء نے لینۃ کے مختلف معنی بیان کئے ہیں بعض اہل علم نے کہا ہر قسم کے کھجور کے درختوں کو لینۃ کہتے ہیں اس میں عجوہ کے درخت داخل نہیں ہیں یہ قول عکرمہ اور قتادہ کا ہے زاذان کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول آیا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ عجوہ کو چھوڑ کر دوسرے کھجور کے درختوں کو کٹوا رہے تھے عجوہ کے علاوہ باقی کھجور کے درختوں کو مدینہ والے اَلوان کہتے تھے۔ اَلوان کا واحد لینۃ اور لِین ہے زہری نے کہا عجوہ اور برنیہ کے علاوہ دوسرے تمام اقسام کے کھجور کے درختوں کو اَلوان کہا جاتا ہے مجاہد اور عطیہ نے کہا بغیر تحقیق کے ہر کھجور کے درخت کو لینۃ کہا جاتا ہے سفیان نے کہا کھجور کے اعلیٰ درختوں کو لینۃ کہتے ہیں مقاتل نے کہا لینۃ ایک قسم کا کھجور کا درخت ہوتا ہے جس کے پھل کو لون کہا جاتا ہے یہ رنگ میں بہت زرد اور (اتنا شفاف) ہوتا ہے کہ اندر کی گٹھلی باہر سے دکھائی دیتی ہے اور (گودا اتنا نرم ہوتا ہے) کہ ڈاڑھ اس میں گھس جاتی ہے عرب اس کو بہت پسند کرتے ہیں اس کے ایک درخت کی قیمت رصیف کی قیمت کے برابر ہوتی ہے اور عرب کو رصیف سب سے زیادہ مرغوب ہے۔

فَبِاِذْنِ اللّٰہِ یعنی ان درختوں کو کاٹنا یا نہ کاٹنا اور کھڑا رہنے دینا سب اللہ کی اجازت سے ہے یہ اس میں کوئی گناہ نہیں ہے بخاری نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی نضیر کے کھجور کے درخت جلوا دیئے اور کٹوا دیئے تھے ان (جلے کٹے درختوں) کو بُوَیرہ کہا جاتا ہے (بویرہ بائرہ کی تصغیر ہے بائرہ کا معنی ہے تباہ شدہ اس کا مادہ بُور ہے) کذا روی

اصحابُ الکتب۔

ابو لیلیٰ نے ضعیف سند سے حضرت جابرؓ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اجازت دے کر درختِ خرما کٹوائے تھے پھر بنی نضیر پر زیادہ سختی کی (اور بہت درخت جلوائے اور کٹوائے تھے تو) صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ہم نے جو کچھ درخت کاٹ ڈالے اور کچھ چھوڑ دیے کیا اس فعل سے ہم پر کوئی گناہ عائد ہوا اس پر یہ آیت نازل ہوئی لِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ یعنی کاٹنے کی اجازت دے کر یہودیوں کو ذلیل کرنا اللہ کا مقصود ہے۔

مسئلہ: اس آیت کی روشنی میں امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ اگر مسلم حاکم کافروں کے کسی قلعہ کا محاصرہ کرے تو وہاں کے درختوں کو کٹوانا اور کھیتیاں اُجاڑ دینا اور ان کے مکانوں کو ڈھا دینا اور ان میں آگ لگا دینا جائز ہے۔ ابن ہمامؒ نے کہا یہ جواز اس وقت ہے جب اس کے بغیر کافروں کے مغلوب کرنے اور گرفتار کرنے کا غالب ظن نہ ہو لیکن اگر یہ گمان غالب ہو کہ کافر اس فعل کے بغیر مغلوب ہو ہی جائیں گے اور فتح ہو کر رہے گی تو آگ لگانا اجاڑنا اور تباہی پھیلانا جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں یہ بے ضرورت تباہ کاری ہوگی اور اجازت ضرورت کے ماتحت تھی۔

امام احمدؒ نے فرمایا یہ فعل دو شرطوں سے جائز ہے کافروں نے بھی ہمارے ساتھ یہی سلوک کیا ہو۔ ہم کو درخت کٹوا دینے اس لئے ضروری ہوں کہ لڑائی اور کافروں سے مقابلہ بغیر اس فعل کے دشوار ہو۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ کافروں کے مکانوں اور درختوں کو اُجاڑنا اور تباہ کرنا جنگی ضرورت اور فتح حاصل کرنے کے لئے جائز ہے اسی طرح اس صورت میں بھی یہ عمل جائز ہے جب امیدِ فتح نہ ہو اگر امیدِ کامیابی ہو تو ایسا نہ کرنا مستحب ہے۔

آیت زیر تفسیر اور مذکورہ بالا دونوں حدیثیں قطعِ اشجار کو جائز قرار دے رہی ہیں۔

امام احمدؒ نے حضرت اسامہ بن زید کا بیان نقل کیا ہے حضرت اسامہؓ نے فرمایا مجھے رسول اللہ ﷺ نے ایک بستی کی طرف بھیجا اور فرمایا وہاں علی الصباح پہنچنا اور آگ لگا دینا ابن جوزی نے اپنے مسلک (یعنی امام احمد کے قول) کے استدلال میں بیان کیا ہے کہ ہمارے اصحاب کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی فوج کو کہیں بھیجتے تھے تو فرما دیتے تھے کسی چشمہ کو نہ پاٹنا اور سوائے ان درختوں کے جو قتال میں رکاوٹ پیدا کر رہے ہوں اور کسی درخت کو نہ کاٹنا رہیں مذکورہ بالا دونوں حدیثیں یعنی ایک حضرت ابن عمرؓ کی روایت کردہ حدیث اور دوسری حضرت اسامہؓ کی نقل کردہ حدیث تو ان کی مراد وہی ہے جو ہم نے بیان کر دی (یعنی صرف جنگی ضرورت کے زیر اثر ایسا کرنا جائز ہے) ہم کہتے ہیں ابن جوزی نے جو جواز کی خاص صورت بیان کی ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں، بنی نضیر نے مدینہ کے درخت نہیں کاٹے تھے (اس سے امام احمد کی بیان کردہ پہلی صورت کی نفی ہو جاتی ہے) نہ اس بات کا ثبوت ہے کہ صرف جنگی ضرورت سے قطعِ اشجار جائز ہے بلکہ آیت میں صراحت کر دی گئی ہے کہ یہودیوں کو ذلیل کرنے اور دشمنانِ خدا کو خوار بنانے اور ان کے زور کو توڑنے کے لئے اللہ نے درختوں کو کاٹنے کا حکم دیا ہے کوئی اور مقصد نہیں ہے، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب درختوں کو کاٹ دینے کا حکم دیا تھا اس وقت فتح یاب ہونے کا غالب خیال نہیں تھا آیت مَا ظَنَنْتُمْ أَنْ يَخْرُجُوا وَظَنُّوا مَانِعَتُهُمْ حُصُونُهُمْ بھی اسی پر دلالت کر رہی ہے۔

امام احمدؒ نے قطعِ اشجار کی ممانعت کے سلسلہ میں جو حدیث نقل کی ہے اگر اس کی صحت ثابت بھی ہو جائے تب بھی قرآنی آیت کے مقابلہ میں اس کو نہیں لایا جا سکتا آیت تو جوازِ قطع کو مستلزم ہے۔

بغوی نے لکھا ہے جب بنی نضیر اپنے گھر اور زمینیں چھوڑ کر چلے گئے تو خیبر کے مالِ غنیمت کی طرح مسلمانوں نے ان متروکہ گھروں اور زمینوں کی تقسیم کی بھی خواہش کی اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ⑥ اور جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو ان سے دلوایا سو تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے اور ہر چیز پر اللہ کو

پوری قدرت حاصل ہے۔

فَیْئٌ لوٹنا۔ اَفَاءَ لوٹایا جوہری نے لکھا ہے فَیْئٌ کا معنی ہے اچھی حالت کی طرف لوٹنا اللہ نے فرمایا ہے حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰہِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا۔ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔

ایک شبہ: اللہ نے اپنے رسول کو لوٹا کر (یعنی مکرر اور دوبارہ) بنی نضیر کا مال دیا۔ یہ مفہوم چاہتا ہے کہ پہلے ایک بار اس مال کا مالک اللہ نے اپنے رسول کو بنادیا تھا اب دوبارہ عطا فرمادیا اور یہ بات واقعہ کے خلاف ہے۔ بیضاوی نے اس شبہ کو دور کرنے کے لئے لکھا ہے کہ اس جگہ مجازاً اَفَاءَ بمعنی صَیَّرَ ہے یعنی اللہ نے اس مال کا مالک اپنے رسول کو بنادیا (بنی نضیر کے ہاتھ سے ملکیت نکال کر رسول اللہ ﷺ کی طرف منتقل کردی)

یا اَفَاءَ کا یہ معنی ہے کہ اللہ نے ملکیت مال پھیر دی رسول اللہ ﷺ کی طرف کیونکہ آپ ہی اس کے مستحق تھے اللہ نے انسانوں کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے اور دوسری چیزوں کو انسان کے لئے تخلیق کیا ہے تاکہ ان چیزوں کے ذریعہ سے وہ اللہ کی طاعت کی طرف آئیں لہٰذا اس مال کا استحقاق انہی لوگوں کو ہے جو اللہ کے اطاعت گزار ہیں۔

مِنْھُمْ بنی نضیر سے۔

فَمَآ اَوْجَفْتُمْ تم نے اس کو حاصل کرنے کے لئے نہ گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ۔ یہ لفظ وَجیف سے ماخوذ ہے اور وَجیف کا معنی تیز رفتار۔ رکاب (لغوی لحاظ سے) ہر سواری کو کہتے ہیں لیکن استعمال میں یہ لفظ تغلیباً صرف اونٹ کو کہتے ہیں جس طرح راکب ہر سوار کو کہتے ہیں لیکن اس کا استعمال شُتر سوار کے لئے ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بنی نضیر کا جو مال اللہ نے اپنے رسول کو عطا فرمایا اس کو حاصل کرنے کے لئے کوئی مشقت اٹھانی نہیں پڑی، نہ لڑائی کرنی پڑی نہ اونٹ گھوڑے دوڑانے پڑے کہ عام مسلمان اس کے مستحق قرار پاتے۔

یُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ لیکن اللہ نے اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہتا ہے غالب کردیتا ہے یعنی مخالفوں کے دلوں میں پیغمبروں کا رُعب ڈال دیتا ہے۔

وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اس لئے جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے خواہ ظاہری ذرائع کو استعمال کر کے یا بلاواسطہ بغیر ظاہری ذرائع کے۔

اس آیت سے اور صحیح احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بنی نضیر کا متروکہ خالص رسول اللہ کا تھا آپ جس طرح چاہتے اس میں تصرف کر سکتے تھے۔ شیخین نے صحیحین میں مالک بن اوس بن حدثان کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا اللہ نے اپنے رسول کو اس مال مفت میں تصرف کرنے کا ایسا اختیار خصوصیت کے ساتھ دیا جو اور کسی کو نہیں دیا پھر آپ نے آیت مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ۔ قَدِیْرٌ تک پڑھی چنانچہ یہ ملکیت خالص رسول اللہ ﷺ کی تھی جس سے اپنا اور اپنے گھر والوں کا سالانہ خرچ کیا کرتے تھے اس کے بعد جو کچھ بچتا تھا اس کو اللہ کا مال قرار دیتے تھے (یعنی جہاد وغیرہ کی تیاری میں صرف کرتے تھے)

صحیحین میں یہ بھی آیا ہے کہ (خلافت ثانیہ کے دور میں) حضرت عمرؓ کا دربان "یرفا" اندر آیا اور اس نے کہا عثمانؓ اور عبدالرحمنؓ اور زبیرؓ اور سعدؓ داخلہ کی اجازت چاہتے ہیں کیا ان کو اندر آنے کی اجازت ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں۔ یہ حضرات اندر آگئے کچھ ہی دیر کے بعد یرفا پھر آیا اور کہا علیؓ اور عباسؓ اجازتِ داخلہ کے طلبگار ہیں کیا ان کو اجازت ہے حضرت عمرؓ نے کہا ہاں دونوں حضرات بھی آگئے حضرت عباسؓ نے کہا امیر المؤمنین میرے اور اس کے درمیان فیصلہ کردیجئے بنی نضیر کے متروکہ املاک کے معاملہ میں حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کا اختلاف تھا اس اختلاف کو دور کرانے کی خواہش حضرت عباسؓ نے کی تھی) جماعت (حاضرین) نے کہا ہاں امیر المؤمنین ان کے آپس کا جھگڑا چکا دیجئے اور ایک کو دوسرے کی فکر سے آزاد کردیجئے حضرت عمرؓ نے فرمایا ذرا آپ لوگ آرام کیں میں آپ حضرات کو اس خدا کی جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں قسم دے کر

دریافت کرتا ہوں کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تھا ہم (کسی کو اپنے مال کا) وارث نہیں قرار دیتے ہمارا ترکہ (کسی کا میراثی حصہ نہیں ہو سکتا بلکہ) خیرات ہے۔ (حضور نے یہ بات اگرچہ انبیاء کی جماعت کے متعلق فرمائی تھی) لیکن اس سے آپ کی مراد اپنی ذات تھی حاضرین نے کہا رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کی طرف رخ کر کے فرمایا میں تم سے اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا رسول اللہ ﷺ نے ایسا فرمایا تھا حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ نے کہا ہاں (فرمایا تھا) حضرت عمرؓ نے کہا اب میں اس معاملہ کی بات کرتا ہوں۔ بات یوں ہوئی کہ اللہ نے اس مال فے کو اپنے رسول کے لئے خالص کر دیا تھا۔ اور اس امر میں وہ خصوصیت عطا کی تھی جو کسی دوسرے کو نہیں عنایت کی اور فرمایا مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ۔ قَدِيْرٌ تک چنانچہ یہ مال خالص اللہ کے رسول کا ہو گیا اس کے بعد بخدا حضور نے آپ لوگوں کو چھوڑ کر خود اپنے ہی لئے نہیں رکھ لیا بلکہ آپ لوگوں کو دیا اور آپ کے اندر تقسیم کر دیا یہاں تک کہ تقسیم کے بعد کچھ بچ رہا اللہ کے رسول اپنے گھر والوں کا سالانہ خرچ اسی مال سے چلاتے تھے اور آخر میں جو بچ رہتا تھا اس کو اللہ کا مال قرار دیتے تھے (یعنی جہاد کے لئے گھوڑے اور اسلحہ خریدتے تھے) حضور زندگی بھر اسی پر کاربند رہے جب آپ کی وفات ہو گئی (اور ابو بکرؓ خلیفہ ہوئے) تو ابو بکرؓ نے کہا میں اللہ کے رسول کا ولی ہوں چنانچہ ابو بکرؓ نے اس مال کو اپنے قبضہ میں لے لیا اور جس طرح رسول اللہ ﷺ (تقسیم) کیا کرتے تھے ویسا ہی ابو بکرؓ نے کیا آپ سب لوگ موجود تھے اور اللہ جانتا ہے کہ ابو بکرؓ اس (خیبر کے مال وملکیت) میں سچے نیکوکار اور راہِ راست پر تھے پھر ابو بکرؓ کی وفات ہو گئی تو میں نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کا اور ابو بکرؓ کا ولی ہوں چنانچہ چند سال میں نے یہ مال اپنے قبضہ میں رکھا اور اس میں تصرف اسی طرح کرتا رہا جس طرح رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ نے کیا تھا اور خدا جانتا ہے کہ اس میں سچا ہوں جھوٹا نہیں ہوں راہِ مستقیم پر ہوں اور حق کا پیرو ہوں پھر آپ دونوں حضرات متفق الرائے ہو کر آئے (جائیدادِ خیبر بحق وراثت طلب کی) تو میں نے کہا اللہ کے رسول نے فرمادیا ہے کہ ہم کسی کو اپنا وارث نہیں قرار دیتے ہمارا سارا متروکہ خیرات ہے پھر مجھے خیال ہوا کہ اس مال پر قبضہ میں تم کو دیدوں چنانچہ میں نے آپ سے کہا کہ اگر آپ دونوں صاحبان چاہتے ہیں تو میں یہ جائیداد آپ دونوں کے قبضہ وتصرف میں اس شرط پر دینے کو تیار ہوں کہ اس میں آپ ویسا ہی تصرف کریں گے جیسے رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ کرتے تھے اور جیسا میں اس وقت سے کرتا رہا ہوں جب سے یہ جائیداد میرے قبضہ میں آئی (یعنی جب سے مجھے خلیفہ بنایا گیا ہے) اگر آپ ایسا نہ کر سکیں تو پھر اس معاملہ میں مجھ سے بات نہ کیجئے آپ دونوں نے (شرط قبول کرلی اور) کہا ہمارے قبضہ میں اس شرط پر ہی دیدیجئے چنانچہ میں نے یہ جائیداد آپ دونوں کے سپرد کر دی اب کیا آپ حضرات اس کے خلاف مجھ سے کسی اور فیصلہ کے طلبگار ہیں، قسم ہے اس اللہ کی جسکے حکم سے آسمان وزمین قائم ہیں میں قیامت تک اس کے خلاف فیصلہ نہیں کروں گا اب اگر آپ دونوں صاحبان اس (کے انتظام) سے تنگ آگئے ہیں تو پھر میرے سپرد کر دیجئے میں آپکا پورا پورا کام انجام دوں گا۔

صحیحین میں حضرت عمرؓ کی روایت سے یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ بنی نضیر کے مال (یعنی املاک اور نقد وجنس) اللہ نے اپنے رسول کو (خصوصیت کے ساتھ) بے محنت عطا فرمائی تھی اس کے لئے مسلمانوں کو نہ گھوڑے دوڑانے پڑے نہ اونٹ چنانچہ وہ (ساری املاک) صرف رسول اللہ ﷺ کی تھیں اسی میں سے حضور گھر والوں کو سال بھر کا خرچ دیتے تھے اور جو کچھ بچتا تھا اس سے جہاد کی تیاری یعنی اسلحہ اور گھوڑوں کی خریداری کرتے تھے۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَیْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

اور جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو ان سے دلوایا سو تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے مسلط فرمادیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت حاصل ہے جو کچھ اللہ (اس

طور پر) اپنے رسول کو دوسری بستیوں کے کافر لوگوں سے دلوائے سو وہ بھی اللہ کا حق ہے اور رسول کا اور رسول کے قرابتداروں کا اور یتیموں کا اور غریبوں کا اور مسافروں کا تاکہ وہ (مال) تمہارے تونگروں ہی کے قبضہ میں نہ آجائے اور رسول تم کو جو کچھ دیدیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس کو لینے سے تم کو روک دیں رُک جایا کرو اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ (مخالفت کرنے پر) سخت سزا دینے والا ہے۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ الخ یعنی اہلِ قُریٰ کا جو مال اللہ نے اپنے رسول کو عطا فرمایا۔ اہْلُ الْقُریٰ میں بنی نضیر بھی شامل ہیں اور دوسری بستیوں والے بھی۔

یہ جملہ سابق وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ کا بیان ہے اس لئے دونوں کے درمیان حرفِ عطف نہیں ذکر کیا گیا۔ (معطوف اور معطوف علیہ الگ الگ ہوتے ہیں اس لئے اگر صرف عطف لایا جاتا تو سابق مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ میں مراد دوسرا مال ہوتا اور اس جملہ میں دوسرا مال مراد ہوتا) البتہ اس جملہ میں عام اہل قریٰ مراد ہیں خواہ بنی نضیر ہوں یا دوسری بستیوں والے۔

ایک شبہ: اگر یہ جملہ سابق جملہ کا بیان ہوتا تو بنی نضیر کے مال میں انصار کا بھی حق مانا جاتا (اور جس طرح دوسرے مال فے میں انصار کو حصہ دیا گیا اسی طرح اس مال میں بھی ان کو حصہ دار بنایا جاتا) لیکن رسول اللہ ﷺ نے تو سوائے تین آدمیوں کے اور کسی انصاری کو بنی نضیر کے متروکہ میں سے کچھ نہیں دیا۔

جواب: حق اس مال میں بھی انصار کا تھا لیکن ان خطرات نے مہاجرین کو اپنے اوپر ترجیح دی اور ایثار کر کے اپنا حق انکو دیدیا۔

حضرت ابن عباسؓ نے اہلِ قُریٰ کی تفصیل میں فرمایا بنی قریظہ بنی نضیر اہل فدک سکان خیبرا اور عرینہ کی بستیاں مراد ہیں۔

جلال الدین محلی نے کہا صفراء، وادیٔ قریٰ اور ینبع (کی بستیاں مراد ہیں) میں کہتا ہوں صحیح بات یہ ہے کہ خیبر کی فتح (صلح سے نہیں بلکہ) زور یعنی جنگ سے ہوئی تھی اور مالِ غنیمت کے اٹھارہ سہام کر کے اہلِ حدیبیہ کو یعنی ان لوگوں کو حدیبیہ میں شریک تھے تقسیم کیا گیا تھا اس کی تفصیل سورتِ فتح میں گزر چکی ہے۔

فَلِلّٰهِ۔ اللہ کے لئے ہونے کا یہ معنی نہیں کہ اللہ کا کوئی الگ حصہ مقرر کیا گیا کیونکہ دنیا اور آخرت سب اللہ ہی کی ہے (بنی نضیر کے مال ہی کی کیا خصوصیت ہے) بلکہ اس مال کی نسبت جو اپنی طرف کی اس سے اس مال کا بابرکت ہونا ظاہر کیا گیا ہے یہ قولِ حسن، قتادہ، عطاء ابراہیم نخعی، عامر، شعبی اور عام فقہاو مفسرین کا ہے۔ بعض کے نزدیک اللہ کا حصہ کعبہ کی اور دوسری مساجد کی تعمیر میں خرچ کیا جائے گا (اللہ کا حصہ الگ ہونے کا یہی مطلب ہے)

وَلِذِي الْقُرْبٰى اس سے مراد ہیں رسول اللہ ﷺ کے قرابتدار یعنی بنی ہاشم اور بنی مطلب۔ امام شافعیؒ کی روایت ہے کہ حضرت جبیر بن مطعمؓ نے فرمایا جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے اہلِ قرابت یعنی بنی ہاشم اور بنی مطلب کو مال تقسیم کیا تو میں اور عثمان خدمتِ گرامی میں حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو اللہ نے بنی ہاشم میں پیدا کیا ہے اس لئے ہم اپنے ہاشمی بھائیوں کی برتری کا تو انکار نہیں کرتے لیکن ہمارے یہ بھائی بنی مطلب ہیں جن کی آپ سے قرابت اور ہماری قرابت برابر کی ہے پھر آپ نے ان کو تو (تقسیم کے وقت) حصہ دیا اور ہم کو چھوڑ دیا حضور نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر ایک جال سا بنا کر فرمایا بنی ہاشم اور بنی مطلب اس طرح ایک ہیں۔

ابو داؤد اور نسائی کی روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضور نے فرمایا میں اور اولادِ مطلب نہ جاہلیت (کے زمانہ) میں الگ الگ تھے نہ اسلام (کے دور) میں ہم اور وہ ایک ہی ہیں حضور ﷺ نے انگلیوں کا جال بنا کر بتایا۔

وَالْيَتٰمٰى چھوٹے بچے جن کا باپ مر گیا ہو۔

وَابْنِ السَّبِيْلِ مسافر جس کے پاس مال نہ ہو (خواہ وطن میں مالدار ہو)

سابق آیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ مالِ فَے خالص رسول اللہ ﷺ کا ہے اور اس آیت میں ذوی القربٰی اور یتامیٰ اور مساکین اور ابناءُ السبیل کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شامل کر دیا اس سے یہ بات بتانی مقصود ہے کہ رسول اللہ اس مال کو کہاں کہاں صرف کریں گے۔ مالِ غنیمت تو صرف مجاہدین میں تقسیم کرنا ضروری تھا لیکن مالِ فَے کی تقسیم مالِ غنیمت کی تقسیم کی طرح نہیں تھی بلکہ اس کی تقسیم اللہ کے رسول کی اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء کی صواب دید پر موقوف ہوئی اور ان کو اجازت دی گئی کہ اصنافِ مذکورہ میں سے جس کو چاہیں دیں۔

کَیۡ لَا یَکُوۡنَ دُوۡلَۃًۢ بَیۡنَ الۡاَغۡنِیَآءِ یعنی ایسا نہ ہو کہ مالدار اور دولت مند لوگ ہی اس مال کا لین دین آپس میں کرتے رہیں اور فقیر، غریب محروم رہیں جیسا کہ دورِ جاہلیت میں کیا جاتا تھا بلکہ رسول کو اختیار دیدیا گیا کہ وہ مصلحت کے مطابق جس طرح چاہیں تقسیم کریں۔

وَمَاۤ اٰتٰىکُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡہُ یعنی مالِ فَے میں سے رسول جو کچھ تم کو دیں اس کو لے لو زیادہ کی طمع نہ کرو اور جس بات کی ممانعت کریں (یعنی مالِ فَے میں سے کچھ چھپا کر رکھنا) اس سے باز رہو۔

یہ آیت اگرچہ مالِ فَے کی تقسیم کے متعلق ہے لیکن الفاظ کے عموم کے پیشِ نظر رسول اللہ ﷺ کے تمام اوامر و نواہی پر کاربند رہنے کی ہدایت کو شامل ہے۔ بخاری کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا اللہ کی لعنت ہو گودنے والیوں اور گدوانے والیوں پر اور (سفید بال) نوچنے والیوں پر اور خوبصورتی کے لئے دانتوں کی جھریاں بنانے والیوں پر اور تخلیقِ خداوندی کو بدلنے والیوں پر حضرت ابن مسعودؓ کے اس قول کی اطلاع بنی اسد کی ایک عورت کو پہنچی تو وہ آئی اور حضرت ابن مسعودؓ سے کہا مجھے خبر پہنچی ہے کہ آپ نے ایسی ایسی عورتوں پر لعنت کی ہے ابن مسعود نے فرمایا اللہ کے رسول نے فرمایا جن پر لعنت کی ہے (اور جن کے احکام کی پابندی کی ہدایت اللہ کی کتاب میں موجود ہے انہوں نے لعنت کی) میں ایسی عورتوں پر لعنت کیسے نہ کروں اس عورت نے کہا دونوں لوحوں کے درمیان جو کتاب موجود ہے میں نے وہ (ساری) پڑھی اس میں تو کہیں مجھے نہیں ملا (کہ رسول کے ہر حکم کی پابندی کرو) حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا تو نے کتاب اللہ پڑھی ہی نہیں اگر پڑھتی تو تجھے (یہ حکم) مل جاتا کیا تو نے نہیں پڑھا کہ اللہ نے فرمایا ہے مَاۤ اٰتٰىکُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡہُ وَمَا نَہٰىکُمۡ عَنۡہُ فَانۡتَہُوۡا عورت نے کہا کیوں نہیں (یہ آیت تو میں نے پڑھی ہے) فرمایا تو اللہ کے رسول نے (ایسا کرنے کی ممانعت) کردی ہے وَاتَّقُوا اللّٰہَ یعنی اللہ کے رسول کے احکام کے خلاف نہ کرو۔

لِلۡفُقَرَآءِ الۡمُہٰجِرِیۡنَ الَّذِیۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِہِمۡ وَاَمۡوَالِہِمۡ یَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضۡوَانًا وَّیَنۡصُرُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ ؕ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الصّٰدِقُوۡنَ ۚ﴿۸﴾

اور ان حاجت مند مہاجروں کا (بالخصوص) حق ہے جو اپنے گھروں سے نکالے گئے اور جبراً اپنے مالوں سے جدا کر دیئے گئے وہ اللہ کے فضل اور رضامندی کے طالب ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے دین کی مدد کرتے ہیں یہی لوگ (ایمان کے سچے ہیں۔

لِلۡفُقَرَآءِ الۡمُہٰجِرِیۡنَ الخ (یہ جملہ لِلرَّسُوۡلِ سے بدل نہیں ہے بلکہ) ذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنِ سے بدل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو فقیر مہاجر نہیں کہا جاسکتا اس کے علاوہ اگلی آیت میں اللہ نے فرمایا ہے یَنۡصُرُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ اور ظاہر ہے کہ اگر رسول کو فقراء میں شامل کیا جائے گا تو یہ معنی ہو جائے گا کہ رسول اللہ اور دوسرے فقراء مہاجرین اللہ کے دین اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یعنی رسول خود اپنی مدد کرتے ہیں۔

لِلۡفُقَرَآءِ میں الف لام عہدی ہے اور معہود وہی لوگ ہوں گے جن کا ذکر اوپر کر دیا گیا یعنی ذَوِی الۡقُرۡبٰی اور یَتٰمٰی اور مَسٰکِیۡنِ پس یہ بدل الکل من الکل ہے۔

میرے نزدیک فقراء مہاجرین اور وہ لوگ جن کا ذکر آگے کیا گیا ہے ان تمام مومنوں کو شامل ہیں جو قیامت تک آنے

والے ہوں خواہ زوردار ہوں یا نادار جن لوگوں کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے یعنی ذَوِی الْقُرْبٰی وغیرہ بھی انہیں لوگوں کے ذیل میں داخل ہیں اس صورت میں فقراء مہاجرین وغیرہ عام قرار پائیں گے اور پہلے جن کا ذکر آچکا ہے وہ خاص مانے جائیں گے اور یہ صورت بدلِ الکل من البعض کی ہو جائے گی۔

اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا الخ مکہ کے کافروں نے مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکال دیا تھا اور ان کے مال پر قبضہ کر لیا تھا اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان مہاجر اپنا جو مال چھوڑ آئے تھے اور کفار مکہ نے اس پر قبضہ کر لیا تھا وہ مال کافروں کا ہی ہو گیا کفار اس کے مالک ہو گئے کیونکہ اللہ نے ایسے مہاجروں کو فقراء فرمایا ہے اور فقیر اسی کو کہتے ہیں جس کی ملکیت میں کچھ نہ ہو اس شخص کو فقیر نہیں کہا جاتا جس کی ملکیت میں مال تو ہو مگر اس کے قبضہ میں نہ ہو اور وہ ایسے مقام پر چلا گیا ہو کہ اپنے مال تک اس کی رسائی نہ ہو سکتی ہو بلکہ ایسے شخص کو خصوصیت کے ساتھ ابنُ السَّبِیل (راہ گیر مسافر) کہا جاتا ہے اس لئے آیتِ صدقات میں ابنُ السَّبِیل کا فقراء پر عطف کیا گیا ہے۔

اسی بنیاد پر امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ کافر اگر مسلمانوں کے مال پر قابض ہو جائیں تو شرعاً ان کو مالک قرار دیا جائے گا امام ابو حنیفہؒ نے کفار کے مالک ہونے کی یہ شرط لگائی کہ دارُالکفر میں کفار مسلمانوں کے مال پر منفرداً قابض ہو جائیں۔ امام مالکؒ کے نزدیک انتقالِ ملکیت کے لئے کافروں کا مسلمانوں کے مال پر صرف تسلط اور غلبہ ہو جانا کافی ہے۔

امام شافعیؒ نے فرمایا کہ قبضہ کر لینے اور تسلط حاصل کر لینے کے بعد بھی کفار مسلمانوں کے مال کے مالک نہیں ہو جاتے' ابن ہمام نے اس کے متعلق امام احمدؒ کے دو متضاد قول نقل کئے ہیں ایک قول امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کے موافق ہے اور دوسرا امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق۔

ابن جوزی نے صرف ایک روایت لکھی ہے جس میں امام احمدؒ کے قول کو امام شافعیؒ کے قول کے موافق کہا گیا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کی تائید چند احادیث سے ہوتی ہے۔ ابوداؤد نے مراسیل میں تمیم بن طرفہ کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے قبضہ میں اپنی اونٹنی پائی اور دعویٰ کیا کہ یہ اونٹنی میری ہے دونوں اپنا مقدمہ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے مدعی نے اپنے دعویٰ کے گواہ پیش کئے اور مدعیٰ علیہ نے اس امر کے گواہ پیش کئے کہ میں نے یہ اونٹنی دشمن سے خریدی ہے رسول اللہ ﷺ نے مدعی سے فرمایا جس قیمت کو اس شخص نے یہ اونٹنی خریدی ہے اگر تو لینا چاہے تو وہ قیمت دے کر تو لے لے ورنہ اونٹنی اس کی ہے۔ یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے لیکن مرسل اکثر اہلِ علم کے نزدیک قابلِ استدلال ہے۔

طبرانی نے مسند میں بروایت تمیم بن طرفہ حضرت جابر بن سمرہؓ کی طرف اس بیان کی نسبت کی ہے لیکن اس روایت کی سند میں یاسین زیات ضعیف راوی ہے دار قطنی اور بیہقی نے اپنی اپنی سنن میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (مسلمان کا) جو مال دشمن نے اپنے قبضے میں لے لیا ہو پھر مسلمان اس کو (کسی وقت) اپنے قبضہ میں (واپس) لے لیں اور چھڑا لیں اور (اصل) مالک اگر اس کو تقسیم کئے جانے سے قبل پالے تو وہ ہی اس مال کا مستحق ہے اور اگر وہ مال تقسیم کر دیا گیا ہو تو اصل مالک اگر چاہے تو قیمت دے کر لے سکتا ہے۔ اس روایت کی سند میں ایک راوی حسن بن عمارہ ہے جس کو دار قطنی نے متروک کہا ہے۔ دار قطنی کا بیان ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا میں نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرما رہے تھے کہ مالِ فئی کی تقسیم سے پہلے اگر کسی کو اپنا مال اس میں مل جائے تو وہ مال اسی کا ہے دوسروں کو تقسیم کے وقت نہ دیا جائے اور اگر تقسیم کے بعد کسی کو اپنا مال اس مالِ فئی میں دستیاب ہو تو اس کو اس مال کا کوئی حق نہیں۔ اس حدیث کی سند میں اسحاق بن عبداللہ بن فروہ ضعیف راوی ہے اور دوسری سند میں رشدین ضعیف ہے طبرانی نے حضرت ابن عمر کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ مالِ فئی کے اندر تقسیم ہونے سے پہلے اگر کسی کو اپنا مال مل جائے تو اس مال کا مالک وہی ہے (کسی اور کو نہیں دیا جائے گا اور اگر تقسیم کے بعد کسی کو اپنا مال مالِ فئی میں ملا ہو تو وہ (اس کا نہیں مانا جائے گا بلکہ) قیمت ادا کر کے لینے کا وہ زیادہ مستحق ہے اس روایت میں یاسین راوی ضعیف ہیں۔

امام شافعیؒ نے احادیثِ مذکورہ کے مضمون کی تائید میں حضرت عمرؓ کا قول پیش کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا دشمن نے مسلمانوں کا جو مال لے لیا ہو پھر وہ مال (کبھی) مسلمانوں کے ہاتھ آجائے اور کسی مسلمان کو اپنا سابق مال فَیٔ میں دستیاب ہو جائے تو مالِ فَیٔ کی تقسیم سے پہلے یہ شخص (اپنے سابق مال کا جو مالِ فَیٔ میں شامل ہو) مالک مانا جائے گا اور اگر تقسیم فَیٔ کے بعد دستیاب ہوا ہو تو بغیر قیمت ادا کئے اس مال میں اس کا کوئی حق نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ کا یہ قول شعبی نے بھی نقل کیا ہے اور جابر بن حَیوہ نے بھی۔ دونوں راویوں نے حضرت عمرؓ کا زمانہ پایا تھا دونوں کی روایت مرسل ہے، طحاوی نے اپنی سند سے بروایت قبیصہ بن ذویب بیان کیا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا مشرکوں نے مسلمانوں کا جو مال لے لیا ہو پھر (کسی وقت) وہ مال مسلمانوں کے ہاتھ لگ جائے اور اس میں کوئی مسلمان اپنا مال شناخت کرلے اور ابھی تک اس مال (فَیٔ) کی تقسیم نہ ہوئی ہو تو وہ شناخت کردہ مال اسی مسلمان کا ہوگا اور تقسیم حصص کے بعد اگر وہ مال شناخت کیا گیا ہو تو اس صورت میں اس کو (بطورِ استحقاقِ سابق) وہ مال نہیں ملے گا۔ حضرت ابو عبیدہؓ کی روایت سے بھی حضرت عمرؓ کا یہ قول مروی ہے سلیمان بن یسارؒ نے حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت سے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔

طحاوی نے بروایتِ قتادہ بوساطتِ جلاس بیان کیا کہ حضرت علیؓ نے فرمایا جس کسی کا مال دشمن نے اپنے قبضہ میں لے لیا ہو تو (صاحب مال) مسلمان اس کو خرید کرسکتا ہے۔

مذکورہ بالا احادیث میں بعض ضعیف ہیں بعض مرسل ہیں لیکن ایک کی دوسری سے تائید ہو کر قوت پیدا ہو جاتی ہے انہی احادیث کی بناء پر امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ دارُ الحرب میں مسلمان کے مال پر کافر کا قبضہ ہونا ضروری ہے پھر جب مسلمان غالب آجائیں اور اصل مالک مال اپنا (پچھلا) مال تقسیمِ فَیٔ سے پہلے کافروں سے واپس لئے ہوئے مال میں پالے تو اس کو اس کا مالک مانا جائے گا اور تقسیمِ سہام کے بعد اگر اس کو اپنا کھویا ہوا مالِ فَیٔ میں ملے گا تو اس کو مالک نہیں مانا جائے گا بلکہ اس کو اگر لینا ہوگا تو قیمت دے کرلے گا۔

اسی طرح کوئی تاجر دارُ الحرب میں جاکر مسلمان کا لُٹا ہوا مال کافروں سے خرید کر دارُ الاسلام میں لے آئے گا تو اصل مالک کو (اداشدہ) قیمت دے کر اسکا مال مل سکتا ہے اگر چاہے لے لے (سابق ملکیت کی بناء پر بلا قیمت لینے کا اسکو کوئی حق نہیں ہے)۔

یہی حکم اس صورت میں ہوگا جب کافروں نے کسی مسلمان کو (کسی دوسرے مسلمان سے لوٹا ہوا مال) مفت ہبہ کردیا ہو اس صورت میں بھی موہوب لہٗ مالک قرار پائے گا اور اصل مالک اگر لینا چاہے گا تو قیمت دے کرلے گا۔

بعض حنفیہؒ نے صحیحین کی مندرجہ ذیل حدیث کو استدلال میں پیش کیا ہے فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کل کو حضور مکہ میں کس مکان میں نزولِ اجلال فرمائیں گے۔ حضور نے فرمایا عقیل نے ہمارے لئے کوئی مکان چھوڑا ہی کہاں ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیل نے جب کہ وہ کافر تھے رسول اللہ ﷺ کے مکان پر تسلط جمالیا تھا (یعنی مالک بن بیٹھا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی اس جابرانہ مالکیت کو تسلیم کرلیا تھا) بعض اہلِ علم نے کہ اس حدیث سے (کافروں کے جابرانہ قبضہ کو تسلیم مالکیت پر دلیل نہیں لائی جاسکتی بلکہ اس سے) تو یہ ثابت ہورہا ہے کہ مسلمان کافر کے مال کا وارث نہیں ہوتا (اور نہ کافر مسلمان کے مال کا) عقیل نے ابو طالب کی وراثت میں یہ مکان پائے تھے۔ ابو طالب کے چار بیٹے تھے علیؓ اور جعفرؓ یہ دونوں مسلمان ہوگئے۔ عقیل اور طالب کافر رہے پس عقیل اور طالب اپنے باپ کے ترکہ کے وارث قرار پائے۔

امام شافعیؒ نے اپنے مسلک کے استدلال میں مندرجہ ذیل حدیث ذکر کی ہے یہ حدیث امام احمدؒ نے بھی بیان کی اور مسلم نے اپنی صحیح میں بھی۔ حضرت عمران بن حصینؓ راوی ہیں کہ بنی عقیل کے ایک آدمی کی ایک اونٹنی تھی جس کو عصباء کہا جاتا تھا یہ اونٹنی حاجیوں کے قافلہ کے سارے اونٹوں سے آگے بڑھ جاتی تھی۔ اتفاقاً اونٹنی کا مالک مع اونٹنی کے گرفتار کرلیا گیا اور رسول اللہ ﷺ نے عصباء کو روک لیا کچھ مدت کے بعد مشرکوں نے مدینہ کے باہر چرنے والے اونٹوں پر حملہ کیا اونٹوں کو لوٹ کرلے گئے ان میں عصباء بھی تھی مشرک ایک مسلمان عورت کو بھی پکڑ کرلے گئے راستہ میں جب یہ لوگ کسی منزل پر اترتے

تو اونٹوں کو اپنے صحن میں رات کو رکھتے تھے ایک رات وہ مسلمان عورت اٹھی سب لوگ سو رہے تھے۔ عورت اونٹوں کی طرف گئی جس اونٹ پر ہاتھ رکھتی وہ اونٹ بلبلانے لگتا تھا آخر عصباء کے پاس گئی اور اس پر سوار ہو کر مدینہ کی طرف چلدی اور اس نے نذر مان لی کہ اگر اللہ کافروں سے اس کو نجات دیدے گا تو وہ اللہ کے لئے عصباء ہی کی قربان کر دے گی جب مدینہ پہنچی تو اونٹنی پہچان لی گئی لوگ اس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے عورت نے (فرار ہو کر آنے اور) نذر ماننے کا ذکر کر دیا۔ حضور ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا اونٹنی نے تو میرے ساتھ کی خبر دی اور تو اسی کو قربان کر دے گی۔ حالانکہ اللہ نے اسی پر بٹھا کر تجھے بچادیا پھر فرمایا گناہ کی نذر کو پورا کرنا (جائز) نہیں اور نہ اس چیز کی نذر ماننا جائز ہے جو نذر ماننے والے کی ملک میں نہ ہو۔ دیکھو اگر مشرک اس اونٹنی کے مالک ہو گئے ہوتے تو رسول اللہ ﷺ اسکو (خود) نہ لیتے اور نہ عورت کی نذر باطل ہوتی۔

ابوداؤد نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا میرا ایک گھوڑا چلا گیا اور کافروں نے اس کو پکڑ لیا کچھ مدت کے بعد مسلمانوں کا غلبہ ہو گیا اور وہ گھوڑا مجھے واپس دیدیا گیا یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کا ہے۔ یہ بھی حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ میرا ایک غلام بھاگ کر روم پہنچ گیا پھر جب مسلمانوں کا روم پر تسلط ہوا تو وہ غلام پکڑا ہوا آیا اور خالد بن ولیدؓ نے وہ غلام مجھے واپس کر دیا۔ یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کا ہے۔ یہ دونوں حدیثیں بھی امام شافعیؒ نے اپنے مسلک کے ثبوت میں ذکر کی ہیں۔

اول حدیث کا جواب یہ ہے کہ مشرک اونٹنی کو لے کر دار الحرب میں نہیں پہنچے تھے اور دار الحرب کے اندر اونٹنی ان کے قبضے میں نہیں پہنچنے پائی تھی حدیث میں صاف صراحت ہے کہ جہاں کہیں وہ لوگ کسی منزل پر اترتے تھے تو اونٹوں کو (اپنے پڑاؤ کی) انگنائیوں میں باندھتے تھے۔

رہی دوسری حدیث تو وہ ہمارے مسلک کے موافق ہے ہمارا مسلک ہے کہ مشرک جب ہمارے مال پر غلبہ پا کر قابض ہو جائیں تو وہ اس مال کے مالک ہو جاتے ہیں پھر اگر مسلمان غالب آجائیں اور مال فیئ میں وہ مال بھی ہو جو کافر لے گئے تھے اور تقسیم سہام سے پہلے اصل مالک اپنے مال کو پہچان لے تو بلا قیمت (سابق استحقاق کی بناء پر) وہ مال اس کو دیدیا جائے گا اور تقسیم کے بعد قیمت ادا کر کے وہ اپنا مال لے سکتا ہے (چنانچہ گھوڑا حضرت ابن عمرؓ کو واپس کر دیا گیا کیونکہ تقسیم سہام اس وقت تک نہیں ہوئی تھی)۔ با غلام تو وہ خود بھاگ کر دار الحرب میں چلا گیا تھا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کفار اس کے مالک ہی نہیں ہوئے تھے جب مسلمان رومیوں پر غلبہ پا کر اس کو پکڑ لائے تو اصل مالک کو دیدیا گیا۔

کافروں سے اگر مسلمان خرید لائے یا وہ بلا قیمت کسی مسلمان کو دیدیں تو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ قیمت دے کر اصل مالک اس کو لے سکتا ہے۔

یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ یعنی اپنے اعمال حسنہ کی مقدار سے کتنے ہی گنا زائد ثواب کی طلب کرتے ہیں۔

وَیَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ یعنی اللہ کے دین کی مدد کرتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ یعنی مؤمن ہونے کے دعویٰ میں وہ سچے ہیں۔ بعض شیعہ کہتے ہیں کہ فقراء مہاجرین جن کو گھر بار چھوڑ کر نکلنا پڑا وہ مؤمن نہیں تھے، منافق تھے مؤمن ہونے کے دعویٰ میں جھوٹے تھے آیت مذکورہ کی صراحت شیعہ کے مقولہ کے خلاف ہے اس لئے ایسا کہنا اور یہ عقیدہ رکھنا کفر ہے۔

قتادہ نے کہا یہ وہ مہاجر تھے جو اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں گھر بار، مال متاع اور کنبہ قبیلہ کو چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے تھے اور راہ اسلام میں ان کو کتنی ہی شدائد برداشت کرنی پڑیں مگر انہوں نے اسلام کو اختیار کیا۔ بعض آدمیوں کی تکلیفیں اس حد تک بڑھ گئی تھیں کہ انتہائی بھوک کی وجہ سے وہ پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے، تاکہ کمر سیدھی ہی رہ سکے بعض آدمیوں کے پاس سردی سے بچنے کے لئے کوئی کپڑا نہیں تھا۔ اس لئے وہ زمین میں گڑھے کھود کر ان میں پناہ لیتے تھے۔ میں کہتا ہوں وہ لوگ راہ خدا میں شہید ہونے کے مشتاق تھے۔

بغوی نے معالم اور شرح السنۃ میں امیہ بن خالد بن عبد اللہ بن اُسید کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فقراء مہاجرین کے ذریعہ سے دعاء کشائش کیا کرتے تھے۔

مسلم نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن فقراء مہاجرین دولت مندوں سے چالیس سال پہلے جنت کی طرف بڑھیں گے۔

ابو داؤد نے حضرت ابو سعیدؓ خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے فقراء مہاجرین کے گروہ تم کو قیامت کے دن نورِ کامل حاصل ہونے کی بشارت ہو تم لوگ دولت مند آدمیوں سے نصف یوم پہلے جنت میں داخل ہو گے اور یہ (نصف یوم) بقدر پانچ سو برس کے ہوگا۔ میں کہتا ہوں شاید فقراء مہاجرین مالدار مہاجرین سے چالیس سال پہلے اور دوسرے دولت مند لوگوں سے پانچ سو برس پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

ابن المنذر نے حضرت یزید بن اصم کی روایت سے بیان کیا کہ انصار نے رسول اللہ ﷺ سے گزارش کی یارسول اللہ ہمارے اور ہمارے مہاجر بھائیوں کے درمیان زمین آدھی آدھی بانٹ دیجئے (زمین سے مراد وہ زمین تھی جو انصار کی تھی (اور اس میں سے آدھی زمین وہ مہاجرین کو دینا چاہتے تھے) حضور نے فرمایا نہیں زمین تو تمہاری ہے (زمین کی ملکیت میں شرکت نہیں ہو گی) البتہ تم ان کی طرف سے محنت کا بار اٹھالو اور پیداوار کی تقسیم کرلو (آدھی پیداوار ان کو دیدو) انصار نے کہا ہم اس پر راضی ہیں اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۹

اور ان لوگوں کا بھی حق ہے جو دار الاسلام (یعنی مدینہ) میں ان مہاجروں کے آنے سے پہلے جاگزیں تھے (اور) جو مہاجر ان کے پاس ہجرت کر کے آتے ہیں ان سے یہ محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے یہ لوگ اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے اور ان کو اپنے سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان پر (خود) فاقہ ہی ہو اور جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے پس وہی لوگ کامیاب ہیں۔ بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے انصار نے درخواست کی کہ ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے درمیان کھجور کے درخت بانٹ دیجئے حضور نے فرمایا نہیں بلکہ تم ہماری جگہ محنت کرو اور ہم پھلوں میں تم کو (برابر کا) شریک بنالیں گے انصار نے کہا بسر و چشم۔ آیت کے نزول کا ذکر اس سلسلہ میں صحیح نہیں ہے۔

تَبَوَّؤُ الدَّارَ یعنی دارِ ہجرت میں مقیم رہے اور ایمان پر جمے رہے ایمان کو انصار کی قرار گاہ اس لئے فرمایا کہ انصار برابر ایمان پر قائم رہے (کبھی قرار گاہ ایمان سے نہ ہٹے)

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اَلْاِیْمَانَ فعل محذوف کا مفعول ہو یعنی انہوں نے ایمان کو خالص رکھا، یا اَلْاِیْمَانَ سے پہلے لفظ دار محذوف ہے یعنی دارُ الْاِیْمَانِ میں وہ جمے رہے دارُ الایمان سے مراد ہے مدینہ طیبہ۔ مدینہ کو دار الایمان کہنے کی یہ وجہ ہے کہ مدینہ مظہرِ ایمان ہے حضرت جابر بن سمرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے مدینہ کا نام طابہ مقرر کیا ہے (مسلم) حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مدینہ بھٹی کی طرح ہے میل کچیل کو باہر کر دیتا ہے اور پاک صاف کو نکھار دیتا ہے (متفق علیہ) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بھی اسی مفہوم کی حدیث آئی ہے۔ (مسلم)

مِنْ قَبْلِهِمْ یعنی مہاجرین کی ہجرت سے پہلے بعض مفسرین کے نزدیک مِنْ قَبْلِهِمْ کا تعلق تَبَوَّؤُ الدَّارَ سے ہے۔

حَاجَةً بعض علماء نے کہا جس چیز کی احتیاج ہو اس کو حاجت کہتے ہیں اس جگہ مضاف محذوف ہے، یعنی وہ اپنے دلوں میں کسی حاجت کی طلب نہیں پاتے۔ بعض نے کہا حاجت سے مراد ہیں وہ باتیں جن کا باعث حاجت ہوتی ہے یعنی مال کی طلب

حسد، غصہ وغیرہ۔

مِّمَّآ اُوْتُوْا یعنی اس مالِ فَیْ کی وجہ سے جو مہاجرین کو دیا گیا اور انصار کو نہیں دیا گیا۔ رسول اللہ نے بنی نضیر کا سارا متروکہ مہاجرین کو تقسیم کر دیا تھا اور سوائے تین انصاریوں کے کسی انصاری کو اس میں سے کچھ نہیں دیا اور انصار کو اس سے خوشی ہوئی ہے (ناگواری نہیں ہوئی) محمد بن یوسف صالحی نے سبیلُ الرّشاد میں لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ بنی عوف بن عمرو کی بستی سے منتقل ہو کر مدینہ تشریف لائے (تو آپ کے ساتھ) مہاجرین بھی منتقل ہو کر مدینہ آ گئے ان مہاجرین کو مہمان رکھنے کے متعلق انصار کا باہم اختلاف ہو گیا، تمام انصار نے چاہا کہ مہاجرین ان کے گھروں میں اُتریں، آخر نوبت قرعہ اندازی تک پہنچی اور جس انصاری کا نام قرعہ میں نکل آیا وہ اپنے مہمان کو اپنے گھر لے گیا اس طرح مہاجرین انصار کے گھروں اور مالوں میں مقیم (شریک) ہو گئے، بنی نضیر کا مالِ غنیمت جب رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ آیا تو آپ نے ثابت بن قیس بن شماس کو طلب فرمایا اور حکم دیا میرے پاس اپنی قوم والوں کو بلا لاؤ، ثابت نے عرض کیا کیا خزرج کو، فرمایا (نہیں بلکہ) تمام انصار کو حسبُ الحکم ثابت نے (تمام) اوس اور خزرج والوں کو بلا لیا (جب سب آ گئے تو) کلام شروع کیا اور اللہ کی حمد و ثنا کی پھر انصار کا اور مہاجرین کے ساتھ انصار کے حسنِ سلوک کا اور اپنے مکانوں اور مالوں میں مہاجرین کو جگہ دینے کا اور مہاجرین کے لئے انصار کے ایثار کرنے کا ذکر کیا اس کے بعد فرمایا اللہ نے بنی نضیر کا جو متروکہ مجھے عنایت فرمایا ہے اگر تم چاہو تو میں وہ متروکہ تم کو اور مہاجروں کو (برابر) تقسیم کر دوں، اس صورت میں مہاجرین ان حالات پر قائم رہیں گے جن پر اب ہیں یعنی تمہارے گھروں اور تمہارے مالوں میں سکونت، اور اگر تم پسند کرو تو میں یہ مال انہیں کو دیدوں (تم کو نہ دوں) اس صورت میں وہ تمہارے گھروں کو چھوڑ دیں گے اور چلے جائیں گے، یہ تقریر سن کر حضرت سعد بن عبادہؓ اور سعد بن معاذؓ نے باہم مشورہ کے بعد عرض کیا یا رسول اللہ آپ یہ مال مہاجرین کو ہی تقسیم کر دیں اور جیسے وہ اب ہمارے گھروں میں رہتے ہیں آئندہ بھی رہیں گے۔ (دونوں سرداروں کا فیصلہ سن کر) انصار نے پکار کر کہا یا رسول اللہ ہم اس پر راضی ہیں، ہم کو یہ منظور ہے حضور ﷺ نے دعا کی اے اللہ انصار پر رحمت (نازل) فرما اس کے بعد بنی نضیر کا جو متروکہ اللہ نے اپنے رسول کو عنایت فرمایا تھا وہ آپ نے تقسیم کر دیا صرف مہاجرین کو عطا فرمایا اور انصار میں سے سوائے دو محتاج آدمیوں کے اور کسی کو نہیں دیا، ایک سہل بن حنیف دوسرے ابو دجانہ، البتہ سعد بن معاذ کو ابن ابی الحقیق کی تلوار عنایت کر دی اس تلوار کی بڑی شہرت تھی۔

بلاذری نے فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انصار سے فرمایا تمہارے مہاجر بھائیوں کے پاس مال نہیں ہے اگر تمہاری مرضی ہو تو یہ (بنی نضیر کا متروکہ) مال تم کو اور ان کو میں تقسیم کر دوں اور جو تمہارا مال اب تقسیم شدہ ہے وہ بھی تمہارے اور ان کے درمیان بانٹ دوں، اور اگر تم چاہو تو اپنا مال اپنے پاس رکھ لو، مہاجرین کو اس میں سے کچھ نہ دو) اور یہ کل مالِ فَیْ میں انہیں کو بانٹ دوں (تم کو کچھ نہ دوں) انصار نے جواب دیا حضور یہ مالِ فَیْ تو آپ انہیں کو تقسیم کر دیں اور ہمارے مال میں سے جتنا آپ چاہیں بانٹ کر ان کو دیدیں۔ اس پر آیتِ ذیل نازل ہوئی۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ یعنی اپنے مکانوں اور مالوں کے لئے مہاجرین کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں یہاں تک کہ جس انصاری کی دو بیویاں تھیں اس نے ایک کو طلاق دے کر اپنے مہاجر بھائی کا اس سے نکاح کر دیا۔

وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ خواہ ان کو کیسا ہی فاقہ اور محتاجی ہو، بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ بنی نضیر (کی جلا وطنی) کے دن رسول اللہ ﷺ نے انصار سے فرمایا باقی روایت اس طرح ہے جس طرح بلاذری نے بیان کیا۔ بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے (فاقہ کی) سخت تکلیف ہے۔ حضور نے اپنی بیویوں کے گھر کسی کو بھیجا کہ جو کچھ موجود ہو لے آئے) لیکن کسی بی بی کے گھر میں کچھ نہیں ملا، حضور نے فرمایا کیا کوئی ہے جو آج رات اس کی مہمانی کرے (یعنی کھانا کھلا دے) اللہ کی رحمت اس پر فوراً ایک انصاری کھڑا ہو گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں اس کی ضیافت کروں گا چنانچہ مہمان کو لے کر یہ صاحب اپنے گھر پہنچے اور بی بی سے کہا یہ

اللہ کے رسول کا مہمان ہے اس سے بچا کر کوئی چیز نہ رکھنا بی بی نے کہا خدا کی قسم میرے پاس تو سوائے بچوں کے کھانے کے اور کچھ نہیں ہے انصاری نے کہا جب بچے شام کا کھانا مانگیں تو حیلہ بہانہ کر کے ان کو سُلا دینا اور پھر آکر چراغ بُجھا دینا ہم (دونوں) آج رات بھوکے رہیں گے (اور بچوں کا کھانا مہمان کو کھلا دیں گے) بی بی نے ایسا ہی کیا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ بیوی نے کھانا تیار کیا اور بچوں کو سُلا دیا پھر چراغ کی بتی درست کرنے کے بہانے سے اٹھی اور چراغ بجھا دیا اور (مہمان کے ساتھ دونوں جھوٹ مُوٹ کھانے میں شریک ہوگئے) مہمان پر ظاہر کرتے رہے کہ ہم کھانے میں شریک ہیں (لیکن کھایا کچھ نہیں) دونوں رات بھر خالی پیٹ رہے، صبح کو وہ انصاری خدمتِ گرامی میں حاضر ہوئے تو حضور نے فرمایا اللہ فلاں مرد اور فلاں عورت سے بہت خوش ہوا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ مسدد نے مسند میں اور ابن المنذر نے ابوالمتوکل کی روایت سے لکھا ہے کہ وہ صاحب حضرت ثابت بن قیس بن شماس تھے۔ انہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

واحدی نے بروایتِ محارب بن دثار حضرت ابن عمرؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک صحابی کے پاس بکری کی سری بطورِ ہدیہ بھیجی گئی، انہوں نے فرمایا میرا فلاں بھائی اور اس کے بچے اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ چنانچہ اس بزرگ نے وہ سری دوسرے (مسلمان) کو بھیج دی اور پھر انہوں نے تیسرے کو اور تیسرے چوتھے کو اسی طرح وہ سری سات گھروں کا چکر کاٹ کر پھر جہاں سے چلی تھی وہیں لوٹ آئی اس پر یہ آیت وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ نازل ہوئی۔

بخاری نے حضرت انس بن مالکؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے بحرین میں جاگیریں عطا فرمانے کے لئے انصار کو طلب فرمایا انصار نے عرض کیا ہمارے بھائی مہاجرین کے لئے بھی جاگیریں کاٹ دی جائیں تو ہم بھی اپنے لئے جاگیریں کٹوالیں گے حضور ﷺ نے فرمایا (جب تم اتنا ایثار کر رہے ہو کہ بغیر مہاجرین کے جاگیریں نہیں لینا چاہتے) تو مجھ سے (قیامت کے دن) ملاقات کرنے کے وقت تک صبر رکھنا کیوں کہ اس (کا) اثر میرے بعد تم پر پڑے گا (یعنی تمہاری حق تلفی کی جائے گی اور مہاجرین کو تم پر ترجیح دی جائے گی، مگر تم صبر کرنا)

وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۔ نفس کو مال سے محبت اور خرچ کرنے سے نفرت ہوتی ہے اسی محبت و نفرت کا اس پر غلبہ رہتا ہے جو لوگ نفس کے ان تقاضوں کے خلاف عمل کرتے ہیں وہ ہی حقیقت میں فلاح یاب ہیں۔

شُح کا معنی ہے بخل اور حرص (قاموس) جوہری نے صحاح میں شُح کا معنی لکھا ہے بخل مع حرص۔

بغوی نے لکھا ہے کہ علماء کے نزدیک شُح اور بخل میں فرق ہے ایک شخص نے حضرت ابن مسعودؓ سے کہا مجھے اندیشہ ہے کہ (قیامت کے دن) میں تباہ ہو جاؤں گا حضرت ابن مسعود نے فرمایا کیا بات ہے یہ اندیشہ تم کو کیسے ہے اس شخص نے عرض کیا میں سن رہا ہوں کہ اللہ فرما رہا ہے وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ اور میں انتہائی بخیل ہوں میرے ہاتھ سے کوئی چیز نکل نہیں پاتی حضرت ابن مسعود نے فرمایا یہ وہ شُح نہیں ہے جس کا ذکر اللہ نے فرمایا ہے شُح تو یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کا مال ناجائز طور پر کھا جاؤ ہاں یہ بخل ضرور ہے اور بخل بھی بُری چیز ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کوئی شخص اپنا مال روک کر رکھے تو یہ شُح نہیں ہے شُح تو یہ ہے کہ دوسرے کے مال کو (ناجائز طور پر) آدمی لالچ کی نظر سے دیکھے۔ سعید بن جبیر نے فرمایا شُح (کا معنی) یہ ہے کہ آدمی حرام مال حاصل کرے اور زکوٰۃ نہ دے۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ شُح کا معنی ہے ایسی شدید حرص جو ممنوعات کے ارتکاب کا موجب ہوتی ہے۔

ابن زید نے کہا جس چیز (کو لینے) کی اللہ نے ممانعت کر دی ہے اس کو نہ لے اور جس چیز کو دینے کا حکم دیا ہے اس کو روک رکھنے کا موجبِ بخل نہ ہو ایسے آدمی کو شُح نفس سے محفوظ کہا جائے گا (یعنی شُح نفس سے بچنے کا یہی مفہوم ہے)

حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ظلم کرنے سے پرہیز رکھو کیونکہ قیامت کے دن ظلم تاریکیاں ہو (جائے) گا اور شُح سے بچو شُح نے تم سے پہلے لوگوں کو تباہ کر دیا اسی کے باعث انہوں نے آپس میں خون ریزیاں کیں اور حرام کو حلال بنایا۔ رواہ مسلم احمد۔

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا میں نے حضور کو فرماتے سنا کہ اللہ کی راہ میں اٹھتا ہوا غبار اور دوزخ کا دھواں کسی بندہ کے جوف میں کبھی یکجانہ ہوگا۔ (یعنی جس مجاہد کے دماغ میں جہاد میں اٹھتا ہوا غبار پہنچ جائے گا۔ اس کے دماغ میں دوزخ کا دھواں نہیں جائے گا) اور کسی ایک بندہ کے دل میں کبھی شح اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے (یعنی شح تقاضاء ایمان کے خلاف ہے) رواہ البغوی وکذا رواہ النسائی۔

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰﴾ ع ۱ ۴

اور ان لوگوں کا بھی (مالِ فَئے میں) حق ہے جو ان کے بعد آئے بعد کو آنے والے ان اگلوں کے لئے دعا کرتے اور کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ان ایمان والوں کے لئے کینہ نہ پیدا کر دینا اے ہمارے رب آپ بڑے شفیق رحیم ہیں۔

بَعْدِهِمْ یعنی مہاجرین وانصار کے بعد ان سے مراد ہیں وہ صحابی جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے اور وہ تمام مؤمن بھی مراد ہیں جو صحابہ کے بعد قیامت تک آنے والے ہیں۔

لِاِخْوَانِنَا یعنی ہمارے دینی بھائیوں کے لئے جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔ پہلوں کا پچھلوں پر بڑا حق ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ سے جن کو ہدایت ملی اور ایمان کی توفیق ہوئی ان ہی کے ذریعہ سے پیچھے آنے والے ہدایت یاب ہوئے۔

غِلًّا کینہ حسد بغض۔

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ان سے مراد ہیں مہاجرین وانصار جو بعد کو آنے والوں سے پہلے ایمان لائے اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ اگر کسی کے دل میں کسی صحابی کی طرف سے کسی طرح کا بغض ہو تو اس کا شمار ان لوگوں میں نہیں ہوگا جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے (یعنی نواصب خوارج اور شیعہ اس آیت کے مصداق نہیں ہیں۔ مترجم) یہ ابن ابی لیلیٰ کا قول ہے۔

مؤلف فصول نے جو امامیہ اثنا عشری فرقہ میں سے تھا لکھا ہے کہ ایک جماعت حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ پر نکتہ چینی کر رہی تھی حضرت جعفر محمد بن علی باقر نے ان سے فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں شامل نہیں ہو جن کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ۔ الآیۃ۔

صحیفۂ کاملہ میں آیا ہے کہ حضرت امام زین العابدین یہ دعا کیا کرتے تھے اے اللہ محمد ﷺ کے صحابہؓ پر خصوصیت کے ساتھ رحمت نازل فرما جنہوں نے صحبتِ رسول کو اچھی طرح نباہا اور رسول اللہ ﷺ کی مدد کرنے میں اچھی طرح آزمائش میں پورے اترے تیزی کے ساتھ خدمتِ رسول میں حاضر ہوئے اور دعوتِ رسول کی طرف پیش قدمی کی اور جونہی آپ نے اپنی رسالت کے دلائل بیان کئے فوراً انہوں نے قبول کر لیا اور کلمۂ توحید اور رسالت کو ظاہر کرنے میں (تامّل نہیں کیا بلکہ) اہل و عیال کو چھوڑ دیا اور نبوت کو مضبوط کرنے کے لئے اپنے ماں باپ اور اولاد سے بھی لڑے اور آپ کی وجہ سے فتح یاب ہوئے اور اے اللہ ان لوگوں پر رحمت نازل فرما) جو رسول اللہ ﷺ کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے اور آپ کی دوستی میں جان و مال کی اس تجارت کے امیدوار تھے خوخسران مال نہیں تھی اور (ان لوگوں پر بھی) رحمت نازل کر جنہوں نے اسلام کا مضبوط قبضہ پکڑ کر اپنے قبائل کو چھوڑ دیا اور ان کی رشتہ داریاں مثلاً (قرابتداروں سے) منقطع ہو گئیں اور قرابتِ رسول کے سایہ میں وہ مسکن گزیں ہو گئے۔

اے اللہ جن چیزوں کو انہوں نے تیرے لئے اور تیرے راستہ میں قربان کر دیا ان کو نظر انداز کرنا اور اپنی خوشنودی عطا فرما کر ان کو خوش کرنا اس بدلہ میں کہ انہوں نے تیرے دین پر لوگوں کو جمع کیا اور تیرے رسول کے ساتھ رہے اور تیری طرف

آنے کی لوگوں کو دعوت دی اور ان کی قدر افزائی فرما اس بنا پر کہ انہوں نے تیری راہ میں اپنی قوم کی بستیوں کو چھوڑا اور وسعت معاشی سے نکل کر تنگدست میں پڑے۔

اے اللہ اور رحمت نازل فرما ان لوگوں پر بھی جو بخوبی صحابہؓ کی پیروی کرنے والے ہوں اور کہتے ہوں۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ الخ (اے ہمارے رب ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے تھے۔الخ)

مالک بن معول کا بیان ہے مجھ سے عامر بن شرجیل شعبی نے کہا مالک ایک بات میں یہودی اور عیسائی رافضیوں سے افضل ہیں جب یہودیوں سے دریافت کیا گیا کہ تمہاری ملّت میں سب سے افضل کون لوگ تھے تو انہوں نے کہا موسیٰؑ کے صحابی اور عیسائیوں سے پوچھا گیا تمہاری امت میں کون لوگ سب سے برتر تھے تو انہوں نے کہا عیسیٰؑ کے حواری لیکن جب رافضیوں سے سوال کیا گیا کہ تمہاری ملّت میں سب سے برے کون لوگ ہیں تو کہنے لگے محمد ﷺ کے صحابی' ان کو حکم دیا گیا تھا کہ صحابہ کے لئے طلبِ مغفرت کریں تو انہوں نے بجائے دعا کرنے کے صحابیوں کو برا کہا ان کے خلاف روزِ قیامت تک تلواریں کھچی رہیں گی، ان کا جھنڈا کبھی سر بلند نہیں ہوگا، نہ ان کے قدم جمیں گے نہ ایک رائے پر ان کا اتفاق ہوگا جب بھی یہ (صحابہ کے خلاف) لڑائی کی آگ بھڑکائیں گے اللہ ان کی جماعتوں کو منتشر کر کے اور ان کے خون بہا کر لڑائی کی آگ بجھادے گا۔ اللہ ہم کو گمراہ کن خواہشات سے محفوظ رکھے۔ مالک بن انس نے فرمایا جو شخص کسی صحابی سے بغض رکھے گا یا اس کے دل میں کسی صحابی کی طرف سے کینہ ہوگا اس کو مسلمانوں کے مال فئے میں حصہ پانے کا کوئی حق نہیں ہے یہ فرما کر امام مالک نے آیت مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ تک تلاوت فرمائی۔

اکثر مفسّرین کے نزدیک تینوں اقسام کے لوگوں کے استحقاق فئے کے لئے فقیر ہونا شرط ہے۔ میرے نزدیک اَلَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ کا عطف الفقراء پر ہے اور کسی مسلمان کے مستحق فئے قرار پانے کی شرط فقیر ہونا نہیں ہے دیکھو مسافر بالاتفاق مالِ فئے کا مصرف ہے حالانکہ ہر مسافر کو فقیر نہیں کہا جاسکتا مہاجرین کے ساتھ جو لفظِ فقراء ذکر کیا اس کی وجہ صرف یہ ہے کہا اکثر مہاجرین فقراء تھے یہ قید احترازی نہیں ہے (بلکہ ایک واقعی حالت کا ذکر ہے) جیسے آیت وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ میں حجورکم کا لفظ محض واقعی بات کا اظہار ہے اکثر ایسا ہوتا ہی تھا کہ بیوی کے بطن سے گزشتہ شوہر کی جو لڑکی ہوتی تھی وہ سوتیلے باپ کی گود میں پرورش پاتی تھی میرے قول کی وجہ یہ ہے کہ باجماع علماء مالِ فئے ہر قسم کے مسلمانوں کا حق ہے خواہ غنی ہوں یا فقیر تمام مسلمان حُکّام عُمّال اور علماء اس سے بہرہ یاب ہوسکتے ہیں (مشاہرات و وظائف اس میں سے ان کو دیے جاسکتے ہیں) خواہ وہ مالدار ہوں یا نادار اسی طرح اسلامی فوج کے مصارف اس سے کئے جاسکتے ہیں فوجیوں کا نادار ہونا ضروری نہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ مالِ فئے میں سے تمام مسلمانوں کو برابر حصہ دیتے تھے حضرت عمر فاروقؓ نے فضیلت دینی اور خدمتِ اسلامی کے تفاوت کے پیشِ نظر تقسیم فئے میں بھی تفاوت کر دیا تھا۔ (لیکن مالداری اور ناداری کا لحاظ کسی نے نہیں کیا)

امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ مجھ سے ابن ابی انجیح نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر کی خدمت میں (فئے کا) کچھ مال پیش کیا گیا آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس شخص سے کچھ مال دینے کا وعدہ کیا ہو وہ آجائے یہ ارشاد سن کر حضرت جابر بن عبداللہ آئے اور کہا مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا جب بحرین کا مال آئے تو میں تجھے اتنا اتنا دونوں لپ بھر کر (اشارہ کیا) دوں گا حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا دونوں ہاتھ بھر کر لے لو، میں نے لے لیا پھر اس کو گنا تو پانچ سو تھے، پھر ارشاد فرمایا ایک ہزار اور لے لو (کیونکہ حضور اقدس نے دونوں ہاتھوں کو ملا کر اشارہ کرتے ہوئے اتنا کا لفظ مکرّر فرمایا تھا) میں نے ہزار لے لئے اس کے بعد آپ نے ہر اس شخص کو جس سے رسول اللہ ﷺ نے وعدہ کیا تھا کچھ کچھ دیا اس کے بعد بھی کچھ مال باقی رہ گیا تو آپ نے ہر مرد عورت بچے بڑے آزاد غلام سب کو برابر برابر بانٹ دیا چنانچہ ہر شخص کے حصہ میں ۹ ½ درہم آئے جب دوسرا سال آیا تو اس سے زیادہ مال آیا آپ نے وہ بھی لوگوں کو تقسیم کر دیا اس بار ہر شخص کے حصہ میں بیس درہم آئے یہ مساویانہ تقسیم دیکھ

کر کچھ مسلمان حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے اور عرض کیا اے رسول خدا کے جانشین آپ نے مال کی تقسیم کی اور سب کو برابر حصہ دیا ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن کو دوسروں پر فضیلت اور سبقت اسلامی اور پختگی حاصل ہے آپ ان کی فضیلت اور اسلامی سبقت اور تقدم کو تقسیم میں ملحوظ رکھتے تو بہتر تھا حضرت ابو بکر نے فرمایا میں اس بات کو خوب جانتا ہوں مگر اس کا ثواب تو (آخرت میں) اللہ دے گا اور یہ تقسیم معاشی ہے اس میں برابری کمی بیشی (بعض کو بعض پر ترجیح دینے) سے بہتر ہے۔ جب حضرت عمرؓ کا دور خلافت آیا اور فتوحات کا مال ملا تو آپ نے تقسیم میں فضیلت اسلامی کا لحاظ رکھا اور فرمایا جو لوگ رسول اللہ ﷺ سے لڑے ان کو میں ان لوگوں کے برابر نہیں قرار دے سکتا جو رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب رہ کر آپ کے دشمنوں سے لڑے، چنانچہ جن انصار و مہاجرین کو سبقت اسلام اور فضیلت حاصل تھی ان میں سے شرکاء بدر کو پانچ ہزار عطا کئے اور جن کو شرکاء بدر کی طرح صرف اسلامی برتری حاصل تھی ان کو ان کے فضائل کے مطابق حصہ دیا۔ امام ابو یوسفؒ نے لکھا ہے کہ مجھ سے عفرہ کے غلام عمر نے اور بعض دوسرے لوگوں نے کہا کہ جب حضرت عمرؓ کے پاس فتوحات کا مال (بکثرت) آیا تو فرمایا اس مال کی تقسیم کے متعلق ابو بکر کی ایک رائے تھی اور میری رائے ان سے الگ ہے جو لوگ رسول اللہ ﷺ سے لڑے ان کو میں ان لوگوں کے برابر نہیں رکھ سکتا۔ جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہ کر (دشمنوں سے) لڑے چنانچہ آپ نے مہاجرین وانصار میں سے ہر اس شخص جو غزوۂ بدر میں شریک رہا تھا چار چار ہزار دیے اور سوائے حضرت صفیہؓ اور حضرت جویریہؓ کے حضور کی ہر بی بی کو بارہ ہزار دیے حضرت صفیہؓ اور حضرت جویریہؓ کو صرف چھ چھ ہزار روپے ان دونوں بیویوں نے لینے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں نے دوسری بیویوں کو جو دوگنا حصہ دیا ہے وہ ان کی ہجرت کی وجہ سے دیا ہے (ان کو فضیلت ہجرت حاصل تھی) دونوں بیویوں نے فرمایا یہ وجہ نہیں بلکہ ترجیح کی یہ وجہ ہے کہ آپ کے خیال میں) رسول اللہ ﷺ کی نظر میں ان کو ہم پر برتری حاصل تھی حالانکہ حضور کی نظر میں ہمارا بھی وہی مرتبہ تھا جو ان کا تھا یہ جواب سن کر حضرت عمر نے ان کے لئے بھی بارہ بارہ ہزار کر دیئے اور رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کو بھی بارہ ہزار روپے، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو چار ہزار دیئے اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو تین ہزار، عبد اللہ نے عرض کیا ابا اسامہ کو مجھ سے ایک ہزار زائد کیوں دیئے اسامہ کے باپ کو کوئی ایسی فضیلت حاصل نہ تھی جو میرے باپ کو حاصل نہ ہو اور نہ اسامہ کو کوئی ایسی برتری حاصل ہے جو مجھے حاصل نہ ہو حضرت عمرؓ نے فرمایا اسامہ کا باپ تیرے باپ سے رسول اللہ ﷺ کو زیادہ پیارا تھا اور اسامہ حضور کی نظر میں تجھ سے زائد محبوب تھا۔

حضرت حسن اور حضرت حسین کو پانچ پانچ ہزار دیئے کیونکہ رسول اللہ کے نزدیک ان کا مرتبہ اونچا تھا (باقی) انصار و مہاجرین کے لڑکوں کو دو دو ہزار دیے لیکن جب عمرو بن ابی سلمہ سامنے سے گزرے تو فرمایا ان کو ایک ہزار بڑھا دو اس پر محمد بن عبد الرحمٰن بن جحش نے کہا ان کے باپ ابو سلمہ کو وہ فضیلت حاصل نہیں تھی جو ہمارے باپ کو حاصل نہ ہو اور نہ ان کو کوئی ایسی برتری حاصل ہے جو ہم کو نہ ملی ہو (پھر یہ حصہ میں بیشی کیوں کی گئی) فرمایا ابو سلمہ کے بیٹے ہونے کی وجہ سے تو میں نے ان کو دو ہزار دیئے اور حضرت ام سلمہؓ کی وجہ سے ایک ہزار زائد دیدیے اگر تیری ماں بھی حضرت ام سلمہؓ کے ہم پلہ ہوتی تو تجھے بھی میں ایک ہزار زائد دیدیتا۔ باقی لوگوں کو آپ نے آٹھ آٹھ سو دیئے حضرت طلحہ بن عبید اللہ اپنے بھائی کو لے کر آئے تو ان کو بھی آٹھ سو دیدیئے نضر بن انس سامنے سے گزرے تو فرمایا ان کو دو ہزار دیدو جنگ اُحد میں ان کے باپ کا (وہ) کارنامہ تھا جو دوسروں کا نہیں ہو ل شکست کے بعد انہوں نے لوگوں سے دریافت کیا رسول اللہ ﷺ کا کیا ہوا میں نے کہا میرے خیال میں حضور کو شہید کر دیا گیا یہ بات سن کر انہوں نے تلوار سونت لی اور نیام توڑ کر کہنے لگے رسول اللہ شہید ہو گئے مگر اللہ تو زندہ ہے وہ تو نہیں مرے گا یہ کہہ کر مشرکوں سے اتنا لڑے کہ شہید ہو گئے اور یہ فلاں فلاں مقام پر بکریاں چرا رہا تھا۔

حضرت عمرؓ اپنے دور خلافت میں مال کی تقسیم اسی طرح کرتے رہے امام ابو یوسفؒ نے لکھا ہے کہ مجھ سے محمد بن اسحاق نے بروایت ابو جعفر بیان کیا کہ حضرت عمرؓ نے جب تقسیم مال کا ارادہ کیا اور آپ کی رائے دوسروں کی رائے سے آخری تھی تو لوگوں نے کہا کہ پہلے آپ اپنی ذات سے شروع کیجئے (یعنی پہلے اپنا حصہ مقرر کیجئے) فرمایا نہیں۔ آپ نے رسول اللہ کے

قرابتداروں سے اَقرب فالاَقرب کے طریقہ سے تقسیم شروع کی۔ پہلے حضرت عباسؓ سے پھر حضرت علیؓ سے شروع کیا اس طرح پانچ اصول تک ترتیب وار تقسیم کی یہاں تک کہ عدی بن کعب تک پہنچ گئے ہم سے مخالد بن سعید نے شعبی کا بیان نقل کیا اور شعبی نے ایسے شخص کا حوالہ دیا جو حضرت عمرؓ کے دور میں موجود تھا کہ جب فارس اور روم کی فتوحات ہوئیں (اور مسلسل بکثرت مال آنے لگا) تو حضرت عمرؓ نے کچھ صحابیوں کو جمع کر کے دریافت کیا آپ حضرات کی کیا رائے ہے میرا خیال تو یہ ہے کہ سالانہ لوگوں کے وظائف مقرر کر دوں اور سال بھر تک مال خزانہ میں جمع کرتا رہوں اس میں بڑی برکت ہوگی صحابہؓ نے جواب دیا آپ جو چاہیں کریں انشاء اللہ آپ کو اللہ کی طرف سے توفیق نصیب ہوگی اس کے بعد آپ نے (سالانہ) عطیات مقرر کر دیئے اور فرمایا آغازِ تقرر کس سے کروں عبد بن عوف نے کہا اپنی ذات سے شروع کیجئے، فرمایا نہیں خدا کی قسم ایسا نہیں کروں گا) بلکہ بنی ہاشم سے شروع کروں گا جو رسول اللہ ﷺ کا (قریبی) قبیلہ ہے چنانچہ جو ہاشمی بدر میں شریک ہوئے تھے ان میں سے ہر ایک کو خواہ وہ غلام ہو (یعنی بنی ہاشم کا آزاد کردہ عجمی غلام یا عربی بہر حال ہر ایک کے پانچ ہزار مقرر کئے حضرت عباسؓ کے بارہ ہزار مقرر ہوئے، بنی ہاشم بنی امیہ کے وظائف مقرر کئے، بنی امیہ میں سے بھی ان لوگوں کو مقدم رکھا جو شرکاء بدر تھے اور بنی ہاشم سے قریب ترین رشتہ رکھتے تھے ان میں سے بھی ہر ایک کے پانچ ہزار مقرر کئے۔

انصار میں ہر ایک کے چار چار ہزار مقرر کئے انصاریوں میں سے پہلے محمد بن مسلمہؓ کا وظیفہ مقرر ہوا۔

امہاتُ المؤمنین میں سے ہر ایک کے دس ہزار لیکن حضرت عائشہؓ کے بارہ ہزار مقرر کئے حبش کی طرف ہجرت کرنے والوں میں سے ہر ایک کے چار ہزار، اور عمر بن ابو سلمہ کے چار ہزار مقرر ہوئے کیونکہ حضرت امّ سلمہؓ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے آپ کو ترجیح حاصل تھی۔ عبداللہ بن جحش نے کہا آپ نے ان کو ہم پر کیوں فضیلت دی پورا سوال وجواب بیان سابق میں ذکر کر دیا گیا ہے چونکہ حضرت حسن اور حضرت حسین کو رسول اللہ ﷺ سے قُربِ مرتبہ حاصل تھا اس لئے ان میں سے ہر ایک کے لئے پانچ ہزار مقرر کیا پھر دوسرے لوگوں کے لئے عربی ہوں یا آزاد کردہ عجمی تین سو اور چار سو کا وظیفہ معیّن کیا گیا۔

مہاجرین اور انصار کی عورتوں کا وظیفہ چھ سو چار سو تین سو اور دو سو مقرر ہوا کچھ مہاجرین کا وظیفہ دو ہزار ہو۔ بر فیل جب مسلمان ہو گئے تو ان کا وظیفہ بھی دو ہزار مقرر ہو گیا۔ برفیل نے کہا میری زمین میرے ہی قبضہ میں رہنے دیجئے میں اس کا خراج ویسے ہی ادا کروں گا جیسے پہلے ادا کیا جاتا تھا حضرت عمر نے اس کی درخواست منظور کر لی۔

امام ابو یوسفؒ نے لکھا ہے مجھ سے محمد بن عمرو بن علقمہ نے بحوالۂ ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن بن عوف حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان نقل کیا اس روایت میں آیا ہے کہ مہاجرین کا پانچ پانچ ہزار اور انصار کا تین تین ہزار اور امہاتُ المؤمنین کا بارہ بارہ ہزار وظیفہ مقرر کیا جب حضرت زینب بنت جحشؓ کا وظیفہ ان کی خدمت میں پہنچا تو فرمایا امیرُ المؤمنین کی اللہ مغفرت کرے اس روپیہ کی تقسیم تو میری ساتھ والیاں (یعنی دوسری امہات المؤمنین) مجھ سے زیادہ اچھی طرح کر سکتی تھیں (حضرت زینب سمجھیں کہ یہ بارہ ہزار درہم مجھے اس لئے دیئے گئے ہیں تاکہ میں دوسری بیویوں کو تقسیم کر دوں لانے والے نے کہا یہ ساری رقم تو آپ کی ہے چنانچہ وہ روپیہ آپ کے سامنے ڈال دیا گیا اور آپ نے اس کو کپڑے سے ڈھانک دیا پھر جو عورت آپ کے پاس موجود تھی اس سے فرمایا اس کپڑے کے اندر ہاتھ ڈال اور جتنا ہاتھ میں آجائے اتنا اتنا (دوسری عورتوں کو) بانٹ دے وہ عورت اسی طرح بانٹنے لگی آخر اس تقسیم کنندہ عورت نے کہا شاید آپ مجھے بھول گئیں حالانکہ آپ پر میرا حق (زائد) ہے فرمایا کپڑے کے نیچے جو باقی رہا ہے وہ تو لے لے اس نے کپڑا اٹھا کر دیکھا تو ۸۵ درہم نکلے۔ اس کے بعد حضرت زینب نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی اے اللہ اس سال کے بعد کبھی عمر کا عطیہ مجھے نہ پائے (یعنی میں اگلے سال تک زندہ نہ رہوں) چنانچہ امہات المؤمنین میں سب سے پہلے حضرت زینب کی موت ہوئی اور آپ رسول اللہ ﷺ سے جا ملیں۔

ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت زینب بنت جحشؓ تمام بیویوں سے زائد سخی تھیں۔

حضرت عمرؓ نے حضرت زید بن ثابت کو انصار کی تقسیم کا ذمہ دار بنا دیا۔ حضرت زید نے سُکّانِ عوالیٔ مدینہ سے تقسیم کا

آغاز کیا سب سے پہلے بنی الاشہل کو دیا پھر قبیلۂ اوس کو دیا کیونکہ ان کے گھر دوری پر تھے اوس کے بعد قبیلۂ خزرج کو سب سے آخر میں آپ کا خود نمبر آیا ان کا قبیلہ بنی مالک بنی نجار تھا بنی نجار مسجد کے گرداگرد رہتے تھے۔

امام ابو یوسفؒ نے لکھا ہے مجھ سے مدینہ کے ایک شیخ نے بحوالۂ اسماعیل بن مسائب بن یزید بیان کیا اور اسماعیل نے اپنے باپ کی روایت سے کہا کہ حضرت عمرؓ بن خطاب فرما رہے تھے قسم ہے اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں اس مال میں ہر شخص کا حق ہے میں دیتا ہوں اور سوائے مملوک غلام کے اور کسی کا دوسرے سے زیادہ حق نہیں ہے اور میں بھی تم میں سے ایک فرد ہوں لیکن کتاب اللہ کی رو سے لوگوں کے مراتب مختلف ہیں کوئی موروث اسلام ہے، کسی کو تقدم اسلامی حاصل ہے، کوئی غنی ہے کوئی محتاج خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا تو ضرور ایسا ہوگا کہ کوہِ صفاء پر جانور چرانے والے اس مال میں اس کا حصہ اس کی جگہ پر پہنچ جائے گا بغیر اس کے کہ (اپنے حصہ کی طلب میں) اس کا چہرہ سرخ ہو۔

قبائلِ حمیر کا رجسٹر اندراج الگ تھا۔

حضرت عمر سپہ سالارِ اعظم کا حصہ تو آٹھ اور سات ہزار کے درمیان مقرر کر دیتے تھے تاکہ ان کی غذائی ضرورتوں کی تکمیل اور متعلقہ اُمور کی درستی ہو سکے۔

پیدا ہوتے ہی بچہ کا وظیفہ مقرر کر دیا جاتا تھا نوخیز شباب ہونے پر دو سو وظیفہ ہو جاتا تھا اس سے آگے بڑھتا تھا تو اتنا ہی وظیفہ بڑھا دیا جاتا تھا جب حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ مال بہت ہو گیا تو فرمایا آئندہ سال کی اس تاریخ تک اگر میں زندہ رہا تو پچھلی جماعتوں کو ان کی اولاد سے ملا دوں گا یہاں تک کہ وظیفہ میں سب برابر ہو جائیں گے لیکن آپ کی وفات اس تاریخ کے آنے سے پہلے ہی ہو گئی۔

مسئلہ: جو مال بغیر لڑائی کے حکومتِ اسلامیہ کو مل جائے جیسے (۱) جزیہ (۲) تجارت کا عشر (ٹیکس یعنی) ۱۰/۱ (۳) وہ مال جو ڈر کے مارے کافر چھوڑ گئے ہوں (۴) کافروں سے مصالحت کرنے کی بناء پر جو مال مسلمانوں کو کافروں سے حاصل ہوا ہو (۵) زمین کا خراج (۶) مرتد کا مال جس کو قتل کر دیا گیا ہو اور وہ مر گیا (۷) لاوارث ذمّی میت کا مال (۸) بنی تغلب کی زکوٰۃ کیا ان تمام اقسام کے مال کا خمس (پانچواں حصہ) نکالا جائے گا یا نہیں۔ آئمہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کی رائے ہے کہ خمس نہیں نکالا جائے گا بلکہ مسلمانوں کے سماجی و اجتماعی مصالح کے لئے کل مال صرف کیا جائے گا، جیسے سرحدوں کی حفاظت و بندش پُلوں کی تعمیر، قاضیوں اور محتسبوں اور گورنروں اور کارندوں کی تنخواہ ہیں اور بقدرِ کفایت علماء کے وظائف اور فوجیوں کی اور ان کے اہلِ و عیال کی معاشی ضرورتوں کی تکمیل۔ امام احمدؒ کا بھی قویّ الروایت قول یہی ہے (کذا فی الہدایۃ) تجنیس میں ہے معلّمین اور متعلّمین کے وظائف اس مال سے دیئے جائیں گے تمام طالب علم اسی حکم میں شامل ہیں۔

امام شافعیؒ کا قدیم قول تھا کہ خمس صرف اس مال کا نکالا جائے گا جو کافر ڈر کر چھوڑ بھاگے ہوں، باقی اقسام میں خمس نہیں نکالا جائے گا لیکن آخری قول یہ ہے کہ تمام اقسام کا خمس نکالا جائے گا پھر خمس کے پانچ حصے کئے جائیں گے۔ ایک حصہ (یعنی کل مال کا ۲۵/۱) بنی ہاشم اور بنی مطلب کو دیا جائے گا، مال دار اور نادار کی ان میں تفریق نہ ہوگی، سب کو دیا جائے گا ہاں مذکر کا مؤنث سے دوگنا حصہ ہوگا۔ دوسرا حصہ یتیموں کا ہوگا۔ یتیم اس نابالغ بچہ کو کہتے ہیں جس کا باپ مر گیا ہو امام شافعیؒ کے قول مشہور کی بناء پر یتیم کا حصہ اس وقت ہوگا جب وہ محتاج ہو۔ تیسرا حصہ مسکینوں کا اور چوتھا حصہ مسافروں کا ہوگا۔ بر قولِ شافعی ان چاروں اصناف کو دینا ضروری ہے ایک روایت یہ بھی ہے کہ سب کو دینا ضروری نہیں بلکہ ان میں سے جو صنف اس مقام میں ہو اسی کو دینا کافی ہے۔ رہا پانچ سہام میں سے پانچواں حصہ تو وہ مسلمانوں کے (عمومی اور مشترک) مصالح میں صرف کیا جائے گا مثلاً سرحدوں کی حفاظت اور استحکام قاضیوں کی تنخواہیں اور علماء کے وظائف ان میں بھی جو احوال اور ضرورت کے لحاظ سے اہم ہوگا اس کو دیا جائے گا۔

رہے باقی چار خمس (یعنی ۵/۴ یا پچیس میں سے بیس سہام) تو زیادہ ظاہر یہی ہے کہ وہ ان لوگوں کی معاشی امداد میں صرف

ہو گا جن کی معاشی کفالت ضروری ہے یعنی وہ مجاہدین جو جہاد کے لئے تیار کئے گئے اور جہاد پر ان کو لگایا گیا ہو ان کے ناموں کا ایک رجسٹر رکھا جائے گا اور بقدرِ کفایت ہر ایک کو دیا جائے گا ان میں قریش کا نمبر اول ہو گا اور قریش میں سے بھی بنی ہاشم اور بنی مطلب کو مقدم رکھا جائے گا پھر بنی عبد شمس کا پھر بنی نوفل کا پھر بنی عبد العزیٰ کا اس کے بعد قریش کی دوسری شاخوں کا نمبر آئے گا، اور دوسری شاخوں میں وہ لوگ واجبُ التقدیم ہوں گے جو رسول اللہ ﷺ سے قرب اور قرابت رکھتے ہوں گے اس کے بعد انصار کو پھر باقی عرب کو پھر عجم کو تقسیم کیا جائے گا۔ رجسٹر میں ان لوگوں کے ناموں کا اندراج نہیں ہو گا جو نابینا ہوں یا اپاہج ہوں یا جہاد کرنے اور دشمن سے لڑنے کے قابل نہ ہوں۔ اگر چاروں خمس (یعنی پچیس میں کے بیس) جہادی دستوں کے مصارف سے زائد ہوں تو ہر ایک کی محنت اور ذمہ داری کو ملحوظ رکھ کر انہی کو تقسیم کر دیئے جائیں گے مناسب یہ ہے کہ اس کا کچھ حصہ گھوڑوں کی خریداری اور سرحدوں کے استحکام کے لئے صرف کیا جائے۔

مذکورہ بالا طریقِ تقسیم تو اموالِ منقولہ کے متعلق تھا زمین اور غیر منقولہ جائیداد کا حکم الگ ہے۔ صحیح مسلک یہ ہے کہ (باغ، زمین، کنویں وغیرہ) غیر منقولہ جائیداد کو وقف کر دیا جائے اور اس سے جو کچھ حاصل ہو اس کو منقولہ اموال کی طرح تقسیم کیا جائے۔ کذافی المنہاج۔

جمہور ائمہ (ابو حنیفہؒ، مالکؒ، احمدؒ) کے قول کی تائید محمد بن یوسف صالحی کے اس بیان سے ہوتی ہے جو سبیلُ الرّشاد میں ذکر کیا گیا ہے اور اس میں بنی نضیر کے مال کا حکم نقل کیا گیا ہے۔ محمد بن یوسف نے کہا کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے خدمت گرامی میں عرض کیا یا رسول اللہ (بنی نضیر کے متروکہ مال میں) کیا آپ تقسیم سہام خمس نہیں کریں گے؟ فرمایا اللہ نے جس مال کو مؤمنوں کے سہام سے الگ رکھا ہے میں اس کو اس مال کی شکل نہیں دے سکتا جس میں تقسیم سہام ہوتی ہے۔

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ امام شافعی جو جزیہ کو پانچ سہام پر تقسیم کرنے کے قائل ہیں علماء کے نزدیک امام کا یہ قول خلافِ اجماع ہے کرخی نے لکھا ہے کہ اس قول کا کوئی قائل نہیں نہ امام شافعی سے پہلے کسی نے یہ قول کہا نہ آپ کے زمانہ میں نہ آپ کے بعد امام شافعی نے صرف مالِ غنیمت پر قیاس کیا ہے۔

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجر کے مجوسیوں سے اور نجران کے عیسائیوں سے جزیہ لیا اور اہلِ یمن پر جزیہ مقرر کیا مگر کسی روایت میں یہ نہیں آیا کہ اس جزیہ کو آپ نے پانچ سہام پر تقسیم کیا ہو اگر حضور نے ایسا کیا ہوتا تو ضرور روایت میں آتا۔

ابو داؤد نے ضعیف سند سے بیان کیا ہے کہ عمر بن عبد العزیز نے اپنے گورنروں کو لکھ بھیجا کہ عمر بن خطاب نے جو حکم دیا مسلمانوں نے اس کو مبنی بر انصاف اور رسول اللہ کے فرمان کے موافق جانا۔ واللہ اعلم۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ⑪ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ⑫

کیا آپ نے ان منافقین (یعنی عبد اللہ بن اُبَی وغیرہ) کی حالت نہیں دیکھی کہ اپنے (ہم مذہب) بھائیوں سے جو کفار اہلِ کتاب ہیں (یعنی بنی نضیر سے) کہتے ہیں کہ واللہ اگر تم نکالے گئے تو ہم تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور تمہارے معاملہ میں ہم کبھی کسی کا کہنا نہیں مانیں گے اور اگر تم سے (کسی کی) لڑائی ہوئی تو ہم تمہاری مدد ضرور کریں گے اور خدا گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں اگر اہلِ کتاب (یعنی یہودی) نکالے گئے تو یہ (منافق) ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان (یہودیوں) سے لڑائی ہوئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور اگر (بالفرض) ان کی مدد بھی کی تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں پھر ان کی کوئی مدد نہ ہو گی۔

اَلَّذِیۡنَ نَافَقُوۡا یعنی عبداللہ (بن اُبی) بن سلول اور اس کے ساتھی۔
لِاِخۡوَانِهِمُ یعنی اپنے کافر بھائیوں سے جو کفر میں یا دوستی اور موالات کے لحاظ سے ان کے بھائی ہیں۔
مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ یعنی یہودی بنی نضیر اور بنی قریظہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ عبداللہ بن سلول نے بنی نضیر کے پاس دو قاصد بھیج کر کہلوایا تھا تم مدینہ سے مت نکلنا میرے پاس دو ہزار آدمی ہیں جو تمہارے ساتھ قلعہ بند ہو جائیں گے۔ ابن ابی حاتم نے سدی کا قول نقل کیا ہے کہ بنی قریظہ میں سے کچھ لوگ (بظاہر) مسلمان ہو گئے ان میں سے کچھ لوگ منافق تھے انہیں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی اس روایت کے بموجب بھائیوں سے نسبی بھائی مراد ہوں گے یہ منافق بنی نضیر سے کہتے تھے کہ مدینہ میں اپنے گھروں کا تخلیہ نہ کرنا اگر تم کو تمہارے گھروں سے یعنی مدینہ سے) نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے۔
لَا نُطِيۡعُ فِيۡكُمۡ اَحَدًا اَبَدًا یعنی رسول اللہ کہیں یا کوئی مسلمان کسی کا کہا تمہارے معاملہ میں نہیں مانیں گے نہ تمہارے ساتھ مل کر (مسلمانوں کی) لڑائی سے دست کش ہوں گے نہ تم کو بے مدد چھوڑنے کا مشورہ مانیں گے۔
اَحَدًا یعنی نہ رسول اللہ ﷺ اور نہ دوسرے مسلمان۔
وَاِنۡ قُوۡتِلۡتُمۡ یعنی اگر رسول اللہ اور مسلمان تم سے لڑیں گے۔
لَئِنۡ اُخۡرِجُوۡا یعنی اگر یہودی نکالے گئے۔
لَا يَنۡصُرُوۡنَهُمۡ تو یہ منافق ان کی مدد نہیں کریں گے۔ یہ پیشین گوئی ایک معجزۂ نبوت ہے۔ پیشین گوئی کے مطابق واقعہ بھی یہی ہوا بنی نضیر مدینہ سے نکالے گئے لیکن نہ عبداللہ بن سلول نے ان کا ساتھ دیا نہ بنی قریظہ کے منافقوں نے پھر قریظہ سے جنگ ہوئی اور وہ مارے گئے تو مدینہ کے منافقوں نے ان کی مدد نہیں کی۔
وَلَئِنۡ نَّصَرُوۡا اور بالفرض اگر منافقوں نے مدد بھی کی۔ زجاج نے کہا اس فقرہ کا معنی یہ ہے کہ اگر منافق یہودیوں کی مدد کا ارادہ کریں گے۔
ثُمَّ لَا يُنۡصَرُوۡنَ پھر یہودیوں کی مدد نہیں ہوگی یعنی جب یہودیوں کے مددگار شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوں گے تو یہودی کامیاب نہیں ہوں گے ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا) یہ بھی جائز کہ لَا يُنۡصَرُوۡنَ کی ضمیر منافقوں کی طرف راجع ہو۔

لَاَنۡتُمۡ اَشَدُّ رَهۡبَةً فِیۡ صُدُوۡرِهِمۡ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿۱۳﴾ لَا يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ جَمِيۡعًا اِلَّا فِیۡ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوۡ مِنۡ وَّرَآءِ جُدُرٍؕ بَاۡسُهُمۡ بَيۡنَهُمۡ شَدِيۡدٌ ؕ تَحۡسَبُهُمۡ جَمِيۡعًا وَّقُلُوۡبُهُمۡ شَتّٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۴﴾

(اے مسلمانو!) بیشک تمہارا خوف ان (منافقوں) کے دلوں میں اللہ کے خوف سے بھی زیادہ ہے یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں۔ یہ لوگ سب مل کر بھی تم سے نہیں لڑیں گے مگر حفاظت والی بستیوں میں یا (قلعے اور شہر پناہ کی) دیواروں کی آڑ میں ہو کر ان کی لڑائی آپس ہی میں بڑی تیز ہے (اے مخاطب) تو ان کو باہم متفق خیال کرتا ہے حالانکہ ان کے دل غیر متفق (متفرق) ہیں یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ بے عقل لوگ ہیں۔
اَشَدُّ رَهۡبَةً فِیۡ صُدُوۡرِهِمۡ مِّنَ اللّٰهِ یعنی لوگوں کے ڈر سے وہ بظاہر زبان سے تو ایمان لے آتے ہیں لیکن دلوں میں ان کے کفر رہتا ہے اور اللہ ان کے باطنی کفر کو جانتا ہے مگر وہ اللہ سے نہیں ڈرتے اور دل سے ایمان نہیں لاتے۔
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ الخ یہ اللہ کی نسبت تم سے زیادہ خوف زدہ ہونا اس سبب سے ہے کہ وہ اللہ کو نہیں پہچانتے اس کی عظمت کو نہیں جانتے اتنا نہیں سمجھتے کہ نفع اور ضرر پہنچانے والا اللہ ہی ہے بندوں کے سارے اعمال وافعال اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں اس لئے اسی سے ڈرنا چاہئے۔
لَا يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ یعنی کفار اور منافق تم سے نہیں لڑیں گے۔
جَمِيۡعًا یعنی کسی عزم اور متفقہ رائی پر جمع ہو کر۔

اِلَّا فِیْ قُرًی مُّحَصَّنَةٍ مگر ان بستیوں میں رہ کر جو محفوظ ہیں قلعہ بند ہیں یا ان کے ارد گرد خندق کھود دیئے گئے ہوں مراد یہ ہے کہ تمہارے مقابلہ میں آکر تم سے نہیں لڑیں گے کیونکہ وہ تم سے سخت خوف زدہ ہیں۔

بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ یعنی تمہارے مقابلہ پر آکر نہ لڑنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ فطرةً اور تخلیقاً بزدل اور ڈرپوک ہیں کیونکہ جب وہ آپس میں لڑتے ہیں اور کافروں کی ایک جماعت دوسری کافر جماعت سے لڑتی ہے تو بڑی بہادری سے لڑتے ہیں بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں میں تمہارا خوف ڈال دیا ہے بڑے سے بڑا بہادر اور عزت والا جب اللہ اور اس کے رسول کے مقابلے پر لڑتا ہے تو بزدل اور خوفزدہ ہو جاتا ہے۔

تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا یعنی تم خیال کرتے ہو کہ وہ تم سے لڑنے پر متفق ہیں۔

وَقُلُوبُهُمْ شَتَّى مگر ان کے دل متفرق ہیں اللہ نے ان کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دیا ہے ایک بات پر ان کے دل نہیں جمتے دُنیوی مصالح کے حصول کے پیشِ نظر کبھی لڑنا چاہتے ہیں اور تمہارے خوف کی وجہ سے کبھی بھاگ جانے کا ارادہ کرتے ہیں۔

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ الخ یہ پراگندگی خیال اور ایک رائے پر نہ جمنا اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ بے عقل ہیں حق و باطل میں امتیاز نہیں کر سکتے نہ غور کرتے ہیں نہ اتنا سمجھتے ہیں کہ یہ خوف زدہ ہونا صرف اس وجہ سے ہے کہ ان کے دلوں پر کفر چھایا ہوا ہے اور نبی برحق کے مقابل وہ صف آرا ہیں۔

كَمَثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٥﴾ ان لوگوں کی سی مثال ہے جو ان سے کچھ ہی پہلے ہوئے ہیں کہ وہ (دنیا میں بھی) اپنے کردار کا مزہ چکھ چکے اور (آخرت میں بھی) ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔

كَمَثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا یعنی بنی نضیر کی مثال ویسی ہے جیسی ان سے کچھ ہی پہلے والے لوگوں نے کی تھی۔

مجاہد کا قول ہے کہ اَلَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا سے مراد وہ مشرکین ہیں جو بدر میں مسلمانوں سے لڑے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا بنی قینقاع کے یہودی مراد ہیں بنی قینقاع حضرت عبداللہ بن سلام کے قبیلہ والے تھے انہوں نے عبداللہ بن ابی بن سلول یا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ وغیرہ سے معاہدہ کر رکھا تھا۔ یہ لوگ سناری کا کام کرتے تھے اور قوم یہود میں سب سے زیادہ بہادر تھے۔

ذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ یعنی کفر اور عداوتِ رسول کی بدانجامی کا دنیا میں بھی انہوں نے مزہ چکھ لیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی سکونت چھوڑ کر مدینہ میں رونق افروز ہوئے تو تمام یہودیوں نے آپ سے ایک معاہدہ کر لیا اور عہد نامہ لکھ دیا گیا اور جو لوگ یہودیوں کے یا رسول اللہ کے معاہدہ اور حلیف تھے ان کو بھی معاہدہ نامہ کے اندر اسی فریق سے ملحق کر دیا گیا جس کے وہ حلیف بنے اس معاہدہ میں متعدد دفعات ہیں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ اگر کسی فریق کا کوئی دشمن ہو تو اس فریق کے خلاف اس کے دشمن کی مدد فریق ثانی نہیں کرے گا جب بدر کی لڑائی کفارِ مکہ سے ہوئی تو بنی قینقاع نے سب سے پہلے عہد شکنی اور معاہدہ کی خلاف ورزی کی علی الاعلان باغی ہو گئے اور اندرونی عداوت کے مظاہرہ پر اتر آئے انہی حالات میں ایک مسلمان بدوی عرب عورت قینقاع کے بازار میں آئی اور ایک سنار کے پاس کسی زیور (خریدنے) کے لئے بیٹھی لوگوں نے اس کا چہرہ بے نقاب کرنا چاہا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا سنار نے پیچھے سے اس کے کپڑے کا ایک کونہ کسی کانٹے میں الجھا دیا عورت کو پتہ بھی نہیں ہوا جب وہ اٹھی تو اس کا ستر کھل گیا لوگ ہنسنے لگے وہ چیخ پڑی یہ دیکھ کر ایک مسلمان نے سنار پر حملہ کر دیا اور اس کو قتل کر دیا سنار یہودی تھا یہودیوں نے اس مسلمان کو قتل کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا معاہدہ (پس پشت) پھینک دیا شہید مسلمانوں کے متعلقین نے مسلمانوں کو پکارا مسلمان غضبناک ہو گئے اس طرح مسلمانوں میں اور بنی قینقاع کے یہودیوں میں فساد ہو گیا اس پر آیت وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ نازل ہوئی۔

حضور نے فرمایا مجھے قینقاع سے خیانت عہد کا اندیشہ ہے اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ (بنی قینقاع کی طرف) روانہ ہو گئے حضرت حمزہ بن عبد المطلب کو جھنڈا سپرد کیا مدینہ میں ابو الباء کو اپنا جانشین مقرر کیا یہودی قلعہ بند ہو گئے حضور نے ان کا سخت ترین محاصرہ پندرہ روزہ تک جاری رکھا۔ آخر اللہ نے یہودیوں کے دلوں میں رُعب ڈال دیا اور وہ حضور کے حکم کے مطابق قلعہ سے اتر آئے اور شرط یہ کی کہ ان کا سارا مال تو رسول اللہ ﷺ کا ہو جائے گا لیکن ان کے اہل و عیال انہی کے رہیں گے (ان کو باندی غلام نہیں بنایا جائے گا) رسول اللہ ﷺ نے ان کی مشکیں باندھنے کا حکم دیدیا اور اس کام کو منذر بن قرامہ سلمی کے سپرد کیا حضرت عبادہ بن صامتؓ چل کر رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میرا مقصد اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی حاصل کرنا ہے میں ان کافروں کے معاہدہ (مُوالات) سے دست بردار ہوتا ہوں یہ دیکھ کر عبد اللہ بن اُبی بن سلول نے حضور ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کیا اور یہ اس وقت عرض کیا جب اللہ نے اپنے رسول کو یہودیوں پر قابو دیدیا، کہنے لگا محمد میرے دوستوں کے معاملہ میں مجھ پر احسان کیجئے (ان کو معاف کر دیجئے) حضور نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا عبد اللہ نے آپ کے پیچھے سے آپ کے گریبان میں ہاتھ ڈال دیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ارے مجھے چھوڑ، تیرا برا ہو حضور کو اتنا غصہ آیا کہ چہرہ مبارک پر غضب کے آثار لوگوں نے دیکھے فرمایا ارے تیرا برا ہو مجھے چھوڑ، کہنے لگا خدا کی قسم میں اس وقت تک آپ کو نہیں چھوڑوں گا جب تک آپ مجھ پر احسان کر کے میرے حلیفوں کے معاملہ میں حسنِ سلوک نہیں کریں گے، یہ سات سو ہیں چار سو غیر مسلح اور تین سو ہتھیار بند آپ کل صبح کو یکدم ان کو کاٹ دیں گے خدا کی قسم مجھے (زمانہ کی) گردشوں کا خوف ہے۔ حضور نے فرمایا ان کو چھوڑ دو ان پر اللہ کی لعنت اور ان پر بھی لعنت جو ان کے ساتھی ہیں غرض حضور نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیدیا تین روز کے بعد وہ چلے گئے ان کو نکال دینے پر عبادہ بن صامت مامور ہوئے محمد بن مسلمہ نے کہا کہ مدینہ سے نکال کر ان کو اذرعات بھیج دیا۔ حضور نے ان کے اسلحہ میں سے (اپنے لئے) دو زرہیں تین بھالے اور تین تلواریں لیلیں ان کے گھروں میں بہت اسلحہ اور سناری کے اوزار ملے سب کا خُمس (پانچواں حصہ) نکال کر باقی چار حصے ساتھیوں کو تقسیم کر دیئے گئے بدر کے بعد (مالِ غنیمت یہ پہلا خُمس تھا ہجرت سے بیس ماہ کے خاتمہ پر نصف شوال ۲ھ کو بروز ہفتہ یہ واقعہ ہوا عبد اللہ بن اُبی بن سلول اور عبادہ بن صامت کے متعلق آیات یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَ النَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ.... ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ تک نازل ہوئیں۔ سورتِ مائدہ میں ہم اس کی تفصیل ذکر کر چکے ہیں۔

وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ یعنی آخرت میں ان پر عذابِ الیم ہو گا دُنیوی عذاب آخرت کے عذاب کو کم نہیں کر دے گا۔

کَمَثَلِ الشَّیْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اکْفُرْ ۚ فَلَمَّا کَفَرَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْکَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶﴾ فَکَانَ عَاقِبَتَھُمَآ اَنَّھُمَا فِی النَّارِ خَالِدَیْنِ فِیْھَا ؕ وَذٰلِکَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۷﴾ ع ۵

شیطان کی ایسی مثال ہے کہ (اول تو) انسان سے کہتا ہے کافر ہو جا جب وہ کافر ہو جاتا ہے تو اس سے کہتا ہے میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں سو آخری انجام دونوں کا یہ ہوا کہ دونوں دوزخ میں گئے جہاں ہمیشہ رہیں گے اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔

کَمَثَلِ الشَّیْطٰنِ الخ یعنی عبد اللہ بن اُبی اور اس جیسے دوسرے منافق جو یہودیوں کو جنگ پر آمادہ کرتے تھے ان کی مثال شیطان کی سی ہے۔

اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اکْفُرْ الخ بغوی نے لکھا ہے کہ عطاء وغیرہ نے بحوالۂ ابن عباس بیان کیا کہ ایامِ فترت (انقطاع نبوت کا زمانہ جو حضرت عیسیٰؑ کے بعد سے رسول اللہ ﷺ کی بعثت تک تھا) میں ایک راہب (تارکُ الدنیا درویش) تھا جس کو برصیصا کہا جاتا تھا ستر برس تک یہ راہب اپنے عبادت خانہ میں اللہ کی عبادت کرتا رہا کبھی ایک لمحہ کے لئے اللہ کی نافرمانی نہیں کی اس کے سلسلہ میں ابلیس اپنی ساری تدبیریں کر کے عاجز آ گیا مگر اس کو نہیں بہکا سکا آخر ایک دن اس نے تمام خبیث شیطانوں کو جمع

کیا اور کہنے لگا مجھے کوئی بھی اب تک ایسا نہ ملا جو برصیصا کے معاملہ میں میرا کام پورا کر دیتا حاضرین میں ایک شیطانِ ابیض (گورا شیطان) بھی تھا۔ یہ شیطان وہی تھا جو انبیاء کے ساتھ لگا رہتا تھا اور جبرئیلؑ کی شکل میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے بھی آیا تاکہ بر طریقِ وحی حضور کے دل میں وسوسہ پیدا کر سکے، جبرئیلؑ نے اس کو دھکے دے کر ہندوستان کے آخری حصہ تک بھگا دیا تھا۔ اسی گورے شیطان نے ابلیس سے کہا میں آپ کا کام پورا کر دوں گا۔ چنانچہ وہ اس مجلس سے چلا اور راہبوں کا ایسا لباس پہنا اور وسطِ سر کے بال مونڈ کر برصیصا کے عبادت خانہ تک جا پہنچا اور (نیچے سے) برصیصا کو آواز دی برصیصا نے کوئی جواب نہیں دیا برصیصا دس دن میں صرف ایک دن نماز سے فارغ اور دس ہی دن میں صرف ایک دن روزہ ناغہ کرتا تھا گورے شیطان نے جب دیکھا کہ برصیصا نے اس کو کوئی جواب نہیں دیا تو برصیصا کی خانقاہ کے نیچے ہی عبادت میں مشغول ہو گیا۔ عبادت سے مقررہ وقت پر) فارغ ہو کر جب برصیصا نے اپنے عبادت خانے سے جھانک کر دیکھا تو گورے شیطان کو بہترین راہبانہ ہیئت میں نماز میں کھڑا ہوا پایا یہ صورت دیکھ کر اس کو جواب نہ دینے پر اپنے دل میں پشیمانی ہوئی اور کہنے لگا آپ نے مجھے پکارا تھا مگر میں آپ کی طرف متوجہ نہیں ہوا آپ کا مجھ سے کیا کام ہے گورے شیطان نے کہا میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں تاکہ آپ کے ساتھ مل کر عبادت کروں اور آپ کے علم و عمل سے بہرہ اندوز ہوں اور ہم دونوں عبادت میں لگ جائیں آپ میرے لئے دعا کریں اور میں آپ کے لئے دعا کروں، راہب نے کہا میں تمہاری طرف متوجہ نہیں ہو سکتا اگر تم مؤمن ہو تو میں عام مؤمنوں کے لئے جو دعا کرتا ہوں اگر وہ دعا خدا قبول فرمالے گا تو تم کو بھی اس میں شامل کر دے گا یہ کہہ کر برصیصا پھر نماز کی طرف متوجہ ہو گیا اور گورے شیطان کو چھوڑ دیا، گورا شیطان بھی نماز میں مشغول ہو گیا برصیصا نے چالیس روز تک اسکی طرف کوئی التفات نہیں کی (نماز میں مشغول رہا) چالیس روز کے بعد جب نماز سے فارغ ہوا تو گورے شیطان کو نماز میں کھڑا پایا آخر شیطان کی اتنی سخت کوشش دیکھ کر برصیصا نے پوچھا تمہارا کیا مطلب ہے گورے شیطان نے کہا میرا مقصد یہ ہے کہ آپ مجھے اجازت دیدیں میں بھی اوپر آپ کے پاس آجاؤں برصیصا نے اجازت دیدی گورا شیطان اوپر برصیصا کے پاس خانقاہ میں آگیا اور اس کے ساتھ ایک سال تک عبادت میں مشغول رہا پورا چلہ ختم ہونے سے پہلے روزہ کا افطار ناغہ نہیں کرتا تھا۔ برصیصا نے جب (عبادت میں) اس کی یہ محنت دیکھی تو خود اپنی ذات اس کو حقیر معلوم ہونے لگی اور شیطان کی حالت پر اس کو تعجب ہوا سال پورا ہو گیا تو گورے شیطان نے برصیصا سے کہا اب میں جا رہا ہوں کیونکہ آپ کے علاوہ میرا ایک اور ساتھی ہے (میں اس کے پاس جاؤں گا) میرا خیال تو یہ تھا کہ آپ اس سے زیادہ عبادت گزار ہوں گے لیکن آپ کے متعلق جو کچھ میں نے سنا تھا آپ کی حالت اس سے غیر پائی یہ بات سن کر برصیصا کو (اپنی کم محنت ہونے کی) شدید تکلیف ہوئی اور چونکہ شیطانِ ابیض کی شدید ریاضت دیکھ چکا تھا۔ اس لئے اس کی جدائی راہب پر شاق گزری، رخصت ہوتے وقت گورے شیطان سے برصیصا سے کہا مجھے کچھ دعائیں آتی ہیں میں آپ کو وہ سکھاتا ہوں جس مشغلہ میں آپ ہیں وہ دعائیں اس سے بہتر ہیں آپ ان کو پڑھ کر اللہ سے دعا کریں گے تو اللہ بیمار کو شفا عطا کرے گا دکھی کو سکھی کر دے گا اور آسیب زدہ کو ٹھیک کر دے گا برصیصا نے کہا مجھے یہ مرتبہ پسند نہیں میرے لئے اپنا ہی مشغلہ (بہت کافی) ہے مجھے ڈر ہے کہ جب لوگ اس کی خبر پائیں گے تو میری عبادت میں خلل انداز ہو جائیں گے گورا شیطان برابر اصرار کرتا رہا آخر راہب کو وہ دعائیں سکھا کے چھوڑا اس کے بعد چلا گیا اور ابلیس سے جا کر کہا واللہ میں نے اس شخص کو تباہ کر دیا پھر یہاں سے واپس چلا گیا راستہ میں ایک آدمی ملا اس شیطان نے اس کا گلا گھونٹ دیا اور طبیب کی ہیئت میں اس شخص کے گھر والوں سے جا کر کہا تمہارے ساتھی کو آسیب (یا جنون کا دورہ ہے) کیا میں اس کا علاج کر دوں لوگوں نے کہا ہاں۔ جا کر مریض کو دیکھا اور بولا اس پر چڑیل (جنات کی عورت) کا اثر ہے میں اس پر قابو نہیں پا سکتا البتہ تم کو ایک ایسے آدمی کا پتہ بتاتا ہوں جو اللہ سے دعا کر کے اس کو اچھا کر سکتا ہے۔ غرض اس نے برصیصا کا پتہ بتا دیا اور کہا تم اس کے پاس جاؤ اس کے پاس اسم اعظم ہے جب وہ اسمِ اعظم لے کر دعا کرتا ہے تو قبول کر لیتا ہے لوگ برصیصا کے پاس گئے اور اس سے دعا کرنے کی درخواست کی اس نے انہی الفاظ سے دعا کر دی جو گورے شیطان نے اس کو سکھائے تھے۔ فوراً مریض پر جس شیطان کا تسلط تھا وہ شیطان بھاگ گیا۔ گورے

شیطان نے بہت سے لوگوں سے ایسی ہی حرکت کی اور برصیصا کا پتہ بتاتا رہا اور لوگ اچھے ہوتے رہے ایک بار شیطان ابیض بنی اسرائیل کی کسی شاہزادی پر اثر انداز ہوا اس لڑکی کے تین بھائی تھے اور باپ بادشاہ تھا بادشاہ مر گیا اور اپنے بھائی کو اپنا جانشین بنا گیا لڑکوں کا چچا بادشاہ ہو گیا تو گورا شیطان شہزادی کی طرف متوجہ ہوا اس کو سخت اذیت دی اور گلا گھونٹ دیا پھر اس کے بھائیوں کے پاس طبیب کی شکل میں آیا اور بولا کیا تم چاہتے ہو کہ میں اس کا علاج کردوں ان لوگوں نے کہا ہاں کہنے لگا ایک بڑا خبیث اس کے درپے آزار ہے اور مجھ میں اس کو دور کرنے کی طاقت نہیں البتہ ایک شخص کا میں پتہ بتاتا ہوں جس پر تم اعتماد رکھتے ہو لڑکی کو اس کے پاس لے جاؤ جب اس پر وہ خبیث آئے گا اور وہ شخص اس کے لئے دعا کرے گا تو لڑکی اچھی ہو جائے گی۔ تم کو یہ بات معلوم ہو جائے گی، اور لڑکی کو بعافیت واپس لے آؤ گے لوگوں نے کہا وہ کون شخص ہے، گورے شیطان نے کہا برصیصا زاہد شہزادوں نے کہا وہ ہماری بات کیسے مانیں گے ان کا مقام تو بہت بلند ہے۔ شیطان نے کہا اس کی خانقاہ کے برابر ایک اور عبادت خانہ تعمیر کروانا اونچا کے وہاں سے اس کی خانقاہ کے اندر جھانک سکو پھر وہاں سے اپنا مقصد اس سے کہو اگر مان لے تو خیر نہ مانے تو اپنے تعمیر کردہ عبادت خانہ میں لڑکی کو چھوڑ آؤ اور برصیصا سے کہہ دو یہ (تمہاری نگرانی میں ہماری امانت ہے) بغرض ثواب اس کی نگرانی رکھنا الحاصل شہزادے برصیصا کی طرف گئے اور اس سے درخواست کی لیکن اس نے انکار کر دیا شیطان کے مشورے کے مطابق شہزادوں نے راہب کی خانقاہ کے برابر ایک عبادت خانہ تعمیر کرا دیا اور لڑکی کو اس میں رکھ دیا اور (راہب سے کہا) یہ ہماری امانت ہے بغرض ثواب اس کی نگرانی رکھنا یہ کہہ کر واپس آ گئے جب (مقررہ ایام گزرنے کے بعد) برصیصا نے نماز ختم کی تو ایک حسین لڑکی پر نظر پڑی اور ایسی نظر پڑی کہ وہ لڑکی اس کے دل نشین ہو گئی اور اس پر بڑی مصیبت آ گئی اس کے بعد شیطان نے آکر اس لڑکی کا گلا گھونٹ دیا برصیصا نے اس کے لئے گورے شیطان کی بتائی ہوئی دعائیں کیں شیطان اتر گیا برصیصا نماز میں مشغول ہو گیا شیطان نے آکر پھر اس کا گلا گھونٹ دیا اس مرتبہ بیہوشی میں وہ اپنا ستر بھی کھولنے لگی گورے شیطان نے آکر برصیصا سے کہا اب تو اس پر جا پڑ پھر توبہ کر لینا اللہ گناہ معاف کر دینے والا ہے معاف کر دے گا اور تیرا مقصد پورا ہو جائے گا۔ ردو کد کے بعد برصیصا لڑکی پر جا پڑا اور اس کے بعد مسلسل لڑکی کے پاس جاتا رہا آخر لڑکی حاملہ ہو گئی اور اس کا حمل نمایاں ہو گیا، تو شیطان اس کے پاس آیا اور کہنے لگا ارے برصیصا تو رسوا ہو گیا۔ اب مناسب یہ ہے کہ تو لڑکی کو قتل کر دے پھر توبہ کر لینا اگر وہ لوگ پوچھیں تو کہنا اس کا جن اس کو لے گیا۔ مجھ میں بچانے کی قدرت نہیں تھی۔ برصیصا نے لڑکی کو قتل کر دیا پھر (رات کو) لے جا کر پہاڑی کے کنارے دفن کر دیا دفن کرتے وقت شیطان نے آکر لڑکی کی چادر کا ایک کونہ پکڑ لیا اس طرح چادر کا ایک گوشہ قبر کی مٹی سے باہر رہ گیا۔ برصیصا اپنی خانقاہ میں لوٹ آیا اور نماز میں مشغول ہو گیا۔ لڑکی کے بھائی اپنی بہن کی خبر گیری کے لئے آئے اور دریافت حال کے لئے آتے رہتے تھے۔ انہوں نے آکر دریافت کیا برصیصا ہماری بہن کیا ہوئی برصیصا نے جواب دیا شیطان آکر اس کو اڑا لے گیا اور مجھ میں بچانے کی قدرت نہیں تھی۔ ان لوگوں نے برصیصا کی بات پر یقین کر لیا سب لوٹ آئے شام ہوئی تو بھائی غم زدہ تو تھے ہی سوتے میں شیطان نے بڑے بھائی سے خواب میں کہا کہ برصیصا نے تمہاری بہن کے ساتھ یہ حرکتیں کیں پھر اس کو فلاں جگہ دفن کر دیا اس بھائی نے اپنے دل میں کہا یہ خواب ہے، اور شیطانی خیال ہے برصیصا تو بہت بزرگ آدمی ہے وہ ایسا نہیں کر سکتا تین رات برابر شیطان اس کو یہی خواب دکھاتا رہا لیکن اس نے کوئی پرواہ نہیں کی آخر شیطان خواب میں منجھلے بھائی کے پاس گیا اور اس سے بھی یہی بات کہی مگر اس نے بھی وہی خیال کیا جو بڑے بھائی نے کیا تھا اور کسی سے کچھ بیان نہیں کیا آخر میں تیسرے بھائی کے پاس خواب میں جا کر شیطان نے یہی بات کہی اس نے اپنے دونوں بھائیوں سے یہ خواب بیان کر دیا منجھلے اور بڑے نے بھی اپنے خواب ظاہر کر دیئے پھر تینوں برصیصا کے پاس گئے اور کہا برصیصا ہماری بہن کیا ہوئی برصیصا نے کہا میں تو تم کو پہلے ہی بتا چکا ہوں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم مجھے تہمت زدہ کرنا چاہتے ہو، یہ بات سن کر شہزادوں کو اس سے شرم آئی اور کہنے لگے ہم آپ پر تہمت نہیں دھرتے یہ کہہ کر لوٹ آئے شیطان نے پھر خواب میں آکر ان سے کہا ارے تمہاری بہن تو فلاں مقام پر دفن ہے اور اس کی چادر کا ایک گوشہ قبر کی مٹی سے اوپر دکھ رہا ہے ان لوگوں نے جا کر دیکھا تو جیسا خواب میں دیکھا

تھا دیسا ہی پایا پھر تو مزدوروں اور غلاموں کو لے کر کسیوں اور کدالوں سے ان لوگوں نے برصیصا کا عبادت خانہ ڈھا دیا اور اس کو عبادت خانہ سے اتار کر مشکیں کس کر بادشاہ کے پاس لے گئے ادھر گورے شیطان نے برصیصا سے کہا (تو انکار نہ کرنا) اگر تو نے انکار کیا تو تجھ پر دو جرم عائد ہو جائیں گے قتل کا اور پھر انکارِ قتل کا۔ برصیصا نے اقرار کر لیا تو بادشاہ نے اس کو قتل کرنے اور سُولی پر چڑھانے کا حکم دیدیا سُولی پر چڑھاتے وقت وہی گورا شیطان آیا اور برصیصا سے کہا کیا تو مجھے پہچانتا ہے برصیصا نے کہا نہیں، بولا میں وہی ہوں جس نے تجھے دعائیں سکھائی تھیں اور تیری دعائیں قبول ہوئیں امانت میں خیانت کرتے تجھے خدا سے ڈر نہیں لگا۔ تیرا تو دعویٰ تھا کہ میں تمام بنی اسرائیل سے بڑھ کر عبادت گزار ہوں مگر تجھے شرم نہیں آئی اسی طرح برابر شرم دلاتا رہا پھر آخر میں کہنے لگا کیا جو کچھ تو نے کیا وہی کافی نہ تھا کہ تو نے اقرارِ جرم کر لیا اور خود اپنے کو بھی رُسوا کیا اور اپنے جیسے دوسرے (عبادت گزار) لوگوں کو بھی رُسوا کیا اگر تو اسی حالت پر مر گیا تو تیری مثل دوسرے (عابد زاہد) لوگ کبھی فلاح یاب نہیں ہوں گے۔ (ہر ایک عابد کو لوگ مکار دھوکہ باز کہیں گے) برصیصا نے پوچھا تو اب میں کیا کروں کہنے لگا میری ایک بات مان لے اگر وہ بات مان لے گا تو میں تجھے موجودہ حالت سے بچا کر لے جاؤں گا میں لوگوں کی نظر بندی کر دوں گا اور تجھے اس جگہ سے نکال لے جاؤں گا برصیصا نے پوچھا وہ کیا بات ہے کہنے لگا بس مجھے سجدہ کر لے۔ برصیصا نے کہا میں ایسا کرتا ہوں، شیطان نے کہا برصیصا میرا مقصد پورا ہو امیں یہی چاہتا تھا تیرا انجام یہی ہوا کہ تو کافر ہو گیا اب میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔

اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ میں اللہ سے جو ربّ العالمین ہے ڈرتا ہوں۔ شیطان نے یہ بات محض دکھاوے کے لئے کہی (سچے دل سے نہیں کہی) کیونکہ خدا کا خوف شیطانوں کی سرشت میں ہی نہیں رکھا گیا ہے۔ اہلِ تفسیر کے بعض اقوال میں آیا ہے کہ الانسان سے جنسِ انسان مراد ہے اور جس طرح آمر اپنے مامور کو حکم دے کر کسی کام پر آمادہ کرتا ہے اسی طرح شیطان انسان کو کفر پر برانگیختہ کرتا ہے اور اس اندیشہ سے کہ انسان کے ساتھ (اغوا کرنے کا) اس پر عذاب نہ ہو قیامت کے دن یہ بات کہے گا۔ اسی کی مثل دوسری آیات میں بھی آیا ہے۔

اللہ نے ارشاد فرمایا ہے وَقَالَ الشَّیْطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِیَ عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ۔

بعض اہلِ تفسیر کے نزدیک "الانسان" سے ابو جہل مراد ہے ابلیس نے (شیخ نجدی کی شکل میں آکر) اس سے بدر کے دن کہا تھا۔

لَا غَالِبَ لَكُمُ الْیَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰی عَقِبَیْهِ وَقَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّیْۤ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ۔

اس آیت میں "اخاف اللہ" کا مطلب یہ ہو گا کہ میں اس دنیا میں ہلاک ہونے سے ڈرتا ہوں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾

اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص کو دیکھنا چاہئے کہ کل کے دن کے لئے اس نے کیا پہلے سے بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو جو کچھ تم کرتے ہو بلاشبہ اللہ اس سے باخبر ہے۔

نَفْسٌ یعنی ہر شخص کا نفس۔

مَا قَدَّمَتْ کیا چیز اس نے پہلے سے بھیجا ہے نیک عمل جو نجاتِ آخرت کا سبب ہے یا برا عمل جو آخرت میں تباہ کُن ہو گا۔ دیکھنے سے مراد یہ ہے کہ نیک عمل کو اختیار کرنا اور برے عمل سے استغفار کرنا اور بچنا چاہئے۔

لِغَدٍ یعنی قیامت کے دن کے لئے روز قیامت کو کل کا دن کہنے کی یہ وجہ ہے کہ (کل کے دن کی طرح) روز قیامت قریب ہی ہے یا یہ کہ دنیا ایک دن ہے اور آخرت دوسرا دن حدیث میں آیا ہے دنیا ایک دن ہے اور دنیا میں ہمارا روزہ ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ تکرار جملہ تاکید کے لئے ہے یا اول حکم تقویٰ سے مراد ہے اداء فرائض اور دوسرے سے مراد ہے ممنوعات سے باز داشت اگلی آیت اس مرادی مفہوم کا قرینہ ہے کیونکہ اگلا جملہ نافرمانوں کے لئے وعید عذاب ہے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَأَنْسٰهُمْ أَنْفُسَهُمْ ۚ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿۱۹﴾ لَا يَسْتَوِيٓ أَصْحٰبُ النَّارِ وَأَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُونَ ﴿۲۰﴾

اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جنہوں نے اللہ کے احکام سے بے پروائی کی تو اللہ نے خود ان کو ان کی جانوں سے بے پرواہ بنا دیا یہی لوگ نافرمان ہیں دوزخی اور جنتی باہم برابر نہیں اہلِ جنت ہی کامیاب ہیں۔

نَسُوا اللّٰهَ اللہ کو بھول گئے یعنی بے پروائی کے ساتھ ممنوعات کا ارتکاب کرتے ہیں اور واجبات کو ترک کرتے ہیں۔ اللہ کی پرواہ نہیں کرتے۔

فَأَنْسٰهُمْ أَنْفُسَهُمْ یعنی اللہ نے نفس کے آرام و راحت اور کامیابی سے بے پرواہ کر دیا اس لئے نفسوں کی بھلائی اور فائدہ کے لئے کچھ نہیں کرتے یا یہ مراد ہے کہ قیامت کی ہولناکیاں ایسی ہوں گی جو ان سے خود ان کے نفسوں کو فراموش کرا دیں گی۔

أُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ یعنی پورے پورے نافرمان ہیں۔

لَا يَسْتَوِيٓ أَصْحٰبُ النَّارِ الخ یعنی جن لوگوں نے اپنے نفسوں کو ذلیل و حقیر کیا اور مستحقِ دوزخ ہو گئے اور جن لوگوں نے اپنے نفسوں کو کامل بنا دیا اور مستحقِ جنت ہو گئے یہ دونوں گروہ برابر نہیں ہیں۔

شافعیہؒ نے استدلال کیا کہ مسلم اور غیر مسلم برابر نہیں اس لئے مؤمن کو کافر کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

شافعیہ کا یہ استدلال غلط ہے کیونکہ آیت سے مراد یہ ہے کہ آخرت میں مؤمن و کافر برابر نہیں ہیں کیونکہ اگلی آیت میں فرمایا ہے اہلِ جنت ہی کامیاب ہیں یعنی آخرت میں۔

لَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهٗ خٰشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۚ وَتِلْكَ الْأَمْثٰلُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۱﴾ اور اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو (اے مخاطب) تو اس کو دیکھتا کہ خدا کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا اور ان مضامینِ عجیبہ کو ہم لوگوں کے فائدے کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور کریں۔

لَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ الخ بعض اہلِ تفسیر کے نزدیک آیت میں ایک تمثیل ہے یعنی اللہ اگر پہاڑ میں قوت تمیز پیدا کر دیتا اور پھر اس وقت قرآن اُتارتا تو پہاڑ عاجزی سے دب جاتا خوف سے پھٹ جاتا اور عظمتِ قرآن سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ باوجود یہ پہاڑ نہایت سخت ٹھوس اور باوزن ہیں لیکن ان کو خوف ہو تاکہ وہ تعظیم قرآن پوری طرح جیسا کہ حق ہے ادا نہ کر پاتے اس وجہ سے پارہ پارہ ہو جاتے لیکن کافر انسان جو صاحبِ علم و عرفان ہے قرآن کے اندر جو نصیحتیں اور عبرتیں ہیں ان کو جانتا پہچانتا ہے پھر بھی سنی اَن سنی کر دیتا ہے (بالکل اثر پذیر نہیں ہوتا) یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جمادات اور نباتات بظاہر بے شعور اور عدیم الحس ہیں لیکن اپنے خالق کا شعور رکھتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ سے کہتا ہے کیا تیرے اوپر کوئی بندہ خدا اللہ کو یاد کرتا ہوا گزرا۔ (صحیح تحقیق یہ ہے کہ قدماء یونان جو نباتات و جمادات کو بے حس اور عدیم الشعور کہتے ہیں وہ غلط ہے موجودہ سائنس نے نباتات میں تو شعور ثابت کر دیا اور عنقریب جمادات کا حساس ہونا بھی ظاہر ہو جائے گا۔ اللہ نے پہلے ہی فرمایا ہے وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ یہ تسبیح مقالی ہے حالی نہیں، یہ مراد نہیں کہ ہر شئی تخلیقاً اپنے خالق کے بے عیب ہونے پر دلالت کر رہی ہے ہر مصنوع اپنے صانع پر دال ہے یہ مطلب صراحتِ آیت کے خلاف ہے کیونکہ آیت کا آخری جز بتا رہا ہے کہ انسان تسبیح اشیاء کو

نہیں سمجھتا اب اگر تسبیح سے تسبیح حالی مراد لی جائے اور تسبیح حالی کا معنی یہ لیا جائے کہ ہر مخلوق فطرۃً اپنے خالق و فاطر کے بے عیب ہونے پر دلالت کر رہی ہے تو اس تسبیح اشیاء سے تو یونانی کافر بلکہ جاہل بے علم بھی واقف تھے اور ہیں پھر نفی تفقہ کے کچھ معنی نہیں اس سے ثابت ہوا کہ تسبیح مقالی ہی مراد ہے مگر ہر چیز کی نوعی زبان جدا جدا ہے جس کو ہر نوع کے افراد ہی سمجھتے ہیں پہاڑ پہاڑ کی بولی سمجھتا ہے اور پانی پانی کی بات سمجھتا ہے انسان ان کی بولی نہیں سمجھتے معجزۂ نبوت اس سے مستثنیٰ ہے عام انسان اسی بولی کو سمجھتے ہیں جو مخارج حروف اور او تاد الصوت کی مرہون ہے اور اسی کو وہ کلام اور مقال کہتے ہیں پس رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا بالکل صحیح ہے کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ سے کہتا ہے۔ وغیرہ اور سچ فرمایا اللہ نے یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مترجم۔

لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ اس آیت میں اشارہ اور توبیخ ہے اس امر پر کہ انسان غور و فکر سے کام نہیں لیتا اور اتنا سخت دل ہے کہ تلاوت قرآن کے وقت اس کے اندر خشوع نہیں پیدا ہوتا۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾ ع ۶

وہ ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا اور کوئی معبود بننے کے لائق نہیں وہ جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا وہی بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے وہ وہی اللہ ہے کہ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں وہ بادشاہ ہے سب عیبوں سے پاک ہے (آئندہ بھی ہر عیب و نقص سے) سلامت رہنے والا ہے امن دینے والا ہے نگہبانی کرنے والا ہے زبردست ہے خرابی کا درست کر دینے والا ہے بڑی عظمت والا ہے پاک ہے اللہ ان کافروں کی شرک آفرینی سے وہی معبود برحق ہے پیدا کرنے والا ٹھیک ٹھیک بنانے والا اصورتیں بنانے والا اسی کے اچھے اچھے نام ہیں جو چیزیں آسمانوں میں اور زمین میں ہیں سب اس کی پاکی ظاہر کرتی ہیں اور وہی زبردست ہے اور حکمت والا ہے۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ غیب اور شہادت کی تشریح تفصیل کے ساتھ سورۂ جن کی آیت لَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ کے ذیل میں کر دی گئی ہے۔

اَلْقُدُّوْسُ ہر عیب سے بالکل پاک اور ان تمام باتوں سے جو اس کی شان کے مناسب نہیں قطعاً منزہ۔

اَلسَّلٰمُ ہر نقص اور خرابی سے سالم۔ سلام مصدر ہے بطور مبالغہ صفت کی جگہ ذکر کیا گیا۔

اَلْمُؤْمِنُ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا امن دینے والا کافروں کو ظلم سے اور مؤمنوں کو عذاب سے اس تفسیر پر المؤمن امان سے مشتق ہوگا اور امان کا مفہوم تخویف (خوف زدہ کرنا) کی ضد ہے۔ بعض اہل علم نے المؤمن کا ترجمہ کیا ہے تصدیق کرنے والا یعنی معجزات عطا کر کے اپنے پیغمبروں کی تصدیق کرنے والا۔

اَلْمُهَيْمِنُ اپنے بندوں کا نگراں۔ ہَيْمَنَ نگرانی کی نگہبانی کی حضرت ابن عباس مجاہد قتادہ سدی اور مقاتل نے یہی ترجمہ کیا قاموس میں بھی یہی معنی مذکور ہے۔ ہَيْمَنَ عَلٰى كَذَا کا معنی ہے حفاظت کی نگرانی کی نگہبانی رکھی۔ خلیل کا بھی قول ہے بعض علماء ادب کا قول ہے کہ مُهَيْمِنُ اصل میں ءَامِنٌ تھا ساکن الف کو یا سے بدل دیا مُأَيْمِنُ ہو گیا پھر متحرک ہمزہ کو ہاء سے بدل دیا مُهَيْمِنُ ہو گیا اس تشریح پر مہیمن کا ترجمہ ہوگا مؤمن امن دینے والا یا تصدیق کرنے والا ابن زید کا یہی قول ہے سعید بن مسیب، ضحاک اور ابن کیسان نے کہا یہ اللہ کا ایک نام ہے آسمانی کتابوں میں آیا ہے۔ اس کا معنی صرف وہی جانتا ہے۔

اَلْجَبَّارُ بڑی عظمت والا کذا قال ابن عباس جبروت اللہ اللہ کی عظمت۔ اس توضیح پر الجبار اللہ کی صفت ذات ہوگی۔ بعض اہل عربیت کے نزدیک الجبر سے مشتق ہے اور جبر کا معنی ہے درست کرنا محاورہ میں کہا جاتا ہے جبرتِ الامر میں

نے وہ کام ٹھیک کر دیا۔ جبرت العظم میں نے ہڈی کو جوڑ دیا اللہ بھی فقیر کو غنی کر دیتا ہے اور ٹوٹے کو جوڑ دیتا ہے حدیث میں آیا ہے وہ ٹوٹی ہڈی کو جوڑ دینے والا ہے سدی اور مقاتل نے کہا جبار اس کو کہتے ہیں جو طاقت کے ساتھ سب لوگوں پر غالب ہو اور جو کچھ ارادہ کرلے اس کو اپنی غالب کل قوت سے اس کو پورا کرلے۔ ایک عالم سے جبار کا معنی دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا جبار وہ غالب کل ہے کہ جو اگر کسی کام کا ارادہ کرے تو اس کو پورا کرلے کوئی اس کو روک نہ سکے۔

اَلْمُتَكَبِّرُ مبالغہ کا صیغہ باب تفعل میں استعمال مبالغہ کے لئے ہے کبر اور کبریاء کا معنی ہے محفوظ رہنا اللہ ہر اس بات سے محفوظ ہے جو موجب احتیاج یا باعث نقص و عجز ہو۔ متکبر کا ترجمہ بڑی عظمت والا بھی کیا گیا ہے۔ بعض نے کہا ذوالکبریا بادشاہ کو کہتے ہیں۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ اللہ مشرکوں کی شرک آفرینی سے پاک ہے کیونکہ مذکورہ اوصاف میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

اَلْخَالِقُ ہر چیز کا اندازہ کرنے والا دوسری آیت میں آیا ہے يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ قاموس میں ہے خالق موجد بغیر مثالِ سابق کے اختراع کرنے والا۔

اَلْبَارِئُ ٹھیک بغیر تفاوت کے ایجاد کرنے والا۔

اَلْمُصَوِّرُ بغوی نے لکھا ہے مخلوق کی ایسی تصویری علامات بنانے والا کہ ان میں باہم امتیاز ہو جائے۔ محاورہ میں کہا جاتا ہے ھٰذِہٖ صورۃُ الامر یہ اس کام کی مثال ہے۔ شروع میں اللہ نے اندازہ کیا، پھر وجود کا جامہ پہنایا، پھر صورت گری کی۔ صحاح میں ہے کہ تصویر اشیاء کے ان نقوش کو کہتے ہیں جن کی وجہ سے ہر چیز دوسری سے ممتاز ہو جاتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں محسوس اور محض عقلی غیر محسوس محسوس کو تو تمام لوگ خواہ خاص ہوں یا عوام بلکہ ہر انسان اور بہت سے حیوانات جان لیتے ہیں سمجھ لیتے ہیں۔ جیسے انسان کی گھوڑے کی اور جمادات کی محسوس صورتیں معائنہ کے بعد ہر شخص جان لیتا ہے میں کہتا ہوں انہی محسوس صورتوں کے ذریعہ سے ہی زید، عمر سے ممتاز ہوتا ہے۔ غیر محسوس تصویر کو صرف خاص خاص لوگ جانتے ہیں۔ عوام کے ادراک کی رسائی عقل وہاں تک نہیں ہوتی جیسے انسان کے امتیازی افعال اور مختلف اشیاء کی وہ اندرونی خصوصیات جن کی وجہ سے ایک چیز دوسری چیز سے ممتاز ہو جاتی ہے۔ ان دونوں صورتوں کی طرف آیات ذیل میں اشارہ کیا گیا ہے ارشاد فرمایا ہے۔

خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ...... خَلَقَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ...... فِيْ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ ..... هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صورتہٖ اللہ نے آدم کو اپنی شکل پر بنایا اس حدیث میں مراد ہے انسان کی وہ خاص ہیئت جو آنکھوں سے بھی دکھائی دیتی ہے اور چشم باطن سے بھی وہ خصوصیت انسانیہ محسوس ہوتی ہے یہ وہ خصوصیت ہے جس کی وجہ سے بکثرت مخلوق پر انسان کو برتری حاصل ہے۔ صورتہٖ کے لفظ میں اللہ کی طرف صورت کی اضافت حقیقی نہیں کیونکہ اللہ ہر مشابہت سے پاک ہے، نہ اس کا کوئی جزء ہے نہ ہیئت۔ اس جگہ اضافت سے مقصود ہے انسان کی فضیلت کا اظہار اور عزت آفرینی جیسے ناقۃُ اللہ (اللہ کی اونٹنی) بیتُ اللہ (خانۂ خدا) میں ناقہ صالح اور کعبۂ ابراہیمی کی فضیلت کا اظہار مقصود ہے۔ میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ اپنی صورت پر بنانے سے مراد ہو اپنی صفات علم، قدرت، ارادہ وغیرہ) عطا فرمانا کیونکہ یہی وہ صفات ہیں جن کی وجہ سے انسان نے خلعت خلافت زیب تن کیا اور بار امانت برداشت کیا۔ یہ تمام تشریح اس وقت ضروری ہوگی جب صورتہٖ کی ضمیر اللہ کی طرف لوٹائی جائے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ یہ ضمیر آدم کی طرف راجع ہو یعنی اللہ نے آدم کو ان کی خاص صورت پر بنایا اور وہ امتیازی شکل عطا فرمائی جو آدم کے سوا کسی اور مخلوق کو نہیں دی گئی۔

اَلْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى یعنی وہ نام جو اچھے اوصاف اور بہترین معانی پر دلالت کرتے ہیں (ان کے معانی میں کوئی عیب و نقص نہیں ہے)۔

اَلْحَکِیْمُ جامع کمالات اللہ کی قدرت کاملہ اور علم ہمہ گیر ہے اور تمام کمالات کا سرچشمہ اور مجموعہ یہی دونوں صفات ہیں۔

حضرت معقل بن یسارؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص صبح کے وقت تین بار اعوذباللّٰہ السّمیع العلیم من الشّیطٰن الرّجیم پڑھ کر سورۂ حشر کے آخر کی تین آیات پڑھے گا اللہ ستّر ہزار فرشتے مقرّر کردے گا جو شام تک اس کے لئے دعاءِ رحمت کرتے رہیں گے۔ اگر وہ اس روز مر جائے گا تو شہید مرے گا اور بجائے صبح کے اگر شام کو پڑھے گا۔ تب بھی اس کو یہی ملے گا۔ رواہ الترمذی وقال حدیث غریب۔

حضرت ابوامامہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو شخص رات کو یا دن کو سورۂ حشر کی آخری آیات پڑھے گا اور اس رات میں یا دن میں اس کی رُوح قبض کرلی جائے گی۔ تو اس کے لئے جنت واجب ہو جائے گی۔

سورۃ الممتحنۃ

یہ سورۃ مکی ہے اس میں تیرہ ۱۳ آیات اور دو ۲ رکوع ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بغوی وغیرہ نے بیان کیا کہ ابوعمرو بن صفی بن ہاشم بن عبد مناف کی باندی سارہ مکہ سے مدینہ آئیں۔ رسول اللہ ﷺ اس زمانہ میں فتح مکہ کی تیاری کر رہے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تو مسلمان ہو کر آئی ہے؟ کہنے لگی نہیں، فرمایا تو پھر کس وجہ سے آئی ہے؟ بولی آپ ہی لوگ میرے گھر والے کنبہ والے اور آقا تھے اپنے آقاؤں کے چلے آنے کے بعد میں سخت محتاج ہو گئی اس لئے آپ لوگوں کے پاس آئی ہوں کہ آپ لوگ مجھے کھانے پینے کو دیں کپڑے دیں اور سواری کے لئے اونٹ دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا مکہ کے جوان کیا ہوئے وہ تیری خبر گیری نہیں کرتے؟ سارہ مغنیہ بھی تھی اور نوحہ خواں بھی، کہنے لگی بدر کے واقعہ کے بعد کسی کام کی (نہ مرثیہ خوانی کی نہ گانے کی) کوئی فرمائش نہیں آئی، رسول اللہ ﷺ نے بنی عبد المطلب کو اس کی مدد کے لئے ترغیب دی۔ بنی مطلب نے اس کو خرچ بھی دیا کپڑے بھی دیئے اور سواری بھی دی۔

حاطب بن ابی بلتعہ ایک شخص تھے۔ (جو بدری تھے۔ مترجم) جو بنی اسد بن عبد العزّیٰ کے حلیف (معاہد تھے) حاطب نے اہل مکہ کے نام ایک خط لکھا اور سارہ کے پاس گئے اس کو ایک چادر اور دس دینار اس شرط پر دیئے کہ وہ حاطب کا خط مکہ والوں کو پہنچا دے حاطب نے لکھا تھا، از حاطب بن بلتعہ بنام اہل مکہ رسول اللہ ﷺ تم پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں اپنی احتیاط کر لو سارہ خط لے کر روانہ ہو گئی۔ جبرئیلؑ نے آکر رسول اللہ ﷺ کو حاطب کے خط کی اطلاع دے دی، حضور ﷺ نے حضرت علیؓ، حضرت عمارؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت مقداد بن اسودؓ اور حضرت ابو مرثدؓ کو (سارہ کے تعاقب میں) روانہ کر دیا یہ حضرات گھوڑوں پر سوار ہو کر چل دیئے، حضور ﷺ نے ان کو حکم دیا روانہ ہو جاؤ جب نخلستان خاخ پر پہونچنا تو وہاں تم کو ایک عورت ملے گی جو اونٹ پر سوار ہو گی اس کے پاس مشرکوں کے نام حاطب بن ابی بلتعہ کا ایک خط ہو گا وہ خط اس سے لے لینا اور پھر اس کو جانے دینا اگر وہ خط نہ دے تو اس کی گردن مار دینا یہ حضرات اس مقام پر پہنچے جس کا ذکر رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا تو وہاں واقعی وہ عورت ملی ان حضرات نے کہا وہ خط کہاں ہے وہ قسم کھا کر بولی میرے پاس تو کوئی خط نہیں ہے ان صاحبان نے ہر چند تلاش کیا اور اس کے سامان کی تفتیش کی لیکن خط نہیں ملا آخر (بے نیل و مرام) واپسی کا ارادہ کر لیا حضرت علیؓ نے فرمایا، خدا کی قسم نہ ہم جھوٹے ہیں نہ رسول اللہ ﷺ نے جھوٹ فرمایا خط ضرور اس کے پاس ہے یہ کہہ کر آپ نے تلوار نیام سے کھینچ لی اور فرمایا خط نکال ورنہ میں تجھے ننگا کر کے تیری گردن اڑا دوں گا جب عورت نے دیکھا کہ واقعی یہ لوگ ایسا کریں گے تو اپنے چونڈے سے خط نکال کر دے دیا چوٹی کے بالوں میں اس نے وہ خط چھپا رکھا تھا ان بزرگوں نے وہ خط لے کر اس کا راستہ چھوڑ دیا نہ اس سے کوئی تعرض کیا نہ اس کے سامان سے اور خط لا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضور ﷺ نے حاطب کو طلب کیا اور ان سے فرمایا کیا تم اس خط کو پہچانتے ہو؟ حاطب نے عرض کیا جی ہاں فرمایا تم نے ایسی حرکت کیوں کی؟ حاطب نے کہا واللہ میں جب سے مسلمان ہوا ہوں میں نے کفر نہیں کیا اور جب سے آپ کا خیر خواہ ہوں کبھی آپ سے کھوٹ نہیں کی اور جب سے کافروں کو چھوڑا کبھی ان سے محبت نہیں کی، لیکن بات یہ ہے کہ ہر مہاجر کا کوئی نہ کوئی (عزیز، دوست) مکہ میں موجود ہے جو اس کے گھر والوں کا محافظ ہے اور میں وہاں اجنبی تھا اور میرے بیوی بچے وہاں ان کے پاس موجود تھے مجھے اپنے گھر والوں کی فکر ہوئی اور میں نے ارادہ کیا کہ کوئی

احسان ان پر کردوں تاکہ وہ میرے اہل وعیال کی حفاظت رکھیں اور مجھے یہ یقین ہی تھا کہ اللہ مکہ والوں پر اپنا عذاب نازل فرمائے گا اور اللہ کے عذاب کے مقابلے میں میری یہ تحریر ان کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے حاطب کے قول کی تصدیق کی اور ان کے عذر کو قبول فرمالیا۔ حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا یارسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیجئے میں اس منافق کی گردن ماردوں حضور ﷺ نے فرمایا عمرؓ تم کو کیا معلوم شاید اللہ نے اہل بدر کے اچھے برے تمام احوال دیکھنے کے بعد ہی فرمایا ہے اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ قَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ جو چاہو کرو میں نے تم کو معاف کردیا۔

صحیحین میں آیا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مجھے اور زبیر کو اور مقداد بن اسودؓ کو بھیجا اور فرمایا جاؤ نخلستانِ خاخ پر پہنچو گے تو وہاں تم کو ایک عورت ملے گی جو اونٹ پر سوار ہوگی ایک خط اس کے پاس ہوگا وہ خط اس سے لے کر میرے پاس لے آنا حسب الحکم ہم نکل کر چل دیئے اسی نخلستان پر اس عورت کو پایا ہم نے کہا خط نکال، کہنے لگی میرے پاس خط نہیں ہے ہم نے کہا خط نکال کردے ورنہ کپڑے اتار، آخر اپنے چونڈے سے اس نے خط نکال کر دیا۔ ہم خط لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئے وہ تحریر حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے مکہ کے کچھ مشرکوں کے نام تھی، حاطب نے رسول اللہ کی کچھ باتوں کی اطلاع مشرکوں کو دی تھی، حضور گرامی ﷺ نے حاطب سے فرمایا حاطب نے عرض کیا یارسول اللہ جلدی نہ فرمائیے بات یہ تھی یارسول اللہ میں قریش میں سے نہیں ہوں ان کے ساتھ ملحق ہوں آپ کے پاس جتنے مہاجر ہیں ان کی رشتہ داریاں مکہ میں قریشیوں سے ہیں جس کی وجہ سے وہ لوگ مہاجروں کے گھر والوں کی اور ان کے متروکہ مال کی رکھوالی کرتے ہیں میں ہی ایک ایسا شخص ہوں کہ میری ان سے نسبی شرکت نہیں ہے اس لئے میں نے اس بات کو پسند کیا کہ ان پر کوئی ایسا احسان کروں جس کی وجہ سے وہ میرے قرابت داروں کی حفاظت رکھیں میں نے یہ حرکت کفر یا مرتد ہوجانے کی وجہ سے نہیں کی (نہ میں دل میں کفر پوشیدہ کئے ہوئے ہوں نہ دین سے پھر گیا ہوں) نہ میں کفر کو پسند کرتا ہوں حضور ﷺ نے فرمایا تم نے سچ کہا انہی کے معاملے میں یہ سورت نازل ہوئی۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ؕ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِیْ سَبِیْلِیْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ ۖۗ تُسِرُّوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖۗ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَاۤ اَخْفَیْتُمْ وَمَاۤ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَمَنْ یَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ①

اے ایمان والو تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگو حالانکہ تمہارے پاس جو دینِ حق آچکا ہے وہ اس کے منکرین رسول کو اور تم کو اس بنا پر کہ تم اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے شہر بدر کرچکے ہیں اگر تم میرے راستہ پر جہاد کرنے کی غرض سے اور میری رضامندی ڈھونڈنے کے لئے اپنے گھروں سے نکلے ہو پھر چپکے چپکے ان سے دوستی کی باتیں کرتے ہو اور میں خوب جانتا ہوں جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو اور جو شخص تم میں سے ایسا کرے گا وہ راہِ راست سے بھٹک جائے گا۔

تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ بعض اہلِ تفسیر کے نزدیک بِالْمَوَدَّةِ میں ب زائد ہے جیسے آیت وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ میں ہے۔ یعنی خطوں کے ذریعہ سے تم مشرکوں کو اپنی دوستی پیش کرتے ہو۔ زجاج نے کہا (ب سببیہ ہے اور مفعول محذوف ہے) مطلب یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی خبریں مشرکوں کی دوستی کے سبب تم ان کو پیش کرتے ہو۔

مَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ اَلحق سے مراد ہے قرآن مجید۔

یُخْرِجُوْنَ یعنی مکہ سے باہر کرچکے ہیں۔

بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ اللہ تو رب سب ہی کا ہے مخاطبین کا بھی اور غیر حاضر لوگوں کا بھی پھر صرف حاضرین کے ساتھ رب کی

تخصیص کیوں کی گئی اس کی وجہ صرف تغلیب ہے حاضرین کو غیر حاضر لوگوں پر تغلیب دے کر صرف حاضرین کا ذکر کیا گیا۔ اس کلام میں حسنِ التفات بھی ہے پہلے یاء متکلم ذکر کی گئی پھر بصورتِ غائب بِاللّٰہِ رَبِّکُمْ فرمایا۔

خَرَجْتُمْ یعنی تم اپنے وطنوں سے نکلے۔

بِالْمَوَدَّۃِ مقاتل نے کہا الْمَوَدَّۃِ سے مراد ہے خیر خواہی۔ اور بؔ زائد ہے یا سببیت کے لئے ہے۔

ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ سَوَاءَ السَّبِیْلِ سے یعنی راہ ہدایت سے بھٹک گیا۔

اِنْ یَّثْقَفُوْكُمْ یَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّ یَبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ وَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۲
لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ ۛۚ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۛۚ یَفْصِلُ بَیْنَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۳

اگر ان کو تم پر دسترس ہو جائے تو اظہارِ عداوت کرنے لگیں گے تم پر دست درازی کریں گے اور برائی کے ساتھ تم پر زبانیں چلائیں گے وہ متمنی ہیں کہ تم کافر ہو جاؤ قیامت کے دن نہ تمہارے رشتہ داریاں تمہارے کام آئیں گی نہ اولاد خدا تمہارے درمیان فیصلہ کردے گا اور اللہ تمہارے سب اعمال کو خوب دیکھتا ہے۔

اِنْ یَّثْقَفُوْكُمْ یعنی اگر وہ تم پر قابو پالیں گے اور فتح یاب ہو جائیں گے۔ قاموس میں ہے ثَقِفَہٗ بروز مَنَعَہٗ اس کو پالیا، لے لیا کامیاب ہو گیا، اس پر پہنچ گیا۔

یَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً یعنی تم جو ان کو اپنی طرف سے دوستی کی پیش کش کرو گے اس سے تم کو کوئی فائدہ نہ ہو گا وہ اس پیش کش کے بعد بھی اگر قابو پالیں گے تو تمہارے دشمن ہی رہیں گے۔

یَبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ تم پر دست درازی کریں گے یعنی قتل کریں گے اور ماریں گے اور زبان درازی کریں گے گالیاں دیں گے، برا کہیں گے۔

وَ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ، لَوْ تمنائی ہے وَدُّوْا اِنْ شرطیہ کی جزا ہے جس کا ظہور آئندہ ہو گا۔ اِنْ کی وجہ سے ماضی بمعنی مستقبل ہے صیغہ ماضی استعمال کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کی طرف سے گویا یہ فعل واقعہ ہو گیا اور تمہارے کافر ہو جانے کی تمنا جو وہ کریں گے وہ حاصل ہو ہی گئی۔

اَرْحَامُكُمْ تمہاری رشتہ داریاں۔

وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ یعنی مشرک رشتہ دار اور اولاد جن کی وجہ سے تم مشرکوں سے موالات کرو گے قیامت کے دن تمہارے کام نہیں آئیں گی۔ اس آیت میں حاطب بن بلتعہ اور ان جیسے دوسرے اہلِ ایمان کے عذر کی تردید ہے۔

یَفْصِلُ بَیْنَكُمْ تم کو الگ الگ کر دے گا، تمہارا فیصلہ کر دے گا مؤمنوں کو جنت میں اور مشرکوں کو دوزخ میں بھیج دے گا پھر آج اللہ اور اس کے رسول کے حق کو ترک کر کے تم مشرکوں کے دوست کیوں بنتے ہو اور ان سے موالات کیوں کرتے ہو۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا
تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَ بَدَا بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَ الْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ

تمہارے لئے ایک عمدہ نمونہ ہے ابراہیمؑ کی زندگی اور قول و عمل میں اور ان لوگوں کے قول و عمل میں جو ابراہیمؑ کے ساتھی تھے جب ان سب نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور ان سے جن کو اللہ کے سوا تم پوجتے ہو (یعنی بتوں اور ستاروں وغیرہ سے) بیزار ہیں ہم تمہارے (مذہب اور عقیدہ و عمل کے) منکر ہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض پیدا ہو گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔

معانقة ۱۲ اسماء الوقف علی الفتحة ۱۲۵

لَکُمْ اے مسلمان تمہارے لئے۔
اُسْوَۃٌ اقتداء، پیروی۔
لِقَوْمِہِمْ اپنی کافر قوم والوں سے کہا۔
اِنَّا بُرَآءُ وَا بیزار بے تعلق یہ برئ کی جمع ہے جیسے ظرفاء ظریف کی جمع ہے۔
مَا تَعْبُدُوْنَ یعنی بت جن کو تم پوجتے ہو۔
کَفَرْنَا بِکُمْ کفر ایمان کی ضد ہے (کفر کا لغوی معنی ہے چھپانا) کافر بھی حق اور (خدا کی عطا کردہ) نعمت پر پردہ ڈالتا ہے جیسے دوسری آیت ہے وَیَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَکْفُرُ بَعْضُکُمْ عَنْ بَعْضٍ۔
حَتّٰی تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَحْدَہٗ۔ یعنی ایمان کے بعد عداوت اور بغض محبت اور اُلفت سے بدل جائے گا۔

اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَاۤ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَیْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَیْكَ اَنَبْنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ ۝۴ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۵

لیکن اتنی بات ابراہیمؑ کی تو اپنے باپ سے ہوئی تھی کہ ابراہیمؑ نے کہا تھا میں تمہارے لئے معافی کی درخواست اپنے رب سے کروں گا اس سے زیادہ خدا کے آگے مجھے کسی بات کا اختیار نہیں ابراہیم اور ان کے ساتھیوں نے دعا کی تھی اے ہمارے رب ہم نے تجھی پر بھروسہ کیا اور تیری ہی طرف رجوع کیا اور تیری ہی طرف انجام کار لوٹنا ہے اے ہمارے رب ہم کو کافروں کا تختۂ مشق نہ بنانا اور ہمارے رب ہم کو معاف کردے ہمارے قصور بخش دے بے شک تو زبردست حکمت والا ہے۔

اِلَّا قَوْلَ اِبْرَاہِیْمَ بیضاوی وغیرہ نے لکھا ہے کہ اِلَّا قَوْلَ اِبْرَاہِیْمَ اسوۃ سے مستثنیٰ ہے لیکن بیضاوی کے اس قول میں ایک دشواری ہے وہ یہ کہ اُسْوَۃٌ نکرہ ہے مستثنیٰ کا استثناء سے پہلے نہ اس میں داخل ہونا یقینی ہے کہ استثناء کو متصل قرار دیا جائے نہ عدمِ دخول یقینی ہے کہ استثناء کو منقطع کہا جائے اسی کی مثل ہے آیت لَوْ کَانَ فِیْہِمَا اٰلِہَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا (اٰلِہَۃٌ نکرہ ہے اللہ کا اس میں نہ داخل ہونا یقینی ہے نہ داخل نہ ہونا اس لئے اہلِ تفسیر نے اس جگہ اِلّا کو بمعنی غیر قرار دیا ہے۔ مترجم) لہٰذا مناسب ہے کہ مستثنیٰ منہ کو محذوف قرار دیا جائے اور اصل کلام اس طرح مانا جائے۔ اتبعوا اقوال ابراھیم الا قولہ لابیہ اقوالِ ابراہیمؑ کا اتباع کرنا مگر اس قول کا اتباع نہ کرنا جو انہوں نے اپنے باپ سے کہا تھا۔

مؤلف البحر المواج نے لکھا ہے کہ فِیْ اِبْرَاہِیْمَ مستثنیٰ منہ ہے اور اِلَّا قَوْلَ اِبْرَاہِیْمَ اس سے مستثنیٰ ہے اور مضاف محذوف ہے پورا کلام اس طرح تھا قَدْ کَانَتْ لَکُمْ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ فِیْ قَوْلِ اِبْرَاہِیْمَ اِلَّا قَوْلَہٗ لِاَبِیْہِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَکَ بیضاوی کی مراد بھی غالباً یہی ہے کیونکہ کافر باپ کے لئے جو حضرت ابراہیم نے استغفار کیا تھا اس کا اتباع اور اقتدار جائز نہیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے جو اپنے باپ کے لئے دعاء مغفرت کا وعدہ کیا تھا وہ کافر کے لئے دعا کرنے کی ممانعت سے پہلے کیا تھا۔

وَمَا اَمْلِکُ لَکَ الخ یہ مستثنیٰ کا تکملہ ہے یعنی ابراہیم نے جو اپنے باپ کے لئے دعاء مغفرت کا وعدہ کیا اس میں یہ بھی کہا تھا کہ بس میں اتنا ہی کروں گا اس سے زیادہ کچھ بھی مجھے اختیار نہیں (یعنی معاف کرنا نہ کرنا میرے بس میں نہیں ہے)

مِنْ شَیْءٍ میں مِنْ زائد ہے اور شَیْءٍ مفعول ہے منصوب المحل۔

رَبَّنَا عَلَیْکَ تَوَکَّلْنَا الخ یہ پورا جملہ آخر تک مفعول ہے یعنی ابراہیم نے اور ان کے ساتھی مؤمنوں نے کہا اے ہمارے رب ہم نے تجھ پر بھروسہ کیا۔

اَلْمَصِیْرُ جائے رجوع۔ لوٹنے کی جگہ۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا الخ مناجات کو محکم کرنے والا اور درخواستِ رحم میں مزید قوت پیدا کرنے کے لئے رَبَّنَا کا دوبارہ

ذکر کیا۔ فِتۡنَةً لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یعنی کافروں کو ہم پر مسلط نہ کر کہ وہ ہم کو سخت ایذائیں دے سکیں اور ہم سے مؤاخذہ کریں اور اس وقت ان کے لئے فتنہ ہو یعنی ان کو عذاب دینے کا سبب پیدا ہو جائے زجاج نے کہا ان کو ہم پر غالب نہ کر ہم پر ان کو قابو نہ دے جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو حق پر خیال کرنے لگیں۔ مجاہد نے کہا ہم کو ان کے ہاتھوں عذاب نہ دے نہ اپنی طرف سے عذاب نازل کر ورنہ وہ کہیں گے کہ اگر یہ مؤمن حق پر ہوتے تو عذاب میں مبتلا نہ ہوتے۔

وَاغۡفِرۡ لَنَا کبھی اپنے گناہوں کی وجہ سے مؤمن مبتلائے عذاب ہو جاتے ہیں، اور کفار کا ان پر غلبہ ہو جاتا ہے اس لئے درخواست مغفرت کا ذکر کیا گیا۔

اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ یعنی تو ہی ایسا غالب ہے کہ جس کو اپنی پناہ میں لے لے اور جو تجھ پر بھروسہ کرلے کوئی اس کو دکھ نہیں پہنچا سکتا۔

الۡحَکِیۡمُ حاکم، واقف، دعا کو قبول کرنے پر قدرت رکھنے والا۔

لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡهِمۡ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنۡ کَانَ یَرۡجُوا اللّٰهَ وَالۡیَوۡمَ الۡاٰخِرَ ؕ وَمَنۡ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡغَنِیُّ الۡحَمِیۡدُ ﴿۶﴾ ع ۱ بے شک ان لوگوں کے قول، عمل اور عقیدے میں تمہارے لئے عمدہ نمونہ ہے یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ کے سامنے جانے کا اور روزِ آخرت کا یقین رکھتا ہو اور جو شخص اس حکم سے روگردانی کرے گا تو اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا کیونکہ اللہ بالکل بے نیاز اور سزاوارِ حمد ہے۔

لَکُمۡ یعنی تمہارے لئے اے مسلمانو

فِیۡهِمۡ یعنی ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں کے دستورِ زندگی اور اعتقاد و عمل میں۔

لِمَنۡ کَانَ یَرۡجُوا اللّٰهَ وَالۡیَوۡمَ الۡاٰخِرَ یہ جملہ "لَکُمۡ" سے بدل ہے یعنی ان لوگوں کے لئے عمدہ نمونہ ہے جو اللہ کی پیشی اور اس کے ثواب کا اور روزِ قیامت کے آنے کا اعتقاد رکھتا ہے۔ اس آیت میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ ایمان کا تقاضا ہے کہ ابراہیمؑ کی پیروی کی جائے اور ابراہیمؑ کی اقتداء نہ کرنا بدعقیدگی پر دلالت کرتا ہے۔

وَمَنۡ یَّتَوَلَّ یعنی انبیاء کی پیروی سے جو روگرداں ہوگی۔

هُوَ الۡغَنِیُّ یعنی پیغمبروں کی پیروی اور عبادت اور ہر چیز سے خدا بے نیاز ہے انبیاء کی پیروی کرنے کا فائدہ پیروی کرنے والوں کو ہی ملے گا۔

الۡحَمِیۡدُ اولیاء اور اہلِ اطاعت کے لئے سزاوار ستائش ہے۔

عَسَی اللّٰهُ اَنۡ یَّجۡعَلَ بَیۡنَکُمۡ وَبَیۡنَ الَّذِیۡنَ عَادَیۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِیۡرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۷﴾ امید ہے کہ اللہ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جو تمہارے دشمن ہیں دوستی پیدا کر دے گا اور اللہ کو بڑی قدرت ہے اور اللہ غفور رحیم ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ مقاتل نے بیان کیا جب اللہ نے کافروں سے عداوت رکھنے کا حکم دیا تو مسلمانوں نے اپنے کافر قرابتداروں اور عزیزوں سے بھی دشمنی اور بیزاری کا اظہار کر دیا لیکن ان کے دلوں میں اقرباء کے لئے رقت اور محبت پوشیدہ تھی اور اللہ اس سے واقف تھا تو مسلمانوں کو تسکین دینے کے لئے یہ آیت نازل فرمادی۔

الَّذِیۡنَ عَادَیۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ ان سے مراد ہیں کفارِ مکہ۔

اللہ نے اپنا یہ وعدہ قریب مدت میں ہی پورا کر دیا کیونکہ آیت کا نزول فتح مکہ سے پہلے ہوا تھا اور فتح مکہ کے بعد وہ لوگ مسلمان ہو گئے جو مکہ میں رہتے تھے البتہ فتح مکہ کے دن جو لوگ مارے گئے جیسے حوریث بن نقیل اور نضر بن حارث وغیرہ دشمنی کی حالت میں ہی مارے گئے ان کے نام سورۂ نصر میں ہم نے ذکر کئے ہیں۔

ایک شبہ

اَلَّذِیْنَ عَادَیْتُمْ مِّنْهُمْ کا لفظ عام ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ نزولِ آیت کے زمانہ میں جو لوگ مسلمانوں کے دشمن تھے وہ سب بعد کو مسلمان ہو گئے، مگر یہ واقعہ کے خلاف ہے دشمنوں میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو بعد کو بھی مسلمان نہیں ہوئے اور کفر کی حالت میں ہی مارے گئے۔

ازالہ

کبھی مجازاً عام بول کر خاص مراد لے لیا جاتا ہے بلکہ یہ ضابطہ ہی ہے کہ ہر عام مخصوصُ البعض ہوتا ہے اور باوجود مخصوصُ البعض ہونے کے فعل کی نسبت سب کی طرف مجازاً کر دی جاتی ہے کیونکہ اصل مسند الیہ (فعل کا حقیقی فاعل) مجموعہ میں داخل ہوتا ہی ہے جیسے آیت فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا میں (کونچیں کاٹنے اور قتل کرنے کی نسبت ساری قومِ صالح کی طرف کر دی گئی باوجودیہ اونٹنی کو قتل کرنے والے بعض تھے سب نہیں تھے)۔

وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ اور اللہ کو اس کی قدرت ہے اور ہر چیز پر اس کو قدرت ہے۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ یعنی ممانعت سے پہلے کافروں سے مسلمان جو موالات کر چکے یا ممانعت کے بعد بھی اظہار عداوت اور ترکِ موالات کر دیا مگر عزیزوں اور رشتہ داروں کے لئے دل میں اُلفت اور رقت پوشیدہ رہی اللہ اس سب کو معاف کر دینے والا مہربان ہے۔

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْۤا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝٨ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰۤى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝٩

اللہ تم کو ان لوگوں کے احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اللہ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے اللہ صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے تم کو منع کرتا ہے جو دین کے بارے میں تم سے لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا (یعنی نکالنے کے درپے ہوئے) اور تمہارے نکالنے میں (نکالنے والوں کی) مدد کی اور جو شخص ایسوں سے دوستی کرے گا تو وہ دوستی کرنے والے گناہ گار ہوں گے۔

بخاری نے لکھا ہے کہ حضرت اسماء بنت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا میرے پاس میری ماں محبت سے آئی میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا میں اس سے مل سکتی ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ امام احمد بزار اور حاکم نے حضرت عبد اللہ بن زبیر کی روایت سے بیان کیا اور حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا کہ قتیلہ بنت عبد العزیٰ جو دورِ جاہلیت میں حضرت ابو بکرؓ کی زوجہ تھی اور آپ نے اس کو طلاق دے دی تھی، اپنی بیٹی حضرت اسماء بنت حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئی اور کچھ تحفہ بھی بیٹی کے لئے لائی حضرت اسماءؓ نے تحفہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے گھر میں داخل ہونے کی بھی اجازت نہیں دی اور حضرت عائشہؓ کے پاس پیام بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ سے اس مسئلہ کو دریافت کریں حضرت عائشہ نے اطلاع دی کہ قتیلہ کے تحفے قبول کر لو اور اپنے گھر میں اس کو اترنے کی اجازت بھی دے دو اس پر یہ آیت لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ نازل ہوئی حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ یہ آیت بنی خزاعہ کے متعلق ہوئی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ معاہدہ کر لیا تھا کہ نہ مسلمانوں سے

لڑیں گے نہ مسلمانوں کے خلاف کسی کو مدد دیں گے اللہ نے آیت میں ان سے حسن سلوک کرنے کی اجازت دے دی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ذمی کافر کو نفلی خیرات دینا جائز ہے۔ یہ مسئلہ سورت بقرہ کی آیت لَیْسَ عَلَیْکَ ہُدٰاہُمْ کی تفسیر میں گزر چکا ہے اسی بناء پر ابو عمرو کی آزاد کردہ باندی سارہ کو کپڑے اور نقد دینے کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا اسی سورت کے شروع میں ہم نے یہ قصہ لکھ دیا ہے۔

اَلَّذِیْنَ قَاتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَاَخْرَجُوْکُمْ ان سے مراد ہیں مکہ کے وہ مشرک مرد جن میں سے کچھ لوگوں نے تو مسلمانوں کو نکالنے کی کوشش کی تھی اور بعض نے نکالنے والوں کی مدد کی تھی۔

اَنْ تَوَلَّوْہُمْ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ حربی کافروں سے صرف موالات ممنوع ہے ان سے دُنیوی حسنِ سلوک کی ممانعت نہیں ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اس سے مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچتا ہو اللہ نے حربی قیدیوں کے متعلق ارشاد فرمایا اِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً، مَنّ یعنی احسان، بلا معاوضہ کرنا بھی بر (دنیوی) حسنِ سلوک کی ہی ایک قسم ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گرم کلیجی میں بھی ثواب ہے یعنی پیاسے کو پانی پلانا خواہ کوئی ہو قابلِ ثواب ہے۔ رواہ البیہقی بسند صحیح فی شعب الایمان عن سراقۃ بن مالک۔ امام احمد اور ابن ماجہ نے یہ حدیث نقل کی ہے الفاظ بدلے ہوئے ہیں، مفہوم یہی ہے..... امام احمد نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی ہے۔

کافروں کو زکوٰۃ دینا باجماع علماء جائز نہیں۔ علماء نے اپنے اجماع کا استدلال اس حدیث سے کیا ہے جس کے راوی حضرت معاذؓ ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ نے فرض کر دی ہے ان پر زکوٰۃ ان کے دولتمندوں سے لے کر انہی کے محتاجوں کو لوٹا دی جائے۔

وَمَنْ یَّتَوَلَّہُمْ یعنی اہلِ حرب سے جو موالات کرے گا۔ اگر صرف اہلِ حرب مراد نہ ہوں گے تو اہل ذمہ سے بھی موالات جائز نہیں ہوگی کیونکہ آیت میں عام الفاظ آئے ہیں، ارشاد فرمایا ہے لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ دوسری آیت میں فرمایا ہے لَا تَتَّخِذُوا الْیَہُوْدَ وَالنَّصٰرٰی اَوْلِیَآءَ حدیث میں ارشادِ گرامی آیا ہے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اسے محبت ہوگی۔

حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم کی روایت ہے کہ معاہدۂ حدیبیہ میں سہیل بن عمرو نے رسول اللہ ﷺ سے یہ شرط بھی لکھوائی تھی کہ ہمارے آدمیوں میں جو کوئی آپ کے پاس پہنچے گا خواہ آپ کے مذہب پر ہی ہو بہر حال آپ پر لازم ہے کہ اس کو واپس کریں اور ہمارے اور اس کے درمیان رکاوٹ پیدا نہ کریں مسلمانوں کو یہ شرط ناگوار ہوئی مگر سہیل اس پر اڑا رہا آخر رسول اللہ ﷺ نے یہ شرط معاہدہ میں لکھوا دی چنانچہ ابو جندل جب رسول اللہ ﷺ کے پاس بھاگ کر آئے تو حضور ﷺ نے ان کو واپس کر دیا اور اس مدتِ معاہدہ کے اندر جو مرد بھی (کافروں کو چھوڑ کر ان کے پاس سے بھاگ کر) آپ ﷺ کے پاس آیا آپ نے اس کو لوٹا دیا (مدتِ معاہدہ کے اندر) کچھ عورتیں بھی ہجرت کر کے آئیں ان میں سے ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط جن کا نام عاتق تھا ہجرت کر کے آگئیں اور ان کے قرابتداروں نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا مگر رسول اللہ ﷺ نے واپس نہیں کیا (کیونکہ معاہدہ میں مردوں کی واپسی کی شرط تھی مہاجر عورتوں کی لوٹائے جانے کا ذکر نہیں تھا) اس پر آیاتِ ذیل نازل ہوئیں۔

یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَکُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُہٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْہُنَّ ؕ اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِہِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْہُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْہُنَّ اِلَی الْکُفَّارِ ؕ لَا ہُنَّ حِلٌّ لَّہُمْ وَلَا ہُمْ یَحِلُّوْنَ لَہُنَّ ؕ وَاٰتُوْہُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ

اے ایمان والو جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں (دار الحرب سے) ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کی جانچ کر لیا کرو ان کے ایمان کو اللہ ہی خوب جانتا ہے سو اگر (جانچ کرنے کے بعد) تم ان کو مسلمان جانو تو

پھر کافروں کی طرف ان کو واپس مت کرو کیونکہ نہ وہ عورتیں کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کافران مسلمانوں عورتوں کے لئے حلال ہیں اور کافروں نے ان عورتوں پر جو کچھ خرچ کیا ہو (یعنی ان کو دیا ہو) وہ کافروں کو ادا کر دو۔

فَامْتَحِنُوْهُنَّ یعنی جانچ کرلو کہ زبانوں سے جو وہ اقرار ایمان کر رہی ہیں کیا واقعۃً ان کے دلوں میں ایمان ہے جانچ کر کے تم غالب ظن حاصل کرلو یوں تو ان کے قلبی ایمان کو اللہ ہی جانتا ہے تم کیا جانو (پھر بھی گمان غالب تو حاصل کرلو)۔

فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ یعنی ان عورتوں کے لئے مؤمن ہونے کا تمکو گمان غالب اور امکانی علم ہو جائے اور ایمان کی علامات ظاہر ہو جائیں۔ آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ یقین کی طرح غالب گمان پر بھی عمل واجب ہوتا ہے (اگرچہ ظن مفید یقین نہیں ہوتا مگر موجب عمل ضرور ہو جاتا ہے)

فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ یعنی کافر شوہروں کی طرف ان کو واپس مت کرو کیونکہ مؤمن عورتیں کافر شوہروں کے لئے حلال نہیں، مسلمہ اور کافرہ میں تفریق کرنا لازم ہے سورۂ نساء کی آیت وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ کی تفسیر میں یہ مسئلہ گزر چکا ہے کہ اگر شوہر کافر ہو اور بیوی مہاجر مؤمنہ تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دار الحرب سے نکلتے ہی دونوں کے درمیان تفریق کر دینا واجب ہے، کیونکہ دو دار ہو گئے دار الحرب جو کفار کا وطن ہے اور دار الاسلام جو مؤمنوں کا مسکن ہے لیکن باقی تینوں اماموں کے نزدیک شوہر کے مسلمان ہونے کے وقت سے تین حیض کی مدت کا انتظار کرنا ہوگا.... بشرطیکہ شوہر نے اس عورت سے قربت صنفی کرلی ہو اور ایسا نہ ہو تو پھر عورت کے مسلمان ہونے کے وقت سے تین حیض تک کا انتظار کیا جائے گا۔

وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ یعنی کافر تجدید نکاح کے بعد بھی مؤمن عورتوں کے لئے حلال نہیں ہیں، کیونکہ کافر مرد کا نکاح مسلمانوں عورت سے جائز ہی نہیں ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ جملہ سابق جملہ کی تاکید معنوی ہو۔ عروہ نے حدیث سابق میں بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے (مؤمن عورتوں کی جانچ کرنے کے سلسلہ میں) فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ مہاجر مؤمن عورتوں کا امتحان لینے کے لئے ان کے سامنے آیت يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ..... غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ تک پڑھتے اور ان سے اقرار لیتے تھے۔ جو عورت اس کا اقرار کر لیتی تو حضور ﷺ فرماتے ہم نے تیری بیعت لے لی، حضور ﷺ بس یہ زبان سے فرما دیتے تھے عورت کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ سے بیعت لینے کے وقت نہیں چھوتے تھے عورتوں سے بیعت صرف زبانی ہوتی تھی۔

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عمرہ کرنے کے لئے مکہ کی طرف روانہ ہوئے حدیبیہ میں پہنچے تو مکہ کے مشرکوں نے آپ سے اس شرط پر صلح کرلی کہ آئندہ اہل مکہ میں جو کوئی مسلمان ہو کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے گا آپ اس کو واپس کر دیں گے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں میں سے جو کوئی مرتد ہو کر مکہ والوں کے پاس پہنچ جائے گا اہل مکہ اس کو واپس نہیں کریں گے۔ یہ معاہدہ لکھ دیا گیا اور مہریں لگا دی گئیں۔ تحریر معاہدہ پوری ہونے ہی پائی تھی کہ سبیعہ اسلمیہ بنت حارث مسلمان ہو کر آ پہنچی اس کا شوہر مسافر مخزومی یا صیفی بن راہب جو کافر تھا اس کی طلب میں آ گیا اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا محمد ﷺ میری بیوی کو مجھے واپس دو، تم نے شرط کرلی تھی کہ ہم میں کا جو کوئی شخص مسلمان ہو کر آپ کے پاس پہنچے گا آپ پر اس کو واپس کرنا لازم ہوگا یہ شرط تحریر میں موجود ہے ابھی اس کی روشنائی بھی خشک نہیں ہوئی ہے اس پر آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ الخ نازل ہوئی "مہاجرات" سے مراد ہیں وہ عورتیں جو دار الکفر کو چھوڑ کر دار الاسلام میں آ گئی ہوں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مؤمن مہاجر عورتوں کا امتحان اس طرح ہوتا تھا کہ عورت بحلف کہتی تھی۔ میں اپنے شوہر سے نفرت کرنے یا کسی مسلمان مرد سے عشق کرنے کی بنیاد پر نہیں آئی نہ یہ وجہ ہے کہ مجھے ایک جگہ سے نفرت اور دوسری جگہ سے الفت ہو، نہ میں کوئی جرم کر کے آئی ہوں نہ طلب مال مجھے لائی ہے بلکہ اسلام پسندی اور اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا

جذبہ مجھے لے کر آیا ہے حضور ﷺ اس طرح اس سے حلف لیتے تھے جب وہ اس پر قسم کھالیتی تھی تو پھر آپ اس کو واپس نہیں لوٹاتے تھے، اور جو مہر اس کے شوہر نے اس کو نکاح کے وقت یا بعد کو ادا کیا ہوتا تھا، وہ اور جو کچھ شوہر نے اس کے لئے خرچ کیا ہوتا وہ بھی شوہر کو عطا فرمادیتے تھے پھر سبیعہ سے عمر نے نکاح کرلیا۔ جو مرد (مسلمان ہو کر بھاگ کر مکہ سے) آپ کے پاس آتا تھا آپ اس کو واپس کردیتے تھے اور اگر عورت مسلمان ہو کر آئی تھی تو آپ اس کو واپس نہیں کرتے تھے، بلکہ اس کا مہر واپس کرا دیتے تھے۔

طبرانی نے ضعیف سند سے بروایت عبداللہ بن ابی احمد لکھا ہے کہ صلح کے ایام میں امّ کلثوم بنت عقبہ بن اُبی مُعیط ہجرت کر کے آگئیں پیچھے سے ان کے دونوں بھائی عمارہ اور ولید بن عقبہ بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آپہنچے اور حضور ﷺ سے امّ کلثوم کی واپسی کے لئے درخواست کی اس پر اللہ نے وہ معاہدہ جو حضور ﷺ اور مشرکوں کے درمیان میں ہوا تھا صرف عورتوں کے معاملہ میں توڑ دیا اور مہاجر عورتوں کی واپسی کی ممانعت فرمادی پھر آیت امتحان نازل فرمائی۔ ابن ابی حاتم نے لکھا ہے مجھ سے یزید بن ابی حبیب نے بیان کیا کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ یہ آیت امیمہ بنت بشر یا ابو حسان بن دحداحہ کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ مقاتل کا بیان ہے کہ ایک عورت تھی جس کا نام سعیدہ تھا اور وہ صیفی بن راہب کی بیوی تھی، صیفی مشرک تھا ایام صلح میں سعیدہ ہجرت کر کے آگئی اور مشرکوں نے درخواست کی کہ سعیدہ کو واپس کیا جائے (لیکن حضور ﷺ نے درخواست منظور نہیں کی) ابن جریر نے زہری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ کے نچلے حصہ میں فروکش تھے اور اس شرط پر اہل مکہ سے صلح کرلی تھی کہ مکہ والوں میں سے جو شخص ہجرت کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ جائے گا اس کو واپس کر دیا جائے گا۔ اسی اثناء میں کچھ عورتیں ہجرت کر کے آگئیں تو ان کے متعلق آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا یعنی ان کے شوہروں نے جو کچھ خرچ کیا ہو یعنی مہر دیا ہو (یا زیور وغیرہ، مترجم) وہ ان کو واپس دے دو کیونکہ معاہدہ حدیبیہ میں عورتوں کی واپسی بھی شامل تھی لیکن ان کی واپسی کی ممانعت ہوگئی تو مہر کی واپسی لازم ہوگئی۔

جس طرح حدیبیہ میں حضور ﷺ نے قریش سے صلح کی تھی ویسی ہی صلح اگر خلیفہ کافروں سے کرلے پھر جب کوئی عورت ہجرت کر کے آئے تو عورت کو واپس نہ بھیجے بلکہ اس کا وصول کردہ مہر لوٹادے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ زہری کا بیان ہے اگر صلح نہ ہوتی اور وہ معاہدہ جو رسول اللہ ﷺ اور قریش کے درمیان حدیبیہ میں ہوا تھا نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ مہاجر عورتوں کو بھی روک لیتے اور ان کے مہر بھی واپس نہ کرتے معاہدہ سے پہلے جو مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آتی تھیں آپ یہی معاملہ کرتے تھے (کہ ہجرت کر کے آنے والی عورتوں کے مہر بھی واپس نہیں کراتے تھے)۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۭ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔــلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْــَٔــلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ۭ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑩

اور تم کو ان مہاجر عورتوں سے نکاح کرلینے میں کوئی گناہ نہ ہوگا جب کہ تم ان کے مہر ان کو دے دو اور (اے مسلمانو) اتم کافر عورتوں کے تعلقات (ازدواجی) کو باقی مت رکھو، اور اپنی بیویوں پر جو کچھ خرچ کیا ہو جب وہ مرتد ہو کر چلی جائیں یا ہجرت کر کے ہی نہ آئیں اور کفر پر قائم رہیں تو ان کافروں سے اس کا مطالبہ کرلو اور جو کچھ مہاجر عورتوں پر کافروں نے خرچ کیا ہو وہ مسلمانوں سے مانگ لیں یہ اللہ کا حکم ہے وہی تمہارے درمیان فیصلہ کر رہا ہے اور اللہ بڑا علم اور حکمت والا ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ یعنی اے مسلمانو! ہجرت کر کے آنے والی عورتوں سے تم نکاح کرسکتے ہو اس میں کوئی گناہ نہیں خواہ ان کے کافر شوہر دار الحرب میں موجود ہی ہوں کیونکہ کفر اور اسلام کی وجہ سے تفریق تو ان کی ہو ہی گئی آیت دلالت کر رہی ہے کہ عدت ضروری نہیں امام ابو حنیفہؒ کا یہی قول ہے، صاحبینؒ کا قول اس کے خلاف ہے۔

اِذَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ اجور سے مراد ہیں مہر۔ مہر کی ادائیگی کی شرط لگانے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ سابق شوہروں کا ادا کردہ مہر جو مہاجر عورتوں کی طرف سے تم نے ان کے کافر شوہروں کو واپس کیا ہو وہ جدید مہر میں محسوب نہ ہوگا یعنی ان کے کافر شوہروں کو جو کچھ تم نے دے دیا وہ دے دیا اب اگر تم ان مہاجر عورتوں سے نکاح کرو گے تو اپنے نکاح کا مہر از سر نو دینا ہوگا۔

ابن منیع نے بطریقِ کلبی از ابی صالح حضرت ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب جب مسلمان ہو گئے تو ان کی بیوی مشرکوں کے ساتھ ہی رہ گئی اس پر آیتِ ذیل نازل ہوئی۔

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ عِصَم، عصمت کی جمع ہے عِصْمَۃ مضبوط عقد بندھن جیسے عقدِ موالات، عقدِ نکاح وغیرہ اللہ نے مشرک عورتوں سے نکاح برقرار رکھنے کی ممانعت فرمادی۔

بغوی نے زہری کی روایت سے لکھا ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ نے اپنی دو عورتوں کو جو مکہ میں رہ گئی تھیں اور مشرک تھیں طلاق دے دی ایک قریبہ بنت ابی امیہ بن مغیرہ اور معاویہ نے مکہ میں نکاح کر لیا معاویہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے دوسری ام کلثوم خزاعیہ بنت عمرو بن جرول جو حضرت عبداللہ بن عمر کی ماں تھی اس سے ابو جہیم بن حذافہ بن غانم نے نکاح کر لیا ابو جہیم مشرک تھا۔

اروی بنت ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب حضرت طلحہ بن عبیدہ اللہ کی بیوی تھیں، طلحہ تو ہجرت کر کے چلے آئے لیکن اروی اپنی قوم کے مذہب پر رہی، اسلام نے ان دونوں میں تفریق کر دی تو خالد بن سعد بن عاص بن امیہ نے اس سے نکاح کر لیا۔ شعبی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی زینبؓ، ابو العاص بن ربیع کے نکاح میں تھیں مسلمان ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس آپہنچیں، ابو العاص مکہ میں ہی بحالتِ شرک رہا پھر کچھ مدت کے بعد مدینہ میں آ گیا اور مسلمان ہو گیا۔

وَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ یعنی اگر کوئی مسلمان عورت مرتد ہو کر مشرکوں کے پاس چلی جائے اور وہ روک لیں تو جس مسلمان کے وہ نکاح میں تھی وہ اس کافر سے جو اس عورت سے نکاح کرے اپنا دیا ہوا مہر طلب کرلے۔

وَلْيَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا اور جو مہاجر عورتیں کفرستان کو چھوڑ کر اسلامستان میں آجائیں تو ان کو جو مہر کافروں نے ان کے نکاح کے وقت دیا ہو وہ اپنا دیا ہوا مہر اس شخص سے طلب کر سکتے ہیں جو ان عورتوں سے نکاح کرے۔

وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ یعنی اللہ وہی حکم دیتا ہے جس کو تمہارے لئے بہتر جانتا ہے اور جو اس کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے۔

بغوی نے زہری کا قول نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں کو جو حکم دیا گیا تھا انہوں نے تو حکمِ خداوندی کی تعمیل کی اور کافروں کو وہ مہر مہاجرات کی طرف سے دے دیئے جو نکاح کے وقت کافروں نے ان عورتوں کو دیا تھا لیکن کافروں نے اس فیصلہ کو ماننے سے انکار کر دیا اور ان عورتوں کے مہر جو مرتد ہو کر چلی گئی تھیں اور مسلمانوں نے نکاح کے وقت ان کو وہ مہر دیا تھا واپس دینے کا اقرار نہیں کیا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَاِنْ فَاتَكُمْ شَیْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِیْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۞ اور اگر تمہاری بیبیوں میں سے کوئی کافروں کے پاس چلی جائے اور وہیں رہ پڑنے کی وجہ سے بالکل تمہارے ہاتھ میں نہ آئے پھر تمہارے نوبت آئے تو جن کی بیبیاں ہاتھ سے نکل گئیں جتنا مہر انہوں نے خرچ کیا تھا اس کے برابر تم ان کو ضرور دے دو اور اللہ سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو ڈرتے رہو۔

وَاِنْ فَاتَكُمْ اور اگر تمہارے ہاتھ سے نکل جائے فوت ہو جائے۔

شَیْءٌ کوئی بی بی اِلَى الْكُفَّارِ پھر مرتد ہو کر کافروں سے جا ملے، اَحَدٌ (کوئی شخص) کی جگہ شَیْءٌ (کوئی چیز) کا استعمال مرتد عورت کی تحقیر کے لئے اور تعمیم میں مبالغہ کرنے کے لئے کیا گیا یا شَیْءٌ سے مراد ہے مہر یعنی تمہاری مرتد بیبیوں کے مہر تمہارے ہاتھ سے نکل جائیں اور کافر نہ دیں۔

ابن ابی حاتم نے حسن کی روایت سے بیان کیا کہ یہ آیت امّ الحکم بنت ابوسفیان کے حق میں نازل ہوئی جو مرتد ہو گئی تھی اور ارتداد کے بعد ایک ثقفی شخص نے اس سے نکاح کر لیا تھا۔ سوائے امّ الحکم کے قریش کی کوئی عورت مسلمان ہونے کے بعد اسلام سے نہیں پھری۔

فَعَاقَبْتُمْ بغوی نے لکھا ہے کہ اہلِ تفسیر نے اس لفظ کا مطلب یہ بیان کیا کہ جو عقبیٰ یعنی مال غنیمت تم کو کافروں سے ملا ہو۔ بعض نے اس کا ترجمہ کیا تم کامیاب ہو گئے ہو اور آخری نوبت تمہاری آ جائے۔

فَاٰتُوا الَّذِیْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ یعنی جن مسلمانوں کی بیبیاں کافروں کے پاس چلی گئی ہوں ان کو کافروں سے حاصل شدہ مالِ غنیمت میں سے اتنا دے دو جتنا انہوں نے ان مرتد ہو جانے والیوں کو دیا ہو اور ان کے لئے خرچ کیا ہو۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا چھ مہاجر مؤمن عورتیں مشرکوں سے جا ملی تھیں جو پھر اسلام کی طرف لوٹ آئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے شوہروں کو مالِ غنیمت میں سے ان کے دیئے ہوئے مہر عطا کر دیئے (۱) امّ الحکم بنت ابی سفیان زوجہ عیاض بن شدّاد فہری (۲) حضرت امّ سلمہؓ کی بہن فاطمہ بنت ابی امیہ بن مغیرہ جو حضرت عمرؓ بن خطاب کے نکاح میں تھی جب حضرت عمرؓ نے ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو بی بی نے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور مرتد ہو گئی (۳) بروع بنت عقبہ زوجہ شماس بن عثمان (۴) عزہ بنت عبد العزّیٰ بن فضلہ زوجہ عمر بن عبدود (۵) ہندہ بنت ابوجہل بن ہشام جو ہشام بن عاص بن وائل کی زوجیت میں تھی (۶) امّ کلثوم بنت خرول جو حضرت عمرؓ بن خطاب کے نکاح میں تھی۔ بیضاوی نے فَعَاقَبْتُمْ کا ترجمہ کیا ہے تمہاری عقبہ یعنی تمہارے نوبت (باری) آئی گویا مؤمنوں کی طرح سے سابق کافر شوہروں کو ان کا دیا ہوا مہر ادا کرنا اور کافروں کی طرف سے اسلام سے برگشتہ ہو کر آنے والیوں کو مسلمانوں کا دیا ہوا مہر ادا کرنا یہ دونوں عمل ایسے ہیں جیسے ایک سواری پر دو شخص اپنی اپنی باری سے سوار ہو جائیں۔ فَاٰتُوا الَّذِیْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ بیضاوی نے اس کا مطلب یہ لکھا ہے کہ مہاجر عورتوں کو اتنا مہر دے دو جو کافروں نے ان کو دیا تھا سابق کافر شوہر کو کچھ نہ دو۔ صحیح تفسیر وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کر دی۔ بغوی نے لکھا ہے کہ جن کافروں کی عورتیں مسلمان ہو کر ہجرت کر آئی ہوں ان کو کافر شوہروں کی طرف سے ملا ہوا مہر واپس دینا کیا مسلمانوں پر واجب تھا یا مستحب، یہ مسئلہ اختلافی ہے علماء کے اس میں دو قول ہیں۔ اس اختلاف کی اصل یہ ہے کہ معاہدۂ حدیبیہ میں کیا یہ تھا کہ جو کوئی مرد یا عورت اس معاہدہ کے بعد مسلمان ہو کر ہجرت کر کے آئے گا اس کو لوٹا دینا لازم ہو گا یا یہ تھا کہ جو مرد مؤمن ہجرت کر کے آئے گا اس کی واپسی لازم ہو گی۔ اوّل قول کی دلیل یہ ہے کہ معاہدہ میں لفظ اَحَدٌ مِّنَّا آیا یعنی ہم میں سے جو شخص بھی خواہ مرد ہو یا عورت آپ کے پاس مسلمان ہو کر پہنچے گا آپ بواپسی اس کو ہمارے حوالے ضرور کریں گے۔ معاہدہ میں تو عموم تھا لیکن پھر عورتوں کی واپسی کا حکم منسوخ ہو گیا اور اللہ نے فرمادیا فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ جب مہاجر عورت کو واپس کرنے کی ممانعت ہو گئی تو اس کے عوض وہ مہر جو اس کے کافر شوہر نے دیا تھا واپس کرنا واجب ہو گیا۔ دوسرے قول کا حاصل یہ ہے کہ صرف مرد مہاجر کو واپس کرنے کی شرط تھی عورت لوٹا دینے کی شرط ہی نہیں تھی کیونکہ دوسری روایت میں آیا ہے کہ ہم میں سے جو مرد ہجرت کر کے آپ کے پاس پہنچے گا آپ اس کو ہماری طرف لوٹا دیں گے مرد اور عورت کی واپسی کے حکم میں تفریق اس وجہ سے کی گئی کہ مؤمن مرد کو اگر دوبارہ لوٹا کر کافروں کے سپرد کر بھی دیا جائے گا تو اس کے مرتد ہو جانے کا زیادہ اندیشہ نہیں کیونکہ کافر اگر اس کو ڈرا دھمکا کر اور سختی کر کے زبان سے کلماتِ کفر کہلوا بھی لیں گے تو وہ تقیہ کر لے گا اور دل میں ایمان چھپائے رکھے گا لیکن عورت عام طور پر ضعیفُ القلب ہوتی ہے اس کو ڈرا دھمکا کر اور دُکھ پہنچا کر مرتد بنا لینا زیادہ ممکن ہے وہ اپنی کمزوری اور ناچاری کی وجہ سے تقیہ بھی نہیں کر سکتی دل میں ایمان چھپائے رکھے اور بظاہر مرتد ہو جائے اس کی امید کم ہوتی ہے اس لئے معاہدہ میں اس کی واپسی کا ذکر نہیں کیا گیا اس صورت میں اداءِ مہر سابق مستحب ہو گا۔

میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ معاہدہ میں ہر مہاجر مرد و عورت کی واپسی کی شرط تھی پھر مہاجر عورت کی واپسی کا حکم منسوخ کر دیا گیا اگر معاہدہ کی رو سے مہاجر عورتوں کی واپسی ضروری نہیں تھی تو ان کو لوٹا دینے کی کوئی وجہ ہی نہ تھی نہ جدید حکم

کے نازل ہونے کی ضرورت تھی مہاجر عورت کی واپسی مہر واجب تھی امر کے صیغے اسی پر دلالت کر رہے ہیں اور آیت ذٰلِکُمْ حُکْمُ اللّٰہِ بھی اسی کو چاہتی ہے۔

اَلَّذِیْٓ اَنْتُمْ بِہٖ مُؤْمِنُوْنَ ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ کے احکام کی تعمیل کی جائے پس جب اللہ کو مانتے ہو تو اس کی نافرمانی سے بھی پرہیز کرو۔

ایک شبہ

عہد شکنی تو حرام ہے پھر مہاجر عورتوں کی واپسی کا جب معاہدہ ہو گیا تو کیوں اس کو منسوخ کیا گیا۔

ازالہ

عہد شکنی حرام ہے یہ صحیح ہے لیکن ایک خاص صورت میں اس کی حرمت کو منسوخ کیا گیا گویا حرمت نقضِ عہد کا حکم عام مخصوص البعض تھا۔ مترجم) یا یوں کہا جائے کہ عورت کی واپسی کی ممانعت عہد شکنی نہیں بلکہ مساویانہ ترکِ معاہدہ ہے (قریش نے معاہدہ شکنی کی تو مسلمانوں کو ترکِ معاہدہ کا حکم دے دیا گیا۔ مترجم)

بغوی نے لکھا ہے کیا اب بھی مسلمان ہو جانے والی کسی کافر بیوی کو روک کر مسلمان اس کا مہر اس کے شوہر کو واپس کر سکتے ہیں جبکہ کافروں سے کیے ہوئے معاہدہ میں عورتوں کی واپسی کی شرط موجود ہو۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ مجاہد، قتادہ اور عطاء نے کہا اب واجب نہیں ہے اور آیت منسوخ ہے، میں کہتا ہوں کوئی حکم منسوخ اس وقت ہو سکتا ہے جب اسی کی قوت کا کوئی ناسخ موجود ہو اور ایسا کوئی ناسخ موجود نہیں ہے، بعض علماء کے نزدیک آیت منسوخ نہیں ہے، حکم مذکور اب بھی لازم ہے۔

یٰٓاَیُّہَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَکَ عَلٰٓی اَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ شَیْـًٔا وَّلَا یَسْرِقْنَ وَلَا یَزْنِیْنَ وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَہُنَّ وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُہْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَہٗ بَیْنَ اَیْدِیْہِنَّ وَاَرْجُلِہِنَّ وَلَا یَعْصِیْنَکَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْہُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَہُنَّ اللّٰہَ ۭ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲﴾

اے نبی اگر مسلمان عورتیں آپ کے پاس اس غرض سے آئیں کہ آپ سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہ بہتان کی اولاد لائیں گی جس کو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان نطفہ شوہر سے جنی ہوئی اولاد ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرتی ہوں اور نہ شرعی باتوں میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو آپ ان سے بیعت لے لیا کریں اور ان کے لئے مغفرت کی دعا اللہ سے کیا کریں بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔

وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَہُنَّ یعنی جاہلیت کی رسم کے موافق اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی۔ جاہلیت کے زمانے میں عورتیں اپنی بچیوں کو زندہ دفن کر دیتی تھیں.... بِبُہْتَانٍ ایسا جھوٹ جس کو سن کر سننے والا متحیر ہو جائے۔

یَفْتَرِیْنَہٗ اپنی طرف سے بنالیں، خود گڑھ لیں۔

بَیْنَ اَیْدِیْہِنَّ وَاَرْجُلِہِنَّ بعض اہل علم نے کہا اَیدی اور اَرجُل کی صراحت اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے کی گئی ہے انسان کے ہاتھ پاؤں گناہوں کی شہادت دیں گے۔ لہٰذا گواہوں کے سامنے بہتان تراشی نہ کریں۔ بعض اہل تفسیر نے کہا بہتان تراشی سے مراد ہے کہ کوئی بچہ لے کر عورت اپنے شوہر سے کہے یہ میرا بچہ تیرے نطفہ سے ہے بہتان بین الایدی والارجل کا یہی مطلب ہے کیونکہ ماں اپنے پیٹ میں بچہ کو اٹھائے رہتی ہے یہ بین الایدی کا مطلب ہو گیا پھر شرم گاہ کے راستے سے باہر لاتی ہے یہ عمل بین الارجل ہو گیا۔ بہتان کا لفظ ہر قسم کی کذب تراشی کو شامل ہے لیکن اس جگہ مراد ہے دوسرے بچہ کو اپنا بچہ اپنے

شوہر کے نطفہ سے قرار دینا۔

فِیْ مَعْرُوْفٍ کسی شرعی نیکی کے کرنے میں، یا گناہ اور بدی سے باز رہنے میں۔ رسول اللہ ﷺ تو ہمیشہ ہی نیکی کرنے کا حکم دیتے تھے اس لئے فی معروف کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی مگر لفظ "معروف" کو ذکر کرنے سے اس بات پر تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ اللہ کی نافرمانی کا حکم کوئی بھی دے اس کی اطاعت جائز نہیں۔

مجاہد نے کہا عدم عِصیان فِی معروفٍ سے مراد یہ ہے کہ عورتیں غیر مردوں کے ساتھ تخلیہ نہ کریں۔ سعید بن مسیّب کلبی اور عبدالرحمٰن بن زید نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ مصیبت پڑنے پر عورتیں نوحہ نہ کریں اور ہائے وائے نہ کریں اور کپڑے نہ پھاڑیں اور نہ سر منڈوائیں اور نہ منہ پیٹیں اور کوئی عورت اپنے محرم کے علاوہ کسی اور مرد سے باتیں نہ کرے نہ غیر محرم کے ساتھ تخلیہ کرے نہ محرم کے علاوہ کسی مرد کے ساتھ سفر کرے۔ ابن جریر، ترمذی اور ابن ماجہ نے لکھا ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے آیت لَا یَعْصِیْنَکَ کی تشریح میں فرمایا اس سے مراد ہے نوحہ نہ کرنا۔ بخاری نے لکھا ہے کہ حضرت ام عطیہؓ نے فرمایا ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تو حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور حضور ﷺ نے نوحہ کرنے سے بھی ہم کو منع کیا اس ممانعت کو سن کر ایک عورت نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا فلاں عورت نے نوحہ کرنے میں میری مدد کی تھی اس کا نوحہ کرنا مجھ پر قرض ہے پہلے میں جا کر اس کے ساتھ نوحہ کر آؤں پھر آ کر نوحہ نہ کرنے پر بیعت کروں گی، یہ کہہ کر وہ چلی گئی پھر کچھ دیر کے بعد واپس آئی اور بیعت کی۔

مسلم نے حضرت ابومالک اشعریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں چار باتیں جاہلیت کی ہیں جن کو لوگ ترک نہیں کریں گے، اپنے نسب پر فخر، دوسرے کے نسب پر طنز، ستاروں کے طلوع سے بارش کی طلب اور نوحہ کرنا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر نوحہ کرنے والی توبہ نہیں کرے گی تو قیامت کے دن خارشت کی وجہ سے تارکول کا کرتہ اور دوپٹہ پہنے اٹھائی جائے گی۔

صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو منہ پیٹے، گریبان پھاڑے اور جاہلیت کی ایسی ہائے وائے کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے یعنی ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

ابوداؤد نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نوحہ کرنے والی اور سننے والی پر لعنت کی ہے۔

فَبَایِعْهُنَّ یعنی اس بات پر ان سے بیعت لے لیجئے کہ اگر ان شرطوں کو پورا کرو گے تو تمہارے ثواب کا میں ضامن ہوں۔

وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اور گزشتہ گناہوں کی ان کے لئے اللہ سے معافی طلب کیجئے۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ اللہ معاف کرنے والا ہے بندہ سے جو گناہ پہلے ہو گئے ہوں ان کو محو کر دیتا ہے۔

رَّحِیْمٌ یعنی آئندہ توفیق ہدایت دینے والا ہے۔

بخاری نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ اس آیت کے ساتھ عورتوں سے زبانی بیعت لیتے تھے سوائے اس عورت کے جو آپ کی مملوکہ یا منکوحہ باندی تھی اور کسی عورت کے ہاتھ سے آپ کا ہاتھ مس بھی نہیں کرتا تھا۔

بغوی نے بروایت محمد بن المنکدر بیان کیا کہ امیمہ بنت رقیقہ کہہ رہی تھیں میں نے چند عورتوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تو حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا جتنی تم میں استطاعت اور طاقت ہو ان گناہوں سے پرہیز رکھو۔ میں نے اپنے دل میں کہا رسول اللہ ﷺ ہم پر اپنی جانوں سے بھی زیادہ مہربان ہیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم سے مصافحہ کر لیجئے، فرمایا میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا جو قول میرا ایک عورت کے لئے ہے وہی سو عورتوں کے لئے ہے۔ کچھ اہل تفسیر کا قول ہے کہ یہ آیت فتح مکہ کے دن نازل ہوئی تھی مگر ایسا خیال کرنا غلط ہے ہم آیت امتحان کی تفسیر میں حضرت عائشہؓ کی

حدیث ذکر کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اسی آیت یعنی آیت يَاأَيُّهَا الَّذِينَ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ ..... غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ تک کو سنا کر عورتوں کا امتحان لیتے تھے، اور آیت امتحان صلح حدیبیہ کے بعد ہی نازل ہوئی تھی، لیکن رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن جب کوہِ صفا پر مردوں کی بیعت سے فارغ ہو چکے تھے اور حضرت عمر رسول سے کچھ نیچے تھے۔ اور حضور ﷺ کے حکم سے عورتوں سے بیعت لے رہے تھے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عورتوں کو پیام پہنچا رہے تھے۔ ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان بھی عورتوں میں شامل تھی اور نقاب پوش تھی اس نے اپنا حلیہ بدل لیا تھا کیونکہ اس کو اندیشہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ اس کو پہچان لیں گے۔ عورتیں جمع ہو گئیں تو حضور ﷺ نے فرمایا میں تم سے بیعت اس شرط پر لیتا ہوں کہ اللہ کے ساتھ کسی شئی کو شریک نہیں قرار دو گی ہند سر اٹھا کر بولی خدا کی قسم جس طرح کی بیعت آپ مردوں سے لے رہے ہیں اس طرح کی بیعت آپ ہم سے نہیں لے رہے ہیں ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ بیعت مردوں کی بیعت سے مغائر ہے۔ حضور ﷺ نے اس روز مردوں سے صرف اسلام اور جہاد کی بیعت لی تھی۔ حضور ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا اور فرمایا اور چوری نہیں کرو گی، ہند بولی ابوسفیان انتہائی کنجوس آدمی ہے میں اس کے مال میں سے کچھ لے لیا کرتی تھی کیا وہ میرے لئے حلال تھا یا حرام، یہ بات سن کر ابوسفیان نے کہا جو کچھ تو نے پہلے لیا یا آئندہ لے گی وہ تیرے لئے حلال ہے میری طرف سے معافی ہے، رسول اللہ ﷺ یہ مکالمہ سن کر ہنس دیئے، مسکرا دیئے اور فرمایا تو یقیناً ہندہ بنت عتبہ ہے بولی ہاں۔ جو کچھ گزر چکا اس سے اب آپ درگزر کیجئے اللہ آپ کو معاف کرے اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا اور تم زنا نہیں کرو گی ہندہ بولی کیا کوئی آزاد عورت بھی زنا کر سکتی ہے اس کے بعد آپ نے فرمایا اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گی، ہند بولی جب ہماری اولاد چھوٹی تھی تو ہم نے اس کو پالا تو تم نے ان کو قتل کیا تم اور وہ اس سے خوب واقف ہیں ہندہ کا بیٹا حنظلہ بن ابی سفیان بدر کی لڑائی میں مارا گیا تھا یہ بات سن کر حضرت عمرؓ اتنے ہنسے کہ پیچھے گر گئے اور حضور ﷺ بھی مسکرا دیئے پھر حضور ﷺ نے فرمایا اور تہمت تراشی نہیں کرو گی، ہندہ بولی واللہ تہمت تراشی بری بات ہے اور آپ ہم کو سیدھی راہ پر چلانے اور مکارم اخلاق اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں، پھر حضور ﷺ نے فرمایا اچھی باتوں میں نافرمانی نہیں کرو گی ہندہ کہنے لگی ہم جو اس مجلس میں آئے میں تو ہمارے دلوں میں آپ ﷺ کی کسی قسم کی نافرمانی کا خیال ہی نہیں ہو سکتا۔ اس طرح جو عہد عورتوں سے حضور ﷺ نے لیا عورتوں نے اس کا اقرار کیا۔

مردوں سے جو اسلام کی بیعت لی گئی تھی اس میں وہ تمام دفعات اجمالاً موجود تھیں جن کی تفصیل وار بیعت عورتوں سے لی گئی، مردوں کی بیعت میں اجمال اور عورتوں کی بیعت میں تفصیل سے کام کیوں لیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ امورِ مفصلہ کا صدور عورتوں سے زیادہ ہوتا ہے دیکھو بکثرت مسلمان عورتیں توہم پرستی کی وجہ سے شرک آمیز عقیدہ رکھتی ہیں شوہروں کے مال کی چوری کرتی ہیں اپنی ناجائز اولاد کو زندہ در گور کرتی ہیں یا قتل کر دیتی ہیں، رہی عورتوں کی بدکاری تو وہ مردوں کی بدکاری سے زیادہ بری ہے کیونکہ اس سے حق اللہ بھی تلف ہوتا ہے اور حق شوہر بھی، عورتیں ہی غیر مرد کی اولاد کو اپنے شوہر کی طرف منسوب کرتی اور شوہروں کے مال کا غلط طور پر ان کو وارث قرار دیتی ہیں بہتان تراشی، دروغ بافی کا ارتکاب تو عورتیں بکثرت کرتی ہی ہیں اور کوستی بھی بہت ہیں اور شوہروں کی احسان فراموشی بھی بہت کرتی ہیں، میت پر نوحہ کرنا تو ان کی خصوصیت ہی ہے ہائے وائے کرنا، رونا پیٹنا گریبان پھاڑنا اور اسی طرح کے دوسرے ایسے کام کرتی ہیں جو مرد نہیں کرتے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے کسی قدر تفصیلی بیعت لی۔ جہاد مردوں کے ساتھ مخصوص تھا اس لئے بیعت جہاد صرف مردوں سے لی۔ ابن المنذر نے بطریق محمد بن اسحاق بروایت محمد از عکرمہ یا از سعید بن مسیبؒ بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا عبداللہ بن عمرؓ اور زید بن حارثؓ کچھ یہودیوں سے دوستی رکھتے تھے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوا مِنَ الْآخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ ﴿۱۳﴾ اے ایمان والو! ان لوگوں سے (بھی) دوستی مت کرو جن پر اللہ نے غضب نازل فرمایا ہے وہ آخرت (کے ثواب اور فلاح) سے ایسے ناامید ہو گئے ہیں جیسے کفار قبروں

النصف ع ۲ ۸

والوں سے۔

قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ جن پر خدا نے غضب کیا ہے یعنی یہودی۔ حضرت ابن عباسؓ نے یہی فرمایا بغوی نے لکھا ہے کہ کچھ غریب مسلمان یہودیوں سے جوڑ اور تعلق رکھتے اور ان کو مسلمانوں کی کچھ خبریں پہنچا دیتے تھے اور یہودیوں کے پاس سے ان کو کچھ پھل مل جاتے تھے اللہ نے اس کی ممانعت فرما دی۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ عام کافر مراد ہیں۔

قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ اگر مغضوب علیہم سے یہی مراد ہوں تو یہودیوں کا آخرت کی بہبودی سے مایوس ہونا اس بناء پر ہے کہ یہودی رسول اللہ ﷺ کے نبی برحق، صاحب معجزات ہونے کے منکر تھے حالانکہ توریت میں حضور ﷺ کی بشارت موجود تھی مگر شیطان کے زیر تسلط آکر محض حسد و عناد کی وجہ سے وہ حضور ﷺ کی رسالت کا انکار کرتے تھے۔ اور ان تمام باتوں کو جانتے بھی تھے مگر بدبختی ان پر غالب تھی، دانستہ دشمنی اور حسد کرتے تھے اسی وجہ سے آخرت کی فلاح و بہبود سے ناامید ہو گئے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ آخرت کے ثواب میں ہمارا کوئی حصہ نہیں۔

اگر عام کفار مراد ہوں تو چونکہ ان کا آخرت پر اور آخرت کے ثواب اور عذاب پر ایمان ہی نہ تھا اس لئے نہ عذاب آخرت سے ڈرتے تھے نہ ثواب آخرت کے امیدوار۔

كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ یعنی کفار جس طرح قبروں کے مُردوں کے دوبارہ اٹھائے جانے یا ان کے ثواب پانے کی امید نہیں رکھتے اگر قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ سے مراد عام کفار ہوں تو پھر دوبارہ صراحت کے ساتھ لفظ کفار کا استعمال یہ بات بتا رہا ہے کہ کفر ہی نے ان کو مایوس بنا رکھا ہے۔ اس تفسیر پر مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ کا تعلق یَئِسَ سے ہوگا اور ظرف لغو ہوگا۔

بعض کے نزدیک ظرف مستقر ہے اور مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ الکفار کا بیان ہے اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح قبروں میں دفن ہونے والے مُردہ کافر ثواب آخرت سے مایوس ہیں اسی طرح یہودی بھی فلاح آخرت سے نراس ہیں۔ کذا قال مجاہد و سعید بن جبیرؒ۔

الحمد للہ

سورۃ الممتحنۃ کی تفسیر مظہری کا ترجمہ ختم ہو گیا۔

⁂

سورۃ الصف

یہ سورۃ مدنی ہے اس میں ۱۴ آیات اور دو رکوع ہیں۔

ترمذی اور حاکم نے لکھا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا ہم چند صحابی بیٹھے باہم تذکرہ کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ ہم کو اگر معلوم ہو جاتا کہ کونسا عمل اللہ کو زیادہ محبوب ہے تو ہم وہی عمل کرتے اس پر آیتِ ذیل نازل ہوئی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۱

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۲

جو چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب اللہ ہی کی پاکی بیان کرتی ہیں وہی زبردست حکمت والا ہے۔ اے ایمان والو ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔

حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا یہ آیات آخر تک رسول اللہ ﷺ نے ہم کو پڑھ کر سنائیں۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کا قول بھی اسی طرح نقل کیا۔

بغوی نے مفسّرین کا قول نقل کیا ہے کہ (کچھ) مسلمانوں نے کہا تھا ہم کو اگر معلوم ہو جاتا کہ اللہ کو سب سے زیادہ محبوب عمل کونسا ہے تو ہم وہی کرتے اور اس کے لئے اپنی جان و مال کو قربان کر دیتے اس پر اللہ نے آیت اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا نازل فرمائی اور غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کی آزمائش کی گئی تو مسلمان پُشت پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے اس پر آیت لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ نازل ہوئی۔

ابن جریر نے ابو صالح کی روایت سے بیان کیا ہے کہ مسلمانوں نے کہا تھا اگر ہم کو علم ہو جاتا کہ کونسا عمل اللہ کو زیادہ پیارا اور افضل ہے تو ہم اسی کو کرتے اس پر آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ الخ نازل ہوئی مگر کچھ مسلمانوں پر جہاد شاق گزرا اس پر آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ نازل ہوئی۔ ابن جریر نے بطریقِ علیؓ حضرت ابن عباسؓ کا بیان بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے بروایتِ عکرمہ حضرت ابن عباس کا قول اور ابن جریر نے ضحاک کا بیان نقل کیا ہے کی آیت لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ اس شخص کے متعلق نازل ہوئی جو جہاد میں نہ تلوار کا استعمال کرتا ہے نہ برچھے کا نہ (دشمن کو) قتل کرتا ہے۔ ابن ابی حاتم نے مقاتل کا قول نقل کیا ہے کہ اُحد کی لڑائی میں جو لوگ پشت پھیر کر بھاگے تھے ان کے متعلق اس آیت کا نزول ہوا۔

محمد بن کعب نے کہا کہ شرکاء بدر کے ثواب کا بیان جب اللہ نے بیان فرمایا تو صحابہؓ کہنے لگے اگر آئندہ کبھی لڑائی کا موقع مِلا تو ہم اپنی ساری طاقت لگا دیں گے لیکن جب اُحد کی لڑائی ہوئی تو یہ حضرات بھاگ کھڑے ہوئے اللہ نے ان کو عار دلانے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔ ابن زید کا قول ہے کہ یہ آیت منافقوں کے حق میں نازل ہوئی جو مسلمانوں کی مدد کرنے کا وعدہ کرتے تھے مگر تھے جھوٹے وعدہ کو پورا نہیں کرتے تھے۔

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۳ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝۴

اللہ کی بڑی ناراضی کی ہے یہ بات کہ جو کہو وہ کرو نہیں۔ اللہ ان لوگوں کو خاص طور پر پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں کہ گویا وہ سیسہ

پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

مَقۡتًا سخت ترین غصہ۔ یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ ان کا قول اللہ کو اتنا سخت ناپسند اور موجب ناراضی تھا کہ ہر نا پسندیدہ قول سے بڑھ کر تھا۔ یہ پُرزور بازداشت ہے اس امر سے کہ ایسی بات کہیں جو کریں نہیں، اور وعدہ تو کرلیں مگر پورا نہ کریں۔

مَرۡصُوۡصٌ یعنی ایسی صف بندی کرتے ہیں کہ بیچ میں شگاف نہیں چھوڑتے اور بھاگنے کے لئے حرکت بھی نہیں کرتے رَصّ کا معنی ہے کسی عمارت یا دیوار کا مضبوط ہونا اور اس کے اجزاء کا باہم اتنا پیوستہ ہو جانا ٹھس جانا کہ خلا بالکل نہ رہے۔

وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِهٖ یٰقَوۡمِ لِمَ تُؤۡذُوۡنَنِیۡ وَقَدۡ تَّعۡلَمُوۡنَ اَنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَیۡکُمۡ ؕ فَلَمَّا زَاغُوۡۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ ۝۵

(قابلِ ذکر ہے وہ واقعہ) جب کہ موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم والو مجھے تم دُکھ کیوں دیتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں جو تمہارے پاس (بھیجا ہوا) آیا ہوں پس جب (اس فہمائش پر بھی) وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو (اور) ٹیڑھا کر دیا اور اللہ ایسے نافرمانوں کو ہدایت یاب نہیں کرتا۔

لِقَوۡمِهٖ اپنی قوم سے یعنی بنی اسرائیل سے۔

لِمَ تُؤۡذُوۡنَنِیۡ یعنی کیوں میری نافرمانی کرتے ہو اور اُدرہ کے مرض یعنی ورم خصیہ کی تہمت لگاتے ہو۔

وَقَدۡ تَّعۡلَمُوۡنَ الخ یعنی میرے معجزات کو تم نے دیکھا اور دیکھ رہے ہو فرعون سے جو تم کو سخت دُکھ اور عذاب دیتا تھا میں نے تم کو بچایا اور یہ سمندر پار کر لیا۔ پس جب تم جانتے ہو کہ میں رسول ہوں تو پھر مجھے ایذا کیوں دیتے ہو نبوت کا تو تقاضا ہے کہ نبی کی تعظیم کی جائے اور اس کو دُکھ نہ دیا جائے۔

فَلَمَّا زَاغُوۡۤا یعنی جب وہ حق سے مُڑ گئے اور موسیٰؑ کو ایذاء دینے سے باز نہیں آئے تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو قبول حق سے پھیر دیا۔

لَا یَهۡدِیۡ یعنی ایسی ہدایت کی توفیق نہیں دیتا کہ وہ حق کو پہچان میں یا جنت تک پہنچ جائیں۔ زجاج نے لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جن لوگوں کا فاسق رہنا پہلے سے اللہ کے علمِ ازلی میں ہے ان کو ہدایت نہیں کرتا۔

وَاِذۡ قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَیۡکُمۡ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوۡرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُهٗۤ اَحۡمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ قَالُوۡا هٰذَا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ۝۶

اور (وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے) جب کہ عیسیٰؑ ابن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری پاس اللہ کا بھیجا ہوا رسول آیا ہوں کہ مجھ سے پہلے جو توریت آچکی ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور ایک عالی قدر رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا جب عیسیٰؑ اپنی رسالت کو ثابت کرنے کے لئے ان کے سامنے کھلی نشانیاں یعنی معجزات لائے تو انہوں نے کہا یہ تو صریح جادو ہے۔

یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ حضرت عیسیٰؑ نے یا بنی اسرائیل فرمایا حضرت موسیٰؑ کی طرح یا قوم نہیں فرمایا کیونکہ بنی اسرائیل سے آپ کا کوئی نسبی تعلق نہیں تھا نسب باپ سے چلتا ہے اور حضرت عیسیٰؑ کا کوئی باپ نہ تھا بَیۡنَ یَدَیَّ یعنی مجھ سے پہلے۔ اِسۡمُهٗۤ اَحۡمَدُ۔ رسول اللہ ﷺ کا دوسرا نام احمد تھا پہلا نام محمد ﷺ تھا۔ احمد بروزن اَفۡعَلُ اسم تفضیل کا صیغہ ہے رسول اللہ ﷺ حامد اللہ کی حمد کرنے والے بھی اور محمود بھی۔ انبیاء سب ہی اللہ کی حمد کرتے ہیں مگر رسول اللہ ﷺ سب سے حامد تھے۔ تمام انبیاء خصائل حمیدہ کے حامل ہوتے ہیں اس لئے سب محمود ہوتے ہیں مگر رسول اللہ ﷺ تمام مخلوقات اور سارے انبیاء سے بڑھ کر محمود تھے کیونکہ آپ کے فضائل و محاسن اور اخلاق و مناقب سب سے اعلیٰ اور افضل تھے اس لئے آپ سب سے زیادہ مستحق محمودیت

ہوئے اور آپ کا نام محمد (بہت زیادہ محمود) ہوا حضرت مجدد صاحبؒ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کو دو قسم کی ولایت حاصل تھی اول ولایتِ محمدیہ یعنی محبوبیت جو محبت کے ساتھ مخلوط ہے دوسری ولایتِ احمدیہ یہ خالص محبوبیت کا مقام ہے اس بناء پر احمد کو محمودیت سے مشتق مانا جائے تو اولیٰ ہے اسم تفضیل کا صیغہ کبھی کثرتِ فاعلی پر دلالت کرتا ہے کبھی کثرتِ مفعولی پر احمد کے لفظ میں اگر کثرتِ مفعولی یعنی کثرتِ محمودیت مانی جائے تو اولیٰ ہے۔

حضرت عیسیٰؑ نے اپنے رسالت کے دعویٰ میں دوسرے انبیاء کی تصدیق کی کیونکہ حق کی مطابقت و موافقت حق کے ساتھ ہوتی ہے اور تمام انبیاء باہم دوسرے کی رسالت کی شہادت دیتے ہیں، توریت پہلی کتاب تھی جس کے موافق انبیاء حکم دیا کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ نے اس کی تصدیق کی اور خاتم المرسلین سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کی بھی بشارت دی آپ کی آمد کی بشارت تمام انبیاء نے اور توریت نے اور ساری آسمانی کتابوں نے دی تھی۔

فَلَمَّا جَآءَهُم الخ یعنی جب عیسیٰؑ نے کھلے کھلے معجزات پیش کئے، مُردوں کو زندہ کیا، مادر زاد اندھوں کو بینا کر دیا اور مبروص کو تندرست بنا دیا۔ یا رسول اللہ ﷺ کی طرف ضمیر راجع ہے یعنی رسول اللہ ﷺ نے کھلے معجزات پیش کئے انگلی کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے سب سے بڑھ کر دوامی معجزہ قرآن پیش کیا۔

قَالُوْا تو کفار بنی اسرائیل نے یا کفار قریش نے کہا۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۞ اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر دروغ بندی کرتا ہے حالانکہ اس کو اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے اور اللہ ایسے ظالم (حق ناشانس) لوگوں کو ہدایت یاب نہیں کرتا۔

اِفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ دروغ بندی کرتا ہے یعنی اللہ کی طرف شرک کی یا صاحب اولاد ہونے کی نسبت کرتا ہے یا یوں کہتا ہے کہ اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نہیں اُتارا یا کہتا ہے اللہ نے ہم کو حکم دے دیا ہے کہ کسی پیغمبر کو مت ماننا جب تک وہ ایسی قربانی نہ پیش کرے جس کو غیبی آگ آکر کھا جائے یا کہتا ہے کہ موسیٰؑ کی شریعت دوامی شریعت ہے جو قیامت تک باقی رہے گی کبھی منسوخ نہیں کی جائے گی۔

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ یعنی اللہ کے علم قدیم میں جس کا ظالم رہنا لازم ہے اللہ اس کو ہدایت یاب ہونے کی توفیق نہیں دیتا اور فلاح یاب نہیں بناتا۔

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۞ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۞ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور یعنی دین اسلام کو اپنے منہ کی پھونک سے بجھا دیں لیکن اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا خواہ کافروں کو کیسا ہی ناگوار ہو اسی نے اپنے رسول کو ہدایت کا سامان یعنی قرآن اور سچا دین یعنی اسلام دے کر بھیجا ہے تاکہ اس دین کو تمام دوسرے دینوں پر غالب کر دے گو مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں۔ ۱ع۹

نُوْرَ اللّٰهِ اللہ کا دین بِاَفْوَاهِهِمْ اپنی جھوٹی باتوں اور دروغ تراشیوں سے۔ جیسے کوئی شخص سورج اور چاند کی روشنی پھونک مار کر بجھانا چاہے تو بجھا نہیں سکتا اسی طرح دین اسلام کو جو نور خداوندی ہے منہ کی پھونک یا جھوٹی باتوں اور افتراء بندیوں سے نابود نہیں کیا جا سکتا اس آیت میں ایک لطیف تشبیہ ہے۔

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ یعنی اللہ دین اسلام کو پھیلائے گا سر بلند کرے گا اور درجۂ کمال تک ضرور پہنچائے گا۔

وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ: وَلَوْ اگرچہ، خواہ لَوْ متصلہ ہے یعنی کافروں کی خوشی ہو یا نہ ہو دونوں برابر ہیں دینِ اسلام کو تو اللہ پھیلا

کررہے گا دین کا جھنڈا ضرور بلند کرے گا کافروں کی ناخوشی کی اس کو پروا نہیں۔
رَسُوْلَهٗ یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کو بِالْهُدٰى یعنی قرآن اور معجزات اور وہ سامان دے کر بھیجا جس سے لوگ حق تک پہنچنے کا راستہ پالیں۔ دِيْنِ الْحَقِّ دینِ الٰہی۔ اسلام لِيُظْهِرَهٗ یعنی تلوار اور دلائل کے ذریعہ سے اسلام کو غالب کردے۔ كُلِّهٖ سب مذاہب پر۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ⑩ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑪

اے ایمان والو کیا میں تمہیں ایسی سوداگری بتاؤں جو تم کو ایک دردناک عذاب سے بچالے وہ یہ ہے کہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو۔
عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ دنیوی تجارت' محتاجی اور بھوک کے عذاب سے بچاتی ہے میں تم کو ایسی تجارت بتاتا ہوں جو آخرت کے دردناک عذاب سے بچانے والی ہے۔
ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیرؒ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ نازل ہوئی تو مسلمانوں نے کہا وہ تجارت کونسی ہے جو دردناک عذاب سے بچانے والی ہے اگر ہم کو معلوم ہو جاتا تو ہم اس کے لئے اپنے مال اور اہل وعیال کی قربانی دینے سے دریغ نہ کرتے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔
تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ الخ یہ تجارت کی تشریح ہے ایمان اور جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد ان دونوں کا مجموعہ تجارت ہے تجارت لین دین کا نام ہے مال اور جان کو دے کر آخرت کی راحت اور اللہ کی خوشنودی کا حصول یہ بھی تجارتی مبادلہ ہوا باطل عقائد کو ترک کر کے سچے علم یعنی ایمان کو لینا بھی بڑی نفع بخش تجارت ہے تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ الخ جملۂ خبریہ ہے تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہوئے اور اس کی راہ میں جہاد کرتے ہو لیکن خبر سے مراد ہے امر جو انشاء کی ایک قسم ہے یعنی حکم دینا حکم کو بصورتِ خبر ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ چیز قابلِ ترک نہیں اس سے صحابہؓ کی تعریف بھی مترشح ہوتی ہے کہ تم لوگ ایمان رکھتے اور جانی و مالی جہاد کرتے ہو۔
ذٰلِكُمْ یعنی ایمان و جہاد کا مجموعہ۔ خَيْرٌ لَّكُمْ یعنی خواہشات کی پیروی کرنے اور جان و مال کو راہِ خدا میں خرچ نہ کرنے سے بہتر ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو تو سمجھو اور یہ تجارت کرو، اس کو نہ چھوڑو۔

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑫ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑬

(جب ایسا کرو گے تو) اللہ تمہارے گناہ معاف کردے گا اور تم کو (آخرت میں) ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں داخل کردے گا جو ہمیشہ رہنے کے باغوں میں بنے ہوں گے' یہ بڑی کامیابی ہے اور ایک اور بھی ہے جس کو تم دنیا میں پسند کرتے ہو یعنی اللہ کی طرف سے مدد اور قریب مدت میں ہی فتح یابی، اور (اے رسول) آپ ایمان والوں کو اس کی بشارت دے دیجئے۔
يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ یہ جوابِ امر ہے یعنی اگر ایمان لاؤ گے اور جہاد کرو گے تو اللہ تمہارے گناہ معاف کردے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ استفہام محذوف کا جواب ہو' استفہام محذوف پر استفہام مذکور دلالت کررہا ہے پورا کلام اصل میں اس طرح تھا کیا تم قبول کرو گے کہ میں تم کو ایک تجارت بتاؤں اگر قبول کرو گے تو اللہ تمہارے گناہ معاف کردے گا۔

جَنّٰتِ عَدْنٍ عدن کا معنی ہے قیام کرنا، ٹھہرنا استقرار عَدَنَ بِمَكَانٍ كَذَا فلاں جگہ ٹھہر گیا۔ مَعْدِن جواہرات کا

مستقر۔ قرطبی نے لکھا ہے کہ بعض روایت میں آیا ہے جنتیں سات ہیں۔ دارالجلال، دارالسلام، دارالخلد، جنت عدن، جنت المأویٰ، جنت نعیم جنت الفردوس۔ بعض اقوال میں آیا ہے کہ جنتیں چار ہیں جن کا ذکر آیت قرآنی میں آیا ہے، ارشاد فرمایا ہے، وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ۔ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ۔

صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو جنتیں چاندی کی ہیں جن کی عمارتیں اور سارا سامان چاندی کا ہے اور دو جنتیں سونے کی ہیں جن کی عمارتیں اور سارا سامان سونے کا ہے اور جنت عدن میں رب کی طرف دیکھنے سے مانع صرف عظمتِ الٰہی کی چادر ہوگی جو رب کے چہرہ پر ہوگی بظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت عدن چاروں جنتوں سے الگ کوئی جنت ہے لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ بلکہ چاروں جنتوں کی صفت مأویٰ بھی ہے اور خلد بھی اور عدن بھی اور السلام بھی یعنی چاروں جنتوں میں سے ہر جنت کو خلد بھی کہا جاتا ہے اور ماوی بھی اور عدن بھی اور السلام بھی حکیم ترمذی نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔

ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ چار چیزیں اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنائیں عرش اور عدن اور قلم اور آدم۔ پھر ہر چیز کو خطاب کر کے فرمایا ہو جا وہ فوراً ہو گئی۔

ابن مبارک، طبرانی، ابوالشیخ اور بیہقی حضرت عمران بن حصینؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے آیت وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ کے متعلق دریافت کیا گیا فرمایا موتی کا ایک قصر ہے قصر کے اندر یاقوتِ سرخ کے ستر مکان ہیں، ہر مکان کے اندر زمرد سبز کے ستر کمرے ہیں ہر کمرے میں ایک تخت بچھا ہوا ہے ہر تخت پر ستر قسم کا کھانا ہے۔ ہر کمرے کے نادر خادم اور خادمہ مؤمن کو ہر صبح یہ تمام کھانا ہر کمرے میں ملے گا۔

ذٰلِكَ یعنی گناہوں کی مغفرت اور جنت میں داخلہ۔

اَلْفَوْزُ الْعَظِيْمُ اتنی بڑی کامیابی ہے کہ دوسری ہر کامیابی اس کے مقابلے میں حقیر ہے۔

وَاُخْرٰى یعنی جلد ملنے والی ایک نعمت اور ہے۔

تُحِبُّوْنَهَا تم اس کو پسند کرتے ہو۔ اس فقرہ میں اس بات پر تعریض ہے کہ تم کو فوری جلد ملنے والی نعمت پسند ہے۔

نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ الخ یعنی اللہ کی طرف سے قریش کے خلاف مدد اور مکہ کے فتح یا خیبر کی فتح عطا نے کہا روم اور فارس کی فتح مراد ہے میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ عام فتح و نصرت مراد ہے کیونکہ بندہ کی کوشش اور جہاد کے ذریعہ سے من جانب اللہ ہر نصرت و فتح حاصل ہوتی ہے اللہ نے فرمایا ہے۔

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ۔

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ یعنی آپ قریبی فتح و نصرت کی جس کا اللہ نے وعدہ کیا ہے مسلمانوں کو بشارت دے دیجئے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے پہلے امر حاضر کا صیغہ یعنی قُلْ محذوف ہے اور بَشِّرْ کا عطف قُلْ پر ہے اس صورت میں امر کا عطف امر پر ہو جائے گا یا بَشِّرْ کا عطف تُؤْمِنُوْنَ پر کیونکہ تُؤْمِنُوْنَ بظاہر خبر ہے لیکن امر مراد ہے اب مطلب اس طرح ہو گا اے اہلِ ایمان اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور اے رسول آپ مؤمنوں کو فتح کی بشارت دے دیجئے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿۱۴﴾ ع ۱۰/۵

اے ایمان والو اللہ کے دین کے مددگار ہو جاؤ جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم نے اپنے حواریوں سے کہا تھا اللہ کے دین کے واسطے میرا مددگار کون ہے حواریوں نے کہا ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں پھر اس کے بعد بنی اسرائیل

کا ایک گروہ تو ایمان لے آیا اور کچھ لوگ منکر رہے سو ہم نے ایمان والوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد کی اس کے نتیجہ میں وہ غالب ہو گئے۔

اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ یعنی اللہ کے دین کی مدد کے لئے قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ حواری وہ بارہ آدمی تھے جو حضرت عیسیٰؑ پر سب سے پہلے ایمان لائے تھے حواریوں کی مزید تحقیق سورۂ آل عمران میں گزر چکی ہے۔

نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ یعنی ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ یعنی بنی اسرائیل کا ایک گروہ عیسیٰؑ پر ایمان لے آیا وہی اس گروہ سے مراد ہیں۔

فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّھِمْ یعنی حضرت عیسیٰؑ کے اٹھائے جانے کے بعد اہلِ ایمان کو ان کے دشمنوں پر دلائل کے ساتھ یا بصورتِ جنگ اللہ نے غالب کر دیا اور وہ مغلوب ہو گئے۔

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے اٹھائے جانے کے بعد ان کی قوم کے تین فرقے بن گئے ایک فرقہ نے کہا عیسیٰ خدا تھے جو اوپر چلے گئے دوسرے فرقہ نے عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہا اور کہا ان کے باپ نے ان کو اٹھا لیا تیسرے فرقہ نے کہا وہ اللہ کے بندے اور رسول تھے ہر فرقہ جُدا جُدا ہو گیا اور دو فرقے ہو گئے ایک فرقہ مؤمن رہا اہلِ ایمان اور اہلِ کفر کا خوب جدال و قتال ہوا دونوں کافر فرقے اہلِ ایمان پر غالب آئے اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت تک غالب رہے حضور ﷺ کی بعثت کے بعد مؤمن فرقہ کو کافروں پر غلبہ حاصل ہوا۔ یہی مراد ہے آیت فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّھِمْ الخ کا۔

بغوی نے بروایتِ مغیرہ ابراہیم کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ پر جو لوگ ایمان لائے ان کی دلیل غالب آ گئی کیونکہ کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عیسیٰؑ کی کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہونے کی تصدیق کی۔ میں کہتا ہوں کہ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ پر فَاٰمَنَتْ کا اور فَاَیَّدْنَا کا اور فَاَصْبَحُوْا کا عطف فَ کے ذریعہ سے ہے اور فَ محض تعقیب بلا مہلت پر دلالت کرتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ بعض لوگ حضرت عیسیٰؑ کے زمانے کے بعد بلا تاخیر ایمان لے آئے اور بعض نے انکار کر دیا پھر ایمان لانے کے فوراً بعد اللہ نے مؤمنوں کی تائید کی اور کافروں پر ان کو غالب کر دیا خلاصہ یہ کہ حواریوں کے قول کے بعد بلا تاخیر مؤمنوں کا کافروں پر غلبہ ہو گیا اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے کافروں کا مؤمنوں پر غلبہ تھا اور بعثتِ محمدی ﷺ کے بعد اہلِ ایمان اہلِ کفر پر غالب ہو گئے۔

واللّٰہ اعلم

الحمد للہ سورۃ الصف کی تفسیر ختم ہوئی

سُورَةُ الجُمُعَةِ

یہ سورۃ مدنی ہے اس میں گیارہ آیات اور دو رکوع ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① جو چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں زمین میں ہیں سب اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں؛ جو بادشاہ ہے ہر عیب اور نقص سے پاک ہے زبردست ہے حکمت والا ہے۔

اَلْقُدُّوْسِ ہر اس وصف سے جو اس کی شان کے لئے زیبا نہیں پاک ہے۔ اَلْعَزِيْزِ اپنی حکمت میں بڑا زبردست ہے۔ اَلْحَكِيْمِ اپنی صنعت میں حکم والا ہے یعنی کائنات کی ہر چیز اللہ کی ہستی اور اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے اور ظاہر کرتی ہے کہ اس کو بنانے والا ہر نازیبا شئی یعنی عیب و نقص و کمزوری سے پاک وصاف ہے۔ نیز یہ کہ ہر چیز خواہ وہ نبات ہو یا جماد ایک خاص نوعیت کی زندگی اور نوعی شعور کی حامل ہے اور اپنی نوعی زبان میں اللہ کی وحدانیت کا اقرار کر رہی ہے اور اس کا بے عیب ہونا بیان کر رہی ہے لیکن اے انسانو! تم اس کی تسبیح قولی کو نہیں سمجھتے۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ② وہی ہے جس نے (عرب کے) ناخواندہ لوگوں میں انہی کی قوم میں سے (یعنی عرب میں سے) ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو (غلط عقائد اور برے اعمال و اقوال سے) پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور دانشمندی کی باتیں سکھاتا ہے اور بلاشبہ یہ لوگ (بعثت محمدی سے) پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

اَلْأُمِّيّٖنَ سے مراد ہیں عرب، کیونکہ ان میں اکثر ناخواندہ تھے۔

مِنْهُمْ یعنی پیغمبر بھی ان امیوں میں سے ایک امی تھے مطلب یہ کہ ان کی طرح ناخواندہ تھے۔

اٰيٰتِهٖ یعنی باوجود ناخواندہ ہونے کے اللہ کا کلام اور اس کی بھیجی ہوئی آیات سناتے ہیں۔

وَيُزَكِّيْهِمْ یعنی شرک سے اور گندے افکار و اعمال سے ان کو پاک کرتے ہیں۔

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ یعنی ان کو قرآن کی تعلیم دیتے ہیں جو ایسا بلیغ ہے کہ سارے انس و جن مل کر اگر اس کے مثل کلام بنانے کی کوشش کریں تب بھی عاجز رہیں گے۔ وَالْحِكْمَةَ یعنی محکم شریعت جو ناقابل نسخ ہے اور دوسرے انبیاء کی شریعتوں کی تائید کر رہی ہیں یعنی آسمانی کتابوں کے اصول کے مطابق ہے اور یہ اصول وہی ہیں جن کی شہادت تمام کتب سماویہ میں دی گئی ہے۔

وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ الخ بلاشبہ عرب بعثت نبوی سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے، یعنی پتھروں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے ان کے عقائد و اقوال کی تائید نہ عقل سے کی جاسکتی تھی نہ کسی صحیح نقل سے نہ درایت اس کو قبول کرتی تھی نہ روایت اس کی صحت کی شہادت دیتی تھی۔

وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ③ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۴﴾ اور (علاوہ ان موجودین کے) دوسرے لوگوں کے لئے بھی جو انہیں میں سے ہیں مگر ابھی ان میں شامل نہیں ہوئے اور وہی زبردست حکمت والا ہے یہ (رسول اللہ ﷺ کی ہدایت اور اس کو قبول کرنا) اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ اس کا عطف یُعَلِّمُھُمْ کی ضمیر مفعول پر ہے یعنی ان لوگوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کو بھی وہ تعلیم دیتے ہیں اور یہ دوسرے لوگ بھی اوّل لوگوں میں سے ہی ہیں یعنی انہیں کے ہم مذہب ہیں اور انہی کی راہ پر چلنے والے ہیں۔

عکرمہ اور مقاتل نے کہا آخرین سے مراد ہیں تابعین، ابن زید نے کہا وہ تمام لوگ مراد ہیں جو قیامت تک حلقہ اسلام میں داخل ہونے والے ہیں۔ ابن نجیح کی روایت میں مجاہد کا بھی یہی قول آیا ہے، لیکن عمرو بن سعید بن جبیر اور لیث کی روایت میں مجاہد کا قول آیا ہے کہ اس سے مراد عجمی لوگ ہیں کیونکہ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے سلمان فارسی بھی ہمارے ساتھ تھے اتنے میں سورتِ جمعہ نازل ہوئی جب حضور ﷺ نے آیت وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ تلاوت فرمائی تو ایک شخص نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ کون لوگ ہیں، حضور ﷺ نے لوٹا کر کوئی جواب نہیں دیا اس شخص نے جب دو یا تین بار سوال کیا تو سلمان فارسی کے اوپر ہاتھ رکھ کر حضور ﷺ نے فرمایا اگر ایمان ثریا کے پاس یعنی آسمان پر ہو گا تو ان کے یعنی ان کی قوم کے کچھ لوگ اس کو پالیں گے۔ متفق علیہ۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں اگر دین ثریا کے پاس بھی ہو گا تب بھی اہلِ فارس میں سے کوئی شخص یا فرمایا کچھ لوگ وہاں تک جا پہنچے گا، اور اس کو پالے گا۔

میں کہتا ہوں یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ فارس کے کچھ آدمی بھی ایسی فضیلت کے حامل ہوں گے کہ ان کا شمار ان برگزیدہ لوگوں میں ہو گا جو آیت و آخَرِیْنَ مِنْھُمْ میں مراد ہیں آیت کے عموم کا اقتضاء یہ نہیں ہے کہ صرف اہلِ فارس مراد ہوں۔

حضور ﷺ نے جو رجال من ھٰؤلاء ابناء فارس فرمایا شاید ان سے مراد ہوں نقش بندی سلسلہ کے اکابر۔ اکابرِ نقش بندیہ بخارا اور سمرقند کے باشندے تھے اور طریقت میں ان کی نسبت حضرت سلمان فارسی سے ہے کیونکہ ان کا انتساب حضرت جعفر صادق سے ہے اور حضرت جعفر کا تعلق قاسم بن محمد سے اور قاسم کی نسبت حضرت سلمان سے ہے اور حضرت سلمان کا طریق تعلق حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت ابوبکرؓ کا تعلق رسول اللہ ﷺ سے ہے۔

لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ یعنی آنے والے لوگوں نے ان کو یعنی صحابہؓ کو ابھی نہیں پایا ابھی وہ پیدا نہیں ہوئے لیکن صحابہؓ کے بعد ہو جائیں گے، یا یہ مطلب ہے کہ فضیلت اور ثواب میں صحابہؓ کے درجہ کو نہیں پہنچے تابعین اور ان کے بعد آنے والے لوگ صحابہؓ کے مرتبہ کو نہیں پا سکتے حضور ﷺ گرامی نے ارشاد فرمایا ہے میرے صحابیوں کو برا نہ کہو اگر تم میں سے کوئی کوہِ اُحد کے برابر بھی سونا راہِ خدا میں خرچ کرے گا تو صحابہؓ کے ایک سیر بلکہ آدھا سیر خرچ کرنے کے برابر نہ ہو گا۔ متفق علیہ من حدیث ابی سعیدؓ۔

اس تشریح پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ لَمَّا نفی ماضی اور توقع مستقبل پر دلالت کرتا ہے اگر مرتبہ کے مساوات کی نفی مقصود ہوتی تو مضارع منفی اور توقع مستقبل پر دلالت کرتا ہے اگر مرتبہ کے مساوات کی نفی مقصود ہوتی تو مضارع منفی کا صیغہ استعمال کیا جاتا کیونکہ بصورتِ مذکورہ تو یہ مطلب ہوا کہ وہ لوگ صحابہؓ کے مرتبہ کو ابھی نہیں پہنچے مگر آئندہ اس کی امید ہے اور مضارع کا صیغہ ذکر کیا جاتا تو یہ مطلب ہوتا کہ آنے والے لوگ صحابہؓ کے مرتبہ کو نہیں پہنچیں گے، اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ ماضی میں نفیٔ لحوق کا تحقق اکثریت کے لحاظ سے اور مستقبل میں توقع لحوق بعض افراد کے لحاظ سے ہے یعنی امید ہے کہ آنے والے بعض افراد خواہ ہزار برس کے بعد آئیں اتباعِ رسول ﷺ کی پابندی کی وجہ سے قرنِ اول کے درجہ تک پہنچ جائیں گے۔

گویا اس میں اشارہ ہے حضرت مجدد الفِ ثانیؒ اور آپ کے خلفاء کاملین کی طرف جو رسول اللہ ﷺ کی انتہائی مشابہت کی

وجہ سے کمالات رسالت تک پہنچ گئے اور وہ تمام مراتب ان کو حاصل ہو گئے جو اُولوالعزم اصحاب خلّت و ملّت اور فائزین بدرجۂ محبوبیت کے فضائل کا مجموعہ تھے صحابہؓ کے بعد حضرت مجدد اور آپ کے خلفاء کے سوا صدرِ اول کے مرتبہ کو اور کوئی نہیں پہنچا اور یہ حضرات پہنچ گئے تو گویا صحابہؓ کے مشابہ ہو گئے پس ان کی وجہ سے امتِ اسلامیہ مرحومہ کی مثال اس بارش کی ایسی ہو گئی جس کے متعلق نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا اول حصہ اِفادیت میں بہتر ہے یا آخری حصہ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے کہ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس کا اول حصہ بہتر ہے یا آخری حصہ یا اس باغ کی طرح ہے کہ ایک سال اس کے پھل ایک حصہ میں آئے اور ایک سال دوسرے حصہ پھل تو شاید آخری سال پھلنے والا ٹکڑا زیادہ لمبا چوڑا اور حسین ہو۔ رواہ رزین۔

وَهُوَ الْعَزِيزُ یعنی وہی زبردست طاقت رکھتا ہے اس امر کی کہ ایک اُمّی آدمی کو ایسے امرِ عظیم پر جس کی مثال پیش کرنے سے دوسرے عاجز ہوں قدرت عطا فرمادے اور اس کام میں اس کی مدد کرے۔ اَلْحَكِيمُ وہ حکمت والا ہے کہ دوسرے انسانوں کو نظر انداز کر کے ایک خاص شخص کو پیغمبری کے لئے منتخب کر لینے کا اختیار رکھتا ہے۔

ذٰلِكَ یہ بعثتِ رسول، تعلیمِ رسول اور تزکیۂ گمراہاں۔

فَضْلُ اللّٰهِ اللہ کا فضل ہے محمد رسول اللہ ﷺ پر کہ ان کو پیغمبروں کے لئے چن لیا اور ہادی بنا دیا اور امت پر بھی اللہ کا فضل ہے کہ انہوں نے رسول کا اتباع کیا اور رسول نے ان کو ہدایت کی اور پاک کیا۔

يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وہ جس کو دینا چاہتا ہے اور اس کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے، اس کو وہ عنایت کرتا ہے۔

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا ۚ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥﴾

جن لوگوں کو توریت پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی حالت اس گدھے کی طرح ہے جو اپنے اوپر بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہو بُری حالت ہے ان لوگوں کی جنہوں نے خدا کی آیات کو جھٹلایا اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا یعنی ان کو توریت کی تعلیم دی گئی اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا۔

ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا یعنی پھر اس پر انہوں نے عمل نہیں کیا اور اس سے فائدہ اندوز نہیں ہوئے۔

يَحْمِلُ أَسْفَارًا جیسے گدھا علم کی کتابیں اپنے اوپر اٹھائے پھرتا ہے کتابوں کے بوجھ سے تھکا جاتا ہے اور ان سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاتا اس گدھے کی طرح حالت اس عالِم کی ہے جو علم کے موافق عمل نہیں کرتا رسول اللہ ﷺ نے دعا میں فرمایا تھا اے اللہ میں غیر مفید علم سے تیری پناہ کا خواستگار ہوں۔

بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللّٰهِ اس قوم سے مراد یہودی ہیں جنہوں نے قرآن کو جھٹلایا اور توریت کی ان آیتوں کی بھی تکذیب کی جو رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر دلالت کر رہی تھیں۔

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ یعنی جو لوگ خود ظلم پسند ہوں اللہ ان کو ہدایت نہیں کرتا یا یہ مطلب ہے کہ جو لوگ اللہ کے علمِ ازلی میں پہلے ہی ظالم قرار پاگئے ہیں اللہ ان کو ہدایت نہیں کرتا۔

قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلّٰهِ مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٦﴾ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٧﴾

آپ کہہ دیجئے اے یہودیو! اگر تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ بلا شرکتِ غیرے تم اللہ کے محبوب دوست ہو تو اس دعویٰ کے ثبوت کے لئے تم موت کی آرزو کرو تاکہ تم اللہ کے قرب میں جلد پہنچ جاؤ اگر تم سچے ہو تو ایسا کر کے دکھاؤ اور وہ کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے بوجہ ان اعمالِ کفریہ کے جو انہوں نے اپنے

ہاتھوں سمیٹے ہیں اور اللہ ان ظالموں کی حالت کو خوب جانتا ہے۔
اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ یہودی کہتے تھے ہم اللہ کے دوست اور چہیتے ہیں۔
مِنْ دُوْنِ النَّاسِ دوسروں کی شرکت کے بغیر یعنی محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ کی شرکت کے بغیر
فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ یعنی اللہ سے صرف اپنی موت کی دعا کرو تاکہ اس مصیبت کے گڑھے سے نکل کر مقامِ عزت میں جلد پہنچ جاؤ موت ایک پل ہے جو حبیب کو حبیب تک پہنچادیتا ہے۔
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم اپنے دعوئی میں سچے ہو تو موت کی تمنا کرو۔ موت کی تمنا جائز ہے یا ناجائز اس کی تحقیق ہم نے سورۂ بقرہ کی آیت میں کردی ہے۔
وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًا چونکہ کفر و معاصی کا ارتکاب وہ پہلے کر چکے ہیں اور آیاتِ توریت کو بگاڑنے کا جرم کر چکے ہیں اور توریت کی جو آیات رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر دلالت کرتی ہیں انہوں نے ان میں تحریف کرلی ہے اور ان کو جرائم مذکورہ کی پاداش میں اپنے دوزخی ہونے کا یقین ہے اس لئے موت کی تمنا نہیں کریں گے ان کو تو زندگی کی حرص سارے لوگوں سے سوا ہے یہ تو چاہتے ہیں کہ ہزار برس جیتے رہیں یہ موت سے ڈرتے اور بہت بھاگتے ہیں۔
قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ
الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑧ (اے نبی ﷺ آپ یہودیوں سے یہ بھی) کہہ دیجئے کہ جس موت سے تم بھاگ رہے ہو وہ (ایک دن) تم کو آپکڑے گی پھر عالم الغیب والشہادہ کی طرف تم کو لے جایا جائے گا پھر وہ تم کو تمہارے سب کئے کام بتلادے گا۔
ع ۸ / ۱۱
قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ الخ یعنی جس موت سے تم کو انتہائی ڈر لگتا ہے کہ تم کو تمہاری بداعمالی کے جرم میں پکڑا جائے گا وہ ضرور تم کو آکر رہے گی اس سے بھاگنا سود مند نہ ہوگا۔
اس جملہ میں آمدِ موت کی انتہائی تاکید کے لئے ان کو مکرر ذکر کیا یہودیوں کو کفر اور معاصی پر سخت اصرار تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کو موت سے سخت انکار ہے اس لئے موت کے آنے کے خبر کو پُرزور طور پر ذکر کرنا ہی مناسب تھا (تاکید بقدرِ انکار ضابطہ بلاغت ہے۔ مترجم)
اِنَّ کے اسم کے اندر شرط کا معنی تھا اس لئے اِنَّ کی خبر پر فَ لائی گئی۔ موت سے بھاگنا موت کے جلد آنے کا موجب ہے کیونکہ موت سے فرار موت کی طرف سے غافل بنادیتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس غفلت کی حالت میں زندگی کتنی ہی طویل ہو اور عمر کتنی ہی لمبی ہو لیکن طولِ حیات کا احساس و شعور جاتا رہتا ہے اور موت جب بھی آئے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ جلد آگئی اور جو شخص موت کا مشتاق رہتا ہے اس کو مختصر زندگی بھی طویل معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس پر زندگی شاق ہوتی ہے اور وہ ہر وقت موت کی آمد کا منتظر رہتا ہے خلاصہ یہ کہ موت سے فرار سرعتِ موت کا موجب ہوتا ہے۔
یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فَ تعلیلیہ ہو اور ان کی خبر محذوف مانی جائے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ موت سے جو تم بھاگتے ہو یہ بھاگنا تمہارے لئے سود مند نہیں ہوگا کیونکہ موت تو بہر حال آئے گی۔
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ یعنی اللہ تم کو تمہارے کئے ہوئے اعمال بتائے گا پھر تم کو اس کا بدلہ دے گا۔
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا
الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑨ اے ایمان والوں جب جمعہ کے روز نماز (جمعہ) کے لئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (یعنی نماز، خطبہ) کی طرف (فوراً) چل پڑا کرو اور خرید و فروخت (اور اسی طرح کے دوسرے مشاغل جو چلنے سے مانع ہوں) چھوڑ دیا کرو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم کو کچھ سمجھ ہو (تو سمجھو)
اِذَا نُوْدِيَ یعنی جب اذان دی جائے۔

مِن یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ۔ مِنْ بیانیہ ہے یہ اِذَا نُوْدِیَ کا بیان ہے کہ بعض اہلِ علم نے اس جگہ مِنْ کو بمعنی فی کہا ہے یعنی جب نمازِ جمعہ کے لئے جمعہ کے دن اذان دی جائے جیسے آیت اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ میں مِنْ بمعنی فی ہے۔

جمعہ کی وجہ تسمیہ

جمعہ کو جمعہ کہنے کی کیا وجہ ہے۔ علماء نے مختلف توجیہات کی ہیں۔ اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ دورِ جاہلیت میں یعنی دورِ اسلامی سے پہلے جمعہ کو العروبتہ کہتے تھے یعنی عظمت والا کھلا ہوا دن۔ اَعْرَبَ کا معنی ہی ظاہر کیا عروبتہ اسی سے مأخوذ ہے۔

سب سے پہلے اس دن کا نام کعب بن لُوَیّ نے رکھا، کعب نے ہی عربی خطبہ میں سب سے پہلے اَمّا بعد کا لفظ استعمال کیا اس روز قریش کعب کے پاس جمع ہوتے تھے کعب ان کو خطاب کرتا اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی خبر دیتا اور آپ کی پیدائش سے آگاہ کرتا تھا اور حکم دیتا تھا کہ جب پیدا ہو جائیں تو ان پر ایمان لانا اور ان کی پیروی کرنا اور اسی مضمون کے کچھ اشعار بھی سناتا تھا پہلے بنی اسماعیل تعمیر کعبہ سے تاریخ کا حساب لگایا کرتے تھے جب کعب بن لُوَیّ مر گیا تو اس کی وفات سے تاریخ کا حساب کرنے لگے اس کے بعد عام الفیل (حبشیوں کا کعبہ کو ڈھا دینے کے لئے مکہ پر چڑھائی کرنے کا سال سے حساب کرنے لگے یہی سال رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کا بھی تھا عام الفیل سے حساب کرنے کا دستور رسول اللہ ﷺ کی ہجرت تک رہا اس کے بعد ہجرتِ نبوت سے حساب کیا جانے لگا۔ کعب کی وفات اور بعثتِ نبوی کے درمیان ۵۶۰ برس کا فصل ہوا شرح خلاصۃ السِّیَر)۔

ابوحذیفہ بخاری نے المبتدأ میں حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے نقل کیا ہے جمعہ کے دن لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے اس لئے اس دن کا نام یوم الجمعہ ہوا۔ اس اثر کی سند ضعیف ہے بعض اہلِ علم کہتے ہیں کہ اس روز تخلیقِ آدم کے قوامی مادہ کو مادۂ تخلیق جمع کیا گیا اس لئے یہ یوم الجمعہ ہو گیا (فِیْہِ خُلِقَ اٰدَمُ عام قول ہے لیکن قابلِ وثوق نہیں۔ مترجم)

امام احمد، نسائی، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے حضرت سلمانؓ کی روایت سے بیان کیا اس کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم کو علم ہے کہ یوم الجمعہ کیا ہے (یعنی اس کی وجہ تسمیہ اور حقیقت کیا ہے) میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی جانے حضور ﷺ نے یہ بات تین بار فرمائی تیسری مرتبہ میں فرمایا یہی وہ دن ہے جس میں تمہارے باپ کے تخلیقی مادہ کو جمع کیا گیا۔ اس حدیث کی شاہد حضرت ابوہریرہؓ کی روایت بھی ہے جس کو ابن ابی حاتم نے موقوفاً قوی سند کے ساتھ نقل کیا ہے بیان یہ ہے کہ انصار اسعد بن زرارہ کے پاس جمع ہوتے تھے اور یوم جمعہ کو یوم عروبہ کہتے تھے اسعد بن زرارہ ان کو نماز پڑھاتے اور نصیحت کرتے تھے اس وجہ سے انصار نے اس دن کا نام یوم الجمعہ رکھ دیا یہ قصہ رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے کا ہے بعض اہلِ روایت کا قول ہے کہ ایسا رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے ہوا تھا دار قطنی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز جمعہ پڑھنے اور اس روز سب کے جمع ہونے کا حکم دیا تھا۔ حضور ﷺ نے مصعب بن عمیرؓ کو لکھا تھا اما بعد تم کو دیکھنا چاہئے کہ یہودی کس روز زبور کی تلاوت جہر کے ساتھ کرتے ہیں اسی روز تم اپنی عورتوں اور بچوں کو جمع کرو اور جمعہ کے یعنی جمع ہونے کے دن، دن ڈھلے سب مل کر دو رکعتیں پڑھ کر اللہ کا قرب حاصل کرو۔ راوی کا بیان ہے کہ سب سے پہلے حضرت مصعب نے جمعہ پڑھا اور پڑھتے رہے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ اس بیان کی سند میں ایک راوی احمد بن محمد بن غالب باہلی ہے جس پر وضع حدیث کا محدثین نے الزام لگایا ہے۔ زہری نے کہا اس متن کا مرسل ہونا معروف ہے۔

بعض اہلِ روایت نے کہا کہ ایسا صحابہؓ کے اجتہاد سے کیا گیا رسول اللہ ﷺ نے کوئی حکم نہیں دیا تھا عبدالرزاق نے صحیح سند سے محمد بن سیرین کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے اور جمعہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے ہی اہلِ مدینہ نے جمعہ پڑھا تھا انصار نے کہا کہ یہودیوں کا ہر سات دن میں ایک دن ہے جس میں وہ جمع ہوتے ہیں اور عیسائی بھی ہر ہفتے میں ایک مقرر دن جمع ہوتے ہیں لہٰذا ہم کو بھی ایک دن مقرر کر لینا چاہئے جس میں ہم جمع ہو کر نماز پڑھیں اللہ کی یاد کریں اور

شکر ادا کریں حسب مشورہ انصار نے یوم العروبہ مقرر کردیا اور حضرت اسعد بن زراہ کے پاس جمع ہوئے اور آپ نے ان کو نماز پڑھائی اور اس کے بعد اللہ نے آیت اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ الخ نازل فرمائی۔ حافظ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے لیکن حسن سند سے اس کا ایک شاہد بھی ہے جس کو ابوداؤد، ابن ماجہ ابن خزیمہ اور بعض دوسرے علماء نے حضرت کعب بن مالکؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اس کو صحیح کہا ہے حضرت کعبؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کے مدینہ میں رونق افروز ہونے سے پہلے ہم کو جمعہ کی نماز اسعد بن زرارہ نے پڑھائی (الحدیث) حضرت کعب جب جمعہ کی اذان سنتے تھے تو حضرت اسعد بن زرارہ کے لئے دعاء رحمت کرتے تھے۔ عبدالرحمٰن بن کعب کا جب جمعہ کی اذان سنتے تھے تو حضرت اسعد بن زرارہ کے لئے دعاء رحمت کرتے تھے۔ عبدالرحمٰن بن کعب کا بیان ہے کہ میں نے حضرت کعب سے پوچھا آپ حضرات اس زمانہ میں کتنے تھے فرمایا چالیس، ابن سیرین کی مرسل حدیث بتارہی ہے کہ ان صحابہ نے یوم جمعہ کا انتخاب اور نماز کے لئے تعین اپنے اجتہاد سے کیا تھا، اور ممکن ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں تھے اسی زمانہ میں جمعہ کے متعلق وحی آگئی ہو لیکن ماحول کو دیکھ کر آپ جمعہ قائم نہ کرسکے ہوں جیسا کہ حضرت ابن خزیمہ کی حدیث میں اور اس کے بعد والی مرسل روایت میں آیا ہے یہی وجہ ہوگی کہ مدینہ میں پہنچتے ہی رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو جمعہ کی نماز پڑھائی۔

رسول اللہ ﷺ کے مدینہ میں رونق افروز ہونے اور پہلی نماز جمعہ پڑھنے کا بیان

بخاری نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے اور ابن سعد نے صحابہؓ کی ایک جماعت کے حوالہ سے بیان کیا کہ مدینہ میں جب مسلمانوں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ سے روانہ ہوگئے ہیں تو ہر روز صبح کو مدینہ سے نکل کر حرّہ میں پہنچتے اور انتظار کرتے رہتے جب سورج میں تیزی آجاتی اور دوپہر کی دھوپ ستانے لگتی تو واپس آجاتے یہ زمانہ گرمی کا تھا جب حضور ﷺ کی تشریف آوری کا دن ہوا تو لوگ انتظار کرنے کے بعد اپنے گھروں کو چلے گئے تھے۔ یہودی اپنی گڑھی پر کسی کام سے چڑھا ہوا مدینہ کو آنے والے راستہ کی طرف دیکھ رہا تھا جوں ہی رسول اللہ ﷺ پر اس کی نظر پڑی فوراً بلند آواز میں اس نے پکارا قیلیلے والو یہ آگئے وہ صاحب جن کا تم انتظار کرتے تھے' آواز سنتے ہی مسلمان دوڑ پڑے اور جاکر حضور ﷺ کا استقبال کیا۔ یہ واقعہ یکم ربیع الاول روز دوشنبہ کا ہے' جریر بن حازم نے ابواسحاق کی روایت سے دوسری ربیع الاول آمد کی تاریخ بتائی ہے' ابراہیم بن سعد نے بروایت ابن اسحاق بارہ تاریخ اور ابوسعید نے ۱۳ تاریخ بیان کی ہے' حافظ نے کہا اکثر کا قول ہے کہ دن میں پہنچے تھے۔ مسلم کی روایت ہے کہ رات کو آئے تھے دونوں روایتوں کا اختلاف اس طرح دور کیا جاسکتا ہے کہ آخر شب یعنی ابتداء صبح میں پہنچے ہوں اس طرح حضور ﷺ والا قبا میں پہنچے اور بنی عمرو بن عوف کے محلہ میں کلثوم بن ہدم اور ابوبکر حبیب بن اساف کے گھر فروکش ہوئے' کلثوم نے چیخ کر غلام کو آواز دی نجیح نجیح کا لفظ سنتے ہی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابوبکر میں کامیاب ہوگیا (نجیح کا معنی ہے کامیاب۔ حضور ﷺ نے اس لفظ سے نیک فال لی) قبا میں کلثوم بن ہدم کی ایک ایسی جگہ تھی جہاں خشک کرنے کے لئے چھوارے پھیلائے جاتے تھے' حضور ﷺ نے وہ جگہ لے کر وہاں مسجد تعمیر کرادی۔

صحیح روایت میں آیا ہے کہ بنی عمرو بن عوف کے محلہ میں رسول اللہ ﷺ نے قیام فرمایا اور وہاں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ ایسی مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے (یعنی لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی سے یہی مسجد مراد ہے)۔

صحیح روایت میں آیا ہے کہ بنی عمرو کے محلہ میں رسول اللہ ﷺ نے دس روز سے کچھ زائد قیام فرمایا حضرت انسؓ نے فرمایا ۱۴ روز قیام پذیر رہے' ابن اسحاق نے پانچ دن کہا ہے' ابن حبان نے کہا سہ شنبہ اور پنجشنبہ تین روز قیام پذیر رہے اور جمعہ کے دن وہاں سے نکل آئے' حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عقبہ نے تین دن کی صراحت کی ہے گویا ان دونوں حضرات نے داخل ہونے اور برآمد ہونے کے دن کی گنتی نہیں لگائی' بنی عمرو بن عوف کے کچھ لوگوں کا بیان ہے کہ ۲۲ روز قیام فرمایا۔ امام احمد

اور بخاری و مسلم نے حضرت ابو بکرؓ کی روایت سے اور سعید بن منصور نے حضرت ابن زبیر کے حوالہ سے اور ابن اسحاق نے حضرت عویمر بن ساعد کی نسبت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی نجار کو بلوایا بنی نجار آپ کے رشتہ کے ماموں ہوتے تھے کیونکہ عبدالمطلب کی ماں اسی خاندان کی تھیں وہ لوگ تلواریں لٹکائے حاضر ہوگئے اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ سے کہا تشریف لے چلیے آپ سب امن چین میں رہیں گے اور آپ کے حکم کی تعمیل کی جائے گی۔ یہ جمعہ کا دن تھا رسول اللہ ﷺ اپنی قصویٰ نام والی اونٹنی پر سوار ہوگئے لوگ آپ کے دائیں بائیں اور پیچھے ہو لئے، کچھ لوگ سوار تھے کچھ پیدل۔ یہ دیکھ کر بنی عمرو بن عوف جمع ہوگئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ ہمارے مکان سے بہتر مکان کے خواستگار ہیں کہ یہاں سے تشریف لئے جا رہے ہیں فرمایا مجھے ایسی آبادی میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے جو سب بستیوں کو کھالے گی اس لئے تم اس اونٹنی کو چھوڑ دو یہ خدا کی طرف سے مامور ہے جہاں حکم ہوگا وہیں ٹھہر جائے گی۔ غرض مدینہ کو پہنچنے کے ارادے سے حضور ﷺ قبا سے چل دیئے لوگ آپ ﷺ کے استقبال کے لئے آئے ہوئے تھے جو کہہ رہے تھے اللہ اکبر رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ عورتیں اور لڑکیاں اور بچے کہہ رہے تھے (نظم) وداع کی گھاٹیوں سے چودھویں کا چاند نکل آیا جب تک دعا کرتے رہیں یعنی ہمیشہ شکر ادا کرنا ہم پر لازم ہے اے وہ رسول جس کو ہمارے اندر بھیجا گیا ہے آپ اس حکم کے ساتھ تشریف لائے ہیں جس کی تعمیل کی جائے گی یعنی آپ کے ہر حکم کی ہم تعمیل کریں گے۔

امام احمدؒ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ کے مدینہ میں تشریف لانے کی خوشی میں حبشی چھوٹے برچھے لے کر کھیل دکھانے لگے۔ بخاری نے حضرت براءؓ کی روایت سے لکھا ہے حضرت براءؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے اہلِ مدینہ جتنا خوش ہوئے میں نے اتنا خوش ہوتے ان کو کبھی نہیں دیکھا۔ انصار کے جس گھر کی طرف سے آپ گزرتے تھے وہ کہتے تھے یا رسول اللہ ﷺ تشریف لائیے آپ کے لئے حفاظت اور فراغت ہے۔ حضور ﷺ ان کو دعاء خیر دیتے یہ اونٹنی مامور ہے اس کا راستہ چھوڑ دو، بنی سالم کی طرف سے گزرے تو عتبہ بن مالک اور نوفل بن عبداللہ بن مالک آئے اور نوفل نے آپ کی اونٹنی کی مہار پکڑلی اور عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے پاس نزولِ اجلال فرمائیے ہمارے لوگوں کی تعداد بھی بہت ہے اور سامان بھی کثیر ہے اور اسلحہ بھی ہیں اور ہم باغوں والے ہیں......

یا رسول اللہ ﷺ جو عرب دشمن سے ڈر کر آتا تھا ہمارے پاس آکر پناہ لیتا ہے ہم ہی اس کو پناہ دیتے تھے۔ حضور ﷺ مسکرانے لگے اور فرمایا اس کے راستہ سے ہٹ جاؤ اس اونٹنی کو چھوڑ دو یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے۔ عبداللہ بن صامت اور عباس بن فضلہ بھی آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس اتر جائیے فرمایا اللہ تم کو برکت دے یہ اونٹنی مامور ہے۔ مسجد بنی سالم (کے مقام) پر پہنچے یہ مسجد وادی وانونا میں واقع تھی۔ بغوی نے لکھا ہے کہ جمعہ کا دن بنی سالم بن عمرو بن عوف کے محلّہ میں آیا اور اسی مسجد میں آپ نے نماز جمعہ ادا کی یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضور ﷺ نے مدینہ میں جمعہ کی اول نماز پڑھی اور مدینہ ہی میں جمعہ کا پہلا خطبہ دیا یہ بھی مروی ہے کہ آپ مسجد قبا میں نماز پڑھتے تھے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب جمعہ کی نماز پڑھی تو آپ کے ساتھ سو آدمیوں نے نماز پڑھتے تھے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب جمعہ کی نماز پڑھی تو آپ کے ساتھ سو آدمیوں نے نماز پڑھتے تھے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کا پہلا خطبہ دیا یہ بھی مروی ہے کہ آپ مسجد قبا میں نماز پڑھتے تھے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب جمعہ کی نماز پڑھی تو آپ کے ساتھ سو آدمیوں نے نماز پڑھی پھر حضور ﷺ راستہ سے دائیں سمت کو ہو لئے یعنی مڑ گئے بنی ساعدہ کی طرف سے گزر ہوا تو سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو اور ابو دُجانہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہاں تشریف لے آئیے یہاں حضور ﷺ کی تعظیم و تکریم کے ساتھ ثروت و طاقت اور دلیری کا مقام ہے سعد نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ثروت، دلیری، کثرتِ تعداد اور اس کے ساتھ کھجور کے خوشوں کی فراوانی اور کنواں میری قوم سے بڑھ کر کسی قبیلے کے پاس نہیں ہے میرے ہی قبیلہ میں نزول فرمائیے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ابو ثابت اس کا راستہ چھوڑ دو۔ اس سے تعرض نہ کرو جہاں ٹھہرنا ہے یہ ٹھہر جائے گی اللہ کی طرف سے یہ مامور ہے اس کے

بعد آپ اور بڑھے راستہ میں سعد بن ربیع عبداللہ بن رواحہ اور شبر بن سعد سامنے آئے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ہم کو چھوڑ کر آگے نہ بڑھیئے کہاں تشریف لے جانے کا ارادہ ہے؟ زیاد بن لبید اور فروہ بن عمر نے بھی یہی گزارش کی لیکن حضور نے یہی فرمایا اس کا راستہ چھوڑ دو یہ مامور ہے؟ اس کے بعد بنی عدی نجاری کی طرف گزر ہوا یہ لوگ آپ کے ماموں تھے۔ عبدالمطلب کی ماں اسی قبیلہ کی تھیں) ابوسلیطہ اور صرفہ بن ابی انیس نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ہم کو چھوڑ کر آگے نہ جایئے ہماری تعداد بھی بہت ہے؟ قوت بھی ہے اور آپ سے قرابت بھی ہے یارسول اللہ ﷺ چونکہ آپ سے قرابت بھی ہے اس لئے ہمارے مقابلہ میں کوئی دوسرا قبیلہ آپ کا مستحق نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اس کا راستہ چھوڑ دو یہ بندۂ حکم ہے خود مختار نہیں ہے غرض اونٹنی اور آگے چلی یہاں تک کہ جب بنی عدی بن نجار کے احاطہ کے سامنے پہنچی تو ان کی جانب رُخ کر کے کچھ ٹھہری بالآخر آپ چلتے چلتے مسجد کے دروازہ تک پہنچے مسجد کے دروازہ تک پہنچ کے اونٹنی بیٹھ گئی جبار بن صخر اس کو اس امید پر مارنے لگے کہ شاید اُٹھ کھڑی ہو لیکن اونٹنی نہیں اٹھی رسول اللہ ﷺ اتر پڑے اور فرمایا کس کا گھر یہاں سے زیادہ قریب ہے ابو ایوب نے عرض کیا میرا یہ گھر زیادہ قریب ہے۔ حضور ﷺ ان کے گھر فروکش ہو گئے اور چار مرتبہ دعا کی اے اللہ برکت والے مقام میں ہم کو نازل فرما تو بہترین اتارنے والا ہے۔ طبرانی نے حضرت ابن الزبیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابو ایوب کے مکان پر اترے اور زید بن حارثہ بھی ساتھ تھے۔

ابن اسحاق نے المبتدا میں اور ابن ہشام نے التیجان میں بیان کیا ہے کہ ابو ایوب کے جس گھر میں رسول اللہ ﷺ اترے تھے وہ مدینہ کے اگلے حصہ میں تھا۔ اس کی تعمیر تبع اول نے کی تھی تبع کے ساتھ چار سو علماء یہود بھی تھے ان علماء نے آپس میں طے کر لیا کہ اس جگہ سے باہر نہیں جائیں گے۔ تبع نے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا ہم اپنی کتاب میں پاتے ہیں کہ ایک نبی جن کا نام محمد ﷺ ہو گا یہ مقام ان کا دارِ ہجرت ہو گا ہم اسی وجہ سے یہاں مقیم ہونا چاہتے ہیں کہ شاید ان کو پالیں۔ یہ سن کو تبع نے بھی وہیں مقیم ہونے کا ارادہ کر لیا لیکن پھر اس کی رائے ہوئی کہ ان علماء میں سے ہر ایک کا ایک مکان تعمیر کرادے تو اس نے ہر عالم کے لئے ایک مکان بنوادیا اور ایک ایک باندی خرید کر ہر عالم کا نکاح کرادیا اور ہر شخص کو کثیر مال دیا اور ایک تحریر لکھ دی جس میں اپنے مسلمان ہو جانے کا اظہار کیا اس تحریر میں یہ بھی لکھا تھا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ احمد اللہ کے رسول ہیں اگر میری عمر ان کی پیدائش تک ہوتی تو میں ان کا مددگار ہوتا تبع نے اس تحریر پر سونے کی مہر لگا کر سرگروہ احبار یہودی علماء کے سردار کے سپرد کر دی اور اس سے درخواست کی کہ اگر وہ رسول اللہ ﷺ کو پالے تو ان کی خدمت میں پیش کر دے ورنہ اس کا بیٹا پوتا وغیرہ جو بھی رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پائے یہ تحریر ان کو پہنچادے، تبع نے رسول اللہ ﷺ کے لئے ایک مکان بھی تعمیر کرادیا تھا تاکہ آپ جب مدینہ میں آئیں تو اس مکان میں فروکش ہوں۔ اس مکان کی ملکیت نوبت بنوبت چکر کاٹتی ہوئی ابو ایوب تک پہنچی ابو ایوب اسی عالم کی نسل میں سے تھے جو علماء یہود کا سردار تھا مدینہ والوں میں سے جس نے رسول اللہ ﷺ کی مدد کی وہ اسی عالموں میں سے کسی عالم کی نسل میں سے تھا جن کو تبع نے مدینہ میں آباد کیا تھا کہا جاتا ہے تبع کی وہ تحریر جس میں اس کے اشعار تھے ابو یوسف کے پاس تھی جو ابو یوسف نے رسول اللہ کی خدمت میں پیش کر دی تھی۔ یہ روایت غریب ہے۔

مسئلہ : آیت میں نداء سے مراد وہ اذان ہے جو خطبہ کے لئے امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جاتی ہے؟ ابن یزید کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں جمعہ کی اذان اس وقت دی جاتی تھی جب امام خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھ جاتا تھا، جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا اور جمعہ کی نماز پڑھنے والے آدمی بہت ہو گئے تو آپ نے تیسری اذان جو منارہ پر ہوتی تھی بڑھادی۔

تیسری کہنے کی یہ وجہ ہے کہ تکبیر اقامت کو پہلی اذان قرار دے دیا گیا اور دوسری اذان خطبہ کے وقت منبر کے سامنے ہوئی اور تیسری اذان یہی منارہ والی ہوئی؟ اس تفصیل کی بناء پر آیت میں نداء سے مراد ہو گی دوسری اذان جو خطبہ کے وقت منبر کے سامنے ہوتی تھی اور اسی کو سن کر سارے مشاغل چھوڑ کر تیزی کے ساتھ چل پڑنا واجب ہو گا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ خرید و

فروخت اور سارے مشاغل ترک کر کے نماز جمعہ کے لئے تیزی کے ساتھ لپکنا پہلی اذان یعنی منارہ والی اذان سن کر ہی واجب ہوتا ہے کیونکہ اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ کا لفظ عام ہے۔ یعنی جب بھی جمعہ کے لئے اذان دی جائے اور عموم کے تحت اذانِ اول ہی آتی ہے۔

فَاسْعَوْا تو چل پڑو۔ حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کی قرأت میں فَاسْعَوْا کی بجائے فَامْضُوْا (چل دو) آیا ہے۔

حسن نے فرمایا خدا کی قسم فَاسْعَوْا سے مراد قدموں سے لپکنا مراد نہیں ہے اس کی تو ممانعت آئی ہے نماز کے لئے سکون واطمینان سے جانے کا حکم ہے بلکہ نیتِ قلبی اور خشوع کے ساتھ چلنا مراد ہے۔ قتادہ نے اس آیت کی تشریح میں کہا سعی سے مراد ہے دل سے اور عمل یعنی قدموں سے چلنا۔ سعی قدموں سے چلنے کو کہتے ہیں آیت میں آیا ہے فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ یعنی جب ان کے ساتھ چلنے لگے۔

دوسری آیت میں آیا ہے وَإِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْأَرْضِ۔ تیسری آیت میں فرمایا ہے إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى یعنی تمہارے عمل مختلف ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے جو نماز کی طرف سعی کرنے کی ممانعت فرمائی ہے اس سے مراد ہے، دوڑنا۔ صحاح ستہ میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب نماز قائم ہو جائے تو تم اس کی طرف سعی کرتے یعنی دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ پُرسکون اور باوقار طریقہ سے چل کر آؤ پھر جتنی نماز مل جائے امام کے ساتھ پڑھ لو جتنی فوت ہو جائے اس کو پورا کر لو امام احمدؒ کی روایت میں پورا کرنے کی جگہ آیا ہے اس کو قضا کر لو۔

إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ذکر سے مراد ہے نماز سعید بن مسیبؒ نے فرمایا امام کی نصیحت یعنی خطبہ مراد ہے۔

وَذَرُوا الْبَيْعَ بیع سے صرف خرید فروخت ہی مراد نہیں بلکہ اس سے مراد ہیں وہ تمام مشاغل جو نماز سے روکنے والے ہیں اس مطلب پر جمعہ کی نماز کے لئے جاتے ہوئے راستہ میں خرید فروخت کرنا جائز ہوگا۔

بیع کا خصوصی ذکر اس لئے کیا کہ اکثر لوگ زوال کے بعد بازاروں کے اندر خرید فروخت میں مشغول رہتے تھے۔

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ یہ اذان کے بعد تمام مشاغل کو ترک اور نماز کی سعی کرنا بیع وشراء سے بہتر ہے اگر تم اپنے ذاتی مصالح کو جانتے ہو تو ایسا کرو۔

مسئلہ: جمعہ کی اذان کے وقت بیع کرنا باتفاق علماء گناہ اور حرام ہے لیکن اگر کسی نے ایسا کر لیا اور اذان کے وقت بیع کر لی تو کیا بیع ہو بھی جائے گی یا انعقادِ بیع بالکل نہ ہوگا اول قول امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا ہے اور مؤخر الذکر امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا ہے اس مسئلہ کی بنا، ایک اصولی مسئلہ کے اختلاف پر ہے اصولی اختلاف یہ ہے۔

کہ افعالِ حسیہ جیسے زنا چوری وغیرہ کی شرعی ممانعت ان افعال کے لذاتہٖ قبیح ہونے کی موجب ہے اور اس مسئلہ پر سب کا اتفاق ہے لیکن وہ افعالِ شرعیہ جو شروطِ فاسدہ کی مقارنت کی وجہ سے ممنوع ہیں ان کی ممانعت قبح لغیرہ کی موجب ہے اصلِ عقد میں کوئی قبح پیدا نہیں کرتی جیسے مغصوبہ زمین میں نماز کی ممانعت اور جمعہ کی اذان کے وقت بیع وشراء سے بازداشت۔ ایسے ممنوع شرعی افعال کا ارتکاب موجب گناہ ضرور ہے لیکن ذاتِ فعل میں اس سے کوئی فساد نہیں پیدا ہوتا اس بناء پر اذانِ جمعہ کے وقت خرید وفروخت یا ارضِ مغصوبہ میں نماز فاسد نہیں ہو جاتی بیع بھی صحیح رہتی ہے اور نماز بھی۔ یہ تفریق امام ابوحنیفہؒ نے کی اور امام شافعیؒ نے اس کی تائید کی امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک دونوں قسم کے افعال کی ممانعت اصلِ ذات اور صلبِ عقد میں قبح پیدا ہو جانے کی موجب ہے اس لئے ایسی بیع بھی اور ایسی نماز بھی غیر صحیح ہے۔

فصل

قرآن وحدیث اور اجماع علماء کی روشنی میں صلوٰۃ جمعہ فرضِ محکم ناقابلِ نسخ ہے۔ اس کا منکر کافر ہے آیتِ مذکورہ سے

جمعہ کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے کہ کیونکہ نماز جمعہ کی اذان ہونے پر سعی کا حکم مرتب کیا گیا ہے ذکر سے مراد بظاہر نماز ہی ہے یا خطبہ مراد ہے اولیٰ یہ ہے کہ نماز اور خطبہ دونوں مراد ہیں کیونکہ ذکر کا لفظ دونوں کو شامل ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم دنیا میں پچھلے ہیں اور قیامت کے روز آگے ہوں گے مگر اتنی بات ہے کہ ان کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی اور ہم کو ان کے بعد پھر یہ دن یعنی جمعہ کا دن ان کا تھا اللہ نے ہم کو اس کی راہ دکھادی دوسرے لوگ اس میں ہمارے پیچھے ہوگئے۔ یہودی دوسرے دن اور عیسائی ان کی بھی بعد تیسرے دن جا پڑے، متفق علیہ۔ حضرت ابو عمرو اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ منبر کے تختوں پر بیٹھے ہوئے یا کھڑے ہوئے فرما رہے تھے جمعوں کو ترک کرنے والے ترک سے باز آجائیں ورنہ اللہ ان کے دلوں پر مہر لگادے گا پھر وہ غافلوں میں سے ہوجائیں گے۔ رواہ مسلم۔ حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ کچھ لوگ جمعہ کی نماز میں نہیں آتے تھے رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا میرا ارادہ ہے کہ اپنی جگہ کسی شخص کو نماز پڑھانے کے لئے مقرر کر کے خود جا کر ان لوگوں کے گھروں کو آگ لگادوں جو جمعہ میں نہیں آتے، مسلم۔ حضرت طارق بن شہاب نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جمعہ ہر مسلمان پر سوائے چار آدمیوں کے حق واجب ہے۔ غلام، عورت، بچہ، بیمار۔ رواہ ابوداؤد۔ ابوداؤد نے کہا طارق نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ضرور تھا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ سے کچھ سنا نہیں۔ میں کہتا ہوں ابوداؤد کے اس تبصرہ کی بناء پر حدیث مرسلِ صحابی ہوگی۔ اور مرسلِ صحابی باتفاقِ ائمہ قابلِ استدلال ہے۔

نووی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث حسب شرطِ شیخین صحیح ہے بیہقی نے بر طریقِ بخاری تمیم داری کا قول بیان کیا ہے کہ سوائے بچہ یا غلام یا مسافر کے ہر شخص پر جمعہ واجب ہے رواہ الطبرانی عن الحاکم وابن مردویہ اس روایت میں عورت اور بیمار کا بھی استثناء ہے۔ حضرت ابو جعد ضمیری صحابی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص تین جمعے حقیر سمجھتے ہوئے ترک کر دے گا اللہ اس کے دل پر چھاپ لگادے گا رواہ احمد وابوداؤد والترمذی والنسائی۔ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے بغیر عذر کے جمعہ ترک کر دیا اس کو منافق لکھ دیا جائے گا اس کتاب میں جس کو نہ مٹایا جائے گا نہ تبدیل کیا جائے گا۔ بعض روایت میں تین جمعوں کا لفظ ہے رواہ الشافعیؒ ابو یعلیٰ کی روایت میں آیا ہے جس نے متواتر تین جمعے ترک کر دیئے اس نے اسلام کو اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا اس حدیث کے راوی قابلِ اعتماد ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ واجب ہے سوائے اس کے کہ بیمار ہو یا مسافر یا عورت یا بچہ یا غلام جو شخص کھیل یا تجارت میں مشغول رہ کر جمعہ کی پرواہ نہیں کرے گا اللہ کو بھی اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ اللہ بے نیاز اور مستحقِ ستائش ہے۔ رواہ الدار قطنی۔ علماء کا اجماع ہے کہ جمعہ فرضِ عین ہے ہر شخص پر واجب ہے جو شخص اس کو فرضِ کفایہ کہتا ہے، غلط کرتا ہے۔

مسئلہ: مسافر پر جمعہ باجماعِ علماء واجب نہیں۔ زہری اور نخعی کا ایک قول روایت میں آیا ہے کہ مسافر اگر جمعہ کی اذان سن لے تو اس پر جمعہ واجب ہو جاتا ہے۔ غلام اور عورت پر جمعہ واجب نہیں۔ داؤد ظاہری کے نزدیک واجب ہے امام احمد کا قول صرف غلام کے متعلق آیا ہے کہ غلام پر وجوب ہے۔ مکاتب اور ماذون فی التجارۃ غلام کے متعلق علماء کا اختلاف اور اس غلام کے متعلق بھی علماء کا اختلاف ہے جو آقا کے ساتھ مسجد تک گیا ہو اور مسجد کے دروازے پر آقا کی سواری کی حفاظت پر مامور ہو اور جمعہ میں شرکت سواری کی حفاظت میں خلل انداز نہ ہو۔ جو لوگ بلا استثناء ہر غلام پر جمعہ واجب نہیں کہتے وہ احادیثِ مذکورہ بالا سے استدلال کرتے ہیں۔ احادیثِ مندرجہ بالا میں کسی غلام کا استثناء نہیں ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی ایسا رہبر نہ ہو جو نابینا کو جمعہ کی نماز تک پہنچادے تو نابینا پر باتفاقِ علماء جمعہ واجب نہیں لیکن اگر صلوٰۃ جمعہ تک پہنچانے والا شخص مل جائے تو امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اندھے پر جمعہ واجب ہے امام

ابو حنیفہ اس صورت میں بھی عدمِ وجوب کے قائل ہیں، جمہور ائمہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ احادیث میں نابینا کا استثناء نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ حدیث میں مریض کا استثناء موجود ہے اور نابینا مریض ہے اور مریض ہو یا اس کو کوئی شرعی عذر ہو، خوف ہو اس پر باجماعِ علماء جمعہ واجب نہیں۔ یہی حکم زیادہ بوڑھے آدمی کا ہے کہ اس پر وجوب جمعہ نہیں۔

جمہور کی دلیل یہ ہے کہ نابینا کو اگر رہبر مل جائے تو وہ بینا کی طرح ہو جاتا ہے ہم کہتے ہیں وہ خود بذاتِ خود تو طاقت نہیں رکھتا اور دوسروں کی وجہ سے قدرت حاصل ہو جانا شرعاً ناقابلِ اعتبار ہے جیسے پاؤں سے لپاہج شخص کو اگر اپنے اوپر لاد کر لے جانے والا مل بھی جائے تب بھی اس کو تندرست پاؤں والے کا حکم نہیں دیا جاتا۔

مسئلہ: بارش اور کیچڑ کے عذر سے ترکِ جمعہ جائز ہے، بخاری نے صحیح میں محمد بن سیرین کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے بارش کے دن اپنے مؤذن کو حکم دیا تھا جب تم اشھد ان محمدا رسول اللہ کہو تو اس کے بعد حی علی الصلوٰۃ مت کہنا صلوا فی بیوتکم اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو کہنا کچھ لوگوں نے اس بات کو برا منایا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ایسا اس نے کیا تھا جو مجھ سے بہتر تھا یعنی رسول اللہ ﷺ نے۔ بے شک جمعہ فرض ہے لیکن میں اچھا نہیں سمجھتا کہ تم کو گھروں سے نکالوں اور تم کیچڑ پانی میں چل کر آؤ۔

مسئلہ: اگر غلام یا مسافر یا عورت یا مریض جمعہ کی نماز میں آجائے اور جمعہ پڑھ لے تو جمعہ صحیح ہو جاتا ہے اور ظہر کا فرض ساقط ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک شہر کے اندر صرف غلاموں اور مسافروں کے ساتھ بھی جمعہ کی نماز صحیح ہو جاتی ہے جب کہ جماعت میں کوئی مقیم یا حُرّ آزاد نہ ہو۔ صرف بچوں اور عورتوں کا جمعہ باتفاق درست نہیں۔ باقی تینوں اماموں کے نزدیک تنہا غلاموں یا مسافروں کا بھی جمعہ نہیں ہوتا بلکہ آزاد مقیم لوگوں کی تعداد اگر کم ہو تو مسافروں اور غلاموں کی شرکت ضروری تعداد کو پورا بھی نہیں کرتی۔ جمعہ کی صحت کے لئے چالیس یا پچاس یا تین آزاد مقیم لوگوں کا ہونا ضروری ہے ضروری تعدادِ جمعہ میں علماء کے اقوال مختلف ہیں کسی کے نزدیک پچاس کسی کے نزدیک چالیس اور کسی کے نزدیک تین شرکاءِ جماعت کا ہونا لازم ہے۔ ہاں جو لوگ بیماری یا خوف یا بارش کی وجہ سے شرعاً معذور ہوں یا نابینا ہوں یا اپاہج ہوں اور باوجود عذرِ شرعی کے جمعہ میں آجائیں تو ان کے شمول سے باتفاقِ علماء جمعہ کی ضروری تعداد پوری ہو جاتی ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جمعہ تمام مردوں پر واجب ہے عورتوں پر باجماعِ علماء واجب نہیں اور بچے تو مامور ہی نہیں کیونکہ وہ شرعاً مکلّف نہیں ہیں۔ سب مردوں پر وجوب اس وجہ سے ہے کہ آیت فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ میں خطاب عمومی ہے لیکن غلاموں، مسافروں اور معذوروں کو ترکِ جمعہ کی اجازت دے دی گئی ہے، اب اگر ان میں سے کوئی جمعہ پڑھ لے تو اس نے اپنا فرض ادا کر دیا اس لئے اس کا جمعہ صحیح ہو گیا۔ جیسے اگر کوئی مسافر سفر میں رمضان کے روزے رکھ لے تو ادائیگی فرض ہو جاتی ہے۔

مسئلہ: اگر معذوروں یا قیدیوں نے شہر کے اندر اپنی ظہر کی جماعت کرلی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے، امام مالک امام شافعی اور امام احمدؒ کے نزدیک مکروہ نہیں بلکہ مسنون ہے یہی اختلاف ان لوگوں کے متعلق بھی ہے جن کا بلا عذر جمعہ فوت ہو گیا ہو۔

مسئلہ: جمعہ کی نماز کے لئے باتفاقِ علماء خطبہ شرط ہے کیونکہ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ میں ذکر سے خطبہ مراد ہے اس بنیاد پر امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایک بار سبحان اللہ یا الحمد للہ پڑھ دینا خطبہ کے لئے کافی ہے صرف ایک بار تسبیح یا تحمید کرنے سے خطبہ پورا ہو جاتا ہے کیونکہ ذکر اللہ طویل ہو یا مختصر سب ہی کو ذکر اللہ کہا جائے گا۔

امام صاحبؒ کا یہ استدلال ضعیف ہے کیونکہ ذکر اللہ سے مراد نماز بھی ہو سکتی ہے صرف خطبہ ہی ذکر اللہ نہیں ہوتا باجماعِ امت صلوٰۃِ جمعہ کے لئے خطبہ ضروری ہے کیونکہ رسول اللہ نے ہمیشہ جمعہ میں خطبہ دیا یہ نقلِ متواتر ہے اور رسول اللہ ﷺ کی یہ مداومت چاہتی ہے کہ خطبہ اتنا ہو جس کو عرب خطبہ کہتے ہیں اور صرف سبحان اللہ یا الحمد للہ پڑھ دینے کو عرب

خطبہ دینا یا خطاب کرنا نہیں کہتے۔ مترجم۔ امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی، امام مالک اور امام احمدؒ کا یہی قول ہے۔ کہ خطبہ اتنا ہو جس کو عرب خطبہ کہتے ہیں پھر اگر ذکر سے مراد خطبہ ہی ہو تب بھی خطبہ اتنا ہی ہونا چاہئے جتنا رسول اللہ ﷺ کا ہوتا تھا کیونکہ ذکر اللہ میں اضافت عہدی ہو گی۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کے خطبہ کی طرف سعی کرو لہذا خطبہ طویل ہونا ضروری ہے۔

امام کے قول کی تائید حضرت عثمانؓ کے خطبہ سے

خلیفہ ہونے کے بعد سب سے پہلے جمعہ کا خطبہ دینے کے لئے حضرت عثمانؓ منبر پر چڑھے اور الحمد للہ کہنے پائے تھے کہ آپ پر لرزہ طاری ہو گیا، اور فرمایا ابو بکر اور عمر اس مقام کے لئے پہلے سے مقالات تیار کر لیتے تھے اور میں نے کوئی مقالہ تیار نہیں کیا تم کو زیادہ بولنے والے خلیفہ سے زیادہ کار گزار خلیفہ کی زیادہ ضرورت ہے آئندہ تم کو بڑے بڑے خطبے سننے کو ملیں گے۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِیْ وَلَكُمْ یہ کہہ کر آپ منبر سے اتر آئے اور نماز پڑھا دی اور اس فعل پر کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔

علماء حدیث کے نزدیک یہ روایت غیر معروف ہے اس لئے قابلِ وثوق نہیں قرار دی جاسکتی۔

مسئلہ : امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک کھڑا ہو کر خطبہ دینا واجب ہے، امام شافعی کے نزدیک دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا بھی واجب ہے، امام ابو حنیفہ اور امام احمدؒ کے نزدیک نہ خطبہ کے لئے قیام واجب ہے نہ دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا۔ نقلِ مستفیض (ہر زمانہ میں معروف طریقہ) یہی ہے کہ خطبہ کھڑے ہو کر دیا جاتا ہے اور دونوں خطبوں کے درمیان جلسہ کیا جاتا ہے۔ یہ استفاضہ وجوبِ قیام و جلسہ کی دلیل ہے۔ حضرت جابر بن سمرہؓ کا بیان ہے میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا پھر بیٹھ گئے، پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیا حضرت جابرؓ نے فرمایا جو شخص تم سے کہے کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے وہ جھوٹا ہے خدا کی قسم میں نے حضور ﷺ کے ساتھ دو ہزار سے زیادہ نمازیں پڑھیں۔ رواہ مسلم۔

امام شافعی کی روایت ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کے دو خطبے ہوتے تھے، دونوں کے درمیان آپ بیٹھتے تھے خطبہ میں آپ قرآن کی آیت پڑھتے اور لوگوں کو نصیحت کرتے تھے۔

حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن دو خطبے دیتے تھے اور دونوں کے درمیان جلسہ ہوتا تھا۔ متفق علیہ۔

مسلم کی روایت ہے کہ جمعہ کے دن حضرت کعب بن عجرہؓ مسجد میں داخل ہوئے ابن ام الحکم بیٹھ کر خطبہ دے رہا تھا، آپ نے فرمایا اس خبیث کو دیکھو بیٹھ کر خطبہ دے رہا ہے حالانکہ اللہ فرماتا ہے وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْا اِلَیْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا۔ ابن ہمام نے اس حدیث سے قیام واجب نہ ہونے پر استدلال کیا ہے، کیونکہ نہ حضرت کعب نے ابن ام الحکم کی نماز فاسد ہو جانے کا حکم دیا اور نہ کسی اور نے اس سے معلوم ہوا صحابہ قیام کو لازم نہیں جانتے تھے۔

مسئلہ : خطبے میں پانچ باتیں ہونا مسنون ہیں۔ اللہ کی حمد، رسول اللہ ﷺ پر درود، تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت۔ مؤمن مردوں اور عورتوں کے لئے دعا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ سب واجب ہیں۔ دونوں خطبوں کے لئے طہارت بھی واجب ہے، امام شافعی کا قوی قول یہی ہے۔ جمہور کے نزدیک طہارت واجب نہیں (بغیر وضوء کے بھی خطبہ دیا جا سکتا ہے)۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خطبہ کے وقت کم سے کم ایک آدمی کا موجود ہونا ضروری ہے تاکہ اس سے تخاطب ہو سکے۔ امام شافعی وغیرہ کے نزدیک مقرر تعداد جب تک حاضر نہ ہو خطبہ شروع کرنا امام کے نزدیک جائز ہی نہیں ہے۔ جمعہ کے لئے امام شافعیؒ کے نزدیک چالیس آدمیوں کی حاضری ضروری ہے کسی کے نزدیک جمعہ کی مقرر تعداد کم سے کم پچاس یا تین ہے۔ نماز شروع ہونے سے پہلے اگر مقرر تعداد میں سے ایک آدمی بھی اٹھ کر چلا جائے، تو امام جمعہ نہ پڑھے بلکہ ظہر پڑھے اگر خطبہ کے درمیان گیا ہوا آدمی لوٹ کر آجائے اور فصلِ طویل ہو جائے تو امام آگے خطبہ دیتا رہے اور اگر فصل زیادہ نہیں ہوا تو از سرِ نو خطبہ شروع کرے۔

مسئلہ : خطبہ ہو رہا ہو تو حاضرین کے لئے کلام کرنا حرام ہے خواہ خطبہ سنائی دے رہا ہو یا سنائی نہ دے رہا ہو، امام مالک اور

امام ابو حنیفہؒ کا یہی فتویٰ ہے۔ امام احمدؒ نے فرمایا، سنائی دے رہا ہو تو باہم بات کرنا ناجائز، نہ سنائی دے تو حرام نہیں مگر خاموش رہنا اور کان لگائے رکھنا مستحب ہے۔ امام شافعی نے فرمایا اگر سنائی دے رہا ہو تب دوسرے سے بات کرنی حرام نہیں بلکہ مکروہ ہے۔

کیا دورانِ خطبہ میں خطبہ دینے والے کے لئے کوئی بات کرنی حرام ہے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک حرام ہے لیکن کسی نیکی اور بھلائی کی تعلیم ہو تو حرام نہیں جیسے حضرت عمر اور حضرت عثمان کا قصہ ہوا۔ کذا قال ابن ہمام۔

حضرت امام شافعیؒ کا بھی ابتدائی قول یہی ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا ایسا کلام کرنا جائز ہے جس کا تعلق نماز کے مصالح سے ہو جیسے پیچھے سے آنے والوں کو لوگوں کی گردنیں پھلانگنے سے باز داشت کرنا اگر خطیب کسی خاص شخص کو مخاطب کر کے کچھ کہے تو اس شخص کے لئے جواب دینا جائز ہے جیسے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے قصہ میں ہوا، غسلِ جمعہ کے مبحث میں ہم اس قصہ کا تذکرہ کریں گے۔

امام احمدؒ نے فرمایا خطیب کیلئے خطبہ کے درمیان ہر طرح کا کلام جائز ہے اس موضوع کی حدیثوں میں باہم اختلاف ہے۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام خطبہ دے رہا ہو اور تیرا ساتھی کوئی بات کر رہا ہو اور تو اپنے ساتھی سے کہے چپ رہ تو تو نے لغو بات کی یعنی یہ کہنا بھی لغو ہے۔

امام احمد نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جمعہ کے دن جب امام خطبہ دے رہا ہو اور کوئی شخص بات کرے تو وہ گدھے کی طرح ہے جو کتابیں اپنے اوپر لادے ہوئے پھر رہا ہو، یہ دونوں حدیثیں خطبہ کے وقت حرمتِ کلام پر دلالت کر رہی ہیں اسی طرح آیت وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ الخ بھی خطبہ کے وقت بات کرنے کی حرمت پر دلالت کر رہی ہے۔ لیکن وہ احادیث جو جوازِ کلام پر دلالت کر رہی ہیں مندرجۂ ذیل ہیں۔

بیہقی نے حضرت عبد الرحمٰن بن کعب کے طریق سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن ابی الحقیق کو قتل کرنے کے لئے جس کو خیبر بھیجا تھا وہ لوگ جب واپس آئے اس وقت رسول اللہ ﷺ منبر پر قائم تھے اور دن جمعہ کا تھا حضور ﷺ والا نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا تمہارے چہرے فلاح یاب ہوں، انہوں نے بھی جواب میں کہا، یا رسول اللہ ﷺ آپ بھی سرخرو ہوں، حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کیا تم نے اس کو قتل کر دیا، ان لوگوں نے کہا جی ہاں آپ نے وہ تلوار طلب فرمائی جس سے اس کو قتل کیا گیا تھا اور منبر پر ہی کھڑے کھڑے اس تلوار کو نیام سے نکالا اور فرمایا ہاں اسی تلوار کی دھار میں اس کا کھانا ہے۔

بیہقی نے اس حدیث کو مرسل جید کہا ہے عروہ سے بھی یہ حدیث اسی طرح مروی ہے۔ بیہقی نے ابن عبد اللہ بن انس کی طریق سے بروایت حضرت انس بیان کیا۔ حضرت انس نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے ابن ابی الحقیق کی طرف بھیجا تھا۔ مسلم نے حضرت رفاعہ عدوی کا بیان نقل کیا ہے حضرت رفاعہ نے فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس وقت پہنچا جب آپ خطبہ دے رہے تھے۔ میں نے عرض کیا ایک بے وطن آدمی اپنے دین کے متعلق دریافت کرنے حاضر ہوا ہے آپ نے خطبہ چھوڑ دیا اور میری طرف متوجہ ہو کر مجھے تعلیم دینے لگے۔ تعلیم کے بعد پھر خطبہ پورا کیا۔ اصحابُ السنن الاربعة۔

ابن خزیمہ اور حاکم نے حضرت بریدہ کی حدیث نقل کی ہے، حضرت بریدہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے۔ اتنے میں حسن اور حسین سرخ یعنی سرخ دھاری والی قمیصیں پہنے پاؤں پاؤں چلتے ہوئے آگئے دونوں کی چال میں لرزش تھی۔ حضور ﷺ فوراً منبر سے اتر آئے اور دونوں کو اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا پھر فرمایا اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا ہے کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایک امتحان ہے میں نے ان دونوں بچوں کو لرزتے قدموں سے چلتے دیکھا تو مجھ سے رکا نہ گیا آخر میں نے اپنی بات یعنی خطبہ کاٹ کر دونوں کو اٹھایا۔

ابو داؤد نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ جمعہ کے دن جب منبر پر متمکن ہو گئے تو فرمایا بیٹھ جاؤ ابن مسعود نے یہ حکم سن لیا اس وقت وہ مسجد کے دروازے پر تھے۔ وہیں بیٹھ گئے حضور ﷺ کی نظر پڑ گئی فرمایا عبد اللہ بن مسعود اِدھر آجاؤ۔

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ جمعہ کے روز رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے ایک شخص آیا اور بولا قیامت کب ہو گی۔

لوگوں نے اس کی طرف اشارہ کیا کہ خاموش رہے۔ مگر اس نے نہیں مانا اور وہی بات دوبارہ کہی حضور ﷺ نے فرمایا تو نے اس کے لئے کیا تیار کر رکھا ہے اس نے جواب دیا (صرف) اللہ اور اس کے رسول کی محبت۔ فرمایا تو اسی کے ساتھ ہوگا۔ جس سے تجھے محبت ہے۔ رواہ احمد والنسائی وابن خزیمہ والبیہقی۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے جمعہ کے دن رسول اللہ ﷺ (خطبہ دے رہے تھے) اسی اثناء میں ایک اعرابی نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ سارا مال تباہ ہو گیا اس کے بعد پوری حدیث استسقاء راوی نے بیان کی۔ متفق علیہ۔

امام شافعیؒ نے فرمایا احادیث میں یہ اختلاف چاہتا ہے کہ خطبہ سننے والے کے لئے کلام کرنا مکروہ قرار دیا جائے۔

امام ابو حنیفہ نے فرمایا فَاسْتَمِعُوا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا کے مقابل احادیث احاد کو لایا جائے اور آیت کو احادیث کا ہم وزن قرار دیا جائے ایسا ممکن نہیں کیونکہ آیت یقینی قطعی ہے اور احادیث ظنی ہیں جو مفید یقین نہیں اس لئے آیت پر فتویٰ دیا جائے گا اور احادیث کو ترک کر دیا جائے گا۔ پھر یہاں تو احتیاط کا تقاضا بھی ہے کہ آیت پر ہی عمل کیا جائے اور خطبہ کے وقت سننے والوں کے لئے کلام کرنے کو ناجائز کہا جائے۔

امام احمد نے فرمایا احادیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خطبہ دینے کے درمیان مخاطب کے لئے کوئی کلام کرنا حرام ہے واللہ اعلم۔

مسئلہ: خطبہ شروع کرنے سے پہلے اور خطبہ ختم کرنے کے بعد کلام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ جمعہ کے دن رسول اللہ ﷺ منبر سے اترتے تھے پھر بعض آدمیوں سے کسی کام کے متعلق کلام کرتے تھے پھر جائے نماز کی طرف بڑھ جاتے تھے۔ رواہ احمد۔

امام ابو حنیفہ نے فرمایا، کلام مطلقاً حرام ہے آثار صحابہؓ سے یہی ثابت ہے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت علیؓ کی طرف نسبت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ یہ حضرات امام کے برآمد ہونے کے بعد کلام اور نماز کو مکروہ قرار دیتے تھے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص امام کے خطبہ دینے کے درمیان آجائے تو (تحیۃ المسجد کی) دو مختصر رکعتیں اس وقت بھی پڑھ لے جمہور ائمہ کا یہی قول ہے، لیکن امام ابو حنیفہ نے فرمایا نماز نہ پڑھے حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ کے مذکورہ آثار سے جو بروایت عروہ وزہری منقول ہیں یہی ثابت ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا اگر تم اپنے ساتھی سے کہو چپ رہ تو تم نے لغو حرکت کی یہ حدیث بدلالۃ النص نماز اور تحیۃ المسجد سے منع کر رہی ہے کیوں کہ اس حدیث میں امر بالمعروف کی بھی ممانعت کی ہے اور امر بالمعروف کا درجہ سنت جمعہ اور تحیۃ المسجد سے بلند ہے لہٰذا سنت جمعہ ہوں یا تحیۃ المسجد بہر حال ان کا ممنوع ہونا بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوتا ہے۔

ایک شبہ

سنت جمعہ وغیرہ پر امر بالمعروف کی برتری اس وقت ہے جب امر بالمعروف واجب ہو لیکن اگر بالمعروف واجب نہ ہو مستحب ہو تو سنت پر اس کی برتری ناقابل تسلیم ہے اور خطبہ سننے کے وقت خاموش رہنا امام شافعیؒ کے نزدیک واجب نہیں مستحب ہے لہٰذا ان کے خلاف اس امر مستحب کی سنت جمعہ اور تحیۃ المسجد پر فضیلت بدلالت نص حدیث نہیں ثابت کی جا سکتی۔

جمہور نے اپنے قول کے ثبوت میں حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی روایت پیش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جمعہ کے دن خطیب کے خطبہ دینے کی حالت میں تم میں سے اگر کوئی آئے تو مختصر رکعتیں پڑھ لے (متفق علیہ) مسلم کی روایت ہے کہ سلیک غطفانی جمعہ کے دن (نماز کے لئے) مسجد میں آئے رسول اللہ ﷺ اس وقت خطبہ دے رہے تھے وہ آکر بیٹھ گئے حضور ﷺ نے فرمایا سلیک اٹھو اور دو مختصر رکعتیں پڑھ لو۔

اس موضوع کی حدیث حضرت ابو سعیدؓ کی روایت سے بھی ابن حبان وغیرہ نے بیان کی ہے۔ طبرانی کا بیان ہے کہ حضرت ابو ذرؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس اس وقت پہنچے جب آپ خطبہ دے رہے تھے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تم نے رکعتیں پڑھ لیں حضرت ابو ذر نے جواب دیا نہیں حضور ﷺ نے فرمایا تو اُٹھ کر دو رکعتیں پڑھ لو۔ ابن ہمام نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ دار قطنی نے سنن میں حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے ایک آدمی مسجد میں آیا حضور ﷺ خطبہ دے رہے تھے فرمایا اُٹھ کر دو رکعتیں پڑھ لو اتنی دیر کہ وہ شخص نماز سے فارغ ہوا حضور ﷺ خطبہ دینے سے رکے رہے۔

احمد بن حنبل نے معتمر کے والد کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص آیا الحدیث۔ پھر لوگ اس کے انتظار میں رہے یہاں تک کہ وہ نماز پڑھ چکا یہ حدیث مرسل ہے اور اس کو مرسل کہنا ہی صحیح ہے۔ ابن ہمام نے کہا مرسل حدیث حجت (قابلِ استدلال) ہے میں کہتا ہوں اگر اس حدیث کا ارسال صحیح بھی ہو جائے تب بھی حدیث امام خطبہ پڑھ رہا ہو اور اس وقت کوئی آئے تو دو رکعتیں پڑھ لے، سے اس کا کوئی تعارض نہیں ہو گا کیوں کہ حدیث مطلق ہے اور یہ ایک واقعہ کا بیان ہے۔

اس کے علاوہ یہ کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خروجِ امام کے بعد تو کوئی نماز ہی جائز نہیں نہ دورانِ خطبہ میں نہ خطبہ ختم ہونے کے بعد۔ اس لئے اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آنے والے شخص کی نماز کے ختم ہونے تک رسول اللہ ﷺ خاموش رہے تھے تب بھی حدیثِ مذکورہ امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کے خلاف ہوگی۔ (کیونکہ امام صاحبؒ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے بر آمد ہونے کے بعد ہر نماز ناجائز ہے، خواہ خطبہ دیں یا خاموش ہو جائیں)

مسئلہ: باتفاقِ علماء صحرا میں نماز جمعہ جائز نہیں البتہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ وہ میدان جو شہر کے حکم میں ہے (یعنی شہر کے تابع ہے اگرچہ حدودِ آبادی سے باہر ہے) اس میں نمازِ جمعہ جائز ہے۔

جمعہ کی نماز کے لئے جماعت کا ہونا بھی بالاتفاق ضروری ہے جمعہ کا لفظ ہی جماعت پر دلالت کر رہا ہے۔

رہی یہ بات کہ کون سی آبادی میں جمعہ ہونا چاہئے، اور جماعت میں کتنے اشخاص کا ہونا ضروری ہے اس میں ائمہ کے اقوال مختلف ہیں۔

امام شافعیؒ امام احمد اور اسحاق کا قول ہے کہ جس میں: چالیس مرد، آزاد، عاقل، بالغ، بطورِ وطنیت مقیم ہوں یعنی اس بستی میں مستقل طور پر متوطن ہوں، مہمان کے طور پر مقیم نہ ہوں، نہ بغیر کسی خاص ضرورت کے (جیسے معاشی ضرورت، تجارتی ضرورت، قرابتداروں سے ملاقات کی ضرورت، حج وعمرہ کی ضرورت وغیرہ) بستی سے باہر نہ جاتے ہوں یعنی سفر پر نہ جاتے ہوں ایسی بستی میں اقامتِ جمعہ واجب ہے اگر اس طرح اور ان صفات کے مرد وہاں چالیس سے کم ہوں تو جمعہ صحیح نہیں۔ امام مالک نے فرمایا جس بستی میں گھر ملے ملے ہوں مسجد اور بازار بھی ہو تو وہاں جمعہ واجب ہے اور آبادی اتنی ہو جس کو عرف میں گاؤں کہا جاتا ہے (آبادی کی تعداد متعین نہیں)

امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا جمعہ کی نماز صرف مصرِ جامع میں ہی جائز ہے۔ مصرِ جامع سے مراد ہے وہ شہر جس میں کوچے گلیاں ہوں، بازار ہوں، وہاں ایک حاکم ہو جو ظالم سے مظلوم کا حق دِلوا سکتا ہو، خواہ وہ جابر ہو ظالم سے مظلوم کا حق نہ دِلواتا ہو مگر اس کی قدرت رکھتا ہو، وہاں ایک عالم بھی ہو جس کی طرف مختلف ضرورتوں میں رُجوع کیا جا سکے۔

بعض کے نزدیک مصر اس بستی کو کہتے ہیں جس کی سب سے بڑی مسجد میں تمام باشندگانِ بستی نہ سما سکیں۔ جمعہ کی نماز کے مصرِ جامع کی شرط کیوں ہے اس کا استدلال مندرجہ ذیل آثار سے کیا جاتا ہے۔

ابن ابی شیبہ نے موقوفاً حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے حضرت علیؓ نے فرمایا سوائے مصرِ جامع ہو بڑے شہر کے (اور کسی بستی میں) نہ جمعہ ہے نہ تشریق (کی تکبیریں) نہ عید الفطر کی نماز نہ عید الاضحیٰ کی نماز۔ اس اثر کو ابن حزم نے صحیح اور امام احمد نے ضعیف کہا ہے۔

حوالی مدینہ کے رہنے والے اپنی بستی سے آکر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (مسجد نبوی میں) جمعہ کی نماز پڑھتے تھے۔ اپنی بستی میں نہیں پڑھتے تھے) کذافی الصحیح۔

قُبا کے رہنے والے بھی (قُبا سے آکر جمعہ کی نماز) رسول اللہ کے ساتھ پڑھتے تھے۔ کذا روی ابن ماجہ وابن خزیمہ۔ قبا کے ایک باشندے نے اپنے باپ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو حکم دیا تھا کہ قبا سے مدینہ میں آکر ہم جمعہ کی نماز میں حاضر ہوں۔

بیہقی کی روایت ہے کہ ذُوالحلیفہ کے باشندے مدینہ میں آکر جمعہ کی نماز پڑھتے تھے۔

دورِ صحابہؓ میں مختلف ممالک اور متعدد شہر فتح ہوئے وہاں مسجدیں تعمیر کی گئیں، منبر نصب کئے گئے اور جمعہ کی نماز قائم کی گئی لیکن اقامتِ جمعہ صرف شہروں میں ہوئی لیکن گانوؤں میں نہیں ہوئی اگر کسی گاؤں میں جمعہ کی نماز قائم کی گئی تو تاریخی روایات میں کہیں اس کا ذکر ضرور ہوتا۔

جو علماء قریہ (گاؤں) میں جوازِ جمعہ کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سب سے اول جمعہ کی نماز بنی عمرو بن سلیم کے محلہ میں پڑھی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو بستی شہر کے قریب ہو اس میں جمعہ کی اقامت اسی طرح جائز ہے جیسے شہر کے کسی حاشیہ کے محلہ میں اور یہی نہیں بلکہ شہر کے باہر یعنی بستی کے باہر میدان میں جس کا تعلق شہر سے ہو جمعہ جائز ہے۔

خلاصۂ مبحث

آیت فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ باجماعِ علماء مطلق نہیں ہے (بلکہ مخصوصُ البعض ہے) صحراء میں جمعہ جائز نہیں نہ جمعہ کا جواز ہر گاؤں میں ہے بلکہ امام شافعی وغیرہ کے نزدیک تو جوازِ جمعہ کے لئے بستی کی تعداد بھی محدود ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک شہر ہونا ضروری ہے، اور شہر قریہ سے بڑا ہوتا ہے اگر شہر (مصر) میں جمعہ کی نماز پڑھ لی تو بالاتفاق جمعہ ادا ہو گیا اور ظہر ساقط ہو گیا۔

لیکن اگر مصر (شہر) سے چھوٹی آبادی میں جمعہ پڑھا تو جمعہ کی صحت، جمعہ کے وجوب اور ظہر کے ساقط ہونے میں شک ہے اور جمعہ شک کی حالت میں واجب نہیں ہو سکتا نہ ظہر جو واجب فی الذّمہ یقیناً ہے شک سے ساقط ہو سکتا ہے۔

طبرانی اور ابن عدی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ ہر اس بستی میں واجب ہے جس میں حاکم ہو خواہ وہاں چار آدمیوں سے زائد نہ ہوں دوسری روایت میں چار کی جگہ تین کا لفظ آیا ہے۔

اس حدیث سے استدلال نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ اس کے سلسلہ روایت میں حکم بن عبداللہ اور ولید بن محمد ہیں دونوں نے زُہری کے حوالہ سے یہ حدیث نقل کی ہے اور دار قطنی نے صراحت کر دی ہے کہ جس نے بحوالۂ زہری یہ روایت کی ہے وہ متروک ہے ولید بھی متروک ہے اور حکم بھی امام احمد نے فرمایا حکم کی بیان کی ہوئی ساری احادیث موضوع ہیں۔

حکم کی سند میں ایک شخص مسلمہ بن علی بھی ہے اور یحیٰی نے مسلمہ کو ہیچ (کچھ نہیں) قرار دیا ہے، نسائی نے اس کو متروک کہا ہے حضرت جابر بن عبداللہ کی طرف اس قول کی نسبت کی گئی ہے کہ سنّتِ جاریہ ہے کہ چالیس اور اس سے زائد آدمیوں میں جمعہ (واجب) ہے اور عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کی نمازیں بھی (واجب ہیں) اس روایت کی سند میں عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن ایک راوی ہیں جس کے متعلق امام احمد نے فرمایا اس کی احادیث سراسر جھوٹ ہیں ان سے اجتناب کرو۔ ایک روایت میں جھوٹ کی بجائے موضوع کا لفظ آیا ہے۔ اسی طرح حضرت ابو امامہ کی حدیث (بیان کی جاتی) ہے کہ پچاس افراد ہوں تو ان پر جمعہ واجب ہے پچاس سے کم پر جمعہ واجب نہیں، رواہ الطبرانی اس حدیث کی سند میں جعفر بن زبیر آتا ہے جو متروک ہے دوسرا راوی ہیاج ہے یہ بھی متروک ہے، یہ حدیث بیہقی نے بھی بیان کی ہے اس کی سند میں نحاش آتا ہے نحاش بھی بہت ضعیف ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں جمعہ ہونے کے بعد جو جمعہ سب سے پہلے پڑھا گیا وہ جُوَاثَا میں پڑھا گیا جُوَاثَا بحرین میں ایک قریۃ تھا۔ رواہ البخاری۔ اس حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ ہر گاؤں میں صلوٰۃ جمعہ جائز ہے

کیوں کہ لفظِ قریہ کا اطلاق شہر پر بھی ہوتا ہے اللہ نے فرمایا ہے لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ الْقَرْيَتَيْنِ سے مراد ہیں طائف اور مکہ (اور یہ دونوں گاؤں نہیں تھے، مکہ شہر تھا لیکن قریہ کہا گیا)

جوہری نے صحاح میں لکھا ہے کہ جُواثا بحرین میں ایک قلعہ تھا جب قلعہ کا نام جُواثا تھا تو یقیناً جُواثا شہر ہوا کیوں کہ قلعہ کا ایک حاکم بھی ہوتا ہے اور دینی عالم بھی (اس لئے ہر قلعہ شہر ہو گیا) مبسوط میں ہے کہ جُواثا بحرین میں ایک مدینہ بڑا شہر تھا۔

کسی قابلِ استدلال حدیث میں جمعہ کے انعقاد کے لئے کسی معین محدود تعداد کا ذکر نہیں آیا اس لئے حسن اور ابو الثور کے نزدیک دو آدمیوں سے انعقادِ جمعہ ہو جاتا ہے کیوں کہ دو پر بھی جماعت کا اطلاق ہوتا ہے۔ امام ابو یوسفؒ، امام محمد اور امام اوزاعی کے نزدیک تین سے جمعہ ہو جاتا ہے، بشرطیکہ ان میں ایک والی (حاکم بستی) ہو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کم سے کم چار ہونا ضروری ہے، کیوں کہ اللہ نے جمعہ کے متعلق فرمایا ہے فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ فَاسْعَوْا کے مخاطب تین ہوئے (تین سے جمع شروع ہوتی ہے) اور ذکر کے لئے ایک ذاکر (خطیب) ہونا چاہئے مجموعہ چار ہو گئے میں کہتا ہوں امام صاحبؒ کا یہ استدلال صحیح نہیں کیوں کہ جمع کا صیغہ اس لئے ذکر کیا کہ خطاب عام ہے تعدادِ جماعت شرط نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ اور تمام مامورات میں جماعت کی شرط ضروری ہو جائے۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ پنج وقتی جماعتوں سے جمعہ کی جماعت بڑی ہونا ضروری ہے جماعت ہر وقت کی نماز کی ہوتی ہے لیکن جمعہ کا لفظ بتا رہا ہے کہ دوسری جماعتوں سے جمعہ کی جماعت بڑی ہونی چاہئے اسی لئے جمعہ کو جامع الجماعات کہا جاتا ہے، اور کم سے کم جماعت کا اطلاق دو پر ہوتا ہے اس لئے امام ابو یوسفؒ نے تین مقتدی مع امام ہونے کی شرط لگائی ہے اور امام ابو حنیفہؒ نے امام کے علاوہ تین مقتدیوں کا ہونا ضروری قرار دیا ہے۔

مسئلہ: صحتِ جمعہ کے لئے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حاکم شہر یا اس کی اجازت سے کسی دوسرے کا امام ہونا لازم ہے امام مالکؒ، امام شافعی اور امام احمدؒ کے نزدیک امام جمعہ کے لئے یہ شرط ضروری نہیں اور ایسی شرط ضروری قرار دینے کی کوئی قابلِ اعتماد دلیل بھی موجود نہیں ہے اور ابن حبان نے بیان کیا ہے کہ بنی نضیر کے آزاد کردہ ابو عبیدہ نے کہا جس زمانہ میں حضرت عثمان محصور تھے میں نے عید کی نماز حضرت علی کی اقتداء میں پڑھی۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ محاصرہ چالیس روز تک رہا اس مدت میں کبھی حضرت طلحہ، کبھی عبد الرحمٰن بن عدیس اور کبھی کوئی اور امامت کرتا رہا۔

ابن ہمام نے لکھا ہے یہ ایک حالت کا بیان ہے جس میں دونوں احتمال ہیں حضرت عثمان کی اجازت سے امامت کی گئی ہو یا بغیر اجازت کے، اس لئے کسی ایک احتمال کو قابلِ استدلال نہیں کہا جا سکتا لامحالہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان اپنی جگہ اٹل رہے گا کہ جس نے ایسی حالت میں جمعہ کو ترک کیا کہ اس کا امام ظالم ہو یا عادل موجود تھا تو سن لو اللہ اس کی پریشان حالی دور نہیں کرے گا نہ اس کے کام میں برکت عطا فرمائے گا، خوب سن لو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ رواہ ابن ماجہ وغیرہ، اس حدیث میں امام کو لازم قرار دیا ہے وَلَهٗ اِمَامٌ جَائِرٌ اَوْ عَادِلٌ، جملہ حالیہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ امام کا خود یا اس کی اجازت سے دوسرے کا امام ہونا ضروری ہے۔

میں کہتا ہوں یہ حدیث حضرت جابرؓ سے مرفوعاً آئی ہے لیکن اس کی سند میں ایک شخص عبد اللہ عدوی ہے جو ضعیف ہے۔

بزار نے ایک اور سند سے اس کو بیان کیا ہے اس سند میں علی بن زید بن جدعان ایک راوی ہیں (جو قابلِ اعتماد نہیں) دار قطنی نے کہا یہ دونوں طریقے ثابت نہیں ہیں۔ ابن عبد البرؒ نے کہا یہ حدیث ضعیفُ الاسناد ہے۔

مسئلہ: جمہور کے نزدیک ظہر کا وقت اداء جمعہ کی ضروری شرط ہے کیونکہ صلوٰۃ جمعہ ظہر کے قائم مقام ہے اداء جمعہ سے ظہر کا فرض ساقط ہو جاتا ہے، اور جب تک ظہر واجب نہ ہو جمعہ بھی واجب نہ ہوگا اور ظہر کا قائم مقام نہ ہو سکے گا۔

امام احمدؒ کے نزدیک زوال سے پہلے اداء جمعہ جائز ہے حضرت سہل بن سعد کی روایت ہے کہ ہم جمعہ کے بعد ہی دوپہر کا کھانا کھاتے اور قیلولہ کرتے تھے۔

حضرت سلمہ بن اکوعؓ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھنے کے بعد جب لوٹتے تھے تو دیواروں کا اتنا سایہ بھی نہیں ہو پاتا تھا کہ ہم اس میں (بیٹھ یا چل) سکیں۔ دونوں حدیثیں صحیحین میں آئی ہیں۔

حضرت انس بن مالک کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نمازِ جمعہ پڑھنے کے بعد قیلولہ کرنے کے لئے لوٹتے تھے۔ رواہ البخاری۔

امام احمد کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ جمعہ کی نماز سے پہلے دوپہر کا کھانا نہ کھانے سے زوال سے پہلے جمعہ کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ دوسری حدیث میں استثناء کی بناء مجاز پر ہے، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب ہم نمازِ جمعہ پڑھ کر واپس ہوتے تھے تو دیواروں کا اتنا سایہ نہیں ہو پاتا تھا کہ پیدل یا سوار ہو کر ہم اس میں چل سکیں اور ظاہر ہے کہ سایہ میں اتنا طول شروع وقت میں نہیں ہوتا۔ تیسری حدیث سے جمعہ قبل الزوال ثابت نہیں ہوتا۔

ہمارے مسلک کا ثبوت ان احادیث سے ہوتا ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت مصعب بن زبیر کو لکھ کر بھیجا تھا "امابعد" دیکھو جس روز یہودی جہر کے ساتھ زبور کی تلاوت کرتے ہیں (یعنی جمعہ کے دن) تم اپنی عورتوں اور بیٹیوں کو اس روز جمع کرو اور جب زوال ہو جائے تو دو رکعتیں پڑھ کر اللہ کا تقرب حاصل کرو۔

(۲) حضرت انسؓ راوی ہیں کہ جب سورج جھک جاتا تھا (یعنی زوال ہو جاتا تھا) تو رسول اللہ ﷺ جمعہ کی نماز پڑھتے تھے۔ رواہ البخاری والترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

(۳) حضرت سلمہ بن اکوعؓ کا بیان ہے کہ جب سورج ڈھل جاتا تھا تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہم جمعہ کی نماز پڑھتے تھے۔ رواہ مسلم۔

یوسف بن مالک کا بیان ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ جب مکہ شریف میں آئے تو اس وقت لوگ جمعہ کی نماز پڑھ رہے تھے، اور سایہ حجروں کے اندر تھا۔ حضرت معاذؓ نے فرمایا اس وقت تک جمعہ کی نماز نہ پڑھا کرو جب تک کعبہ کا سایہ سامنے سے نہ آجائے (یعنی زوال نہ ہو جائے) رواہ الشافعیؒ۔

مسئلہ: اگر جمعہ کی نماز وقت پر شروع کی لیکن تکمیل سے پہلے وقت ختم ہو گیا تو امام شافعیؒ کے نزدیک جتنی پڑھ لی اسی پر ظہر کی بناء کرے گا یعنی تکمیلِ ظہر کرے گا۔

امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا نماز باطل ہو جائے گی از سر نو ظہر کی نماز پڑھے، کیوں کہ جمعہ الگ ہے اور ظہر کی نماز الگ، ایک کی بناء دوسری پر صحیح نہیں، جمعہ کی نماز سے ظہر کی نماز کا سقوط خلافِ قیاس ہے (لیکن مخصوص ہے اس لئے نص پر تو عمل کیا جائے گا مگر اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا) اور ان تمام اُمور کو لازم قرار دیا جائے گا، جو جمعہ کے لئے ضروری ہیں۔ ان ضروری اُمور میں سے وقتِ ظہر ہونا بھی لازم ہے۔ جب وقت نکل گیا تو جمعہ کی نماز بھی صحیح نہیں ہوئی۔

امام مالکؒ نے فرمایا اگر جمعہ کی نماز وقتِ عصر آنے تک نہیں پڑھی تو عصر کے وقت غروبِ آفتاب تک پڑھ لینا ضروری ہے یہاں تک کہ غروب سے پہلے اگر جمعہ کی نماز شروع کی اور غروب کے بعد نماز سے فراغت ہوئی تب بھی نمازِ جمعہ ہو جائے گی۔

مسئلہ: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اداء جمعہ کے لئے عام اجازت ہونی ضروری ہے اگر حاکم نے شہر کا دروازہ بند کرا دیا ہو اور لوگوں کو باہر سے آنے کی ممانعت کر دی ہو تو جمعہ کی نماز درست نہ ہوگی، جمہور کا قول اس کے خلاف ہے۔ ابن ہمام نے امام صاحبؒ کے قول کی تائید میں کہا ہے کہ نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ میں اس طرف اشارہ ہے کہ عمومی اجازت ہو کیوں کہ اذن کا عام ہونا نداء کا مقتضی ہے، ہم کہتے ہیں یہ استدلال کمزور ہے کیوں کہ نداء (اذان) کو تو نمازِ جمعہ کے لئے سعی کرنے کا موجب قرار دیا گیا ہے نمازِ جمعہ کے لئے ندا کو شرط نہیں قرار دیا گیا ہے جیسے آیت اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا میں قرأتِ قرآن کے وقت سننا اور چپ رہنا واجب کیا گیا ہے، یہ مطلب نہیں نہ اس کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کوئی نہ سنے اور خاموش نہ ہو تو قرآن کی تلاوت ناجائز ہے۔ ورنہ لازم آئے گا کہ اگر مقتدی قرأت کر رہا ہو (اور امام کی قرأت کو نہ سنے اور اس کی طرف متوجہ نہ ہو) تو

امام قرأت ہی نہ کرے نہ نماز میں نہ خطبہ میں۔

میں کہتا ہوں نماز جمعہ کے لئے عمومی اجازت کی ضرورت اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر کو تحریری حکم بھیجا تھا کہ مدینہ میں لوگوں کو جمعہ پڑھائیں لیکن مکہ میں حضور ﷺ نے اسوقت خود جمعہ نہیں پڑھا حالانکہ اپنے گھر میں صرف صحابہؓ کو جمع کر کے جمعہ پڑھنا ممکن تھا لیکن اعلانِ عام ممکن نہیں تھا اس لئے جمعہ نہیں پڑھا۔

مسئلہ: اگر کوئی ایسے گاؤں یا صحرا میں رہتا ہوں جہاں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی تو کیا شہر میں جمعہ کے لئے حاضر ہونا اس پر واجب ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک گاؤں اور صحرا کے رہنے والوں پر بالکل جمعہ واجب نہیں (خواہ اس کا مسکن شہر سے کتنا ہی قریب ہو) یہی قول امام احمدؒ کا ہے۔

امام ابو یوسفؒ امام شافعیؒ اور اسحاقؒ کا ہے کہ وہ گاؤں یا صحرا جہاں جمعہ نہیں ہوتا اگر وہاں کوئی رہتا ہو اور اس گاؤں اور صحرا کی شہر سے دوری اتنی ہو کہ بلند آواز مؤذن کی اذان کی آواز وہاں پہنچ جاتی ہو بشرطیکہ ہوا میں سکون ہو اور شور و شغب نہ ہو تو ایسی صورت میں اس شخص پر شہر میں آکر جمعہ پڑھنا واجب ہے امام مالک کا بھی یہی قول ہے لیکن آپ نے دوری کی حد ایک فرسخ مقرر کی ہے، اور ربیعہ کے نزدیک چار میل کے فاصلہ ہونے کی تعیین کی ہے ابن ہمام نے لکھا ہے کہ بعض علماء نے ایک میل کی اور بعض نے دو میل کی مسافت ضروری قرار دی ہے۔

امام شافعیؒ نے دُوری کی کوئی حد بندی نہیں کی امام احمدؒ کا قول امام ابو حنیفہؒ کے قول کی طرح منقول ہے۔ زہری نے چھ میل کی دُوری لازم قرار دی ہے (اس سے زیادہ دور رہنے والوں پر جمعہ واجب نہ ہوگا) ایک روایت میں امام مالک کا قول بھی اسی طرح آیا ہے۔

امام ابو یوسفؒ کا ایک قول مروی ہے کہ تین فرسخ دوری ہونی ضروری ہے۔ سعید بن مسیب کا قول ہے کہ جمعہ ان پر واجب ہے جو نماز کے بعد اپنی بستی میں جاکر رات کو رہ سکیں۔

صاحب بدائع نے امام ابو یوسفؒ کے قول کو بہتر قرار دیا ہے۔ مسافت کی حد بندی نہ کرنے والوں نے کہا کہ آیت اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا عام ہے اس میں مسافت کی حد بندی نہیں کی گئی۔

اس کے علاوہ ابو داؤد وغیرہ نے حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جمعہ ان لوگوں پر واجب ہے جنہوں نے اذان سنی ہو (اس حدیث میں بھی مسافت کی تحدید نہیں کی گئی)

غالباً سعید بن مسیبؒ کی روایت ہی کی حد بندی زہریؒ اور امام مالکؒ اور امام ابو یوسفؒ کے اقوال میں کی گئی ہے کیونکہ بارہ میل یا اٹھارہ میل کی ایک منزل ہوتی ہے منزل کی ادنیٰ مسافت بارہ میل اور زیادہ سے زیادہ اٹھارہ میل ہوتی ہے۔

اس قول کا ثبوت حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بھی ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جمعہ اس شخص پر ہے جو (جمعہ کی نماز کے بعد) رات تک گھر لوٹ سکے۔ رواہ الترمذی۔ یہ روایت قابلِ استدلال نہیں ہے امام احمد نے جب یہ حدیث سنی تو فرمایا اپنے رب سے استغفار کرو (یعنی یہ روایت غلط ہے) اس کی سند میں ایک راوی حجاج بن نصیر ہے ابو حاتم رازی نے کہا اہلِ حدیث نے اس کی روایت کو متروک قرار دیا ہے اس حدیث کا ایک راوی معارک بن عباد ہے۔ ابو حاتم نے کہا اس کی احادیث منکَر (غیر معروف) ہیں۔ ابو ذُرعہ نے کہا یہ واہی (ضعیف) الحدیث ہے۔ یہ عبد اللہ کو یحییٰ بن سعید مقبری کی روایت میں بیان کرتا ہے اور عبد اللہ کو یحییٰ بن سعید شیبانی نے مکذّب قرار دیا ہے اور یحییٰ بن معین نے کہا یہ کچھ نہیں ہے اس کی حدیث نہ لکھی جائے جو علماء کہتے ہیں کہ جمعہ کی نماز ان لوگوں پر واجب ہے جو جمعہ کی اذان کو سن لیں یا رات تک گھر لوٹ کر آسکیں وہ عوالی مدینہ کے باشندے اور قُبا کے رہنے والوں کی نماز کو پیش کرتے ہیں۔ (کہ یہ حضرات مدینہ میں جمعہ کی نماز ادا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بیہقی نے بیان کیا ہے کہ ذی الحلیفہ والے بھی جمعہ کی نماز مدینہ میں پڑھتے تھے۔

مگر یہ استدلال غلط ہے اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مدینہ میں جمعہ کی نماز ادا کرنی ان پر واجب تھی ظاہر حال سے

معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات رسول اللہ ﷺ کی معیت میں نماز ادا کرنے کا شرف حاصل کرنا چاہتے تھے۔ مدینہ میں حاضر ہو کر جمعہ پڑھنا ان پر واجب نہیں تھا۔

ترمذی کی روایت ہے کہ قبا کے ایک مجہول نا معلوم الاسم شخص نے بیان کیا کہ مجھ سے میرے باپ نے جو صحابی تھے کہا رسول اللہ ﷺ نے ہم کو حکم دیا کہ قبا سے (چل کر مدینہ میں پہنچ کر) ہم جمعہ کی نماز میں حاضر ہوا کریں۔ اس حدیث کا راوی معلوم نہیں کون تھا۔ (نا معلوم نہیں اس لئے اس روایت کو بھی استدلال میں نہیں لایا جا سکتا)۔

مسئلہ: اگر جمعہ کے روز عید ہو جائے تو کیا حکم ہے۔ امام احمدؒ نے فرمایا صلوٰۃِ عید میں شریک ہونے نے ہم سے جمعہ کی نماز کو مؤخر کر دیا (یعنی جمعہ پڑھنے کی ضرورت نہیں) بجائے جمعہ کے صرف ظہر پڑھتے ہیں بعض اہل علم کا قول ہے کہ نماز عید پڑھ لینے کے بعد جمعہ کا وجوب بھی ساقط ہو جائے گا اور ظہر کا بھی بس عصر کی نماز پڑھی جائے گی۔ یہ قول عطا کا ہے۔

صحیح تر قول امام شافعی کا یہ ہے کہ بستیوں کے رہنے والے جب عید کی نماز میں شریک ہو جائیں تو عید کی نماز کے بعد بغیر جمعہ پڑھے اپنی بستیوں کو واپس چلا جانا ان کے لئے جائز ہے لیکن بادیہ نشین (صحرائی) لوگوں سے جمعہ ساقط نہیں ہوتا۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا قول ہے کہ جس شخص پر جمعہ واجب ہے اس سے نماز عید کے بعد بھی جمعہ ساقط نہیں ہوتا کیوں کہ جمعہ کا ثبوت قرآن، سنّت اور اجماع سے ہے پھر حدیثِ آحاد سے اس کا سقوط کیسے ہو سکتا ہے علاوہ ازیں صلوٰۃ جمعہ کو نافلہ قرار دینا اور یہ کہنا کہ جو چاہے شریکِ جمعہ ہو جائے نافلہ کو فرض کے مقام قرار دیتا ہے اور نفل فرض کے قائم مقام نہیں ہو سکتا۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں دو عیدیں ایک دن میں جمع ہو گئیں (یعنی عید جمعہ کے دن ہو گئی) حضور ﷺ نے لوگوں کو عید کی نماز پڑھانے کے بعد فرمایا جو شخص جمعہ میں شریک ہونا چاہے شریک ہو جائے اور نہ چاہے تو شریک نہ ہو۔ اس حدیث کی سند میں مبدل بن علی ضعیف راوی ہے اور قبارہ بن مفلس بھی اس کا راوی ہے جس کو یحییٰ بن معین نے بڑا دروغ گو کہا ہے۔

اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بھی آئی ہے لیکن اس کی اسناد میں ایک راوی بقیہ بھی ہے جو مدلّس (فریب کار) ہے یہ دونوں حدیثیں ابن جوزی نے نقل کی ہیں۔

مسئلہ: جس پر جمعہ واجب ہے اور زوال کے بعد جمعہ پڑھنے سے پہلے وہ سفر کا ارادہ رکھتا ہو تو جائز نہیں، ہاں اگر جمعہ کی نماز راستہ میں پڑھ سکے یا رفقاءِ سفر سے پیچھے رہ جانے اور کٹ جانے کا اندیشہ ہو تو زوال کے بعد اداء جمعہ سے پہلے بھی روانہ ہو سکتا ہے البتہ جمعہ کے دن زوال سے پہلے امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک سفر پر روانہ ہو سکتا ہے۔

امام شافعی بہر حال جمعہ کے روز سفر کرنے کو نماز جمعہ ادا کئے بغیر سفر کو ناجائز قرار دیتے ہیں، زوال سے پہلے ہو یا زوال کے بعد امام احمد کے نزدیک عام سفر ناجائز ہے لیکن بغیر جمعہ پڑھے جہاد کے سفر پر جانا جائز ہے۔

جو لوگ مطلقاً عدمِ جواز کے قائل ہیں وہ اپنے استدلال میں کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کی مرفوع روایت ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن سفر کرتا ہے فرشتے اس کے لئے بددعا کرتے ہیں الخ اس روایت میں اس ابن بہیعہ ضعیف راوی ہے۔

جو لوگ (جمعہ پڑھے بغیر جمعہ کے دن) صرف سفرِ جہاد کو جائز قرار دیتے ہیں وہ حضرت ابن عباسؓ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو ایک فوجی دستے کا امیر بنا کر بھیجا اتفاقاً وہ دن جمعہ کا تھا ابن رواحہ کے ساتھی تو دوپہر سے پہلے روانہ ہو گئے اور ابن رواحہ نماز (جمعہ) پڑھنے کے ارادہ سے پیچھے رہ گئے ان کا ارادہ ہوا کہ نماز پڑھ کر روانہ ہوں گے اور ساتھیوں سے جا ملیں گے۔ نماز پڑھنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ سے دریافت فرمایا تم پیچھے کیسے رہ گئے۔ عبداللہ نے عرض کیا میں نے حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کے بعد ساتھیوں سے جا ملنے کا ارادہ کیا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر زمین کی ساری دولت تم راہِ خدا میں خرچ کر دو گے تب بھی جو ثواب دوپہر سے پہلے روانہ ہو جانے کا تھا اس کو نہ پا سکو گے۔ رواہ احمد والترمذی۔ ترمذی نے اس روایت کے منقطع ہونے کی وجہ سے اس کو معلّل قرار دیا ہے۔ بیہقی نے کہا

اس کی سند میں حجاج بن ارطاۃ ہے اور حجاج (اگر منفرد ہو تو) ضعیف ہے۔

جوازِ سفر کے قائم کہتے ہیں کہ ابوداؤد نے مراسیل میں بیان کیا ہے کہ زہری نے جمعہ کے دن دوپہر سے پہلے سفر پر جانے کا ارادہ کیا لوگوں نے کچھ اعتراض کیا تو زہری نے کہا رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے روز سفر کیا تھا۔

شافعیؒ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو مسافرانہ ہیئت پر دیکھا (یعنی وہ سفر کرنے کا ارادہ رکھتا تھا مگر روانہ نہیں ہوا تھا) وہ کہہ رہا تھا اگر آج جمعہ کا دن نہ ہوتا تو میں روانہ ہو گیا ہوتا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا جا چلا جا جمعہ سفر سے نہیں روکتا۔

سعید بن منصور کی روایت ہے کہ حرت ابوعبیدہ بن جراح جمعہ کے روز سفر پر روانہ ہو گئے اور نماز کا انتظار نہیں کیا۔

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا جمعہ کا وجوب زوال کے بعد ہوتا ہے اس لئے اداء واجب سے پہلے روانگی جائز نہیں اور زوال سے پہلے جمعہ کی نماز واجب نہیں ہوتی اس لئے روانگی جائز ہے۔ زہری اور حضرت ابن عمر کی روایت اسی پر دلالت کر رہی ہیں۔

مسئلہ: شہر کتنا ہی بڑا ہو صرف ایک بار جمعہ کی نماز ہو گی ایک سے زائد جائز نہیں یہ قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔

طحاویؒ نے لکھا ہے یہی قول امام مالک کا ہے اور امام شافعیؒ کا قدیم قول بھی یہی ہے اصحاب املاء (ملفوظات کو لکھنے والوں نے) امام ابویوسفؒ کا قول نقل کیا ہے کہ ایک شہر میں دو جگہ جمعہ جائز نہیں، ہاں اگر شہر کے وسط میں ایک بڑا دریا بہتا ہو جس کی وجہ سے ایک شہر تقسیم ہو کر دو شہروں کی طرح ہو جائیں تو دو جگہ جمعہ پڑھا جا سکتا ہے۔ اسی لئے امام ابویوسف فرمایا کرتے تھے کہ پل کو توڑ دیا جائے (تاکہ دونوں جگہ جمعہ ہو سکے اگر پل نہ توڑا گیا ہو اور ایک ہی شہر ہو تو) تو جہاں جمعہ پہلے پڑھ لیا جائے وہ درست ہو گا دوسری جگہ ناجائز اور اگر ایک ہی وقت میں دونوں جگہ جمعہ پڑھا جائے تو دونوں جگہ صلوٰۃِ جمعہ فاسد ہو جائے گی۔

امام ابویوسفؒ کا ایک دوسرا قول ایک روایت میں آیا ہے کہ بڑے شہر میں دو جگہ جمعہ ہو سکتا ہے اس سے زائد مساجد میں نہیں ہو سکتا۔

امام احمدؒ نے فرمایا اگر شہر بہت بڑا ہو جیسے بغداد اور آبادی بہت ہو اور ضرورت ہو تو دو جگہ جمعہ ہو سکتا ہے اور ضرورت نہ ہو تو صرف ایک جگہ پڑھا جائے تعدد ناجائز ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ بغداد اصل میں شہر نہیں تھا الگ الگ متفرق بستیاں اور گاؤں تھے پھر آبادی اتنی بڑھ گئی کہ سب آبادیاں مل کر ایک شہر بن گئیں لیکن جمعہ حسبِ سابق متعدد جگہ ہوتا رہا۔

امام شافعیؒ کے متعدد اقوال میں سے راجح قول یہ ہے کہ آبادی اگر اتنی بڑھ جائے کہ سب لوگوں کا ایک جگہ جمع ہو کر نماز پڑھنا دشوار ہو جائے تو دو جگہ بلکہ حسبِ ضرورت متعدد مساجد میں جمعہ جائز ہے۔

امام محمدؒ بن حسن نے فرمایا تعددِ جمعہ مطلقاً جائز ہے، (خواہ شہر بڑا ہو یا چھوٹا) امام محمد نے اس قول کی نسبت امام ابوحنیفہ کی طرف کی ہے سرخسی نے کہا امام ابوحنیفہؒ کا صحیح قول یہ ہے کہ دو مسجدوں میں بلکہ متعدد مساجد میں اقامتِ جمعہ جائز ہے ابن ہمام نے کہا ہمارے نزدیک یہی قول مختار ہے کیوں کہ اقامتِ جمعہ کے لئے شہر ہونے کی شرط ہے اور شہر کا ہر گوشہ شہر ہی ہوتا ہے۔ (لہٰذا متعدد گوشوں اور مختلف مسجدوں میں اقامتِ جمعہ جائز ہے)

ایک شہر میں متعدد جگہ اقامتِ جمعہ کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ لفظِ جمعہ چاہتا ہے کہ شہر کی تمام جماعتیں ایک جگہ جمع ہو کر صلوٰۃ جمعہ ادا کریں جمعہ کی یہی وجہ تسمیہ ہے۔

اثرم نے امام احمدؒ سے کہا، کیا ایک شہر میں دو جگہ جمعہ پڑھا جا سکتا ہے امام احمد نے فرمایا مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے ایسا کیا ہو۔

ابن المنذر نے کہا اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اور خلفاء راشدینؓ کے دور میں ہمیشہ جمعہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد مبارک میں ہی ہوا کرتا تھا جمعہ کے دن تمام مسجدوں کو چھوڑ کر ایک مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنا بتاتا ہے کہ جمعہ کا حکم دوسری جماعتوں کے حکم سے الگ ہے جمعہ کی نماز صرف ایک ہی جگہ ادا کی جائے (باقی جماعتیں الگ الگ مساجد میں ہو سکتی ہیں) تعددِ جمعہ کا قول سوائے عطاء کے اور کسی کا نہیں۔

تاریخِ بغداد میں خطیب نے لکھا ہے کہ ایک شہر کے اندر قدیم مسجد میں جمعہ ہونے کے باوجود دوسری جگہ بھی جمعہ کی

اقامت معتصم کے زمانہ میں ۲۸۰ھ میں ہوئی معتصم نے قصر سلطانی میں نماز جمعہ پڑھی کیوں کہ ہجوم عام میں شریک ہونے سے خلفاء ڈرنے لگے تھے۔ لیکن جمعہ کے لئے دوسری مسجد مقرر نہیں کی گئی تھی (صرف قصر خلافت میں دوسرا جمعہ ہونے لگا تھا) پھر مکتفی کے عہد میں جمعہ کے ایک مسجد دوسری بھی بنادی گئی اور لوگ اس میں بھی جمع ہونے لگے۔

ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن عاصؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو لکھا کہ جامع مسجد (اپنے شہر میں) ایک تعمیر کریں جہاں اقامتِ جمعہ کی جائے اور مختلف قبائل کے الگ الگ مسجدیں (ان کے علاقہ میں پنج گانہ نمازوں کے لئے) بنادیں۔

فائدہ

ابن ہمام نے لکھا ہے اگر شرائطِ جمعہ کے موجود ہونے میں شبہ ہو تو جمعہ کی نماز کے بعد چار رکعتیں بہ نیت ظہر پڑھ لینی چاہئے۔ اگر جمعہ کی نماز صحیح نہیں ہوگی تو ظہر کا فریضہ ادا ہو جائے گا اور اگر جمعہ کی نماز صحیح ہو جائے گی تو یہ چار رکعتیں نفل ہو جائیں گی۔

باب: ساعتِ جمعہ اور جمعہ کی سُنتوں کے متعلق احادیث

مسئلہ: جمعہ کے دن غسل کرنا سنت ہے امام مالک اور داؤد ظاہری کے نزدیک غسلِ جمعہ واجب ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جمعہ کے دن ہر بالغ پر غسل کرنا واجب ہے (متفق علیہ) حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص جمعہ کی نماز کی طرف یعنی جمعہ کی نماز پڑھنے آئے اس کو غسل کرلینا چاہئے (متفق علیہ) یہ حدیث مشہور بلکہ متواتر ہے۔ ابوالقاسم بن مندہ نے نافع سے روایت کرنے والوں کی گنتی کی تو تین سو زائد گنتی میں آئے اور (نافع کے علاوہ) حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرنے والے چودہ صحابی معلوم ہوئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث مذکور میں امر وجوب کے لئے نہیں ہے استحباب کے لئے ہے، اور واجب کا لفظ جو حدیث میں آیا ہے اس سے مراد ہے جو بطریقۂ سنت واجب (یعنی لازم ہو کیوں کہ دوسری حدیث میں غسل کے ساتھ ایسے امور کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو (کسی کے نزدیک) واجب نہیں ہیں۔ لام احمد نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن ہر بالغ پر غسل کرنا مسواک کرنا اور جو خوشبو میسّر آئے وہ لگانا لازم ہے۔ صحیحین میں آیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا لوگ اپنے کاروبار (کاشتکاری، باغبانی سینچائی وغیرہ) خود کرتے تھے اور کام کے بعد اسی ہیئت کے ساتھ نماز کے لئے لوٹ کر آتے تھے۔ (جس کی وجہ سے لوگوں کو تکلیف ہوتی اور پسینہ کی وجہ سے بدبو کپڑوں سے پھیلتی تھی) اس پر ان سے کہا گیا کہ اگر تم لوگ غسل کرلیتے تو (بہتر ہوتا)

وجوبِ غسل نہ ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جو قتادہ نے بروایتِ حسن مرسلاً بیان کی ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ حدیث مرفوعاً آئی ہے کہ جو شخص اچھی طرح وضو کر کے جمعہ کے لئے آئے پھر کان لگا کر (خطبہ) سنے اس کے گناہ جمعہ سے جمعہ تک معاف ہو جاتے ہیں اور ہفتہ سے تین روز زائد بھی۔ رواہ مسلم۔

یہ امر ناقابلِ شک ہے کہ عدمِ وجوبِ غسل کی احادیث وجوبِ غسل کی احادیث سے کمزور ہیں لیکن صحابہؓ کا عمل اور عدمِ وجوب پر اجماعِ امت دلالت کر رہا ہے کہ وجوبِ غسل کی احادیث یا منسوخ ہیں یا قابلِ تاویل۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ جمعہ کے روز خطبہ میں کھڑے ہوئے تھے کہ مہاجرین اوّلین میں سے ایک صاحب مسجد میں داخل ہوئے حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ کونسی ساعت ہے، آنے والے صاحب نے جواب دیا، میں کام میں مشغول تھا جونہی اذان کی آواز سنی تو گھر بھی لوٹ کر نہیں گیا بس اتنی دیر ہوگئی کہ وضو کیا (اور چلا

آیا) حضرت عمر نے فرمایا اور وضو بھی (یعنی آپ نے غسل نہیں کیا صرف وضو کیا یہ دوسری غلطی کی) باوجودیکہ آپ واقف ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (جمعہ کے لئے) غسل کا حکم دیا کرتے تھے۔

ابن جوزی نے کہا یہ صاحب حضرت عثمانؓ تھے آپ نے غسل نہیں کیا لیکن نہ حضرت عمر نے اس کو منکر قرار دیا نہ کسی اور نے (یعنی ترکِ غسل کو کسی نے ممنوع نہیں کہا) اس سے ظاہر ہوا کہ غسل سنت ہے واجب نہیں ہے۔ وہ تمام احادیث جن سے وجوبِ غسل پر استدلال کیا جاتا ہے قابلِ تاویل ہیں منسوخ نہیں ہیں اگر منسوخ ہوتیں تو حضرت عمر یہ نہ فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ غسل کا حکم دیا کرتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ غسل مستحب اور مسنون ہے اور امر استحباب کے لئے ہے۔

مسئلہ: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جمعہ کی نماز سے پہلے چار رکعتیں اور نماز کے بعد چار رکعتیں پڑھنا مسنون ہیں امام ابو یوسفؒ نے چھ رکعتیں پڑھنے کو سنت کہا ہے۔ (یعنی جمعہ کی نماز کے بعد چھ رکعتیں) بعض روایات میں آیا ہے کہ امام محمد کا قول امام ابو یوسف کے قول کے موافق ہے۔ نماز جمعہ سے پہلے چار رکعتیں پڑھنے کی کوئی دلیل نہیں سوائے اس کے کہ رسول اللہ ﷺ زوال کے بعد (صلوٰۃ ظہر سے پہلے) عموماً چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور فرماتے تھے اس وقت آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ میرا کوئی نیک عمل اس وقت آسمان پر چڑھ جائے۔ رواہ ابن ماجہ عن ابی یوسف باسناد حسن۔ لہٰذا ظہر پر قیاس کرتے ہوئے امام ابو حنیفہؒ نے جمعہ سے پہلے بھی چار رکعتوں کو مسنون قرار دیا۔ کیوں کہ یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر سے پہلے چار اور فجر سے پہلے دو رکعتوں کو کبھی ترک نہیں کرتے تھے۔ رواہ البخاری و ابوداؤد والنسائی عن عائشہؓ۔

سنن ابوداؤد میں آیا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ جب مکہ میں ہوتے تو نماز جمعہ پڑھ کر دو رکعتیں پڑھتے پھر چار رکعتیں پڑھتے تھے لیکن جب مدینہ میں ہوتے تو نماز جمعہ کے بعد صرف دو رکعتیں پڑھتے تھے جب اس کے متعلق ان سے دریافت کیا گیا تو فرمایا رسول اللہ ﷺ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

ابن ہمام نے کہا ظاہر یہ ہے کہ سنتیں چھ ہی ہیں لیکن مکہ میں جو کچھ رسول اللہ ﷺ کرتے تھے حضرت ابن عمر کو حضور ﷺ کے وہ سب افعال تو معلوم نہیں ہوتے تھے ہاں جب آپ سفر کرتے تو مسجد میں سنتیں پڑھتے تھے اور حضرت ابن عمر اس سے واقف ہوتے تھے۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ نماز جمعہ سے پہلے اور نماز جمعہ کے بعد چار چار سنتوں کے قائل ہیں کیوں کہ حضرت ابن مسعود ایسا ہی کرتے تھے۔ ترمذی نے جامع میں حضرت ابن مسعود کا یہ ہی عمل ذکر کیا ہے۔

ابن مبارکؒ اور ثوری کا بھی یہی قول ہے صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے آیا ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جو شخص جمعہ کی نماز پڑھے تو جمعہ کے بعد چار رکعت نماز بھی پڑھے، واللہ اعلم۔

مسئلہ: حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور مسواک کرے اگر خوشبو اس کے پاس ہو تو وہ بھی لگائے، پھر اس کے پاس جو اچھے کپڑے ہوں وہ پہنے پھر مسجد میں جائے اور لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے، پھر جتنی خدا کو منظور ہو اتنی نماز پڑھے، پھر جب امام بر آمد ہو اور (خطبہ پڑھے) تو خاموشی سے سنے، یہ تمام افعال اس جمعہ سے گزشتہ جمعہ تک کے گناہوں کا کفارہ ہو جائیں گے۔ رواہ ابوداؤد والبغوی۔

بغوی نے لکھا ہے۔ ابوہریرہؓ نے یہ بھی فرمایا تھا اور مزید تین دن کے گناہوں کا کیوں کہ اللہ نے فرمایا ہے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا جو شخص ایک نیکی لے کر آئے گا اس کو دس گونہ (ثواب) ملے گا۔ بخاری وغیرہ نے حضرت سلمان کی روایت سے اسی طرح یہ حدیث نقل کی ہے لیکن اس میں مزید تین دن کا لفظ نہیں ہے۔

بغوی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جمعہ کا دن ہوتا ہے تو مسجد کے ہر دروازہ پر فرشتے آجاتے ہیں اور مسجد میں داخل ہونے والوں کے نام نوبت بنوبت لکھتے رہتے ہیں پھر جب امام بر آمد ہو جاتا ہے تو (لکھنا بند ہو جاتا ہے اور) کاغذ لپیٹ دیئے جاتے ہیں اور خطبہ سننے لگتے ہیں۔ نماز کے لئے سب سے پہلے آنے والا ایسا ہے جیسے

اونٹ کی قربانی کرنے والا اس کے بعد آنے والا گائے کی قربانی پیش کرنے والے کی طرح ہے پھر اس سے متصل آنے والا مینڈھے کی قربانی کرنے والے کی طرح ہے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے مرغی اور انڈے (کی پیش کش) کا بھی ذکر کیا اسی طرح کی روایت صحیحین میں بھی آئی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ تمام دن جن میں سورج کا طلوع ہوتا ہے سب سے بہتر جمعہ کا دن ہے اسی روز آدم کو پیدا کیا گیا اسی روز ان کو جنت میں داخل کیا گیا اور اسی روز ان کو جنت سے نکالا گیا اور اسی روز قیامت برپا ہو گی (رواہ مسلم)

یہ بھی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اگر مسلمان کی دعاء خیر اس ساعت کے موافق پڑ جائے (یعنی اس ساعت میں جو مسلمان دعا خیر کرے) تو اللہ اس کو ضرور عطا فرما دیتا ہے (یعنی دعا قبول کر لیتا ہے رواہ البخاری و مسلم فی الصحیحین) مسلم کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ وہ ساعت خفیف ہے۔

بخاری اور مسلم کی دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اس ساعت میں جو مسلمان کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا ہو اور اللہ سے خیر کا طلب گار ہو اللہ اس کی دعا قبول فرماتا ہے۔ مسلم کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ وہ ساعت خفیف ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ ساعت جمعہ کے متعلق فرما رہے تھے کہ وہ ساعت امام کے بیٹھنے اور نماز ختم کرنے کے درمیان ہے۔ رواہ مسلم۔

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ میں طور کو گیا، کعب احبار سے وہاں ملاقات ہوئی میں انکے پاس بیٹھ گیا انہوں نے کچھ توریت کی باتیں مجھ سے بیان کیں، میں نے ان کو رسول اللہ ﷺ کی کچھ حدیثیں بتائیں جو حدیثیں میں نے ان سے بیان کی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا طلوع آفتاب کے ہر دن سے افضل جمعہ کا دن ہے اسی روز آدم کو پیدا کیا گیا اسی روز ان کو (آسمان سے زمین پر) اتار ا گیا اسی روز ان کی توبہ قبول کی گئی۔ اسی روز ان کی وفات ہوئی اور اسی روز قیامت برپا ہو گی اور سوائے جن وانس کے ہر جانور جمعہ کے دن فجر صادق سے طلوع آفتاب تک قیامت کے خوف سے چیختا ہے جمعہ کے دن ہی ایک گھڑی ایسی ہے کہ اگر اس وقت کوئی مسلمان بندہ نماز پڑھنے میں اللہ سے کوئی دعا کرتا ہے تو اللہ اس کی درخواست قبول فرماتا ہے۔

کعب نے کہا یہ ساعت ہر سال ایک دن ہوتی ہے میں نے کہا نہیں بلکہ ہر جمعہ کے دن، یہ سن کر کعب نے توریت پڑھی اور پڑھنے کے بعد کہا رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا۔

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا اس کے بعد میں حضرت عبداللہ بن سلام سے ملا اور مجلس میں جو گفتگو کعب احبار سے ہوئی وہ بیان کی اور جو حدیث میں نے بیان کی تھی اور کعب نے جو ہر سال ایک ساعت کا ہونا بیان کیا تھا وہ بتا دیا تو حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا کعب نے غلط کہا لیکن جب میں نے کہا کہ کعب نے توریت پڑھنے کے بعد کہا تھا کہ ہر جمعہ کے دن وہ ساعت ہوتی ہے تو حضرت عبداللہ نے کہا کعب نے صحیح کہا کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ ساعت کون سی ہے حضرت ابوہریرہؓ نے کہا (مجھے علم نہیں) آپ بخل نہ کیجئے مجھے بتا دیجئے حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا وہ جمعہ کی آخرت ساعت ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا جمعہ کی آخری ساعت کیسے ہو سکتی ہے رسول اللہ ﷺ نے تو فرمایا کہ اس ساعت میں اگر کوئی مسلمان بندہ نماز پڑھتے میں کوئی دعا کرتا ہے الخ اور اس ساعت (یعنی دن کی آخری ساعت میں تو نماز پڑھی نہیں جاتی)۔

حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ جو شخص نماز کے انتظار میں بیٹھا رہے وہ نماز پڑھنے تک نماز کے حکم میں ہی ہوتا ہے۔ میں نے کہا بے شک فرمایا تو تھا حضرت عبداللہ نے فرمایا تو (بس اس حدیث میں بھی نماز پڑھنے سے) یہی مراد ہے رواہ مالک و ابوداؤد و الترمذی۔

حضرت اوس بن اوس راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے بزرگ ترین ایام میں سے جمعہ کا دن بھی ہے اسی روز آدم پیدا ہوئے اسی دن ان کی وفات ہوئی، اس دن صور پھونکی جائے گی اسی دن بے ہوشی ہو گی اس لئے (اس دن) مجھ پر

درود کی کثرت کیا کرو تمہارا درود مجھے پیش کیا جائے گا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ہمارا درود آپ ﷺ کی پیشی میں کیسے لایا جائے گا۔ آپکا جسم تو فنا ہو چکا ہوگا فرمایا اللہ نے انبیاء کے اجسام کو کھانا زمین کے لئے حرام کر دیا ہے رواہ ابوداؤد النسائی وابن ماجہ والدارمی والبیہقی۔

ابولبابہ نے بروایتِ ابن المنذر بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جمعہ کا دن سب دنوں کا سردار اور اللہ کے نزدیک تمام ایام سے زیادہ عظمت والا ہے روزِ اضحیٰ اور روزِ فطر سے بھی زیادہ عظمت والا ہے اس میں پانچ خصوصیات ہیں اسی دن آدم کو پیدا کیا گیا اسی دن ان کو زمین پر اتارا گیا اسی دن ان کی وفات ہوئی اس میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ اگر اس میں بندہ اللہ سے کچھ مانگتا ہے اللہ اس کو عطا فرما دیتا ہے، بشرطیکہ وہ حرام نہ ہو۔ اسی دن قیامت برپا ہوگی ہر مقرب فرشتہ اور آسمان وزمین اور ہوائیں اور پہاڑ اور سمندر سب ہی روز جمعہ سے ڈرتے ہیں۔ (کیونکہ جمعہ کے دن ہی قیامت برپا ہوگی) رواہ ابن ماجہ۔

حضرت سعد بن معاذ کی روایت ہے امام احمد نے بیان کیا ہے کہ ایک انصاری نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا یارسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن میں کیا کیا بھلائیاں ہیں ہم کو آگاہ فرمائیے ارشاد فرمایا اس میں پانچ خصوصیات ہیں، الی آخرہ۔

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں، عرض کیا گیا جمعہ کا نام جمعہ کس خصوصیت کی وجہ سے ہوا فرمایا تمہارے باپ آدم کا خمیر اس روز ہموار کیا گیا اسی روز (صور کی آواز سے عام) بے ہوشی ہوگی اور مُردوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا اور اسی میں پکڑ ہوگی اس کے آخر کے تین ساعتوں میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اس ساعت میں جو کوئی اللہ سے دعا کرتا ہے اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔ رواہ احمد۔

حضرت ابودرداءؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جمعہ کے دن مجھ پر درود بکثرت بھیجا کرو یہ دن مشہود ہے (یعنی) فرشتے جمعہ میں موجود ہوتے ہیں جو شخص بھی مجھ پر درود پڑھے گا اسکا درود میرے سامنے لایا جائے گا۔ میں نے عرض کیا کیا حضور ﷺ کی وفات کے بعد بھی (جب کہ حضور ﷺ کا جسم مٹی ہو جائے گا) فرمایا اللہ نے انبیاء کے جسم زمین کے لئے حرام کر دیئے ہیں اللہ کا نبی زندہ رہتا ہے اس کو اللہ کی طرف سے رزق دیا جاتا ہے۔ رواہ ابن ماجہ۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو مرتا ہے اللہ اس کو قبر کے فتنہ (آزمائش یا مصیبت) سے محفوظ رکھتا ہے۔ رواہ احمد والترمذی ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔ اس کی اسناد متصل نہیں ہے۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمارہے تھے۔ جمعہ کا دن بڑا روشن پیشانی والا یعنی ممتاز دن ہے اور جمعہ کی رات بڑی سفید و چمکیلی رات ہے۔ رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر۔

فائدہ

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ساعتِ جمعہ کی تعیین کے متعلق چالیس اقوال سے زائد نقل کئے ہیں جن میں سے جزری مؤلف حصن حصین نے مسلم کی روایت کردہ یہ حدیث منتخب کی ہے، اور اسی کو پسند کیا ہے کہ ساعتِ جمعہ سے مراد وہ ساعت ہے جو (خطبہ کے لئے) امام کے برآمد ہونے سے ختمِ نماز تک ہوتی ہے (رواہ ابوموسیٰؓ) اکثر علماء نے حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت کو اختیار کیا ہے جو حضرت عبداللہ بن سلام کے حوالہ سے حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کی ہے یعنی یوم الجمعہ کی آخری ساعت حدیث میں مراد ہے۔

اسی طرح نسائی وغیرہ نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اس کو عصر کے بعد آخری وقت میں تلاش کرو۔ بیہقی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ شبِ قدر کی طرح اس ساعت کو تعیین کے ساتھ جانتے تھے پھر جس طرح شب قدر کی تعیین فراموش کرا دی گئی اسی طرح اس ساعت کی تعیین بھی (اللہ کی طرف سے بھلا دی گئی) ابن خزیمہ نے صحیح میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوسعیدؓ نے فرمایا ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس ساعت کے تعیین کے متعلق

دریافت کیا حضور ﷺ نے فرمایا میں جانتا تو تھا پھر مجھے فراموش کرادی گئی جیسے شب قدر فراموش کرادی گئی۔ اثرم نے کہا دو صورتوں میں سے ایک صورت ماننی پڑے گی یا بعض احادیث کو بعض پر صحت کے لحاظ سے ترجیح دینی ہوگی یا یہ کہا جائے گا کہ جمعہ کے دن ساعتِ مقبولیت منتقل ہوتی رہتی ہے، کبھی کسی وقت، کبھی کسی وقت جیسے شبِ قدر منتقل ہوتی رہتی ہے۔ رمضان کے آخری عشرہ میں کبھی کسی تاریخ کو شبِ قدر ہوتی ہے، کبھی کسی تاریخ کو۔ میں کہتا ہوں حضرت ابو موسیٰؓ حضرت عبداللہ بن سلام کی روایتوں کی تطبیق اس طرح کی جاسکتی ہے کہ حضرت عبداللہ نے جمعہ کی آخری ساعت کو ساعتِ مقبولیت کہا وہ توریت سے نقل کر کے کہا کیوں کہ حضرت موسیٰؑ کی شریعت میں جمعہ کی نماز ہی نہیں تھی۔ بنی اسرائیل روز شنبہ کی تعظیم کیا کرتے تھے (اور شنبہ ہی ان کی خصوصی عبادت کا دن تھا) بس جس بستی یا صحرا میں جمعہ کی نماز پڑھی ہی نہیں جاتی وہاں کے رہنے والوں کے لئے جمعہ کی آخری ساعت ہی ساعتِ مقبولیت ہوگی اور جہاں اور جب جمعہ کی نماز پڑھی جاتی وہاں کے لوگوں کے لئے ساعتِ مقبولیت جمعہ کی نماز کی ہی ساعت ہوگی۔ جیسا کہ حضرت ابو موسیٰؓ کی روایت میں آیا ہے۔

ساعتِ جمعہ کی تعیین کے متعلق ان دو قولوں کے علاوہ کوئی قول قابلِ اعتماد نہیں ہے۔

فصل

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کی پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورۂ منافقون پڑھتے تھے۔ (رواہ مسلم)

حضرت نعمان بن بشیرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دونوں عیدوں میں اور جمعہ میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى اور هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ پڑھتے تھے، اور اگر جمعہ کے دن عید پڑ جاتی تھی تو دونوں نمازوں میں بھی یہی پڑھتے تھے۔ رواہ مسلم

ابوداؤد، نسائی اور ابن حبان نے حضرت سمرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کی نماز میں سَبِّحِ اسْمَ اور هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ پڑھتے تھے۔

بغوی کا بیان ہے کہ حضرت نعمان بن بشیرؓ سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن یعنی جمعہ کی نماز میں سورتِ جمعہ کے بعد کیا پڑھتے تھے فرمایا هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ پڑھتے تھے۔

حضرت ابو سعیدؓ کی مرفوع روایت ہے کہ جمعہ کے دن جو شخص سورتِ کہف پڑھے گا دونوں جمعوں کے درمیان اس کے لئے ایک نور درخشاں ہوگا۔

اس حدیث کی شاہد حضرت ابن عمرؓ کی روایت بھی ہے جو ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں بیان کی ہے۔

فصل

حضرت جابرؓ کی مرفوع حدیث ہے تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود اس کی بجائے نہ بیٹھے بلکہ تنگ جگہ ہو تو) کہہ دے ذرا جگہ دے دو۔ رواہ مسلم۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت ہے جو شخص بیکار بات کرتا ہے اور لوگوں کی گردنیں الانگتا ہے (اس کو جمعہ کا ثواب نہیں ملتا بلکہ) اس کی ظہر کی نماز ہوتی ہے۔ رواہ ابوداؤد۔

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ پھر جب نماز پوری ہو چکے تو (اس کے بعد تم کو اجازت ہے کہ) زمین پر چلو پھرو، اور خدا داد روزی تلاش کرو۔

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ یعنی جب جمعہ کی نماز ادا ہو چکے تو زمین پر پھیل جاؤ نماز کے بعد پھیل جانے کا حکم (وجوبی نہیں ہے بلکہ) اباحت کے لئے ہے۔ یعنی نماز کی وجہ سے جس کاروبار سے تم کو منع کر دیا گیا ہے۔ نماز کے بعد تم کو اس کی اجازت ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس کی تشریح میں فرمایا اگر چاہو تو بیٹھے رہو اور مسجد سے باہر جانا چاہتے ہو تو باہر چلے جاؤ اور اگر دل چاہے تو

عصر تک نماز پڑھتے رہو۔ بعض اہلِ علم نے کہا زمین پر پھیل جانے سے مراد دنیا کمانے کے لئے پھیلنا نہیں ہے بلکہ بیمار کی عیادت، کسی جنازہ کی شرکت اور لوجہ اللہ دوست کی ملاقات کے لئے جانا مراد ہے۔

ابن جریر نے حضرت انسؓ کی مرفوع روایت اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کی موقوف روایت سے ایسا ہی بیان کیا ہے، بغوی نے حسن، سعید بن جبیر اور مکحول کا قول نقل کیا ہے کہ فضل اللہ سے مراد (رزق نہیں بلکہ) طلبِ علم ہے۔ ان تمام تفسیری اقوال پر امر استحباب کے لئے ہوگا (صرف اباحت کے لئے نہیں ہوگا)

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا اور اللہ کا ذکر بہت کیا کرو۔ یعنی تمام حالات میں اللہ کی یاد کیا کرو۔ ذکرِ خدا کو نماز ہی پر منحصر نہ کردو۔ حضرت عمر بن خطابؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بازار میں داخل ہو اور داخل ہو کر کہے۔: لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ لہ الملک ولہ الحمد یُحیی ویمیت وھو حیّ لا یموت بیدہ الخیر وھو علیٰ کلّ شیئٍ قدیر۔ تو اللہ اس کے لئے ہزار ہزار نیکیاں لکھ دے گا اور ہزار ہزار گناہ مٹا دے گا، اور اس کے ہزار ہزار درجات بلند کرے گا۔ رواہ الترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے سوائے ازہر بن سنان کے اس کے تمام راوی قابلِ اعتماد ہیں۔ ازہر کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت عصمہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی نظر میں محبوب ترین عمل سبحانہ ہے (یعنی سبحان اللہ پڑھنا) اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ قابلِ تعزیر تحریف ہے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ سبحانہ سے کیا مراد ہے۔ فرمایا لوگ آپس میں باتیں کرتے ہوتے ہیں اور ایک آدمی تسبیح پڑھتا ہوتا ہے ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول تحریف کا کیا مطلب ہے فرمایا لوگ اچھی حالت میں ہوتے ہیں لیکن جب ان کا ہمسایہ یا ساتھی کچھ مانگتا ہے تو کہتے ہیں ہم (خود) بری حالت میں ہیں۔ رواہ الطبرانی۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ⑩ (دونوں جہان میں) کامیاب ہونے کی امید رکھتے ہوئے۔

شیخین نے حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے سامنے سے ایک قافلہ گزرا جو (ملک شام سے) آیا تھا حاضرین (خطبہ چھوڑ کر) مسجد سے نکل گئے اور سوائے بارہ آدمیوں کے سب چلے گئے۔ کلبی کی روایت میں حضرت ابن عباس کا بیان آیا ہے کہ صرف آٹھ آدمی باقی رہ گئے تھے۔ ابو عوانہ کی صحیح میں آیا ہے کہ حضرت جابر نے فرمایا میں بھی باقی رہنے والوں میں سے تھا۔ دار قطنی نے چالیس آدمی باقی رہنے والے بیان کئے ہیں۔ لیکن اس روایت کی سند ضعیف ہے سیلسلۂ روایت میں علی بن عاصم راوی منفرد ہے۔ عُقیلی نے بھی حضرت جابر کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے اس میں اتنا زائد ہے کہ من جملہ باقی رہنے والوں کے حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ حضرت زبیر، حضرت سعد، حضرت سعید، حضرت ابو عبیدہ یا حضرت عمار (اسد بن عمر۔ راوی کو اس میں شک تھا) حضرت بلال اور حضرت ابن مسعودؓ تھے یہ گیارہ اصحابؓ ہوئے اور بارہویں حضرت جابر خود تھے۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ط

اور جب انہوں نے تجارت اور کھیل تماشا ہوتے دیکھا تو اس کی طرف لپک گئے اور تمہیں کھڑا چھوڑ دیا۔

تجارت اور لہو دو لفظ پہلے ذکر کئے پھر اِلَیْهَا کی ضمیر صرف تجارت کی طرف راجع کی، یہ کنایہ ہے اس امر کا کہ اصل مقصد تجارت ہی تھا کیوں کہ لہو سے مراد (ہر کھیل نہیں ہے) بلکہ وہ طبل مقصود ہے جو قافلہ کے استقبال کے لئے بجایا جاتا تھا۔ تجارت اور لہو کے درمیان لفظ اَوْ کا ذکر کرنا دلالت کر رہا ہے اس امر پر کہ بعض لوگ صرف طبل کی آواز سننے اور قافلہ کو دیکھنے کے لئے خطبہ چھوڑ کر مسجد سے چلے گئے تھے (گویا عمومی طور پر اکثر کا مقصد تجارت تھی۔ ابن جریر نے حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ وہ لوگ جب نکاح کرتے تھے تو لڑکیاں باجے بجاتی تھیں باجے کی آواز سن کر لوگ رسول اللہ ﷺ کو منبر پر کھڑا چھوڑ کر باجے کی آواز کی طرف چلے جاتے تھے۔

صاحبِ لبابِ النقول نے لکھا ہے گویا دونوں واقعات کا سلسلہ میں اس آیت کا نزول ہوا۔ صاحبِ لباب نے یہ بھی کہا میں

نے دیکھا ابن المنذر نے حضرت جابر کی روایت سے ہی دونوں واقعات کا ذکر کیا۔ نکاح کا واقعہ بھی اور قافلہ کے آنے کا بھی اور طریق روایت دونوں کا ایک ہی ہے۔ فالحمد للہ۔

اگر دونوں واقعات کو آیت کا موردِ نزول قرار دیا جائے تو اس صورت میں تنہا تجارت کی طرف ضمیر راجع کرنے سے یہ بات سمجھ لی جائے گی کہ تجارت کی طرف جانا باوجود ضروری ہونے کے جب مذموم ہے تو لہو کی طرف خطبہ چھوڑ کر مسجد سے جانا تو بدرجۂ اولیٰ قابلِ مذمت ہے۔ بعض اہلِ تفسیر نے لکھا ہے کہ اِنْفَضُّوْٓا اِلَيْهِ کا لفظ محذوف ہے اصل کلام اس طرح تھا اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَاِذَا رَاَوْا لَهْوًا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهِ۔

حسن اور ابو مالک نے کہا اہلِ مدینہ کو (ایک سال) بھوک نے بہت ستایا اشیاء کے نرخ گراں ہو گئے، دحیہ بن خلیفہ ملکِ شام سے کچھ روغنِ زیتون مدینہ میں فروخت کرنے کے لئے لایا رسول اللہ ﷺ اس وقت جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے حاضرین کو اندیشہ ہوا کہ دوسرے لوگ پہلے سے جا کر خرید لیں گے اور ہم رہ جائیں گے اس لئے خطبہ چھوڑ کر بقیع کی طرف چلے گئے دحیہ بقیع میں ہی تھا رسول اللہ ﷺ کے خطبہ میں صرف چند آدمی رہ گئے جن میں حضرت ابو بکر و حضرت عمر بھی تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا قسم اس کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر تم میں سے (خطبہ میں) کوئی باقی نہ رہتا تو وادی آگ سے بھر جاتی اور تم سب کو بہا کر لے جاتی۔

مقاتل کا بیان ہے رسول اللہ ﷺ جمعہ کے روز خطبہ دے رہے تھے کہ دحیہ بن خلیفہ کلبی کچھ تجارتی مال لے کر ملکِ شام سے آیا دستور تھا کہ جب دحیہ (تجارتی مال لے کر) آتا تھا تو مدینہ کی ہر پردہ نشین عورت بھی وہاں پہنچ جاتی تھی کیوں کہ دحیہ آٹا گیہوں اور تمام ضروریات کی (غذائی) چیزیں لے کر آتا تھا دحیہ مدینہ پہنچ کر بازارِ مدینہ کے احجار الزیت مقام پر اترتا تھا اور اس کی آمد کی اطلاع کے لئے طبل بجایا جاتا تھا لوگ آواز سنتے ہی خریداری کے لئے نکل پڑتے تھے۔ یہ دستور دحیہ کے مسلمان ہونے سے پہلے کا تھا۔ چنانچہ ایک بار جمعہ کے دن دحیہ آ گیا رسول اللہ ﷺ اس وقت منبر پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے لوگ فوراً مسجد سے نکل پڑے مسجد کے اندر صرف بارہ مرد اور ایک عورت رہ گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا مسجد میں کتنے لوگ باقی ہیں۔ عرض کیا گیا۔ بارہ مرد اور ایک عورت فرمایا یہ بھی باقی نہ رہتے تو آسمان سے نام زد پتھر برسا دیئے جاتے اس پر آیتِ مذکورہ نازل ہوئی لہو سے مراد وہی طبل ہے۔

بعض اہلِ علم نے قافلہ جب مدینہ میں آتا تھا تو طبل اور تالیاں بجا کر اس کا استقبال کیا جاتا تھا (اس صورت میں طبل بجانے والے اہلِ قافلہ نہیں ہوتے تھے، بلکہ اہلِ مدینہ ہوتے تھے)۔

وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا یعنی آپکو خطبہ دیتے چھوڑ گئے۔ مسلم نے صراحت کی ہے کہ حاضرینِ مسجد رسول اللہ ﷺ کو خطبہ دیتے چھوڑ گئے تھے۔ بیہقی نے بھی اسی روایت کو ترجیح دی ہے، لیکن دوسری روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت نماز میں تھے، کہ نماز کو چھوڑ کر لوگ قافلہ کی طرف چلے گئے۔ دونوں روایتوں کو بعض لوگوں نے اسی طرح مطابقت دی ہے کہ نماز میں تھے اور اس سے مراد مجازاً خطبہ دینا ہے گویا خطبہ بھی نماز ہی تھی کعب بن عجرہ کی حدیث اوپر نقل کی جا چکی ہے بیہقی نے نماز والی روایت کو مرجوح قرار دیا ہے۔ علقمہ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ سے دریافت کیا گیا کیا رسول اللہ ﷺ اس وقت کھڑے ہوئے تھے یا بیٹھے ہوئے تھے۔ فرمایا کیا تم نے آیت وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا نہیں پڑھی۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ چالیس آدمیوں سے کم ہوں تب بھی جمعہ کی نماز ہو جاتی ہے وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ صرف بارہ آدمی رہ گئے تھے ان ہی کو رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کی نماز پڑھائی، لیکن احتمال ہے کہ جمعہ کی نماز نہ پڑھائی ہو ظہر پڑھائی ہو یا منتشر ہونے کے بعد پھر لوگ لوٹ آئے ہوں یا ان کے چلے جانے کے بعد اور لوگ آ گئے ہوں۔ یہ تمام احتمالات رفتارِ کلام کے خلاف ہیں اگر ان احتمالات میں سے کوئی واقعہ ہوتا تو کسی روایت میں آ جاتا۔

اس کے علاوہ جمعہ میں بارہ آدمیوں کی موجودگی سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ (کم سے کم) بارہ آدمی ضرور ہی ہونا چاہئے۔

جیسا کہ حضرت اسعد بن زرارہ کے قصہ میں آیا ہے کہ انہوں نے پہلا جمعہ چالیس آدمیوں کے ساتھ پڑھا اس سے بھی چالیس کا عدد ضروری نہیں قرار پاتا اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بنی سالم بن عمرو کے محلہ میں سو آدمیوں کو جمعہ پڑھایا اس سے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ جمعہ میں سو مقتدیوں کا لازم ہوتا ہے۔

مسئلہ: کم سے کم شرکاء جمعہ کی تعداد میں مختلف ائمہ کے مختلف اقوال ہیں اب اگر ہر امام کے مقررہ عدد سے ایک عدد کی کمی نماز کے اندر ہو جائے تو کیا کیا جائے اس میں اقوال کا اختلاف ہے امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا اگر پہلی رکعت میں امام کے سجدہ کرنے سے پہلے ایک فرد چلا جائے گا (اور مقررہ تعداد سے ایک شخص کم ہو جائے گا تو جمعہ باطل ہو جائے گا از سرِ نو ظہر کی نماز پڑھی جائے اور اگر امام کے سجدہ کرنے کے بعد مقتدی چلا گیا ہے تو امام جمعہ کی نماز پوری کرے۔

امام احمدؒ نے فرمایا تکبیر تحریمہ کے بعد مقتدی نماز توڑ کر چلا گیا تب بھی امام جمعہ کی نماز ہی پوری کرے گا۔

امام شافعیؒ کا صحیح تر قول یہ ہے کہ آخر نماز تک چالیس کی موجودگی ضروری ہے جیسے نماز کے آخر تک وقت کا باقی رہنا ضروری ہے اگر امام کے سلام پھیرنے سے پہلے چالیس سے ایک آدمی بھی کم ہو جائے گا تو باقی لوگوں پر دوبارہ ظہر کی نماز پڑھنا واجب ہے۔

امام شافعیؒ کا ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ امام کے ساتھ اگر دو آدمی بھی نماز کے ختم ہونے تک باقی رہیں تو امام جمعہ کی نماز ہی پوری کرے۔ امام شافعیؒ کا یہ بھی ایک قول آیا ہے کہ اگر آخر نماز تک ایک شخص بھی باقی رہے تو امام جمعہ کی نماز پوری کرے۔

مُزنیؒ نے کہا امام کے ایک رکعت پڑھانے کے بعد اگر مقتدی منتشر ہو جائیں اور خواہ ایک بھی امام کے ساتھ نہ رہے تب بھی امام جمعہ کی نماز پوری کرے اور اگر پہلی رکعت میں ہی منتشر ہو جائیں، اور چالیس سے کم رہ جائیں تب (ظہر کی) چار رکعتیں پوری کرے۔ امام زفرؒ نے فرمایا اگر قعدہ سے پہلے مقتدی منتشر ہو جائیں اور تعدادِ مقرّرہ باقی نہ رہے تو جمعہ جاتا رہا از سرِ نو ظہر پڑھے۔

مسئلہ: اگر مسبوق امام کے ساتھ جمعہ کی نماز کا کوئی حصہ پالے خواہ قعدہ یا سجدۂ سہو میں ہی شریک ہو جائے تو جمعہ کی نماز پوری کرے یہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے فرمایا اگر ایک رکعت پالی تو جمعہ پالیا، دوسری رکعت پوری کرے اگر ایک رکعت پوری نہیں ملی تو جمعہ نہیں ملا ظہر کی چار رکعتیں پوری کرے۔ طاؤس نے کہا اگر دونوں خطبے نہ پائے تو جمعہ نہیں پایا۔

قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ (۱۱)

ان سے کہو جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ کھیل تماشے اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

مَا عِنْدَ اللّٰهِ یعنی اللہ کے پاس جو نماز کا اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جمے رہنے کا ثواب ہے وہ لہو اور تجارت سے کہیں بہتر ہے تم نے جس کام کو بہتر سمجھا ہے اس کا نفع تو یقینی نہیں لیکن اللہ کی طرف سے جو ثواب ملنے والا ہے وہ یقینی بھی ہے اور بہت بڑا بھی۔

مسئلہ: مال کی محبت اور حرص ممنوع ہے طلبِ رزق میں اعتدال رکھنا اور راہ خوب اختیار کرنا مستحب ہے حضرت ابو حمید ساعدی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا طلبِ دنیا میں اختصار (اعتدال) کرو کیونکہ جو کچھ لکھ دیا گیا ہے وہ تو ہر ایک کو ملے گا۔ رواہ الحاکم وابو الشیخ وابن ماجہ۔

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگو دنیوی سامان کی کثرت سے غنا حاصل نہیں ہوتا استغناء تو دل کا استغناء ہے اللہ نے جو کچھ بندے کے لئے لکھ دیا ہے وہ ضرور عطا فرمائے گا۔ اس لئے حسنِ طلب سے کام لو جو حلال ہے وہ لے لو اور جو حرام ہے اس کو چھوڑ دو۔ رواہ ابو یعلیٰ اس کی اسناد حسن ہے۔ اس حدیث کی روایت کا ابتدائی حصہ متفق علیہ بھی ہے۔

حضرت درداءؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رزق بندہ کو ڈھونڈتا ہے جیسے انسان کو موت ڈھونڈتی ہے۔

رواہ ابن حبان والبزاز والطبرانی۔ طبرانی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں جتنا بندہ رزق کو ڈھونڈتا ہے۔ اس سے زیادہ رزق بندہ کو ڈھونڈتا ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے اگر کوئی اپنے رزق سے بھاگے گا تب بھی رزق اس کو جا پکڑے گا جس طرح آدمی (تلاش کر کے) اپنے رزق کو پاتا ہے رواہ الطبرانی فی الاوسط والصغیر بسند حسن۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا بیان ہے کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے بہترین ذکر خفی ذکر ہے اور بہترین رزق وہ ہے جو کافی ہو۔ رواہ ابو عوانہ وابن حبان۔

حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص ایسی حالت میں صبح کرتا ہے کہ اس کا مقصد دنیا ہوتی ہے وہ اللہ کی طرف سے کسی ذمہ داری میں نہیں ہے جو مسلمانوں کی پرواہ نہیں کرتا وہ ان میں سے نہیں ہے اور جو اپنے نفس کو بخوشی بغیر کسی جبر کے ذلیل کرتا ہے وہ ہم سے متعلق نہیں ہے رواہ الطبرانی۔

حضرت کعب بن مالک راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو بھوکے بھیڑیئے جن کو بکریوں میں چھوڑ دیا جائے بکریوں کے لئے اس سے زیادہ تباہ کن نہیں ہیں جتنی تباہ کن مالی حرص اور بے جا خرچ ہے رواہ الترمذی وابن حبان۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمارہے تھے اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو فائدہ رساں نہ ہو اور اس دل سے جس میں خشوع نہ ہو اور اس نفس سے جو کبھی سیر نہ ہو اور اس دعا سے جو سنی نہ جائے رواہ النسائی۔

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر آدمی کے پاس مال بھری ہوئی دو وادیاں ہوں تب بھی وہ تیسری کا خواستگار ہوگا، آدمی کے پیٹ کو خاک کے سوا کوئی چیز نہیں بھرتی اور جو (حرص سے) توبہ کرتا ہے اللہ اپنی رحمت کے ساتھ اس کی طرف التفات کرتا ہے۔

والحمد للہ رب العالمین

(سورۃ الجمعہ کی تفسیر ختم ہوئی)

☆☆☆

سُورَةُ المُنٰفِقُونَ

(یہ سورۃ مدنی ہے اس میں گیارہ آیات ہیں اور دو رکوع ہیں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخاری وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت زید بن ارقم نے فرمایا، میں نے خود سنا عبد اللہ بن اُبی اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس ہیں جب تک وہ ان کا ساتھ چھوڑ کر منتشر نہ ہو جائیں ان پر کچھ خرچ مت کرو، اگر ہم مدینے کو لوٹ گئے تو وہاں سے عزت والے لوگ ان ذلیلوں کو نکال دیں گے۔ میں نے اس کا ذکر اپنے چچا سے کر دیا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کر دیا، حضور ﷺ نے مجھے طلب فرمایا میں نے حاضر ہو کر واقعہ بیان کر دیا۔ آپ ﷺ نے عبد اللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں کو طلب فرما کر دریافت کیا، انہوں نے قسمیں کھالیں کہ انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ حضور ﷺ نے مجھے جھوٹا قرار دیا اور ابن اُبی کو سچا مان لیا۔ اس فیصلے سے مجھے ایسا دکھ ہوا کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا چچا نے کہا میں تو تیری تکذیب نہیں چاہتا تھا مگر (اب تو) رسول اللہ ﷺ نے تجھے جھوٹا قرار دے دیا اور تجھ سے متنفر ہو گئے۔ اس پر آیت اِذَا جَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ نازل ہوئی۔ فوراً رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو بھیج کر مجھے طلب فرمایا اور یہ آیات پڑھیں، پھر فرمایا اللہ نے تیری بات کی تصدیق کر دی۔ محمد بن اسحٰق اور دوسرے علماء سیر نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنی مصطلق رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے کے لئے جمع ہو رہے ہیں اور ان کا سپہ سالار ام المؤمنین حضرت جویریہؓ کا باپ حارث بن ضرار ہو گا حضور ﷺ نے یہ خبر پا کر مدینہ میں اپنا جانشین بقول محمد بن عمرو وابن سعد حضرت زید بن حارثہ کو بنایا اور ابن ہشام کے قول پر حضرت ابوذر غفاری کو جانشین مقرر کیا اور مسلمانوں کی جمعیت ساتھ کر لے روانہ ہو گئے۔ اس لشکر میں مسلمانوں کے پاس تیس گھوڑے تھے جن میں سے دس مہاجروں کے تھے اور دو رسول اللہ ﷺ کے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دُنیوی مال کے لالچ میں بہت سے منافق بھی ہو گئے۔ بنی مصطلق سے رسول اللہ ﷺ کا مقابلہ مریسیع کے چشمہ پر جو قدید کی طرف سمت ساحل پر تھا ہوا۔ حارث نے لڑائی کی تیاری کر لی تھی، رسول اللہ ﷺ صف بستہ ہو گئے اور حضرت عمر بن خطابؓ نے رسول اللہ ﷺ کے مطابق منادی کر دی کہ لا الہ الا اللہ کہہ دو تمہاری جانیں اور مال محفوظ رہیں گے اس کے بعد طرفین سے تیر اندازی ہونے لگی اور مُٹھ بھیڑ ہو گئی۔ خوب لڑائی ہوئی بنی مصطلق میں سے جن کو (بتقدیر الٰہی) مارا جانا تھا وہ مارے گئے باقی شکست کھا کر بھاگ پڑے۔ رسول اللہ ﷺ نے انکی عورتوں اور بچوں پر قبضہ کر لیا اور اللہ نے آپ کو مالِ غنیمت عطا فرمایا، ابھی لوگ اسی چشمہ پر فروکش تھے کہ ایک حادثہ ہو گیا۔ حضرت عمر کے پاس بنی غفار کے قبیلہ کا ایک مزدور تھا جو آپ کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر چلتا تھا اس کا نام جہجاہ بن سعید تھا، سنان بن وبرہ جہنی سے جہجاہ کا ٹکراؤ ہو گیا قبیلہ جہینہ قبیلۂ عوف بن خزرج کا حلیف تھا۔ دونوں لڑ پڑے، جہجاہ نے سنان کو اتنا زخمی کر دیا کہ خون بہنے لگا۔ سنان نے گروہ انصار کو مدد کے لئے پکارا اور غفاری نے گروہ مہاجرین کو بلایا۔ طرفین سے ایک ایک گروہ جمع ہو گیا اور ہتھیار نکل آئے مہاجرین کی طرف سے ایک آدمی نے جس کو جعال کہا جاتا تھا جہجاہ کی مدد کی۔ قریب تھا کہ ایک بڑا فتنہ برپا ہو جائے کہ رسول اللہ ﷺ نکل آئے اور فرمایا یہ کیا جاہلیت (کے دور) کی پکار مچار کھی ہے؟ لوگوں نے واقعہ کی اطلاع دی، حضور ﷺ نے فرمایا چھوڑو یہ فتنہ ہے یعنی شریعت میں مذموم ہے آدمی کو اپنے بھائی کی مدد کرنی چاہئے، اس کا بھائی ظالم ہو یا مظلوم۔ ظالم ہو تو اس کو ظلم سے روک دے، یہی اس کی مدد ہے اور مظلوم ہو تو اس کی حمایت کرے۔ اس کے بعد مہاجرین کے کچھ لوگوں نے حضرت عبادہ بن صامت اور دوسرے انصاریوں سے گفتگو کی اور انہوں نے سنان سے بات کی۔ آخر

سنان اپنے حق سے دست بردار ہو گئے۔
عبداللہ بن اُبَی بن سلول اپنی جگہ بیٹھا ہوا تھا اس کے پاس دس منافق بھی بیٹھے ہوئے تھے' مالک، سوید، قاعس، اوس بن قبطی، زید بن صلت، عبداللہ بن نبیل اور معتب بن قشیر۔ حضرت زید بن ارقم بھی وہاں تشریف فرما تھے۔ یہ کم سن لڑکے تھے ابن اُبَی نے کہا، کیا ان لوگوں نے یہ حرکت کی۔ اب ہم پر فخر کرنے اور ہماری بستیوں میں ہم سے مقابلہ کرنے لگے۔ ہماری اور ان کی حالت بالکل ایسی ہے جیسے کہاوت ہے، اپنے کُتّے کو (کھلا کھلا کر) موٹا کر کہ تجھے کاٹ کھائے۔ خدا کی قسم جب ہم مدینہ کو لوٹیں گے تو ہم میں سے جو عزت میں اونچا ہو گا وہ ذلیل کو نکال کر باہر کر دے گا۔ اونچی عزت والا، اس نے اپنے آپ کو کہا اور رسول اللہ ﷺ کو ذلیل کہا۔ پھر اپنی قوم کے لوگوں کو خطاب کر کے کہا یہ سب کچھ تم نے کیا تم نے ان کو اپنے شہروں میں اتارا اور اپنا مال بانٹ کر دیا۔ خدا کی قسم اگر جعال (کو دینے) سے رک جاتے اور بچا ہوا کھانا نہ دیتے تو یہ لوگ تمہاری گردنوں پر سوار نہ ہو جاتے اور تمہاری بستیوں سے کہیں دوسری جگہ منتقل ہو جاتے اب بھی ان پر کچھ خرچ نہ کرو تا وقتیکہ وہ محمد ﷺ کے پاس سے ہٹ جائیں۔
حضرت زید بن ارقم نے کہا خدا کی قسم تو اپنی قوم میں ذلیل، حقیر اور قابلِ نفرت ہے اور محمد ﷺ خداداد عزت میں ہیں اور مسلمانوں کے دلوں میں محبوب ہیں۔ عبداللہ بن اُبَی نے کہا خاموش ہو جا۔ میں تو یونہی مذاق سے کہہ رہا تھا۔ حضرت زید بن ارقم نے جا کر رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی اطلاع دے دی، حضور ﷺ کو یہ بات ناگوار ہوئی اور چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا پھر فرمایا لڑکے شاید تو نے اس پر دروغ بندی کی، حضرت زید نے کہا، نہیں، خدا کی قسم حضور ﷺ میں نے خود سنا۔ حضور ﷺ نے فرمایا شاید تیرے سننے میں کچھ غلطی ہوئی۔ حضرت زید نے کہا نہیں یا رسول اللہ ﷺ (میرے سننے میں غلطی بھی نہیں ہوئی) حضور ﷺ نے فرمایا شاید تجھے کچھ اشتباہ ہو گیا۔ حضرت زید نے کہا نہیں یا رسول اللہ ﷺ (کچھ اشتباہ بھی نہیں ہوا) لشکر میں عبداللہ کی یہ بات پھیل گئی۔ سوائے ابن اُبَی کی اس بات کے لوگوں میں اور کوئی بات ہی نہیں ہوتی تھی۔ کچھ انصاری حضرت زید کو ملامت کرنے لگے کہ تو نے اپنی قوم کے سردار پر تہمت لگائی اور جو بات اس نے نہیں کہی تھی تو نے وہ بات اس کی طرف منسوب کر دی' یہ تو نے بڑی بے جا حرکت کی اور رشتہ داری کو منقطع کیا حضرت زید نے جواب دیا خدا کی قسم جو کچھ اس نے کہا تھا میں نے خود سنا تھا خدا کی قسم (سارے قبیلہ) خزرج میں میرے باپ کو عبداللہ بن اُبَی سے زیادہ کسی سے محبت نہیں تھی اگر میں اپنے باپ سے بھی یہ بات سنتا تو رسول اللہ ﷺ سے جا کر ضرور نقل کرتا مجھے امید ہے کہ اللہ اپنے نبی پر کوئی ایسا کلام ضرور نازل فرمائے گا جس سے میری بات کی تصدیق ہو گی۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیجئے میں اس کی گردن مار دوں' دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ عباد بن بشیر کو حکم دیجئے کہ وہ ابن اُبَی کا سر کاٹ کر آپ کے پاس لے آئے' ایک روایت میں عباد بن بشیر کی جگہ محمد بن مسلمہ کا نام آیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میں نے یہ اجازت دی تو لوگ کہیں گے محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں (کوئی ان کا ساتھ نہ دے) لیکن کوچ کرنے کا اعلان کر دو (یہی مناسب ہے) یہ وقت ایسا تھا کہ (معمولاً) رسول اللہ ﷺ ایسے وقت سفر پر روانہ نہیں ہوتے تھے۔ سخت گرمی کا وقت تھا اور رسول اللہ ﷺ (سخت گرمی کے وقت روانہ نہیں ہوتے تھے) ٹھنڈا وقت ہو جاتا تو روانہ ہوتے تھے لشکر والوں کو کچھ پتہ بھی نہیں ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی قصویٰ سامنے سے برآمد ہو گئی (مجبوراً) لوگ بھی روانہ ہو گئے۔ حضور ﷺ نے ابن اُبَی کو طلب فرمایا، وہ حاضر ہو گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے جو بات پہنچی ہے کیا تم نے وہ کہی تھی' ابن اُبَی نے کہا اس خدا کی قسم جس نے آپ کے اوپر کتاب نازل فرمائی ہے، میں نے اس میں سے کچھ نہیں کہا۔ زید قطعاً جھوٹا ہے۔ عبداللہ بن اُبَی اپنی قوم میں بڑا سردار (مانا جاتا) تھا اس کے ساتھیوں نے جو انصار تھے اور وہاں موجود تھے، عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ممکن ہے اس لڑکے کو کچھ اشتباہ ہو گیا ہو۔ جو بات ابن اُبَی نے کہی ہو وہ اس کو محفوظ نہ رہی ہو۔ غرض ابن اُبَی کے عذر کو رسول اللہ ﷺ نے قبول فرما لیا، اور انصار کی طرف سے زید پر ملامت کی بوچھاڑ ہونے لگی اور لوگوں نے ان کو جھوٹا قرار دے دیا۔ زید اپنے چچا کے ساتھ رہتے تھے، چچا نے کہا میں (تم کو جھوٹا قرار دینا) نہیں چاہتا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اور سارے لوگوں نے تمہاری تکذیب کر دی اور تم سے متنفر

ہو گئے۔ زید کا قاعدہ تھا کہ سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ چلتے تھے لیکن اس بات کے بعد حضور ﷺ کے پاس جانے سے جھجکنے لگے۔ جب رسول اللہ ﷺ روانہ ہو گئے تو سب سے پہلے حضرت سعد بن عبادہ آپ سے ملے۔ ابن اسحاق نے سعد کی بجائے اُسید بن حُضیر کا نام ذکر کیا ہے، اور کہا السلام علیک ایہا النبی و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔ حضور ﷺ نے جواب دیا، وعلیک (السلام) و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔ سعد (یا اُسید) نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ ایسے ناگوار وقت میں روانہ ہوئے ہیں کہ ایسے وقت میں آپ سفر پر روانہ نہیں ہوتے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم کو وہ بات نہیں پہنچی جو تمہارے ساتھی نے کہی تھی۔ سعد نے کہا، یارسول اللہ ﷺ! کون ساتھی۔ فرمایا ابن اُبی کہتا ہے کہ جب وہ مدینے لوٹ کر جائے گا تو بڑی عزت والا، وہاں سے بڑے ذلیل آدمی کو نکال دے گا۔ سعد نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اگر آپ چاہیں تو اس کو نکال دیں وہ بڑا ذلیل ہے اور آپ بڑی عزت والے ہیں۔ عزت تو اللہ کے اور آپ کے اور مؤمنوں کے لئے ہے، کچھ دیر کے بعد عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اس سے نرمی کیجئے۔ یارسول اللہ ﷺ جب آپ کو مدینے میں لایا گیا تم اس زمانے میں اس کی قوم والے اس کو ہار پہنانے (اور بادشاہ بنانے) کے لئے ہار پرو رہے تھے جس جس کے پاس کوئی پوتھ تھا وہ ہار پرونے کے لئے لے کر آ رہا تھا۔ یہاں تک کہ سوائے یوشع یہودی کے کسی کے پاس کوئی پوتھ نہیں بچا۔ یوشع جانتا تھا کہ خزرج والوں کو ابن اُبی کو تاج کے لئے پوتھ کی ضرورت ہے اس لئے اس نے ان لوگوں سے پوتھ کی زیادہ قیمت لی یہ ہی باتیں ہو رہی تھیں کہ اللہ آپ کو یہاں لے آیا۔ ابن اُبی نے (آپ کی تشریف آوری کو اپنے لئے حکومت سے محرومی کا سبب سمجھا اور) خیال کیا کہ آپ کے آنے سے اس کی حکومت چھن گئی۔ ابن اُبی کے بیٹے حضرت عبداللہ کو جب اس قول کی اطلاع ملی جو حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تھا تو حضور ﷺ سے گزارش کی یا رسول اللہ ﷺ اگر اس بات کی وجہ سے جو ابن اُبی کے متعلق آپ تک پہنچی ہے۔ ابن اُبی کو آپ قتل کرا دینا چاہتے ہیں تو مجھے حکم دیجئے میں خود اس کا سر لا کر حضور ﷺ کی خدمت میں اتنی جلد پیش کر دوں گا کہ آپ یہاں سے اٹھنے بھی نہ پائیں گے۔ خدا کی قسم خزرج والے خوب جانتے ہیں کہ سارے خزرجیوں میں کوئی بھی اپنے والدین کا اطاعت گزار نہیں ہے، جتنا میں ہوں۔ اس لئے مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میرے علاوہ کسی اور کو میرے باپ کے قتل کرنے پر مامور کیا اور اس نے قتل کر دیا تو مجھے میرا نفس اجازت نہیں دے گا کہ میرے باپ کا قاتل لوگوں میں چلتا پھرے اور میں اس کو یوں ہی چھوڑ دوں (لامحالہ میں اس کو قتل کر دوں گا) تو کافر کے عوض مؤمن کو قتل کر کے دوزخی ہو جاؤں گا۔ آپ کی طرف سے معافی (انتقام سے) افضل و اعظم ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، عبداللہ میرا ارادہ تو (تمہارے باپ کو) قتل کرانے کا نہیں ہے نہ میں نے اس کا حکم دیا ہے جو لوگ ہماری صحبت میں رہتے ہیں ہم تو ان سے اچھا سلوک کرتے ہیں، حضرت عبداللہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اس کھاڑی کے رہنے والوں نے ابن اُبی کو تاج پہنانے پر اتفاق کر لیا تھا، لیکن جب اللہ آپ کو یہاں لے آیا تو اس کو پست کر دیا اور ہم کو آپ کی وجہ سے سربلند فرمایا۔ اب بھی کچھ لوگ اس کے آس پاس گھومتے اور پچھلی باتوں کا تذکرہ کرتے ہیں انکو اللہ نے مغلوب کر دیا ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ سب کو لے کر روانہ ہو گئے دن بھر چلتے چلتے شام ہو گئی۔ پھر رات بھر چلتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور دن چڑھ گیا جب دھوپ سے تکلیف ہونے لگی تو ایک جگہ اتر پڑے اور ٹھہر گئے لوگ فوراً زمین کو چھوتے ہی (یعنی اترتے ہی) بیتاب ہو کر سو گئے (گویا سوتے میں گر پڑے) رسول اللہ ﷺ نے یہ (روانگی عجلت) اس وجہ سے کی تاکہ لوگوں میں ابن اُبی کے قول کا جو تذکرہ ہو رہا تھا اس سے لوگ باز رہیں (اور ایک جگہ بیٹھ کر آپس میں بات چیت کرنے کا موقع نہ رہے) اس کے بعد پچھلے دن میں رسول اللہ ﷺ نے سفر شروع کر دیا، یہاں تک کہ چشمۂ بقعاء تک جو بقیع کے بالائی جانب علاقۂ حجاز میں واقع تھا پہنچ کر اتر پڑے۔ مسلم نے حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینے کے قریب پہنچے تو ایک طوفانی ہوا ایسی اُٹھی کہ سوار بھی اس کی وجہ سے ریت میں دفن ہو جائے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ طوفان ایک منافق کی موت کے لئے (اللہ کی طرف سے) بھیجا گیا ہے، چنانچہ جب ہم مدینہ میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ ایک بڑا منافق مر گیا۔ محمد بن عمرو کا بیان ہے جب طوفان آیا تو لوگوں نے کہا یقیناً مدینہ میں کوئی بڑا حادثہ ہوا ہے اور وہاں ہمارے بال بچے ہیں (ہم کو ان کی فکر

ہے) عُیَینہ بن حِصن فزاری اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان ایک مقررہ مدت کے لئے نا جنگ معاہدہ تھا اور معاہدہ کی مدت ختم ہونے والی تھی (اس لئے لوگوں کو خیال ہوا کہ کہیں عُیَینہ بن حِصن نے مدینہ پر حملہ نہ کر دیا ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا تمہارے لئے کوئی (اندیشہ کی بات) نہیں ہے۔ مدینہ کی ہر گھاٹی پر ایک فرشتہ محافظ موجود ہے۔ کوئی دشمن مدینے میں داخل نہیں ہو سکتا تم ہی داخل ہو گے، واقعہ یہ ہوا کہ مدینہ میں ایک بڑا منافق مر گیا اسی وجہ سے یہ طوفانی ہوا چلی تھی اس کے مرنے کا منافقوں کو سخت غم ہوا تھا۔ کیونکہ وہ منافقوں کا پشت پناہ تھا۔ یہ مرنے والا زید بن رفاعہ بن تابوت تھا۔

محمد بن عمرو نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ زوالِ آفتاب تک آندھی بہت تیز رہی زوال کے بعد سکون ہو گیا۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ نے اس روز ابن اُبی سے فرمایا تیرا گہرا دوست زید بن رفاعہ بن تابوت مر گیا جس کے مرنے سے اسلام اور اہلِ اسلام کی فتح ہوئی۔ ابن اُبی نے کہا افسوس وہ (میرا دوست ہی) تھا۔ ابو ولید یہ تو بتاؤ کہ تم کو کس نے اطلاع دی۔ حضرت عبادہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی کہ ابھی وہ مر گیا۔ ابن اُبی بڑا پشیمان اور غمگین ہوا۔ محمد بن عمرو نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی قصویٰ اونٹوں (کے گلے) میں سے گم ہو گئی۔ مسلمان ہر طرف اس کو تلاش کرنے لگے۔ ایک منافق تھا زید بن صلت جو انصار کی اس جماعت میں شامل تھا جس میں عبادہ بن بشر بن وقس اور اُسید بن حُضیر شامل تھے زید بن صلت نے پوچھا، یہ لوگ ہر طرف کہاں جا رہے ہیں۔ لوگوں نے کہا رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کھو گئی ہے اس کو تلاش کر رہے ہیں۔ کہنے لگا جہاں اونٹنی ہو وہ جگہ اللہ ان کو بتا کیوں نہیں دیتا مسلمانوں کو یہ بات ناگوار ہوئی اور انہوں نے کہا دشمنِ خدا تجھ پر خدا کی مار تو منافق ہو گیا۔ حضرت اُسید بن حُضیر بولے مجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو میرا فعل پسند ہو گا یا نہیں، اگر یہ بات نہ ہوتی تو خدا کی قسم میں برچھا تیرے آر پار کر دیتا، جب یہ نفاق تیرے دل میں تھا تو تو ہمارے ساتھ نکل کر کیوں آیا تھا، کہنے لگا میں تو دنیوی مال کی طلب میں آیا تھا۔ خدا کی قسم محمد ﷺ اس اونٹنی سے کہیں بڑی آسمانی باتوں کی خبر تو ہم کو دیتے ہیں (اونٹنی کی کوئی خبر نہیں) مسلمانوں نے کہا خدا کی قسم ہماری کبھی تجھ سے (ملاپ کی) کوئی راہ نہیں ہو گی اور نہ کسی ٹیلے کے سائے میں ہم تیرے ساتھ بیٹھیں گے اگر ہم کو تیرے دل کی حالت معلوم ہوتی تو تیرے ساتھ ہی نہ رہتے۔ اس کے بعد زید کود کر بھاگ پڑا۔ اس کو ڈر لگا کہ مسلمان مجھ پر حملہ کر دیں گے۔ مسلمانوں نے اس کا سامان پھینک دیا۔ زید ساتھیوں سے بھاگ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر پناہ گزین ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت جبرئیلؑ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں وحی لے کر آ گئے (اور اونٹنی کی اطلاع دے دی) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (اور وہ منافق سن رہا تھا) منافقوں میں سے ایک شخص نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کھو گئی اور اللہ نے ان کو اونٹنی کا مقام نہیں بتایا، باوجودیکہ محمد ﷺ ہم کو اونٹنی کی گمشدگی سے بہت بڑی باتیں بتایا کرتے ہیں۔ (حضور ﷺ نے فرمایا) علمِ غیب سوائے خدا کے کسی کو نہیں اور اللہ نے اب مجھے اونٹنی کا مقام بتا دیا ہے، تمہارے سامنے گھاٹی کے اندر اونٹنی موجود ہے اس کی مہار ایک درخت میں پھنس گئی ہے تم اسی طرف جاؤ حسب الحکم لوگ وہاں جا کر اونٹنی کو لے آئے۔ جہاں رسول اللہ ﷺ نے بتایا تھا۔ منافق نے جب اونٹنی کو آتے دیکھ لیا تو پشیمان ہوا اور فوراً تیزی کے ساتھ ان ساتھیوں کے پاس آیا جن کے ساتھ وہ پہلے تھا، آ کر دیکھا کہ ان کا سامان پھینک دیا گیا ہے اور لوگ سب اپنی جگہ بیٹھے ہیں کوئی ایک بھی اپنی جگہ سے نہیں اٹھا ہے۔ جب وہ منافق ان حضرات کے قریب آنے لگا تو انہوں نے کہا۔ ہمارے پاس نہ آنا۔ کہنے لگا مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے، یہ کہہ کر قریب آ گیا اور بولا میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ کیا تم میں سے کوئی یہاں سے اُٹھ کر محمد ﷺ کے پاس گیا اور اس نے محمد ﷺ کو میری اس بات کی اطلاع دے دی جو میں نے یہاں کہی تھی، سب نے جواب دیا نہیں خدا کی قسم ہم میں سے تو کوئی اپنی جگہ سے اٹھا ہی نہیں، کہنے لگا میری کہی ہوئی بات تو (یہاں) لوگوں کے پاس ہی رہی اور وہاں رسول اللہ ﷺ نے فرما دی، پھر زید نے واقعہ نقل کر دیا جو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا تھا۔ کہنے لگا پہلے مجھے محمد ﷺ کے بارے میں شک تھا، لیکن اب شہادت دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، گویا پہلے میں مسلمان ہی نہیں ہوا تھا، اب اسلام لایا ہوں۔ ساتھیوں نے کہا تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا کر معافی کا طلب گار ہو۔ تا کہ وہ (اللہ

سے) تیرے لئے استغفار کریں۔ چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے گناہ کا اقرار کیا اور حضور ﷺ نے اس کے لئے دعائے مغفرت کی۔

جب رسول اللہ ﷺ وادی عقیق پر پہنچے تو حضرت عبداللہ بن اُبی آگے بڑھ کر اونٹوں کی تلاشی میں لگ گئے (ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی خاص اونٹ کی ان کو تلاش ہے) جب ان کے باپ کا اونٹ گزرا تو حضرت عبداللہ نے اس کو بٹھا دیا اور اس کا اگلا پاؤں باندھ دیا۔ ابن اُبی نے کہا اے احمق کیا کر رہا ہے۔ حضرت عبداللہ نے جواب دیا۔ جب تک رسول اللہ ﷺ اجازت نہیں دیں گے، آپ مدینے میں داخل نہیں ہو سکتے اور آپ کو خود معلوم ہو جائے گا کہ عزت والا کون ہے اور ذلیل کون ہے، آپ یا رسول اللہ ﷺ؟ اس عرصے میں جو مسلمان سامنے سے گزرتا، حضرت عبداللہ اس کو تیزی کے ساتھ آگے جانے دیتے (اور باپ کو روکے رکھتے تھے) اور باپ کہتا تھا تو اپنے باپ کے ساتھ یہ حرکت کر رہا ہے آخر رسول اللہ ﷺ گزرے اور کیفیت دریافت کی۔ عرض کیا گیا کہ حضرت عبداللہ بن اُبی اپنے باپ کو اس وقت تک چھوڑنے سے انکاری ہیں جب تک حضور ﷺ اس کو (مدینہ میں داخل ہونے کی) اجازت نہ دے دیں۔ حضور ﷺ آگے چلے تو دیکھا واقعی عبداللہ اپنے باپ کی اونٹنی کی ٹانگ باندھے بیٹھے ہیں اور ابن اُبی کہہ رہا ہے کہ میں چھوٹے بچوں سے بھی زیادہ کمزور ہوں، میں عورتوں سے بھی زیادہ ضعیف ہوں۔ حضور ﷺ نے حکم دیا اپنے باپ کو چھوڑ دو، اور عبداللہ نے چھوڑ دیا۔

محمد بن عمر نے حضرت رافع بن خدیج کی روایت سے بیان کیا کہ ابن اُبی کے متعلق آیتِ قرآنی کے نزول سے پہلے حضرت عبادہ بن صامت اس روز ابن اُبی سے فرما رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جا، حضور ﷺ تیرے لئے دعائے مغفرت کر دیں گے۔ ابن اُبی گردن نیوڑانے لگا۔ حضرت عبادہ نے فرمایا، خدا کی قسم تیرے اس گردن نیوڑانے اور سر پھرانے کے متعلق اللہ کی طرف سے کوئی ایسی آیت ضروری نازل ہوگی (جو تیرے لئے اک آگ ہوگی اور) تو اس میں جلے گا۔

راوی کا بیان ہے کہ شروع دن سے رسول اللہ ﷺ ہم میں (یعنی ہمارے دائرے میں) ہی چلتے رہے اور زید بن ارقم: رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کے سامنے آ جاتے تھے، حضور ﷺ کا رُخ اپنی طرف کرنا چاہتے تھے۔ اسی حالت میں وحی نازل ہوئی۔ حضرت زید بن ارقم کا بیان ہے رسول اللہ ﷺ کو سخت تکلیف محسوس ہونے لگی، پیشانی مبارک عرق آلود ہو گئی اور اونٹنی کی ٹانگوں پر بھاری بوجھ پڑنے لگا میں پہچان گیا کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی کا نزول ہو رہا ہے۔ مجھے امید تھی کہ میری تصدیق میں اللہ ضروری کچھ نازل فرمائے گا۔ جونہی وحی کی حالت دور ہو گئی۔ حضور ﷺ میرے دونوں کان پکڑ کر اوپر کو اٹھانے لگے میں اپنی اونٹنی پر تھا۔ لیکن کان اوپر اٹھنے کی وجہ سے اوپر اٹھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تیرے کان پورے (ثابت) ہوئے۔ اللہ نے تیری بات کی تصدیق کر دی اور اول سے آخر تک پوری سورۃ منافقون صرف ابن اُبی کے حق میں نازل ہو گئی۔

اس واقعہ کے بعد جب کوئی نئی بات کرتا تھا تو اس کی قوم والے خود اس پر غصہ اور گرفت کرتے تھے۔ یہ پوری روایت بتا رہی ہے کہ سورۂ منافقوں سفر کی حالت میں مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے اتری۔ لیکن بغوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینے میں پہنچ گئے تو (اس وقت کا) حضرت بن ارقم کا بیان ہے کہ میں غم اور شرمندگی کی وجہ سے اپنے گھر میں جا بیٹھا، اس کے بعد اللہ نے حضرت زید کی تصدیق اور ابن اُبی کی تکذیب میں سورۂ منافقوں نازل فرمائی۔ نزولِ سورہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے زید کا کان پکڑ کر فرمایا۔ زید! اللہ نے تیری تصدیق کر دی اور تیرے کان کو پورا کر دیا۔ نزولِ سورہ کے بعد جب عبداللہ بن اُبی کا جھوٹ ثابت ہو گیا تو ابن اُبی سے کہا گیا ابو خباب تیرے متعلق سخت آیات نازل ہوئی ہیں۔ اب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر (معافی کی درخواست کر) حضور ﷺ تیرے لئے مغفرت کی دعا کر دیں گے۔ ابن اُبی گردن نیوڑا کر بولا تم نے مجھے ایمان لانے کا مشورہ دیا، میں ایمان لے آیا، پھر تم نے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا، میں نے اپنے مال کی زکوٰۃ بھی دے دی اب اسکے سوا اور کوئی بات باقی نہ رہی کہ میں محمد ﷺ کو سجدہ کروں۔ اس پر اللہ نے آیت وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ نازل فرمائی، اس کے بعد ابن اُبی مدینے میں تھوڑے دنوں ہی زندہ رہا، کچھ ہی زمانہ کے بعد بیمار ہو کر مر گیا۔

فائدہ :۔ محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ یہ واقعہ ماہ شعبان ۶ھ میں ہوا، خلیفہ بن خیاط اور طبری نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔ لیکن قتادہ اور عروہ نے شعبان ۵ھ کا واقعہ قرار دیا ہے۔ اسی واقعہ کے دوران رسول اللہ ﷺ نے حضرت جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار سے نکاح کیا تھا محمد بن اسحاق، امام احمد، ابو داؤد اور محمد بن عمرؒ نے حضرت عائشہ کا قول بیان کیا ہے کہ جویریہ شیریں (اخلاق) اور ملیح عورت تھی جس کی نظر ان پر پڑ جاتی وہ فریفتہ ہو جاتا جس وقت رسول اللہ ﷺ چشمے پر تشریف فرما تھے کہ جویریہ آگئیں اور بدلِ کتابت ادا کرنے کے لئے مدد کی خواستگار ہوئیں۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس ان کا آنا مجھے ناگوار ہوا اور میں پہچان گئی کہ رسول اللہ ﷺ ان کو اسی نظر سے دیکھ رہے ہیں جس نظر سے میں دیکھ رہی ہوں۔ (یعنی حضور ﷺ نے ان کو پسندیدہ نظر سے دیکھ لیا ہے) جویریہ نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ! میں مسلمان عورت ہوں اور شہادت دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں، میں حارث بن ابی ضرار کی بیٹی جویریہ ہوں، حارث اپنی قوم کا سردار تھا ہم پر جو مصیبت پڑی اس سے تو آپ واقف ہی ہیں، میں ثابت قیس بن شماس اور ان کے چچا کے بیٹے میں مشترکا آئی ہوں، ثابت نے مجھے مکاتب کر دیا لیکن بدلِ کتابت اتنا مقرر کیا کہ اس کو ادا کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں، میں آپ پاس امید لے کر آئی ہوں، آپ بدلِ کتابت ادا کرنے میں میری مدد کیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس سے بہتر کوئی بات ہو گی تو کیا تم تسلیم کر لو گی۔ جویریہ نے کہا وہ کیا بات ہے یا رسول اللہ ﷺ! فرمایا میں تمہارا بدلِ کتابت ادا کر دوں گا پھر تم سے نکاح کر لوں گا۔ جویریہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ بہت خوب، میں راضی ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے ثابت بن قیس کو بلوایا اور ان سے جویریہ کا سوال کیا۔ ثابت نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ پر میرے ماں باپ قربان۔ جویریہ آپ کی ہے۔ اسکے بعد رسول اللہ ﷺ نے بدلِ کتابت ادا کیا اور آزاد کر کے نکاح کر لیا۔ اور (پھر) باہر برآمد ہوئے بنی مصطلق کے کچھ لوگ حصے بانٹنے میں آچکے تھے اور ان کی عورتوں سے قربت کرنے کے مسلمان مالک ہو گئے تھے (کیونکہ وہ باندیاں ہو چکی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جب جویریہ سے نکاح کر لیا تو مسلمانوں نے کہا یہ بنی مصطلق (جو غلام بنا لئے گئے ہیں) رسول اللہ ﷺ کے خسرال والے ہو گئے۔ چنانچہ جو شخص بھی جس کے قبضے میں تھا اس نے آزاد کر دیا۔ اس طرح سب آزاد ہو گئے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ جویریہ سے نکاح کرنے کی وجہ سے سو گھروں والے آزاد کر دیئے گئے اپنے کنبے کے لئے جویریہ سے زیادہ بابرکت عورت اور کوئی نہیں ہوئی۔

محمد بن عمر نے بروایتِ حرام از ہشام از عروہ بیان کیا کہ حضرت جویریہؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کے آنے سے تین رات پہلے میں نے خواب میں دیکھا کہ چاند یثرب سے چل کر میری گود میں آگرا ہے، میں نے کسی کے سامنے بیان کرنا اس کو مناسب نہ سمجھا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ آگئے اور ہم کو قیدی بنا لیا گیا اس وقت مجھے خواب (پورا ہونے) کی امید ہو گئی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے آزاد کر کے مجھ سے نکاح کر لیا۔ تب بھی اپنی قوم کے بارے میں کچھ نہیں کہا یہاں تک کہ مسلمانوں نے خود ان کو آزاد کر دیا۔ میرے چچا کی بیٹیوں میں ایک لڑکی تھی اس نے مجھے آکر یہ خبر سنائی تھی ورنہ مجھے معلوم بھی نہ تھا (کہ میرے رشتہ دار آزاد ہوئے یا نہیں) پس میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

حافظ بن عائذ نے بیان کیا کہ حضرت جویریہ کا باپ بن ابی ضرار جویریہ کا معاوضہ دینے کیلئے آیا جب (وادی) عقیق میں جہاں جویرہ کے فدیہ کے اونٹ موجود تھے تو اس کو اپنے اونٹوں میں سے دو اونٹ جو سب سے بہتر تھے بہت پسند آئے اسلئے ان دونوں کو عقیق کی کسی گھاٹی میں چھپا دیا اور باقی اونٹ لا کر اپنی بیٹی کے معاوضے میں پیش کر دیئے، اور عرض کیا محمد ﷺ آپ نے میری بیٹی کو گرفتار کر لیا ہے، یہ اس کا فدیہ ہے، حضور ﷺ نے فرمایا اور وہ دو اونٹ کہاں ہیں جو تم نے فلاں گھاٹی میں چھپا آئے ہو، یہ سنتے ہی حارث بول اٹھا، میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں بے شک وہ دو اونٹ مجھے بہت پیارے تھے اور میں نے انکو چھپا دیا تھا، اور اس بات سے سوائے اللہ کے اور کوئی واقف نہ تھا غرض حارث مسلمان ہو گیا۔ محمد بن عمر کا بیان ہے ابو سعید کہتے تھے بنی مصطلق کا نمائندہ (قیدیوں کا معاوضہ لے کر) آیا اور بچوں اور عورتوں کو فدیہ دے کر چھڑا کر لے گیا۔

فائدہ: مذکورہ قصہ میں یہ بھی آیا ہے کہ جنگ سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے بنی مصطلق کو دعوتِ اسلام دی تھی۔
شیخین نے ابن عونؒ کی روایت سے بیان کیا ہے ابن عون نے کہا میں نے نافع کو لکھ کر بھیجا کہ جنگ سے پہلے دعوتِ اسلام دینے کا کیا مسئلہ ہے، نافع نے جواب دیا یہ شروع اسلام میں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بنی مصطلق پر (اچانک) حملہ کیا تھا وہ بالکل غافل تھے اور ان کے اونٹ چشمے پر پانی پی رہے تھے۔ حضور ﷺ نے جنگی لوگوں کو قتل کیا اور انکے بچوں کو قید کر لیا، (الحدیث) اس روایت میں یہ بھی ہے کہ مجھ سے یہ بات حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان کی وہ اس لشکر میں موجود تھے۔

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ جب یہ منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم (دل سے) گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اَلْمُنٰفِقُوْنَ یعنی عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھی۔ نَشْهَدُ شہادت "شہود" سے ماخوذ ہے۔ شہود کا معنی ہے حضور (حاضر ہونا) اور اطلاع دینا۔ شہادت اپنے علم یقینی کے مطابق خبر دینا۔ اسی لئے اللہ نے اپنے رسول ہونے کی تو تصدیق کی اور منافقوں کی شہادت کو جھوٹا قرار دیا کیونکہ جو شہادت وہ دے رہے تھے اس کی بناء علم یقینی پر نہیں تھی۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ ①
اور اللہ کو یہ معلوم ہے کہ آپ بلاشبہ اس کے رسول ہیں اور اللہ شہادت دیتا ہے کہ منافق بلاشبہ اس قول میں (کہ ہم دل سے رسالت کی شہادت دے رہے ہیں) جھوٹے ہیں۔
لَكٰذِبُوْنَ یعنی اس بات میں جھوٹے ہیں کہ ان کی شہادت دل سے ہے اور یقینی علم کے بعد ہے خلاصہ یہ کہ ان کے ظاہری قول واقرار کو شہادت کہنا ہی صحیح نہیں ہے۔
یہ تشریح اس صورت میں ہو گی جب نَشْهَدُ کو جملہ خبریہ مانا جائے، لیکن اگر اس کو انشائیہ کہا جائے تو اس صورت میں صدق وکذب کا احتمال ہی نہ ہوگا اور مشہود بہ یعنی اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ کلام صادق ہوگا۔ اس تشریح پر لَكٰذِبُوْنَ کا معنی یہ ہوگا کہ وہ اپنے خیال میں جھوٹ بول رہے ہیں (حالانکہ یہ بات سچی ہے آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں لیکن وہ اس کو جھوٹ جانتے ہیں اور اپنے خیال میں جھوٹی بات کہہ رہے ہیں)
نظام معتزلی (ابراہیم بن سیار) نے کہا صِدق کا معنی ہے اعتقاد کے مطابق ہونا اور کِذب کا معنی ہے اعتقاد کے موافق نہ ہونا۔ نظام نے اپنے قول پر اسی آیت سے استدلال کیا ہے (اور کہا ہے کہ ان منافقوں کا اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ کہنا چونکہ ان کے عقیدہ کے موافق نہیں تھا اس لئے ان کو کاذب قرار دیا گیا) لیکن نظام کا یہ خیال غلط ہے (آیت سے استدلال درست نہیں، کیونکہ آیت کا مطلب وہی ہے جو ہم نے بیان کر دیا۔

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ②
ان لوگوں نے اپنی قسموں کو (اپنی جان ومال کو بچانے کے لئے) سپر بنا رکھا ہے، پھر دوسروں کو بھی اللہ کی راہ سے روکتے ہیں ان کے یہ اعمال بہت ہی برے ہیں۔
اَيْمَانَهُمْ ایمان سے مراد ہیں قسمیں یا شہادت۔ کیونکہ شہادت بھی (ایک طرح کی قسم ہی ہوتی ہے) شہادت الفاظِ حلف میں سے ہے۔
جُنَّةً یعنی قتل وقید سے بچنے کا ذریعہ۔
فَصَدُّوْا پھر خود رُک گئے یا دوسروں کو روک دیا اگر اس کا مصدر صُدود ہو تو رُکنے اعراض کرنے اور باز رہنے کے معنی ہوں گے اور اگر صدٌّ مصدر سے مشتق مانا جائے تو دوسروں کو روکنے کے معنی ہوں گے (اول لازم ہے دوسرا متعدی)
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی دین اسلام میں داخل ہونے سے۔
سَآءَ مَا كَانُوْا یعنی نفاق اور راہِ خدا سے روکنا بہت برا عمل ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ③

یہ بات اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ (اول ظاہر میں) ایمان لائے پھر (کلماتِ کفریہ کہہ کر) کافر ہو گئے سو ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی اس سبب سے وہ (حق بات کو) نہیں سمجھتے۔

ذٰلِکَ یعنی یہ نفاق اور اسلام سے روگردانی، جھوٹی قسموں کو بچاؤ کا ذریعہ بنانا اس سبب سے ہے کہ وہ بظاہر مؤمنوں کی نظر میں مؤمن ہو گئے پھر اپنے ساتھیوں کے پاس تخلیہ میں پہنچ کر کافر ہو گئے (کفریہ کلمات کہنے لگے) یا یہ مطلب ہے کہ کوئی نشانی یا معجزہ دیکھ کر ایمان لے آئے، پھر شیطان (ساتھیوں) نے ان کے دلوں میں شبہات پیدا کر دیئے تو کافر ہو گئے۔

فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ یعنی اللہ نے ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیا کہ فہم حق ان کے دلوں سے چھین لیا گیا۔

فَهُمْ لَا یَفْقَهُوْنَ سو اب وہ حقیقت ایمان کو سمجھتے ہی نہیں۔

وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ۚ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۚ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ۚ

اور جب آپ ان کو دیکھیں تو ان کے قد و قامت آپ کو خوشنما معلوم ہوں اور اگر وہ بات کہیں تو آپ ان کی بات سن لیں گویا وہ لکڑیاں ہیں جو (دیوار کے سہارے لگائی ہوئی) کھڑی ہیں۔

تُعْجِبُکَ یعنی قدر آور ہیں، رنگ شگفتہ ہیں، دیکھنے میں خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔

وَاِنْ یَّقُوْلُوْا اور اگر وہ کچھ بات کریں تو انکی بات سنیں یعنی سچی جانیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ابن اُبی قد آور اور فصیح اللسان تھا۔ جب وہ بات کرتا تھا تو رسول اللہ ﷺ اس کی بات سنتے تھے۔

کَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ حالانکہ وہ دیوار کے سہارے سے کھڑی ہوئی لکڑیاں ہیں، علم و معرفت اور عقلِ سلیم سے خالی، کھوکھلی۔

يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۚ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۚ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ④

وہ ہر غل پکار کو اپنے اوپر پڑنے والی خیال کرتے ہیں (خواہ وہ پکار کسی وجہ سے ہو) یہی لوگ (تمہارے پکے) دشمن ہیں ان سے ہوشیار رہو۔ ان کو خدا غارت کرے کہاں پھرے چلے جاتے ہیں۔

یَحْسَبُوْنَ یعنی ان کے دل چونکہ رُعب زدہ ہیں اس لئے ہر پکار اور اونچی آواز کو اپنے اوپر ٹوٹ پڑنے والی خیال کرتے ہیں۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان کو ہر وقت ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں ان کا نفاق ظاہر نہ ہو جائے جس کی وجہ سے ان کا خون مباح کر دیا جائے اور ان کو قتل کر دیا جائے اس لئے لشکر میں جو اونچی آواز سنائی دیتی ہے۔ مثلاً کوئی کسی کو پکارتا ہے یا کوئی جانور چھوٹ کر بھاگ پڑتا ہے یا گم شدہ اونٹ کو ڈھونڈا جاتا ہے تو وہ خیال کرتے ہیں کہ ان کے قتل اور گرفتار کا حکم ہو گیا، اور اب ان کو پکڑا جائے گا۔

هُمُ الْعَدُوُّ یہ منافق پکے دشمن ہیں، ان سے ہوشیار رہو۔ ہوشیار رہنے اور احتیاط رکھنے کا حکم کا مقصد یہ ہے کہ ان کی صحبت میں نہ رہو، ان کو ساتھ نہ رکھو، ان سے بے خوف نہ رہو، کیونکہ جو شخص ہر وقت اپنی جان کے اندیشے میں رہے اور خوف جان ہر وقت اس کو لگا رہے وہ یقیناً پکا دشمن ہوتا ہے۔ اور جس کی طرف سے اس کو خوف لگا رہتا ہے اس کو دکھ پہنچانے سے کبھی دریغ نہیں کرتا۔

قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ان پر اللہ کی لعنت۔ بظاہر یہ بددعا ہے اور خود اپنی ذات سے منافقوں پر لعنت کرنے کی طلب ہے لیکن حقیقت میں یہ مسلمانوں کو لعنت اور بددعا کرنے کی تعلیم ہے۔

اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ یعنی وہ کس طرح حق سے پھیرے جاتے ہیں۔ ابن جریر، قتادہ اور ابن المنذر نے عکرمہ کا یہی تشریحی قول نقل کیا ہے، اس قصہ میں ہم نے اوپر ذکر کر دیا ہے کہ مسلمانوں نے عبداللہ بن اُبی سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر استغفار کرنے کی درخواست کرے مگر اس نے گردن نیوڑائی اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُم مُّسْتَكْبِرُونَ ⑤ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ⑥

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (رسول اللہ ﷺ کے پاس) آؤ تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ استغفار کریں تو وہ اپنے سر پھیر لیتے ہیں اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ (اس ناصح اور استغفار کرنے والے سے) تکبر کرتے ہوئے بے رُخی کرتے ہیں، اب آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں ان کے حق میں دونوں برابر ہیں، اللہ ان کو ہرگز معاف نہیں کرے گا بے شک اللہ ایسے نافرمان لوگوں کو (ہدایت کی) توفیق نہیں دیتا۔

لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ یعنی وہ بار بار، متواتر اعراض کرتے اور غرور سے سر پھیر لیتے ہیں۔ (گردنیں نیوڑا لیتے ہیں)

وَرَأَيْتَهُمْ مسلمانوں نے منافقوں سے جو کہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جاؤ تا کہ حضور ﷺ تمہارے لئے دعائے مغفرت کردیں۔ اس قول کے وقت جو لوگ حاضر تھے۔ یہ خطاب انہی سے ہے۔ يَصُدُّونَ یہ صُدود سے مشتق یعنی استغفار سے روگردانی کرتے ہیں۔

وَهُم مُّسْتَكْبِرُونَ یعنی عذر خواہی سے غرور کرتے ہیں۔

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ابن المنذر نے بروایت عروہ و مجاہد و قتادہ بیان کیا کہ جب آیت اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِن تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں ستّر سے زیادہ بار دعائے مغفرت کروں گا۔ اس پر آیت سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ نازل ہوئی۔ ابن المنذر نے بحوالہ عوفی حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ جب آیت برأت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مجھے اجازت دی گئی ہے میں ستّر مرتبہ سے زیادہ ان کے لئے استغفار کروں گا اس پر آیت سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ نازل ہوئی۔ الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ یعنی جو لوگ کفر و نفاق میں اتنے ڈوبے ہوئے ہیں کہ درستی اَحوال کا گمان بھی نہیں ہو سکتا اور ٹھیک ہونے کی امید کے حدود سے بھی باہر ہو گئے ان کو اللہ ہدایت یاب نہیں کرتا۔

هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنفِقُوا عَلَىٰ مَنْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّىٰ يَنفَضُّوا ۗ وَلِلَّهِ خَزَائِنُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ ⑦

یہ وہی ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہیں ان پر کچھ خرچ مت کرو۔ یہاں تک کہ وہ آپ ہی منتشر ہو جائیں گے۔ اور اللہ ہی کے پاس ہیں آسمانوں کے زمین کے خزانے لیکن یہ منافق سمجھتے نہیں۔

هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ یعنی منافقین انصار سے کہتے ہیں۔ یہ عدم مغفرت کی دلیل ہے۔

عَلَىٰ مَنْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ یعنی نادار مہاجرین جیسے جہجاہ وغیرہ۔

خَزَائِنُ السَّمَاوَاتِ یعنی جنت کی نعمتیں، بارش اور تقدیر رزق۔

وَالْأَرْضِ اور زمین کے خزانے یعنی روزی رزق سب اللہ ہی کے ہیں۔ اسی کے دستِ قدرت میں ہر چیز ہے۔ کوئی کسی کو اللہ کی اجازت اور مقدرہ تقسیم کے بغیر کچھ نہیں دے سکتا نہ اس کی مشیت کے بغیر روک سکتا ہے۔

لَا يَفْقَهُونَ یعنی منافقین اللہ کی شان اور قدرت سے واقف نہیں، اس لئے ایسی بات کہتے ہیں، اگر سمجھ لیتے تو ایسی بات نہ کہتے۔

يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ ۚ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ⑧ ع ۱ ۱۳/۸

کہتے ہیں اگر ہم مدینے کو لوٹ کر پہنچے تو جو عزت (قوت، غلبہ) والا ہو گا وہ ذلت والے کو (یعنی کمزور کو) مدینے سے نکال کر باہر کر دے گا، عزت (غلبہ اور قوت) تو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کو ہی حاصل ہے لیکن منافق (یہ

بات) نہیں جانتے۔
اَلْعِزَّةُ یعنی حقیقت میں غلبہ اور قوت تو اللہ ہی کو حاصل ہے وہ اللہ کی عطا کردہ ہے، اسی نے اپنے دین کو غالب کیا۔ دشمنوں پر ان کو فتح عنایت فرمائی ہے۔
لَا یَعْلَمُوْنَ یعنی منافق جہالت اور غرور کے سبب اس بات کو نہیں جانتے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۹

اے ایمان والو تم کو تمہارے مال اور تمہاری اولاد (یعنی ساری دنیا) اللہ کی یاد سے غافل نہ کرے اور جو ایسا کریں گے وہ ہی ناکام رہنے والے ہوں گے۔
اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ یعنی مال اور اولاد کا انتظام واہتمام۔
عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ لفظ ذکر عام ہے، تمام عبادتوں کو شامل ہے۔ لیکن اہلِ تفسیر کے نزدیک اس جگہ پانچوں وقت کی نمازیں مراد ہیں۔
وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یعنی جو لوگ مال واولاد میں ایسا اشتغال رکھیں گے، جو ذکر اللہ سے مانع ہو تو ایسے ہی لوگ گھاٹا اٹھانے والے ہیں کہ انہوں نے حقیر، فناپذیر چیز کو پسند کر لیا اور لازوال عالی قدر نعمت کو ترک کر دیا۔
سابق آیات میں صراحت کے ساتھ منافقوں کی مذمت کی اور اس آیت میں آخر تک در پردہ ان کی بداعمالی کو بیان کیا ہے۔ مال واولاد کے مشغلہ میں پھنسا رہنا اور نماز کو ترک کر دینا اور زکوٰۃ ادا نہ کرنا اور تاخیر موت کی تمنا کرنا، اور درازیٔ اجل کا امیدوار ہونا یہ سب منافقوں کی خصوصیت ہے۔ مسلمانوں کے لئے منافقوں کی طرح ان سے کسی بات کو اختیار کرنا زیبا نہیں۔

وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِیْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۱۰

اور ہم نے جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں سے (کچھ حقوقِ واجبہ ادا کرنے میں) خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آکھڑی ہو پھر وہ (حسرت و تمنا کے طور پر) کہنے لگے اے میرے رب مجھے تھوڑی سی اور مہلت کیوں نہیں دی میں خیرات کر دیتا اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہو جاتا۔
وَاَنْفِقُوْا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، انفاق سے مراد ہے ادائے زکوٰۃ۔
اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ موت آنے سے مراد ہے، علاماتِ موت کا سامنے آجانا اور نشاناتِ موت دکھائی دینا، اور ایسی حالت میں خیرات کی وصیت کرنا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے دریافت کیا، یا رسول اللہ ﷺ کون سی خیرات سب سے بہتر ہے، فرمایا، ایسی حالت میں خیرات کرنی افضل ہے جب کہ تم تندرست ہو، مال کی محبت رکھتے ہو، تم کو مفلسی ہو جانے کا اندیشہ ہو اور مال داری کے خواہش مند ہو اور اتنی تاخیر نہ کرتے چلے جاؤ کہ جان حلق میں آ پہنچے اور اس وقت تم کہو اتنا فلاں کو دے دو وہ تو اس وارث کا ہو ہی چکا (تم دو یا نہ دو اس کو مل ہی جائے گا)
فَیَقُوْلَ یعنی زندگی میں جب صدقہ خیرات نہ کیا ہوگا تو مرنے کے بعد حسرت سے کہے گا۔
لَوْلَا کیوں نہیں۔ بعض کے نزدیک لو تمنائی ہے اور لا زائد ہے یعنی اے رب! کاش دنیا میں تو مجھے تھوڑی مدتِ زندگی اور دے دیتا۔
اَجَلٍ قَرِیْبٍ تھوڑی مدت۔
الصّٰلِحِیْنَ سے مراد ہے مؤمن۔ یہ قول مقاتل اور اہلِ تفسیر کی ایک جماعت کا ہے۔ ان حضرات کے نزدیک اس آیت کا نزول منافقوں کے حق میں ہوا۔ بعض اہلِ تفسیر کے نزدیک مسلمانوں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی اور صلاح سے مراد ہے ادائے واجب اور ترکِ ممنوع۔

بغوی نے لکھا ہے کہ ضحاک اور عطیہ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جس شخص کے پاس مال ہو اور اس نے زکوٰۃ ادا نہ کی ہو، یا حج کی طاقت رکھتا ہو اور حج نہیں کیا ہو اور اسی حالت میں وہ مرنے لگے تو مرنے کے وقت وہ (زندگی کی طرف) لوٹنے کی درخواست کرتا ہے اور کہتا ہے میں نیک لوگوں میں سے ہو جاتا اور حج کر لیتا۔ حضرت ابن عباسؓ نے پھر یہ ہی آیت تلاوت فرمائی۔

وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۗ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱﴾

اور اللہ کسی شخص کو جب اس کی میعاد ختم ہونے پر آجاتی ہے مہلت نہیں دیتا اور اللہ کو تمہارے سب کاموں کی پوری خبر ہے۔

یعنی اللہ اس کو مہلت ہرگز نہیں دے گا خواہ وہ کیسی ہی تمنا کرے۔

اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا جب اس کا مقرر وقت آجائے اور اس کی عمر ختم ہو جائے۔

وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ یعنی اللہ تمہارے اعمال کا بدلہ دینے والا ہے۔

(الحمد للہ سورۂ منافقون کی تفسیر ختم ہوئی)

سُوْرَةُ التَّغَابُن

یہ سورۃ مدنی ہے اس میں اٹھارہ آیات اور دو رکوع ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں جو چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں زمین میں ہیں (تسبیح کرنے کا کیا مطلب ہے اور مَا کا لفظ جو بے عقل چیزوں کے لئے آتا ہے اس جگہ کیوں استعمال کیا گیا) اس کی تشریح سابق میں گزر چکی ہے۔

لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ اسی کی بادشاہت ہے اور وہی تعریف کے لائق ہے۔

لَهٗ کو دونوں جگہ پہلے ذکر کیا گیا، یہ تقدیم مفید حصر ہے (یعنی اللہ ہی کا ملک اور اللہ ہی کے لئے ہر تعریف ہے)

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ① اور وہ ہر شے پر قابو رکھتا ہے۔

قدرتِ خداوندی کی نسبت ہر ممکن سے برابر ہے اس لئے (بغیر کسی عاجزی اور ترجیح کے) وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ② وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا ہے (اس کے باوجود) تم میں سے بعض کافر ہیں اور بعض مؤمن، اور اللہ تمہارے سب اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ یعنی اللہ نے تم کو پیدا کیا اس کے بعد تم میں سے کچھ لوگ کافر ہو گئے اور کچھ لوگ مؤمن۔ فَمِنْكُمْ میں فَ تعقیب پر دلالت کر رہی ہے (یعنی پیدائش کے بعد کچھ لوگوں نے کفر اختیار کیا اور کچھ ایماندار ہوئے) جیسے دوسری آیت میں آیا ہے: وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ (یعنی پیدا ہونے کے بعد کچھ جانور پیٹ کے بل چلتے ہیں اور کچھ ٹانگوں پر الخ)

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ یعنی ایمان اور کفر، فرماں برداری اور نافرمانی بہر حال تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کو دیکھتا ہے، تم کو اس کا بدلہ دے گا۔

معتزلہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ ایمان و کفر بتقدیر خداوندی نہیں ہے نہ اللہ نے انکو پیدا کیا بلکہ ان کا خالق خود بندہ ہے۔ یہ استدلال غلط ہے تمام چیزیں ازل میں مقدّر ہو چکی ہیں، اللہ نے فرمایا ہے كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ بندوں کے افعال و اعمال بھی اللہ ہی کے پیدا کردہ ہیں لیکن اس میں کسی قدر بندوں کے اختیار کو دخل ہے اسی لئے بندے کو کاسب کہا جاتا ہے۔ اور اس کے افعال پر ثواب و عذاب مرتب ہے۔ صحابہؓ اور تابعینؒ وغیرہم کا اسی پر اجماع و اتفاق ہے یہی قول صحیح ہے اس کے خلاف آیات کی تاویل کرنی جائز نہیں، اللہ نے فرمایا ہے وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ (مومنوں کے راستہ سے جو ہٹا اللہ اس کو دوزخ میں ڈال دے گا)

حضرت انس بن مالک راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ نے رحم پر ایک فرشتہ مقرّر کر دیا ہے، فرشتہ عرض کرتا ہے اے رب (اب) نطفہ ہے اب بستہ خون کا لوتھڑا ہے، اب بوٹی ہے ان مراحل سے گزرنے کے بعد جب اللہ اس کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو فرشتہ عرض کرتا ہے اے رب کیا یہ نر ہے یا مادہ، نیک بخت ہے یا بد بخت، اس کا رزق کیا ہے، اس کی مدتِ زندگی کیا ہے، یہ سب کچھ ماں کے پیٹ میں ہی لکھ دیا جاتا ہے۔ رواہ البخاری۔

صحیحین میں حضرت ابن مسعود کی مرفوع روایت بھی اسی طرح آئی ہے، جس کے آخر میں اتنا اور بھی ہے کہ قسم ہے

اس کی جس کے سواء کوئی معبود نہیں کہ تم میں سے بعض لوگ اہلِ جنت ایسے عمل (ساری عمر) کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ ان کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ لکھا ہوا آگے آتا ہے اور وہ جہنم میں چلے جاتے ہیں۔

مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو کی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے مخلوق کی تقدیریں لکھ دی ہیں اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔ اس مضمون کی حدیثیں بکثرت آئی ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس نے فرمایا اللہ نے آدمیوں کو مؤمن اور کافر پیدا کیا ہے پھر جیسا پیدا کیا ہے ویسا ہی مؤمن و کافر (دُنیوی زندگی میں) ان کو کر دیتا ہے یعنی بعض آدمیوں کے لئے کفر مقدر کر دیا، بعض کے لئے ایمان جن کے لئے تقدیر کفر کی جاتی ہے ان کا رخ انہی اعمال کی طرف کر دیتا ہے جو کفر پر آمادہ کرنے والے ہوتے ہیں اور جن کے لئے ایمان مقدر کیا جاتا ہے ان کو انہی اعمال کی توفیق دے دیتا ہے جو ایمان کی طرف بُلاتے ہیں۔ بغوی نے حضرت ابن عباس کی وساطت سے حضرت اُبی بن کعب کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، خضر نے جس لڑکے کو قتل کیا تھا اس کی سرشت ہی کفر پر تھی۔ اللہ نے (حضرت نوحؑ کی بددعا نقل کی ہے) اور فرمایا، وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (یہ کافر ایسے ہی بچے پیدا کریں گے جو بدکار کافر ہوں گے)

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ③

اسی نے آسمانوں کو اور زمین کو ٹھیک ٹھیک پیدا کیا اور تمہاری صورتیں بنائی، سو اچھی صورتیں بنائیں اور اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

بِالْحَقِّ یعنی کامل حکمت کے ساتھ پیدا کیا کہ یہ ساری کائنات ایک صانع حکیم کی ہستی اور وحدانیت کی نشاندہی کر رہی ہے۔

وَصَوَّرَكُمْ اور اے لوگو، اللہ نے تمہارے نقشے بنائے۔

فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ اور تمام حیوانوں سے زیادہ خوب صورت تمہارے نقشے بنائے، ظاہر میں بھی کہ دیکھنے میں سب سے اچھے دکھائی دیتے ہو، اور باطنی طور پر بھی کہ تمام جہان سے زیادہ علم، عقل اور معرفت کے حامل ہو۔

وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ اور اسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے اسی لئے خصائلِ مذمومہ اور برے اعمال کو اختیار کر کے اپنی صلاحیت کو ضائع نہ کرو ورنہ (دوسری زندگی میں) تم کو بدترین صورتوں پر اٹھایا جائے گا۔

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ④

وہ اس سے بھی واقف ہے جو زمین اور آسمان میں ہے اور سب چیزوں کو جانتا ہے جو تم پوشیدہ کرتے ہو اور جو اعلانیہ کرتے ہو اور وہ دلوں تک کی بات کو جاننے والا ہے۔

يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ یعنی اللہ تمہارے اَسرار اور ان خیالات سے واقف ہے جو تمہارے سینوں سے اندر پوشیدہ ہوتے ہیں، جو چیز معلوم ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے خواہ وہ کلی ہو یا جزئی۔[1] اللہ اس کو جانتا ہے۔ کیونکہ ہر چیز سے اس کی نسبت (یعنی تخلیقی تعلق و ربط) ایک جیسا ہے۔

قدرت کا ذکر علم سے پہلے اس لئے کیا کہ کائنات اپنے خالق پر براہِ راست دلالت کرتی ہے۔ اور کائنات کا استحکام تخلیقی اور ہر حکمت بناوٹ اللہ کے علم کی دلیل ہے۔

علم کا دوبارہ ذکر در حقیقت مکرر وعید ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ کی نافرمانی کرتے اور خلافِ رضا عمل کرتے ہیں۔

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۡ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⑤

---

[1] حکماء مشائیہ کہتے ہیں کہ واجب الوجود کے علم کا تعلق کلیات سے ہے جزئیات سے نہیں۔ وہ جزئیات کو نہیں جانتا اگر جانتا ہے تو من حیث الکلی تشخصات و تعینات مادیہ کا اس کو علم نہیں، اس خیال کی تردید حضرت مفسر نے کر دی اور صراحت کر دی کہ کلی ہو یا جزئی جو بھی معلوم ہونے کی صلاحیت و قابلیت رکھتی ہے اللہ اس کو جانتا ہے۔ (مترجم)

کیا تم کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جنہوں نے تم سے پہلے کفر کیا پھر انہوں نے اپنے اعمال کا وبال (دنیا میں بھی) چکھا اور (اس کے علاوہ آخرت میں بھی) ان کے لئے عذاب دردناک ہے۔

اَلَمْ یَاْتِکُمْ یعنی اے کافرو کیا تم کو پہلے کافروں کے حالات (اور عذاب و سزا) کی خبر نہیں پہنچی سابق کافروں سے مراد ہیں قوم نوح، قوم ثمود، قوم عاد اور اصحاب الأیکہ (بَن والے) وغیرہ۔

وَبَالَ اَمْرِهِمْ یعنی نتیجہ اور انجام یہ ہوا کہ انہوں نے دنیا میں ہی اپنے کفر کے ضرر کا مزہ چکھ لیا۔ وبال کا اصل مفہوم ہے ثِقل، بار، طعام وبیل۔ ثقیل کھانا، مطر وبیل، بھاری بارش۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ یعنی آخرت میں ان کے لئے عذاب الیم ہوگا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۡ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝

یہ اس سبب سے ہے کہ ان لوگوں کے پاس ان کے پیغمبر دلائلِ واضحہ لے کر آئے تو ان لوگوں نے (ان رسولوں کی نسبت) کہا کیا آدمی ہم کو ہدایت کریں گے غرض انہوں نے کفر کیا اور رُوگردانی اور خدا نے بھی ان کی کچھ پرواہ نہیں کی اور اللہ سب سے بے نیاز ستودہ صفات ہے۔

ذٰلِکَ یہ دنیا اور آخرت کا عذاب۔

اَلْبَیِّنٰتِ معجزات اور واضح دلائل۔

اَبَشَرٌ یَّھْدُوْنَنَا بشر اسم جنس ہے، ایک پر بھی اور زیادہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس جگہ جمع مراد ہے اس لئے یہدون بصیغۂ جمع ذکر کیا۔ اَبَشَرٌ میں استفہام انکاری ہے، ان لوگوں نے پیغمبروں کی ہدایت کا انکار کیا اور تعجب سے کہا کیا آدمی خدا کے پیغمبر ہو سکتے ہیں، اور ہم کو خدا کی طرف پہنچنے کی ہدایت کر سکتے ہیں۔

وَتَوَلَّوْا اور واضح دلائل و آیات سے رُوگرداں ہوگئے۔

وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ اور اللہ ان کی طاعت سے کیا ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ پیغمبروں کو بھیجنا تو اس کی مہربانی اور احسان ہے اور جو شخص اپنے ضرر پر راضی ہو، وہ قابلِ نظر نہیں ہوتا (پس اللہ بھی ان کی طرف سے بے پرواہو گیا)

وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ اور اللہ ہر چیز سے بے نیاز اور بذاتِ خود فی نفسہٖ سزاوارِ ستائش ہے اس کو کسی کی تعریف کی حاجت نہیں۔

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝

یہ کافر دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ (دوبارہ زندہ کر کے) ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے، آپ کہہ دیجئے کیوں نہیں (مجھے) اپنے رب کی قسم تم لوگ ضرور (زندہ کر کے) اٹھائے جاؤ گے پھر (دُنیوی زندگی میں) جو کچھ تم نے کیا ہوگا اس سے تم کو آگاہ کیا جائے گا (اور اس کے مطابق تم کو سزا جزا دی جائے گی) اور یہ بات اللہ کے لئے بہت آسان ہے۔

اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا یعنی مکہ کے رہنے والے کافر۔ زَعَم کا معنی ہے علم کا دعویٰ۔

بِمَا عَمِلْتُمْ تم نے جو کچھ کیا ہوگا خیر ہو یا شر، یعنی تم سے حساب فہمی کی جائے گی اور تم کو تمہارے اعمال سے باخبر کیا جائے گا۔

وَذٰلِکَ یعنی یہ دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا اور محاسبہ کرنا۔

یَسِیْرٌ آسان ہے کیوں کہ اللہ کی قدرت کامل ہے۔ اور جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہے وہ محال نہیں ہے۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

تو اللہ اور اس کے رسول پر اور اس نور (کتاب) پر جو ہم نے نازل کیا، ایمان لاؤ، اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے۔

فَاٰمِنُوْا یعنی جب حشر اور قبروں سے اٹھایا جانا ضروری اور یقینی ہے تو ایمان لاؤ۔

وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا النور سے مراد ہے قرآن مجید۔ قرآن کا اعجاز ظاہر ہے پس اسی معجز ہونے کی وجہ سے یہ خود ظاہر ہے (جیسے نور خود ظاہر ہوتا ہے) اور قوانین و ضوابط اور احکام و اخبار کو ظاہر بھی کر رہا ہے اس لئے مظہر بھی ہے (جیسے روشنی دوسری چیزوں کو ظاہر کر دیتی ہے۔ لہٰذا روشنی کی طرح قرآن ظاہر اور مظہر ہے۔

بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے یعنی اعمال کا بدلہ دے گا۔

یَوْمَ یَجْمَعُكُمْ لِیَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ یَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ یاد کرو اس دن کو جب اللہ تم کو قیامت کے دن جمع کرے گا۔ وہ دن گھاٹا دینے کا ہے۔

یوم یجمعکم یعنی یاد کرو اس دن کو جب اللہ تم کو جمع کرے گا یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تم کو بدلہ دے گا، اس روز جب کہ تم کو جمع کرے گا۔

لِیَوْمِ الْجَمْعِ یوم الجمع سے مراد ہے روزِ قیامت جب ملائکہ اور سارے جن و انس اگلے پچھلے سب اس روز جمع ہوں گے۔ لِیَوْمِ الْجَمْعِ میں لام تعلیل کے لئے ہے یعنی یوم الجمع میں جو حساب فہمی اور سزا جزا ہو گی اس میں سب کو جمع کیا جائے گا۔

ذٰلِكَ وہ دن۔

اَلتَّغَابُنُ یہ باب تفاعل کا مصدر ہے، لفظی ترجمہ ہے باہم ایک کا دوسرے کو گھاٹا دینا (نقصان پہنچانا، خوش نصیب (مؤمن) ان مکانوں میں فروکش ہوں گے جو جنت میں بد بختوں کے لئے (بشرطِ ایمان و صلاح) مقرر کئے گئے تھے۔ جس نے کسی کی حق تلفی کی ہو گی اس کی نیکیاں (بقدرِ ظلم) مظلوم کو دے دی جائیں گی یوم التغابن، تغابُن تجار سے مستعار ہے (یعنی تاجر باہم تجارت میں جس طرح نفع نقصان سے دوچار ہوتے ہیں اسی طرح قیامت کے دن خوش نصیب و بد نصیب اور ظالم و مظلوم باہم نقصان پہنچائیں گے۔

التغابن میں الف لام عہدی ہے یعنی حقیقی تغابن کا دن۔ دُنیوی تغابن کا نہیں۔

عبد الرزاق، عبد بن حُمَید، ابن جریر اور حاکم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے کہ مؤمن (جنت کے اندر) اپنے مکانوں کے بھی مالک ہوں گے اور بد نصیب کافروں کے مکانوں کے بھی وارث ہوں گے، کافروں کے یہ مکان جنت کے اندر ہی ہوں گے کہ اگر وہ بد نصیب اللہ کی اطاعت کرتے تو یہ مکان انکو عطا کئے جاتے۔

سعید بن منصور، ابن ماجہ، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور بیہقی نے (البعث میں صحیح سند سے) حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم میں سے ہر ایک کے (آخرت میں) دو گھر ہوں گے، ایک جنت میں دوسرا دوزخ میں، جب کوئی مر کر دوزخ میں چلا جائے گا۔ تو اس کے جنت والے مکان کے مالک اہلِ جنت ہو جائیں گے۔ آیت اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ کا یہی مطلب ہے۔

صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت سے آیا ہے کہ جب بندہ کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور کہتے ہیں تو اس شخص یعنی محمد ﷺ کے بابت کیا کہتا تھا، مؤمن جواب دیتا ہے میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اس سے کہا جاتا ہے دوزخ کے اندر اپنا مقام دیکھ اللہ نے اس مقام کے بجائے جنت کے اندر تجھے مقام عنایت فرما دیا۔ الحدیث۔

ابن ماجہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص وارث کی میراث سے بھاگتا ہے یعنی وارث کو اس کا میراثی حصہ نہیں دیتا اللہ جنت والی میراث اس کی کاٹ دیتا ہے۔

مسلم اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے (صحابہؓ سے) فرمایا، کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہوتا ہے، صحابہؓ نے عرض کیا ہمارے اندر تو مفلس وہی ہوتا ہے جس کے پاس روپیہ بھی نہ ہو اور سامان بھی نہ ہو، فرمایا میری امت میں مفلس وہ شخص ہوگا جو قیامت کے دن نماز، روزہ، زکوٰۃ (یعنی ساری نیکیاں) لے کر آئے گا، لیکن دنیا میں کسی کو گالی دی ہوگی کسی پر زنا کی تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال (ناجائز طور پر) کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا، کسی کو مارا ہوگا۔ چنانچہ کسی کو اس کی یہ نیکیاں (ظلم کے بدلہ میں) دلوادی جائیں گی، کسی کو وہ نیکیاں پھر اگر ادا حقوق سے اس کی نیکیاں کم پڑیں گی تو حقدار کے گناہ لے کر اس (حق تلفی کرنے والے) پر ڈال دیئے جائیں گے پھر اس (ظالم) کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔

بخاری نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ جس کسی پر اس کے بھائی کا کوئی حق ہو تو اس کو چاہئے کہ دنیا میں ہی اپنے آپ کو اس حق سے آزاد کرلے کیونکہ وہاں (آخرت میں) نہ درہم ہوں گے نہ دینار۔ اگر اس کے نیک اعمال ہوں گے تو بقدرِ حق (یعنی جتنا اس پر کسی کا حق ہوگا اتنی مقدار میں) اس کے نیک عمل لے لئے جائیں گے (اور حقدار کو دے دیئے جائیں گے) اور اگر اس کی نیکیاں نہ ہوں گی تو طالبِ حق کے کچھ گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع حدیث میں طبرانی کے نزدیک یہ الفاظ آئے ہیں، وہاں نہ دانگ ملیں گے نہ قیراط بلکہ اس کی (یعنی ظالم کی) نیکیاں لے کر اس کو جس پر ظلم کیا ہوگا دے دی جائیں گی۔ اور مظلوم کے گناہ ظالم پر لاد دیئے جائیں گے۔

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۹

اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہوگا اور نیک کام کرتا ہوگا، اللہ اس کے گناہ دور کردے گا اور ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی (اور) جن کے اندر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے یہ بڑی ہی کامیابی ہے۔

ذٰلِکَ یعنی یہ ایمان اور عملِ صالح کا مجموعہ بڑی کامیابی ہے کیونکہ اسی سے دفع مضرت اور حصول منفعت وابستہ ہے (گناہوں کا معاف ہونا اور جنت میں ہمیشہ کے لئے داخل ہونا ایمان اور عملِ صالح کے مجموعہ پر موقوف ہے)

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۰ ع ۱ ۱۰ ۱۵

اور جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہوگا وہ دوزخی ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے اور برا ٹھکانا ہے۔

(جزا سزا کی) دونوں آیات، تغابُن کی تفصیل ہیں یا یوم الجمع میں جو سب کو جمع کیا جائے گا اس کی اصل غرض و مقصد کا اظہار اور دونوں فریقوں کے الگ الگ نتیجہ کا بیان ہے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۱

اور کوئی مصیبت بغیر حکم خدا کے نہیں آتی اور جو شخص اللہ پر پورا ایمان لاتا ہے اللہ اس کے دل کو (صبر و رضا کی راہ) دکھا دیتا ہے، اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ یعنی کسی شخص کو کسی طرح کی کوئی مصیبت نہیں پہنچی مگر اللہ کے اذن سے۔ اذن سے مراد ہے تقدیر خداوندی اور ارادۂ الٰہی۔

وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ یعنی جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ اس پر جو مصیبت آتی ہے وہ بغیر اذنِ خدا کے نہیں آتی اور یقین رکھتا ہے کہ آنے والی مصیبت چوکتی اور ٹلتی نہیں اور نہ آنے والی آتی نہیں۔

يَهْدِ قَلْبَهٗ یعنی اللہ اس کو صبر اور تسلیم و رضا کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔

ابن دیلمی کا بیان ہے کہ میں حضرت اُبَی بن کعب کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میرے دل میں تقدیر کے متعلق

کچھ شبہ پیدا ہو گیا ہے اب آپ کوئی حدیث بیان فرما دیجئے تاکہ اللہ میرے دل سے شبہ کو دور کر دے۔ حضرت اُبیؓ نے فرمایا، اگر اللہ تمام آسمان والوں اور زمین کے باشندوں کو عذاب دے تو دے سکتا ہے اور وہ ظالم نہیں قرار پائے گا اور اگر ان پر اپنی رحمت کرے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہوں گی اور اگر کوہ اُحد کے برابر سونا تم راہِ خدا میں خرچ کرو گے تو جب تک تمہارا ایمان تقدیر پر نہ ہو گا اللہ قبول نہیں فرمائے گا، جان رکھو کہ جو کچھ تم کو ملنے والا ہے وہ تم سے چوکے گا نہیں اور جو ملنے والا نہیں وہ ملے گا نہیں۔ اگر اس عقیدے کے خلاف (دوسرے مخالف عقیدے) پر تم مڑ جاؤ گے تو دوزخ میں جاؤ گے۔

اس کے بعد میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے جا کر یہی دریافت کیا، حضرت عبداللہ نے بھی (حضرت اُبی بن کعب کے جواب کی طرح) جواب دیا، پھر میں حضرت حذیفہ بن یمان کی خدمت میں پہنچا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا پھر میں حضرت زید بن ثابت کی خدمت میں گیا (اور یہی سوال کیا) تو آپ نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث اس طرح سنائی۔ رواہ احمد و ابو داؤد و ابن ماجہ۔

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے، یہاں تک کہ دلوں کو اور ان کے احوال کو بھی جانتا ہے۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۲﴾

اور (ہر امر میں) اللہ کے حکم پر چلو اور رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر تم رُوگردانی کرو گے تو (یاد رکھو) ہمارے رسول کے ذمہ تو صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے تم رُوگردانی کرو گے فَاِنْ میں فَ سببیہ ہے ایمان و اطاعت کے امر کا پہنچنا روگردانی کا سبب ہے۔

فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا یعنی تمہاری روگردانی ہمارے رسول ﷺ کو کوئی ضرر نہیں پہنچائے گی کیوں کہ ان کا فریضہ صرف تبلیغ حکم ہے جب وہ حکم پہنچا چکے تو اپنا فرض ادا کر چکے، رُوگردانی کا ضرر تم پر ہی پڑے گا۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۳﴾ وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی قابلِ عبادت نہیں اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یہ جملہ حکم ایمان و اطاعت کی علت ہے اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کی اطاعت کرو اس لئے کہ وہی اللہ ہے اس کے سوا قابلِ عبادت کوئی نہیں۔

وَعَلَى اللّٰهِ اس کا تعلق فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ سے ہے عَلَى اللّٰهِ کی تقدیم مفید حصر ہے اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے جب خیر و شر سب ہی کچھ بتقدیرِ الٰہی ہوتا ہے تو بھروسہ اور توکل بھی اللہ ہی پر ہونا ضروری ہے۔

ترمذی اور حاکم نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، مکہ کے رہنے والے کچھ مرد مسلمان ہو گئے اور انہوں نے ہجرت کرنے کا ارادہ کر لیا لیکن ان کے اہل و عیال نے ان کو مکہ چھوڑ کر مدینہ کو جانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا بغوی نے لکھا ہے ان کے اہل و عیال نے کہا ہم نے تمہارے مسلمان ہونے پر تو صبر کر لیا لیکن اب تمہاری جدائی ہمارے لئے ناقابلِ برداشت ہے بیوی بچوں کی یہ التجا ان مسلمانوں نے مان لی اور ہجرت کا ارادہ ترک کر دیا، اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾

اے ایمان لانے والو! تمہاری بعض بیبیاں اور اولاد تمہارے (دین کی) دشمن ہیں سو ان سے ہوشیار رہو اور اگر تم معاف کر دو گے اور درگزر کرو گے اور بخش دو گے تو (اللہ تم کو معاف کر دے گا، اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے)

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ یعنی تمہارے اہل و عیال حقیقت میں تمہارے دشمن ہیں کیوں کہ اللہ کی فرماں برداری سے روکتے اور باز رکھتے ہیں۔

فَاحْذَرُوْهُمْ تم ان سے احتیاط رکھو، ان کے شر سے بے فکر نہ ہو، ان کا کہنا نہ مانو کہ ان کی وجہ سے ہجرت چھوڑ بیٹھو۔

ترمذی اور حاکم نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا جب وہ لوگ مدینہ میں پہنچ گئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے تو انہوں نے دیکھا کہ (ان سے پہلے ہجرت کر کے آنے والے) کچھ لوگ دینی مسائل سیکھ چکے ہیں۔ یہ دیکھ کر (ان کو اپنے اہل و عیال پر غصہ آیا) انہوں نے ارادہ کیا کہ اہل و عیال کو سزا دیں کیونکہ بیوی بچوں نے ہی ان کو ہجرت کرنے سے روک رکھا تھا، اس پر آیت وَاِنْ تَعْفُوْا الخ نازل ہوئی۔ یعنی اگر تم ان کا قصور معاف کر دو گے اور ان سے درگزر کرو گے ان کی خطا بخش دو گے تو اللہ بھی تم کو معاف کر فرمائے گا اور تم پر مہربانی کرے گا کیونکہ اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

ابن جریر نے عطاء بن یسار کا قول نقل کیا ہے سوائے آیات یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ کے باقی تمام سورۂ تغابن مکہ میں نازل ہوئی، یہ آیات ضرور (مدینہ میں) حضرت عوف بن مالک اشجعی کے حق میں نازل ہوئیں، حضرت عوف بن مالک عیالدار آدمی تھے آپ جب بھی جہاد پر جانے کا ارادہ کرتے تھے، بیوی بچے ان کے سامنے روتے اور ان کے دل میں رقت پیدا کر دیتے تھے اور کہتے تھے آپ ہم کو کس پر چھوڑ کر جا رہے ہیں، اس طرح ان کے دل میں نرمی آجاتی تھی اور وہ جہاد سے رک جاتے تھے۔ ان ہی کے متعلق ان آیات کا آخرِ سورت تک مدینہ میں نزول ہوا۔

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۵﴾ تمہارے مال اور اولاد بس تمہاری ایک آزمائش کی چیز ہے (جو شخص ان میں پھنسنے کے باوجود اللہ کو یاد رکھے گا) اس کے لئے اللہ کے پاس اجرِ عظیم ہے۔

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ یعنی تمہارا مال اور اولاد اللہ کی طرف سے تمہارا امتحان اور جانچ ہے جو شخص باوجود موانع اور علائق کے اور بندوں کے حقوق ادا کرے گا، اللہ اس کو ابرار کا درجہ عطا فرمائے گا اور اس متقی سے اس کا مرتبہ بہت زیادہ ہو گا جو حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرتا ہے لیکن اس کے لئے ادائے حقوق سے روکنے والا نہ کوئی رشتہ اور تعلق ہو نہ کوئی اور مانع ہو، اسی بناء پر اہلِ سنت کا خیال ہے کہ خواصِ بشر یعنی انبیاء کا درجہ بڑے مرتبہ کے فرشتوں سے بھی اونچا ہے اور عام اولیاء و صلحاء عام ملائکہ سے افضل ہیں کیونکہ ملائکہ کے اندر تو اطاعت سے روکنے والا کوئی جذبہ ہی نہیں ہے ان کی سرشت ہر مادی قوت سے خالی ہے اور اولیاء و صلحاء کے اندر موانع اور عوائق موجود ہیں اور اللہ کی اطاعت اور ادائے حقوق سے روکتے ہیں، پر وہ ان سفلی جذبات پر غالب آتے ہیں لیکن اگر مال و اولاد کسی کو اللہ کی اطاعت اور بندوں کے حقوق ادا کرنے سے روک دے اور وہ اللہ کی نافرمانی اور ارتکابِ ممنوعات کو اختیار کر لے تو یہ ہی انسان اسفل السافلین میں جا گرتا ہے۔

وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ یعنی اجرِ عظیم اللہ کے پاس ہے تم اللہ سے اجرِ عظیم کے طلب گار بنو اور مال و اولاد کی محبت سے بڑھ کر اور اس کو چھوڑ کر اجرِ عظیم کی اللہ سے طلب کرو۔

فائدہ:۔ تمام اہل و عیال تو ذکرِ خدا سے غافل نہیں کرتے، اس لئے عداوتِ اہل و عیال کے اظہار کے موقع پر اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ فرمایا (یعنی مِنْ تبعیضیہ ذکر کیا، مطلب یہ کہ بعض اہل و عیال تمہارے دشمن ہیں) لیکن آزمائش و کسوٹی تو تمام اہل و عیال ہیں (اس میں کسی کا استثناء نہیں اس لئے بغیر مِنْ کے اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ فرمایا (یعنی تمام اموال و اولاد خواہ ذکرِ خدا سے غافل بنائیں یا نہ بنائیں، بہر حال امتحان سب ہی ہیں، دل کا میلان تو ان کی طرف سب ہی ہوتا ہے) حضرت بریدہ کی روایت سے ایک حدیث آئی ہے جس کا ذکر ہم نے سورۂ جمعہ میں کر دیا ہے رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت حسن اور حضرت حسین لڑکھڑاتے قدموں سے آتے دیکھا۔ (اور گر پڑنے کا اندیشہ ہوا تو منبر سے اتر کر فوراً جا کر دونوں صاحبزادوں کو اٹھا لیا اور فرمایا، اللہ نے سچ ارشاد کیا ہے۔ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ۔

ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیرؒ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب آیت اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ نازل ہوئی تو لوگوں کے لئے اس حکم پر عمل کرنا سخت دشوار ہو گیا (کیونکہ حق تقویٰ تک پہنچنا تو بہت ہی دشوار ہے) راتوں کو نماز میں قیام اتنا طویل

کرتے کہ کو نچیں سوج جاتیں اور کثرتِ سجود سے پیشانیاں زخمی ہو گئیں۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی جس میں مسلمانوں کے لئے حکمِ سابق میں تخفیف کر دی گئی۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑯ تو جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور (اس کے احکام کو) سنو اور مانو اور (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہو گا اور جو لوگ نفسانی حرص سے محفوظ رہے وہی (آخرت میں) فلاح یاب ہوں گے۔

فَاتَّقُوا میں فَ سببیہ ہے کیونکہ ایمان سببِ تقوٰے ہے۔ یعنی اپنی پوری کوشش اور طاقتِ تقوی رکھنے کیلئے صرف کر دو۔

وَاسْمَعُوْا اور اس کی نصیحتوں کو سنو۔

وَاَطِيْعُوْا اور اس کے احکام پر چلو۔

وَاَنْفِقُوْا اور اس کی خوشنودی کے لئے اس کی راہ میں اپنا مال خرچ کرو۔

خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ یعنی وہ نیک کام کرو جو تمہارے لئے مال و اولاد سے بڑھ کر ہیں یا خیر سے مراد مال، جیسا کہ دوسری آیت میں آیا ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا نِ الْوَصِيَّةُ۔

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ اس آیت کی تشریح سورۂ حشر میں گزر چکی ہے۔

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ⑰ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑱ اور اگر تم اللہ کو اچھی طرح (خلوص کے ساتھ) قرض دو گے تو وہ اس کو تمہارے لئے بڑھاتا چلا جائے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا، اللہ بڑا قدر دان ہے (کہ نیک اعمال کا کئی گنا اجر دیتا ہے) اور بردبار ہے، چھپے اور ظاہر اعمال کو جاننے والا بڑا زبردست اور حکمت والا ہے۔

وَاِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ اللہ کو قرض دینے کے معنی ہیں اللہ کے بندوں کو قرض دینا اور قرض دینے کا مطلب ہے اللہ کی راہ میں باامید ثواب خرچ کرنا۔

قَرْضًا حَسَنًا یعنی خلوصِ قلب کے ساتھ، بخوشی خاطر بغیر دکھاوٹ اور طلبِ شہرت کے دینا جس سے لینے والے پر نہ احسان رکھا جائے نہ اس کو دکھ دیا جائے۔

يُضٰعِفْهُ لَكُمْ یعنی دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک بلکہ اس سے بھی زیادہ جتنا اللہ چاہے گا اجر عطا فرمائے گا۔ اللہ نے فرمایا ہے: مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔

وَيَغْفِرْ لَكُمْ اور راہِ خدا میں خرچ کرنے کی برکت سے تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔

وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ اور اللہ قدر دان ہے یعنی تھوڑے کے بدلہ میں بہت دینے والا ہے۔

حَلِيْمٌ یعنی سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا، فوراً سزا نہیں دیتا۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ یعنی اس کے علم سے کوئی چیز مخفی نہیں، جس چیز کا لوگ مشاہدہ کرتے ہیں اور جو چیز لوگوں کے علم سے پوشیدہ ہے اللہ سب کو جانتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ جو چیز اس وقت موجود ہے اس کو بھی خدا جانتا ہے اور جو چیز پہلے ہو چکی یا آئندہ ہونے والی ہے سب سے خدا واقف ہے۔

الْعَزِيْزُ ہر شئے پر غالب جس کی قدرت بھی کامل ہے اور علم بھی ہمہ گیر۔

سورۂ تغابن کی تفسیر ختم ہوئی۔ الحمدللہ

سُوْرَةُ الطَّلَاقِ

یہ سورت مدنی ہے اس میں بارہ آیات اور دو رکوع ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حاکم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ عبد بن یزید یعنی ابو رکانہ نے (اپنی بی بی) ام رکانہ کو طلاق دے کر مزینہ کی ایک عورت سے نکاح کر لیا، وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا، یا رسول اللہ وہ تو بال برابر بھی میرے کام کا نہیں، اس پر آیت ذیل نازل ہوئی یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ ذہبی نے کہا یہ سند انتہائی کمزور ہے واقعہ ہی غلط ہے، عبد بن یزید مسلمان ہی نہیں ہوا تھا۔

ابن ابی حاتم نے بوساطت قتادہ حضرت انسؓ کی روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہؓ کو طلاق دے دی، حضرت صفیہ اپنے گھر چلی گئیں اس پر آیت ذیل نازل ہوئی کسی نے حضرت صفیہ سے جا کر کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے طلاق سے رجوع کر لیا (رجوع کرنے کی وجہ یہ تھی کہ) حضرت صفیہ صائم الدہر اور قائم اللیل تھیں۔

ابن جریر نے قتادہ کی مرسل حدیث نیز ابن المنذر نے ابن سیرین کی مرسل روایت نقل کی ہے اور ابن ابی حاتم نے مقاتل کا بیان کیا ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص اور طفیل بن عمرو بن سعید بن عاص کے متعلق ہوا تھا۔ واللہ اعلم۔

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ

اے پیغمبر (آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ) کہ جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دینے لگو تو (زمانہ) عدت میں (یعنی حیض سے پہلے طُہر کی حالت میں طلاق دو، اور عدت کی گنتی یاد رکھو۔

رسول اللہ ﷺ پیشوائے امت تھے، اس لئے امت کو ندا نہیں کی گئی، صرف آپ کو ندا کی گئی آپ کو ندا کرنا ساری امت کو ندا کرنا ہی ہے، لیکن حکم طلاق سے مخاطب سب امت والے بھی ہیں اور پیشوائے امت بھی یا یوں کہا جائے کہ کلام تو صرف رسول اللہ ﷺ سے ہی ہے آپ ہی مخاطب ہیں لیکن حکم عام ہے، سب کو شامل ہے یا یوں کہا جائے کہ کلام مجاز پر مبنی ہے، اصل مطلب اس طرح تھا، اے نبی اپنی امت سے کہہ دیجئے کہ جب تم عورتوں کو طلاق دو، طلاق دینے سے مراد ہے طلاق دینے کا ارادہ کرنا، ارادۂ فعل کی تعبیر فعل سے کی جیسے آیت اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ میں قیام سے مراد نماز کو کھڑا ہونے کا ارادہ کرنا، دوسری آیت ہے: وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ یعنی جب تم قرآن پڑھنے کا ارادہ کرو تو پڑھنے سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ پڑھ لیا کرو۔

فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ شافعیہ کے نزدیک لِعِدَّتِهِنَّ میں لام بمعنی وقت ہے یعنی عدت کے اوقات میں عورتوں کو طلاق دیا کرو۔ بغوی نے اس کی تائید میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر حیض کی حالت میں طلاق دینے کو حرام قرار دیتے تھے۔ حضرت ابن عمر نے حیض کی حالت میں بیوی کو طلاق دے دی تھی حضرت عمرؓ نے اس کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کر دیا، حضور ﷺ سن کر سخت غضب ناک ہوئے اور فرمایا عورت کو لوٹا لے پھر ختم حیض تک روکے رکھے یہاں تک کہ عورت پاک ہو جائے پھر حیض آئے پھر پاک ہو جائے، اس کے بعد اگر طلاق دینا چاہے تو طہارت کے وقت جس میں

مباشرت نہ کی ہو طلاق دے دے یہ ہی ہے وہ عدت جس کا اللہ نے حکم دیا ہے (متفق علیہ)

بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا نزول (حضرت ابن عمر) کے اسی واقعہ کے متعلق ہوا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ میں قُرُوْءٍ سے مراد طہر ہے حیض نہیں ہے اور عدت کا حساب طہر سے لگایا جائے گا حیض سے شمار نہیں کیا جائے گا۔

حنفیہ کہتے ہیں لام وقتیہ کافی کے معنی میں استعمال عربی میں نہیں ہوتا (اس لئے لِعِدَّتِهِنَّ کا مطلب فِیْ وَقْتِ عِدَّتِهِنَّ لینا درست نہیں) پس حیض میں طلاق واقع نہ ہونا اور طہر سے عدت کا شمار کرنا غلط ہے) اس کے علاوہ اگر لام کو بمعنی فی مانا جائے گا تو طلاق پر عدت کی تقدیم یا کم از کم دونوں ایک وقت میں ہونا لازم آئے گا حکم آیت کا یہی تقاضا ہے پس لام وقتیہ نہیں ہے بلکہ یہ لام لام عاقبت ہے (یعنی عورتوں کو طلاق دو تو اس کے نتیجے میں عدت ہونا لازم ہے! جیسے مشہور مصرعہ ہے۔

لِدُوْا لِلْمَوْتِ وَابْنُوْا لِلْخَرَابِ جنو! جس کا لازمی نتیجہ موت ہوگا اور عمارتیں بناؤ جس کا لازمی نتیجہ ویرانی ہوگا۔ یا لام کا تعلق محذوف لفظ سے ہے یعنی عورتوں کو طلاق دو کہ وہ عدت کا استقبال کریں (طلاق کے بعد عدت شروع کریں) عرب تاریخ کے متعلق کہتے ہیں خرجتُ لثلاثٍ بَقِيْنَ من رمضان

"میں نکلا جب کہ رمضان کے تین روز باقی تھے" یعنی تین روز آگے آنے والے تھے۔

مسلم نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ تلاوت فرمائی۔ حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس کی قرأت کا معنی فی قبل عدتہن ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدت کا شمار حیض سے ہونا چاہئے طہر سے نہیں قروء سے مراد حیض ہے یا طہر اور حیض میں طلاق دینا حرام ہے۔ یہ طویل بحث سورتِ بقرہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

مسئلہ: جس طہر میں عورت سے مباشرت کر لی ہے، اس میں طلاق دینا حرام ہے علماء کا اس فیصلہ پر اتفاق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا پھر طہر کی حالت میں جب کہ (اس طہر میں) عورت سے مباشرت نہ کی ہو، طلاق دے دے۔ مندرجہ ذیل مسائل پر بھی علماء کا اتفاق ہے۔

۱۔ جس جوان عورت سے کبھی مباشرت نہ کی ہو اس کو حالتِ حیض میں طلاق دینا جائز ہے۔

۲۔ نابالغ صغیرہ جس کو ابھی حیض نہ آیا ہو، اس کو بھی قبل از مباشرت اور بعد از مباشرت طلاق دینا جائز ہے۔

۳۔ اگر حیض منقطع ہو گیا ہو یعنی عورت بوڑھی ہو گئی اور حیض آنے کی کوئی امید نہ رہی ہو تو مباشرت کے بعد اس کو طلاق دینا جائز ہے۔

جس طہر میں مباشرت کی ہو اس کو اس طہر میں طلاق دینا اس لئے حرام تھا کہ عدت کی مدت طویل نہ ہو جائے۔ جہاں طولِ مدت کا گمان نہ ہو وہاں بہر حال طلاق جائز ہے لہٰذا جس عورت سے قربت نہ کی ہو اور طلاق دے دی ہو اس کی تو کوئی عدت ہی نہیں ہے رہیں مؤخر الذکر دونوں صورتیں تو ان کی عدت ضرور ہو گی لیکن عدت کی گنتی مہینوں سے ہو گی، ان دونوں صورتوں میں مہینوں کی گنتی میں کوئی اضافہ بالاجماع نہیں ہو جاتا۔ جماع کے بعد بھی عدت کی مدت نہیں بڑھ جاتی۔

وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ اور عدت کو یاد رکھو ایسا نہ ہو کہ عدت کے بعد بھی تم طلاق سے رجوع کر لو یا عدت گزرنے سے پہلے عورت کسی اور مرد سے اپنا نکاح کر لے کیونکہ یہ دونوں امر ناجائز ہیں۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ①

اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے، ان عورتوں کو ان کے رہنے کے گھروں سے مت نکالو اور نہ عورتیں باہر نکلیں مگر ہاں کوئی کھلی بے حیائی کریں، اور یہ سب خدا کے مقرر کئے ہوئے احکام ہیں (ان سے تجاوز نہ

کرو) اور جو شخص احکامِ خداوندی سے تجاوز کرے گا تو وہ خود اپنے اوپر ظلم کرے گا تجھ کو معلوم نہیں کہ شاید (اس طلاق کے بعد) اللہ کوئی نئی بات تیرے دل میں پیدا کردے (مثلاً طلاق پر پشیمانی ہو جائے)

وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ یعنی عدّت کو طول دینے، اور عورتوں کو ضرر پہنچانے کے لئے ایسا نہ کرو اور اللہ سے ڈرو۔

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ یعنی جن عورتوں کو طلاق دے دی گئی ہو ان کو گھروں سے مت نکالو خواہ طلاق بائنہ ہو یا رجعی۔ گھروں سے مراد ہیں وہ مکان جن میں طلاق کے وقت عورتیں رہتی ہوں یعنی شوہروں کے مکان۔ نہ نکالنے کا حکم عدت ختم ہونے کے وقت تک ہے۔

وَلَا یَخْرُجْنَ اور مطلقہ عورتیں خود بھی اپنے گھروں سے باہر نہ نکلیں۔ اس فقرے سے ثابت ہوتا ہے کہ مطلقہ کے لئے بلا ضرورت نکلنا جائز نہیں نہ رات کو نہ دن کو، ہاں ضرورت ہو تو مجبوراً نکل سکتی ہے۔ عبادات میں ضرورت مستثنیٰ ہوتی ہے، ضرورت ممانعت کو اباحت سے بدل دیتی ہے۔ ضرورت کی مختلف صورتیں ہیں مثلاً گھر کے گر جانے کا خوف ہو یا چوری کا اندیشہ ہو یا مکان کا کرایہ ادا کرنے کی استطاعت نہ ہو یا مکان تنگ ہو کہ مرد عورت جُدا جُدا اس میں نہ رہ سکتے ہوں یا شوہر بد چلن ہو اور عورت و مرد کے درمیان کوئی رکاوٹ نہ ہو وغیرہ۔

امام احمدؒ نے فرمایا مطلّقہ بائنہ دِن میں اپنی ضروریات کے لئے گھر سے باہر نکلتی سکتی ہے۔ امام شافعیؒ کے دونوں قول مروی ہیں (بائنہ کے لئے بضرورت دن میں باہر نکلنے کا جواز اور ممانعت۔

بغوی نے لکھا ہے سُوت فروخت کرنے یا روئی خریدنے کے لئے یا اسی کے طرح کسی دوسرے کام سے باہر نکلنا ضروری ہو تو دن کو باہر نکل سکتی ہے رات کو باہر نکلنا تو باتفاقِ ائمہ جائز نہیں۔

امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا قطعی آیت کے مقابلہ میں حدیثِ آحاد سے استدلال نہیں کیا جا سکتا ہاں اگر بہت ہی مجبور کُن ضرورت ہو تو باجماعِ علماء باہر نکلنا جائز ہے۔

مسئلہ: اگر سفر کی حالت میں طلاق ہو گئی ہو اور عدت لازم ہو جائے اور قیام کی جگہ نہ ہو اور جس شہر سے سفر کرنے کے لئے نکلی تھی اس کا فاصلہ مسافتِ سفر سے کم ہو تو واپس آجائے (سفر میں اقامتِ عدت نہ کرے نہ سفر جاری رکھے) اور اگر منزلِ مقصود اور مبدء سفر کا فاصلہ مقامِ طلاق سے برابر ہو تو عورت کو اختیار ہے چاہے تو واپس آجائے اور چاہے منزلِ مقصود کی طرف سفر جاری رکھے، خواہ ولی ساتھ نہ ہو واپس آنا زیادہ بہتر ہے تاکہ شوہر کے گھر کی پاسداری اور لحاظ کی کمی نہ ہو۔

بعض علماء کا قول ہے کہ جس جانب فاصلہ کم ہو اسی رُخ کو اختیار کرے مبدء سفر کا فاصلہ اگر بمقدارِ سفر ہو اور منزلِ مقصود کا فاصلہ اس سے کم ہو تو مقصود کی جانب سفر جاری رکھے۔

اگر طلاق بحالتِ سفر ایسے مقام پر ہوئی ہو جہاں قیام ہو سکتا ہو، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اسی مقام پر عدت پوری کرے۔

صاحبینؒ کا قول ہے اگر ولی اس کے ساتھ ہو تو وطن کی طرف لوٹنا اور منزلِ مقصود کی طرف جانا دونوں حسبِ تفصیل مذکور جائز ہیں۔

مسئلہ: جس عورت کا شوہر مر گیا ہو وہ عدت کے زمانے میں شوہر کے گھر سے دن کو نکل سکتی ہے، رات کو باہر نکلنا ناجائز ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک رات ہو یا دن ہر وقت بیوہ کا باہر نکلنا جائز ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

بغوی کا بیان ہے کہ کچھ لوگ غزوۂ اُحد میں شہید ہو گئے ان کی بیواؤں نے (خدمتِ گرامی میں) عرض کیا ہم کو اپنے گھروں کے اندر تنہائی سے وحشت ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی کہ ایسی بیوائیں کسی ایک بیوہ کے گھر میں جمع ہو کر بات چیت کر لیا کریں اور جب سونے کا وقت ہو تو ہر عورت اپنے گھر چلی جایا کرے۔

سورۂ بقرہ میں حضرت ابو سعید خدری کی بہن کی حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا اپنی عدّتِ وفات اپنے گھر میں بسر کرو اور وہیں مقیم رہو۔

اِلَّآ اَنۡ یَّاۡتِیۡنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ یہ استثناء مفرغ ہے مستثنیٰ منہ محذوف ہے یعنی ان کو اپنے گھروں سے کسی وقت نہ نکالو، ہاں اگر وہ کھلی ہوئی بے حیائی کا کام کریں (تو نکال دو) ابن عمر، سدی اور ابراہیم نخعی نے کہا فاحشہ کے لئے دورانِ عدّت گھر سے نکلنا جائز ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ ابن ہمام نے کہا یہ قول بہت زیادہ تعجب آفریں ہے۔ باہمی گفتگو میں بولا جاتا ہے، زنا کر، مگر یہ کہ تو فاحشہ ہو (یعنی اگر تو فاحشہ ہو تو زنا کر) رشتہ داروں کو گالیاں نہ دے مگر یہ کہ تو ان سے قطع تعلق کرنے والی ہو، اس مطلب پر اِلَّآ اَنۡ یَّاۡتِیۡنَ کا تعلق لَا یَخۡرُجۡنَ سے ہوگا۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا "فاحشہ" سے مراد زنا ہے زانیہ کو شرعی سزا (سنگسار کرنے یا سو کوڑے مارنے) دینے کے لئے اسے گھر سے نکالا جائے گا اور سزا کے بعد پھر واپس کر دیا جائے گا۔ امام ابو یوسفؒ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ ابن ہمام نے لکھا وضع لغت کے لحاظ سے یہ قول زیادہ مناسب ہے کیونکہ لفظ اِلَّا غایت کے لئے ہے (یعنی اِلٰی کا ہم معنی ہے اور کوئی شئے خود اپنی غایت نہیں ہوتی۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا "فاحشہ مبینہ" یہ ہے کہ وہ عورت شوہر کے گھر والوں کو فحش کلمات کہتی اور زبان درازی کرتی ہو تو شوہر کے گھر سے اس کو نکال دینا جائز ہے۔ اسی طرح قتادہ کا قول ہے کہ اگر عورت نافرمان ہو، شوہر سے سرکشی کرتی ہو تو اس کو طلاق دے دے، اور نکال دے مؤخر الذکر دونوں صورتوں میں استثناء کا تعلق لا تخرجوھن سے ہوگا۔

وَتِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ یعنی یہ احکام اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں (ان سے تجاوز نہ کرو، جو اللہ کی قائم کردہ حدود سے تجاوز کرتا ہے وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتا ہے اپنے نفس کو عذاب کے لئے پیش کرتا ہے۔

لَا تَدۡرِیۡ لَعَلَّ اللّٰهَ یُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِكَ اَمۡرًا امر آلا تدری کا مفعول ہے، یعنی اے مخاطب تو اس امر کو نہیں جانتا جو اللہ اس کے بعد پیدا کرے گا۔ یہ جملہ اَحۡصُوا الۡعِدَّةَ ۚ وَلَا تُخۡرِجُوۡهُنَّ کی علت ہے، مطلب یہ ہے کہ مرد کے دل میں عورت سے نفرت ہے وہ اس کو اپنے سے جدا کر رہا ہے، لیکن ممکن ہے اللہ شوہر کے دل میں عورت کی محبت پیدا کر دے اور وہ ملاپ کا خواستگار ہو جائے اور پھر طلاق پر پشیمان ہو اور رجوع کرنا چاہے (اس لئے عدّت کی پوری گنتی محفوظ رکھو) کہ اگر ملاپ کی خواہش ہو تو عدّت کے اندر رجوع ہو سکے۔

فَاِذَا بَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ فَارِقُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ وَّ اَشۡهِدُوۡا ذَوَیۡ عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ وَاَقِیۡمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمۡ یُوۡعَظُ بِهٖ مَنۡ كَانَ یُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ۬

پھر جب وہ اپنی عدّت کے خاتمہ کے قریب پہنچ جائے تو تم (یا تو) قاعدے کے موافق (اپنے نکاح میں روک لو یا قاعدہ کے موافق ان کو چھوڑ دو اور اپنے آپس کے آدمیوں میں سے دو معتبر آدمیوں کو گواہ بنا لو (اے گواہو، اگر شہادت کے لئے تم کو طلب کیا جائے تو) تو ٹھیک اللہ کے واسطے شہادت دے دو، اس مضمون سے اس شخص کی نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ پر اور روزِ آخرت پر یقین رکھتا ہے۔

فَاِذَا بَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ یعنی مطلقاتِ رجعیہ ختمِ عدّت کے قریب پہنچ جائیں بَلَغۡنَ اور اَجَلَهُنَّ کی ضمیریں ان مطلقات کی طرف راجع ہیں جن کو رجعی طلاق دی گئی ہو۔

آغازِ کلام میں عموم تھا جو تمام مطلقات کو شامل تھا بائنہ ہوں یا رجعیہ اور اس فقرے میں خاص عورتوں یعنی مطلقات رجعیہ کی طرف ضمیریں راجع ہیں خاص عام کے تحت داخل ہوتا ہے، دوسری بعض آیات میں بھی ایسا کیا گیا، ایک جگہ فرمایا ہے وَالۡمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوۡٓءٍ اس آیت میں المطلقات کا لفظ عام ہے اور حکم بھی عام ہے، لیکن آگے فرمایا ہے وَبُعُوۡلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ اس فقرے میں مطلقاتِ رجعیہ کی طرف ضمیریں راجع ہیں۔

اَوْفَارِقُوْهُنَّ یا ان کو اپنے سے جدا کردو، ان کو چھوڑ دو۔

بِمَعْرُوْفٍ مگر یہ سب کچھ حسن سلوک کے ساتھ ہو، عورتوں کو ضرر پہنچانے کے لئے نہ ہو کہ رجوع کرلو پھر طلاق دے دو پھر عدت ختم ہونے کو ہو تو رجوع کرلو اور اس طرح طویل مدت تک عورتیں الجھاؤ میں رہیں۔

وَاَشْهِدُوْا اور رجعت یا فرقت پر اپنے دو آدمیوں کو گواہ بنالو تاکہ باہمی نزاع ختم ہو جائے مگر یہ گواہ عادل ہوں فاسق نہ ہوں۔ گواہ بنانے کا حکم استحبابی ہے ایجابی نہیں ہے، امام ابو حنیفہؒ امام مالک کے نزدیک رجوع کے لئے شہادت کی ضرورت نہیں۔ ایک روایت میں امام احمد کا بھی یہی قول ہے، دوسری روایت کے اعتبار سے امام احمد کے نزدیک امر ایجابی ہے رجوع کرنے کے وقت دو گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے۔ امام شافعی کے بھی دو قول منقول ہیں زیادہ صحیح قول امام ابو حنیفہ کے قول کے موافق ہے۔

ہم کہتے ہیں باتفاق علماء طلاق کے لئے گواہ بنانا واجب نہیں ہے پس رجوع از طلاق کے لئے بھی واجب نہیں ہوگا اور امر استحبابی قرار پائے گا جیسے خرید و فروخت کے وقت گواہوں کی موجودگی کا حکم دیا گیا ہے اور فرمایا ہے:۔ وَاَشْهِدُوْا اِذَا تَبَايَعْتُمْ یہ حکم بھی استحبابی ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ طلاق کے وقت گواہوں کی موجودگی تو واجب نہ ہو اور طلاق سے رجوع کرنے کے وقت واجب ہو ورنہ حقیقت و مجاز کا اجتماع (حقیقی معنی بھی مراد لینا اور مجازی معنی بھی مراد لینا) لازم آئے گا۔

وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ یعنی دنیوی لالچ اور غرض کے لئے نہیں بلکہ محض اللہ کے واسطے شہادت ہو، جب تم کو شہادت کے لئے طلب کیا جائے تو صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے شہادت ادا کرو۔

ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ یہ تمام نصیحت ان لوگوں کے لئے کی جارہی ہے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ وہی اس نصیحت سے فائدہ اندوز ہونے والے ہیں اور انہی کو نصیحت کرنی مقصود ہے۔

ابن مردویہ نے بروایت کلبی بحوالہ ابو صالح بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حضرت عوف بن مالک اشجعی نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! میرے بیٹے کو دشمن گرفتار کر کے لے گئے اور اس کی ماں بے تاب ہو رہی ہے، آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں (یعنی میں کیا کروں) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا میں تم کو اور اس عورت کو حکم دیتا ہوں کہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ بکثرت پڑھا کرو۔ عورت نے کہا اللہ کے رسول نے جو تم کو حکم دیا وہ بہت اچھا ہے چنانچہ دونوں نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ بکثرت پڑھنا شروع کر دیا، کچھ ہی مدت گزری تھی کہ وہ دشمن ان کے لڑکے کی طرف سے غافل ہو گیا اور لڑکا دشمن قبیلہ کی بکریاں ہنکا کر اپنے باپ کے پاس لے آیا، بغوی نے لکھا ہے وہ چار ہزار بکریاں تھیں، اس پر آیت وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ نازل ہوئی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عوف بن مالک رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میرے بیٹے کو دشمن پکڑ کر لے گئے جضرت عوف نے حضور ﷺ سے اپنی محتاجی کا بھی شکوہ کیا حضور ﷺ نے فرمایا، اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہو اور صبر کرو اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ بکثرت پڑھا کرو انہوں نے ایسا ہی کیا ایک روز جب کہ وہ اپنے گھر میں تھے کہ ان کا بیٹا دشمن کے کچھ اونٹ لے کر آگیا کیونکہ دشمن اس کی طرف سے غافل ہو گئے تھے (اور اس کو فرار ہونے کا موقع مل گیا)۔

ابن جریر نے بھی یہ قصہ اسی طرح سالم بن ابی الجعد اور سدی کی روایت سے نقل کیا ہے۔ حاکم نے حضرت ابن مسعود اور حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ آیت وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ قبیلۂ اشجع کے بارے میں نازل ہوئی، یہ شخص محتاج، نادار اور کثیر العیال تھا۔

خطیب نے اپنی تاریخ میں بطریق جریر از ضحاک حضرت ابن عباس کا بیان بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔

ثعلبی نے اس کو دوسری ضعیف سند سے اور ابن ابی حاتم نے اس کو ایک اور سند سے مرسلاً بیان کیا ہے۔ ذہبی نے حضرت جابر کی حدیث کو منکر قرار دیا ہے لیکن کثرت شواہد کی وجہ سے یہ حدیث صحیح مانی جائے گی۔ ذہبی کے قول کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے (مضرّتوں سے) نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو اس جگہ سے رزق بھی پہنچا تا دیتا ہے، جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ یعنی جو شخص مصیبت اور دکھ میں صابر رہے گا، بے صبری اختیار نہیں کرے گا اور ممنوعات سے پرہیز رکھے گا اللہ اس کے لئے اس مصیبت سے نکلنے کا راستہ پیدا کر دے گا اور ایسے طریقے سے اس کو (محتاجی اور ناداری دور کرنے والا حلال) رزق عطا فرمائے گا کہ اس کے گمان بھی نہ ہوگا جیسے حضرت عوف اشجعی کی مصیبت دور کی اور رزق عطا فرمایا۔

فائدہ

بغوی نے بروایت مقاتل بیان کیا ہے کہ عوف بن مالک اشجعی کے بیٹے کے ہاتھ (دشمن کی کچھ بکریاں اور سامان لگ گیا وہ بکریاں اور سامان لے کر اپنے باپ کے پاس واپس آگئے، حضرت عوف نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کر دیا اور دریافت کیا کہ میرے لئے کیا یہ چیزیں حلال ہیں جو بیٹا لے کر آیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں (حلال ہیں) اس پر آیت نازل ہوئی۔

فائدہ

دُنیوی اور دینی منافع کو حاصل کرنے اور مضرت کو دور کرنے کے لئے حضرت مجدد صاحبؒ نے لاحول الا قوۃ الا باللہ کی کثرت کو پسند کیا لیکن کثرت کی مقدار کیا ہونی چاہئے اس کے متعلق فرمایا پانسو مرتبہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ روزانہ پڑھا جائے اور اوّل آخر سو سو مرتبہ درود پڑھی جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کو اللہ نعمت عطا فرما دے اور وہ اس نعمت کی بقا کا خواستگار ہو تو لاحول ولا قوۃ الا باللہ بکثرت پڑھا کرے۔ رواہ الطبرانی من حدیث　عقبہ ابن عامر۔

صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ کی مرفوع حدیث آئی ہے کہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

نسائی کی روایت ہے کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھنا ننانوے بیماریوں کا علاج ہے جن میں سے ادنیٰ بیماری فکر ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی مسلمان قید ہو کر یا چھپے چوری بغیر ویزا کے دارُالحرب میں پہنچ جائے اور وہاں چوری، ڈاکہ، رہزنی وغیرہ کے بعد کچھ مال سمیٹ کر دارُالاسلام میں لے آئے تو اس مال کا وہ مالک ہو جائے گا اور اس کے لئے یہ مال حلال ہے اور اس مال کا پانچواں حصہ یعنی خمس ادا کرنا اس پر واجب نہیں ہے لیکن اگر کسی حربی کافر نے اس مسلمان کے پاس نقد و جنس بطورِ امانت رکھا یا کوئی حربی تاجر بغرضِ تجارت یا حربی سیاح برائے سیاحت ویزا لے کر دارُالاسلام میں آگیا اور کسی مسلمان نے اس کے مال پر قبضہ کر لیا تو یہ قبضہ حرام ہے اور اس طرح حربی کافر کے مال کا مالک بن جانا بھی جائز نہیں کیونکہ یہ فریب ہے، معاہدہ شکنی ہے، دھوکہ دہی ہے ایسی مال پر خمس بھی واجب نہیں (کیونکہ اس مال پر قبضہ ہی ناجائز ہے) اور اگر زبردستی دارُالحرب میں جا کر کافر کے مال پر قبضہ کیا ہے تو اس مال کا حکم وہی ہے جو مال غنیمت کا ہے خمس ادا کرنا واجب ہے۔

بقولِ بغوی، عکرمہ، شعبی اور ضحاک نے آیت مذکورہ کا مطلب یہ بیان کیا کہ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے یعنی سنت کے مطابق طلاق دیتا ہے اللہ اس کے لئے طلاق سے رُجوع کرنے کا راستہ نکال دیتا ہے (یعنی عورت سے نفرت دور ہو جاتی ہے، محبت لوٹ آتی ہے اور وہ رُجوع کر لیتا ہے)

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا مخرَج سے مراد ہے ان تمام چیزوں سے باہر آجانے کا راستہ جو دوسروں کے لئے تنگ ہیں۔

ابو العالیہ نے کہا ہر سختی سے نکل آنے کا راستہ مراد ہے، حسن نے کہا تمام ممنوعات سے نکلنے کا راستہ مراد ہے۔

میں کہتا ہوں رفتارِ آیت حضرت عوف کے قصہ کے موافق ہے اور سیاقِ عبارت کے مناسب حکم عام ہے (یعنی مورد خاص ہے اور حکم عام) اور جملہ معترضہ ہے جو سابق حکم کی تائید کر رہا ہے۔ اس صورت میں آیت کا مطلب اس طرح ہوگا جو مرد

اللہ سے ڈرتا ہے عورت کو بِلا قصور نہیں ستاتا اور ظلم نہیں کرتا، اگر عورت کی بدزبانی، بدمزاجی اور نافرمانی کی وجہ سے طلاق دے دے اور حیض کی حالت میں بھی یہ طلاق نہ ہو بلکہ طہر کی حالت میں دی گئی ہو اور عورت کی عدّت لمبی کر کے اس کو ضرر پہنچانا بھی مقصود نہ ہو (کہ جب عدّت کے ختم ہونے کا وقت آجائے تو رجوع کر لے اور پھر طلاق دے دے اور پھر ختم عدّت کے وقت رجوع کر لے اور پھر طلاق دے دے) اور عورت کو ایّامِ عدّت میں گھر سے نہ نکالے اور اللہ کی قائم کردہ حدود سے تجاوز نہ کرے تو اللہ اس کے لئے گناہ سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے اور اس بدزبان، بدمزاج، نافرمان عورت کے عوض فرماں بردار، نیک، پرہیزگار بی بی اس طور پر عنایت فرما دیتا ہے جو اس کے گمان میں بھی نہیں ہوتا اسی طرح جو عورت اللہ سے ڈرے اور خاوند کی حق تلفی نہ کرے، بدزبانی سے پیش نہ آئے، بے وجہ طلاق کی خواستگار نہ ہو بلکہ شوہر اگر اس کو دکھ پہنچاتا ہو تو صبر کرے اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرے تو اللہ اس کے لئے راہِ نجات نکال دیتا ہے اور اس کو بے گمان طریقہ سے رزق عطا فرماتا ہے اور ظالم بدمزاج شوہر کی بجائے نیک، حق شناس شوہر مرحمت کر دیتا ہے۔

مضرتِ دارین سے نجات اور بچاؤ کا یہ حکم تمام اہلِ تقوٰے کے لئے عام ہے (مرد ہوں یا عورتیں)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں کہ اگر لوگ اس کو لے لیں (یعنی اس پر عمل کریں) تو انکے لئے کافی ہو گی، پھر حضور ﷺ نے آیت وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ تلاوت فرمائی۔ رواہ احمد وابن ماجہ والدارمی ورواہ ابن حبان فی صحیحہ۔

حاکم کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کو بار بار پڑھتے رہتے۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ③

اور جو شخص اللہ پر توکّل کرے گا تو اللہ اس (اصلاحِ مہمات) کے لئے کافی ہے اور اللہ اپنا کام (جس طرح چاہے) پورا کر کے رہتا ہے اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ (اپنے علم میں) مقرر کر رکھا ہے۔

فَهُوَ حَسْبُهٗ یعنی اس کے تمام فکر آگیں اُمور کے لئے اللہ کافی ہے۔ حضرت عمرؓ بن خطاب نے فرمایا میں نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرما رہے تھے اگر تم لوگ اللہ پر ایسا بھروسہ کر لو جیسا بھروسہ کرنے کا حق ہے (یعنی کامل بھروسہ کر لو) تو اللہ تم کو اسی طرح رزق عطا فرمائے گا جس طرح پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو شکم سیر واپس آتے ہیں رواہ الترمذی وابن ماجہ

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کے ستر ہزار آدمی جنت میں بِلا حساب داخل ہوں گے، یہ وہ لوگ ہوں گے جو منتر نہیں کراتے، شگون نہیں کرتے اور اپنے رب پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔ متفق علیہ۔ اور ایک روایت میں اتنا زائد ہے اور داغ نہیں لگواتے۔

اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ یعنی اللہ اپنے ارادہ کو ضرور پورا کرتا ہے کوئی اس کو تکمیلِ ارادہ سے نہیں روک سکتا، اس کے فیصلے کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ مسروق نے کہا خدا کی مشیت ضرور پوری ہو کر رہتی ہے کوئی اس کی مشیت پر بھروسہ رکھے یا نہ رکھے البتہ جو اس پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کے گناہ معاف فرماتا اور اجرِ عظیم عطا کرتا ہے۔

قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا یعنی اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر دیا ہے ہر چیز تقدیرِ خداوندی کے اندر ہے طلاق کا ایک وقت (یعنی طہر، اور عدّت کی ایک میعاد (تین حیض یا چار ماہ دس روز) اسی کے اندازہ کے موافق ہے یا ہر چیز سے مراد ہے سختی، نرمی، دُکھ، سُکھ یعنی اللہ نے ہر دکھ سکھ کی ایک میعادِ واحد مقرر کر دی ہے، مقررہ حد پر پہنچ کر ہر چیز ختم ہو جاتی ہے اس میں تبدّل و تغیّر ممکن نہیں، نہ بے صبر ہونے اور گھبرانے سے کوئی فائدہ ہے۔ اس صورت میں یہ وجوبِ توکّل کا بیان ہو گا اور یہ تفسیر قولِ مسروق کے موافق ہو گی۔

ابن جریر، اسحاق بن راہویہ اور حاکم نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت اُبی بن کعب کی روایت سے بیان کیا کہ جب سورۂ بقرہ میں عورتوں کی عدّت کا حکم بیان کر دیا گیا تو صحابہؓ نے کہا کچھ عورتوں کی عدّت تو بیان ہی نہیں کی گئی۔ نابالغ اور بوڑھی

عورت کی مقدارِ عدت کا کچھ حکم نہیں دیا گیا۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُہُنَّ ثَلٰثَۃُ اَشْہُرٍ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ ط وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُہُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَہُنَّ ط اور تمہاری (مطلقہ) بیبیوں میں جو عورتیں حیض آنے سے مایوس ہو گئی ہوں، اگر تم کو (ان کی عدت کی تعیین) میں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے (اسی طرح ان مطلقہ) عورتوں کا حکم ہے جو (کم عمر ہوں اور کم عمری کی وجہ سے ان کو) حیض نہ آیا ہو۔

یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ یعنی زیادتی عمر کی وجہ سے جن عورتوں کو حیض آنے کی امید نہیں رہی ہو۔ بعض علماء نے پچپن سال اور بعض نے ساٹھ برس حیض سے مایوسی کی (انتہائی) عمر قرار دی ہے۔

اِنِ ارْتَبْتُمْ یعنی اگر تم کو ان کی عدت میں شبہ ہو۔ اس شرط میں اس طرف اشارہ ہے کہ مجمل طور پر عدت تو تمام عورتوں کی (جو مطلقہ ہوں) آیت وَالْمُطَلَّقَاتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِہِنَّ ثَلٰثَۃَ قُرُوْٓءٍ میں بیان کر دی گئی ہے۔ تین حیض اکثر تین ماہ میں ہی ہوتے ہیں، اب اگر حیض نہ ہوں تو اس مدت کی تعین ضروری ہے جس میں اکثر تین حیض ہوتے ہیں جس طرح بلوغ کی عمر ۱۵ یا ۱۷ سال علماء نے مقرر کر دی ہے کیونکہ اتنی عمر میں بلوغ ضرور ہو جاتا ہے یا جیسے وجوبِ زکوٰۃ کے معاملہ میں ایک سال کے دور کو نمو کے قائم مقام قرار دیا ہے کیونکہ اکثر بڑھوتری ایک سال کے اندر ہو جاتی ہے یا جیسے حیض سے مایوسی تعینِ عمر سے کی ہے ۵۵ (یا ۶۰ سال وغیرہ) شریعت میں اس کی نظیریں بکثرت ہیں۔

مقاتل نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت خلاد بن عمرو بن جموح نے ان عورتوں کی عدت کے متعلق دریافت کیا جن کو حیض نہیں آتا، اس پر جملۂ ذیل نازل ہوا۔

وَالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ یعنی جن بیبیوں کو حیض نہیں آیا خواہ وہ صغیر السن ہوں یا بالغ ہونے کے قریب یا عمر کے اعتبار سے بالغہ۔ مطلب یہ کہ ایسی عورتوں کی عدت بھی تین ماہ ہے۔

وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ کا عطف مع معطوفات کے فَطَلِّقُوْہُنَّ لِعِدَّتِہِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّۃَ کے مفہوم پر ہے لِعِدَّتِہِنَّ اضافت اور اَلْعِدَّۃَ میں لام تعریف عہدی ہے۔ یعنی ان مطلقات کی بھی وہی عدت ہے جو وَالْمُطَلَّقَاتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِہِنَّ سے معلوم ہوئی ہے۔ خلاصہ یہ کہ ان کی عدت بھی تین حیض ہے۔

اس آیت کا حکم انہی مطلقات کے متعلق ہے جو آزاد بیبیاں ہوں، یہ مسئلہ اجماعی ہے خواہ وہ مطلقہ رجعیہ ہوں یا بائنہ مسلمان ہوں یا کتابی جو مسلمان کے نکاح میں ہوں، باندیاں خواہ مکمل باندیاں ہوں یا مکاتبہ یا مدبرہ اگر وہ حیض والیاں نہ ہوں یعنی ان کو ابھی حیض شروع نہ ہوا ہو یا عمر کے لحاظ سے حیض آنے سے مایوسی ہو گئی ہو تو ان کی عدت باتفاق ڈیڑھ ماہ ہے ہم نے سورۂ بقرہ میں بیان کر دیا ہے کہ باندی کی مکمل طلاق تو ڈیڑھ طلاق اور اس کی عدت ڈیڑھ حیض اصولاً ہونی چاہئے لیکن طلاق اور حیض چوں کہ قابلِ تجزی نہیں ہے اس لئے باندی کی پوری طلاق دو طلاقیں اور پوری عدت دو حیض ہے لیکن جو حائضہ نہ ہوں ان کی طلاق وعدت کا حساب ایام کی گنتی سے کیا جائے گا اور ایام گنتی تو آزاد مطلقات کی گنتی سے پوری آدھی ہو سکتی ہے اس لئے ایسی عورتوں کی عدت ڈیڑھ ماہ ہو گی۔

امام شافعیؒ نے بروایتِ سفیان بن عینیہ بحوالہ محمد بن عبد الرحمٰن از سلمان بن یسار از عبد اللہ بن عتبہ حضرت عمرؓ بن عتبہ حضرت عمرؓ کی حدیث نقل کی ہے کہ غلام دو عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے (چار سے ایک وقت میں نہیں کر سکتا، اور دو طلاقیں دے سکتا ہے (اس کی دو طلاقیں تین کے قائم مقام ہوں گی) اور باندی دو حیض کی عدت کرے اگر حیض نہ آتا ہوں تو دو ماہ یا ڈیڑھ ماہ کی عدت کرے۔

مسئلہ: اگر عورت جوان ہو، حیض آتا ہو لیکن سنِ ایاس کو پہنچنے سے پہلے کسی وجہ سے حیض بند ہو جائے تو اکثر علماء کے نزدیک جب تک حیض کھل نہ جائے اس کی عدت ختم نہیں ہو گی، اس طرح تکمیلِ عدت کے لئے تین حیض ضروری ہوں گے

اور سن ایاس کو پہنچ گئی تو تین ماہ گزرنے پر عدت پوری ہو جائے گی حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کا یہی فتوے ہے، عطاء کا بیان ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے، اس قول کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ سن ایاس کو پہنچنے سے پہلے کسی وجہ سے جس کا حیض بند ہو وہ نہ آئسہ ہے نہ اس کو غیر حائضہ کہا جا سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ ایسی عورت کو نو ماہ انتظار کرنا چاہئے اگر اس مدت میں حیض نہ آئے تو اس کے بعد تین ماہ کی عدت کرے۔ یہی قول امام مالکؒ کا ہے۔

حسن نے کہا چھ ماہ انتظار کرے اس کے بعد تین ماہ کی عدت کرے۔

مسئلہ: اگر کسی مطلقہ کو دو حیض آگئے اور پھر (تیسرا حیض آنے سے پہلے) سن ایاس کو پہنچ گئی اور خون منقطع ہو گیا تو از سر نو تین ماہ کی عدت کرے گی لیکن سن ایاس کو پہنچی ہوئی مطلقہ نے اگر مہینوں کے اعتبار سے عدت کر لی اور عدت ختم ہونے کے بعد یا دوران عدت میں اس کو خون آگیا تو گزشتہ مدت شمار نہیں کی جائے گی اور سہ ماہی عدت کے بعد اس نے نکاح کر لیا ہو گا تو نکاح فاسد ہو گا۔ لیکن یہ حکم اس وقت ہو گا جب عادت کے مطابق خون سیاہ یا سرخ ہو اگر زرد یا سبز یا خاکستری رنگ کا ہو گا تو اس کو حیض نہیں قرار دیا جائے گا (بلکہ کسی بیماری کا نتیجہ سمجھا جائے گا) ہاں اگر سن ایاس سے پہلے عادۃً اس کو حیض کا خون، زرد یا بستہ آتا تھا اور بعد ایاس بھی خون کا وہی رنگ رہا تو اس کو حیض ہی مانا جائے گا۔

اگر طلاق شروع مہینے میں دی تو باتفاق علماء عدت کا حساب چاند کے مہینوں سے کیا جائے گا اور اگر وسط ماہ میں طلاق دی تو (مہینوں سے عدت کا حساب نہیں ہو گا بلکہ) دنوں سے گنتی کی جائے گی وقوع طلاق سے نوے دن گزر جائیں گے تو عدت پوری ہو گی۔ اس سے کم مدت میں عدت ختم نہیں ہو گی، یہ قول امام ابو حنیفہ کا ہے صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) نے فرمایا پہلے مہینے کی گنتی دنوں سے کی جائے گی یعنی ۳۰ دن گنے جائیں گے اور آخر کے دو ماہ چاند سے شمار ہوں گے ۳۰ (دن کے ہوں یا ۲۹ کے، دنوں کی گنتی نہیں کی جائے گی۔

مسئلہ: عدت کی مذکورہ مقدار مطلقہ کے لئے ہے بیوہ کے لئے نہیں ہے بیوہ اگر حاملہ نہ ہو تو اس کی عدت کی مدت چار ماہ دس روز ہے، خواہ کم عمر ہو یا جوان یا سن ایاس کو پہنچی ہوئی۔ اس پر اجماع سلف ہے اور علت اجماع وہ روایت ہے جو اس آیت کی شان نزول کے طور پر حضرت ابی بن کعبؓ نے بیان کی ہے۔

حضرت ابی کا بیان ہے کہ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا نابالغ اور بڑی عمر والیاں (یعنی آئسہ) اور حاملہ عورتیں اس آیت میں مذکور نہیں ہیں ان عورتوں کی عدت کا بیان باقی ہے اور کوئی شک نہیں کہ آیت وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ میں ان مذکورہ عورتوں کا بیان نہیں ہے اس لئے اِنِ ارْتَبْتُمْ فرمایا یہی آیت وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ تو یہ نا قابل اشتباہ ہے کیونکہ یہ آیت تو عام ہے ہر قسم کی بیواؤں کو شامل ہے۔ اشتباہ تو اس حکم میں ہوتا ہے جس کا ثبوت ظنی دلیل سے ہو آیت وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ تو یقینی قطعی ہے اس کا شمول و عموم ظنی نہیں ہے۔

ایک شبہ

تینوں جملوں کی رفتار ایک جیسی ہے آپ کی پیش کردہ دلیل سے ثابت ہو رہا ہے کہ یہ آیت مطلقات کے ساتھ خاص ہے پس یہ ہی دلیل چاہتی ہے کہ آیت وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ الخ بھی مطلقات کے ساتھ مخصوص ہو لیکن اس کا قائل تو کوئی بھی نہیں ہے۔

ازالہ

آیت مذکورہ کا مطلقات کے ساتھ اختصاص باجماع علماء ثابت ہے صرف حدیث آحاد، قطعی کی مخصص نہیں بن سکتی، نہ ہم اس کے قائل ہیں بلکہ اجماع کا انعقاد تو اس بات پر ہے کہ آیت أُولَاتُ الْأَحْمَالِ عام ہے خواہ حاملہ عورتیں مطلقہ ہوں یا بیوہ

سب کا یہی حکم ہے۔
ابن علیہ اور حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ بیوہ اگر حاملہ ہو تو عدت ختم ہونے کے لئے وضع حمل بھی ضروری ہے اور چار ماہ دس روز کی مدت بھی گزرنی لازم ہے۔ ان حضرات نے احتیاطاً دونوں آیتوں پر عمل کیا۔
جمہور کا قول ہے کہ صرف وضع حمل سے عدت ختم ہو جاتی ہے وضع حمل کے بعد دنوں اور مہینوں کی گنتی لازم نہیں، امام مالکؒ نے مؤطا میں حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہی قول نقل کیا ہے۔ حاملہ کی عدت کے بیان میں کسی نے بھی وضع حمل کو غیر ضروری نہیں قرار دیا۔
امام مالکؒ نے مؤطا میں سلیمان بن یسار کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس کا حضرت ابو سلمہ بن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے اس حاملہ کی عدت کی بابت اختلاف ہو گیا جس کا وضع حمل شوہر کے انتقال سے چند روز بعد ہی ہو گیا۔ ابو سلمہ نے کہا جب وضع حمل ہو گیا تو عورت کی بندش کھل گئی، عدت سے آزاد ہو گئی حضرت ابن عباس نے فرمایا دونوں مدتوں میں جو مدت زیادہ ہو گی اس پر عدت کا ختم ہونا موقوف ہوگا۔ وضع حمل چار ماہ دس روز سے زائد میں ہو تو ختم عدت کے لئے وضع حمل کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور چار ماہ دس روز سے پہلے وضع حمل ہو جائے تو چار ماہ دس روز کا انتظار کیا جائے گا۔
حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا میری رائے اپنے بھتیجے یعنی ابو سلمہ کے ساتھ ہے۔
لوگوں نے حضرت ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام کریب کو اُمّ المؤمنین حضرت ام سلمہ کی خدمت میں یہ مسئلہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا۔ کُریب نے واپس آکر کہا کہ ام المؤمنین نے فرمایا سبیعہ اسلمیہ کے شوہر کے انتقال سے چند روز کے بعد سبیعہ کے بچہ پیدا ہو گیا، سبیعہ نے رسول اللہ سے مسئلہ دریافت کیا، حضور ﷺ نے فرمایا تو عدت سے آزاد ہو گئی اب جس سے چاہے نکاح کرلے۔
صحیحین میں عمر بن عبداللہ بن ارقم کا بیان آیا ہے، عمر بن عبداللہ نے کہا میں نے جا کر حضرت سبیعہ اسلمیہ بنت حارث سے ان کا واقعہ دریافت کیا کہنے لگیں میں سعد بن خولہ کے نکاح میں تھی حضرت سعد بن عامر بن لُوی کے قبیلہ سے تھے، آپ شرکاء بدر میں تھے، حجۃ الوداع میں آپ کی وفات ہوئی میں اس زمانہ میں حاملہ تھی کچھ ہی مدت کے بعد وضع حمل ہو گیا جب نفاس سے پاک ہو گئی تو سنگھار کرنے لگی تاکہ لوگوں کو پیام نکاح دینے کا موقع مل سکے۔ بنی عبدالدار کے قبیلہ کا ایک شخص تھا جس کو ابو السنابل بن بعکک کہا جاتا تھا، ابو السنابل نے سبیعہ سے کہا تو سنگھار کیوں کرتی ہے شاید تو نکاح کی خواستگار ہے، لیکن جب تک چار ماہ دس دن نہ گزر جائیں خدا کی قسم تو نکاح نہیں کر سکتی، ابو السنابل کی یہ بات سنکر شام کو سبیعہ نے کپڑے پہنے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسئلہ دریافت کیا، سبیعہ کا بیان ہے حضور ﷺ نے فتوے دیا اور فرمایا، وضع حمل ہوتے ہی تو (عدت سے) آزاد ہو گئی، اب اگر تو چاہے تو اپنا نکاح کر سکتی ہے۔
جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ آیت وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ کا حکم بیوہ کو بھی شامل ہے اور مطلقہ کو بھی کیونکہ حضرت اُبی بن کعبؓ کی روایت میں آیا ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا آیت وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ کا حکم مطلقہ ثلاث اور بیوہ دونوں کو شامل ہے، فرمایا مطلقہ ثلاث اور بیوہ دونوں کے لئے ہے۔ اس روایت میں ایک راوی مثنی بن صباح متروک ہے۔
امام شافعی نے فرمایا یہ آیت اس آیت کی مخصص ہے جس میں بیوہ کی عدت چار ماہ دس روز مقرر کی گئی ہے، امام شافعی کے نزدیک کسی حکم کی تخصیص متراخی حکم سے جائز ہے (مخصص کا متصل ہونا ضروری نہیں) بیضاوی نے لکھا ہے اس آیت کے عموم کو قائم رکھنا آیت وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا کے عموم کو قائم رکھنے سے بہتر ہے کیونکہ أُولَاتُ الْأَحْمَالِ کا عموم بالذات ہے اور أَزْوَاجًا کا عموم بالعرض اور اس جگہ حکم معلّل (قیاسی) ہے اور اس حکم میں معلّل نہیں ہے۔ حضرت سبیعہ کی حدیث اسی پر دلالت کر رہی ہے۔
امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا اس آیت کا حکم سورۂ بقرہ کی آیت کے حکم کو بقدرِ شمول منسوخ کر رہا ہے یہ آیت ناسخ ہے اور سورۂ

بقرہ والی آیت منسوخ۔ حضرت ابن مسعود سے بھی یہی مروی ہے۔

بخاری کی روایت ہے کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا کیا تم اس پر سختی کرتے ہو اور اس کو رخصت نہیں دیتے (کہ جو صورت آسان ہو اس پر عمل کرے خواہ وضع حمل سے پہلے ہو جائے یا چار ماہ دس روز کی مدت پہلے ختم ہو جائے) چھوٹی سورت نساء تو لمبی سورت نساء کے بعد نازل ہوئی تھی۔ چھوٹی صورتِ نساء سے مراد ہے یہ ہی صورت طلاق اور لمبی صورت نساء سے مراد ہے سورۂ بقرہ۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا جو شخص چاہے میں اس سے مباہلہ کرنے کو تیار ہوں کہ چھوٹی سورتِ نساء لمبی سورۂ نساء کے بعد نازل ہوئی تھی۔

ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ کی روایت میں حضرت ابن مسعود کے یہ الفاظ آئے ہیں جو شخص چاہے میں اس سے ملاعنہ (لعان) کرنے کو تیار ہوں کہ چھوٹی سورت نساء چار ماہ دس روز (کی میعادِ مدت) کے بعد نازل ہوئی تھی۔

مسئلہ: بیوہ آزاد عورت یا باندی حکم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ وضع حمل میں تقسیم نہیں ہو سکتی (یعنی دنوں اور مہینوں کو تو نصف کیا جا سکتا ہے وضع حمل کو نصف نہیں کیا جا سکتا۔

مسئلہ: اگر دو بچے جڑواں پیدا ہوں تو آخری بچہ کی پیدائش پر عدت ختم ہو گی کیونکہ باقتضاءِ آیت وضع حمل کی تکمیل ضروری ہے۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ۞ ذَٰلِكَ أَمْرُ اللَّهِ أَنْزَلَهُ إِلَيْكُمْ ۚ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا ۞ اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے ہر کام میں آسانی کر دے گا (جو کچھ مذکور ہوا) اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہارے پاس بھیجا ہے اور جو شخص (ان سارے معاملہ میں) اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے گناہ دور کر دے گا، اور اس کو بڑا اجر دے گا۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ یعنی جو شخص احکام خداوندی میں اللہ سے ڈرتا ہے۔ اللہ اس کے لئے امورِ دنیا و آخرت آسان کر دیتا ہے اور اس کو بھلائی اور خیر کی توفیق عطا فرماتا ہے۔

ذَٰلِكَ یعنی مذکورہ احکام۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يُكَفِّرْ یعنی جو شخص احکام خداوندی (کی تکمیل اور پابندی) میں اللہ سے ڈرتا رہتا ہے اور حقوق احکام کو ملحوظ رکھتا ہے۔ اللہ اس کے گناہ ساقط کر دیتا ہے کیونکہ نیکیاں برائیوں کو زائل کر دیتی ہیں اور اس کے اجر کو بڑھا کر چند گناہ کر دیتا ہے۔

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ۚ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ

تم ان (مطلقہ) عورتوں کو (اپنی وسعت کے موافق) رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو، اور ان کو تنگ کرنے کے لئے (اس کے بارے میں) تکلیف مت پہنچاؤ اور اگر وہ (مطلقہ) عورتیں حمل والیاں ہوں تو وضع حمل تک ان کو (کھانے پینے کا) خرچ دو۔

أَسْكِنُوهُنَّ اس جملہ کا ربط لَا تُخْرِجُوهُنَّ سے ہُنَّ کی ضمیر مطلقہ عورتوں کی طرف راجع ہے جن کا ذکر شروع سورت میں آیا ہے۔ مطلقاتِ رجعیہ ہوں یا بائنہ، آزاد ہوں یا باندیاں، نابالغ ہوں یا جواں یا سنِ لیاس کو پہنچی ہوئی۔ سب کے لئے یہی حکم ہے۔

مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ زائد ہے یعنی جہاں تم رہتے ہو یا تبعیضہ ہے یعنی جہاں تم رہتے ہو اس کے کچھ حصہ میں یعنی مفسرین کے نزدیک مِنْ بمعنی فی ہے۔ جیسے مِنْ قَبْلِ أَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرَاةُ میں۔

مِنْ وُجْدِكُمْ اپنی وسعت کے موافق جو تمہارے لئے قابلِ برداشت ہو۔

وَلَا تُضَارُّوهُنَّ یعنی انکو تنگ کرنے کے لئے مسکن کا دکھ نہ پہنچاؤ۔ تنگ کرنے کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً

مکان ایسا ہو جو ان کے لئے مناسب نہ ہو یا دوسرے لوگ اس میں بھرے ہوئے ہوں اور وہ تمام نامناسب اسباب جن کی وجہ سے عورتیں اس مکان سے نکل جانے پر مجبور ہو جائیں۔

وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ باجماعِ علماء مطلقہ رجعیہ اپنے شوہر سے عدت کا خرچ لینے کی بھی مستحق ہے اور مسکن لینے کی بھی۔ اگر مکان شوہر کی مِلک ہو اور طلاق سے رجوع کرنا نہ چاہتا ہو تو عدت کے پورے زمانہ میں خود گھر سے نکل آنا اور مطلقہ کے لئے مکان خالی کر دینا واجب ہے اور اگر مکان کرایہ کا ہو تو کرایہ ادا کرنا شوہر کے ذمہ لازم ہے اور اگر مطلقہ بائنہ ہو خواہ خلع کرنے کی وجہ سے یا تین طلاقوں کی وجہ سے یا لعان کی وجہ سے یا کنائی الفاظ بولنے کی وجہ سے بہر حال مسکن دینا امام ابو حنیفہؒ اور اکثر علماء کے نزدیک ضروری ہے عورت حاملہ ہو یا نہ ہو۔ کیوں کہ آیت اَسْكِنُوْهُنَّ عام ہے لیکن حضرت ابن عباسؓ اور حسنؒ اور شعبیؒ کے نزدیک معتدہ بائنہ کو مسکن دینا شوہر پر لازم نہیں۔

کیا معتدہ بائنہ کو مصارفِ عدت دینا لازم ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ، حسنؒ اور شعبیؒ نے کہا نفقۂ عدت بائنہ کا لازم نہیں، ہاں اگر حاملہ ہو تو ضروری ہے۔

عطاءؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے کیونکہ اس آیت کا مفہوم شرطیہ یہی ہے اس کے علاوہ فاطمہ بنت قیس کا واقعہ ہے کہ ان کے شوہر ابو عمرو بن حفص نے جب کہ وہ شام کے سفر کو گئے تھے ان کو قطعی طلاق دے دی اور ان کے وکیل نے کچھ جو (بطورِ نفقہ) فاطمہ کو بھجوائے، فاطمہ کو غصہ آگیا (اور انہوں نے یہ حقیر نفقہ لینا پسند نہیں کیا) وکیل نے کہا واللہ تمہارا ہم پر کوئی حق نہیں ہے (یعنی تمہارا نفقہ عدت ہمارے مؤکل پر لازم نہیں ہے، فاطمہ یہ سن کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور واقعہ عرض کیا، حضور ﷺ نے فرمایا اس پر تیرا نفقۂ عدت لازم نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ امّ شریک کے گھر میں فاطمہ عدت کرے پھر فوراً یہ بھی فرمایا کہ امّ شریک کے گھر تو میرے صحابی جاتے رہتے ہیں تو ابن امّ مکتوم کے گھر عدت بسر کرلے وہ نابینا ہے تو وہاں اپنے کپڑے (چادر وغیرہ) اتار سکے گی جب عدت ختم ہو جائے تو مجھے اطلاع دینا۔ فاطمہ کا بیان ہے عدت سے آزاد ہونے کے بعد میں نے حضور ﷺ والا سے عرض کیا میرے پاس معاویہ بن ابو سفیان اور ابو جہم کے پیغام نکاح آئے ہیں (حضور ﷺ کا کیا حکم ہے، ارشاد فرمایا ابو جہم (کے کاندھے پر ہر وقت ڈنڈا رہتا ہے اس) کے کاندھے سے تو ڈنڈا نیچے آتا ہی نہیں اور معاویہ خود مفلس محتاج ہے (تیرا خرچ کہاں سے برداشت کرے گا اس لئے دونوں کو چھوڑ اور) اسامہ بن زید سے نکاح کرلے مجھے یہ بات پسند نہیں آئی۔ حضور ﷺ نے پھر مکرر فرمایا اسامہ سے نکاح کرلے۔ میں نے ان سے نکاح کر لیا اللہ نے اس نکاح میں ایسی برکت عطا فرمائی کہ مجھ پر رشک کیا جانے لگا۔ رواہ مسلم۔

مسلم کی ہی دوسری روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (فاطمہ سے) فرمایا تجھے نہ عدت کے خرچ کا استحقاق ہے نہ مسکن کا۔

مسلم کی ایک اور روایت میں آیا ہے کہ ابن مغیرہ، حضرت علی بن ابی طالب کے ساتھ کہیں (سفر پر) نکلے (سفر کی حالت میں ہی) ابن مغیرہ نے اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس کو ایک طلاق کہلا بھیجی یہ طلاق گزشتہ طلاقوں کا تتمہ تھی (یعنی دو طلاقیں پہلے دے چکے تھے یہ تیسری طلاق تھی۔ جس روایت میں تین طلاقیں بھیجنے کا ذکر آیا ہے اس سے مراد بھی یہی ہے کہ یہ تیسری طلاق تھی جو گزشتہ دو طلاقوں کا تتمہ تھی۔ حارث بن ہشام اور عباس بن ربیعہ نے کچھ (معمولی حقیر) نفقہ فاطمہ کو بھیجا، فاطمہ کو بڑی ناگوار ہوئی اور غصہ آیا، بھیجنے والوں نے کہا خدا کی قسم تجھے کسی نفقہ کا استحقاق نہیں، ہاں اگر تو حاملہ ہو تو (نفقہ کا استحقاق ہو گا، فاطمہ نے اس بات کا ذکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کیا، حضور ﷺ نے فرمایا تیرے لئے نفقہ کا (استحقاق) نہیں ہے۔

مسلم کی ایک اور روایت میں آیا ہے کہ ابو حفص بن مغیرہ نے اس کو تین طلاق دے دیں اور یمن کو چلے گئے ابو حفص کے گھر والوں نے فاطمہ سے کہا ہم پر تیرا نفقہ لازم نہیں ہے چنانچہ خالد بن ولید چند آدمیوں کو ساتھ لے کر امّ المؤمنین

حضرت میمونہؓ کے گھر حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ الحدیث۔

امام ابو حنیفہؒ نے کہا مطلقہ حاملہ ہو یا نہ ہو اس کی عدت کا خرچ شوہر پر لازم ہے اور اس قول کا ثبوت اسی آیت سے ہو رہا ہے کیونکہ مِّنْ وُّجْدِ کا تعلق ایک محذوف فعل سے ہے۔ پورا کلام اس طرح تھا، وَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ مِّنْ وُّجْدِكُمْ (اپنی وسعت کے بموجب عورتوں کو نفقہ عدت دو۔ کیونکہ مسکن کی کیفیت اور نوعیت تو مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ الخ میں بیان کر دی گئی ہے پھر اگر مِّنْ وُّجْدِكُمْ کا تعلق اَسْكِنُوْهُنَّ سے مانا جائے گا تو کوئی فائدہ نہیں۔

حضرت ابن مسعود کی قرأت میں اَنْفِقُوْهُنَّ عَلَيْهِنَّ کا لفظ آیا بھی ہے جو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قابل استدلال ہے، کسی حکم کا مفہوم (مخالف) قابلِ استدلال نہیں اور یہ بات کہ اولاتِ حمل کے لئے انفاق کا حکم دیا گیا (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حاملہ نہ ہوں تو انکا نفقہ لازم نہیں) تو یہ محض تاکید کے لئے شرط لگائی گئی ہے اور اس خیال کو دفع کرنا مقصود ہے کہ شاید معتدہ حاملہ کے لئے نفقہ لازم نہ ہو کیونکہ حمل کی مدت طویل ہو سکتی ہے جس کی وجہ سے عدت کی مدت طویل ہو جائے گی اور تین ماہ یا تین حیض کا گذر جانا کافی نہیں ہو گا۔

حضرت فاطمہ کی حدیث اگرچہ صحیح سند سے آئی ہے لیکن شاذ ہے قابلِ قبول نہیں، سلف نے اس کو قبول نہیں کیا اس کے علاوہ معارض و مضطرب بھی ہے اضطراب تو یہ ہے کہ بعض روایات میں آیا ہے طَلَّقَهَا وَهُوَ غَائِبٌ اور دوسری روایت میں آیا ہے طَلَّقَهَا ثُمَّ سَافَرَ۔ تیسری روایت میں ہے ذہبت الی رسول اللہ ﷺ سألتہٗ ایک روایت میں ہے ان خالد بن ولید ذہب فی سفر فسألوہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ایک روایت میں شوہر کا نام ابو عمرو بن حفص آیا ہے دوسری روایت میں ابو حفص بن مغیرہ کہا گیا ہے۔

اکابرِ صحابہؓ کی عادت نہیں تھی کہ کسی حدیث پر اس وجہ سے طعن کرتے کہ اس کی راویہ کوئی عورت ہے یا کوئی اعرابی راوی ہے۔

دیکھو حضرت ابو سعید کی بہن حضرت فریعہ بنت مالک کی روایت میں بیوہ کے لئے شوہر کے مکان میں عدت گزارنے کی حدیث منقول ہے اور صحابہؓ نے اس حدیث کو معتبر قرار دیا ہے باوجودیکہ فریعہ معروف عورت نہیں صرف اسی حدیث کی وجہ سے انکا نام ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کے برخلاف فاطمہ بنت قیس کی روایت کو قابلِ وُثوق نہیں قرار دیا گیا۔

حضرت عمرؓ نے تنہا ضحاک بن سفیان کلابی کی خبر کا اعتبار کیا حالانکہ ضحاک اعرابی تھے سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے فاطمہ بنت قیس کی روایت کو قبول نہیں کیا۔

مسلم نے صحیح میں لکھا ہے کہ ابو اسحاق نے کہا اسود بن زید کے ساتھ بڑی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا۔ ہمارے ساتھ شعبی بھی تھے۔ شعبی نے فاطمہ بنت قیس کی روایت نقل کی کہ فاطمہ نے بیان کیا کہ میرے لئے رسول اللہ ﷺ نے نہ جائے سکونت کا حق منظور فرمایا، نہ عدت کا خرچ۔ اسود نے جونہی شعبی کی روایت کردہ یہ حدیث سنی فوراً مٹھی بھر کنکریاں اٹھا کر شعبی کے منہ پر ماریں اور کہا ایسی حدیث بیان کرتے ہو جس کے متعلق حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا، ہم اپنے رب کی کتاب اور رسول کی سنت کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے ترک نہیں کر سکتے۔ اس کو یاد بھی رہا یا (رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کو) بھول گئی۔ بلاشبہ اس کے لئے حقِ سکونت بھی ہے اور مصارفِ عدت بھی۔ اللہ نے صراحت کر دی ہے اور فرمایا دیا ہے: لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ۔

حضرت عمرؓ نے حضرت فاطمہ کی حدیث کو رد کر دیا اور فرما دیا کہ حسبِ فرمان رسول اللہ ﷺ اس کے لئے حقِ سکونت بھی ہے اور نفقہ بھی۔

اگر کوئی معمولی صحابی بھی کسی عمل کے متعلق کہے کہ یہ سنت ہے تو وہ بھی قابلِ قبول ہے۔ حضرت عمرؓ کا ذکر ہی کیا آپ تو ماہرِ سُنن و شرائع تھے۔

طحاوی اور دار قطنی کی روایت میں لفظ سمعت رسول اللہ ﷺ یقول للمطلقہ ثلثًا النفقہ والسکنٰی آیا ہے یہ روایت صریحاً مرفوع ہے اور حدیث فاطمہ کے صریحی خلاف ہے۔

سعید بن منصور نے بروایت معاویہ بحوالۂ اعمش از ابراہیم بیان کیا کہ حضرت عمرؓ کے سامنے جب حدیثِ فاطمہ کاذکر کیا گیا تو فرمایا ایک عورت کی شہادت سے ہم اپنے دین میں تغیّر نہیں کر سکتے۔ حضرت عمرؓ کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کے نزدیک تین طلاقوں والی عورت کے لئے استحقاقِ نفقۂ عدت و مسکن مشہور تھا (کوئی اس کا مخالف نہیں تھا)

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے پاس عورتیں بکثرت آتی تھیں اور آپ ﷺ کی وساطت سے رسول اللہ ﷺ سے مسائل دریافت کرتی تھیں اس لئے آپ کو عورتوں کے حالات سے بہت زیادہ واقفیت تھی۔ حدیثِ فاطمہ کی آپ ﷺ نے بھی تردید کی تھی۔

شیخین نے صحیحین میں تردید کیا ہے کہ حضرت عروہ نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا دیکھئے حکم کی فلاں بیٹی کو اس کے شوہر نے قطعی طلاق دیدی اور وہ اپنے گھر چلی گئی ام المؤمنینؓ نے فرمایا اس نے برا کیا، عروہ نے کہا آپ نے فاطمہ کا قول نہیں سنا (کہ مطلقہ قطعیہ کے لئے استحقاقِ مسکن نہیں ہے) فرمایا فاطمہؓ کے لئے اس بات کاذکر کرنے میں کوئی اچھائی نہیں ہے۔

بخاری نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فاطمہ سے کہا تم کو یہ کہنے میں اللہ کا خوف نہیں ہوتا کہ (مطلقہ قطعیہ کے لئے) نہ حقِ سکونت ہے نہ عدت کے مصارف۔

حضرت اسامہ بن زید جو رسول اللہ ﷺ کے محبوب تھے انہوں نے بھی فاطمہ کے قول کی تردید کی تھی۔ عبداللہ بن صالح نے کہا مجھ سے لیث بن سعد نے بیان کیا اور لیث سے جعفر نے اور جعفر سے حضرت ابو ہریرہ نے اور حضرت ابو ہریرہ سے ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن نے اور ابو سلمہ سے محمد بن اسامہ نے کہ فاطمہ حضرت اسامہ کے سامنے اس بات کا یعنی مطلقہ کے لئے انتقالِ سکونت کا کچھ ذکر کرتی تھیں تو اسامہ کے ہاتھ میں اس وقت جو کچھ ہوتا تھا فاطمہ کے پھینک مارتے تھے۔ حضرت اسامہ نے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے فاطمہ سے نکاح کر لیا تھا آپ فاطمہ کے حالات سے خوف واقف تھے اس کے باوجود جو آپ فاطمہ کے اس بیان کی اتنی شدّت سے مخالفت کرتے تھے تو اس کی وجہ صرف یہی ہو سکتی ہے کہ آپ فاطمہ کے بیان کو غلط جانتے تھے یا فاطمہ کے لئے انتقالِ مسکن کے جواز کو کسی خاص سبب کے زیرِ اثر خیال کرتے تھے مثلاً چوری کا یا وہاں رہنے سے کسی اور بات کا خصوصی اندیشہ ہوگا (اس لئے فاطمہ کو انتقالِ مکانی کا حکم دیا گیا)

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ لیث نے بروایتِ عقیل از ابن اشہاب از ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا کہ فاطمہ نے ختمِ عدت سے پہلے (رسول اللہ ﷺ کے حکم سے) شوہر کے مکان سے منتقل ہونے کا ذکر کیا تو لوگوں نے فاطمہ کے بیان کو تسلیم نہیں کیا۔

مسلم نے صحیح میں بیان کیا ہے کہ قبیصہ بن ابی ذؤیب نے فاطمہ سے جا کر عدمِ سکنٰی والی حدیث دریافت کی فاطمہ نے بیان کر دی اس پر مروان نے کہا آپ نے یہ حدیث صرف ایک عورت سے سنی ہے، ہم ایک عورت کے کہنے پر اس عصمت کو نہیں چھوڑ سکتے جس پر ہم نے لوگوں کو پایا ہے۔ ابن ہمام نے کہا وہ دورِ صحابہ کا تھا، لوگوں سے مراد صحابہ ہی تھے گویا مروان کی مراد اجماعِ صحابہ ہے اسی لئے عصمت کا لفظ استعمال کیا (کیونکہ اجماعِ صحابہ معصوم ہے، غلط فیصلہ پر اجماعِ صحابہ نہیں ہو سکتا۔

ابن ہمام نے کہا حضرت زید بن ثابت نے بھی فاطمہ کی روایت کو تسلیم نہیں کیا اور تابعین میں سے ابن مسیب، شریح، شعبی، حسن اور اسود بن یزید نے اور تبع تابعین میں سے ثوری اور احمد بن حنبل اور بکثرت علماء نے اس کو رد کیا ہے، قبول نہیں کیا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث شاذ ہے، رہا اس حدیث کا دوسری حدیثوں سے تعارض تو ایک حدیث وہی ہے جو حضرت عمرؓ نے مرفوعاً بیان کی ہے (جو اوپر ذکر کر دی گئی ہے)

دوسری حدیث طبرانی نے معجم میں بیان کی ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت عمرؓ نے فرمایا، مطلقہ ثلاث (تین طلاق

دی ہوئی عورت) کے لئے استحقاق مسکن بھی ہے اور مصارف عدت بھی۔
دار قطنی نے حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مطلقہ ثلث کے لئے مسکن کا استحقاق بھی ہے اور نفقۂ عدت کا بھی۔ ابن معین کے نزدیک اس حدیث کو مرفوع قرار دینا ضعیف ہے ابن معین نے فرمایا اس روایت کو حضرت جابر پر موقوف قرار دینا زیادہ مناسب ہے۔

فائدہ

حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت کو اگر صحیح مان لیا جائے تب بھی اس کی توجیہ اس طرح کی جاسکتی ہے کہ فاطمہ تیز زبان عورت تھیں شوہر کے بھائیوں سے دراز زبانی کرتی تھیں اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم دے دیا تھا کہ اپنے مسکن سے باہر چلی جائیں (اور عدت کہیں باہر گزاریں)۔
قاضی اسماعیل نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فاطمہ سے فرمایا تم کو اس زبان ہی نے (اصل مسکن) سے باہر نکالا۔
سعید بن مسیب نے فرمایا وہ یعنی فاطمہ بنت قیس نے لوگوں کو فتنہ میں ڈال دیا تھا۔ بڑی زبان دراز تھیں۔ رواہ ابوداؤد۔
سلیمان بن یسار نے کہا فاطمہ کا اپنے گھر سے نکلنا بد اخلاقی (یعنی تیز زبانی اور بد کلامی کی وجہ سے ہوا تھا) رواہ ابوداؤد۔
مصارف عدت مقرر نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ فاطمہ کا شوہر غائب تھا (وطن میں موجود نہیں تھا سفر میں تھا اور سوائے اس مقدار جو کے جو فاطمہ کو شوہر کے رشتہ داروں نے بھیجے تھے اور کوئی مال کسی کے پاس اس کے شوہر کا نہیں تھا۔ فاطمہ نے مسلمانوں کے دستور کے مطابق (کہ مطلقہ ثلاث کو نفقۂ عدت دینا لازم ہے، شوہر کے گھر والوں سے مطالبہ کیا کیونکہ شوہر یمن کو چلا گیا تھا اور وہیں سے اس نے طلاق بھیج دی تھی، اس لئے عورت نے اپنے نفقہ کا مطالبہ شوہر کے گھر والوں سے کیا شوہر کے گھر والوں نے کہا، تیرے مصارف عدت کی ذمہ داری ہم پر عائد نہیں ہوتی، غالباً اسی وجہ سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ تیرے لئے نہ نفقہ ہے نہ جائے سکونت، کیونکہ شوہر نے کسی کے پاس کوئی مال نہیں چھوڑا تھا، اور شوہر کے گھر والوں پر اداء نفقہ واجب نہیں تھا۔ فاطمہ رسول اللہ ﷺ کی فرمان کا مطلب نہیں سمجھیں، اور خیال کیا کہ مطلقہ ثلاث کو نہ نفقۂ عدت کا استحقاق ہوتا ہے نہ جائے سکونت کا۔
صحابہؓ نے اسی بات کا انکار کیا (اور اس مطلب کو تسلیم نہیں کیا)
مسئلہ: بیوہ حاملہ ہو یا نہ ہو اس کے مصارف عدت باتفاق علماء واجب نہیں۔ لیکن ایام عدت گزرنے کے لئے مسکن ضروری ہے یا نہیں اس امر میں علماء کا اختلاف ہے۔ شافعی کے دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ مسکن کا اس کو حق نہیں جہاں چاہے ایام عدت میں رہے۔ حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت علیؓ کا یہی قول ہے۔ حسن نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ جمہور کا قول ہے کہ اس کو استحاق مسکن ہے۔ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص کا یہی قول ہے۔ امام مالکؒ، سفیان (بن عیینہ) ثوری، امام احمد، اور اسحاق نے اسی کو پسند کیا ہے۔
میں کہتا ہوں امام ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے لیکن امام نے اس کی توضیح اور تفصیل اس طرح کی ہے کہ اگر میت کے مکان کا بیوہ کا حصہ اتنا نہ ہو کہ وہ وہاں رہ کر عدت گزار سکے اور دوسرے ورثہ اسکو اپنے میراثی حصوں میں رہنے کی اجازت نہ دیں اور نکالنے کے درپے ہوں تو وہاں سے منتقل ہو جائے کیونکہ یہ انتقال بعذر ہو گا اور شرعی عذر عبادات میں اثر انداز ہوتا ہے یہ عذر ایسا ہی قابل قبول ہو گا جیسا مکان کے گرنے کا اندیشہ عذر مؤثر ہوتا ہے یا کرایہ کا مکان ہو اور بیوہ کرایہ دینے کی طاقت نہ رکھتی ہو۔
منتقل ہونے کے بعد جہاں ٹھیرے پھر وہاں سے نہ نکلے۔ جمہور کی دلیل حضرت ابو سعید خدری کی بہن فریعہ بنت بن سنان والی حدیث ہے جس کا تذکرہ ہم نے سورۂ بقرہ کی آیت وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ کی تفسیر میں کر دیا ہے۔

فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۚ وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوفٍ ۚ

پھر اگر وہ (مطلقہ) عورتیں (وضع حمل یا تکمیلِ عدت کے بعد) تمہارے شیر خوار بچوں کو تمہارے کہنے سے دودھ پلائیں توان کی مقررہ اُجرت دودھ پلانے کے عوض دے دو اور اجرت کی بابت باہم مناسب طور پر مشورہ کرلیا کرو۔

فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ہم نے سورۂ بقرہ میں بیان کردیا ہے کہ بچہ کو دودھ پلانا اس کی ماں پر واجب ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ اور مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلائیں اس بناء پر اگر کسی کی بیوی یا وہ مطلقہ جو اپنے بچے کو دودھ پلانے کی اجرت لیتی ہو تو جائز نہیں۔ فعلِ واجب کے ادا کرنے کی اجرت لینا ناجائز ہے۔ اسی طرح مطلقہ عورت ختم عدت کے بعد اگر اپنے بچہ کو دودھ پلانے کی اجرت طلب کرتی ہے تو جائز نہیں کیونکہ وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ کا حکم عام ہے لیکن فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ میں عطاءِ اجرت کا حکم چاہتا ہے کہ ماں پر بچہ کو دودھ پلانا اس شرط کے ساتھ واجب ہے کہ بچہ کا باپ بچہ کی ماں کے نفقہ کا کفیل ہو۔ اللہ نے فرمایا ہے وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ زوجیت کی حالت میں طلاق کے بعد عدت کے زمانہ میں تو مرد عورت کے نفقہ کا ذمہ دار ہوتا ہی ہے۔ عدت کے بعد مرد پر عورت کے مصارف کی ذمہ داری نہیں ہوتی، ایسی حالت میں عورت بچہ کو دودھ پلانے کی اجرت لے سکتی ہے۔

وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ یہ خطاب زوجین کو ہے۔ یعنی دونوں فریق مناسب طور پر اچھے طریقہ سے اجرت کا لین دین باہم مشورہ سے کرلیں۔ ایک دوسرے کو ضرر پہنچانے کا خواستگار نہ ہو۔

امام شافعیؒ نے وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ کا ترجمہ کیا اور باہم مشورہ کرلو۔ مقاتل نے کہا معیّن اجرت پر فریقین کی رضامندی ہے۔

بیضاوی نے یہ معنی بیان کئے کہ ایک دوسرے کو دودھ پلانے میں اور اجرت (کی تعیین اور ادا میں) حسنِ سلوک کا مشورہ دیں۔

وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗ اُخْرٰى ۝ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝ ع ۱/۱۷

اور اگر تم باہم کشمکش کرو گے تو کوئی دوسری عورت دودھ پلادے گی وسعت والے کو اپنی وسعت کے موافق (بچہ پر) خرچ کرنا چاہئے اور جس کی آمدنی کم ہو اس کو چاہئے کہ اللہ نے جتنا اس کو دیا ہے اس میں سے (بیوی بچہ پر) خرچ کرے خدا کسی شخص کو اس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جتنا اس کو دیا ہے۔ اللہ جلدی تنگی کے بعد فراغت بھی دے دے گا۔

وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ والدین کو خطاب ہے یعنی اگر بچہ کو دودھ پلانا ماں کے لئے بہت دُشوار ہو اور وہ دودھ پلانے سے انکار کر دے تو بچہ کا باپ بچہ کی ماں پر جبر نہیں کرسکتا، ماں کو معذور قرار دیا جائے گا ماں بچہ پر انتہائی شفقت کرتی ہے، اتنی محبت کے باوجود جب وہ دودھ پلانے سے انکار کرتی ہے تو سمجھا جائے گا کہ واقع میں وہ معذور و مجبور ہے۔ ایسی صورت میں اگر عورت نے بہانہ کیا ہوگا اور واقع میں وہ معذور و عاجز نہ ہو تو گناہ گار ہوگی۔

اگر باپ پر بچہ کی ماں کو اجرت پر دودھ پلوانا دشوار ہو اور وہ تنگدست ہو اور بلا اجرت یا کم اجرت پر کوئی دوسری عورت دودھ پلانے پر تیار ہو تو غیر عورت سے دودھ پلوایا جائے باپ کو مجبور نہ کیا جائے کہ وہ اجرت مثل بچہ کی ماں کو دے کر اسی سے دودھ پلوائے۔ امام ابوحنیفہؒ کا یہی فیصلہ ہے۔ ایک روایت میں امام مالکؒ کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی گئی ہے۔ ایک قول امام شافعیؒ کا بھی یہی ہے۔

امام احمدؒ نے فرمایا صورت مذکورہ میں مرد کو مجبور کیا جائے گا کہ بچہ کی ماں سے ہی دودھ پلوائے اور اس کو اجرتِ مثل ادا کرے خواہ کوئی دوسری عورت بلا اجرت یا اجرتِ مثل سے کم اجرت پر دودھ پلانے کے لئے تیار ہو، ایک روایت میں امام مالک کا بھی یہی قول آیا ہے اور یہی امام شافعی کا دوسرا قول ہے۔

امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰی میں صراحت کر دی گئی ہے کہ صورتِ مذکورہ میں کوئی دوسری عورت دودھ پلائے گی (یعنی دودھ پلائے) یہ ماں پر عتاب ہے کہ باپ کی دشواری اور تنگ دستی کی حالت میں بھی وہ اجرتِ مثل کی طلب گار ہے۔

مسئلہ: صورتِ مذکورہ میں غیر عورت سے دودھ پلوانے کی شرط یہ ہے کہ وہ بچہ کی ماں کے پاس دودھ پلائے۔ بشرطیکہ بچہ کی ماں نے کسی اور شوہر سے نکاح نہ کیا ہو جو بچہ کے لئے نامحرم ہو کیونکہ حقِ حضانت بہر حال ماں کو حاصل ہے حضرت عمرو بن شعیب کے دادا کی روایت ہے کہ ایک عورت نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ یہ میرا بچہ ہے، میرا پیٹ اس کا برتن ہے میری چھاتی اس کی پیاس بجھانے کے لئے مشکیزہ ہے اور میری گود اس کی محافظ ہے اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی اور وہ اس کو بھی مجھ سے چھیننا چاہتا ہے حضور ﷺ نے فرمایا جب تک تو نکاح نہیں کرے گی تو اس کی زیادہ مستحق ہے۔ رواہ ابو داؤد والحاکم۔ حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

مؤطاء مالکؒ میں مذکور ہے کہ قاسم بن محمد نے کہا حضرت عمر کے نکاح میں ایک انصاری عورت تھی جس کے بطن سے عاصم بن عمر پیدا ہو کر قباؔ کی طرف جا رہے تھے آپ نے دیکھا کہ وہ بچہ مسجد کے صحن میں کھیل رہا ہے فوراً اس کا بازو پکڑا اور اپنے آگے گھوڑے پر سوار کر کے لانے لگے، بچہ کی نانی نے دیکھ لیا اور بچہ کو چھیننے لگی، غرض دونوں حضرت ابو بکرؓ (خلیفۂ اول) کے پاس پہنچے حضرت ابو بکر نے فرمایا بچہ کو عورت کو دے دو تم مداخلت مت کرو حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو کوئی جواب نہیں دیا (اور فیصلہ کی تعمیل کر دی) کذا روی عبد الرزاق۔

ابن ابی شیبہ کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا اس کا بچہ پر ہاتھ پھیرنا اور عورت کی گود اس کی خوشبو (بچہ کے لئے) تم سے زیادہ بہتر ہے یہاں تک کہ بچہ جوان ہو جائے۔ جوان ہونے کے بعد بچہ کو اختیار ہے کہ ماں کے پاس رہے یا باپ کے پاس۔

مسئلہ: اگر ماں دودھ پلانے کا معاوضہ اتنا ہی طلب کرے جتنا کوئی دوسری عورت چاہتی ہے تو اجماعی فیصلہ ہے کہ ماں کو چھوڑ کر دوسری عورت سے دودھ پلوانا جائز نہیں۔

مِّنْ سَعَتِهٖ یعنی اپنی وسعت کے موافق۔

مسئلہ: غیر مطلقہ بیبیوں کا اور مطلقہ کا نفقہ (اور عدت کا خرچ) کتنا ہونا چاہئے کیا شرعاً اس کی کوئی مقدار معین ہے یا اس کی کمی بیشی زوجین کے حال پر موقوف ہے یا صرف مرد کی (وسعت و تنگ دستی پر نفقہ کی زیادتی و کمی مبنی ہے۔

امام مالک اور امام احمدؒ نے فرمایا اور امام ابو حنیفہ کا بھی ایک روایت میں یہی قول آیا ہے اور اسی کو صاحب ہدایہ نے پسند کیا ہے کہ شرعاً کوئی مقدارِ نفقہ مقرر نہیں بلکہ مرد اور عورت کی حالت پر اس کی کمی بیشی موقوف ہے اور محض اجتہاد (تجویز حاکم) پر مبنی ہے اگر دونوں خوشحال ہیں تو مطابقِ حال مقدارِ نفقہ زیادہ ہونا چاہئے اور دونوں تنگ دست (اور نادار) ہیں تو کم سے کم جتنی مقدار کافی ہو جائے اتنی دی جائے گی اور قاضی نے تنگ دستی کے باوجود اگر متوسط مقدارِ نفقہ تجویز کی ہو یا دونوں متوسط پر متفق ہو گئے تو کم سے کم دینے کے بعد باقی مقدار بذمۂ مرد واجب رہے گی، آیت زیرِ تشریح سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مرد کی مالداری اور ناداری ملحوظ رہنی چاہئے اسی کے مطابق مقدارِ نفقہ کی تعیین کی جائے، عورت کی تنگ دستی اور فراخ دستی تعینِ مقدار میں کوئی دخل نہیں ہے۔

عورت نادار ہو اور مرد مالدار تو نفقہ زیادہ تجویز کیا جائے گا لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ کا یہی مفہوم ہے اور اگر مرد نادار اور تنگ دست ہو تو جیسی اس کی حالت ہو اسی کے موافق یعنی جتنا وہ ادا کر سکتا ہو نفقہ مقرر کیا جائے گا اور اس سے آگے کچھ اس کے ذمہ باقی نہیں رہے گا خواہ عورت مالدار ہو یا تنگ حال کیوں کہ اللہ نے فرمایا ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا (بس جتنی وسعت ہو اتنا نفقہ دیا جائے) اس سے زیادہ واجب نہیں۔ ظاہر روایت

میں امام ابو حنیفہؒ کا یہی قول آیا ہے۔

ابن ہمام نے لکھا ہے ظاہر روایت کے بموجب یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شوہر تنگ دست اور بیوی خوشحال ہو تو تنگ دستی کے بموجب عورت کا نفقہ ہو گا کیونکہ خوشحال عورت نے جب تنگ دست مرد سے برضامندی نکاح کر لیا ہو تو یہی سمجھا جائے گا کہ وہ نفقہ کی تنگی پر رضامند ہے اور اگر مرد خوشحال ہے اور عورت تنگ دست تو عورت کو مرد کی حالت کے موافق فراخی کے ساتھ خرچ کر دیا جائے گا۔

شوہر کی حالت کو نفقہ میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے اس کا ثبوت (مذکورہ) آیتِ قرآنی سے ہو رہا ہے۔ رہا عورت کی حالت کو ملحوظ رکھنا تو اس کا ثبوت حضرت عائشہؓ کی روایت سے ہوتا ہے (آیتِ قرانی سے نہیں ہوتا) حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ ہندہ بنت عتبہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ (میرا شوہر ابو سفیان بڑا کنجوس آدمی ہے مجھے اتنا خرچ نہیں دیتا جو میرے اور میرے بچوں کے لئے کافی ہو جائے میں اس کے مال میں سے اتنا لے لیتی ہوں جس کا اس کو علم بھی نہیں ہوتا، حضور ﷺ نے اتنا لے لیا کر جو تیرے اور تیرے بچوں کے لئے حسبِ معمول کافی ہو۔ متفق علیہ۔

ایک شبہ

یہ حدیث آحاد ہے اور قرآن سے جو حکم ثابت ہے وہ قطعی ہے اور حدیث آحاد سے حکم قطعی کا بدلنا جائز نہیں۔

جواب

صاحبِ ہدایہؒ نے اس شبہ کا ازالہ اسطرح کیا ہے کہ ہم (نصِ قرآنی کو حدیث سے نہیں بدلتے بلکہ) ہمارا قول کے بموجب ہے قرآن نے مرد کو خطاب کر کے بقدرِ وسعت ادا کرنے کا حکم دیا اور (مالدار خوشحال عورت اگر مستحق زائد نفقہ کی ہے تو) باقی بذمۂ مرد واجب رہے گا۔ مفاد عبارتِ قرآنی یہی ہے کہ نفقہ دینے میں مرد کی حالت کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ ہم کہتے ہیں یہ بات اپنی جگہ درست ہے لیکن اس سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ عورت کی حالت کا اعتبار نہ کیا جائے اور مرد کی حالت کے موافق نفقہ دیا جائے اور اس سے زائد مرد کے ذمّے کچھ باقی نہ رہے۔ قرآن مجید نے مرد کو کم یا زیادہ نفقہ کا ذمّہ دار قرار دیا ہے اور حدیث نے عورت کے حال کے بموجب نفقہ کو واجب کہا ہے۔ لیکن مرد کے تنگ دست اور عورت کے خوش حال ہونے کی صورت میں نفقہ کی ادائیگی مرد کے حال کے موافق ہو گی اور باقی مرد کے ذمّے رہے گا۔

اس طرح عورت کے حق کی نفی نہیں ہو گی اور مرد وسعت سے زائد نفقہ دینے کا مکلف نہیں قرار پائے گا۔

یہ جواب قابلِ اعتراض ہے، رسول اللہ ﷺ واقف تھے کہ ابو سفیان مالدار آدمی ہے اس لئے آپ نے اس کی صراحت نہیں فرمائی اور عورت کو بقدرِ کفایت لینے کی اجازت دے دی پھر عورت کے لحاظ کو قابلِ لحاظ قرار نہیں دیا کیونکہ قدرِ کفایت کے درجات مختلف ہیں، مقدارِ کفایت محدود نہیں۔ اس کے علاوہ حدیث میں جو "بالمعروف" کا لفظ آیا ہے اس سے ابو سفیان کی حالت کے اعتبار کی طرف اشارہ ہے، ابو سفیان کے مال میں سے بقدرِ کفایت لے لینا اسی وقت ممکن تھا جب ابو سفیان مالدار ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو سفیان کے پاس مال تھا مگر کنجوسی کی وجہ سے بقدر کفایت نہیں دیتے تھے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک نفقہ کی مقدار شرعی ہے (اجتہاد، قاضی اور اختلافِ حالات کے تابع نہیں ہے مرد کا حال ہی ملحوظ رکھا جائے گا۔ آیت میں اسی کی صراحت ہے مالدار ہو تو دو مُد (دو سیر) تنگ دست ہو تو ایک مُد اور درمیانی حالت ہو تو ڈیڑھ مد (غلہ) دیا جائے گا۔ یہ مقدار یومیہ ہے۔ آیت میں امام شافعی کے اس قول کی کوئی دلیل نہیں ہے نہ یہ مقدارِ نفقہ آیت میں مذکور ہے۔

مسئلہ: اگر عورت خدمت گار کی ضرورت مند ہے تو مالدار مرد پر خدمت کے لئے کسی خادم کا مقرر کرنا لازم ہے۔ امام محمدؒ نے فرمایا تنگدست شخص پر بھی خادم کا نفقہ واجب ہے (یعنی اگر بیوی ضرورت مند ہے تو اس کے لئے خادم فراہم کرنا اور

خادم کی خدمت کا معاوضہ دینا مرد پر لازم ہے مرد فراخدست ہو یا نہ ہو)
اگر عورت کو ایک سے زیادہ خادموں کی ضرورت ہو تو کیا کیا جائے۔ امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک صرف ایک خادم دینا مرد پر واجب ہے (ایک سے زیادہ خدام کی فراہمی اور نفقہ واجب نہیں)
امام مالکؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ دو یا تین خادموں کی عورت کو ضرورت ہو تو مرد پر ان کا نفقہ لازم ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا زیادہ سے زیادہ خادموں کا نفقہ دینا واجب ہے ایک خادم گھر کے اندر کا کام کرنے کیلئے اور ایک خادم باہر کے کام کیلئے۔
اس سے اگلی آیت میں اللہ نے تنگدست مَردوں کی دل جوئی کے لئے فراخدست اور خوشحال بنانے کا وعدہ فرمایا اور ارشاد فرمایا۔

سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا یعنی جلد یا بدیر اللہ تنگی کے بعد فراخی عطا فرمادے گا۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ⑧ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ⑨ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ

اور بہت سی ایسی بستیاں تھیں جنہوں نے اپنے رب کے حکم اور اللہ کے پیغمبروں سے سرتابی کی ہو ہم نے ان کے اعمال کا سخت محاسبہ کیا اور ان کو بڑی بھاری سخت سزا دی (یعنی تباہ کر دیا) غرض انہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھا اور ان کا انجام کار خسارہ ہی ہوا۔ اور آخرت میں اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار رکھا ہے۔
وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ سے مراد ہیں قریہ والے یعنی قریہ میں رہنے والے۔ مضاف محذوف ہے اسی طرح بعد والے فقروں میں جو ضمیریں استعمال کی ہیں ان سے مراد بھی بستیوں والے ہیں یعنی بہت سی بستیوں کے باشندوں نے سرکشی اور اپنے رب کے حکم سے اور پیغمبروں کی ہدایت سے سرتابی کی تو ہم نے سخت محاسبہ کیا، ان کے عمل سے درگذر نہیں کی۔ دنیا میں ان کے اعمال کا محاسبہ کیا اور سخت سزا دی، یا حَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا سے یہ مراد ہے کہ ہم نے ان کے اعمال ناموں میں ہر عمل کا اندراج کر دیا کوئی عمل بغیر اندراج نہیں چھوڑا۔
عَذَابًا نُّكْرًا بہت ہی بُری سزا یعنی بھوک، قحط، قتل، قید اور تباہی وغیرہ۔
وَبَالَ اَمْرِهَا یعنی ان کے کفر و معاصی کی دنیا میں سزا۔
وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا یعنی قبر اور آخرت میں ان کی سزا سراسر گھاٹا اور خسارہ ہی ہوگا بجائے جنت کے دوزخ ان کا ٹھکانا ہوگا۔
مقاتل نے آیتِ مذکورہ کی یہی تفسیر کی ہے بعض اہلِ تفسیر نے لکھا ہے آیت کے الفاظ میں کچھ تقدیم و تاخیر ہے اصل عبارت اس طرح تھی ہم نے دنیا میں ان کی بھوک، قحط اور طرح طرح کے مصائب میں گرفتار کیا اور آخرت میں ان کی حساب فہمی سختی کے ساتھ کریں گے اور انجام کار ان کو خسارہ ہی ہوگا۔ اکثر مفسّرین کے نزدیک سب جگہ آخرت کا حساب اور عذاب ہی مراد ہے۔ ماضی کے صیغے اس لئے استعمال کیے کہ یہ حساب و عذاب یقیناً ہوگا اس کا ہونا اتنا قطعی و یقینی کہ گویا ہو گیا۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ ۚۖ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۙ ⑩ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ⑪ مع

سو اے سمجھدار لوگو جو ایمان لائے اللہ سے ڈرو۔ خدا نے تمہارے پاس ایک نصیحت نامہ بھیجا (اور وہ نصیحت نامہ دے کر) ایک ایسا رسول بھیجا جو تم کو اللہ کے صاف صاف احکام پڑھ پڑھ کر سناتا ہے تاکہ ایسے لوگوں کو جو ایمان لائیں اور اچھے عمل کریں (کفر و جہل کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان و عمل و علم کی) روشنی کی طرف لے آئیں اور آگے جو شخص اللہ پر

ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا خدا اس کو جنت کے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے بلاشبہ اللہ نے ان کو (بہت اچھی) روزی دی ہے۔

یٰاُولِی الْاَلْبَابِ اَلَّذِیْنَ الذین اولی الالباب سے بدل ہے یا صفتِ موضحہ ہے، عقل مندی کا تقاضا ایمان ہے۔

ذِكْرًا یعنی قرآن اللہ نے اتارا۔

رَسُوْلًا اور رسول کو تمہارے پاس بھیجا۔ رَسُوْلًا سے پہلے فعل محذوف ہے اور رَسُوْلًا مفعول بہ ہے یعنی اَرْسَلَ رَسُوْلًا یا رَسُوْلًا مفعول مطلق ہے اس صورت میں رسول بمعنی رسالت ہوگا یعنی مصدر ہوگا۔ بعض اہلِ علم کا قول ہے کہ ذکر سے مراد جبرئیلؑ ہیں۔ وجہ تسمیہ متعدد ہو سکتی ہیں)۔

(۱) کثرتِ ذکر (۲) جبرئیلؑ ذکر یعنی قرآن کو لے کر اترے (۳) جبرئیل کا ذکر آسمانوں پر ہوتا ہے (۴) ذکر کا معنی ہے شرف اور مرتبہ۔ جبرئیلؑ بڑے شرف والے اور صاحبِ عزت ہیں۔ اس صورت میں ذِكْرًا سے پہلے لفظ ذَا محذوف مانا جائے گا یعنی اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْكُمْ ذَا ذِكْرٍ یا رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی مراد ہے کیونکہ آپ ﷺ ذکر اور تلاوت قرآن میں مشغول رہتے تھے یا یہ کہ آپ ہر وقت صحابہؓ کو قرآن پہنچانے میں مصروف رہتے تھے۔

یَتْلُوْا عَلَیْكُمْ یہ حقیقت میں رسول کی صفت ہے اور مجازاً قرآن کی۔

مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ الظلمات سے مراد ہے کفر اور جہالت اور نور سے مراد ہے ایمان، دینی فقاہت و دانش اور نیک عمل جن سے آخرت میں نور حاصل ہوگا۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مراد ہیں وہ مؤمن جو نزولِ قرآن کے بعد ایمان لائے جن کے لئے کفر کے بعد اللہ نے ایمان مقدر کر دیا اور جہالت کے بعد علم نصیب فرما دیا تھا۔

قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا رزق حسن سے مراد ہے جنت جس کی نعمتیں اور راحتیں لازوال ہوں گی کبھی منقطع نہ ہوں گی۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ
ع ۲ ۵ ۱۸ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾ اللہ ہی نے تو سات آسمان پیدا کئے اور انہی کی طرح زمین بھی، اور ان سب میں اللہ کے احکام نازل ہوتے رہتے ہیں تاکہ تم کو معلوم ہو جائے کہ اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے اور (یہ بھی معلوم ہو جائے) کہ اللہ ہر چیز کو اپنے احاطہ علمی میں لئے ہوئے ہے۔

وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یعنی آسمانوں کی طرح سات زمینیں بھی پیدا کی ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابی بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بادل آیا، حضور ﷺ نے فرمایا کیا آپ لوگ جانتے ہیں یہ کیا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول کو بخوبی علم ہے، فرمایا، یہ عنان (ابر) ہے یہ زمین کے آبکش اونٹ ہیں جن کو اللہ ایسے لوگوں کی طرف ہنکا کر بھیج رہا ہے جو نہ شکر گزار ہیں نہ اللہ سے دعا کرتے ہیں پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ تمہارے اوپر کیا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا، اللہ اور اس کے رسول کو بخوبی علم ہے، فرمایا یہ ایک اونچی چھت ہے (ٹوٹنے سے) محفوظ اور ایک موج بستہ ہے پھر فرمایا کیا تم کو معلوم ہے کہ تمہارے اور اس کے درمیان کتنا فاصلہ ہے صحابہؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی کو بخوبی علم ہے فرمایا تمہارے اور اس کے درمیان پانچ سو برس (کی راہ و مسافت) ہے۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم واقف ہو کہ اس کے اوپر کیا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول کو بخوبی علم ہے۔ فرمایا ایک اور آسمان ہے اور دونوں کے درمیان پانچ سو برس (راہ) کا فاصلہ ہے اور اس کے بعد حضور ﷺ نے اسی طرح فرمایا، یہاں تک کہ سات آسمانوں کو گنا (اور فرمایا) کہ ہر دو آسمانوں کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا زمین اور آسمان کے درمیان ہے۔ پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ اس سے اوپر کیا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی کو بخوبی علم ہے۔ فرمایا اس سے اوپر عرش ہے اور اس

کا (ساتویں) آسمانوں سے فاصلہ اتنا ہی ہے جتنا دو آسمانوں کے درمیان ہے، پھر فرمایا کیا تم واقف ہو کہ تمہارے نیچے کیا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی کو بخوبی علم ہے، فرمایا تمہارے نیچے زمین ہے پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ اس کے نیچے کیا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی کو بخوبی علم ہے فرمایا اس کے نیچے ایک اور زمین ہے اور دونوں زمینوں کے درمیان پانچ سو کی راہ کی مسافت ہے۔ حضور ﷺ نے اس طرح سات زمینیں شمار کیں اور ہر زمین کا دوسری زمین سے فاصلہ پانچ سو برس کی راہ کا بتایا پھر فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر تم کوئی رسی سب سے نچلی زمین تک لٹکاؤ تو وہ اللہ کی (قدرت وصنعت) پر پر ہی جا کر اترے گی اس کے بعد آپ نے پڑھا هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ رواہ احمد والترمذی۔ ہم نے یہ حدیث اور اس کی تحقیق سورۂ بقرہ کی آیت فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ کی تفسیر کے ذیل میں کر دی ہے۔

بعض احادیث میں آیا ہے کہ ہر زمین میں تمہارے آدمؑ کی طرح آدمؑ ہے اور تمہارے نوحؑ کی طرح ایک نوحؑ ہے اور تمہارے ابراہیمؑ کی طرح ایک ابراہیمؑ ہے اور تمہارے موسیٰؑ کی طرح ایک موسیٰؑ ہے اور تمہارے نبی کی طرح محمد ﷺ کی طرح ایک نبی ہے۔ واللہ اعلم

يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ یعنی امرِ خداوندی اور قضاء الٰہی اور حکم رب ان میں جاری ہے نافذ ہے۔

اگر مذکورہ بالا حدیث کو صحیح مان لیا جائے تو امر سے مراد ہوگی وحی یعنی ساتویں آسمان سے لے کر سب سے نچلی ساتویں زمین تک اللہ کی طرف سے (انبیاء پر) وحی نازل ہوئی ہے اور امرِ خدا بواسطۂ وحی اترتا ہے۔

لِتَعْلَمُوْا یہ تخلیق کی یا نزولِ امر کی علت ہے یا فعل عام سے اس کا تعلق ہے اور فعل عام ہے جس میں تخلیق بھی ہے اور نزولِ امر بھی۔ تخلیقِ کائنات اور نزولِ امر دلیل ہے اللہ کی قدرتِ تامہ اور ہمہ گیر علم کی۔ تخلیق اور نزول سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کی قدرت کامل اور علم محیطِ کل ہے۔

تفسیر سورۃ طلاق کا ترجمہ بحمد اللہ ختم ہوا۔

سُوْرَۃُ التَّحْرِیْم

یہ سورت مدنی ہے اس میں بارہ۱۲ آیات اور دو۲ رکوع ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

صحیحین میں بروایت عطاء بیان کیا گیا ہے کہ عبید بن عمیر نے کہا میں نے خود سنا حضرت عائشہؓ فرمارہی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ (ام المؤمنین) زینب بنت جحشؓ کے پاس ٹھہر کر شہد کا شربت پیا کرتے تھے، میں نے اور ام المؤمنین حفصہؓ نے باہم مشورہ کر کے طے کیا کہ رسول اللہ ﷺ ہم میں سے کسی کے پاس تشریف لائیں تو وہ کہے کہ مجھے کچھ آپ کی طرف سے مغافیر کی بو محسوس ہو رہی ہے۔ چنانچہ جب حضور والا ہم دونوں میں سے ایک کے پاس تشریف لائے تو اس بی بی نے حسب مشاورت وہی بات کہہ دی۔ حضور ﷺ نے فرمایا اور تو کوئی بات نہیں ہے بس زینب بنت جحشؓ کے پاس میں نے شہد کا شربت پیا تھا۔ دوبارہ ایسا ہرگز نہیں کروں گا (یعنی زینب کے گھر شہد کا شربت ہرگز نہیں پیوں گا۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ اے نبی جس چیز کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے اس کو آپ حرام کیوں کرتے ہیں۔

مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ سے مراد شہد ہے اور استفہام انکاری ہے یعنی حلال کو حرام بنا دینا آپکے لئے جائز نہیں۔

بخاری نے ان الفاظ کے ساتھ حدیث مذکور نقل کی ہے (کہ حضور ﷺ نے فرمایا) میں زینب بنت جحشؓ کے پاس شہد کا شربت پیتا ہوں لیکن اب عہد کرتا ہوں تم کسی سے یہ بات کہنا مت۔ (خبر دینے کی ممانعت سے) آپ کا مقصد تھا امہات المؤمنینؓ کی ناراضگی پیدا نہ ہونا (یعنی بیبیوں کی دل جوئی کی خواہش)

طبرانی اور ابن مردویہ نے ابن ابی ملیکہ کے اسناد سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت سودہؓ کے پاس شہد (کا شربت) پیا کرتے تھے ایک بار جو آپ ﷺ شربت شہد پی کر) حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لے گئے تو حضرت عائشہؓ نے کہا مجھے آپ کے پاس سے کچھ مغافیر کی بو محسوس ہو رہی ہے۔ حضرت عائشہؓ کے بعد جب آپ حضرت حفصہؓ کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے بھی یہی بات کہی۔ حضور ﷺ نے فرمایا میرا خیال ہے کہ سودہؓ کے پاس جو میں نے شربت پیا یہ بُو اسی کی ہے۔ خدا کی قسم آئندہ میں وہ شربت نہیں پیوں گا اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

حافظ ابن حجرؒ نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ قابل ترجیح روایت یہی ہے کہ شربت پینے کا واقعہ حضرت زینبؓ کے گھر کا ہے۔ حضرت سودہؓ کے گھر کا نہیں ہے۔ کیونکہ جو روایت بطریق عبید بن عمیر آئی ہے وہ اس روایت سے بہت زیادہ قوی ہے جو ابن ابی ملیکہ کے طریق سے آئی ہے یہ ترجیح اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو بخاری نے حضرت عائشہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ امہات المؤمنین کی دو پارٹیاں تھیں ایک پارٹی حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ اور حضرت سودہؓ کی تھی اور دوسری پارٹی حضرت ام سلمہؓ اور باقی امہات المؤمنینؓ کی۔ حضرت سودہ جب حضرت عائشہ کی پارٹی میں داخل تھیں تو ان سے حضرت عائشہ کو رشک نہیں ہو سکتا ہے حضرت زینب حضرت ام سلمہ کی پارٹی کی رکن تھیں اس لئے حضرت زینب سے رشک ہونا قرین عقل اور قابل ترجیح ہے۔

فائدہ

صحیح بخاری میں عروہ کی روایت سے آیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ شہد والی بی بی حضرت حفصہؓ تھیں، تفصیلی واقعہ

یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ شیرینی اور شہد کو پسند فرماتے تھے آپ کی عادت تھی کہ عصر کی نماز کے بعد بیبیوں کے گھر جایا کرتے تھے ایک روز (عصر کے بعد) حضرت حفصہؓ کے پاس گئے تو وہاں ہر روز کے معمول کے خلاف زیادہ تر توقف کیا، میں نے جب پوچھ تاچھ کی تو معلوم ہوا کہ حفصہ رضی کے خاندان کی کسی عورت نے حفصہ کو بطورِ ہدیہ شہد کی ایک کپی بھیجی تھی انہوں نے اس شہد کا شربت بنا کر رسول اللہ ﷺ کو پلایا تھا۔ حضرت عائشہ نے فرمایا میں نے یہ بات سن کر کہا خدا کی قسم ہم کوئی تدبیر کریں گے (کہ رسول اللہ ﷺ وہاں شربت نہ پئیں، چنانچہ میں نے سودہ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ تمہارے پاس آئیں تو تم کہنا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے مغافیر کھایا ہے حضور ﷺ جواب دیں گے نہیں (میں نے مغافیر نہیں کھایا) اس پر تم کہنا پھر یہ بُو کیسی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو بہت ناگوار تھا کہ آپ کی طرف سے کسی کو یہ بو محسوس ہو۔ حضور ﷺ ضرور فرمائیں گے کہ حفصہ نے مجھے شہد کا شربت پلایا تھا اس کے جواب میں تم کہنا کہ اس شہد کی مکھیوں نے عرفط کا عرق چُوسا ہوگا۔

میرے پاس جب حضور ﷺ تشریف لائیں گے تو میں بھی یہی کہوں گی اور صفیہ جب تمہارے پاس تشریف لے آئیں تو تم بھی یہی کہنا۔

جب رسول اللہ ﷺ حضرت سودہ کے گھر تشریف لائے اور قریب آئے تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے مغافیر کھایا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا نہیں۔ حضرت سودہ نے کہا پھر یہ بو کیسی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا حفصہ نے مجھے شہد کا شربت پلایا تھا۔ حضرت سودہ نے کہا تو اس کی مکھیوں نے عرفط کا عرق چُوسا ہوگا۔ حضرت سودہ نے حضرت عائشہ سے کہا۔ رسول اللہ ﷺ دروازے میں ہی تھے کہ خدا کی قسم میں نے تمہارے خوف سے پکار کر وہ بات اسی وقت کہنا چاہی تھی (لیکن توقف کیا اور جب حضور ﷺ میرے پاس پہنچ گئے تو میں نے وہ بات کہی) اس کے بعد رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میں نے وہی (طے شدہ) بات عرض کی پھر صفیہ کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے بھی وہی بات عرض کی۔ بالآخر جب آپ حفصہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا میں اسی شہد کا شربت پلاؤں۔ فرمایا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔

حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ اس کے بعد سودہ نے کہا ہم نے رسول اللہ ﷺ کو شربت سے محروم کر دیا۔ میں نے کہا خاموش رہو۔

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شہد کا شربت حضرت حفصہ نے پلایا تھا اور سابق حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت زینب کا ہے، دونوں حدیثوں میں موافقت پیدا کرنے کے لئے کہا جاسکتا ہے کہ واقعات دو ہوئے تھے ایک امر کے متعدد اسباب ہو سکتے ہیں اگر دونوں کو صحیح مان لیا جائے اور اگر ایک کو دوسری پر ترجیح دینی ہے تو میرے نزدیک عبید بن عمیر کی روایت زیادہ مستحکم اور قوی ہے کیوں کہ حضرت ابن عباسؓ کا قول اس کے موافق ہے اس کے علاوہ یہ بات بھی اس قول کی مؤید ہے کہ حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ ایک گروپ میں تھیں اگر اس کو حفصہؓ کا واقعہ قرار دیا جائے گا تو حفصہؓ کو عائشہ کے گروپ میں شامل نہیں مانا جائے گا، ممکن ہے کہ شربتِ عسل پینے کا واقعہ دو مرتبہ ہوا ہو ایک بار حضرت زینب کے پاس اور دوسری بار حضرت حفصہ کے پاس۔ پہلے حضرت حفصہؓ نے حضور ﷺ کو شربتِ شہد پلایا ہو یہ اس وقت ہوا جب حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ ایک گروپ میں تھیں، اسی وقت حضرت عائشہ نے حضرت سودہ اور حضرت صفیہ سے مل کر حضرت حفصہ کے گھر حضور ﷺ کی شربت نوشی کو بند کرنے کی کوشش کی اس کے بعد جب حضور ﷺ نے حضرت زینب کے پاس شربت پیا تو حضرت عائشہ نے حضرت صفیہ کو ملا کر ایسی کوشش کی کہ حضور ﷺ نے آئندہ حضرت زینب کے پاس شربت نہ پینے کا وعدہ کر لیا، اس حالت میں آیتِ مذکورہ نازل ہوئی۔ اس کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ ہشام بن عروہ کی روایت جس سند سے بیان کی گئی ہے اور جس میں حضرت حفصہ کے پاس شربت شہد پینے کا ذکر کیا گیا ہے اس میں نہ آیت کا ذکر کیا گیا ہے نہ سببِ نزول کا۔ قرطبی نے لکھا ہے وہ روایت صحیح نہیں ہے جس میں حضرت عائشہ، حضرت صفیہ، اور حضرت سودہ کی باہمی

سازشی اتفاق کاذکر کیا ہے کیوں کہ آیت میں تثنیہ کا صیغہ ہے، جمع مؤنث کا صیغہ نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ متفق الرائے ہونے والی صرف دو عورتیں تھیں، تین نہیں تھیں۔

اس صورت میں دونوں روایتوں میں توافق اس طرح ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے حضرت حفصہ کے پاس شربت پیا جب رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق (مغافیر کی بدبو کا) ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے حفصہ کے گھر شربت پینا چھوڑ دیا لیکن اپنے لئے اس کو حرام نہیں قرار دیا اور اس کے بارے میں کسی آیت کا نزول بھی نہیں ہوا پھر جب آپ نے حضرت زینب کے گھر شربت پیا اور حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ نے متفق الرائے ہو کر حضرت زینب کے گھر شربت پینے سے حضور ﷺ کو اپنی تدبیر سے روک دیا اور آپؐ نے اپنے لئے اس کو حرام کر لیا اور اسی پر آیت کا نزول ہوا۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن رافع نے فرمایا میں نے ام المؤمنین حضرت امّ سلمہ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا، ام المؤمنین نے فرمایا میرے پاس سفید شہد کی ایک کپی تھی رسول اللہ ﷺ اس شہد کو پسند فرماتے تھے اور اس میں سے کچھ نوش فرمایا کرتے تھے۔ عائشہ نے کہا اس شہد کی مکھیاں تو عرفظ کو چوستی ہیں، یہ سن کر حضور ﷺ نے اس شہد کو اپنے لئے حرام قرار دے لیا اس پر آیتِ مذکورہ نازل ہوئی۔ کذا اخرج الطبرانی۔ سدی کی تفسیر میں اس روایت کو مرفوع کہا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے کہا یہ حدیث مرسل ہے اور شاذ ہے اور مرسل اور شاذ ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔

اکثر مفسّرین کا خیال ہے کہ آیت مذکورہ کا نزول حضرت ماریہؓ کے سلسلے میں ہوا تھا جس کی تفصیل میں بغوی نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی بیبیوں کی باریاں بانٹ دیا کرتے تھے (ایک بار جب حضرت حفصہؓ کی باری تھی تو آپ نے رسول اللہ سے اپنے میکے جانے اور اپنے والد کو دیکھنے کی اجازت کی درخواست کی، حضور ﷺ نے اجازت دے دی۔ حضرت حفصہ جب چلی گئیں تو حضورؐ نے اپنی باندی حضرت ماریہ قبطیہ کو حضرت حفصہؓ کے گھر میں ہی طلب فرمایا ماریہ آگئیں، حضور ﷺ نے ان سے قربت کی، حضرت حفصہؓ لوٹ کر آئیں تو دروازہ بند پایا، دروازہ کے پاس ہی بیٹھ گئیں کچھ دیر کے بعد رسول اللہ ﷺ برآمد ہوئے اس وقت آپ کی پیشانی سے پسینہ ٹپک رہا تھا۔ حضرت حفصہ بیٹھی رو رہی تھیں، فرمایا کیوں رو رہی ہو؟ حضرت حفصہ نے جواب دیا آپ نے اسی غرض سے مجھے اجازت دی تھی، آپ ﷺ نے میرے گھر میں باندی کو بلایا اور میری باری کے دن میرے بستر پر اس سے قربت کی کیا آپ ﷺ نے میرا اتنا پاس لحاظ بھی نہیں کیا جتنا دوسری بی بی کا کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا وہ میری باندی نہیں ہے جو اللہ نے میرے لئے حلال کر دی ہے (خیر) اب تم خاموش ہو جاؤ تمہاری خوشنودی کی خاطر میں نے اس کو اپنے اوپر حرام کر لیا، کسی بی بی کو اس کی اطلاع نہ دینا اس کے بعد آپ ﷺ تشریف لے آئے جونہی حضور ﷺ واپس ہوگئے حضرت حفصہؓ نے وہ دیوار کھٹ کھٹائی جو ان کے اور حضرت عائشہؓ کے مکان کے درمیان تھی اور حضرت عائشہؓ سے کہا میں تم کو ایک خوش خبری سناتی ہوں، رسول اللہ ﷺ نے اپنی باندی ماریہ کو اپنے لئے حرام کر لیا اب ہم کو اللہ نے اس کی طرف سے سکھ دے دیا، حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ باہم گہری دوست تھیں اور دوسری بیبیوں کے مقابلہ میں آپس میں ایک دوسری کی مددگار۔ اسی لئے حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ سے ساری سرگزشت بیان کر دی۔ یہ آیت سن کر حضرت عائشہؓ کو غصہ آگیا اور رسول اللہ ﷺ اپنے عہد پر اس وقت تک قائم رہے جب تک یہ آیت نازل ہوئی۔

بزار نے صحیح سند سے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا کہ آیت یَاۤ اَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ ایک باندی کے متعلق نازل ہوئی۔

ابن جوزی نے تحقیق میں اپنی سند سے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ حفصہؓ اور عائشہؓ باہم دوست تھیں۔ حفصہؓ اپنے باپ کے پاس کچھ باتیں کرنے کے لئے گئیں ان کی غیبت میں رسول اللہ ﷺ نے ایک باندی کو اپنے گھر میں بلوالیا۔ باندی ان کے گھر میں (رسول اللہ ﷺ کے ساتھ) موجود ہی تھی کہ حفصہ واپس آگئیں اور وہ باندی کو اپنے گھر میں پایا، باندی چلی گئی اور حفصہ گھر میں آگئیں اور کہنے لگیں میں نے دیکھ لیا کہ آپ کے پاس کون تھی۔ آپ نے مجھے باندی کے برابر کر دیا۔ حضور ﷺ

نے فرمایا اب تم مجھ سے راضی ہو جاؤ میں تم سے ایک راز کی بات کہتا ہوں تم اس کو ظاہر نہ کرنا۔ حفصہؓ نے کہا وہ کیا بات ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، میں تمہاری خوشنودی کے لئے کہتا ہوں کہ یہ باندی میں نے اپنے لئے (آئندہ) حرام کرلی تم اس کی گواہ رہو (یعنی تمہارے سامنے میں یہ بات کہتا ہوں اس پر آیت نازل ہوئی۔

حاکم اور نسائی نے بسند صحیح حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک باندی تھی جس سے آپ مباشرت کر رہے تھے کہ حضرت حفصہؓ (آپڑیں اور) اس وقت تک اصرار کرتی رہیں جب تک حضور ﷺ نے آئندہ کے لئے اس باندی کو اپنے واسطے حرام نہ کرلیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

المختار میں حدیث ابن عمر میں حضرت عمر کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حفصہ سے فرمایا تھا کہ کسی کو یہ اطلاع نہ دینا کہ ابراہیم کی ماں (کو میں نے اپنے اوپر حرام کرلیا اور وہ) میرے لئے حرام ہوگئی، اس عہد کے بعد حضور ﷺ نے ابراہیم کی ماں سے قربت نہیں کی، لیکن حفصہؓ نے جا کر عائشہؓ سے یہ بات کہہ دی اس پر آیت یَاۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ نازل ہوئی۔ یہ تمام احادیث ثابت کر رہی ہیں کہ آیات کا نزول حضرت ماریہ قبطیہؓ کے متعلق ہوا، جن کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے لئے حرام کرلیا تھا۔ لیکن شروع میں جو احادیث مذکور ہیں اس سے ان آیات کا نزول شہد کا شربت پینے کے سلسلے میں ہونا ثابت ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر نے دونوں طرح کی احادیث کو موافق بنانے کے لئے کہا، ہو سکتا ہے کہ آیات کے نزول کے مذکورہ دونوں واقعے سبب ہوں۔

ابن حجر کے اس قول کی تائید یزید بن رومان کی اس روایت سے ہوتی ہے جو ابن مردویہ نے بیان کی ہے کہ حضرت حفصہؓ کے پاس شہد کی ایک کپی بطور ہدیہ آئی۔ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس جاتے تو وہ آپ کو روک لیتی تھیں۔ اور حضور ﷺ وہ شہد وہاں کھاتے یا اس کا شربت طلب فرماتے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے اپنی ایک حبشی باندی سے جس کا نام خضراء تھا فرمایا جا کر دیکھ کر رسول اللہ ﷺ وہاں کیا کرتے ہیں۔ باندی گئی اور واپس آ کر اس نے شہد (کا شربت) پینے کی اطلاع دے دی۔

حضرت عائشہؓ نے اپنے ساتھ والی (یعنی اپنے گروپ کی) دوسری بیبیوں کو کہلا بھیجا کہ جب رسول اللہ ﷺ تمہارے پاس تشریف لائیں تو تم سب یہی کہنا کہ ہم کو آپ کے پاس سے مغافیر کی بُو محسوس ہو رہی ہے (حضرت عائشہؓ کے گروپ والیوں نے ایسا ہی کیا) حضور ﷺ نے فرمایا میں نے تو شہد (کا شربت) پیا تھا۔ خدا کی قسم آئندہ اس کو نہیں کھاؤں گا (اس کے بعد) جب حفصہؓ کی باری کا دن تھا تو انہوں نے اپنے والد کے پاس جانے کی اجازت چاہی، حضور ﷺ نے اجازت دے دی وہ چلی گئیں۔ حضور ﷺ نے (حفصہ کی غیبت میں) ان کے گھر میں باندی کو طلب فرمالیا۔ اتنے میں حضرت حفصہؓ واپس آگئیں دروازہ کو بند پایا (تو وہیں بیٹھ گئیں) کچھ دیر کے بعد رسول اللہ ﷺ اندر سے برآمد ہوئے اس وقت چہرہ مبارک سے پسینہ ٹپک رہا تھا۔ حضرت حفصہؓ رو رہی تھیں انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ناراضگی کا اظہار کیا۔ حضور ﷺ اقدس نے فرمایا، آئندہ وہ مجھ پر حرام ہے، مگر یہ بات کسی عورت سے کہنا نہیں، میری یہ بات تمہارے پاس امانت ہے۔ یہ فرما کر حضور ﷺ چلے گئے۔ حضرت حفصہ نے دیوار کو جو ان کے اور حضرت عائشہؓ کے مکان کے درمیان تھی کھٹ کھٹایا اور حضرت عائشہؓ سے کہا، میں تم کو خوشخبری سناتی ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے لئے اپنی باندی کو حرام کرلیا۔

میں کہتا ہوں اس حدیث میں حضرت ماریہ کے قصے کو اور حضرت حفصہ کے پاس شہد پینے کے واقعے کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے۔ شاید راوی نے ایسا کیا ہو لیکن حضرت زینبؓ کے گھر شربت شہد پینے کا کوئی ذکر اس میں نہیں کیا گیا۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ تمام اسباب نزول میں حضرت ماریہؓ کے قصہ کو شان نزول قرار دینا زیادہ قوی ہے، کیونکہ اس میں صرف حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ سے آیت کا تعلق ثابت ہوگا۔ شہد والے واقعے سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ لیکن شہد پینے کے قصے کو اگر سببِ نزول قرار دیا جائے گا تو اس میں حضرت سودہؓ اور حضرت صفیہؓ کا حضرت عائشہؓ کے ساتھ متفق ہونا ضروری

قرار پائے گا (حالانکہ ان تتوبا اور قلوبکما اور تثنیہ کی ضمیریں ہیں، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اتفاقِ رائے صرف دو عورتوں کا تھا)

تَبْتَغِىْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ① آپ چاہتے ہیں اپنی بیویوں کی خوشنودی اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ تحریم کی تشریح ہے یا جملہ مستانفہ ہے جس میں تحریم کا سبب بیان کیا گیا ہے۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ یعنی آپ سے یہ لغزش ہوگئی کہ اللہ نے جس چیز کو آپ کے لئے حلال بنایا تھا آپ نے اس کو قسم کھا کر اپنے لئے حرام کرلیا۔ اللہ آپ کی اس لغزش کو معاف کرنے والا ہے۔

رَحِيْمٌ یعنی اللہ نے آپ پر اپنی رحمت کی کہ خود ساختہ تحریم سے نکلنے کا راستہ اس نے آپ کے لئے بنادیا اور آپ سے مؤاخذہ نہیں کیا اور آپ کو ناجائز امر سے بچانے کے لئے اظہارِ ناگواری کردیا۔

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ② اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لئے تمہاری قسموں کا کھولنے (کا طریقہ یعنی قسم توڑنے کے بعد اس کے کفارے کا طریقہ) مقرر کردیا ہے اور اللہ تمہارا کارساز ہے اور وہی بڑا جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے۔

قَدْ فَرَضَ یعنی اللہ نے قانون بنادیا (شروع کردیا)

تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ یعنی جن حلال اُمور کو قسم کھا کر تم اپنے اوپر حرام کرلیتے ہو ان کو حلال بنانے کا طریقہ۔ یا قسم کی گرہ کھول دینے کا قانون۔ یا یہ مطلب ہے کہ جب تم اپنی قسم کو توڑنا چاہو تو اللہ نے اس کا کفارہ ادا کرنا تم پر واجب کردیا ہے۔ کفارہ اس چیز کو کہتے ہیں جس کو کرنے سے قسم کی گرہ کھل جائے۔ یعنی قسم شکنی کا گناہ دور ہوجاتا ہے۔

ایک شبہ

وجوب (یعنی فرض) کے بعد لفظ "علیٰ" ہونا چاہئے (تم پر فرض کردیا) لام نہ ہونا چاہئے اور اس جگہ "لکم" (تمہارے لئے) آیا ہے، پھر واجب کردینے کا معنی کیسے ہوسکتا ہے۔

ازالہ

لام انتفاع کے لئے آتا ہے (اور "علیٰ" ضرر کے لئے) اور اس جگہ نفع کا مفہوم مقصود ہے۔ کیونکہ کفارہ واجب کرنے سے یہ فائدہ ہوجاتا ہے کہ خود ساختہ تحریم حلّت میں تبدیل ہوجاتی ہے، اور قسم شکنی کا گناہ دور ہوجاتا ہے کفارہ وہی ہے جس کا ذکر سورۂ مائدہ میں کردیا گیا ہے۔

مَوْلٰىكُمْ یعنی تمہارا کارساز اور مددگار ہے۔

وَهُوَ الْعَلِيْمُ وہی تمہارے مصالح سے واقف ہے جن باتوں سے تمہاری اصلاح ہو، ان کو وہی جانتا ہے۔

اَلْحَكِيْمُ اپنے احکام و افعال میں استحکام کرنے والا ہے (اور اس کا ہر حکم پُر حکمت ہے)

آیتِ کفارہ نازل ہونے کے بعد کیا رسول اللہ ﷺ نے کوئی کفارہ دیا، یا نہیں؟ یہ مسئلہ اختلافی ہے۔

مقاتل کا بیان ہے کہ حضرت ماریہؓ کے تحریم کے کفارہ میں رسول اللہ ﷺ نے ایک بردہ آزاد کیا تھا۔ حسن کا قول ہے کہ حضور ﷺ نے کوئی کفارہ نہیں دیا، کیونکہ یہ لغزش اللہ نے آپ کو معاف کردی تھی۔

میرے نزدیک مقاتل کا قول صحیح ہے کیونکہ آیت لِمَ تُحَرِّمُ کے بعد قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ کا فرمان

واضح دلیل ہے اس امر کی کہ رسول اللہ ﷺ پر کفارہ فرض تھا۔ رہا معاف ہو جانا تو یہ وجوبِ کفارہ کے منافی نہیں ہے۔ دیکھو رسول اللہ ﷺ مغفور تھے۔ آپ کی ہر لغزش اور فروگزاشت کو اللہ نے معاف فرمادیا تھا۔ اس کے باوجود (نماز کے اندر بھول ہو جانے پر) آپ پر سجدۂ سہو واجب تھا۔

مزید یہ کہ مقاتل کا قول شہادت ثبوتی ہے اور حسن کے قول میں نفی کی صراحت کی گئی ہے اور شہادت راجح ہوتی ہے۔

مقاتل کے بیان کی تائید حضرت ابن عباس کے قول سے بھی ہوتی ہے کہ (اس آیت کے نزول کے بعد) آپ ﷺ نے فرمایا تھا وَلَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔

حارث بن ابی اسامہ نے اپنی مسند میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ جب حضرت ابو بکرؓ نے قسم کھا کر کہہ دیا کہ مسطح کو کوئی خرچ نہیں دوں گا (نہ کھانا دوں گا، نہ دوسرے مصارف) تو آیت قَدْ فَرَضَ اللهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ نازل ہوئی (متفق علیہ) آیت کے اسباب نزول کے بیان میں یہ بیان انتہائی کمزور ہے۔

مسئلہ: اگر کسی شخص نے کہا میں نے اپنی باندی اپنے اوپر حرام کرلی، یا کہا میں نے اپنا یہ کھانا اپنے اوپر حرام کرلیا، یا یوں کہا جائے کہ ایسا کھانا میں نے اپنے اوپر حرام کرلیا، تو امام ابو حنیفہ اور امام احمد اور امام اوزاعی کے نزدیک یہ قسم ہو جائے گی (اگر لفظ قسم موجود نہیں ہے صرف تحلیلِ حرام ہے) حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عائشہؓ کا قول بھی یہی مروی ہے۔

اس قول کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے پہلے فرمایا لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكَ (یعنی رسول اللہ ﷺ کے قول کو صرف تحریم حلال سے تعبیر کیا، پھر فرمایا قَدْ فَرَضَ اللهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ یعنی تحریم حلال کو یمین (قسم) قرار دیا اور کفارۂ قسم کا قانون مقرر کر دیا۔ بغوی نے سعید بن جبیرؒ کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا (حلال کو) حرام بنا لینے کا کفارہ حضور ﷺ دیتے تھے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔

امام شافعیؒ نے فرمایا تحریم حلال قسم نہیں ہے اپنی باندی کو اپنے اوپر حرام کر لینے کی صورت میں نفسِ قسم کا کفارہ ہے قسم شکنی کا کفارہ نہیں ہے اور تحریم طعام کی صورت میں کفارۂ قسم بھی نہیں ہے۔

اگر اپنی بیوی کو کہا تو مجھ پر حرام ہے یا یوں کہا میں نے تجھے (اپنے اوپر) حرام کر لیا تو اگر ان الفاظ سے طلاق کی نیت کی تو طلاق ہو جائے گی اور ظہار کی نیت کی تو ظہار ہو جائے گا (کہ حلت کے لئے کفارۂ ظہار ادا کرنا ہوگا) اور اگر کوئی نیت نہیں کی (یونہی کہہ دیا) تو امام شافعیؒ کے نزدیک کفارۂ قسم ادا کرنا لازم ہوگا۔ امام ابو حنیفہؒ اس کو ایلاء قرار دیتے ہیں اور رجوع کے بعد کفارہ ادا کرنا لازم قرار دیتے ہیں۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ اس آیت سے اس امر پر استدلال کرنا کہ تحریم مطلق ہو گئی یا یہ تحریم قسم ہو گئی ضعیف ہے، کیونکہ صورت مذکورہ میں کفارہ قسم واجب ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ تحریم قسم ہو گئی اس کے علاوہ یہ بھی احتمال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لفظ قسم فرمایا ہو۔ بیضاوی کا یہ قول ضعیف ہے کیونکہ اللہ نے اپنے نبی کی قرار داد مطلق تحریم کا ذکر کیا ہے اور حلف کا ذکر نہیں کیا، نہ تحریم کو عورت کے ساتھ مخصوص کیا (بلکہ ہر تحریم حلال کا ذکر کیا ہے خواہ اس کا تعلق عورت سے ہو یا کھانے سے یا کسی اور حمل حلال سے) پھر اسی کو قسم قرار دیا اور فرمایا تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی کو از خود حرام قرار دینا ہی قسم ہے۔ واللہ اعلم۔

وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَٰذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ۝٣

اور جب پیغمبر ﷺ نے

اپنی کسی بی بی سے ایک بات چپکے سے کہی (اور کہہ دیا کہ کسی بی بی اس کو کہنا مت) پھر جب اس بی بی نے وہ بات (دوسری بی بی کو) بتلا دی اور پیغمبر کو اللہ نے (بذریعۂ وحی) اس کی خبر کر دی تو پیغمبر ﷺ نے اس ظاہر کر دینے والی بی بی کو تھوڑی سی بات تو بتا

دی اور تھوڑی سی بات کو ٹال گئے۔ سو جب پیغمبر ﷺ نے اس بی بی کو وہ بات بتلادی تو وہ کہنے لگی آپ کو یہ اطلاع کس نے دی۔ پیغمبر ﷺ نے کہا مجھے بڑے علم والے باخبر (خدا) نے خبر دی ہے۔

اِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اور یاد کرو، نبی نے جب چپکے سے کہی تھی جب کہ حضرت عمرؓ کی روایت میں آیا ہے۔

اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ یعنی حضرت حفصہؓ سے۔

حَدِیْثًا ایک بات۔ یعنی شہد کو اپنے لئے حرام کر لینے کی بات۔ جیسا کہ صحیحین میں حضرت عائشہؓ کے بیان میں عبید بن عمیر کی روایت سے مذکور ہے۔ یا حَدِیْثًا سے مراد ہے حضرت ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر لینے کی بات۔

اہلِ تفسیر کے نزدیک یہی زیادہ صحیح ہے۔ اللہ جانے اس بات کو چھپا کر رکھنے میں کیا مصلحت تھی۔ ابن سعد نے بروایت شعبہ حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی باری کے دن حضرت حفصہؓ اپنے مکان سے باہر کہیں چلی گئیں ان کی غیر موجودگی میں رسول اللہ ﷺ قبطی باندی کو لے کر ان کے گھر میں داخل ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد حضرت حفصہؓ آگئیں اور (دروازہ پر بیٹھی) رسول اللہ ﷺ کی تاک میں لگی رہیں۔ کچھ وقفہ کے بعد باندی باہر آگئی۔ حضرت حفصہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا جو کچھ آپ نے کیا میں نے دیکھ لیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم نے دیکھ لیا تو اس کو پوشیدہ رکھنا (آئندہ) وہ میرے لئے حرام ہے، حضرت حفصہؓ نے جا کر حضرت عائشہؓ سے یہ بات کہہ دی۔ حضرت عائشہؓ نے (رسول اللہ ﷺ) سے کہا میری باری کے دن آپ قبطی (باندی) سے قربت کرتے ہیں، باقی دوسری عورتوں کو ان کی مقررہ باریاں دیتے ہیں (کسی کی باری میں دوسری سے اختلاط نہیں کرتے) اس پر آیتِ مذکورہ نازل ہوئی۔

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ پوشیدہ رکھنے کا حکم دینے میں مصلحت یہ تھی کہ حضرت عائشہؓ ناراض نہ ہو جائیں۔

سعد بن جبیرؒ کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا (رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہؓ کو خلافت کے متعلق آگاہ کر دیا تھا) اسرار سے مراد ہے، خلافت کی بات کو چھپائے رکھنا۔

کلبی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہؓ سے فرمایا تھا، میرے بعد تمہارے باپ اور عائشہؓ کے باپ (باری باری) سے میرے جانشین ہوں گے۔ واحدی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے خلیفہ ہونے کا ذکر کتاب اللہ میں موجود ہے، اللہ نے فرمایا ہے وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا حضور والا ﷺ نے حضرت حفصہؓ سے فرمایا تھا تمہارے باپ اور عائشہؓ کے باپ میرے بعد لوگوں کے ولی (امیر) ہوں گے مگر تم اس کی اطلاع کسی کو نہ دینا یہ حدیث دوسرے طریقوں سے بھی آئی ہے۔ علیؓ، میمون بن مہران، حبیب بن ثابت، ضحاک اور مجاہد کی روایات بھی اسی طرح ہیں۔ میمون بن مہران کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چپکے سے فرمایا تھا، میرے جانشین ابوبکر ہوں گے واللہ اعلم۔

فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِہٖ یعنی جب حفصہؓ نے اس بات کی اطلاع عائشہؓ کو دے دی۔

وَاَظْہَرَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ اور اللہ نے اپنے پیغمبر پر یہ بات ظاہر کر دی کہ تمہارا راز حفصہ نے فاش کر دیا۔ اس جملہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت عائشہؓ اگرچہ حضرت حفصہؓ کے اطلاع دینے سے ہی رسول اللہ ﷺ سے ناراض ہوئی تھیں لیکن انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ حفصہ نے مجھے اس کی اطلاع دی ہے بلکہ اللہ نے اپنے پیغمبر کو اطلاع دی تھی کہ آپ کا راز حفصہ نے ظاہر کر دیا ہے۔

عَرَّفَ بَعْضَہٗ یعنی حفصہ نے جو راز کی اطلاع عائشہؓ کو دی تھی اس کا کچھ حصہ رسول اللہ ﷺ نے حفصہ کو جتلا دیا۔

کسائی کی قرأت میں عَرَفَ بغیر تشدید کے آیا ہے یعنی حضرت حفصہ نے رسول اللہ ﷺ کا جو راز ظاہر کر دیا تھا اس کے کچھ حصہ کی سزا رسول اللہ ﷺ نے حفصہ کو دی (عرفان کا معنی ہے جان لینا اور جان لینے سے کبھی مراد ہوتا ہے سزا دینا) اگر کوئی شخص تمہارے ساتھ کوئی بُرا سلوک کرے تو تم اس سے کہتے ہو میں تیری اس حرکت کو پہچانتا ہوں یعنی اس کی سزا دوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ کو افشائے راز کی یہ سزا دی کہ ان کو طلاق دے دی حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع ملی تو کہنے لگے اگر خطاب کی نسل میں کوئی اچھائی ہوتی تو رسول اللہ ﷺ تجھے طلاق نہ دیتے۔ اس کے بعد حضرت جبرئیلؑ نے آکر اللہ کا حکم پہنچایا، یا خود

مشورہ دیا کہ حفصہؓ بکثرت روزے رکھنے والی اور راتوں کو نماز پڑھنے والی ہیں آپ ان کی طلاق سے رجوع کر لیجئے (چنانچہ حضور ﷺ نے رجوع کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ اس کے بعد ایک ماہ تک اپنی بیبیوں سے کنارہ کش رہے اور حضرت ابراہیم کی والدہ یعنی حضرت ماریہ کے بالاخانہ پر جا بیٹھے یہاں تک کہ آیت تخییر نازل ہوئی (بغوی)

بغوی نے مقاتل بن حبان کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہؓ کو طلاق نہیں دی تھی۔ طلاق دینے کا ارادہ کیا تھا کہ جبرئیلؑ نے آکر طلاق نہ دینے کا مشورہ دیا، اور کہا حفصہ بکثرت روزہ دار اور عبادت گزار ہیں اور جنت میں آپ کے ساتھ منجملہ دوسری بیبیوں کے ہوں گی۔

وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ یعنی کچھ خبر حضرت حفصہ کو نہیں بتائی۔ حسن نے کہا کریم آدمی کبھی احاطۂ کل نہیں کرتا۔ اللہ نے فرمایا ہے عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ (یعنی گناہ گار کے تمام گناہوں کو ظاہر نہیں کرتا۔ اللہ کے رسول نے بھی بعض باتیں حفصہؓ کو بتادیں اور بعض باتیں نہیں بتائیں) اسکی صورت یہ ہوئی کہ جب رسول اللہ ﷺ نے قبطی باندی سے حضرت حفصہؓ کے گھر کے اندر انہی کے بستر پر اختلاط کیا اور اس کی وجہ سے حضرت حفصہؓ کے چہرے پر ناگواری اور ناراضگی کی علامات دیکھیں تو ان کو راضی کرنے کا ارادہ کیا اور دو باتوں سے پوشیدہ طور پر ان کو آگاہ کیا ایک حضرت ماریہ کو اپنے لئے حرام کر لینا اور دوسری بات یہ کہ حضور ﷺ کے بعد ابو بکر اور عمر خلیفہ ہوں گے حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ سے یہ باتیں کہہ دیں۔ حضور ﷺ نہیں چاہتے تھے کہ ان باتوں کا علم دوسرے لوگوں کو ہو۔ رسول اللہ ﷺ کو وحی کے ذریعہ سے معلوم ہو گیا کہ حفصہؓ نے عائشہ کو راز کی باتیں بتادیں تو آپ نے حفصہ کو بتادیا کہ تم نے باندی کی تحریم کی اطلاع عائشہ کو دے دی اور خلافت کی اطلاع دینے کا کوئی ذکر آپ نے حفصہ سے نہیں کیا۔

ابن مردویہ نے بطریق ضحاک حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب حفصہ اپنے مکان میں آئیں اور وہاں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ماریہ کو پایا تو حضور ﷺ نے فرمایا، عائشہ سے مت کہنا میں تم کو خوشخبری دیتا ہوں کہ ابو بکر کے بعد اس (خلافت) کا والی (حاکم اعلیٰ) تمہارا باپ ہو گا۔ حضرت حفصہؓ نے جو یہ بات سنی تو فوراً اٹھ کر گئیں اور حضرت عائشہؓ کو اس کی خبر دے دی۔ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات کہہ دی اور درخواست کی کہ (آئندہ) ماریہ کو اپنے لئے حرام کر لیں۔ حضور ﷺ نے ماریہ کو اپنے لئے حرام کر لیا۔ پھر حضرت حفصہؓ کے پاس تشریف لا کر فرمایا میں نے تم کو حکم دے دیا تھا کہ عائشہؓ کو اس کی خبر نہ دینا مگر تم نے ان کو خبر پہنچادی۔ آپ نے ماریہ کے متعلق خبر دینے پر حضرت حفصہ کو سرزنش کی۔ خلافت کے سلسلے میں کوئی عتاب نہیں کیا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ۔

طبرانی نے بھی الاوسط اور عشرۃ النساء میں حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے مگر دونوں بیان ضعیف ہیں۔

فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ یعنی جب رسول اللہ ﷺ نے حفصہ کو یہ خبر بتائی جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو واقف کیا تھا۔ یعنی اس بات کی اطلاع دے دی کہ حفصہ نے آپ ﷺ کا راز ظاہر کر دیا۔

قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا تو حفصہ نے کہا آپ کو اس بات کی خبر کس نے دی کہ میں نے آپ کا راز فاش کر دیا۔

قَالَ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اس کی اطلاع اس اللہ نے دی جو علیم و خبیر ہے۔

اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ④ اگر تم دونوں اللہ کے سامنے توبہ کر لو (تو تمہارے لئے بہتر ہو گا) پس بلا شبہ تم دونوں کے دل مائل ہو گئے ہیں اور اگر پیغمبر (کی مرضی) کے خلاف تم باہم تعاون کرتی رہیں تو یاد رکھو پیغمبر کا رفیق اللہ ہے اور جبرئیل ہے اور نیک مسلمان ہیں اور ان کے علاوہ فرشتے مددگار ہیں۔

اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَى اللّٰهِ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کو خطاب ہے۔ شروع سورۃ میں عبید بن عمیر کی جو روایت حضرت عائشہؓ سے آئی ہے اور اس روایت کو بخاری اور مسلم نے ذکر کیا ہے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ خطاب حضرت حفصہؓ کو ہے۔

فَقَدۡ صَغَتۡ قُلُوۡبُکُمَا تم دونوں کے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں، ایک طرف کو جھک گئے ہیں راہِ حق پر قائم نہیں رہے کیونکہ تم نے اس بات کو پسند کیا جو رسول اللہ ﷺ کو ناپسند تھی آپ ﷺ نہ ماریہ کو اپنے لئے حرام کرنا چاہتے تھے نہ اپنے راز کا افشاء آپ ﷺ کو پسند تھا اور تم کو یہ دونوں باتیں پسند تھیں۔

حالانکہ ہر شخص پر واجب ہے کہ جس بات کو رسول اللہ ﷺ پسند کریں وہ بھی اس بات کو پسند کرے اور جس بات سے رسول اللہ ﷺ کو نفرت ہو اس بات سے اس کو بھی نفرت ہو۔

فَقَدۡ میں فَ تعلیلیہ ہے، دل کی کجی موجب ہے گناہ کی اور گناہ کے بعد توبہ واجب ہے۔

بخاری وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مجھے حضرت عمرؓ سے یہ بات دریافت کرنے کی بڑی خواہش تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی وہ دو بیویاں کون سی تھیں جن کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے اِنۡ تَتُوۡبَآ اِلَی اللّٰہِ فَقَدۡ صَغَتۡ قُلُوۡبُکُمَا (مگر موقع نہیں ملتا تھا)

ایک بار جب حضرت عمرؓ حج کو گئے اور میں بھی آپ کے ساتھ حج کو گیا اور (راستہ میں قضائے حاجت کی ضرورت ہوئی اور) آپ ایک طرف کو مڑ گئے۔ میں بھی لوٹا لئے (راستہ چھوڑ کر) آپ کے ساتھ ایک طرف کو مڑ گیا۔ آپ ضروریات پوری کر کے واپس آئے تو میں نے ہاتھوں پر پانی ڈالا، اور اس وقت کہا۔ امیر المؤمنین! رسول اللہ ﷺ کی وہ دو بیویاں کون سی تھیں جن کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے۔ اِنۡ تَتُوۡبَآ اِلَی اللّٰہِ فَقَدۡ صَغَتۡ قُلُوۡبُکُمَا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا، ابن عمر تیرے اوپر تعجب ہے وہ دونوں عائشہ اور حفصہ تھیں۔

پھر حضرت عمرؓ نے پوری سر گزشت بیان کی اور فرمایا: میں اور بنی امیہ بن زید کے قبیلہ کا ایک انصاری جو عوالی مدینہ کا رہنے والا تھا باہم طے کر چکے تھے کہ باری باری ہم دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہا کریں گے ایک دن میں ایک دن وہ میری باری کے دن جو وحی نازل ہو یا کوئی دوسرا اہم واقعہ ہو اس کی اطلاع میں اس انصاری کو کر دوں اور اسکی باری کے دن جو کچھ ہو وہ مجھ سے آ کر بیان کر دے۔

ہمارا قریش کا گروہ اپنی عورتوں پر غالب رہتا تھا۔ لیکن جب ہم مدینہ میں آئے تو ہم نے ایسے لوگ پائے جن کی عورتیں ان پر غالب تھیں، ہماری عورتیں بھی انصاری عورتوں کو خو خصلت سیکھنے لگیں۔

ایک روز میں اپنی عورت پر چلایا، اس نے بھی ویسا ہی (چلا کر) جواب دیا مجھے اس کا جواب دینا غیر معمولی ہوا۔ اس نے کہا، آپ کو میرا جواب دینا کیوں ناگوار گزرا۔ رسول اللہ ﷺ کی بیویاں رسول اللہ ﷺ کو جواب دیتی ہیں بلکہ بعض عورتیں تو آج دن بھر شام تک حضور ﷺ کو چھوڑے رہی ہیں۔ (یعنی حضور ﷺ سے کلام بھی نہیں کیا)

میں یہ بات سن کر گھبرا گیا اور میں نے کہا مرا دہ ہے گی جو ایسا کرے گی، اس کے بعد میں نے کپڑے پہنے اور جا کر حفصہ کے پاس اترا اور پوچھا: کیا تم میں سے کوئی رسول اللہ ﷺ سے اتنی ناراض ہوتی ہے کہ دن بھر شام تک حضور ﷺ کو چھوڑے رکھتی ہے۔ حفصہ نے کہا، ہاں۔ میں نے کہا تو ناکام ونامراد ہو گی (اگر تو نے ایسی حرکت کی) کیا تجھے ڈر نہیں لگتا کہ رسول اللہ ﷺ کی ناراضی سے اللہ ناراض ہو جائے گا پھر تو تباہ ہو جائے گی (خبردار) رسول اللہ ﷺ سے زیادہ (مصارف) طلب نہ کرنا اور کسی معاملے میں حضور ﷺ کو جواب نہ دینا اور آپ کو چھوڑے نہ رہنا (یعنی ترک کلام نہ کرنا) اور جو کچھ تجھے ضرورت ہو مجھ سے مانگ لینا، اور تجھے اس بات پر رشک نہ ہونا چاہئے کہ تیری ہمسائی تجھ سے زیادہ چمکیلی اور رسول اللہ ﷺ کو تجھ سے زیادہ پیاری ہے۔ یعنی حضرت عائشہؓ۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا اس زمانہ میں ہم باہم تذکرہ کرتے تھے کہ غسانیوں نے ہم سے لڑنے کے لئے اپنے گھوڑوں کی نعل بندی کرائی ہے۔ ایک روز انصاری دوست اپنی باری کے دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہا اور عشاء کے وقت ہمارے پاس لوٹ کر آیا اور آتے ہی میرا دروازہ زور زور سے پیٹ ڈالا اور پوچھا کیا عمر ہے میں گھبرا کر فوراً باہر نکلا، انصاری نے کہا آج ایک

عظیم حادثہ ہو گیا میں نے کہا کیا ہوا کیا غسان (شاہ شام) آ گیا، بولا اس سے بھی بڑا سا حادثہ ہو گیا رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیبیوں کو طلاق دے دی، میں نے کہا حفصہ ناکام و نامراد ہو گئی۔ میرا تو پہلے ہی خیال تھا کہ عنقریب (شاید) ایسا ہو گا اس کے بعد میں نے کپڑے پہنے اور جا کر فجر کی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھی، نماز کے بعد حضور ﷺ اپنے بالا خانے پر تشریف لے گئے اور وہاں سب سے کنارہ کش ہو گئے اور میں حفصہ کے پاس گیا وہ رو رہی تھی میں نے کہا اب کیوں روتی ہے کیا میں نے تجھے پہلے ہی نہیں ڈرا دیا تھا، کیا تم عورتوں کو رسول اللہ ﷺ نے طلاق دے دی، بولی مجھے نہیں معلوم کیا وجہ ہے، رسول اللہ ﷺ سب سے الگ بالا خانے پر گوشہ نشین ہو گئے ہیں۔ میں حفصہ کے پاس سے نکل کر (مسجد میں) منبر کے پاس پہنچا اس وقت منبر کے آس پاس کچھ لوگ بیٹھے رو رہے تھے، میں بھی ان کے پاس تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ گیا۔ لیکن اندرونی غم کی وجہ سے مجھ سے وہاں زیادہ رُکا نہ گیا۔ فوراً بالا خانے کی طرف آیا، جہاں رسول اللہ ﷺ گوشہ گیر تھے، میں نے غلام سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے عمر کے لئے اجازت کی درخواست کرو۔ غلام اندر گیا۔ رسول اللہ ﷺ سے کچھ بات کی اور پھر واپس آکر غلام نے کہا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے بات کی تھی اور تمہارا تذکرہ کر دیا لیکن حضور ﷺ خاموش رہے مجبوراً میں واپس آکر پھر منبر کے پاس ان لوگوں کے قریب بیٹھ گیا جو وہاں موجود تھے لیکن زیادہ دیر رُکا نہ گیا، پھر جا کر اسی غلام سے کہا میرے لئے داخلہ کی اجازت کی استدعا کرو، اس نے اندر جا کر حضور ﷺ سے کچھ کلام کیا اور کچھ دیر کے بعد واپس آ گیا اور بولا میں نے حضور ﷺ سے تمہارے لئے داخلہ کی درخواست کی تھی مگر حضور ﷺ خاموش رہے میں (مایوس ہو کر) لوٹ آیا اور انہی لوگوں کے ساتھ جا کر بیٹھ گیا جو منبر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے لیکن کچھ ہی دیر کے بعد اندرونی احساس کے غلبہ کی وجہ سے اٹھا اور غلام سے جا کر کہا عمر کے لئے اجازت کی درخواست کرو، غلام اندر گیا اور کچھ دیر کے بعد لوٹ کر آیا اور کہا میں نے تمہارا ذکر کیا لیکن حضور ﷺ خاموش رہے میں نے واپسی کے لئے پشت پھیری ہی تھی کہ اس غلام نے پکار کر کہا رسول اللہ ﷺ نے تم کو داخل ہونے کی اجازت دے دی، یہ بات سن کر میں اندر چلا گیا، میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ ننگی چٹائی پر استراحت فرما ہیں جس کی وجہ سے پہلو پر چٹائی کے نشان پڑ گئے ہیں اور سر کے نیچے چمڑے کا ایک تکیہ ہے جس میں درختِ کھجور کے ریشے بھرے ہوئے ہیں۔ میں نے سلام کیا اور کھڑے کھڑے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ ﷺ نے اپنی بیبیوں کو طلاق دے دی، حضور ﷺ نے میری طرف نظر اٹھائی اور فرمایا نہیں۔ اللہ اکبر۔ رسول اللہ ﷺ سے اپنی جھجک کو دور کرنے کے لئے میں نے کھڑے کھڑے ہی عرض کیا۔ دیکھئے حضور ﷺ ہمارا قریش کا جتھا پہلے اپنی عورتوں پر غالب تھا لیکن مدینہ آنے کے بعد ہم نے ایسے لوگ پائے جن کی عورتیں ان پر غالب ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سن کر مسکرا دیئے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ملاحظہ فرمایئے میں حفصہ کے پاس گیا تھا اور میں نے اس سے کہہ دیا کہ تجھے اس بات پر رشک نہ ہونا چاہئے کہ تیری ہمسائی تجھ سے زیادہ چمکیلی اور رسول اللہ ﷺ کو چہیتی ہے، حضور ﷺ یہ بات سن کر دوبارہ مسکرا دیئے۔ حضور ﷺ کو مسکراتے دیکھ کر میں بیٹھ گیا اور نظر اٹھا کر گھر کے اندر کی چیزوں کو دیکھا، خدا کی قسم تین کچے چمڑوں کے علاوہ میں نے کوئی چیز قابلِ دید نہیں پائی میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ اللہ سے دعا کیجئے کہ آپ کی امت کو فراخ حالی حاصل ہو جائے۔ روم اور فارس کو اللہ نے فراخ حال کیا ہے اور ان کو دنیا عطا کی ہے۔ باوجودیکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے، حضور ﷺ اس وقت تکیہ لگائے ہوئے تھے میری بات سنتے ہی بیٹھ گئے اور فرمایا ابن خطاب کیا تم اس خیال میں ہو، ان لوگوں کو تو اللہ نے ان کی عمدہ (دل پسند) چیزیں دنیا میں دے دی ہیں (آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے لئے دعاء مغفرت فرمایئے۔ بس یہی بات تھی کہ حضور ﷺ اپنی بیبیوں سے الگ ہو کر گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ کیوں کہ حفصہ نے عائشہ سے حضور ﷺ کا راز کہہ دیا تھا۔

اللہ نے اپنے رسول پر عتاب کیا تھا اس لئے حضور ﷺ اپنی بیبیوں سے سخت ناراض تھے اور عہد کیا تھا میں ایک ماہ تک ان کے پاس نہیں جاؤں گا، چنانچہ جب انتیس راتیں گزر گئیں تو سب سے پہلے عائشہ کے گھر تشریف لے گئے۔ عائشہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ نے تو قسم کھائی تھی کہ ایک مہینہ تک آپ ہمارے (یعنی کسی بی بی) کے پاس تشریف نہیں لائیں گے

لیکن آج تو انتیس کے بعد کی صبح ہے۔ میں برابر گن رہی ہوں۔ فرمایا مہینہ انتیس کا (بھی ہوتا) ہے واقعی وہ مہینہ انتیس کا ہوا تھا۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے اس کے بعد آیتِ تخییر نازل ہوئی، نزول آیت کے بعد سب سے پہلے حضور ﷺ میرے پاس تشریف لائے (اور مجھے نکاح میں باقی رہنے یا آزاد ہو جانے کا اختیار دیا) میں نے حضور ﷺ (کے ساتھ رہنے) کو اختیار کیا پھر دوسری بیبیوں کو یہ ہی اختیار دیا اور سب نے اس بات کو اختیار کیا جو عائشہؓ نے اختیار کی تھی (یعنی کیسا ہی فقر و فاقہ ہو کسی بی بی نے حضور ﷺ سے جدا ہونے کو پسند نہیں کیا) بخاری کی روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کہا، میں تجھ سے ایک بات کہتا ہوں بغیر ماں باپ کے مشورے کے فوری عجلت میں اس کا جواب دینا تیرے لئے لازم نہیں ہے۔ حضور ﷺ جانتے تھے کہ میرے والدین رسول اللہ ﷺ سے جدا ہونے کا مجھے مشورہ نہیں دیں گے، اس کے بعد حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ نے ارشاد فرمایا ہے یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ (دونوں آیات کے ختم تک حضور ﷺ نے تلاوت فرمائی) میں نے عرض کیا کیا اس معاملہ میں میں والدین سے مشورہ کروں (اس کی کوئی ضرورت نہیں) میں اللہ کو اور اس کے رسول کو دارِ آخرت (کی بھلائی) کو چاہتی ہوں۔ یہ حدیث بتا رہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جو ایک ماہ تک اپنی بیبیوں سے کنارہ کش رہے، اس کا سبب وہی افشاء راز تھا، حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ کا راز کہہ دیا تھا۔

لیکن مسلم نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ داخلہ کی اجازت مانگنے کے لئے آئے آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر بیٹھے ہوئے ہیں اور اجازتِ داخلہ کے امیدوار ہیں لیکن کسی کو اجازت نہیں دی گئی۔ حضور ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو اجازت دے دی، آپ اندر چلے گئے کچھ دیر کے بعد حضرت عمرؓ آئے اور اجازتِ داخلہ کے خواستگار ہوئے۔ حضور ﷺ نے ان کو بھی اجازت دے دی حضرت عمرؓ اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ غمگین خاموش بیٹھے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے (اپنے دل میں) کہا میں کوئی ایسی بات کہوں جس سے رسول اللہ ﷺ کو ہنسی آجائے چنانچہ کہنے لگے یا رسول اللہ اگر خارجہ کی بیٹی (یعنی میری بیوی) مجھ سے زیادتِ خرچ کی طلب گار ہو تو میں اس کی گردن توڑ دوں گا۔ یہ بات سن کر حضور ﷺ مسکرا دیئے اور فرمایا تم دیکھ رہے ہو کہ یہ عورتیں میرے گرداگرد جمع ہیں اور مجھ سے زیادتِ مصارف کی طلب گار ہیں، یہ سنتے ہی حضرت ابو بکرؓ اٹھ کر حضرت عائشہؓ کی طرف بڑھے تاکہ ان کی گردن مروڑ دیں اور حضرت عمرؓ بھی حضرت حفصہؓ کی طرف بڑھے اور دونوں حضرات نے (اپنی اپنی بیٹیوں سے) کہہ دیا کہ ہرگز کبھی رسول اللہ ﷺ سے اس چیز کی طلب گار نہ ہوں جو حضور ﷺ کے پاس نہ ہو۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ بیبیوں سے ایک ماہ یعنی انتیس رات تک کنارہ کش رہے، پھر آیتِ تخییر نازل ہوئی اور حضور ﷺ سب سے پہلے حضرت عائشہ کے پاس تشریف لے گئے (اور آیتِ تخییر کی تلاوت ان کے سامنے کی)

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے یہ ہو سکتا ہے کہ ان تمام واقعات کا مجموعہ بیبیوں سے کنارہ کش ہونے کا سبب ہو، شہد کا قصہ، حضرت ماریہ کا واقعہ، حضرت حفصہ کا حضرت عائشہ سے رسول اللہ ﷺ کے راز کا اظہار، بیبیوں کی طرف سے وسعتِ نفقہ کی درخواست، حضرت زینب کی طرف سے تین بار ہدیہ کا واپس کرنا اور ہر مرتبہ رسول اللہ ﷺ کا ہدیہ میں اضافہ کرنا جیسا کہ ابن سعد نے بطریق عمرہ بیان کیا ہے۔ یہ تمام واقعات آگے پیچھے ہوتے رہے۔ اور حضور ﷺ ضبط کرتے رہے اور درگزر فرماتے رہے۔ حضور ﷺ اقدس کے مکارمِ اخلاق اور بلندیٔ حوصلہ کا یہی تقاضہ تھا کہ جب یہ واقعات پیہم ہوتے رہے آپ ﷺ نے عورتوں سے کنارہ کش کرلی (مگر طلاق پھر بھی نہیں دی) اور پھر راضی ہو گئے۔

وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَیْهِ یعنی اگر تم دونوں رسول اللہ ﷺ کے خلاف باہم تعاون کرلو گی اور ایسی بات کرو گی جو رسول اللہ ﷺ کو ناگوار ہے (مثلاً) توسیع نفقہ کی طلب اور اِفشاء راز تو کامیاب نہ ہو گی، ترجمہ کا یہ آخری جملہ شرط کی جزا ہے، اور محذوف ہے۔

فَاِنَّ اللّٰهَ (ف تعلیلیہ ہے، یہ کامیاب نہ ہونے کی علت ہے۔

مَوْلٰهُ اس کا مددگار ہے اور جبرئیل جو مقرب فرشتوں کا سردار ہے وہ بھی رسول اللہ ﷺ کا رفیق اور مددگار ہے۔

وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ یعنی رسول اللہ ﷺ کے متبعین اور اعوان اور آپ کے گرداگرد جمع ہونے والے بھی رسول اللہ ﷺ کے رفیق اور ساتھی ہیں۔

کلبی نے کہا صالح المؤمنین سے مراد ہیں مخلص مؤمن جو منافق نہیں ہیں۔

حضرت ابن مسعود اور حضرت اُبَی بن کعب کا قول مروی ہے کہ صالح المؤمنین ابو بکر و عمر ہیں۔ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابوامامہ نے اس قول کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف بھی کی ہے۔ ابن عمر، ابن عباس اور سعید بن جبیر کا بیان ہے کہ یہ آیت ابو بکر اور عمر کے حق میں نازل ہوئی۔

مدد تو صرف اللہ ہی کی کافی ہے وہی تنہا مددگار اور ناصر ہے لیکن جبرئیلؑ اور مؤمنینِ صالحین اور ملائکہ کا ذکر ان سب کی عزت افزائی اور عظمت ظاہر کرنے کے لئے کیا گیا۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ یعنی اللہ کی جبرئیل کی اور مؤمنین صالحین کی مدد کے بعد ملائکہ بھی اپنی پوری کثرت کے ساتھ مددگار ہیں۔ آیت میں تینوں کی ترتیب ثابت کر رہی ہے کہ جبرئیلؑ جو خواص ملائکہ میں سے ہیں، عام انسانوں سے یعنی صالح مؤمنوں سے افضل ہیں اور عام انسان صالح مؤمن عام ملائکہ سے افضل ہیں۔

بخاری نے حضرت عمرؓ کی روایت حدیث میں بیان کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ عورتوں کے معاملہ میں آپ کے لئے کیا دُشواری ہے اگر آپ ان کو طلاق دے دیں گے تو (آپ کا کچھ نقصان نہ ہوگا کیوں کہ) اللہ آپ ﷺ کے ساتھ ہے اور فرشتے اور جبرئیل و میکائیل اور ابو بکر اور مؤمن بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ میں نے جب کوئی بات کہی تو اللہ سے مجھے امید رہی کہ وہ میری بات کو سچا کر دے گا چنانچہ (میرے اس کلام کے بعد آیتِ ذیل نازل ہوئی۔

عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا۝

اگر پیغمبر تم عورتوں کو طلاق دے دو گے تو ان کا رب بہت جلد تمہارے بدلے ان کو تم سے اچھی بیبیاں دے دے گا جو اسلام لانے والیاں، فرماں برداری کرنے والیاں، توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار، روزے رکھنے والیاں ہوں گی، کچھ بیوہ اور کچھ کنواریاں۔

اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ خطاب حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ کو ہے لیکن بطورِ تغلیب جمع مخاطب کا صیغہ استعمال کیا۔

شبہ کیا جاسکتا ہے کہ اِنْ طَلَّقَكُنَّ میں اِنْ حرفِ شرط ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حفصہؓ کو رسول اللہ ﷺ نے طلاق نہیں دی تھی دوسری بات آیت سے یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ بعض دوسری عورتیں امہات المؤمنین سے افضل تھیں۔

یہ دونوں شبہات غلط ہیں کیوں کہ (۱) ہو سکتا ہے کہ کسی ایک کو طلاق دے دی ہو سب کو نہ دی ہو مجموعہ کو طلاق نہ دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی ایک کو بھی نہ دی ہو۔

(۲) اگر کسی بات کو کسی ایسے امر سے معلق کیا جائے جو واقع نہیں ہوا تو اس سے لازم نہیں کہ وہ بات واقع ہو گئی۔ آیت میں بجائے امہات المؤمنین کے ان سے بہتر عورتیں عطا فرمانے کی صراحت کی گئی۔ بشرطیکہ موجودہ ازواج کو رسول اللہ ﷺ طلاق دے دیں اور طلاق تو حضور ﷺ نے نہیں دی پھر دوسری عورتوں کا امہات المؤمنین سے افضل ہونا کیسے ثابت ہوا۔

بغوی نے لکھا ہے اللہ نے اس آیت میں اپنے قادر ہونے کا اظہار کیا یعنی اللہ قادر ہے کہ ایسا کر دے لیکن کیا ایسا واقع ہو گیا، اس کا تو اظہار نہیں کیا۔

مُسۡلِمٰتٍ اللہ کی فرماں بردار۔
مُّؤۡمِنٰتٍ پیغمبروں کی تصدیق کرنے والیاں۔
قٰنِتٰتٍ طاعت کی پابند یا نماز پڑھنے والیاں یاد عاکرنے والیاں۔
تٰٓئِبٰتٍ گناہوں سے توبہ کرنے والیاں یا اللہ کی طرف رجوع کرنے والیاں، یا اللہ کے رسول کے حکم کی طرف لوٹنے والیاں۔
عٰبِدٰتٍ اللہ کی عبادت کرنے والیاں یا حکم رسول اللہ ﷺ کے سامنے انتہائی عاجزی کا اظہار کرنے والیاں۔
سٰٓئِحٰتٍ روزے رکھنے والیاں (عموماً) سیاح کے پاس سیاحت میں کھانے پینے کا سامان نہیں ہوتا، کوئی دوسرا شخص (مفت یا مول) اس کو کچھ دے دے تو کھا پی لیتا ہے روزہ دار بھی دن بھر کھانے پینے سے افطار تک رکا رہتا ہے (گویا سیاح اور صائم دونوں وقت خاص تک کھانے پینے سے رکے رہتے ہیں ایک میسّر ہونے کے وقت تک اور دوسرا وقت افطار تک) اسی لئے روزہ دار کو سائح کہا جاتا ہے۔
بعض علماء نے کہا روزہ دو طرح کا ہوتا ہے ایک حقیقی یعنی کھانے پینے اور قربت صنفی سے رکا رہنا۔ دوسرا حکمی یعنی آنکھ کان، زبان، ہاتھ، پاؤں اور تمام اعضاء کو گناہ سے روکنا پس سائح وہ روزہ دار ہے جس کا روزہ اس طرح کا ہو۔ یا سائحات سے مراد ہیں اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والیاں، یا وہ عورتیں مراد ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب جانے والیاں جہاں رسول اللہ ﷺ جائیں وہیں وہ بھی جاتی ہیں۔
بعض نے کہا سائح وہ لوگ ہیں جن کی سیاحت ذیل کی مصداق ہو، اللہ نے فرمایا ہے اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَتَکُوۡنَ لَہُمۡ قُلُوۡبٌ یَّعۡقِلُوۡنَ بِہَاۤ اَوۡ اٰذَانٌ یَّسۡمَعُوۡنَ بِہَا۔

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَ اَہۡلِیۡکُمۡ نَارًا وَّ قُوۡدُہَا النَّاسُ وَ الۡحِجَارَۃُ عَلَیۡہَا مَلٰٓئِکَۃٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعۡصُوۡنَ اللّٰہَ مَاۤ اَمَرَہُمۡ وَ یَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ ﴿۶﴾

اے ایمان والو، تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جس پر تند خو اور قوی فرشتے متعین ہیں جو خدا کی ذرا نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جو انکو حکم دیا جاتا ہے۔
قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ اپنی جانوں کو بچاؤ یعنی فرائض ادا کرو اور گناہوں کو چھوڑ دو۔
وَ اَہۡلِیۡکُمۡ اور اپنے اہل و عیال کو بھی بچاؤ یعنی ان کو (اسلامی) تعلیم دو، اور (اسلامی) آداب سکھاؤ، اچھے کام کرنے کا حکم دو اور جن کاموں کی ممانعت کر دی گئی ہے ان سے روکو۔
وَّ قُوۡدُہَا یعنی اس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جس طرح معمولی آگ لکڑی سے بھڑکتی ہے اسی طرح وہ (دوزخ کی) آگ (دوزخی) آدمیوں سے اور پتھروں سے بھڑکے گی۔
مَلٰٓئِکَۃٌ یعنی وہ فرشتے جو دوزخ کے کارندے ہیں۔
غِلَاظٌ دوزخیوں کے لئے سخت خو۔
شِدَادٌ طاقت ور قوی۔ اتنے زور آور کہ ایک ہی مرتبہ میں ایک فرشتہ ستر ہزار کو دوزخ میں پھینک دے گا دوزخ کے فرشتوں کو زبانیہ کہا جاتا ہے۔ ضیاء مقدسی کی روایت ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا، میں نے خود سنا، رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جہنم کے پیدا ہونے سے ہزار برس پہلے جہنم کے فرشتوں کو پیدا کیا گیا پھر ہر روز ان کی قوت بڑھتی رہتی ہے اور یہاں تک کہ جن پر ان کو مسلّط کیا گیا ہے، ان کو پیشانی کے بالوں اور قدموں سے پکڑ کر چلاتے ہیں۔

وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ یعنی احکام کو قبول کرنے اور ان کے پابند رہنے سے وہ انکار نہیں کرتے اور ان کو جو حکم ملتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔

ع ۱۹ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

اور دوزخ میں ڈالتے وقت کافروں سے کہا جائے گا اے کافرو! آج معذرت نہ کرو، بس تم کو اسی کی سزا مل رہی ہے جو تم (دنیا میں) کیا کرتے تھے۔

لَا تَعْتَذِرُوا یہ عذر پیش کرنے کی ممانعت کی علت ہے جس وقت کافر دوزخ میں داخل ہوں گے اس وقت ان سے یہ بات کہی جائے گی۔ کافر کہیں گے واللہ ربنا ما کنا مشرکین پھر بطور معذرت کہیں گے رَبَّنَا اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا لیکن اس درخواست سے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۭ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ

اے ایمان والو! اللہ کے سامنے سچی توبہ کرو (تمہارے لئے) امید (یعنی وعدہ) ہے کہ تمہارے رب تمہارے گناہ (سچی توبہ سے) معاف کر دے گا اور تم کو ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جس کے (محلات اور درختوں کے) نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔

تَوْبَةً نَّصُوْحًا نصوح مبالغہ کا صیغہ ہے نصح سے مشتق ہے۔ نصح کا معنی ہے قول و عمل سے اپنے ساتھی کی خیر خواہی حقیقت میں ناصح تائب کی صفت ہوتی ہے، توبہ کو نصوح کا صیغہ کہنا مجازاً بطور مبالغہ ہے۔

یا نصوح فصاحت سے مشتق ہے نصاحت کا معنی ہے سینا (کپڑے کے ٹکڑوں کو جوڑ دینا) گناہوں کی وجہ سے دین و تقویٰ میں شگاف ہو جاتا ہے توبہ اس شگاف کو جوڑ دیتی ہے۔

یا نصح کا معنی خلوص عسل ناصح خالص شہد۔ خالص توبہ یعنی ریاد کھاوٹ اور طلب شہرت سے خالص توبہ۔

بغوی نے لکھا ہے عمر و نے کہا توبۂ نصوح یہ ہے کہ گناہ سے توبہ کر لے پھر گناہ کی طرف دوبارہ نہ لوٹے جیسے دودھ لوٹ کر تھن میں نہیں جاتا ہے۔

حسن نے کہا توبۂ نصوح یہ ہے کہ پچھلے گناہوں پر پشیمان ہو اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کر لے۔

کلبی نے کہا زبان سے استغفار کرنا، دل سے پشیمان ہونا اور اعضاء کو گناہ سے روک دینا توبۂ نصوح ہے۔

قرطبی نے کہا توبۂ نصوح چار چیزوں کا مجموعہ ہے۔ زبان سے استغفار، اعضاء بدن کو (گناہوں سے) روکنا، دوبارہ گناہ نہ کرنے کا دل سے عہد اور (برے، بدکار دوستوں کو چھوڑ دینا)۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ سے توبہ کے متعلق دریافت کیا گیا، فرمایا: توبہ چھ چیزوں کا مجموعہ ہے۔ گزشتہ گناہوں پر ندامت (ترک شدہ) فرائض کو دوبارہ ادا کرنا۔ حقوق لوٹا دینا۔ دعویداروں کو راضی کر لینا، دوبارہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کر لینا اور اللہ کی طاعت پر قائم رہ کر نفس کو پاک کرنا۔

عَسٰى رَبُّكُمْ اس آیت میں گناہوں کو معاف کرنے کی امید دلائی گئی ہے۔ اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ توبہ بجائے خود گناہوں کی معافی کی موجب نہیں، اللہ (مختار کامل ہے اس) پر کچھ واجب نہیں۔ بندے کو امید و بیم کی حالت میں رہنا چاہئے۔

ابو نعیم نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ نے انبیاء بنی اسرائیل میں سے ایک نبی کے پاس وحی بھیجی کہ تمہاری امت میں جو اہل طاعت ہیں ان سے کہہ دو کہ اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کریں کیوں کہ قیامت کے دن جس بندہ کو حساب فہمی کے لئے کھڑا کروں گا (اور اس سے محاسبہ کروں گا) اور اپنی امت کے گناہ گاروں سے کہہ دو کہ وہ

مایوس نہ ہوں۔ میں بڑے گناہ معاف کر دوں گا اور مجھے کوئی پروا نہیں۔

بزار نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن آدمی کے تین رجسٹر ہوں گے، ایک رجسٹر میں اس کے نیک اعمال کا اندراج ہوگا۔ دوسرے رجسٹر میں اس کے گناہ لکھے ہوئے ہوں گے، اور تیسرے میں اللہ کی نعمتیں درج ہوں گی۔ رجسٹر میں مندرجہ نعمتوں میں سے سب سے چھوٹی نعمت سے اللہ فرمائے گا کہ اس آدمی کے نیک اعمال میں سے تیرے مساوی جو عمل ہو اس کو لے لے وہ نعمت تمام نیک اعمال کو لے لے گی اور عرض کرے گی تیری عزت کی قسم ابھی تو میں نے اپنا پورا معاوضہ لیا بھی نہیں کہ تمام نیکیاں ختم ہو گئیں اور گناہ (توسب کے سب) باقی ہیں، پھر جب اللہ بندہ پر رحم کرنا چاہے گا تو فرمائے گا میرے بندے، میں نے تیری نیکیاں بڑھا کر چند گنا کر دیں اور تیری بداعمالیوں سے درگزر کی اور اپنی نعمت تجھے بخش دی۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی کو اس کا عمل ہرگز نجات (دوزخ سے حفاظت) نہیں دے گا۔ صحابہ نے عرض کیا آپ کو بھی اے اللہ کے رسول ﷺ! فرمایا مجھے بھی نہیں۔ سوائے اس کے کہ اللہ اپنی رحمت اور فضل سے مجھے ڈھانک لے (اور کوئی نجات کا ذریعہ نہیں)

اس موضوع کی احادیث بہت آئی ہیں۔

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۸﴾

جس دن کہ اللہ نبی ﷺ کو اور جو مسلمان (دین میں) ان کے ساتھ ہیں ان کو رسوا نہیں کرے گا، ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے داہنے جانب دوڑتا ہوگا اور منافقوں کا نور بجھا ہوا دیکھ کر دہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہمارے اس نور کو آخر تک رکھنا اور ہم کو بخش دے، تو ہر شے پر قادر ہے۔

یَوْمَ اس کا تعلق لِیُدْخِلَکُمْ سے ہے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اس کا عطف النَّبِیَّ پر ہے اس میں اہل ایمان کی ستائش اور ان کے مخالفوں پر تعریض ہے۔

نُوْرُهُمْ یَسْعٰی یہ رسوانہ کرنے کی علت ہے۔ پل صراط پر مؤمنوں کے آگے آگے اور داہنے جانب نور دوڑتا ہوگا اور جب وہ منافقوں کے نور کو بجھتا دیکھیں گے تو کہیں گے اے ہمارے رب! ہم کو ہمارا پورا اور عطا کر۔ حسب تفاوت اعمال انوار میں تفاوت ہوگا۔ اس لئے وہ نور کامل کی درخواست کریں گے۔

تفاوت انوار واعمال کا سورۂ حدید میں ہم نے ذکر کر دیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۹﴾

اے نبی کافروں اور منافقوں سے (تلوار اور دلائل کے ساتھ) جہاد کرو اور ان پر سختی کرو اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے۔

جَاهِدِ الْکُفَّارَ یعنی تلوار سے اور دلائل سے کافروں اور منافقوں کے مقابلہ کی کوشش کرو اور ان کا رد کرو اور ان کا نفاق ظاہر جائے تو ان کو رسوا کرو اور جہاد میں سختی کرو۔ ان پر رحم نہ کرو۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ۭ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ﴿۱۰﴾

اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے نوحؑ کی بی بی کا اور لوطؑ کی بی بی کا حال (بطور مثال) بیان فرمایا ہے، وہ دونوں ہمارے خاص بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں سو ان دونوں عورتوں نے ان دونوں بندوں کا حق ادا نہیں کیا تو یہ نیک بندے اللہ کے مقابلہ میں ان دونوں عورتوں کے کچھ کام نہ آسکے اور دونوں

عورتوں کو حکم دے دیا گیا کہ دوزخ میں جانے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی دوزخ بھی چلی جاؤ۔

حضرت نوحؑ کی بی بی کا نام واعلہ تھا اور حضرت لوطؑ کی بی بی کا دابلہ تھی۔ اللہ نے بطورِ مثال ان دو عورتوں کا تذکرہ یہ بتانے کے لئے کیا کہ کافروں کا رشتہ قرابت یہاں تک کہ رشتہ زوجیت بھی اگر پیغمبروں سے ہو تو کافروں کے لئے وہ بے سود ہے۔ پیغمبروں کی قرابت اور زوجیت بھی کام نہیں آسکتی۔ یہ تنبیہ رسول اللہ ﷺ سے رشتہ قرابت رکھنے والوں کو ہے کہ کفر کی حالت میں پیغمبر بھی تمہارے کام نہیں آسکتے۔

صَالِحَیْنِ حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کو عبدِ صالح فرمایا کیوں کہ نبوت سے عصمت حاصل ہوتی ہے اور عصمت نام ہے کمالِ صلاح کا۔

فَخَانَتٰھُمَا دونوں عورتوں کے خیانت کرنے سے مراد ہے کافر اور منافق ہونا (زنا اور بدکاری مراد نہیں ہے) حضرت ابن عباس نے کہا کسی نبی کی بی بی نے بدکاری اور زنا نہیں کی نوحؑ اور لوطؑ کی بیبیوں کے خیانت کرنے کا یہ معنی ہے کہ وہ عورتیں ان پیغمبروں کے دین پر نہیں تھیں حضرت نوحؑ کی بی بی لوگوں سے کہتی تھی نوح دیوانہ ہے اگر حضرت نوحؑ پر کوئی ایمان لے آتا تھا تو وہ قوم والوں کو خبر پہنچادیتی تھی اور حضرت لوطؑ کی بی بی حضرت کے مہمانوں کی اطلاع قوم والوں کو دے دیتی تھی، اگر کوئی مہمان رات کو آتا تو وہ روشنی کر دیتی تھی تاکہ روشنی دیکھ کر لوگ سمجھ جائیں کہ لوطؑ کے گھر کوئی مہمان آیا ہے، اور اگر دن میں کوئی مہمان اترتا تو دھونی دے دیتی تاکہ مہمان کی آمد کی اطلاع ہو جائے۔

کلبی نے کہا خیانت کرنے کا یہ معنی ہے کہ انہوں نے دلوں میں نفاق چھپا رکھا تھا اور بظاہر مؤمن تھیں۔

فَلَمْ یُغْنِیَا یعنی یہ پیغمبر بھی اللہ کے عذاب کو دفع نہ کرسکے یا حقِ زوجیت کسی قسم کا فائدہ نہ پہنچا سکے۔

وَقِیْلَ اور دونوں عورتوں سے ان کے مرنے کے وقت کہا گیا گویا قیامت کے دن کہا جائے گا۔

مَعَ الدّٰخِلِیْنَ یعنی ان کافر دوزخیوں کے ساتھ جن کا انبیاء سے یا کسی بھی مؤمن سے رشتہ قرابت و زوجیت باقی نہیں رہا۔

اس آیت میں اللہ نے ان کافروں کی امید کو منقطع کر دیا جو آس لگائے ہوئے تھے کہ دوسروں کا ایمان ان کو فائدہ پہنچائے گا اس سے اگلی آیت میں بتایا کہ اگر بندہ مؤمن ہے تو دوسروں کا کفر اس کو کسی طرح کا ضرر نہیں پہنچا سکتا۔

وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَکَ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِہٖ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۱﴾

اور اللہ مسلمانوں (کی تسلی) کے لئے فرعون کی بی بی کا حال بیان کرتا ہے جب کہ اس بی بی نے دعا کی اے میرے رب میرے لئے اپنے قرب میں جنت کے اندر ایک مکان بنادے اور مجھے فرعون اور اس کے عمل (کفر و شرک) سے محفوظ رکھ اور مجھے ان ظالموں (یعنی کافروں) سے بچا۔

اِمْرَاَتَ فِرْعَوْنَ فرعون کی بی بی کا نام آسیہ بنت مزاحم تھا، فرعون جو دشمنِ خدا تھا ان کا شوہر تھا لیکن فرعون کے کافر ہونے کا کوئی ضرر ان کو نہیں پہنچا (یہ مخلص مؤمنہ اور اللہ کی مقبول بندی تھیں)

اہلِ تفسیر نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰؑ جادوگروں پر غالب آگئے تو اس سے متاثر ہو کر آسیہ ایمان لے آئیں (اور حضرت موسیٰؑ کی سچائی کا ان کو یقین ہو گیا) فرعون کو جب ان کے مسلم ہو جانے کی اطلاع ملی تو اس نے آپ کو دھوپ میں ڈلوا کر چومیخا کرا دیا، سلیمان کا بیان ہے کہ فرعون کی بی بی کو دھوپ میں ڈلوا کر (طرح طرح کی) ایذائیں دی جاتی تھیں لیکن جب فرعون کے کارندے واپس چلے جاتے تھے تو فرشتے آسیہ پر سایہ کر لیتے تھے۔

عِنْدَکَ تیرے پاس۔ اللہ ہر (قریب اور بعید) مکان سے پاک ہے اس لئے اس کا قرب بے کیف ہے (اس کے قرب کی کیفیت نہیں بیان کی جاسکتی)

بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ اللہ نے آسیہ کا جنتی مکان اسی زندگی میں ان کو دکھا دیا تھا۔ بذریعہ کشف انہوں نے اپنا جنتی مکان دیکھ لیا تھا۔

وَعَمَلِہٖ اور اس کے عمل سے مجھے نجات دے یعنی اس کی سخت ایذا رسانی سے نجات دے۔ مقاتل نے کہا عملِ فرعون سے مراد شرک ہے۔ ابو صالح کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا فرعون کے کارندے مراد ہیں۔

مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ یعنی ان لوگوں سے نجات دے جنھوں نے کفر و معصیت کر کے خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور اللہ کے بندوں کو عذاب دیتے اور ان پر ظلم کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ان قبطیوں سے نجات دے جو فرعون کے تابع ہیں۔

اس قصہ کے ذیل میں بیان کیا گیا ہے کہ فرعون نے ایک بڑا پتھر آسیہ کے اوپر ڈال دینے کا حکم دیا۔ حسب الحکم جب ان پر ڈالنے کے لئے ایک عظیم پتھر لایا گیا تو انہوں نے کہا رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَکَ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ دعا کرتی تھی کہ انہوں نے اپنا موتی کا گھر جنت میں دیکھ لیا اور روح بدن سے پرواز کر گئی جب پتھر ان پر ڈالا گیا تو نعش بے جان تھی، پتھر کے نیچے دبنے کی کوئی اذیت ان کو نہیں پہنچی۔

حسن نے بیان کیا اللہ نے فرعون کی بی بی کو جنت کی طرف اٹھا لیا تھا وہ جنت میں کھاتی پیتی ہیں (یعنی فرعون کو ان پر قدرت ہی حاصل نہیں ہوئی)

وَمَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهِ
مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِیْنَ ﴿۱۲﴾ ع ۲۰

اور (مسلمانوں کی تسلی کے لئے) اللہ مریم بنت عمران کا حال بیان کرتا ہے جس نے اپنے ناموس کو محفوظ رکھا سو ہم نے اس کے ناموس (یعنی چاک گریبان) کے اندر اپنی روح پھونک دی اور اس نے اپنے رب کے پیغاموں کی (جو ملائکہ کے ذریعہ سے اس کو پہنچتے تھے) اور اس کی کتابوں کتابوں کی تصدیق کی اور وہ تھی اطاعت گزاروں میں سے۔

اَلَّتِیْ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا یعنی مردوں سے اپنی شرم گاہ کو محفوظ رکھا۔

فَنَفَخْنَا ہم نے پھونک دی یعنی ہمارے حکم سے جبرئیلؑ نے مریمؑ کے گریبان میں پھونک دیا جس کا اثر شرمگاہ تک پہنچا اور مریم حاملہ ہو گئی۔ بندوں کے تمام افعال کا خالق اللہ ہی ہے اور اللہ کے حکم سے ہی جبرئیلؑ نے پھونکا تھا اور پھونک کا خالق اللہ ہی تھا اس لئے پھونکنے کی نسبت بجائے جبرئیلؑ کے اپنی طرف کر دی۔

مِنْ رُّوْحِنَا۔ مِنْ زائد ہے، بغیر کسی کے توسط کے اللہ نے روح کو پیدا کیا پس تخلیقِ روح کا تعلق براہ راست اللہ سے ہوا۔ اخفش کے نزدیک کلام مثبت ہے اور مِنْ زائد ہے لیکن سیبویہ کے نزدیک اس جگہ مِنْ تبعیضیہ ہے جیسے یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ میں مِنْ بعضیہ ہے یعنی کچھ گناہ اللہ معاف فرما دے گا۔

بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا کلمات سے مراد ہیں وہ صحیفے جو انبیاء پر نازل ہوئے یا وحی انبیاء مراد ہے دونوں صورتوں میں اللہ کے بھیجے ہوئے قوانین اور شریعتیں مراد ہوں گی جو اللہ نے بندوں کے لئے نازل فرمائیں۔

وَكُتُبِهٖ یعنی لوح محفوظ کی تحریریں یا وہ کتابیں جو اللہ نے پیغمبروں پر نازل کیں۔

مِنَ الْقٰنِتِیْنَ یعنی مریم ان لوگوں میں سے تھیں جو اطاعت شعار اور عبادت گزار اور پابند طاعت ہیں۔ قٰنِتِیْنَ (بصیغہ جمع مذکر) کا استعمال تغلیباً ہے (عورتیں بھی قانت ہوتی ہیں اور مرد بھی، صراحۃً مذکر کا صیغہ استعمال کیا گیا ضمناً عورتیں بھی اس کے اندر آ گئیں) یا صیغہ مذکر کے ذکر سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت مریم کامل مردوں سے کم نہیں تھیں ان کی ہم پلہ تھیں، یہاں تک کہ ان کا کامل مردوں میں شمار کیا گیا۔

حضرت ابو موسیٰؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کامل مرد تو بہت ہیں کامل عورتیں سوائے آسیہ زوجہ فرعون

اور مریم بنت عمران کے اور کوئی نہیں اور عائشہؓ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے دوسرے کھانوں پر ثرید کی برتری۔

رواہ احمد الشیخان فی الصحیحین، والترمذی وابن ماجہ۔ ثعلبی اور ابو نعیم کی روایت میں حدیث مذکور بالفاظ ذیل آئی ہے، حضور ﷺ نے فرمایا کامل مرد تو بہت ہیں کامل عورتیں صرف چار ہیں۔ آسیہ بنت مزاحم زوجہ فرعون، مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد ﷺ اور عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے کھانوں پر ثرید کی برتری۔

میں کہتا ہوں کامل ہونے سے مراد غالباً کمالات نبوت تک پہنچنا ہے۔ صحیحین کی روایت میں گویا اقوام گزشتہ کی خبر دی گئی ہے کیوں کہ ان میں (کامل مرد یعنی) انبیاء بکثرت ہوئے اور کمالات نبوت تک پہنچنے والی (گزشتہ امتوں میں) صرف آسیہ اور مریم ہوئیں۔

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا بھر کی عورتوں میں سے مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد اور آسیہ زن فرعون تمہارے لئے کافی ہیں۔ (یعنی صرف یہ ہی چار عورتیں کامل ہیں)۔

حضرت علیؓ نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا (گزشتہ اقوام کی) عورتوں میں مریم بنت عمران سب سے بہتر عورت تھیں اور ہماری عورتوں میں سب سے بہتر خدیجہ بنت خویلد ہیں (متفق علیہ)

حضرت ام سلمہؓ راوی ہیں کہ فتح مکہ کے سال رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو طلب فرمایا اور ان کے کان میں کچھ ارشاد فرمایا، حضرت فاطمہ سن کر رونے لگیں، پھر حضور ﷺ نے ان سے کوئی اور بات فرمائی جس کو سن کر وہ ہنس پڑیں جب حضور ﷺ کی وفات ہو گئی تو میں نے حضرت فاطمہؓ سے رونے اور پھر ہنسنے کا سبب دریافت کیا کہنے لگیں۔ رسول اللہ ﷺ نے (پہلے) فرمایا تھا کہ (عنقریب حضور ﷺ کی وفات ہو جائے گی میں سن کر رونے لگی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سوائے مریم بنت عمران کے جنتی عورتوں میں میں سردار ہوں گی۔ یہ سن کر میں ہنس دی (رواہ الترمذی)

حضرت مریم، حضرت آسیہ، حضرت خدیجہ، حضرت فاطمہؓ اور حضرت عائشہ کی باہم برتری کی تفصیل سورۂ آل عمران کی آیت یَا مَرْیَمُ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفَاکِ وَطَہَّرَکِ وَاصْطَفَاکِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ کی تفسیر کے ذیل میں کر چکے ہیں۔

فائدہ

دونوں تمثیلوں میں حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ پر تعریض ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف اس بات پر باہم تعاون کیا جو حضور ﷺ کو پسند نہیں تھی اور سخت ترین زجر بھی ہے، اور اس امر کی طرف اشارہ بھی ہے کہ دونوں کے ایمان کا تقاضا ہے اور دونوں پر لازم ہے کہ گزشتہ دونوں مؤمن عورتوں کی طرح ہو جائیں اور رسول اللہ ﷺ کی زوجیت پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں۔

(خدا کا شکر ہے تفسیرِ مظہری جلد ۱۱ (اردو) ختم ہوئی)

دعوت وتبلیغ اور مطالعہ کے لیے مستند کتب

حیاۃ الصحابہ	۳ جلد اردو ترجمہ	مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ مولانا محمد احسان صاحب
حیاۃ الصحابہ	۳ جلد انگریزی	
فضائل اعمال	اردو	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ
فضائل اعمال	انگریزی	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ
فضائل صدقات مع فضائل حج	اردو	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ
فضائل صدقات	انگریزی	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ
فضائل نماز		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ
فضائل قرآن		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ
فضائل رمضان		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ
فضائل حج		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ
فضائل تبلیغ		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ
فضائل ذکر		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ
حکایات صحابہ		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ
شمائل ترمذی		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ
منتخب احادیث	اردو	مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ مترجم مولانا محمد سعد مدظلہ
منتخب احادیث	انگریزی	مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ مترجم مولانا محمد سعد مدظلہ

سیرۃ اور سوانح پر دار الاشاعت کراچی کی مطبوعہ مستند کتب

سیرۃ حلبیہ اردو اعلیٰ ۶ جلد (کمپیوٹر)	سیرۃ النبی پر نہایت مفصل و مستند تصنیف	امام برہان الدین حلبیؒ
سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۷ حصص در ۳ جلد	اپنے موضوع پر ایک شاندار علمی تصنیف مستشرقین کے جوابات کے ہمراہ	علامہ شبلی نعمانیؒ / سید سلیمان ندویؒ
رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ۳ حصے یکجا (کمپیوٹر)	عشق میں سرشار ہو کر لکھی جانے والی مستند کتاب	قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ
محسن انسانیت اور انسانی حقوق	خطبہ حجۃ الوداع سے استشہاد اور مستشرقین کے اعتراضات کے جواب	ڈاکٹر حافظ محمد ثانی
رسول اکرم کی سیاسی زندگی	دعوت و تبلیغ سے سرشار حضور کی سیاست اور عملی تعلیم	ڈاکٹر محمد حمید اللہ
شمائل ترمذی	حضور اقدس ﷺ کے شمائل و عادات مبارکہ کی تفصیل پر مستند کتاب	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ
عہد نبوت کی برگزیدہ خواتین	اس عہد کی برگزیدہ خواتین کے حالات و کارناموں پر مشتمل	احمد خلیل جمعہ
دور تابعین کی نامور خواتین	تابعین کے دور کی خواتین " " " "	" " "
جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین	ان خواتین کا تذکرہ جنہوں نے حضور کی زبان مبارک سے خوشخبری پائی	" " "
ازواج مطہرات	حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا مستند مجموعہ	ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری
ازواج الانبیاء	انبیاء علیہم السلام کی ازواج کے حالات پر پہلی کتاب	احمد خلیل جمعہ
ازواج صحابہ کرام	صحابہ کرامؓ کی ازواج کے حالات و کارنامے۔	عبدالعزیز الشناوی
اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم	ہر شعبہ زندگی میں آنحضرت کا اسوۂ حسنہ آسان زبان میں۔	ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ
اسوۂ صحابہ ۲ جلد کامل یکجا	حضور اکرم سے تعلیم یافتہ حضرات صحابہ کرام کا اسوہ۔	شاہ معین الدین ندوی
اسوۂ صحابیات مع سیر الصحابیات	صحابیات کے حالات اور اسوہ پر ایک شاندار علمی کتاب۔	" " "
حیاۃ الصحابہ ۳ جلد کامل	صحابہ کرام کی زندگی کے مستند حالات مطالعہ کے لئے ایک انمول کتاب	مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ
طب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات طب پر مبنی کتاب	امام ابن قیمؒ
نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب صلی اللہ علیہ وسلم	۔ کے حالات اور عربی قصائد مع تراجم پر مشتمل عشق و ادب میں ڈوبی تصنیف	مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ
سیرۃ خاتم الانبیاء	بچوں کے لئے آسان زبان میں مستند سیرت، مدارس میں داخل نصاب	مولانا مفتی محمد شفیعؒ
رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم	مشہور کتاب سیرۃ النبی کے مصنف کی بچوں کے لئے آسان کتاب	سید سلیمان ندویؒ
سیرۃ خلفائے راشدین	مختصر انداز میں ایک جامع کتاب	مولانا عبدالشکور لکھنویؒ
الفاروق	حضرت عمر فاروقؓ کے حالات اور کارناموں پر محققانہ کتاب	علامہ شبلی نعمانی
حضرت عثمان ذوالنورین	حضرت عثمانؓ " " " " "	معراج الحق عثمانی

سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم — مختصر و آسان زبان میں — حضرت شاہ ولی اللہ   پیارے نبی کی پیاری صاحبزادیاں — ڈاکٹر حقانی میاں

تاریخ اسلام ۴ حصص در ۲ جلد کامل	آغاز اسلام سے آخری خلیفہ کے زوال تک کی مستند تاریخ	شاہ معین الدین ندویؒ
اخبار الاخیار	ہند و پاک کے مشاہیر صوفیاء کا مستند تذکرہ	شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ
حالات مصنفین درس نظامی	پورا درس نظامی تصنیف کرنے والے ائمہ و علماء کے مستند حالات	مولانا محمد حنیف گنگوہی
نقش حیات	مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی خود نوشت سوانح۔	مولانا حسین احمد مدنیؒ
جہنم کے پروانہ یافتہ	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیتیں پہنچانے والے ملعون کفار کے حالات	احمد خلیل جمعہ

ناشر: دار الاشاعت اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی ۱ پاکستان، فون و فیکس (۲۶۳۱۸۶۱ (۰۲۱))
اور مستند اسلامی و علمی کتب کا مرکز — قرآن پاک
دیگر اداروں کی کتب دستیاب ہیں، بیرون ملک بھیجنے کا انتظام ہے۔ فہرست کتب مفت ڈاک ٹکٹ بھیج کر طلب فرمائیں